عیارالشعرا

خوب چند ذکا

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی

عیار الشعرا

خوب چند ذکا

ترتیب:

سید محمد طارق حسن
سید نور الحسن نقوی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی ـ 110025

پہلی اشاعت : 2011
تعداد : 550

سلسلۂ مطبوعات : 1570

Iyarush-Shoara
(Khoob Chand Zuka)
by
Syed Md. Tariq Hasan
Syed Noorul Hasan Naqvi

ISBN :978-81-7587

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
110025، فون نمبر: 49539000، فیکس: 49539099
ویسٹ بلاک-8، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066
فون نمبر: 26109746، فیکس: 26108159
ای۔ میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in
طابع: لاہوتی پرنٹ ایڈز، جامع مسجد، دہلی-6
اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho(Top) کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق اور شعور کا ہے۔ان دو خداداد صلاحیتوں نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کا درجہ دیا بلکہ اسے کائنات کے ان اسرار و رموز سے بھی آشنا کیا جو اسے ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جا سکتے تھے۔ حیات و کائنات کے مخفی عوامل سے آگہی کا نام ہی علم ہے۔ علم کی دو اساسی شاخیں ہیں باطنی علوم اور ظاہری علوم۔ باطنی علوم کا تعلق انسان کی داخلی دنیا اور اس دنیا کی تہذیب و تطہیر سے رہا ہے۔ مقدس پیغمبروں کے علاوہ، خدارسیدہ بزرگوں، سچے صوفیوں اور سنتوں اور فکر رسا رکھنے والے شاعروں نے انسان کے باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ظاہری علوم کا تعلق انسان کی خارجی دنیا اور اس کی تشکیل و تعمیر سے ہے۔ تاریخ اور فلسفہ، سیاست اور اقتصاد، سماج اور سائنس وغیرہ علم کے ایسے ہی شعبے ہیں۔ علوم داخلی ہوں یا خارجی ان کے تحفظ و ترویج میں بنیادی کردار لفظ نے ادا کیا ہے۔ بولا ہوا لفظ ہو یا لکھا ہوا لفظ، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی کا سب سے موثر وسیلہ رہا ہے۔ لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہوا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقۂ اثر میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم و فنون کا سرچشمہ۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں طبع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم و ادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور

پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ کونسل کی کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول اس ہر دلعزیز زبان میں اچھی نصابی اور غیر نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ انگریزی اور دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی پوری توجہ صرف کی ہے۔ زیر نظر کتاب عیار الشعرا کی اشاعت اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اہل علم سے گذارش ہے کہ اگر کتاب میں انھیں کوئی خامی نظر آئے تو تحریر فرمائیں تاکہ اگلی اشاعت میں مدور کی جاسکے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائرکٹر

مقدمہ

شعرائے اردو کے تذکرے ہمارا قدیم اور اہم ادبی سرمایہ ہیں۔ ہماری شاعری کی طرح یہ تذکرے بھی فارسی کے زیر اثر وجود میں آئے۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کریم الدین اپنے تذکرے طبقات الشعراء میں لکھتے ہیں:

''تذکرہ اور طبقات چونکہ شاخیں فن تاریخ کی ہیں۔ خصوصاً زبان عرب اور فارسی میں اس قسم کی بہت سی تصنیفات ہوئی ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی زبان اردو میں بھی اس طریق تصنیف کا استعمال کیا گیا ہے، مگر یہ شوق تذکرہ نویسی کا ان ایام میں پیرامون خاطر لوگوں کا ہوا جب بنیاد اردو کی کامل ہونی شروع ہوئی۔[1]

چنانچہ جب ہمارے اولین تذکرہ نگار اردو میں تذکرہ نگاری کی داغ بیل ڈال رہے تھے تو شعرائے فارسی کے تذکرے ان کے پیش نظر تھے۔ اس لیے فارسی تذکرہ نگاری کے محاسن و معائب بھی اردو میں منتقل ہوئے اور شعرائے اردو کے تذکروں کی تالیف کے ساتھ ہی تذکرہ نگاری اور اس کے فن پر تنقید کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ ناپید تذکروں کو قلم انداز کر دیا جائے تو میر کا نکات الشعراء (1165ھ — 1750-51) شعرائے اردو کے اولین تذکروں میں سے ایک قرار پاتا ہے۔ اس کی تصنیف کے کچھ ہی دنوں بعد گردیزی نے تذکرۂ ریختہ گویاں (1166ھ/1751-52) میں نکات الشعراء کا نام لیے بغیر اسے خوردہ گیری اور عیب چینی قرار دیا۔ لکھتے ہیں:

''علت غائی تالیف آں خوردہ گیری ہمسراں وستم ظریفی با معاصران است۔

---

1. کریم الدین: طبقات الشعرائے ہند، دیباچہ ص:2

دراظہار مافی نفس الامر بایجاز پرداختہ بلکہ از جہت عدم اعتنا، وقلت تتبع......
اکثر نازک خیالات رنگیں نگار را از قلم انداختہ۔ مع ہذا در تصحیح اخبار و تحقیق احوال
اعزہ اغلاط صریح بکار بردہ۔ خطاہائے نمایاں کردہ اند''۔ [2]

گردیزی کے یہ اعتراضات الفاظ کے معمولی تغیر کے ساتھ قدرت اللہ قاسم [3]، شفیق اورنگ آبادی [4]، کریم الدین [5]، اور محمد حسین آزاد [6] کی تصانیف میں بھی دہرائے گئے۔ تذکروں کی تنقید کے سلسلے میں ایک اور اہم نام دتاسی [7] کا ہے۔ ان کے اعتراضات کا خلاصہ یہ ہے کہ تذکرہ نگاروں نے دوستوں کی مدح سرائی کی۔ اپنی شہرت کا سامان فراہم کیا۔ شعرا کے ذاتی حالات کو نظر انداز کیا۔ سنین کے معاملے میں عدم توجہی برتی۔ کم پایہ شعرا کو بھی داخل تذکرہ کیا اور ایک ہی نام کے دو یا دو سے زیادہ شاعروں کے سلسلے میں چھان بین سے کام نہیں لیا۔ کریم الدین کا کہنا ہے کہ ان تذکرہ نگاروں کو اپنے خیال کی پختگی مدنظر ہوتی تھی۔ وہ اسے مورخانہ نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ انھیں اپنی تشہیر مقصود ہوتی تھی یا دوسروں کی تنقیص تاکہ دوسرے شاعروں کا پایہ کم ہوجائے [8]'' صفا بدایونی (شمیم سخن) تذکروں میں شامل انتخاب کے عمدہ نہ ہونے کی شکایت کرتے ہیں اور تذکرہ نویس کی رورعایت کو قابل ملامت بتاتے ہیں [9]۔ درگا پرشاد نادر کا اعتراض ہے کہ دکنی شعرا کی طرف کما حقہ توجہ نہیں کی جاسکی۔ سری رام خمخانہ جاوید میں لکھتے ہیں کہ ''مختلف تذکروں میں سے افسوس کوئی بھی دل میں نہ کھبا...... عام تذکروں میں خاص و عام کے درمیان امتیاز ہی نہیں۔ بھرتی کے اشعار سے کتابیں پر کرلیں [10]''۔ محمد حسین آزاد کو ان تذکروں میں یہ نقص نظر آتا ہے کہ ان سے نہ کسی شاعر کی سرگزشت کا حال معلوم ہوتا ہے نہ اس کی طبیعت اور عادات واطوار کا حال کھلتا ہے، نہ اس کے کلام کی خوبی اور صحت وسقم کی کیفیت کھلتی ہے۔ نہ یہ معلوم ہوتا

---

2 فتح علی حسینی گردیزی = تذکرہ ریختہ گویان، ص 12، 3 قدرت اللہ قاسم = مجموعہ نغز۔ اول، ص 230، 4 لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی = چمنستان شعرا، ص 166، 5 کریم الدین = طبقات شعرائے ہند، ص 9، 6 محمد حسین آزاد = آب حیات، ص 195، 7 گارساں دتاسی = خطبات، ص 73 ومابعد، 8 کریم الدین = طبقات شعرائے ہند، ص 9، 9 صفا بدایونی = شمیم سخن، ص 9، 10 سری رام خمخانہ جاوید، جلد اول، دیباچہ

ہے کہ اس کے معاصروں میں اور اس کے کلام میں کن کن باتوں میں کیا نسبت تھی۔ انتہا یہ ہے کہ سال وفات اور سال ولادت تک بھی نہیں کھلتا۔"[11]

جدید تنقید نگاروں نے بھی شعرائے اردو کے تذکروں کی طرف توجہ کی ہے اور ان کی خامیوں اور خوبیوں کی نشاندہی کی ہے۔ کلیم الدین احمد نے ان تذکروں کے نقائص واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان سے نہ تو سوانحی معلومات حاصل ہوتی ہیں، نہ ان میں تنقیدی مواد ملتا ہے۔ انتخاب کلام بھی اس قابل نہیں کہ اسے شاعر کا نمائندہ کلام کہا جا سکے۔[12]

مندرجہ بالا قدیم اور جدید اعتراضات بے بنیاد نہیں ہیں لیکن ان تذکروں کی قدر و قیمت متعین کرتے وقت ان کا زمانہ تصنیف اور اس زمانے کے معتقدات و رجحانات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے۔ تذکرہ نگاری پر سب سے پہلا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ تذکرہ نویسوں نے جانب داری سے کام لیا اور بلاشبہ اس کی بعض مثالیں موجود ہیں لیکن ان کے پہلو بہ پہلو اس بات کے واضح ثبوت موجود ہیں کہ کلام پر رائے دیتے وقت مصنف کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہوتا تھا اور وہ ذاتی چشمکوں اور اپنے نجی مراسم کو نظر انداز کر دیتا تھا۔ میر اپنی بے دماغی کے باوجود اپنے ہم عصروں کے کمال کا اعتراف کرتے ہیں۔ مصحفی انشا اور جرات سے اپنی معرکہ آرائیوں کے بعد بھی ان کے شعری محاسن بیان کرتے ہیں[13]۔ اسی طرح سوانحی حالات تشنہ ہونے کے اسباب کئی ہیں۔ اول تو اس زمانے میں حالات زندگی کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ پھر اس زمانے کے محدود وسائل بھی اس راستے کی ایک رکاوٹ تھے۔ یہ بات ہماری تذکرہ نگاری کے آغاز کے بہت بعد کی ہے کہ حالی نے غالب کے "نج کے معاملات" کو غیر متعلق اور غیر ضروری سمجھ کے قلم انداز کر دیا تھا۔ لیکن حالات بدلنے کے ساتھ ساتھ ہمارے تذکرہ نگاروں نے حتی المقدور اس طرف توجہ کی۔

علی ابراہیم (متوفی 1208ھ) نے گلزار ابراہیم (1198ھ/1784ء) میں تاریخوں کے تعین کی طرف خاص طور پر توجہ کی اور شعرا کے حالات کی فراہمی کے سلسلے میں خط و کتابت سے بھی

11۔ محمد حسین آزاد = آب حیات 12۔ کلیم الدین احمد = اردو تنقید پر ایک نظر

13۔ مصحفی = تذکرۂ ہندی، ص 23، 62

مدو لی[14]۔ مصحفی کے تذکرہ ہندی (1209ھ) کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے حالات کی فراہمی میں خاصی تلاش وتجسس سے کام لیا ہے۔ اس تذکرے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اکثر شعرا کے حال میں یہ لکھا ہے کہ اسے دیکھا تھا تو کب اور کہاں اور اس وقت تخمیناً اس کی عمر کتنی تھی۔

ان تذکروں میں ایک عیب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ شعرا کے کلام پر تنقید بالکل ناپید ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے تو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ جس وقت ہمارے ابتدائی تذکرے لکھے جارہے تھے اس وقت ہماری تنقید کے معیار اب سے مختلف تھے۔ اس وقت عروضی لغزشوں اور متروک وغیر فصیح الفاظ کے استعمال کی نشاندہی کرنے کو ہی تنقید سمجھا جاتا تھا، کبھی یہ بھی بتادیا جاتا تھا کہ کس شاعر کو کس صنف سخن سے مناسبت ہے اور کبھی کسی شاعر کا کسی دوسرے شاعر سے مقابلہ کر کے اس کے کلام کی خصوصیات واضح کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ علاوہ ازیں تذکرہ نویس کسی شاعر کے کلام پر سیر حاصل تنقید کرنے کو اپنی ذمہ داری خیال بھی نہ کرتا تھا۔ سید عبداللہ کا خیال ہے کہ ''تذکرے کا خالصۃً کتاب النقد ہوجانا بھی درست نہیں''[15]۔

اس ساری تفصیل کا مقصد ان تذکروں کے نقائص کی پردہ پوشی نہیں بلکہ یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ ان نقائص کے باوجود ان کی اپنی ایک اہمیت ہے کیونکہ یہ ہماری ادبی تنقید کا نقش اول اور سوانح وتاریخ ادب کی اساس ہیں۔ انھیں اپنے ادبی سرمایے سے خارج کر کے ہم اپنی زبان و ادب کی ارتقائی منزلوں کا پتہ لگانے سے معذور ہوجائیں گے۔ ان کا تنقیدی حصہ کمزور سہی، سوانحی حالات تشنہ سہی، نمونہ کلام ناقص ہی سہی، مگر ان کے ذریعے ہمارے قدیم شعری سرمایہ کا ایک بڑا حصہ محفوظ ہوگیا ہے۔ دیگر زبانوں میں بھی جب اس طرح کے تذکرے لکھے گئے تو کم وبیش یہی نقائص ان میں بھی موجود تھے۔

''عین اس زمانے میں جب میر صاحب اپنا تذکرہ لکھتے ہیں (1165ھ مطابق 1750-51) ڈاکٹر جانسن کا تذکرہ شعرا انگریزی میں لکھا جاتا ہے۔ (1777) اس میں بھی کم وبیش وہی نقائص نظر آتے ہیں جو اردو تذکروں میں پائے جاتے

14۔ دتاسی = خطبات، ص 73، 15۔ سید عبداللہ = شعرائے اردو کے تذکرے، ص 94

ہیں بلکہ انگلستان میں تو اٹھارھویں صدی سے قبل بیاگرافی مستقل نوع ادب کی
حیثیت سے موجود ہی نہ تھی۔"[16]

مولوی عبدالحق جنھوں نے کئی تذکروں کو گمنامی کے گوشے سے نکالا، ان تذکروں کی خامیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہمارے شعرا کے تذکرے گو جدید اصول کے مطابق نہ لکھے گئے ہوں تاہم ضمنی
طور پر ان میں بہت سی کام کی باتیں مل جاتی ہیں جو ایک محقق اور ادیب کی
نظروں میں جواہر ریزوں سے کم نہیں۔ ان سے شاعروں کے ضروری حالات
اور ان کا ماحول ہمارے مشاہدے میں آجاتا ہے۔"

سید عبداللہ نے اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ان تذکروں سے ان ایام کی معاشرت اور زندگی کے نقشے آنکھوں میں پھر جاتے ہیں۔ ان سے لوگوں کا معیار اخلاق و معاشرت ہمیں معلوم ہو جاتا ہے۔ ان تذکروں ہی میں ادبی و علمی حلقوں کے مشاغل اور تفریحوں کا حال، ان کی علمی مجلسوں، مشاعروں اور مراختوں کی سرگزشت مل جاتی ہے۔ ان کے اخلاق اور کمزوریاں، ان کی رقابتیں اور کشمکش، وضع داریاں اور پاس داریاں، ان کے توہمات و تکلفات اور دید وو اوید کے طریقے، باہمی سلوک و مراعات، ان کے ردو قبول اور پسند و ناپسند کے معیار غرض سارے نظام معاشرت کا روشن تصور آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ بلاشبہ یہ تذکرے ہماری ادبی تاریخ کا قیمتی سرمایہ اور ہماری قدیم معاشرت اور تہذیب کی بڑی قابل قدر یادگاریں ہیں ان کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا"۔[17]

مختصر یہ کہ ان تذکروں کے بغیر زبان و ادب اور اس کے ارتقا کو نہیں سمجھا جاسکتا۔ ان میں سے کوئی تنقید کلام کے لیے اہم ہے، کوئی سوانحی معلومات کے لیے، کسی میں سیرت کے جیتے جاگتے مرقعے موجود ہیں، کوئی سنین کے تعین کی طرف متوجہ ہے۔ زیر نظر تذکرہ 'عیار الشعراء' اور اس کی نقل 'عمدہ منتخبہ' سے پہلے جتنے تذکرے لکھے گئے ان میں شعرا کے انتخاب کی طرف خاص توجہ دی۔ 'کم

16۔ لانگے کر = انگلش بیاگرافی، ص 3 (بحوالہ سید عبداللہ)

17۔ سید عبداللہ = شعرائے اردو کے تذکرے، ص 111

پایۂ شعرا کو اس قابل نہیں سمجھا گیا کہ انھیں تذکرے میں جگہ دی جائے۔ لیکن خوب چند ذکا پہلے تذکرہ نگار ہیں جنھیں جامعیت کا خیال آیا۔ قدیم و جدید جتنے شعرا کے حالات اور اشعار فراہم ہو سکے، ذکا نے ان سب کو برسوں کی محنت کے بعد جمع کیا اور شعرائے اردو کا پہلا ضخیم تذکرہ مرتب کیا۔ اس جامعیت کو مطمح نظر بنانے کے سبب ان سے بعض لغزشیں بھی ہوئیں جن کا ذکر آگے مناسب جگہ پر کیا جائے گا۔

حالات مصنف

خوب چند ذکا شاعر بھی تھے اور تذکرہ نگار بھی اس لیے بجا طور پر دوسرے تذکرہ نویسوں سے توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ انھیں اپنے تذکروں میں جگہ دیں گے لیکن اصل صورت حال بالکل مختلف ہے۔ شاعر کی حیثیت سے وہ کوئی اونچا مقام حاصل نہ کر پائے اور ان کا تذکرہ خاصا اہم ہونے کے باوجود اپنی ضخامت کے سبب مقبول نہ ہو سکا۔ اس وقت چھاپہ خانے کی سہولت تو میسر نہیں تھی لیکن مختصر دواوین اور مختصر تذکرے نقل اور نقل در نقل ہو کر خوب رواج پا جاتے تھے۔ لیکن ایک ہزار صفحات کی ضخامت کی وجہ سے وہ اپنے تذکرے میں شعرا کے بارے زیادہ معلومات، زیادہ مفصل سوانحی حالات اور مفصل نمونہ کلام بھی مہیا نہ کر سکے جو لوگوں کے لیے دلچسپی کا سبب بنتا اس لیے بیشتر تذکرہ نویس انھیں نظر انداز کر جاتے ہیں اور جو ذکر کرتے بھی ہیں تو محض چند سطروں میں۔ ان کے تذکرے کا ذکر کرتے ہیں تو اس طرح کہ وہ ایک تذکرہ لکھنے کا دعویدار ہے مگر وہ ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ قطب الدین باطن تذکرہ گلستان بے خزاں (1291ھ) میں ان کا مختصراً یوں ذکر کرتے ہیں۔

> ''ذوکا (کذا) تخلص، لالہ خوب چند نام، ساکن دہلی، شاگرد شاہ نصیر، اصلاح سخن میں موافق ان کی رائے اور تدبیر''[18]

جس وقت باطن نے ذکا کا ترجمہ قلمبند کیا ہے اس وقت عیار الشعراء کی تکمیل کو تقریباً نصف صدی گزر چکی تھی، لیکن باطن اس تذکرے کا ذکر ضمناً بھی نہیں کرتے۔ شیفتہ گلشنِ بے خار میں ان

18۔ قطب الدین باطن = گلستانِ بے خزاں، ص 88

کے تذکرے کا ذکر کرتے ہیں، لیکن وہ ان کی نظر سے نہیں گزرا۔

''ذکا تخلص خوب چند کا۔ تھ دہلوی، شاگرد شاہ نصیر است، روزے بافقیر برخوردہ بودمی گفت کہ تذکرہ در ریختہ نوشتہ ام۔ ملاحظہ شد......۔[19]

صاحب عمدۂ منتخبہ میر محمد خاں سرور جن سے ذکا کے قول کے مطابق ان کی خاصی راہ ورسم تھی اور جیسا کہ آئندہ بحث سے واضح ہوگا سرور نے تذکرہ ذکا سے نہ صرف خوشہ چینی کی تھی بلکہ اسے سامنے رکھ کر اپنا تذکرہ مرتب کیا تھا لیکن ذکا کے حالات بیان کرنے میں وہ بھی اختصار سے کام لیتے ہیں اور اس کے تذکرے سے واقفیت اور دوستی میں رسوخ کے باوجود نہ تذکرے کے سلسلے میں کوئی اظہار رائے کرتے ہیں نہ اس سے استفادہ کا اعتراف۔

''ذکا تخلص، خوب چند، قوم کایت، شاگرد میاں نصیر، جوانے سلیم الطبع، مزاجش بہ صلاحیت راغب، کلامش نمکین، از چندے طبعش از گفتن شعر انحراف ورزیدہ، مشار الیہ ہم تذکرۃ الشعرا تالیف کردہ۔ در علم اخلاص و دوستی راسخ دریافت گردیدہ......''[20]

کریم الدین نے نسبتاً تفصیل سے کام لیا ہے اور شیفتہ وقدرت اللہ خاں کے حوالوں سے زیادہ معلومات فراہم کردی ہیں وہ لکھتے ہیں:

''ذکا تخلص، خوب چند کا۔ تھ دہلوی، شاگرد شاہ نصیر کا ہے۔ ایک روز مولف گلشن بے خار سے ملا تھا۔ کہتا تھا کہ میں نے ایک تذکرہ ریختہ میں لکھا ہے مگر وہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ حکیم قدرت اللہ خاں یہ لکھتے ہیں کہ یہ شخص سکندر آبادی الاصل اور جہاں آبادی المولد ہے۔ رائے سلامت رائے کا پوتا، بہ سبب افراط اور تفریط اور تہلکہ عوام کے جب کہ افاغنہ ابدالی دہلی میں آئے تو اکثروں نے اس شخص کے بزرگوں میں سے اہل وعیال کو اپنے ہاتھ سے مار ڈالا تھا اور پھر آپ مر گئے تھے اور تھوڑے سے آدمی عورت اور مرد اس تہلکہ سے جان سلامت لے جا کر گرتے پڑتے کوئی عظیم آباد کی طرف جا بسا تھا اور کچھ شاہجہاں آباد میں رہ گئے

---

19 مصطفیٰ خان شیفتہ = گلشن بے خار، ص 74، 20 سرور = عمدۂ منتخبہ، ص 305

تھے۔ بہر کیف لالہ خوب چند بہرہ سخن سازی اور انشا پردازی اور سیاق وغیرہ متصدی گری سے خوب رکھتا ہے۔ اپنے شعر کی اصلاح شاہ محمد نصیر الدین سے لیتا تھا۔ دیوان اشعارات (؟) جس میں اکثر انواع سخن ہیں، جمع کیا ہے۔''[21]

مندرجہ بالا معلومات خود ذکا کی فراہم کردہ اطلاعات کے مطابق ہیں۔ زیر نظر تذکرے میں انھوں نے اپنے کلام کا ایک طویل انتخاب دیا ہے۔ ذکا کا بیان ہے کہ ان کے استاد نے یہ اشعار ان کے مردف دیوان سے منتخب کیے تھے اور ارشاد فرمایا تھا کہ انھیں داخل تذکرہ کیا جائے اس کے ساتھ ہی انھوں نے اپنے اور اپنے خاندان کے حالات تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں جن کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

''خوب چند ذکا کا وطن سکندر آباد تھا لیکن شاہجہاں آباد (دہلی) ان کا مولد و مسکن تھا اور یہیں اس تذکرے کی ترتیب عمل میں آئی۔ ان کے آبا و اجداد پرانے شہر میں ''چوراہہ'' میں رہائش پذیر تھے اور باعزت زندگی گزارتے تھے۔ شاہ ابدالی کے ہنگامے کے سبب ایک بہت بڑا حادثہ رونما ہوا۔ ان کے آباء واجداد نے آسایش وفراغت کے زمانے میں جو زرونقد اور گھوڑے وغیرہ جمع کیے تھے وہ سب برباد ہو گئے۔ قتل عام کے ہنگامے کے دوران ابدالی کی فوج کے کچھ آدمیوں نے جو لوگوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کے درپے تھے ان کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ ان کے افراد خاندان حرمت و آبرو کو ہر چیز سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ انھوں نے ان فوجیوں کی ناشائستہ حرکات کو دیکھا تو عاقبت اندیشی سے کام لیا اور بہت سی مستورات کو جان سے مار دیا۔ بعض خواتین خوف وہراس کے سبب کنویں میں کود پڑیں اور موت کو گلے لگا لیا۔ اس اثنا میں دشمنوں کا گروہ آ پہنچا۔ ان کے خاندان کے دلاوروں نے شمشیر بازی کی اور بہت سے دشمنوں کو خاک وخون میں لٹا دیا۔ اس قتل وغارت گری کے بعد جو لوگ زندہ بچ رہے وہ نئے شہر یعنی شاہجہاں آباد میں منتقل ہو گئے۔ یہ جگہ اس وقت امن گاہ تھی جب

21 کریم الدین، طبقات شعرائے ہند، 42، (تلخیص)

فتنہ فرو ہوگیا اور لوگوں کے حواس بجا ہوئے تو ان کے بعض بزرگوں کو شاہجہاں
آباد میں روزگار مہیا ہوگیا۔ چنانچہ ان[22] کے والد چبوترہ جواہر بازار میں
سررشتہ داری کے منصب پر فائز ہوگئے اور تالیف تذکرہ کے وقت بھی وہ
فراغت، نیک نامی اور شادکامی کی زندگی بسر کررہے تھے۔
خاندان کے بعض افراد رؤسا کی رفاقت میں عظیم آباد چلے گئے تھے اور عیار کی
ترتیب کے وقت تک وہاں خوشحالی کی زندگی بسر کررہے تھے۔ ادھر خوب چند ذکا
آسودہ حال ہونے کے باوجود لہو ولعب کی زندگی سے دور رہے اور تحصیل علوم
میں مشغول رہے اور ایک ضخیم ومردف دیوان ترتیب دیا جو مختلف انواع واقسام
کے کلام پر مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے فارسی میں غزلیں کہیں اور تین
رنگین عبارت پر مشتمل رقعات کا مجموعہ بھی تیار کیا اور پھر استاد کے ارشاد کی تعمیل
میں یہ تذکرہ مرتب کیا۔ استاد نے ان کے دیوان سے اشعار منتخب کرکے دیے
جنہیں مولف نے تذکرے میں شامل کیا۔[23]

ذکاؔ کی زندگی کے صرف اتنے حالات ہمارے علم میں ہیں۔ اس تذکرے کے بعد ان کی مصروفیات کیا رہیں اور ان کے آخری ایام کس طرح گزرے اس کے بارے میں کسی ذریعے سے کچھ معلوم نہیں ہوتا۔

سبب تالیف

عیارالشعراء کے دیباچے میں تذکرے کا سبب تالیف بیان کرتے ہوئے ذکاؔ لکھتے ہیں:

''شبے کہ شب قدر را بہ بیعانگیش وروز نوروز را بہ رونمائی آن تواں داد بہ خاطر
بے حضور چناں پرتو افگند کہ سطرے چند بطور تذکرہ شعرائے ہم عصر وسلف بقلم

---

22 اصل عبارت اس طرح ہے= چنانچہ والد ماجدم را علاقۂ سررشتہ داری چبوترۂ جواہر بازار کہ مکانی نامی وجمعی (؟) از تعلقۂ کروڑ دہلی است مقرر شد وتا الیوم بہ سلامتی ذات بر ہمان علاقہ قدیم بفراغت دنیکنامی وعزت وشادکامی بسری برند، عیارالشعرا، احوال مولف۔ 23 عیارالشعرا (مصنف کے احوال سے ماخوذ)

داد، بیادگار گزارد کہ چاشنی خوران مائدہ سخن را کیفیتے ولذتے حاصل آید۔ در کمتر مدتے اشعار برجستہ ومنتخب سخنوران دور ونزدیک آں قدر کہ بہم رسید فراہم آورد، بدستیاری استعداد برشتہ تحریر کشیدہ و بہ عیار الشعرا موسوم گردانید"۔[24]

اس بیان کے مطابق اس تذکرے کی تالیف کا خیال بغیر کسی بیرونی تحریک کے از خود ان کے ذہن میں آیا۔ لیکن تذکرے میں جس جگہ ذکا نے اپنے حالات زندگی بیان کیے ہیں وہاں اس تذکرے کی تالیف کا محرک اپنے استاد کے ارشاد کو بتایا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ میں نے تمھیں اپنا شاگرد رشید کیا ہے۔ کیا اچھا ہو کہ تمہاری کوشش سے ہند وشیراز کے تمام شعرا پر مشتمل ایک تذکرہ تیار ہو جائے۔ اصل عبارت درج ذیل ہے:

"روزے استاد صائب تدبیر میر نصیر الدین نصیر مدظلہ کہ توجہ استادانہ ونوازش بزرگانہ بر حال من زیادہ از حد دارند، از زبان فیض بیان ارشاد فرمودند کہ در زمرہ شاگردان خود شمارا شاگرد رشید خواندہ ام۔ ایا چہ خوش باشد کہ نسخہ جان فزائے تذکرہ بہ سعی شما مرتب گردد وزور قابلیت ومذاق شاعری ایشاں وملکہ سخن گوئی تمامی شاعران ہند وشیراز ودیگر امصار وبلاد وقریات از ہنگام احداث زبان ریختہ بہ ایں حال درآید کہ دہرگاہ خاطر از عوارض وصوارم دنیوی منتشر ومکدر گردد بہ سیر ایں نسخہ دل آویز شگفتگی پذیرد و بمطالعہ ہر قسم اشعار فرحت تازہ ونشاط بے اندازہ پدید آید۔ از آن جا کہ عنایت ایزد کارساز واعانت استاد شامل حال بود بدرستی ایں امر کہ فی الحقیقت کار ہر کدام نیست وبدون عنایت الٰہی انصرام نمی یابد پرداختم"۔[25]

گارساں دتاسی بھی یہی لکھتا ہے کہ خوب چند ذکا نے اپنا تذکرہ عیار الشعراء اپنے استاد میر نصیر الدین نصیر عرف میر کلو کی فرمایش پر ترتیب دیا تھا۔ اس تضاد کی تشریح اس طرح بھی کی جاسکتی ہے کہ ذکا کے دل میں تذکرے کی تالیف کا خیال خود ہی پیدا ہوا ہو اور انھوں نے اپنے استاد سے اس کا ذکر کیا ہو۔ اس پر انھوں نے ایک ضخیم اور مبسوط تذکرہ ترتیب دینے کی فرمایش کی ہو۔

---

24 عیار الشعرا، دیباچہ 25 عیار الشعرا (احوالِ مصنف)

مندرجہ بالا عبارت سے بھی اس خیال کو تقویت پہنچتی ہے۔ (تمامی شاعران ہند و شیراز و دیگر امصار وبلاد وقریات)۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ تذکرے کی تالیف کا کام استاد کی تحریک پر شروع کیا ہوا ور دیباچے میں جو کچھ لکھا گیا وہ محض رسمی بیان ہو۔

زمانۂ تالیف

عیار الشعرا کا سنہ تالیف مولف نے خود بیان کر دیا ہے لیکن کتابت کی ذرا سی غلطی نے اس معاملے کو خاصا الجھا دیا ہے۔ نسخہ مولف میں دیباچے کے خاتمے پر مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ درج ہے:

اے ذکا ہو چکا جس روز یہ نسخہ تیار
آگے ہاتف کے کیا پیر خرد نے مذکور
منصفی کر کے وہیں ان نے یہ تاریخ کہی
آفریں کہہ کہ کیا اسم سبھوں کا مشہور [26]

چوتھے مصرعے سے 1218 برآمد ہوتے ہیں لیکن نسخہ لندن میں چوتھے مصرعے میں 'اسم' کے بجائے 'نام' ہے اور اس مصرعے کے اعداد 1208 ہو جاتے ہیں۔ یہ بات کسی حد تک قرین قیاس ہوتی اگر نسخہ مولف میں نام اور نسخہ لندن میں اسم ہوتا۔ اس طرح داخلی شہادتوں پر غور کیے بغیر یہ نتیجہ نکالا جا سکتا تھا کہ 1208ھ میں جب تذکرے کا نقش اول تیار ہوا تو مولف نے قطعہ تاریخ بھی کہہ دیا لیکن قطع و برید اور اضافوں کا سلسلہ جاری رہا اور دس سال بعد 1218ھ میں جب تذکرہ مکمل ہو گیا تو مولف نے ایک لفظ بدل کر دوسری تاریخ کہہ دی اور وہ بھی اس طرح کہ اتفاق سے اسی لفظ کا ہم معنی دوسرا لفظ ذہن میں آ گیا۔ لیکن موجودہ صورت میں یہ قیاس خارج از امکان ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تذکرے میں حک و اصلاح اور اضافوں کا کام بہت بعد تک جاری رہا۔ اس طرح نسخہ مولف کا قطعہ ہی درست قرار پاتا ہے۔ یعنی عیار الشعراء کا پہلا نقش 1218ھ میں مکمل ہوا۔ نسخہ لندن میں ایک لفظ (نام بجائے اسم) کی تبدیلی دراصل کتابت کی غلطی ہے۔ جیسا

---

[26] عیار الشعرا (دیباچہ)

کہ نسخوں کی کیفیت کے سلسلے میں واضح کیا گیا ہے نسخہ لندن کا کاتب احتیاط کے باوجود اس نوعیت کی بے شمار غلطیاں کرتا ہے۔

سنہ مذکور یعنی 1218ھ کے بہت بعد تک عیار الشعراء میں برابر اضافے ہوتے رہے۔ اضافوں کا یہ سلسلہ 1247ھ کے بھی بعد تک جاری رہا۔ تذکرے سے بعض داخلی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں جن سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ تذکرے کا آغاز کس سال میں ہوا اور اضافوں کا سلسلہ کب تک جاری رہا۔ نسخہ مولف میں میر قمرالدین منت کے ترجمے کے بالمقابل حاشیے پر درج یہ عبارت بعد کا اضافہ ہے۔

''درسنہ یک ہزار و دو صد و ہشت ہجری ہمرکاب راجا ٹکیت رائے بہادر در کلکتہ رسیدہ و راہی شہر آخرت گردید''[27]

یعنی منت کا حال 1208ھ سے قبل داخل متن کیا جا چکا تھا۔ احسن اللہ خاں بیان کے متعلق لکھتے ہیں:

''حالا از چندے بہ حیدر آباد رفتہ، در سرکار نواب مشیر الملک بہادر بر شاعری و ہم علاقہ دیگر عز و امتیاز اندوختہ دارد''[28]

بیان نے 1213ھ (1798) میں حیدر آباد میں وفات پائی۔ وفات سے کئی سال پہلے وہ وہیں مقیم تھے گویا ان کا ذکر بھی 1208ھ یا اس کے لگ بھگ داخل تذکرہ ہوا۔ میر سوز کا ذکر ان کی حیات میں قلمبند ہوا۔ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''از چندے در لکھنؤ اقامت درزیدہ...... بہ نظر عمدہ ہائے قدر شناس خیلے معزز و محترم است۔ آنجا بہ حرمت می گزارد''[29]

میر سوز کا سنہ وفات 1213ھ ہے۔ اس طرح یہ بات طے ہے کہ ان کا ذکر بھی 1213ھ سے پہلے ہی لکھا گیا۔

میر کے بارے میں ذکا نے لکھا ہے:

27

28 نسخہ مولف (یعنی نسخۂ انجمن) ورق 230ب   29 ایضاً ورق 30ب

''درسرکارفیض آثارنواب وزیرالمما لک آصف الدولہ شرف وافتخاردارد''[30]

نواب آصف الدولہ نے 28/ربیع الاول 1212ھ (21/ستمبر 1797) کو انتقال کیا۔ چنانچہ میر کا ذکر متذکرہ بالا تاریخ سے پہلے ہی تحریر ہوا۔

شاہ کمال مانکپوری مولف مجمع الانتخاب کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''درلکھنؤ قیام داردوبہ زہدوورع اوقات شریف خودبسرمی برد''[31]

کمال خوداپنے بیان کے مطابق 1215ھ میں لکھنؤ سے حیدرآباد پہنچے۔[32] گویاان کا ذکر 1215ھ سے پہلے لکھا گیا ہے۔

نواب اعظم الدولہ سرور صاحب عمدہ منتخبہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ اطلاع دیتے ہیں کہ کچھ دنوں سے ایک تذکرہ مرتب کرنے کا ارادہ کررہے ہیں ممکن ہے کہ پایۂ تکمیل کو پہنچے:

''از چندے اشتیاق فراہمی اشعار سخنوراں وتالیف تذکرہ بگوشتہ خاطر دریا مقاطرش جاگرفتہ اغلب کہ بظہور آید''[33]

عمدہ منتخبہ کا سنہ تالیف 1215ھ[34] ہے۔نظام الدین ممنون نے ''یہ ہے معیار نقد سخن'' سے تاریخ نکالی ہے۔ 1215ھ میں اس تذکرے کا نقش اول تیار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سنہ مذکور سے پانچ سات سال پہلے حالات واشعار کی فراہمی کا کام شروع کیا گیا ہوگا اور چونکہ ذکا دہلی میں ہی موجود تھے اور سرور سے ان کی ملاقات ہوتی رہتی تھی اس لیے وہ فوراًان کے ارادے سے باخبر ہو گئے ہوں گے۔اس طرح ان کا ذکر بھی قیاساً 1208ھ کے قریب ضبط تحریر میں آیا۔

میر جواد خاں ہادی (متوفی 1215ھ) کے متعلق ذکا کا بیان ہے کہ ''از وفور بندہ پروری اکثر بہ غریب خانہ ایں بندہ ذکا قدم رنجہ می فرماید''[35]

ظاہر ہے کہ یہ عبارت 1215ھ میں یااس سے بھی پہلے لکھی گئی۔

---

30 ایضاً،ورق 125ب   31 نسخۂ مولف،ورق 204ب

32 شاہ کمال مانکپوری = مجمع الانتخاب،ورق 4ب   33 نسخۂ مولف،127ب

34 سرور = عمدۂ منتخبہ (پروفیسر خواجہ احمد فاروقی) مقدمہ،ص xvii شیفتہ گلشن بے خار،طبع اول 236۔

35 نسخۂ مولف 295۔

اسی طرح میر شیر علی افسوس کے بارے میں وہ اطلاع دیتے ہیں کہ ''در لکھنؤ قیام دارد'' اور خود افسوس کے بیان کے مطابق کرنل اسکاٹ نے 27/جمادی الاول 1215ھ (17/اکتوبر 1800) کو فورٹ ولیم کالج کے لیے ان کا انتخاب کرلیا تھا اور اس کے کچھ ہی دنوں بعد وہ لکھنؤ سے کلکتے چلے گئے تھے۔[36]

مظہر علی خاں ولا کے متعلق اطلاع دیتے ہیں کہ ''دریں ولا از لکھنؤ بہ کلکتہ رفتہ نوکر شدہ۔ آنجا بعزت و وقار می گزراند''[37] فورٹ ولیم کالج کے لیے ولا کا انتخاب جمادی الثانی 1215ھ (نومبر 1800) میں ہوا اور شعبان 1215ھ (جنوری 1801) تک وہ کلکتہ پہنچ کر اپنی ذمہ داریاں سنبھال چکے تھے۔ گویا ولا کا حال 1215ھ میں یا اس کے کچھ دنوں بعد درج تذکرہ ہوا۔

ذوق کا ترجمہ قیاساً 1218ھ کے لگ بھگ قلمبند کیا گیا۔ ان کے متعلق مولف نے لکھا ہے کہ اکثر مشاعروں کی محفلوں میں شرکت کرتے ہیں اور میر نصیر سے قواعد شعر کی تحصیل کررہے ہیں[38]۔ ذوق کا سنہ ولادت 1203ھ ہے[39]۔ پندرہ سال کی عمر میں قواعد شعر کا اکتساب اور مشاعروں میں شرکت بعید از قیاس نہیں۔

مندرجہ بالا داخلی شہادتوں سے نسخہ مولف میں دی ہوئی تاریخ تالیف کی تصدیق ہوجاتی ہے۔ یعنی 1218ھ تک یہ تذکرہ مکمل ہوگیا تھا لیکن اضافوں کا سلسلہ جاری تھا۔ بعض نئے شاعروں کا حال تذکرے میں شامل کیا گیا اور بعض کے اشعار میں اضافہ کیا گیا۔ ان اضافوں کی نوعیت دونوں تذکروں کے مقابلے سے واضح ہوجاتی ہے اور زیر نظر تذکرے میں جابجا اس کی نشاندہی کردی گئی ہے جیسا کہ نسخوں کی کیفیت کے ذیل میں عرض کیا گیا ہے۔ پہلے اضافے وہ ہیں جو نسخہ مولف میں حاشیے پر اور خالی جگہوں پر کیے گئے جو اضافے اور بعد میں کیے گیے وہ نسخہ لندن میں شامل ہیں۔

اضافوں کی بعض اہم مثالیں جن سے تاریخ اتمام کے تعین میں مدد ملتی ہے، ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

36۔ عتیق صدیقی = گلکرائسٹ اور اس کے عہد،   37۔ نسخۂ مولف، ورق 280ب

38۔ ایضاً، ورق 68ب،   39۔ تنویر احمد علوی = ذوق، سوانح اور انتقاد، ص 25۔

ہدایت خاں ہدایت کے متعلق نسخۂ لندن میں یہ عبارت شامل کی گئی ہے:

''درسنہ یک ہزار دوصد ونوزدہ ہجریہ مقدسہ رخت حیات بعالم جاودانی بربست''[40]

میر نثار علی تسکین کے دہلی آنے کی اطلاع ان الفاظ میں دیتے ہیں:

''در 1238ھ ہمرکاب فیض انتساب شوکت جنگ بہادر از فرخ آباد بہ دہلی تشریف آورد''[41]

رسول بخش حشر بدایونی سے اپنی ملاقات کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''درسنہ یکہزار ودوصد وچہل ہجری از سفر دارالامارت کلکتہ بہ دہلی آمدہ درمشاعرہ وارد شدہ وغزل طرحی نیز خواند۔ عاصی ذکا باوہم مجلس وملاقی گشتہ''[42]

مقبول کے بارے میں لکھتے ہیں:

''درسنہ 1247ھ از ٹانڈہ در دہلی وارد شدہ بود''[43]

اور 1247ھ سب سے آخری تاریخ ہے جو اس تذکرے میں ملتی ہے اور وہ بھی ان الفاظ کے ساتھ کہ ''وارد شدہ بود'' اس عبارت اور بالخصوص اس ''بود'' کو ذہن میں رکھا جائے تو اس تذکرے کی تکمیل کی تاریخ کا اندازہ لگانے میں بہت مدد ملتی ہے۔

امتیاز علی خاں عرشی نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ عیار الشعراء کا آغاز 1213ھ (1798) میں ہوا اور 1248ھ (1832) کو اس کی تکمیل ہوئی[44]۔ فرمان فتح پوری اس کا سنہ تصنیف 1213ھ بتاتے ہیں[45]۔ لیکن مندرجہ بالا اقتباسات سے دتا سی کے اس بیان کی تصدیق ہوجاتی ہے کہ عیار الشعرا کی تالیف کا آغاز 1208ھ میں ہوا اور اضافوں کا سلسلہ 1247ھ کے بعد تک جاری رہا۔ اس میں اتنا اضافہ اور کرلینا چاہیے کہ 1218ھ میں اس کا پہلا نقش تیار ہوا اور مولف نے خود تاریخ کہی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کام میں چالیس برس کے قریب صرف

---

40 عیار الشعرا نسخۂ لندن، ص 877، 41 ایضاً ص 117، 42 ایضاً ص 193،
43 ایضاً ص 734، 44 دیوان غالب (نسخۂ عرشی) ص 392
45 تذکروں کا تذکرہ نمبر (نگار) ص 81

ہوئے۔ تذکرے کے خاتمے پر مولف نے جو عبارت لکھی ہے اس سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ شعرا کے حالات اور اشعار کی فراہمی و ترتیب کا سلسلہ بہت دنوں تک چلتا رہا، لکھتے ہیں:

''بعد تالیف تاریخ نسخہ ہذا کہ بر دیباچہ مرقوم یافت اشعار ہر کدام کہ بہم رسید بقدر پسند خاطر خود بقلم دردادم، پیداست کہ انتخاب اشعار و بہم رسانیدن دواوین شاعران سلف و خلف از صغار تا کبار جوانب واطراف واستدراک احوال ہرکدام راچہ قدر عرصہ ومشقت وتلاش می باید وچہ وقدر خون جگر خوردہ می شود۔ سالے چند بہ تصنیف ایں نسخہ جگر کاوی کہ نمودم واز امور دینی ودنیوی باز ماندہ مخفی کہ بکار بردہ ام از فرط وضوح محتاج بگزارش نہ۔ در زمانہ ناقدروان کہ احدے شنوائے ودادرس کلام نیست، عمرے بفراہمی وگردآوری اشعار بسر بردم ورنج لاطائل ومحنت لاحاصل برداشتم۔ ازیں روانفعال کلی دامن گیراست کہ اگر تاایں عرصۂ سالہا سال ریاضت خدائے کریم می کردم ہمانا از پایہ می گزشتم، خود کردہ را درمان نیست لہٰذا این معنی کہ (ع)

آغاز کردۂ بر سانش بہ انتہا

مدداز جناب ناصر مطلق خواستہ ہمت باختتام گماشتم''[46]

اس اقتباس سے ایک طرف تو مولف کی محنت کا اندازہ ہوتا ہے اور دوسری طرف ایک تذکرہ نگار کی دشواریوں کا جواتنی صعوبتیں اٹھانے کے بعد بھی کسی ستایش کا حقدار نہیں ٹھہرتا۔

ذکا کے بیان کے مطابق اس تذکرے کی تالیف میں 'سالہا سال' صرف ہوئے اور بے اندازہ محنت کرنی پڑی۔ داخلی شہادتوں کو پیش نظر رکھ کے اس کی تشریح یوں کی جاسکتی ہے کہ ذکا تقریباً چالیس سال تک شعرا کے احوال واشعار کے تجسس میں رہے۔

46 عیار الشعرا (نسخۂ لندن) اقتباس از۔ ''درمناجات وخاتمۂ کتاب''

خصوصیات

ذکا کی اس 'سالہا سال' محنت کا سبب یہ تھا کہ وہ اپنے تذکرے کو زیادہ سے زیادہ مکمل اور جامع بنانے کے خواہش مند تھے اور چاہتے تھے کہ اردو کے زیادہ سے زیادہ شاعروں کو اپنے تذکرے میں شامل کرلیں۔ دتاسی کا خیال ہے کہ غیراہم شعرا کو تذکرے میں جگہ نہیں دی جانی چاہیے۔ اپنے ایک خطبے[47] میں وہ کوپرکا یہ قول نقل کرتا ہے کہ ''ایسے بے حقیقت ناموں کو جو بھولنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں غیرفانی شہرت دینے کی کوشش سعی لاحاصل ہے۔ تاریخوں میں ان کا ذکر کرنا کہ آئندہ نسلیں ان کی طرف متوجہ ہوں محض بیکار ہے'' لیکن جب وہ خود تذکرہ لکھتا ہے تو اپنی فہرست کو طول دینے کی کوشش کرتا ہے۔ لکھتا ہے:

> ''میں نے یہی مناسب خیال کیا کہ گو دو چار سطریں ہی کیوں نہ ہوں ان کا ذکر کردینا ضروری ہے کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بالکل گمنام رہ جائیں''[48]

جامعیت

غالباً اسی خیال نے ذکا کو زیادہ سے زیادہ شعرا کے حالات اور کلام فراہم کرنے کی طرف مائل کیا یا ان کے استاد نے اسی وجہ سے ذکا کو ایک مبسوط تذکرہ مرتب کرنے کا مشورہ دیا۔

تعداد شعرا

سری رام مصنف خمخانہ جاوید عیارالشعرا میں شامل کیے گئے شعرا کی تعداد چار پانچ ہزار بتاتے ہیں[49] لیکن اصل تذکرہ ان کی نظر سے نہیں گزرا اور ان کا یہ بیان کسی غیرمعتبر اطلاع پر مبنی ہے۔ اسپرنگر نے 'فہرست کتب خانہ شاہان اودھ' میں یہ تعداد ڈیڑھ ہزار بتائی ہے اور یہ بھی غلط ہے۔ دتاسی[50] اور سید عبداللہ[51] کے بیانات اسی اطلاع پر مبنی ہیں۔ لیکن اب اصل تذکرہ ہمارے

47 خطبات دتاسی، ص57،   48 دیباچہ تذکرۂ دتاسی، معارف (اگست 1922)

49 سری رام=خمخانۂ جاوید، ص246،   50 طفیل احمد=یادگارِ شعرا، ص246، 51 گارسان دتاسی=خطبات (خطبۂ پنجم) ص91،   51 سید عبداللہ=شعرائے اردو کے تذکرے، ص4و8،

پیش نظر ہے اور دونوں نسخوں کے مقابلے اور موازنے کے بعد شعرا کی صحیح تعداد 967 قرار پاتی ہے۔

شعرا کی اس کثیر تعداد کے حالات وکلام فراہم کرنے کے سلسلے میں ذکا نے دستیاب تذکروں سے بھی استفادہ کیا۔ جو تذکرے ان کے پیش نظر تھے ان کی یکجا فہرست تو کہیں نہیں دی گئی لیکن جگہ جگہ ان کا ذکر آ گیا ہے۔ مثلاً پیام اور گرامی کے حالات میں والہ داغستانی کے ریاض الشعراء اور خان آرزو کے مجمع النفائس کا ذکر کرتے ہیں۔

نکات الشعراء (میر) عقد ثریا وتذکرہ ہندی (مصحفی) طبقات سخن (مبتلا) اور طبقات الشعراء (قدرت اللہ شوق) سے ذکا باخبر تھے۔ گمان غالب ہے کہ ان تذکروں کا مقابلہ بھی کیا ہوگا لیکن چونکہ ذکا نے اختصار سے کام لیا ہے اس لیے یہ نتیجہ نہ نکالا جاسکا کہ انھوں نے کس تذکرے سے کتنا فائدہ اٹھایا۔

مآخذ

تیسری اور ایک اہم بات یہ ہے کہ انھوں نے اکثر شعرا سے براہ راست ان کے حالات زندگی اور منتخب کلام حاصل کرنے کی کوشش۔ ظاہر ہے کہ ہر شاعر کے حال میں یہ لکھنا ممکن نہ تھا کہ اس کا کلام کس طرح اور کس ذریعے سے حاصل کیا گیا۔ لیکن بعض جگہ اس کی صراحت کی گئی ہے کہ شاعر نے خود اپنے ہاتھ سے اپنا کلام لکھ کر دیا یا بھجوایا۔ مثلاً

اعظم الدولہ سرور

''اشعارے چند بحسب استدعاے ایں کمترین بخط خود نوشتہ داد''[52]

میر شجاعت علی تسلی

''بعضی از اشعار مولفہ اش کہ بخط خود نوشتہ بہ بندہ ذکا لطف فرمودہ در تذکرہ ہذا

---

52 نسخہ لندن، ص 401

ثبت ساختہ"[53]

مرزا فدا حسین فدا

"بہ تکلیف ایں خیر طلب چند غزلیات واشعار منتخب از دیوان مردف بخط خود نوشتہ، لطف فرمود"[54]

تذکرے میں اس کی مثالیں اور بھی ہیں لیکن طوالت کے خیال سے صرف چند پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ان مثالوں سے اتنی بات بہر حال واضح ہو جاتی ہے کہ تذکرے کی ترتیب کے دوران انھوں نے خود شعرا سے ملاقات کر کے ان کے احوال واشعار حاصل کیے۔

ان کی جگر کاوی کی ایک اور صورت یہ تھی کہ وہ گمنام اور کم رتبہ شعرا کو بھی اپنے تذکرے میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے انھیں بڑی تگ و دو کرنی پڑی۔ غرض یہ کہ چالیس برس کی یہ طویل مدت بقول ان کے "محنت وتلاش" میں صرف ہوئی۔

ذکا کا نظریۂ تذکرہ نویسی

عیارالشعرا کی خامیوں اور خوبیوں کا جائزہ لینے سے پہلے مختصراً یہ جاننا ضروری ہے کہ ذکا کا نظریۂ تذکرہ نویسی ہے کیا؟ ان کے نزدیک تذکرہ نگار کا پہلا فرض تلاش وجستجو ہے۔ لطفی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بہ کمال تلاش کہ مصنف تذکرہ را لازم وواجب است ایں اشعار بہ کمترین بہم رسید"[55]

اس تلاش وجستجو کے دوران انھیں ایسے شعرا سے بھی دوچار ہونا پڑا جن کے کلام میں رطب و یابس کے سوا کچھ نہیں تھا مگر جامعیت کے خیال سے مجبوراً ایسے شعرا اور ان کے کلام کو بھی تذکرے میں شامل کیا۔ علاوہ ازیں فحش کلام اور ہجویات کو تذکرے میں شامل کرنے میں انھیں تامل ہوتا ہے، مگر ناچار ایک دو شعر درج کر دیتے ہیں۔ ایسا بھی ہوا کہ اس طرح کا کلام تذکرے میں شامل

---

53 نسخۂ لندن، ص 133،　54 نسخۂ لندن، ص 574،　55 نسخۂ لندن، ص 649،

کیااور بعد میں اسے خارج کردیا۔یا کہیں ایسا شعر یا ایسے اشعار درج تو کیے مگر بڑی معذرت کے ساتھ۔

مثلاً پیر خاں کمترین کے حال میں لکھتے ہیں:

''ایں عاصی دریں نسخہ ہجو کسے ننوشتہ الابضرورت ولاچارگی۔از شاعر ہذا ایں اشعار برروے کار آید بایں امر مبادرت نمود''[56]

ایک اور جگہ عابد کے ذکر میں اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ تذکرہ نگار مجبور ہے کہ ہر قسم کے اشعار کو تذکرے میں جگہ دے۔اصل عبارت یہ ہے:

''چوں در تذکرہ اشعار رطب ویابس ہرکدام نوشتن لازم آید، لہٰذا بعضی از غزلیاتش کہ بتلاش کاملہ بہم رسید شعرے بقید قلم می دہد''[57]

اوراس کی ایک واضح مثال ایک فحش گو شہوت کا تذکرہ ہے۔اس موقع پر وہ اپنے قارئین سے معذرت خواہ ہیں کہ انھیں ایسے شاعر کا کلام شامل کرنا پڑا۔

''اگرچہ دریں کتاب ذکر و سخن آں نوشتن نامناسب محض است۔الا چوں ازیں خیال گزشتن شعار تذکرہ نویسی نیست، رطب ویابس ہرکدام بنوشتن می آید۔لہٰذا درج نمودہ شد۔تقصیر معاف''[58]

گویا وہ رطب ویابس اور فحش نگاری وہجوگوئی سے ابا کے باوجود اسے تذکرے میں شامل کرنا ضروری خیال کرتے ہیں تاکہ جہاں تک ممکن ہو کوئی شاعر تذکرے میں شامل ہونے سے چھوٹ نہ جائے۔

اختصار نویسی

ان کے نزدیک تذکرہ نگار کے لیے دوسری ضروری بات ''اختصار نویسی'' ہے۔انھوں نے بار بار اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ تذکرہ نویس کو طوالت سے گریز کرنا چاہیے۔جو تذکرے ان کے علم میں تھے ان میں بعض شعرا کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ذکا ان سے استفادہ کرکے اپنے

56 نسخۂ علی گڑھ، ورق 205، 57 نسخۂ علی گڑھ، ورق 166، 58 نسخۂ علی گڑھ، ورق 144،

تذکرے میں یہ تفصیل منتقل کر سکتے تھے۔ جن شعرا تک ان کی رسائی تھی اور جن کا کلام انھوں نے براہ راست حاصل کیا تھا، ان سے زیادہ تفصیلی حالات حاصل کیے جاسکتے تھے، جو انھوں نے اختصار نویسی کے پیش نظر نہیں کیے۔ ذیل میں چند عبارتیں نقل کی جاتی ہیں جن میں مصنف نے اختصار نویسی پر زور دیا ہے۔

غالب علی خاں سیّد

''طول نویسی معیوب دانستہ برسم تذکرۂ اشعار چندے منتخب از تالیف آں صاحب عالی وقار بزبان خامہ نیاز فرسودہ''[59]

سعدی

''بحسب رواج تذکرہ بہ مختصر نویسی پرداختہ، ہمیں دو شعر تبرکاً بروے قلم آوردہ''[60]

میر تقی میر

''از تصانیف پاکیزہ تلاش او قریب یک ہزار بیت انتخابی قابل نوشتن تذکرہ برآمدہ بود۔ ازاں جا کہ مختصر نویسی شعار تذکرہ نویسی است لہٰذا عمداً بہ طوالت کلام نہ پرداخت و برہمیں قدر اختصار نمود...... ایں گوہر ہائے اشعار...... برشتۂ تحریر کشیدہ''۔

اور

''ایں اضعف العباد بہ مختصر نویسی شعار داد''[61]

ذکا کے اس اختصار سے ان کے تذکرے کی افادی اہمیت کم ہوگئی لیکن ایک بار یہ طے کرنے کے بعد کہ تمام شعرا کے ذکر پر محیط ہونا چاہیے، وہ اختصار سے کام لینے پر مجبور تھے۔

59 نسخۂ مولف، ورق 124ب، 60 ایضاً، ورق 133، 61 ایضاً، ورق 283ب

دراصل جو بات ان کے ذہن میں رہی ہوگی اُسے آج کی اصطلاح میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ شعرا ے اردو کی سوانحی لغت ''Biographical Dictionary'' مرتب کرنا چاہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ سوانحی لغت کا تصور بہت بعد کی چیز ہے۔ لیکن وہ ہر شاعر کے بارے میں مختصر ترین اہم معلومات یکجا کر دینا چاہتے تھے مگر اس کا کوئی نمونہ ان کے پیش نظر نہیں تھا۔ اردو کے علاوہ عربی فارسی کے جو تذکرے موجود تھے ان سب کی خامیاں مشترک تھیں۔ علاوہ ازیں ہمارے شعرا کے بارے میں ضروری معلومات یعنی سنہ ولادت، ابتدائی تعلیم وغیرہ کہیں موجود نہ تھیں، نہ ان چیزوں کو اہم خیال کیا جاتا۔ لاچار انھوں نے صرف تخلص، نام، بعض جگہ ولایت، وطن، مقام پیدایش، سلسلۂ تلمذ اور پیشہ وغیرہ بتانے کو ہی کافی خیال کیا۔ تاہم اس اختصار نویسی کا اصول مانع رہا۔ ایسی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔:

ذوق [62]

''از ساکنین دارالخلافہ شاہجہاں آباد، اکثر در مجلس مراختہ وارد می گردد و فوائد و قواعد شعریہ از خدمت سراپا برکت محمد نصیر الدین نصیری یابد'' [63]

آتش

''وے از باشندہ ہاے قدیم بلدۂ لکھنؤ است ۔ شعر ہندی و فارسی می گوید۔ کلامش گرمی دارد'' [64]

ناسخ

''شیخ امام بخش قوم سیّد، باشندۂ لکھنؤ، طرز کلام گوئی او بسیار مرغوب و مطبوع دلہاست'' [65]

---

62 زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ ذوق، ذکا کے خواجہ تاش تھے۔ ان کے حال میں تفصیل سے کام لینے کا مطلب سہل انگاری نہیں۔ ذکا کو ان کے حالات میں اضافہ کرنے کے لیے تلاش و تحقیق کی ضرورت نہیں تھی، 63 نسخۂ لندن/272، 64 نسخۂ لندن/60، 65 نسخۂ لندن/851،

غالب

''مرزا اسداللہ خاں عرف مرزا نوشہ المتخلص بہ غالب ولد مرزا عبداللہ خاں
عرف مرزا دولھا نبیرۂ مرزا غلام حسین خاں کمیدان ساکن بلدۂ اکبرآباد شاگرد
مولوی محمد معظم شاعر فارسی و ہندی است''[66]

مختصر نویسی کی ان مثالوں کے پہلو بہ پہلو بہت سے ایسے مقامات بھی آتے ہیں جہاں ذکا تفصیل اور وضاحت سے کام لیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ صورت غیر شعوری ہو۔ بہر حال ایسے موقعوں پر وہ تذکرہ نگاری کا حق ادا کر گئے ہیں۔ تذکرے کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض جگہ وہ دلچسپ واقعات بھی سنا گئے ہیں۔ جن شعرا کے سلسلے میں ذکا نے تمام دستیاب ضروری معلومات فراہم کر دی ہے اگر ان کی فہرست تیار کی جائے تو وہ خاصی طویل ہو جائے گی لیکن مثال کے طور پر صرف چند نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

انشاء، حاتم، رنگین، اللہ وردی خاں، بیدار، بیان، امام بخش بیکس، برکت اللہ خاں برکت، محمد حسین تجلی، حکیم اشرف خاں اشرف، نظام الدین احمد نظامی، جرات۔ اصل تذکرہ پیش نظر ہے۔ اس لیے مثالیں درج کرنے کی چنداں ضرورت نہیں تاہم پہلے تین شاعروں کا ذکر سہولت کے لیے یہاں درج کیا جاتا ہے۔

انشا

''حکیم میر انشاء اللہ خاں انشاء، خلف حکیم ماشاء اللہ خاں مرحوم عالم و فاضل، شاعر پر زور فارسی و ہندی، مصنف چند نسخۂ مثنویات و دواوین و قصائد منقوط و غیر منقوط و رباعیات و مدح و ہجو وغیرہ۔ نیا کانش از برگ زادہائے نجف اشرف، والد ماجدش در ایام ثروت و حشمت امیر الامراء نواب ذوالفقار الدولہ بہادر از ضلع مشرق بجمعیت دو زنجیر فیل وارد خطۂ پاک دہلی شدہ بود۔ گویند کہ خیلے

---

[66] نسخۂ لندن/ 542

جوانمرد و پرفتوت بودہ است۔ حکیم انشاء اللہ خاں انشا درفن بے نظیر طبابت مہارت کلی دارد۔ مولدش مرشدآباد لیکن از چند سال در بلدۂ لکھنؤ بہ رفاقت شاہزادہ جم جاہ مرزا سلیمان شکوہ بہادر دام اقبالہ مفتخر و محترم است، از مشاہیر سخنوران آں ضلع واقع گشتہ بزور طبیعت شعر خودرا بہ پایۂ اعلیٰ رسانیدہ وشہرہ آفاق گردیدہ''[67]

حاتم

''شیخ ظہور الدین عرف شاہ حاتم المتخلص بہ حاتم، درویشی متعبد و مرتاض بود در دہلی۔ سخن خوب می گفت بلکہ استاد وقت بودہ است۔ تلاشے کامل بکار می برد۔ پیشۂ سپاہ گری می نمود و در ایام نوکری نواب عمدۃ الملک امیر خاں بہادر شراب و بنگ وغیرہ بکثرت می نوشیدہ و در آخر ترک مسکرات و منہیات ساختہ، از تعلقات دنیاداری دل برداشت و ریاضت شبانہ روزی اختیار نمود۔ شاعر فارسی و ہندی و گفتگویش بطور زباندانان سلف و حال بود۔ در دیباچۂ دیوان خود اسم چہل و پنج کس شاگرداں مندرج کردہ۔ دیوانے کلاں مشتمل براقسام کلام و دیوان دویمی خورد کہ دیوان زادہ اش نام نہادہ از و بصفحۂ گیتی یادگار است، عجب خلیق واہل محبت و صاحب دل، سراپا شفقت بود کہ دریں ایام ہمچو او مردی بزرگ و زیرک متصف باقسام کرم و خوبی بہم رسیدن اشکال است۔ خدااش مغفرت بخیر و نیکی گردانیدہ باشد۔ پارۂ از اشعار رنگینش ایں بندہ ہیچمداں ذکا بزبان قلم نیاز رقم حوالہ می نماید''[68]

رنگین

سعادت یار خاں رنگین خلف الصدق نواب محکم الدولہ طہماس بیگ خاں اعتقاد

---

67 نسخۂ لندن/21، 68 نسخۂ لندن/170۔

جنگ بہادر رومی کہ اول در دار السلطنت لاہور بہ سلک ملازماں خاص نواب عالی جناب معین الملک بہادر عرف میر منو پسر وزیر الممالک اعتماد الدولہ بہادر انتظام داشت وبعد بجمعیت چند صد سوار بعلاقۂ رسالہ داری درسرکار دولت مدار امیر الامرائے نواب نجیب الدولہ بہادر ونواب ذوالفقار الدولہ بہادر بہ ثروت و تمکنت تمام بسر برد۔ خودش نیز بہ عزت تمام وامتیاز مالا کلام ملازم شاہزادہ ہائے عالی اقتدار ماندہ نہایت خوش خلق و یار باش پاکیزہ سیرت خجستہ معاش واقع شدہ۔ ظاہر حالش بہ صلاح آراستہ و باطنش بہ فلاح پیراستہ، طبع رنگین دارد وسخن ہر اقسام ازو بخوبی انصرام یافتہ۔ اشعار ندرت طراز خود را بنظر استادان وقت مثل شیخ ظہور الدین حاتم ومحمد امان خاں نثار شاگرد رشید شاہ حاتم گزرانیدہ ومدام با فضلا وحکما وسخنوران کامل فن صحبت داشتہ چہار دیوان مرتّف یکے بقید غزل در غزل ودو یمی بزبان ہزل وضحک با قصاید چند کہ بیشتر از گفتگوئے نسواں مناسبت دارد طرح دادہ۔ دو دیوان از غزلیات طرحی وطبعی ورباعی ومخمسات وقطعات ومستزاد وغیرہ تالیف فرمودہ۔ سوائے ایں رسالۂ نیز کہ بمجالس رنگیں موسوم است از طبع او تراویدہ۔ مناسبت کلی از شاعری وسخن پردازی دارد۔ بسا مغتنم است۔ از چندے دامن حال از تلاش معاش واکشیدہ زاویہ نشین گوشہ فقر است و بہ ترک لباس ظاہر دنیا پرداختہ بیاد ایزد غفار مصروف گشتہ۔ اشعارے چند از ریختۂ طبع دریا بار او ایں بندہ خاکپائے ذکا دریں جامی نویسد''[69]

ان اقتباسات سے اندازہ ہوگا کہ اکثر جگہ انھوں نے خاصی تفصیل سے بھی کام لیا ہے اور جتنی اہم اور متعلق باتیں ہوسکتی ہیں وہ سب درج کردی ہیں۔ تفصیل نگاری کے بارے میں یہاں ایک اہم بات عرض کرنی ضروری ہے۔ جس طرح کی تفصیل اور جس نوعیت کی سیرت نگاری کا ہم تذکرہ نویس سے مطالبہ کرتے ہیں وہ دراصل تذکرے کے دائرے سے خارج ہے۔ کسی ایک

---

69 نسخۂ مولف / 53-352

شاعر کا تذکرہ لکھا جائے تو اس کی زندگی کے سارے اہم واقعات، دلچسپ نجی حالات بیان کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن وہ تذکرہ جس میں سیکڑوں شاعروں کا ذکر ہو، وہاں اختصار سے کام لینا ہی ہوگا۔ شعرا کے تذکروں میں اس طرح کے واقعات تلاش کر کے جو ہم اسے بلند مقام دیتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ ہماری زبان وادب کی تاریخ کے بہت سے گوشے تاریکی میں ہیں۔ اس لیے جس ذریعے سے بھی ہماری معلومات میں اضافہ ہو ہم اسے بے حد سراہتے ہیں اور یہ بات نظر انداز کردیتے ہیں کہ جس مصنف نے جس تصنیف میں اسے جگہ دی ہے، وہ اس کے لیے مناسب بھی ہے کہ نہیں۔ ذکا نے اپنے تذکرے میں جس اختصار سے کام لیا ہے وہ تذکرہ نگاری کے لیے ضروری ہے لیکن اس حقیقت کو تسلیم کرنا چاہیے کہ بعض جگہ ان سے لغزش بھی ہوئی، یعنی بعض جگہ وہ ضروری باتیں نظر انداز بھی کر گئے۔

تذکرے کے بعض ناقدوں نے اسے سیرت نگاری کا فن کہا ہے [70]۔ ہم اتنا اور عرض کرنا چاہتے ہیں کہ تذکرے میں سوانح ہو یا سیرت یا تنقید، ہر چیز اختصار کے ساتھ ہونی چاہیے۔ ذکا نے بعض جگہ مختصر الفاظ میں شعرا کی سیرت کی مکمل تصاویر پیش کردی ہیں اور ان مقامات پر ان کے یہاں میر کی نکات الشعرا کا انداز پیدا ہو گیا ہے۔ اس کی دو تین مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

جعفر علی خاں ذکی

''بسیار صاحب حشم و اہل حمیت و خلیق و نیک زندگانی، کشادہ پیشانی، ستودہ اطوار، حمیدہ کردار بود'' [71]

میر عزت اللہ عشق ابن حکیم قدرت اللہ قاسم

''مرد صالح است...... جوہر صلاحیت از ناصیہ حالش پیدا و آثار نجابت از صفحہ حالش ہویدا۔ انسان با مروت۔ دوست یکرنگ و باصفا ست بہ غیر شباب لیاقت

---

70 تذکرے کو اولاً سیرت ہونا چاہیے اور پھر لٹریری ہسٹری۔۔۔۔تذکرہ فن سیرت کی ایک شاخ ہے۔ سید عبداللہ = شعرائے اردو کے تذکرے/ 94،   71 نسخۂ لندن/ 401

وشایستگی مزاج بسیار دارد''72

اس طرح کی مثالیں تذکرے میں جا بجا بکھری ہوئی ہیں۔ سیرت نگاری کے سلسلے میں ایک اور بات قابل ذکر ہے۔ ہمارے تذکرہ نگاروں بلکہ ہمارے تمام مصنفوں کی سیرت نگاری کا ایک خاص انداز رہا ہے اور وہ ہے ''ہمہ را بہ نیکی یاد کردن'' کا اصول، بزرگوں کی خطاؤں کی گرفت کو ہمارے یہاں معیوب سمجھا جاتا رہا ہے۔ ذکا بھی مشرق کے اسی لحاظ و پاس کے ماحول کے پروردہ تھے لیکن کہیں کہیں انھوں نے اس اصول سے انحراف بھی کیا ہے۔ شہوت کے حال میں لکھتے ہیں:

''شخصے بد اطوار، نکوہیدہ کردار، زشت اعمال، قبیح خصال، از بس کہ بوے نخوت بدماغش جا گرفتہ بود، پند و نصائح را خیر بادمی گفت و تمسخر و تضحیک را شعار خود گردانیدہ۔ اوقات بحرکات لغو و ناشایستہ می گذاشت۔ از پیشگاہ خلافت بہ تمنائے تمام مسخر الدولہ قرمساق خاں بہادر پھکڑ جنگ خطاب گرفتہ۔ برین سرہن برخود بالید و خودرا ورفرقۂ ہم اطواران خویش معزز انگاشت۔ اگرچہ دریں کتاب ذکر و سخن آن نوشتن......''73

اس طرح کی مثالیں عیار الشعرا میں اور بھی مل جاتی ہیں مگر کم۔ عام طور پر انھوں نے شعرا کی بے جا مدح سرائی نہیں کی اور جہاں کوئی بات قابل گرفت نظر آئی اس کا ذکر کر دیا۔ لیکن ہمارے یہاں سیرت نگاری کے جس انداز کا رواج تھا اس سے ذکا کا متاثر ہونا کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ سیرت کی کمزوریوں کا ذکر ایک زمانے تک مشرق و مغرب کے ادب میں غیر ضروری اور غیر متعلق سمجھا جاتا رہا ہے۔ بائرن کے کردار پر نکتہ چینی کو ناپسند کرتے ہوئے ٹینی سن نے تلخ لب و لہجے میں کہا تھا کہ:

''پبلک کو بائرن کی آشفتہ مزاجیوں اور بے راہ رویوں کو جاننے کا کیا حق ہے؟ اس نے دنیا کو پاکیزہ کلام اور افکار نغز دیے ہیں۔ اہل دنیا کو صرف اسی سے مطمئن ہو جانا چاہیے۔''74

---

72 نسخۂ لندن/411، 73 نسخۂ مولف/144، 74 آندرے موریو= اسپیکٹس آف بیاگرافی، ص15۔ (Andre Maurois: Aspects of Biography Page -15) بحوالہ سید عبداللہ

تذکرہ نگار کا سب سے اہم فرض یہ ہے کہ شعرا کے جو حالات اور ان کا جو کلام وہ تذکرے میں شامل کررہا ہے اس کے بارے میں پوری تلاش و تحقیق سے کام لے اور جہاں خلا محسوس ہو اسے پُر کرنے کے لیے کماحقہٗ جستجو کرے۔ ''از احوالش خوب اطلاع ندارم'' کہہ کر وہ عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ شاعر کا صحیح نام، اس کا وطن، ممکن ہو تو سنہ ولادت، ورنہ کم از کم زمانہ، تلمذ، تعلیم، سرمایۂ کلام کی کیفیت اور اگر اس کا انتقال ہو چکا ہو تو سنہ وفات۔ ان سب معلومات کی کسی ذمہ دار تذکرہ نگار سے توقع کی جاتی ہے۔

ذکا مصحفی کے تذکرۂ ہندی کا مطالعہ کر چکے تھے[75]۔ مصحفی نے واقعات کی صحت کی طرف توجہ کی ہے۔ بہت سی جگہ انھوں نے سنین پیش کی ہیں اور شعرا کی عمریں متعین کی ہیں۔ کم سے کم اتنا بتانے کی ضرور کوشش کی ہے کہ کس شاعر سے کب اور کہاں ملاقات ہوئی تھی اور اس وقت اس کی عمر کتنی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن ذکا نے مصحفی کے تذکرے کو نمونہ نہیں بنایا۔

ذکا کی تلاش و تحقیق کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دیکھنا چاہیے۔ سب سے پہلے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ جو معلومات انھوں نے فراہم کی ہیں ان میں ''چھان بین'' سے کتنا کام لیا گیا ہے اور ان کے دیے ہوئے مواد پر کس حد تک بھروسہ کیا جاسکتا ہے اور دوسری بات یہ کہ کتنی چیزیں تشنۂ تحقیق رہ گئیں یعنی کتنے شاعروں کے بارے میں اپنے وسائل کے مطابق انھیں زیادہ معلومات فراہم کر کے درج کرنی چاہیے تھیں۔

نسخۂ مولف کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ذکا نے اپنے مواد کی تصحیح میں بڑی محنت کی ہے۔ ایک نام کے دو شاعروں کے سلسلے میں یہ تجسس جاری رکھا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ ہیں یا ایک۔ اس سلسلے میں انھوں نے تذکروں کا مطالعہ بھی کیا ہے اور اپنے بیان کے مطابق لوگوں سے تفتیش احوال کا سلسلہ بھی جاری رکھا ہے اور بعد میں جگہ جگہ ضروری حاشیے لکھے ہیں۔ کسی شاعر کے بارے میں معلوم ہوا کہ اب اس نے کوئی اور تخلص اختیار کرلیا ہے، تو اس کا ذکر غلط جگہ سے خارج کر کے صحیح جگہ لکھا ہے۔ اسی طرح اشعار کے معاملے میں تفحص کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔ سراج کے اشعار کسی اور شاعر کے نام سے درج ہو گئے تھے تو بعد میں انھیں وہاں سے خارج کر کے

---

75 ''تذکرۂ ہندی از ترتیب یافتۂ او بہ نظر احقر ہم گذشتہ'' عیار الشعرا، احوال مصحفی۔

سراج کے احوال کے بعد درج کیا ہے۔کئی جگہ اس طرح کا حاشیہ ملتا ہے کہ اس سلسلے میں تصدیق کرنی ہے۔ پھر تصدیق کے بعد ضروری تصحیح کردی گئی ہے۔ یہ مثالیں یہاں تکرار کے خیال سے درج نہیں کی جارہی ہیں کیونکہ نسخوں کی کیفیت کے ذیل میں یہ مثالیں نقل کی گئی ہیں۔

ذکا کی اس احتیاط اور محنت کے باوجود تذکرے میں اغلاط موجود ہیں۔کئی جگہ تکرار ہوگئی ہے، کہیں ناموں کے سلسلے میں التباس ہوا ہے۔چالیس سال کی محنت کے بعد بھی بہت سی غلطیاں دور نہیں کی جاسکیں۔اس کا سبب یہ بھی ہے کہ تذکرہ بہت ضخیم ہے اور اغلاط کی نشاندہی آسان نہیں۔اس اعتراف کے باوجود ذکا اس الزام سے نہیں بچ سکتے کہ تذکرہ نگاری کا نازک فن جتنی تحقیق اور چھان بین کا متقاضی ہے، ذکا نے اتنی تحقیق اور چھان بین نہیں کی۔ذیلی حواشی میں ان کی اغلاط کی تصحیح کی گئی ہے۔ذکا کی اغلاط وتسامحات کے ذیل میں بعض اہم غلطیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

عیارالشعرا میں جہاں جہاں خلا رہ گیا اور جو گوشے تحقیق طلب رہ گئے اب ہم ان کا ذکر کریں گے۔لیکن اس سے پہلے یہ واضح کردینا ضروری ہے کہ اس زمانے کے حالات اب سے قطعاً مختلف تھے۔وسائل بے حد محدود تھے اور تلاش وتحقیق کی طرف چنداں توجہ نہیں تھی۔

عیارالشعراء میں شاعروں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جس کے بارے میں بہت کم معلومات فراہم کی گئی ہیں۔بعض جگہ نام بھی موجود نہیں، اکثر جگہ وطن اور زمانے کے بارے میں کچھ نہیں لکھا گیا۔تذکرے کی سرسری ورق گردانی سے ہی یہ عیب پوری طرح واضح ہوجاتا ہے۔ اس لیے زیادہ مثالوں کی نہ گنجایش ہے اور نہ ضرورت۔صرف چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے:

— خاص تخلص، شاعرے بسمتِ ممالکِ جنوبیہ مسموع می شد

— خنداں شخصے تازہ گوشنیدہ می شود۔معلوم نیست کہ حالا در دہلی است یا جائے دیگر (اور مصنف خود دہلی میں موجود ہے)

— خوشنود تخلص شخصے بود پنجابی۔

— رضا تخلص، باشندۂ گوالیار صاحب تصانیف ریختہ است۔

— روشن، تخلص، ساکن دہلی......

— روشن، از احوال ایں شخص خوب اطلاع ندارم کہ کجا استقامت دارد وچگونہ بسرمی بردمگرایں شعرراخوب تحقیق کردہ ام کہ ازوست۔

— احسان......مردے قابل وذی عزت درلکھنو

— الفت......شخصی معروف ومشہور بنواح حیدرآباداست......

— خواجہ حیدرعلی آتش: وے ازباشندہ ہاے قدیم بلدۂ لکھنؤ است۔

— آشنا تخلص عزیزے تازہ گودراوقات سلف نظرمی آمد۔ اکنوں از چندے احوالش کماحقہ دریافت نیست کہ بکدام حالت بسرمی برد۔

— سیدرجب علی تصور شاگرد شاہ نصیرالدین نصیر ساکن دارالخلافہ تازہ مشق است۔۔
(گویا مصنف کا خواجہ تاش)

اس مختصر سی فہرست سے بیک نظر یہ اندازہ ہو سکے گا کہ بہت سے شاعروں کے متعلق ضروری معلومات، ذرا سی کوشش سے حاصل کی جا سکتی تھی لیکن مولف تذکرہ نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ وہ سنین درج کرنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ البتہ بعد میں جو اضافے کیے ہیں ان میں دو چار جگہ سنہ درج کر دیے ہیں۔ ان کوتاہیوں نے اس تذکرے کی افادی اہمیت کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔

تذکرے کے تنقید نگاروں نے ''عیار الشعراء'' میں تنقیدی مواد کی کمی کا ذکر بھی کیا ہے۔ دتاسی نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ ''اس تذکرے میں تنقید کا نام نہیں'' لیکن دتاسی کا یہ بیان انصاف پر مبنی نہیں۔ اتنا ضرور ہے کہ اس تذکرے کا تنقیدی حصہ کمزور ضرور ہے اور یہ تنقید بھی تاثراتی نوعیت کی ہے اور وہ بھی انتہائی مختصر۔ میر نے اپنے تذکرے 'نکات الشعراء' میں تنقیدی صلاحیت کا مظاہرہ کیا ہے، لیکن اردو کے تذکرہ نگاروں نے اس روایت کو آگے نہیں بڑھایا۔ جن تذکروں میں تھوڑا بہت تنقیدی مواد ملتا بھی ہے وہ آج کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔ جیسا کہ ابتدائی صفحات میں عرض کیا جا چکا ہے۔ تذکرہ نگار زیادہ سے زیادہ یہ بتا دیا کرتا تھا کہ شاعر کس صنف سخن سے طبعی مناسبت رکھتا ہے۔ زبان میں کس حد تک صفائی اور روانی پائی جاتی ہے، زبان محاورے کے مطابق ہے یا خلاف محاورہ، کس کا شاگرد ہے، صاحب دیوان ہے کہ نہیں، کن شاعروں سے اس کا مقابلہ

کیا جاسکتا ہے، متروک، غیر مانوس اور غیر فصیح الفاظ تو استعمال نہیں کرتا۔

اگر شاعری کو پرکھنے کے یہ معیار ہوئے تو تذکرہ نویسوں کے یہاں تنقیدی اصطلاحوں کی تکرار حق بجانب ہے۔ تاہم اگر میر کی تنقید کو معیاری مان لیا جائے تو بھی ذکا وہاں تک نہیں پہنچتے۔ عیارالشعراء میں جس نوعیت کی تنقید ملتی ہے۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل مثالوں سے ہوسکے گا:۔

میاں حاجی تجلی، ہمشیرزادۂ میر

''فکر شعر بطرز میری کند، مثنوی لیلیٰ مجنوں بسیار خوب گفتہ وتلاش نمایاں بکار بردہ...... اشعارے کہ از فکر بلندش تراویدہ ازاں بوے استاذی می آید و ناخن بدل است''۔[76]

مرزا عظیم بیگ دہلوی

''در قصائد گوئی وحید عصر و یگانۂ دوراں بود۔ در خیال بندی معنی بے نظیر بود۔ کلامش فصاحت آگیں، متانت قریں، دیوانے مختصر بغایت فصاحت وجودت ازو برصفحۂ روزگار ناپائیدار افتادہ۔ فی الحقیقت شاعری کردہ بل ساحری نمودہ''۔[77]

غلام ہمدانی مصحفی

''قصائد چند بکمال خوبی ومتانت کلام ازو سرانجام یافتہ...... تصانیف بسیار وارو۔ بایں ہمہ صحت محاورہ واستخوان ہندی الفاظ کما حقہ دراں یافتہ می شود۔ از کلامش بوے متانت بمشام جاں می رسد و سوے تخنش بے اختیار دامن دل می کشد''[78]

مرزا رفیع سوداؔ

''سخنش...... زبان ریختہ را آب وتاب دادہ ومحاورۂ اردوے معلیٰ را خوب رونق

---

76 نسخۂ لندن/118، 77 نسخۂ لندن/86-485، 78 ایضاً/490۔

بخشیدہ بلکہ بمنزلۂ فارسی رسانیدہ خصوصاً در ہجو و قصیدہ گوئی ید طولیٰ داشت"۔[79]

لیکن ایسی مثالیں کم ہی ہیں۔ عام طور پر ان کی تنقید کا انداز یہ ہے:

غالب علی خاں سیّد

"غزلیات طویل بکمال متانت و خوبی سرانجام می فرماید"۔[80]

ہدایت اللہ خاں ہدایت

"شعرش مستغنی از تکلف است و خالی از کیفیت نہ"۔[81]

حکیم قدرت اللہ قاسم

"سررشتۂ متانت کلام از دست نمی دہد و تلاشے کامل بکار می برد"۔[82]

بالآخر ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ "عیار الشعرا" میں تنقیدی مواد موجود ہے مگر کم۔

اغلاط و تسامحات

پچھلے صفحات میں مختصراً عرض کیا جا چکا ہے کہ عیار الشعراء میں بہت سی اغلاط موجود ہیں۔ تکرار اور اعادے کی مثالیں کئی جگہ پائی جاتی ہیں۔ کسی شاعر کا ذکر ایک جگہ کرنے کے بعد آگے چل کر ذرا مختلف الفاظ میں پھر اس کا ذکر کرنے لگتے ہیں۔ طرفہ تر یہ کہ جو اشعار اس کے ذکر میں پیچھے لکھ آئے ہیں وہی پھر دہرا دیتے ہیں، کہیں شعر کسی غلط شاعر سے منسوب کر دیتے ہیں۔ کہیں ایک ہی شعر دو شاعروں کے نام سے لکھ جاتے ہیں۔ بعض جگہ دو شاعروں کے حالات خلط ملط کر دیے ہیں۔ ذکا کو ایک ہی نام کے دو شاعروں کے بارے میں التباس بھی ہوا ہے۔ تذکرے کی ورق گردانی سے اندازہ ہوگا کہ بہت سی اغلاط کی تصحیح انھوں نے حاشیے پر خود کر دی ہے اور درستی کی کوشش جاری رکھی ہے۔ پھر بھی بہت سی غلطیاں باقی رہ گئی ہیں جن کی تصحیح یا نشاندہی ذیلی حاشیوں

---

79 ایضاً/275، 80 ایضاً/389، 81 ایضاً/883، نسخہ مولف 283، 82 ایضاً/614۔

میں کردی گئی ہے۔ بعض اہم غلطیاں، مثال کے طور پر ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

مکررات

''غلام محی الدین مبتلا میرٹھی مولف تذکرہ طبقات سخن کے حالات دو جگہ لکھ دیے گئے ہیں۔
فرق صرف الفاظ کا ہے:

> ''غلام محی الدین مبتلا میرٹھی از شعرائے قدیم است۔ اکثر اشعارش کہ بسمع رسید جوہر استعداد باطنی اش بر مرات ضمیر نیاز پذیر عکس انداز گشت۔ اگر چہ ایں نحیف بہرہ ای از فیض ملاقات وی نہ برداشتہ و ہنوز مشتاق است، الا ایں افراد از تصنیفش بمن رسید''[83]

دوسری جگہ یہ عبارت ہے:

> ''شیخ غلام محی الدین مبتلا، عشق ہم تخلص می کند۔ از ساکنین میرٹھ خیلے مستعد وفاضل وشاعر فارسی وہندی ومصنف مثنوی وتذکرہ''[84]

میر کاظم حسین بیقرار کا حال نسخہ مولف میں دو جگہ ہے۔ ایک جگہ متن میں اور دوسری جگہ حاشیے پر۔ نسخہ لندن میں اصل کے متن کی عبارت صفحہ ۱۰۰ پر اور حاشیے کی عبارت صفحہ ۱۰۹ پر نقل ہوگئی ہے۔ دونوں عبارتیں ذیل میں نقل کی جاتی ہیں:

> ''میر کاظم حسین بیقرار ساکن دہلی ہمشیرزادہ نواب سیف الدولہ سید رضی خاں بہادر صلابت جنگ سلمہ۔ انسان با مودت وسعادت مند خوش خواست۔ کلام خود را بگوش معنی نیوش سخن سنج بے نظیر محمد نصیر الدین گزرانیدہ۔ سخنش برجستگی دارد''[85]

دوسری جگہ یعنی صفحہ 109 پر:

> ''مرزا کاظم حسین بیقرار۔ شاگرد رشید میاں نصیر خلف نواب قلندر علی خاں خیلے صاحب طبع وخوش فکر وخوش خلق، مودت اساس، تودد شناس است۔

---

83 نسخۂ لندن/ 41-740، 84 ایضاً/ 796، 85 نسخۂ لندن/ 100،

دراصلاح چندروز بہ برکت فیض استادِ سخن را بجائے رسانیدہ۔ خداش خوش دارد''

اس پر بھی حیرت ہوتی ہے کہ ایک جگہ انھیں میر اور دوسری جگہ مرزا لکھا ہے۔ حزیں کے بیان میں بھی اسی طرح تکرار ہوئی ہے۔

''شیخ محمد علی حزیں از اقربایاں مرزا جانِ جاں مظہر، بسیار سیر مشق و مناسبت کلی از شعر و سخن داشت و ہمت بتلاش کامل می گماشت۔ دیوان مختصرش بہ ایں حقیر سراپا تقصیر بہم رسید از اں اشعار انتخابی برآوردہ بہ سلک تحریر منسلک گردانید۔''[86]

محمد علی حزیں (اصفہانی) فارسی کے شاعر تھے نہ کہ اردو کے۔ نہ وہ مرزا مظہر کے عزیز تھے۔

دوسری جگہ کسی مجہول الحال حزیں کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے:

''حزیں تخلص، شاگرد مرزا مظہر، شاعرے در عہد سلطنت فردوس آرام گاہ بود۔ اکثر بہ تصنیف کلام دل آویز متوجہ می شد''[87]

اس کے بعد نمونہ کلام میں حزیں کے جو اشعار پیش کیے گئے ہیں، وہ وہی ہیں جو محمد علی حزیں کے نام سے درج کیے جا چکے تھے۔

نوا بدایونی کے بارے میں بھی یہی صورت پیش آئی ہے کہ ان کا ذکر سہواً دوبار ہو گیا ہے۔ پہلے ان کا احوال ان الفاظ میں قلمبند ہوا ہے:

''شیخ محمد ظہور اللہ خاں نوا شخصی است طالب علم در بلدۂ لکھنؤ شاگرد محمد بقا خاں بقا اکبرآبادی۔ از حضور فیض گنجور مرشد زادۂ آفاق مرزا جہاندار شاہ بہادر مغفور و مبرور خوش فکر خاں تھا خطاب داشت۔ بعضے قصائد و ہم غزلیات بکمال متانت وجودت طبع از و سرانجام یافتہ۔ فی الجملہ تلاشی دارد''[88]

دوسری جگہ انھیں کا ذکر بایں الفاظ ملتا ہے:

''ظہور اللہ خاں نوا، شاعر شیریں فصیح زبان است''[89]

اسی طرح کے ظاہری اختلاف کے ساتھ تکرار کی مثالیں شاہ شرف الدین ملول، شیخ شرف

---

86 نسخہ لندن/109، 87 ایضاً/199، 88 ایضاً/236، 89 ایضاً/65۔

الدین ابہام، خداوردی خاں بیتاب، خدابردی خاں طریق، اسدعلی خاں تمنا دکنی، میر صادق علی خاں صادق، میر صادق علی صادق، میر عبدالواسع عزت، میر عبدالولی عزت کے احوال میں ملتی ہیں۔

بعض جگہ دو مختلف شاعروں کا حال آپس میں خلط ملط ہوگیا ہے اور ایک کا حال دوسرے کے حال میں شامل ہوگیا ہے۔ محمد روشن جوشش اور محمد عابد دل دو عظیم آبادی شاعر گزرے ہیں۔ یہ دونوں حقیقی بھائی تھے اور راجا ناگرمل کے بیٹے تھے۔ انھوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ ذکا نے ان کے بارے میں مندرجہ ذیل اطلاعات فراہم کی ہیں۔

''محمد روشن جوشش شخصے بہ ضلع لکھنؤ است۔ از مشاہیر سخنوران آں ضلع واقع شدہ ودریں فن عمرے صرف نمودہ۔ جوش طبیعتش از کلامش روشن''۔[90]

''محمد عابد جوشش ساکن عظیم آباد است۔ از خوش گویان آں ضلع واقع شدہ۔ عاصی ذکا را اتفاق ملاقات نیفتادہ مگر ازیں مطالع طبعزادش واقفیت دارد۔[91]

محمد روشن جوشش کے سلسلے میں یہ اطلاع بھی غلط محض ہے کہ وہ لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ محمد علی حشمت اور محتشم علی خاں حشمت کے حالات بھی اس طرح کی اغلاط سے خالی نہیں ہیں۔

''میر محمد علی خاں حشمت، از کہنہ مشاقان بودہ است مگر دیوانش مروّج نیست۔ عابد یار خاں و مراد علی خاں برادران وے بہ علاقۂ خدمات جواہر خانہ حضور حضرت فردوس آرام گاہ نوراللہ برہانہ منسلک بودند۔ مرد عمدہ روزگار صاحب مروت زردار بود۔ بتلاش خطیر دو ابیات وے بہم رسانیدہ بریں قرطاس مثبت می گرداند۔ میر عبدالحی تاباں اشعار خود بہ نظر ہمیں استادی گزرانید۔ چنانچہ تخلش شہرہ عام است''۔[92]

''میر محتشم علی خاں حشمت ساکن شاہجہاں آباد واصل وے بدخشاں۔ مرد عمدہ روزگار خوش کردار عمدہ معاش نیک تلاش بود۔ شعر فارسی و ہندی بہ متانت وفصاحت تمام می گفت مگر بہ نسبت ریختہ مزاج او بہ طرف فارسی گوئی بسیار رغبت

---

90 ایضاً/849، 91 نسخۂ لندن/143، 92 ایضاً/65-164۔

داشت۔سخن میر عبدالحی تاباں ودیگر شاگردوں را بہ اصلاح رونق بخشیدہ۔
مردے قابل بود سخن خوب سرانجام می داد"[93]

ان بیانات کے سلسلے میں جن غلطیوں کی نشاندہی کرنی ضروری ہے وہ یہ ہیں کہ عبدالحی تاباں محمد علی حشمت کے شاگرد تھے۔ذکا نے انھیں محتشم علی خاں کا شاگرد لکھا ہے۔دوسرے یہ کہ دونوں کے احوال کے بعد ہر دو جگہ پہلا شعر ایک ہی لکھا ہے:

خط نے ترا حسن سب گنوایا　　یہ سبز قدم کہاں سے آیا

دونوں کے یہاں یہ شعر نقل کیا گیا ہے۔حالانکہ یہ شعر میر محمد علی خاں حشمت کا ہے۔ میر محتشم علی خاں حشمت کے یہاں مندرجہ ذیل دو شعر نقل کیے گئے ہیں۔

برقع کو اٹھا چہرے سے وہ بت اگر آوے
اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آوے
اے ناقۂ لیلیٰ دو قدم راہ غلط کر
مجنونِ زخود رفتہ مگر راہ پر آوے

یہ دونوں اشعار میر کے ہیں اوران کے کلیات میں شامل ہیں اس لیے ان پر بحث وگفتگو کی چنداں ضرورت نہیں۔

مندرجہ ذیل شعر جو شاہ عالم آفتاب کے نمونہ کلام کے طور پر نقل ہوا ہے، دراصل انشا کا ہے۔

چھیڑنے کا تو مزہ جب ہے کہو اور سنو
بات میں ہم سے خفا ہو گئے لو اور سنو [94]

یہ شعر انشا کے دیوان میں موجود ہے اور یہ انتساب کی ایک صریح غلطی ہے۔اور درج ذیل رباعی جو انشا کے نمونہ کلام کے طور پر نقل ہوئی ہے، دراصل میر عبدالحی تاباں کی تخلیق ہے۔

میخانے میں کیا پھرے ہے مٹکی مٹکی
مت شیخ و برہمن سے ہے پھٹکی پھٹکی

---

93 نسخۂ لندن/ 97-196،　94 نسخۂ لندن/ 211

قاضی سے ڈرے نہ محتسب سے کافر
یہ دختر رز ہے جس سے اٹکی اٹکی [95]

دیوان تاباں میں دوسرا مصرع ذرا اختلاف کے ساتھ اس طرح ہے۔

زاہد و عابد سے دور بھٹکی بھٹکی [96]

میر نے نکات الشعرا میں درج ذیل شعر مرزا معز فطرت کا بتایا ہے۔

از زلف سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے
درخانہ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے [97]

ذکا نے ذرا سی تبدیلی کے ساتھ اسے پہلے خان آرزو اور پھر فطرت سے منسوب کیا ہے۔ ذکا کے یہاں جو تضاد ملتا ہے اس سے قطع نظر خان آرزو کے سلسلے میں میر کا بیان زیادہ معتبر ہونا چاہیے۔ اگر یہ شعر خان آرزو کا ہوتا تو میر اسے سہواً بھی مرزا معز فطرت کے نام سے منسوب نہ کرتے۔

ایک اور شعر ہے:

قاتل اگر کہے کہ سسکتا ہی چھوڑیو   خنجر تو ایک دم کے لیے منہ نہ موڑیو

میر نے اس شعر کو حسن، شاگرد سودا کے نمونہ کلام کے طور پر نقل کیا ہے۔ ذکا نے اسے میر حسن صاحب سحر البیان سے منسوب کر دیا ہے۔

مندرجہ ذیل شعر جسے تذکرہ نگاروں نے احسن اللہ احسن کا بتایا ہے، ذکا اسے شرف الدین علی خاں پیام کے ذیل درج کر گئے ہیں۔

لام نستعلیق کا ہے اس بت خوش خط کی زلف
ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہ ہوں اس لام کے

مندرجہ ذیل اشعار پہلے قدرت اللہ قدرت اور پھر شاہ واقف سے منسوب کیے گیے ہیں۔

ہوا ہے عشق سے آکر مقابلہ دل کا
بھڑا پہاڑ سے جا بل بے حوصلہ دل کا

---

95 کلام انشا مرتبہ مرزا محمد عسکری، ص 173،   96 دیوان تاباں، ص 206،   97 ایضاً

سرشک و آہ ہے، شور جنوں ہے، وحشت ہے
عجب شکوہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا

—

کہاں ہے شیشۂ مے، محتسب خدا سے ڈر
مری بغل میں جھلکتا ہے آبلہ دل کا

قدرت اللہ شوق دوسرے اور تیسرے شعر کو مراد علی حیرت مرادآبادی کا بتاتے ہیں۔ انھیں یہ اشعار خود مصنف سے حاصل ہوئے تھے۔ ''چند غزلیات متفرقات از دست خاص بایں راقم الحروف نوشتہ داد''[98]، اس لیے غلطی خارج از امکان ہے۔ دوسرے شعر کو مصحفی[99] بھی حیرت ہی کا بتاتے ہیں[100]۔ تیسرے شعر کے معاملے میں میر حسن[101] اور عشقی[102] شوق سے اتفاق کرتے ہیں۔

عیارالشعرا کی قدر و قیمت

ان تسامحات اور اغلاط نے تذکرے کی اہمیت کو نقصان ضرور پہنچایا ہے، لیکن ان سب کے باوجود اس تذکرے کی افادیت مسلّم ہے۔ کسی غیر اہم اور مختصر تذکرے کی اشاعت سے بھی زبان و ادب کو فائدہ پہنچنے کا امکان رہتا ہے۔ تذکروں کی اشاعت کے ساتھ ہمارے زبان و ادب کے نامعلوم گوشے منور ہوتے رہے ہیں۔ عیارالشعراء کی اہمیت کا خاص سبب یہ ہے کہ اس کے ذریعے بہت سے غیر معروف شعرا اور ان کا کلام ہمارے سامنے آتا ہے اور اکثر ہندو شعرا کے نام ہمارے علم میں آجاتے ہیں۔ بلاشبہ بہت سے نئے شعرا سے ہم عمدۂ منتخبہ کے ذریعے پہلے ہی متعارف ہو چکے ہیں لیکن اسے ثانوی ذریعہ کہنا چاہیے کیونکہ سرور نے بہت سے شعرا کے حالات اور کلام عیارالشعرا سے من و عن نقل کر دیے ہیں، یہاں تک کہ بعض اغلاط بھی بجنسہ ان کے تذکرے میں

---

98 میر = نکات الشعرا، ص 4۔ 99 شوق = طبقات الشعرا (نسخہ کتب خانہ آصفیہ) ورق 106 ب۔

100 مصحفی = تذکرہ ہندی، ص 80۔ 101 قائم = مخزن نکات 80۔

102 میر حسن = تذکرہ شعرائے اردو، ص 49۔

منتقل ہوگئیں۔ان کی تفصیل آگے آتی ہے۔

ذکا نے شعرائے اردو کا اتنا ضخیم اور جامع تذکرہ مرتب کرنے کا حوصلہ کیا، یہ بات کچھ کم اہم نہیں۔ اس طوالت اور جامعیت کے سبب اغلاط کا راہ پا جانا تعجب کی بات نہیں۔ ان میں سے بیشتر غلطیوں کی تصحیح آج بھی ممکن ہے۔اور جہاں تک ہم سے ہو سکا ہے،ہم نے ان اغلاط کو درست کرنے، اور ان کے سہو سے جن غلط فہمیوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ تھا، انھیں دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ اشاعت کے بعد اہل نظر کی توجہ سے اغلاط سے پاک کر کے اور زیادہ مفید اور کار آمد بنایا جا سکے گا۔

عیار الشعرا اور عمدۂ منتخبہ

اشپرنگر نے عمدۂ منتخبہ کو عیار الشعرا کا ایک حد تک ترقی یافتہ ایڈیشن قرار دیا ہے۔ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی نے اشپرنگر کے بیان پر عمدۂ منتخبہ کے مقدمے میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''ہم نے سرور اور ذکا کے ان بیانات کا مقابلہ و موازنہ کیا جو میر، درد، مصحفی، انشا اور اسد و غالب کے متعلق ان تذکروں میں مندرج ہیں۔ان کے اختلافات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات بس ایک حد تک ہی صحیح ہے، کلیتہً نہیں۔فہرست اشپرنگر کے مترجم نے ''ایک حد تک'' یا ''کچھ'' ان الفاظ کو اپنے ترجمے سے خارج کر دیا ہے۔تذکرۂ ذکا میں آخری تاریخ جس کا ذکر ملتا ہے، وہ 1247ھ ہے۔اس کی ابتدا بقول اشپرنگر 1208ھ یا 1213ھ میں ہو چکی تھی اور سرور ان کے تذکرے سے لاعلم بھی نہیں تھے اس لیے گمان بہ یقین ہے کہ سرور (متوفی 1250ھ) نے ذکا کا تذکرہ دیکھا ہو اور اس سے فائدہ بھی اٹھایا ہو۔بعض جگہ دونوں کی معلومات ایک ہی نقطے پر ختم ہو جاتی ہیں جیسا کہ احسان لکھنوی، احسن حیدر آبادی یا مرزا احمد بیگ قزلباش کے ترجموں سے ظاہر ہوتا ہے۔رہا اشعار کا غلط انتساب اور حالات کا بغیر کامل تحقیق کے اندراج، ان امور میں دونوں برابر کے شریک ہیں۔''[103]

103۔ عشقی = مشمولہ دو تذکرے، ص 240۔

اور بالآخر پروفیسر فاروقی نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ:

''اشپرنگر نے اس کا ماخذ عیار الشعرا کو قرار دیا ہے لیکن تذکرہ سرور اس کی کاربن کاپی نہیں۔ بلحاظ ترتیب اور تنقید اس کا بہتر چربہ ضرور ہے۔''[104]

حقیقت یہ ہے کہ اگر دونوں تذکروں کا شروع سے آخر تک مقابلہ کیا جائے تو اصل صورت حال واضح ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ سرور نے الفاظ کے ادنیٰ تغیر کے ساتھ عیار الشعرا کا چربہ اتار دیا ہے۔ معروف اور مشہور شعرا کے احوال کا معاملہ یہ ہے کہ سرور کے سامنے عیار کے علاوہ اور تذکرے بھی تھے جن سے استفادہ کر کے وہ اپنے تذکرے کو مختلف شکل دے سکتے تھے لیکن جہاں تک غیر معروف اور گمنام شاعروں کا معاملہ ہے، انھوں نے سارا مواد عیار سے حاصل کیا ہے۔ بعض جگہ صرف الفاظ کا الٹ پھیر ہے۔ کہیں سرور نے صرف اتنا کیا ہے کہ حالات کے سلسلے میں ایک دو جملہ کم کر دیا ہے۔ اضافے کی مثالیں بھی مل جاتی ہیں لیکن بے حد کم۔ انتخاب کلام بھی من و عن نقل کر دیا ہے۔ بالعموم ذکا کے دیے ہوئے اشعار میں کمی کر دی گئی ہے۔ البتہ چند مثالیں ایسی بھی ہیں جہاں سرور نے ذکا سے زیادہ اشعار دیے ہیں۔

ذیل میں صرف ایک حرف 'ع' سے شروع ہونے والے شعرا کے احوال کو سامنے رکھ کر دونوں تذکروں سے ایسی مثالیں نقل کی جاتی ہیں جہاں سرور نے سارے حالات ذکا کے تذکرے سے الفاظ کے معمولی تغیر کے ساتھ نقل کر دیے ہیں:

ذکا۔ غنی

''شیخ عبدالغنی غنی، شیخ زادہ ساکن قصبہ تھانہ من مضافات سرکار سہارنپور است۔ مرد قابل ورسا است۔ فصاحت، ریختہ گوئی از کلامش واضح و خوبی تلاش معانیش از فکرش لائح۔''

پڑتی ہے نظر خس پہ دم چشم بریدن
یاں ہم نے پر کاہ بھی بیکار نہ پایا

---

[104] سرور= عمدۂ منتخبہ، مقدمہ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی xii-xiii۔

سرور۔ غنی

''غنی تخلص، شیخ عبدالغنی، ساکن قصبۂ تھانہ کہ از مضافات قصبہ سرکار سہارنپور است۔ قابل، ذہین وگرم اختلاط، اشعار ریختہ بہ فصاحت می گوید۔ از اں جملہ:

پڑی ہے نظر خس پہ دم چشم بریدن
یاں ہم نے پر کاہ بھی بیکار نہ پایا [105]

سرور نے 'من مضافات' کی جگہ 'از مضافات' کر دیا۔ اسی طرح ان کی سیرت وشاعری کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس میں محض لفظی ردوبدل کیا ہے۔

ذکا۔ غافل

''محمد مسعود خاں غافل متوطن قصبہ مہم متعلقہ صوبہ شاہجہاں آباد است۔ انسان قابل وذی عزت وپاکیزہ معاش دریافت شد۔ از کلام اوست۔

خندہ نرگس پہ کرے دیدۂ حیراں میرا
نام لالے پہ رکھے یہ دل سوزاں میرا
گر اپنے دل کو نگہ پر دیا، دیا نہ دیا
خوشی کا سودا ہے چاہا کیا کیا نہ کیا

سرور۔ غافل

''شیخ محمد مسعود خاں، متوطن سرکار مہم کہ از مضافات دارالخلافہ است۔ از چندے بہ رحمت ایزدی پیوست۔ شخص عمدہ معاش وقابل وذی شعور بود۔ خدا لیش بیامرزاد۔ از کلام اوست: [106] (ذکا کے درج کیے ہوئے دونوں اشعار)

105۔ سرور = عمدۂ منتخبہ، مقدمہ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی xxi۔ 106۔ عمدہ منتخبہ، ص 450

سرور نے ''قصبہ'' کی جگہ ''سرکار'' کردیا۔ ''شاہجہاں آباد'' کے بجائے دارالخلافہ کردیا۔ اسی طرح کی دوتین معمولی تبدیلیاں اور کردیں۔ انتخاب کلام بالکل وہی رہا جو عیارالشعرا میں ہے۔ غمگین کا ذکر ذکا نے تفصیل سے کیا ہے، سرور نے اس کا انتخاب کردیا۔ ذکا نے نمونہ کلام میں بھی تفصیل سے کام لیا ہے۔ سرور نے اس میں سے آٹھ شعر منتخب کرلیے۔ وحشت اور وفا کا ذکر بھی اسی طرح معمولی تبدیلی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ تو صرف چند نام گنا دیے گئے، ورنہ ہر جگہ یہی صورت ہے۔

اب ذکا کے یہاں سے سرور کے سرقے کی چند بہت واضح مثالیں نقل کی جاتی ہیں۔ ذکا نے سہواً سراج کے مندرجہ ذیل تین شعر شرف کے نام لکھ دیے تھے:

خبر تحیر عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو میں رہا نہ تو تو رہا جو رہی سو بے خبری رہی
شہ بیخودی نے عطا کیا مجھے اب لباس برہنگی
نہ جنوں کی پردہ دری رہی، نہ خرد کی بخیہ گری رہی
وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس نسخۂ عشق کا
کہ کتاب عقل کی طاق پر جو دھری تھی وہ وہیں دھری رہی

ذکا نے تو حاشیے پر مندرجہ ذیل عبارت لکھ کر اس غلطی کی تصحیح کردی، لیکن سرور اسے نقل کر چکے تھے اور ان کے یہاں غلطی اسی طرح رہ گئی۔

''ایں غزل از سراج شاعر است بمقام او نوشتہ شدت ذکا''

سرور نے شرف الدین علی خاں پیام کا ذکر عیارالشعرا سے نقل کردیا ہے اور ساتھ ہی نمونہ کلام بھی۔ ذکا سے ایک غلطی ہوگئی تھی کہ انھوں نے مندرجہ ذیل شعر بھی نقل کردیا تھا۔

لام نستعلیق کا ہے اُس بت کافر کی زلف
ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہ ہوں اس لام کے

بعد میں ذکا نے یہ حاشیہ لکھ کر اس شعر کو خارج کردیا ''ایں شعر از شخص دیگر است بمقام او نوشتہ شد''، لیکن اس تصحیح سے پہلے سرور یہ شعر اپنے تذکرے میں پیام کے ذیل میں لکھ چکے تھے۔

ذکا نے علی شاہ پروانہ کا ایک شعر اس طرح لکھا ہے:

آج ثابت نہ رہے دل کوئی جان درست　　اس کی مژگاں نے کیے پھر پرو پیکان درست

دل کے بعد "نہ" "سہواً" رہ گیا ہے۔ نتیجہ یہ کہ سرور کے یہاں بھی یہ شعر "نہ" کے بغیر ہی نقل ہوگیا ہے۔ یہ چند مثالیں یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ سرور نے اپنا تذکرہ عیار الشعرا کو سامنے رکھ کر تیار کیا ہے۔

نسخوں کی کیفیت

اب تک عیار الشعرا کے دو نسخے دریافت ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک نسخہ انجمن ترقی اردو (ہند) کے کتاب خانے کی ملکیت ہے اور دوسرا نسخہ انڈیا اوفس لندن کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

نسخہ انجمن درمیانی تقطیع اور سترہ سطری مسطر کے 468 اوراق پر مشتمل ہے۔ شعرا کے نام اور تخلص شنجرفی حروف میں لکھے گئے ہیں۔ 24 اوراق کا درمیان میں اور تقریباً 5 اوراق کا نقصان آخر میں ہے۔ اس طرح ذکا کا ترجمہ اور آخر کے متفرق اشعار اور مناجات و خاتمۂ کتاب اس نسخے میں ندارد ہیں۔ عیار الشعرا کا یہ نسخہ نہایت اہم ہے کیونکہ دراصل یہ نسخہ نسخۂ مولف ہے اور عیار کے نقش اول کی حیثیت رکھتا ہے۔ اندازہ ہے کہ یہ مولف کے ابتدائی مسودات کی پہلی نقل ہے۔ اس کی تحریر کا کام 1208ھ میں شروع ہوا اور کم از کم 1218ھ تک اس میں اضافے جاری رہے۔ ان اضافوں کی نوعیت کئی طرح کی ہے۔ بعض شعرا کا ترجمہ و نمونۂ کلام خالی جگہوں مین درج ہوا ہے۔ روشنائی کے فرق اور قرینۂ کتابت کے ہلکے سے اختلاف سے (جو ایک ہی قلم سے مختلف اوقات میں پیدا ہوسکتا ہے) اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ صفحات پُر ہوجانے کے بعد حاشیوں پر اضافے کیے گئے ہیں۔ بعض شعرا کے نمونۂ کلام میں اضافہ کیا گیا ہے۔

حاشیے پر جا بجا مولف نے تصحیح کی ہے اور ضروری یادداشتیں قلمبند کی ہیں اور ان کے ساتھ دستخط کیے ہیں جن کی شکل اس طرح کی ہے ☐ اس دستخط سے کئی جگہ دوچار ہونے کے بعد ہی اسے پڑھا جاسکا۔

اس نسخے میں جہاں جہاں مصنف نے ضروری یادداشتیں قلمبند کی ہیں، ان کی نشاندہی ذیلی حاشیوں میں کردی گئی ہے۔ بعض اہم یادداشتیں مثال کے طور پر یہاں درج کی جاتی ہیں۔

— آشنا کا ذکر ایک جگہ متن میں موجود ہے لیکن غلطی سے ایک جگہ حاشیے پر بھی لکھ دیا گیا۔ اسے خارج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مکرر نوشتہ شد۔ ایں جا نوشتن غلط محض است''

— کنور بہادر سنگھ بہادر کا ترجمہ حرف 'ب' سے شروع ہونے والے فہرست کے ذیل میں درج کیا ہے لیکن بعد میں علم ہوا کہ اب دل خوش تخلص ہے تو یہاں سے خارج کردیا۔ حاشیہ یہ لکھا ہے:

''کنور بہادر سنگھ ثانی الحال تحقیق شد کہ دلخوش تخلص می کند لہٰذا در ردیف دال باید نوشت۔ ایں جا از غلطی بنوشتن آمدہ''

— شرف الدین خاں پیام کے نمونۂ کلام کے طور پر درج ذیل شعر لکھ دیا ہے، مگر یہ تحقیق ہونے پر کہ یہ شعر ان کا نہیں، اس حاشیے کے ساتھ خارج کردیا ہے: لام نستعلیق کا ہے...... الخ

''ایں شعر از شخصے دیگر است بمقام او نوشتہ شد''

پاکباز کے طویل انتخاب کلام میں درج ذیل شعر پہلے شامل کیا تھا۔

خبر لیتے نہیں کیسے ہو تم میرے میاں صاحب ۔ مجھے درد و الم رہتا ہے نت گھیرے میاں صاحب

اس شعر کو مندرجہ ذیل نوٹ دینے کے بعد خارج کیا ہے:

''قابل تذکرہ نیست۔ از عبث نوشتہ شد''

— تسکین کے اشعار میں درج ذیل شعر شامل ہوگیا ہے۔

آنکھیں سحر تلک مری در سے لگی رہیں ۔ کیا پوچھتے ہو حال مرے انتظار کا

اس پر نوٹ دیا ہے:

ایں شعر از غلطی در ینجا نوشتہ شد۔ از ٹیکا رام تسلی است

— میر حسین علی خاں جولاں کا ترجمہ ''ج'' سے اس نوٹ کے ساتھ خارج کیا ہے۔

☆ تخلص ایں چوگاں است درردیف جیم فارسی نوشتہ است۔

— جہاں جگہ کی قلت کے سبب اشعار آگے یا پیچھے حاشیے پر درج کرنے پڑے ہیں، وہاں اس طرح کی عبارت لکھی ہے۔

☆ ''اشعار ایں بر ورق ہشتاد و نہ نوشتہ شد''

☆ بعض اشعار ذوق آئندہ بر ورق ہشتاد و ہشت 88 نوشتہ شد''

— نواب خادم حسین خاں خادم کا ذکر غلطی سے ان شعرا کے ساتھ درج ہو گیا ہے جن کے تخلص حرف ''ز'' سے شروع ہوتے ہیں۔ یہاں یہ عبارت لکھی ہے:

☆ ''درردیف الخاء المعجمہ نوشتہ شد۔ اینجا از غلطی نوشتہ شدہ بود۔ فقط ذکا''

— کلامی کے ترجمے کے محاذ میں لکھا ہے: (مختار حافظ غلام نبی خاں)

☆ درردیف کاف تخلص کلامی بنام ہمیں شخص نوشتہ است۔ بروقت صاف نمودن مذکور یکجا دارند و از یکجا موقوف سازند۔

— اشعار نصیر کے ذیل ایک مخمس درج کیا ہے۔ پھر اس کے مقابل لکھا ہے:

☆ ''مخمسات (کذا) ہذا را از تذکرہ حذف کردہ شد باشتباہ ایں کہ شاید میاں نصیر بنام کسی دیگر گفتہ۔ فقط ذکا''

— محقق کے بارے میں لکھا ہے کہ درردیف میم باید نوشت۔

— میر محمد علی نادر کے نمونہ کلام میں پہلے مندرجہ ذیل دو اشعار شامل تھے:

اس کے عارض تھے عرق سے جوں شرر بھیگے ہوئے
جس طرح بارش سے ہوں گل اور ثمر بھیگے ہوئے
ہے مژہ نم اشک سے پہنچے ہے کب تجھ تک نگاہ
مانع پرواز ہیں طائر کے پر بھیگے ہوئے

اس کے بعد حاشیے پر لکھا ہے:

☆ ''ایں ہر دو شعر دو تذکرہ سرور بنام ہمیں شخص نوشتہ اند مگر میدانم کہ بنام شخصی دیگر نوشتہ اند تحقیق باید کرد''

اور شعروں پر "لا" لکھ کر خارج کر دیا ہے مگر سرور نے ان اشعار کو میر محمد علی نادر کے کلام کے ساتھ شامل نہیں کیا۔[107]

نسخۂ مولف میں اس نوعیت کے حواشی جا بجا ملتے ہیں جن سے اس نسخے کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ زمانۂ تصنیف کے تحت دی ہوئی مثالوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس نسخے میں 1218ھ تک اضافوں کا سلسلہ جاری رہا۔ سنہ مذکور کے بعد اس میں اضافوں کی گنجایش باقی نہیں رہی۔ چنانچہ نقل کی ضرورت پیش آئی۔

ہمارا اندازہ ہے کہ اس کے بعد دوسرا نسخہ تیار ہوا اور وہ مصنف کی تحویل میں ہی رہا۔ مصنف نے اس میں بھی بعض جگہ اضافے کیے اور اپنے مخصوص انداز کے ساتھ اپنے دستخط بھی کیے۔ نسخہ لندن (مخزونہ انڈیا اوفس لائبریری) اسی نسخے کی نقل ہے اور اس کے کاتب نے مولف کے حواشی اور دستخط نقل کر دیے ہیں۔

انڈیا اوفس کا نسخہ، نسخۂ مولف کے برعکس بہت صاف اور خوش خط ہے اور 923 صفحات (462 اوراق) پر مشتمل ہے۔ ہر صفحے میں پندرہ سطریں ہیں۔ یہ نسخہ ہر لحاظ سے مکمل ہے مگر اس کے آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں، اس لیے سنہ کتابت کا پتہ نہیں چلتا۔ اس نسخے پر جا بجا نوٹ دیے گئے ہیں اور ہر نوٹ کے آخر میں بالالتزام کاتب کا نام (کیولرام- کیول رام) درج ہے۔ پہلی نظر میں یہ خیال ہوتا ہے کہ نسخے کا کاتب کوئی اور شخص ہے اور یہ حواشی کسی اور کے قلم سے ہیں لیکن یہ عقدہ ایک جگہ کھل جاتا ہے۔ مولف نے اپنے دوسرے ناپید نسخے میں ایک شاعر کا ذکر ادھورا چھوڑ دیا ہے[108]۔ نسخہ لندن کے کاتب نے بھی اسے اتنا ہی نقل کیا ہے اور حاشیے پر یہ نوٹ دیا ہے کہ اسے کاتب کی غلطی نہ سمجھا جائے بلکہ اصل نسخے میں اتنی ہی عبارت ہے۔ اس کے بعد اپنے دستخط (کیولرام) کر دیے ہیں۔ اس طرح یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ کیول رام ہی اس نسخے کا کاتب ہے۔ حاشیے پر اس نے جا بجا جو نوٹ دیے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ کاتب موزوں طبع ہے۔ فارسی شعر و ادب سے آشنا ہے، قواعد و عروض سے باخبر ہے اور بعض واقعاتی غلطیوں کی

107۔ عمدۂ منتخبہ/ 799۔ 108۔ متن = عاصم تخلصی، نواب والا القاب امیر الامرا
حاشیۂ کاتب = زیادہ ازین در اصل تذکرہ مذکور نبود، بر ناقل خوردہ نگیرند۔ کیولرام

نشاندہی کرنے کا شعور بھی رکھتا ہے۔ اس نے جو حواشی لکھے ہیں ان میں سے کچھ یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

بسلسلۂ انتساب اشعار

مرے شوخ خراباتی کی کیفیت کو مت پوچھو
بہار حسن کو دی آگ جب اُن نے چُرس کھینچی سراج الدین علی خاں آرزو

☆''ایں شعر از تصنیفات یکے از شعراے ولایتی وارد ہندستان است۔ چنانچہ مرزا قتیل در رسالۂ کہ در تحقیق اردو تصنیف ساختہ اشارہ بالا کردہ۔ کیولرام۔ مکرر آنکہ جامع تذکرہ نیز در ردیف نا شعر ہذا را از تصنیفات مرزا معز جرات نگاشتہ اگر چہ اند کے تجاوز......

سرقہ

رات وہ مطرب پسر گانے لگا جب دیس کو یاد کر رونے لگے پردیسی اپنے دیس کو

☆مضمون ایں شعر سرقت است۔ از مضمون ایں شعر قدیم:

ہمارے سامنے یارو جو کوئی دیس گاتا ہے تو ہم پردیسیوں کو یاد اپنا دیس آتا ہے

کیول رام

اوزان

وعدے تھے سب خلاف جو تجھ لب سے ہم سنے یہ لعل قیمتی دیکھو جھوٹا نکل گیا

(سراج الدین علی خاں آرزو)

☆''ایں مصرع ساقط الوزن است و مصرع اول موافق محاورہ قدیم''

دیکھو کی 'ی' گر رہی ہے۔ اسے دکھو پڑھا جائے گا، میر کے خیال کی جگہ خال کی طرح عشق برے ہی خیال پڑا ہے۔

ایک شعر کے سامنے لکھا ہے:

☆وزن ایں شعر مستفعلن آٹھ باراست۔''

متروکات

گریے سے جو سر سبز ہوا داغ جگر کا
میں بہت سا ممنون ہوں اس دیدۂ تر کا (میر شیر علی افسوس)

☆بہت 'بسکون ہاء موحدہ خارج الاستعمال ہا فتح 'ہ'' بایست۔ کیولرام۔''

جھانکنے میں چشم بیماراں کی جب دکھلائی دی
میں نے جانا پھول نرگس کا دھرا روزن پہ ہے (افسوس)

☆روزن میں ہے مستعمل است، روزن پہ ہے درکلام استاداں نیامدہ ودر شاہجہاں آباد نیز برزبان جاری است۔ کیولرام۔''

معنی

دہانِ یار سے غنچہ نہ ہرگز ہوسکا سربر
کہو اس شرم سے کیونکر نہ اپنا منہ لکو بیٹھے (قوافی: رو بیٹھے، کھو بیٹھے)

☆لکو 'بفتح لال وضم کاف بمعنی پوشیدہ۔

مندی جو آنکھ تو منہ سب رفیق موڑ گئے
اکیلا شہر خموشاں میں مجھکو چھوڑ گئے (خوب چند ذکا)

☆''شہر خموشاں، قبرستان را گویند''

☆شکرتری قسمے است از شکر۔

تلفظ' املا'

اقربایان

☆''اگرچہ درفارسی درست است کہ صیغہ جمع عربی را واحد پنداشتہ فارسیاں جمع می

رساند۔ چنانچہ حوراں جمع حور کہ خود جمع است مگر جمع اقربایاں نہ ملاحظہ۔

اویسی (تخلص)

☆اویسی بضم اول وکسر ثانی، سکون یای وکسر سین مہملہ وسکون تحتانی ثانی

محاورات وغیرہ

☆دل نیاز کردن بجائے دل نثار کردن آوردہ خلاف محاورہ مگر در دیہات جاری ست''

☆ماہ محرم یا غرہ محرم مستعمل نیست، نہ دیدہ نہ شنیدہ شد۔

ان حواشی سے کاتب کی احتیاط نیز اس کی علمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے باوجود نقل میں اس سے اکثر جگہ غلطی ہوئی ہے اور اس کا سبب سہو ہی ہو سکتا ہے۔ بہر حال عیار کا یہ دوسرا نسخہ بھی نہایت اہم ہے اور اس سے ترتیب میں بہت مدد ملی ہے۔

ہوالعزیز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد بے حد د اورے راسزد کہ بہ کلک قدرت نقش وجود انسان را بر[1] کرسی شہود نشانیدہ وثنائے لاتعد خالقے راارزد کہ بدستیاری قدرت[2] عندلیب خوش لہجہ سخن رابرشاخسار زبانہا غزل سرا گردانیدہ، نخل پیرائے کہ از نیرنگی صنعت ہر گلے را بہ گلستان جہاں رنگ و بوے دیگر بخشیدہ، چمن آرای کہ ریشۂ مہر ومحبت، درزمین دلہاے بے دلاں دوانیدہ، غنچہ دراداے وصف یکرنگیش باہزار زبان خاموش است و نرگس سراپا چشم بہ تماشاے نظارہ جمال آئینہ مثالش حلۂ[3] حیرت بردوش۔ ازاں جا کہ ایں ہیچمدان کج مج زبان زہرہ آں ندارد کہ بہ وانمائی سرکلاوۂ توصیفش ناخن جرات کشاید ودرمقابل آئینہ داران بزم توحیدش بہ چہرہ[4] کشائی سخن، دلیری نماید۔ لاچار[5] بریں مصرع اکتفاد نمود:[6]

خاموشی از ثنائے تو حدِّ ثنائے تست

بعد اشہب تیز گام خامہ مشکفام را بوادی بیان جولان دادہ کہ بررائے خورشید ضیاے سخنورانِ بالغ عیار و بالغ نظرانِ سخن گزارمخفی ومحجب نماند کہ نیازمند، خوب چند بن بھوالی چند بن راے سلامت راے بن عجائب رائے قوم کا-تھ ماتھراں ساکن دہلی المتخلص بہ ذکا، از صغرسن سر مطالعہ کتب ودوادین داشت و بمد نظر اکتساب ایں فن بخدمت معانی رسانِ صورت پرست وصورت پرستان معانی رس مستفید شدہ، ہمت گماشت تا آنکہ بہ عنایت ایزدی وتاثیر صحبت بزرگانِ

---

1 (ل) برکرسی نشانیدہ، 2 اصل۔ متن میں ''ندورت'' حاشیے پر مولف کی اصلاح ''قدرت''، 3 (ل) حلۂ حسرت، 4 (ل) چہرہ نمائی سخن، 5 (ل) ناچار، 6 اصل میں لفظ ''مصرع'' لکھا تھا جسے حذف کیا گیا۔ اسی طرح جابجا ''ولہ'' لکھا تھا جسے بالالتزام حذف کردیا گیا۔

کاملہ استفادہ نمودہ بہ تکلیف نوخیزی سودائے سخن گوئی بسر افتاد و دست ہمت از دامان بلند پارسی کوتاہ یافتہ سرانگشت یاوہ گوئی را از آستینِ نمایش بیرون کشید و بہ حنائے اصلاح میاں نصیر سلمہ کہ پنجہ کلام رنگین طبعان را نگاری بندد، نگاریں گردانید۔ ہر چند کہ ایں مزخرفات شایستۂ آں نبود کہ بہ سلک تحریر منسلک گرداند الا بمدنظر ایں کہ

فرد ہر کہ سخن را بہ سخن ضم کند
قطرۂ از خون جگر کم کند

بر صفحہ قرطاس ثبت نمودہ بہ دیوان ذکا موسوم ساختہ۔ شبے کہ شب قدر را بہ بیعانگیش و روز نوروز را بہ رونمائی آں تواں داد، بخاطر بے حضور چناں پرتو افگند کہ سطرے چند بطور تذکرۂ شعرائے ہم عصر و سلف بقلم دادہ بیادگار گزارد کہ چاشنی خورانِ مائدہ سخن را کیفیتے ولذتے حاصل آید۔ در کمتر مدتے اشعار برجستہ و منتخب سخنوران دور و نزدیک آں قدر کہ بہم رسید فراہم آوردہ، بدستیاری استعداد بہ رشتۂ تحریر کشید و بہ عیار الشعرا موسوم گردانید۔ امید از اخلاق حمیدۂ انصاف پرستاں، آں دارد کہ بہ تماشائے ایں نگارستان معنی پرداختہ حظے بردارند و اسر خطا در گزشتہ، ایں عاصی را بہ دعائے خیر یاد آرند، تاریخ تذکرہ کہ بعد یہ بخاطر گزشتہ، نیز درج نمودہ، باللہ التوفیق۔[1]

اے ذکا ہو چکا جس روز یہ نسخہ تیار[2] آگے ہاتف کے کیا پیر خرد نے مذکور
منصفی کر کے وہیں ان[3] نے یہ تاریخ کہی آفریں کہہ ''کہ کیا اسم[4] سبھوں کا مشہور''

1۔ اصل اور 'ل' میں یہاں ''ابیات'' تھا جسے حذف کر دیا گیا۔ 2۔ ل = طیار۔ 3۔ ل = اس نے۔
4۔ ل = نام اصل = بردارد۔

فہرست شعرا

حرف الف

آفتاب، شاہ عالم 1
آصف، آصف الدولہ 2
اسعد، مرزا اسعد علی 4
امیر، مرزا مینڈو 4
آرزو، سراج الدین علی خاں 5
اثر، محمد میر 6
احسن، احسن اللہ 7
آبرو، نجم الدین شاہ مبارک 8
اسد، میر امانی 11
ارمان، شاہ علی 12
احمد، صمصام الدولہ 12
احسن، احسن اللہ خاں 13
احمد، میر احمد علی 13
آرام، خیر اللہ 14
انشاء، انشاء اللہ خاں 14
آشنا، میر زین العابدین 17
افسوس، میر شیر علی 18
آشفتہ، مرزا رضا علی 18
امین، خواجہ امین الدین 19
آگاہ، نور خاں 20
امیر، نواب محمد یار خاں 20
آرام، رائے پریم ناتھ 21
اخگر، نارائن داس 21
اشرف، محمد اشرف 21
آشفتہ، عظیم الدین خاں 22
احسان، حافظ عبدالرحمٰن خاں 23
احسن، مرزا احسن علی 26
انسان، اسد یار خاں 27
احمد، مرزا احمد بیگ 28
اسد، لالہ کیرت سنگھ 28
انور، ولی محمد خاں 29
اکرم، خواجہ محمد اکرم 30
اسیر، میاں تلمزار 30
آرام، مکھن لال 31
افسوس، مرزا غفور بیگ 31
اعظم، اعظم خاں 32
آزادہ، رام سنگھ 33
اخوند، شیخ احمد 33
آزاد 34
الفت، رائے منگل سین 34
امی، روشن بیگ 34

اظہر، غلام محی الدین 35
آفریں، شیخ قلندر بخش 35
افسر 37
آفاق، میر فرید الدین 37
آغا، مرزا آغا جان 38
ارمان 38
امین، مرزا محمد اسماعیل 39
آشنا، مہا سنگھ 39
امین، محمد امین 40
افسر، غلام اشرف 40
الفت 40
اختر 41
اکبر، سید اکبر علی خاں 41
اسلام، شیخ الاسلام 42
اشک 42
اکبر، میاں بجو 42
الم، صاحب میر 43
الہام، شیخ شرف الدین 44
احسان 45
امید، قزلباش خاں 45
امجد، مولوی محمد امجد 45
انیس، حمید الرحمان خاں 46
اظہر، خواجہ اظہر 47
امیر، شیخ امیر الدین 48
اویسی، غلام محی الدین 48
اوباش، شیخ امیر الزماں 49
ایمان، شیر محمد خاں 49
ایما، میر حسین علی خاں 51
اشتیاق، شاہ ولی اللہ 51
انور، لالہ آفتاب رائے 52
اصغر، میر محمد علی 52
اصغر، میر اصغر علی 53
امین، امین الدین خاں 53
آغاز، منشی لچھمن نارائن 53
ارمان، مجاہد جنگ 54
اشرف 55
اشرف، حافظ غلام اشرف 55
احقر، مرزا جواد علی 55
اختر، میر اکبر علی 56
آگاہ، محمد صلاح 56
اٹل، میر عبدالجلیل 57
آگاہ، میر حسن علی 57
اللہ، اللہ وردی خاں قطب الدین 58
احسن 58
الفت، محمد الفت 59
آتش، حیدر علی 59
آشنا 59
احمد، احمد علی خاں 60

احمد، غلام احمد 60
آشنا، مرزا جگن 60
احسن، محمد مولیٰ 61
احسان، میر غلام علی 61
ایمان 61
احمدی 62
اخگر، لالہ ٹیک چند 62
اظہر، میر غلام علی 62
امید 63
امیر، میر علی 63
اسفان 63
انوار 64

ردیف الباء

بیدل، مرزا عبدالقادر 65
بہار، ٹیک چند 65
بیدار، شاہ محمدی 66
باقر، میر باقر علی 70
بیتاب، محمد علیم الدین 70
برق، بھگوان دت 70
بیان، احسن الدین خاں 71
بے خبر، محمد بیگ 73
بیتاب، مرزا اکلو بہادر 73
بیہوش، شیخ دیدار بخش 74
بقاء، محمد بقاء اللہ خاں 74
بنیاد 77
بینوا 77
بیچارہ 77
بیتاب، شاہ اسمٰعیل 78
بسمل، مرزا ابجو بیگ 78
بشیر، میر بشارت علی 78
بے خود، نرائن داس 79
بیتاب، خداوردی خاں 80
بھید، میر میراں صاحب 80
بہادر، بہادر سنگھ 80
برشتہ، میاں شرف الدین 80
بہادر، راجا رام پنڈت 81
ببر، علی شاہ 81
بخشی، حسین بخش 82
برق، میاں شاہ جی 82
برکت، سید برکت علی خاں 82
بسمل، مولوی محمدی 85
بیتاب، ولی اللہ 86
بہجت، مولوی عبدالمجید 86
بیہوش، میر عبدالرشید 87
بیقرار، میر کاظم حسین 87
بیباک، میر نجف علی 88
بیکس، مرزا محمد 88

بیکس، میر امام بخش 89
بے جان، شیو سنگھ 89
برکت، برکت اللہ خاں 89
بے خبر 90
بیر 90
بے جان، عزیز خاں 90
بے نوا، مقبول شاہ 91
بیتاب 91
بیتاب 91
بیتاب، سیوک رام 92
بسمل، حفیظ اللہ 92
بہادر، مرزا خدا بخش 93
بلیغ، مولوی قدرت اللہ حاجی 93
بیتاب، شیخ خیر الدین 93

ردیف باے فارسی

پیام، شرف الدین علی خاں 94
پروانہ، رائے جسونت سنگھ 94
پاکباز، میر صلاح الدین 95
پروانہ، علی شاہ 98
پنچھا 98

ردیف التا الفوقانیہ

تاباں، میر عبدالحی 100
تمکین، میر نثار علی 102
تائب، حافظ عبداللہ 102
تجلی، میر محمد حسین 102
تجلی، شاہ علی 104
تجمل، محمد عظیم 105
تحسین، میاں غلام علی مصطفیٰ 105
ترقی، مرزا محمد تقی خاں 105
تمنا، اسد علی خاں 106
تاثیر، میر صادق علی 107
تمنا، میر اسد علی خاں 107
تسکین، میر سعادت علی 107
تسکین، گنگا داس 108
تسلی، ٹیکا رام 108
تھانیسری، شاہ امام بخش 109
تصور، سید حیدر حسین 109
تعشق، میر محمد 110
تاب، مہتاب رائے پنڈت 110
تقی، میاں محمد تقی 111
تمکین، میر صلاح الدین 111
تنہا، عباس قلی خاں 112
تمنا، محمد اسحاق خاں 112
تصور، سید رجب علی 113
تجمل 113
تارک، زاہد بیگ 113

تمکین، بخت مل 113
تنہا، محمد عیسیٰ 114
تجرد، میر عبداللہ 115
تحسین 115
تنہا، شیخ عیوض علی 116
ترساں، میر بہادر علی 117
تسلیم، محمد کبیر خاں 117
تحیر 117
تسلی، میر شجاعت علی 118

ردیف الثاء مثلثہ

ثاقب، مرزا معز الدین بہادر 119
ثاقب، سید شمس الدین 120
ثاقب، میر غالب الدین 121
ثنا، میر شمس الدین 121
ثروت، مرزا محمد صادق 121
ثابت 121
ثابت، اصالت خاں 122
ثابت، شجاعت اللہ خاں 122

ردیف الجیم

جہاندار، جواں بخت 123
جینا بیگم 124
جوشش، محمد روشن 124
جعفر، جعفر علی خاں 124
جھمن ناتھ 125
جنوں، فخرالاسلام 126
جوش، رحیم اللہ 126
جان، خان عالم 127
جذب، سید بھکاری 127
جراح، غلام ناصر 128
جرات، قلندر بخش 128
جگن 140
جرات، مرزا مغل 140
جعفری 140
جلال 141
جعفر، میر جعفر زٹلی 141
جعفری، میر باقر علی 142
جلال، جمال الدین 143
جنون، شاہ غلام مرتضیٰ 143
جنوں، میر فضل علی 144
جوشش، محمد عابد 144
جوہر، مرزا احمد علی 144
جہانگیر، میر جہانگیر 145
جنوں، محمد جیوں 145
جان، علی شاہ 145
جمال، جمال علی 146
جوہری، اندرجیت 146

جوان، نعیم بیگ 147
جوان، شیخ محب اللہ 147
جھبا 147
جولان 148
جوہر 148
جوہر، دیوانی سنگھ 148

ردیف الجیم الفارسی

چندا، مہ لقا 150
چوگاں، میر حسن علی خاں 150
چوگاں، بہادر علی شاہ 151

ردیف الحاء المہملہ

حاتم، شیخ ظہور الدین 152
حشر، میاں رسول بخش 171
حقیر، شیو سہائے 172
حسن، میر غلام رسول 172
حشمت، میر محمد علی 174
حقیر، میر امام الدین میر کلو 174
حسن، میر حسن شاہ 176
حزیں، شیخ محمد علی 176
حزیں، میر باقر 178
حبیب 178
حسین، غلام حسین خاں 178
حکیم، محمد اشرف خاں 179
حسرت، جعفر علی 180
حضور، بال مکندر 184
حفیظ، محمد حفیظ 185
حسن، خواجہ حسن 186
حشمت، میر محتشم علیخاں 187
حالی، میر محب علی 188
حسرت، ذوقی رام 188
حیران، حافظ بقاء اللہ 188
حسن، مرزا محمد حسن 189
حسینی، حکیم میر حسینی 189
حقیقت، میر شاہ حسین 190
حیف، میر چراغ علی 191
حجام، عنایت اللہ کلو 191
حب، میر احمد علی 193
حسن، حافظ ابوالحسن 194
حزیں، مرزا خجستہ بخت 194
حکیم، محمد پناہ خاں 195
حمزہ، شیخ حمزہ علی 196
حیدر، میر حیدر علی 196
حیدر، میر حیدر علی خاں 196
حیراں، میر حیدر علی 198
حافظ محمد اشرف 199
حیا، حافظ محمد حیات 199

حیرت، غلام محی الدین خاں 200
حمایت 200
حسن 200
حیدر، مرزا حیدر بیگ 201
حیرت، میر مراد 201
حبیب 201
حسین، علی خاں 201
حسین، غلام حسین خاں 202

ردیف الخاء

خسرو، حضرت امیر خسرو 203
خلق، میر احسن 203
خیال، غلام حسن خاں 204
خاکسار، محمد یار 206
خلیق، میر مستحسن 207
خستہ، میاں جیون عبداللہ 208
خستہ، غلام قطب بخش 208
خاکی، غلام حیدر بیگ 209
خودغرض 209
خاں، محمد خاں 210
خادم، شیخ خادم علی کیتھلی 210
خوشنود 211
خادم 211
خادم، خادم حسین خاں 212
خوش رس، غلام محمد 212
خاص 212
خوش دل، گوبند لال 213
خنداں 213
خورشید، خورشید علی 213
خادم 213

ردیف الدال المہملہ

درد، خواجہ میر 214
دل خوش، کنور بہادر سنگھ 220
دوست 221
دریغ، میر زین العابدین 221
دانا، میر فضل علی 221
دل، مولوی شمس الدین 222
دلیر، دلیر شاہ 222
دل، دیبی پرشاد 222
دلسوز، خیراتی خاں 223
درد، سید کرم اللہ خاں 231
دردمند، میر محمد فقیہ 231
درویش، شاہ علی 232
دلہن، بیگم نواب بہو 232
دیوانہ، رائے سرب سنگھ 233
دارا، مرزا دارا بخت 234
دل، غلام مصطفیٰ خاں 235

دل، زور آور خاں 235
داؤد 235
دیدار، دیدار علی شاہ 236

ردیف الذال المعجمہ

ذرہ، مرزا راجا رام ناتھ 237
ذرہ، جینتی داس 237
ذوقی، شاہ 237
ذکی، نواب جعفر علی خاں 238
ذکی، محمد ذکی 238
ذہین، جے سکھ رائے 239
ذوق، شیخ محمد ابراہیم 239
ذاکر، مرزا احمد بیگ 240
ذکا، خوب چند 240

ردیف الراء المہملہ

راقم، خلیفہ غلام محمد 285
رافت 285
راقم، بندرابن 286
رافت، رؤف احمد 288
راغب، مرزا سبحان قلی بیگ 289
راز، مرزا یعقوب بیگ 289
رجب، مرزا رجب علی بیگ 290
رسوا، آفتاب رائے 290
روشن، روشن شاہ 291
رضی، رضی خاں بہادر 292
رضا، مرزا محمد رضا 292
رضا، مرزا علی رضا 293
رضا، شیخ علی رضا 293
رضا، مرزا جیون رضا 293
رضا، میر رضا علی 294
رضا، گوالیاری 295
رضا، میر علی رضا 295
رضا، میر محمد رضا 295
رضا، میرزا تقی 296
رنج، میر محمد نصیر 296
رغبت، میر ابوالمعالی 296
رفاقت، مرزا محسن بیگ 296
رفیق، مرزا اسد بیگ 297
رند، نواب مہربان خاں 297
رحمت، رحمت اللہ خاں 298
رغبت، مرادآبادی 299
رسا، علیم اللہ 299
رضا، حافظ محمد محسن 299
رنگین 299
رنگین، پورن لعل 300
رنگین، سعادت یار خاں 300
رونق، میر غلام حیدر 305

رقت، مرزا قاسم علی 306
رجا 307
رحمان 307
رحیم 307
رسوا 307
رسا، مرزا بلخی 308
رضا، محمد رضا دکھنی 308
روشن 308
روشن 309
رضا، مولوی ضیاء الدین تھانیسری 309
رند، گنگا پرشاد 310
رنگین، کنور بلاس رائے 310
رضا، حمید الدین خاں 311
رفیع، رفیع الدین خاں 311
رن، ذکاء اللہ 311
رضا گوالیاری 311

ردیف الزاء المعجمہ

زار، برہان الدین خاں 312
زور، مرزا داؤد بیگ 313
زار، میر مظہر علی 313
زار 313
زماں، سید محمد زماں 314
زماں 314
زندہ دل، مصر ہر سہائے 314

ردیف السین المہملہ

سلیمان، سلیمان شکوہ 316
سلطان، ایزد بخش 318
سلطان، نواب نصر اللہ خاں 318
سودا، مرزا محمد رفیع 319
سید، غالب علی 331
سوز، محمد میر 334
سرسبز، مرزا مینڈو 337
سجاد، میر سجاد 338
سرور، میر محمد خاں 340
سکندر، خلیفہ محمد علی 343
سعادت، میر سعادت علی 344
سراج 345
سائل، مرزا محمد یار بیگ 347
سخن، حکیم محمد حسین خاں 348
ساقی 348
سلیماں 349
سلیمان 349
سرور، حمایت اللہ خاں 349
سرشار، تلوک چند 349
سپاہی، میر امام بخش 350
سیف، مرزا سیف علی 350
سبت، مرزا مغل بیگ 350
سعید، قاضی سعید الدین خاں 352

سیادت، میر مجاہدین الدین 352
سید، مرزا قطب علی 353
سلام، نجم الدین علی خاں 353
سپاہی 353
سامی، مرزا محمد جان 354
سحر، محمد خلیل خاں 355
سخنور، رائے دیوالی سنگھ 355
سخن 355
سعدی، شیخ سعدی؟ 356
سوزاں، شمس الدین 356
سوزاں، احمد علی 357
ستار، عبدالستار 357
سلطان، قلی بیگ 357
سید، میر غلام رسول 358
سبحان، میر عبدالسبحان 358
سپاہی، شاہ قلی خاں 358
سخن 358
سفر، سفر شاہ 359
سرور، میر فیض علی 359
سلیمان 360
سہراب، مرزا سہراب بیگ 360

ردیف الشین المعجمہ

شجاع، مرزا محمد اکبر 362
شگفتہ، مرزا بیدار بخت 362
شریف، میر محمدی 363
شاہ، سعداللہ 364
شوکت، مرزا علی 365
شوق، مولوی قدرت اللہ 365
شفیق، مرزا مظہر علی خاں 365
شرف، شیخ شرف الدین 366
شفیع، محمد شفیع 366
شوق، حسن علی خاں 367
شرافت، مرزا اشرف علی 368
شوق، روشن لعل 368
شکیبا، شیخ غلام حسین 368
شیدا، خواجہ ہینگا 370
شور، مرزا محمود بیگ 372
شفا، حکیم یار علی 373
شرر، مرزا جعفر 373
شائق، میر حاجی 374
شاد، پرس رام 374
شوق، محمد بخش 375
شہدا 375
شاداں، رجب علی 375
شیفتہ، عبدالصمد 376
شاغل 376
شوق، غلام رسول 376

شگفتہ، بدھ سنگھ 377
شہرت، امیر بخش خاں 377
شورش، خلیفہ نادر حسین 378
شریف، مرزا شریف بیگ 378
شاعر، میر کلو 379
شہامت، شہامت علی 380
شایق، مظہر الدین 380
شاکر، محمد شاکر 380
شاکر، شاہ شاکر علی 381
شاد، مرزا اللہ یار بیگ 381
شاداں، بساون لال 381
شیفتہ 382
شرف حیدر آبادی 382
شگفتہ 382
شرف، مرزا اشرف الدین 382
شیدا 383
شایق، میر محمد 383
شایق، محمد ہاشم 383
شرر، مرزا ابراہیم بیگ 384
شریف، مرزا محمد شریف 384
شفیع، محمد شفیع 385
شکوہ، مرزا محمد رضا شکوہ 385
شگفتہ، مرزا سیف علی خاں 385
شمس، میر شمس الدین علی 386
شوق، نواب تہمن جنگ 386
شیدا، میر فتح علی 387
شہوت 387
شوق 387
شہید 388
شہرت 388
شہرت 388
شوق، فیض علی 389
شفا، محمد حسن خاں 389
شاہ 389
شعوری 390
شاد، پرشادی رام 390

ردیف الصاد المہملہ

صاحب، ظفریاب خاں سمرو 391
صبا، شنکر ناتھ 392
صادق، میر جعفر خاں 393
صانع 393
صادق، میر صادق علی 394
صادق، صادق علی 394
صادق، میر صادق 395
صبر، مرزا غلام حسین 396
صادق، مرزا محمد صادق 396
صاحبقراں 397

صبا، کانجی مل 397
صفدر، میر صفدر علی 398
صفدری، میر صادق علی 398
صبا 399
صیاد، مرزا غلام حسین 399
صدق 400
صفا 401
صفدری 401
صاحب 401

ردیف الضاد المعجمہ

ضیا، مرزا ضیا بخت 402
ضیا، میر ضیاء الدین 402
ضبط، میر حسن 403
ضیاء 403
ضمیر، لالہ گنگاداس 404
ضمیر، شیخ مداری 404

ردیف الطاء المہملہ

طفل، مرزا عبدالمقتدر 405
طپش، مرزا محمد اسمٰعیل 406
طوماش، جان 409
طبیب، ولی محمد 410
طالب، عاشور بیگ خاں 410
طالب، میر طالب علی 411
طالب، طالب حسین 411
طالب 411
طبیب، سید شاہ 411
طالب، میر طالب علی 412

ردیف الظاء المعجمہ

ظفر، مرزا ابوظفر 413
ظہور، ظہور اللہ بیگ 416
ظہور، ظہور اللہ 416
ظاہر، میر محمدی 416
ظریف، خدابردے خاں 416

ردیف العین المہملہ

عشق، شاہ گھسیٹا 418
عظیم، مرزا عظیم بیگ 419
عاکف 422
عارف، محمد عارف 422
عاشق، مولوی جلال الدین 425
عاشق، مہدی علی خاں 425
عشق، عزت اللہ 426
عشقی، میاں رحمت 431
عشرت، غلام علی 431
عاصمی، برہان الدین 432

عزیز، بھکاری لال 433
عاجز، زور آور سنگھ 433
عاصی، گھنشیام لال 434
عشاق، جیون مل 435
عیاش، خیالی رام 435
عاشق، رام سکھ 435
عاجز، میر غلام حیدر خاں 436
عزت، میر عبدالواسع 436
عزیز، سمبھو ناتھ 436
عظمت، شیخ عظمت اللہ 437
عاصی 437
عشقی 437
عاقل، عاقل شاہ 438
عزیز، شیخ محمد علی 438
عزلت، عبدالولی 438
عسکری، مرزا محمد 439
عشق، میر محمد علی 440
عطاء، محمد عطاء اللہ 440
عظیم، مرزا زین العابدین 440
عظیم، شاہ محمد عظیم 441
علی، شاہ ناصر علی 442
علی، مرزا علی 442
عمدہ، لالہ سیتا رام 442
عنایت، شیخ نظام الدین 443
عیاں، سید غالب علیخاں 443
عیش، مرزا حسین رضا 444
عیاش، غلام جیلانیخاں 444
عاشق، بھولا ناتھ 445
عابد 445
عاشق 446
عیاش، عباس علی بیگ 446
عشقی 446
عشش، شیخ بدرالدین 446
عظیم 447
علی، علی محمد جان 447
عالی 447
عقیدت 448
عارف، شاہ حسین 449
عاجز 449
عاجز، الفت خاں 449
عارف 449
عبرت 449
عاشق، کلیان سنگھ 450
عاجز، عارف علی خاں 450
عبداللہ 451
عبدالرحیم 451
عزیز اللہ 451
عاجز 451

عاشق، محمد جان 451
علی جان 452
علی، مرزا علی قلی 452
عشرت 453
عیشی، طالب علی خاں 453
عیش، امیر خاں 454
عالم 454
عیاں 454
عمدۃ الملک 455
عارف، عارف شاہ 455

ردیف الغین المعجمہ

غلام، گوپال ناتھ 456
غالب، مکرم الدولہ 457
غافل، میر احمد علی 458
غربت، محمد تقی 459
غلامی، شاہ غلام محمد 459
غافل، رام سنگھ 459
غریب، میر عبد الولی 460
غریب، شیخ نصیر الدین احمد 460
غضنفر، غضنفر علی 460
غمگین، میر سید علی 461
غنی، شیخ عبد الغنی 463
غافل، محمد مسعود خاں 463
غالب، محمد غالب خاں 463
غربت 464
غمخوار 464
غازی 464
غیرت 465
غیرت 465
غیرت 465
غریب، کانجی مل 465
غریب، محمد امانت 466
غواصی 466
غالب، موہن لال 467
غافل، بختاور سنگھ 468
غافل، رائے سنگھ 468
غالب، اسد اللہ 468

ردیف الفاء

فقیر، میر شمس الدین 470
فغاں، اشرف علی خاں 470
فضلی، افضل خاں 474
فرحت، فرحت اللہ 474
فدوی 474
فراق، ثناء اللہ خاں 476
فخر 486
فراق، مرتضٰی علی 488

فراقی، کنور پریم کشور 488
فیض، میر فیض علی 490
فگار، مرزا قطب علی بیگ 491
فرصت 491
فدوی، میر فضل علی 491
فدا، مولوی محمد اسمٰعیل 492
فراغ، مولوی محمد فراغ 492
فدا، میر عبدالصمد 493
فدوی، مرزا بجھو 494
فخر، مرزا فخر الدین حسین خاں 496
فرخ، میر فرخ علی 496
فدا، میر امام الدین 497
فارغ، لالہ مکند سنگھ 497
فدا، مرزا فدا حسین 498
فراقی 501
فدا، بچھی رام پنڈت 501
فدوی، میر محمد حسین 502
فروغ، مرزا عظیم بیگ 502
فروغ، میر ثناء اللہ 503
فروغ، میر روشن علی خاں 503
فرحت، میر امیر علی 503
فرقت، عطاء اللہ خاں 504
فراق، مرزا کیقباد بیگ 505
فقیر، مولوی فقیر اللہ 506
فقیر، فقیر اللہ 506
فیاض، عبدالرزاق 506
فتح، مرزا فتح علی خاں 507
فراقی 508
فطرت، مرزا معز 508
فضل، میر فضل مولیٰ 508
فدوی، سمّن لعل 509

ردیف القاف

قایم، قیام الدین علی 510
قیس، مرزا احمد بیگ 519
قدرت، قدرت اللہ 520
قتیل 522
قربان، میر قربان علی 522
قاسم، قدرت اللہ خاں 523
قدرت، قدرت اللہ 528
قربان، میر محمدی 529
قدر 530
قاصر، مرزا ابر علی 530
قائم، شیخ قایم علی 531
قاضی، عبدالفتاح 532
قدرت، مولوی قدرت اللہ 532
قرار، میر حسن علی 532
قرین 533

قسمت، شمس الدولہ 533
قلندر، شاہ قلندر 534
قبول 534
قلق 535
قلندر، قلندر بخش 535
قاسم، مرزا 535
قرار، جان محمد 535

ردیف الکاف

کوچک، مرزا وجیہ الدین 537
کلیم، میر محمد حسین 537
کریم، کریم اللہ خاں 540
کلامی، غلام نبی خاں 541
کامل، مرزا کامل بیگ 541
کمتر، کمتر شاہ 541
کلو، میر کلو 541
کافر، میر تقی 542
کمتر 542
کاظم 542
کبیر، حکیم کبیر علی 542
کرامت، میر کرامت علی 543
کامل، لالہ ٹھاکر داس 543
کمال، شاہ کمال الدین حسین 544
کمترین، پیر خاں 545
کیفی، میر ہدایت علی 546
کم گو، مرزا حبیب اللہ بیگ 546
کمال الدین 547
کاشی ناتھ 547

ردیف الکاف الفارسی

گریاں، میر امجد علی 548
گمان 548
گریاں، غلام محی الدین خاں 548
گریاں، حسام الدین ہجو 548
گرفتار، مرزا انگی بیگ 549
گرم 551
گلشن، امیر سنگھ 551
گماں، نظر علی خاں 552
گوہری 552
گھاسی 552
گرامی 552
گستاخ، مرزا علی بیگ 553

ردیف اللام

لطف، مرزا علی 554
لطیف، میر لطیف علی 554
لطیف، میر شمس الدین 555
لطفی 556

لایق، میر لایق علی	556

ردیف المیم

مائل، شاہ محمدی	557
مائل، محمد یار بیگ	558
ماہر، میر فخر الدین	559
مبتہج، ملوک چند	559
متقی، میر متقی	560
مجذوب، مرزا حیدر بیگ	560
مجنوں، درویش	561
مجرم، میر فتح علی	562
مجرم، شیخ رحمت اللہ	562
مجبور، حق رسا	565
محبت، محبت خاں	566
محبت، میر بہادر علی	567
مہر، مہر چند	568
محب، شیخ ولی اللہ	568
محنت، مرزا حسین بیگ	572
محمود، حافظ محمود خاں	573
محسن، محمد محسن	573
محزوں، غلام شاہ	574
محشر، مرزا علی تقی	575
محترم، خواجہ محترم علی خاں	575
مخلص، آنند رام	576
مخلص، مخلص علی خاں	577
مختار، غلام نبی خاں	577
مرید، مرید حسین خاں	577
مرہون، رضا علی	578
مرزا، صادق علیخاں	579
مرزا، مرزا محمد	579
مرزا، حکیم فضل اللہ	580
مروت، صغیر علی	580
مزمل، شاہ مزمل	581
مسافر، میر پائندہ	582
مسرت، وزیر علی	582
مسرت	583
مستمند، یار علی بیگ	583
مسیح، مسیح اللہ	583
مسیح، مسیح اللہ خاں	584
مسیح، مرزا باقی	584
مسکین، مرزا کلو بیگ	585
مشتاق، مشتاق علی خاں	585
مشتاق، عنایت اللہ	587
مصدر، میر ماشاء اللہ	588
مصحفی، غلام ہمدانی	588
محفوظ، محفوظ علی خاں	600
مضطر، شیخ حسن	600
مضطر، کنور سین	601

مہدی 602
مضطرب، محمد حاجی 602
مضطرب، درگا پرشاد 603
مضمون، شرف الدین 603
مفتوں، موتی رام پنڈت 604
مظہر، مرزا جانِ جاں 605
منتظر، گنا بیگم 607
مظفر، مظفر علی خاں 608
معین، غلام معین الدین خاں 608
معروف، نواب الٰہی بخش خاں 609
مغل، مغل علی 612
مفتوں، عبدالرحیم 613
مفتوں 613
مقبول، مقبول نبی 614
مملو، ایسری پرشاد 615
مقتول، ابراہیم بیگ 615
مقصود، محمد مقصود 616
مکھو، شیخ 616
ملول، شاہ شرف الدین 616
ممتاز، نور احمد 616
ممنون، میر امانت علی 617
منت، میر قمر الدین 618
منتظر، نور الاسلام 619
ممنون، میر نظام الدین 620
مکند سنگھ 624
منصف، منصف علیخاں 625
منیر، میر آفتاب علی 626
منیر، آفتاب خاں 627
مضطر، میر حسن علی 628
منیر، نظام الدین 628
محقق 629
منجھو خاں 629
منور، میر منور علی 629
مبتلا، غلام محی الدین 629
مدحت 630
منشی، میر محمد حسین 630
منشی، مول چند 631
منعم 632
منعم، موہن لعل 633
موزوں 635
موزوں، میر فرزند علی 635
موزوں، نہال چند 638
موزوں، چھتر سنگھ 639
مہجور، محمد صدر الدین 640
مہلت، مرزا علی 640
مہاراج، راجہ ہلاس رائے 641
میر، محمد تقی 641
میرن، میر جہاں 656

میرن، میر عسکری 656
محبؔ، میر محمد علی 656
منور 657
مجنوں 657
ممتاز 657
موزوں 658
متین 658
مہمان 658
مشرقی، سیل چند 658
میر، حکیم میر علی 659
محو، میر حسین 659
مغموم، منت علی 660
مضطر، آغا خاں 660
مجید، مجید الدین خاں 661
محسنی، محمد بخش 661
منعم، محمد منعم 661
منتظر، امام الدین 661
مرزا 662
ماہ، محمد علی خاں 662
محشر، بدایونی 662
مدہوش 663
مسرور، اصغر علی بیگ 663
مشہور 663
مشتاق، ثناء اللہ 664
مغموم، اسحاق بیگ 664
ممتاز 665
منعم، سید راحت علی 665
منعم، محمد منعم 665
مکارم 666
محسن، میر محسن خاں 666
موتی رام 667
مقتول، مرزا ابراہیم بیگ 667
مشتاق، قربان علی بیگ 667
مبارز، مبارز خاں 668
مست، فضل علی 668
محزوں 668
مفتوں، مرزا کریم بخش 668
مہر، مرزا رجب بیگ 669
محزوں، غلام شاہ 669
ماہر، فخر الدین 669
مبتلا 669
مائل، کاظم علی 670
مکارم، مرزا مکارم 670
ملال، محمد زماں 670
محمود 670
ملک 671
موزوں، خواجم علی خاں 671
مخلص، محمد حسین 671

منعم، قاضی نور الحق 671
مہر، لالہ مہر چند 672
منیر، میر وجیہ الدین 672
محمود 674
مروت، میر محمد علی 674
معظم، محمد معظم 675
محمد شاہ خاں 675
میر باقر 675
ممتاز، شیخ احسان اللہ 675
مشتاق، تاج الدین 676

ردیف النون

نظام، نواب غازی الدین خاں 677
نواب، بہو بیگم 679
نسیم، راجہ کدار ناتھ 679
نصیر، میر نصیر الدین 680
نعیم، شیخ محمد نعیم 687
نثار، محمد امان 687
نثار، میر عبدالرسول اکبر آبادی 692
نیاز 693
نامی، مرزا رجب علی بیگ 693
نظیر، ولی محمد خاں 693
نزہت، مرزا ارجمند 696
نگراں، میر بندہ علی 697
نظیر بنارسی 697
ناجی، محمد شاکر 697
نشاط، لالہ ایشری سنگھ عرف بسنت سنگھ 700
نامی، لالہ مٹھن لعل 701
نوا، شیخ محمد ظہور اللہ 701
نصیر، میر نصیر الدین 702
نظیر، لالہ گنپت رائے 703
نادر، میر محمد علی 70β
نامی، حسام الدین حیدر 703
نالاں، مرزا عسکری 707
نادر، گنگا سنگھ 708
نجابت، میر زین العابدین 708
ندیم، مرزا علی قلی 708
ندیم، محمد قائم 708
نصیر، سید نصیر الدین 709
نصرت، لالہ گوبند رائے 709
نظامی، سید شاہ نظام الدین 710
نیاز، میر محمد سعید اکبر آبادی 711
نیاز، میاں نثار احمد 7.1
نوازش، مرزا جانی 712
نحیف، لالہ لکھپت رائے 712
نامی، شیخ نظام الدین 713
نالاں 714
نالاں، شیخ عبدالقادر 714

نجف 715
نادر 715
ندا 715
نصیر 715
نوید 716
نوا، ظہور اللہ 716
نیاز 716
نیاز 717
نالان 717
نیاز، شاہ نیاز علی 717
نعمت 718
نظیر 718
نشاط 718
نجم، قاضی نجم الدین 718
ناسخ، میر امام بخش 719
نادر، شیخ غلام رسول 719
نادر 720
نعمی، شیخ نعمت اللہ 720
نعمت اللہ 720
نحیف 721

ردیف الواو

ولی، محمد ولی 722
واقف، شاہ واقف 729
وجیہ، وجیہ الدین خاں 730
ولا، مظہر علی خاں 731
وصال، نصر اللہ 732
وفا، عبد العلی 733
وارث، شاہ وارث الدین 733
والہ، مرحمت خاں 734
والہ، محمد اکبر 735
واصل، واصل مان 735
وحشت 735
ولایت، ولایتشاہ 736
وہم، میر محمد علی 736
وداد، مرزا داؤد 737
واجد 737
واصف، احسن بخش 737
واقف، حسن بخش خاں 738
وحشت، میر ابو الحسن 739
ولی، ولی محمد 739
والہ 739
واصل، محمد واصل 740
وزیر 740
وسعت، مستقیم خاں 740
وفا، نول رائے 741

ردیف الہا

ہدایت، ہدایت اللہ خاں 742

ہادی، میر جواد علی خاں	759
ہوش، شمس الدین	761
ہرچند، ہرچند کشور	761
ہمزہ، شاہ ہمزہ	762
ہمت، اخوند	762
ہاشمی	762
ہاشمی، ہاشم علی	763
ہاتف، مرزا محمد	763
ہمرنگ، عزیز الدین	764
ہنر، محمد داوٗد	765
ہوس، مرزا تقی	765
ہادی	765
ہمت	766
ہوش	766
ہاشم	767
ہمرنگ، دلاور خاں	767
ہاتفی	768
ہدایت، ہدایت علی	768

ردیف الیاء التحتانی

یقین، انعام اللہ خاں	769
یکرنگ، غلام مصطفیٰ خاں	776
یکرنگ، بشن داس	777
یاد، میر غلام حسین	778
یحییٰ، منشی یحییٰ خاں	778
یعقوب، میر یعقوب علی	778
یوسف، میر یوسف علی	779
یکرو	779
یار	780
یکسو، لالہ فتح چند	780
یوسف، یوسف شاہ	780
یکرو	781
یکدل، عزت اللہ	781
یونس، حکیم یونس	781
متفرقات	782
درمناجات وخاتمۂ کتاب	799
کتابیات	801

حرف الف

آفتاب، شاہ عالم

آفتاب تخلص، حضرت جہاں پناہ ظل اللہ سایۂ رحمت پروردگار، آیۂ عنایت کردگار، کہف الغربا، ملاذ الاتقیا، بحر مواج جود و کرم، دریائے متموج فیض اعم، اورنگ نشین چار دانگ ہندوستان، تاجدار خورشید تواں، فلک اقتدار، کیواں وقار، خدیو آفاق ستاں، رزم فہم سخنداں، فارسِ میدانِ ترکی و تازی، صاحب [1] قراں حضرت شاہ عالم بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہٗ وسلطنتہ، مظفر الدنیا و دین المویئد من الوہاب [2] کلام معجز نظامش برگزیدۂ دشخوار پسنداں و اشعار بلند اقتدارش منظور نظر صاحب دلاں۔ اشعارے چند تیمنا و تبرکا بندۂ درگاہ بر صفحۂ ایں کارستانِ خجستہ بنیان ثبت نمودہ، فی الحقیقت گوہر معنی در رشتۂ نظم کشیدہ و جواہر زواہر سخندانی بر تمیمۂ بیان تعبیہ نمودہ [3]

منہ [4] کرے کس وجہ دریا مارے ڈر کے سامنے ۔ ابر جب [5] پانی بھرے اس چشم تر کے سامنے

بید مجنوں خاک میں مل جائے، اے لیلیٰ منش! ۔ باغ میں لچکے اگر تیری کمر کے سامنے

تب تو اپنا سوختہ جاں، شعلہ [6] رو! سمجھے گا آہ ۔ جب لگا بیٹھیں گے دھونی تیرے در کے سامنے

بن آتی مجھ کو کوئی نہیں، گلعذار! وضع ۔ گر تو ملے تو ملنے کی ہیں سو ہزار وضع

اس یارِ بے وفا کی ذرا چال دیکھیے ۔ کرتا ہے ہجر میں ہمیں پامال دیکھیے

کہیے نہ کیوں کہ پھر کہ چھپا مہر ابر میں ۔ بکھرے ہوئے جو رخ پہ ترے بال دیکھیے

---

1 ل = صاحب قران شاہ عالم، 2 ل = المویئد من الوہاب کے بعد ''المتخلص بہ آفتاب'' اور شروع میں ''آفتاب تخلص'' ندارد۔ ظاہر ہے مولف نے بعد کو اس طرح کر دیا۔ اس عبارت میں قافیے کا حوالتزام کیا گیا ہے اس سے بھی اسی کی تصدیق ہوتی ہے، 3 ل = فرمودہ، 4 مونہ کرے کس طرح۔

5 ل = ''تر'' لکھ کر خارج کیا۔ 6 سرور = شمع رو۔

اچھا تم اس کے ہاتھ سے اب کھاؤ پان، پر
ہوتا ہے منہ رقیب کا کیا لال دیکھیے

کیا دیکھیے سوے مہ و خورشید و آفتابؔ
وہ چند اس سے یار کے جب گال دیکھیے

آوے جو خواب میں بھی وہ یوسف لقا تو پھر
اے آفتابؔ دولت بیدار سمجھیے

ہے آفتابؔ تری گفتگو سراپا درد
چھپا غرض نہیں رہتا کلام عاشق کا

کام تا صبح رہا دل کو مرے نالے سے
شب خدا جانے کہاں وہ بت خود کام رہا

واہ قسمت ایک تو یہ کنج تنہائی ملا
دوسرے جو یار تھا سو وہ بھی ہرجائی ملا

خوب سیدھا سا بنے گا دیکھ اے سرو چمن!
اس کی رعنائی سے مت تو اپنی زیبائی ملا

جل گیا پروانہ جس دم رشتۂ الفت کے ساتھ
خاک میں تب شمع نے دی محفل آرائی ملا

طالع بیدار کی منّت اٹھانے بھی نہ دی
اس سے شب ہم کو تمنا خاک میں لائی ملا

اپنی قسمت میں ازل سے تھی لکھی سرگشتگی
گردباد آسا جو کار دشت پیمائی ملا

واہ وا رحمت ہے مجھ کو اور اس کو آفریں
راہ میں بن کر عصا جو خار صحرائی ملا

دستگیری بھی نہ کی تو نے کہ جوں نقش قدم
خاک میں میں تیری خاطر اے توانائی ملا

سرکشی اے چرخ! مت کر دیکھ پیش آفتابؔ
خاک میں ساری یہ دے گا تیری خودرائی ملا

تصور ترا جس کو اے یار ہوگا
اسے غیر سے کب سروکار ہوگا

چھیڑنے کا تو مزہ جب ہے کہو اور سنو
بات میں ہم سے خفا ہوگئے، لو اور سنو

آفتابؔ آہ نہ کہتے تھے گنوا بیٹھوگے دل
اس فریبندہ کی باتیں نہ سنو اور سنو

صنم کے نازنین ہاتھوں میں کیا ہی خوب توڑے ہیں
گویا اللہ نے اپنے ید قدرت سے جوڑے ہیں

جب ماہ رو کے سامنے آتی ہے چاندنی
مکھڑے پہ اس کے صدقے ہی جاتی ہے چاندنی

آصفؔ، آصف الدولہ

آصفؔ تخلص، رکن السلطنت العالیہ، عنان المملکت البالیہ، ظہیر سریر سلطنت، مشیر تدبیر مملکت، حاتم زماں، فیاض العصر والدوراں، مرد میدانِ شجاعت و دلاوری، شیر[1] بیشۂ بسالت

---

1 ل = شیرِ بسالت۔

وبہادری، توئین، والا تمکین، عمدۂ امرائے رفیع الشان، وزیر الممالک، مدیر[1] المہام، نواب والا جناب یحیٰ خاں آصف الدولہ بہادر ہزبر جنگ، غفراللہ ذنوبہ۔ [2]طبع رنگین داشت وقدر رنگین طبعان می شناخت۔ اشعارے چند کہ از طبعش چکیدہ وبہ [3]ایں مولف بہم رسیدہ (بقلم دادہ[4]) خداش جنت نصیب گرداند۔

دنیا کی فکر دل کو اگر سو لگی رہے — آصف یہ شرط ہے کہ اُدھر لو لگی رہے

روز وشب اشک سے مژگاں[5] میں تری رہتی ہے — شاخ نرگس اسی پانی سے ہری رہتی ہے

یہ اشک چشم میں، ہمدم! رہے رہے نہ رہے — حباب وار کوئی دم رہے رہے نہ رہے

قمر کو ہیگا کمال وزوال، اے ظالم! — ترے یہ حسن کا عالم رہے رہے نہ رہے

عرق ہے رخ پہ ترے خوشنما بہت لیکن — ہمیشہ گل پہ یہ شبنم رہے رہے نہ رہے

جدائی وصل میں ہووے تو کیا کرے آصف — یہ اتفاق ہے باہم رہے رہے نہ رہے

جو شمشیر تیری علم دیکھتے ہیں — تو پہلے سر اپنا قلم دیکھتے ہیں

بتوں کی گلی میں شب و روز آصف — تماشا خدائی کا ہم دیکھتے ہیں

یا ڈر مجھے تیرا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا — یا حوصلہ میرا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ہمراہ رقیبوں کے تجھے باغ میں سن کر — دل دینے کا ثمرہ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کہتا ہے بہت کچھ وہ مجھے چپکے ہی چپکے ☆ ظاہر میں یہ کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کہتا ہے تو کچھ یا نہیں، آصف نے یہ تو جان ☆ یاں کس کو سناتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ساقیا[6]! مے سے چھکا دے جو لہکتے جاویں — برق کی طرح جدھر جاویں، چمکتے جاویں

جہاں[7] میں جہاں تک جگہ پایئے — عمارت بناتے چلے جایئے

جس گھڑی تیرے آستاں سے گئے — ہم نے جانا کہ دو جہاں سے گئے

تیرے کوچے میں نقشِ پا کی طرح — ایسے بیٹھے کہ پھر نہ واں سے گئے

---

1 ل = مدیر المہام، 2 ل = متخلص بہ آصف، 3 اصل = پہلے 'بہ ایں مولف' کی جگہ 'بہ عاصی' تھا، 4 ل سے اضافہ، 5 ل = آنکھوں، 6 ل = ساقیا ایسے چھکائے کہ بہکتے جاویں۔ 7 اصل = یہ شعر حاشیے پر ہے۔ ☆ ل میں یہ اشعار نہیں ہیں۔

شمع کی طرح رفتہ رفتہ ہم ایسے گزرے کہ جسم و جاں سے گئے
شکل اس کی کسی صورت سے جو دکھلائے ہمیں دوست ایسا کوئی ملتا نہیں اے وائے ہمیں
فائدہ کیا ہے نصیحت سے، پرے ہو، ناصح! ہم سمجھنے کے نہیں، لاکھ تو سمجھائے ہمیں

رباعی

کسو کی شب وصل سوتے کٹے ہے کسی کی شب ہجر روتے کٹے ہے
ہماری یہ شب کیسی شب ہے الٰہی نہ سوتے کٹے ہے نہ روتے کٹے ہے

اسعد، مرزا اسعد علی

اسعد تخلص، درۃ التاج خلافت و بختیاری، لولوے شہوار، بحر[1] سلطنت و شہر یاری، مرزا اسعد[2] علی بخت بہادر،[3] فرزند[4] ارجمند شاہزادہ، والا جاہ، مرزا احسن بخت بہادر تزاید شوکتہ، فکر رسائی دارد و طبع معنی زا، از تصنیف شریفش ہمیں یک شعر بہ عاصی ذکا بہم رسیدہ۔

تو[5] ایسا ہے اسعد کہ ہاتھوں سے تیرے نہ تسبیح ٹھہرے نہ زنار ٹھہرے

امیر، مرزا مینڈو

امیر تخلص، سلالۂ خاندان امارت، غلالۂ دودمان وزارت، نواب امین الدولہ معین الملک ناصر جنگ المعروف بہ مرزا مینڈو امیر آتش[6] سلمہ[7] برادر صغیر وزیر الممالک نواب آصف الدولہ بہادر۔ طبع رسا دارد و خاطر معنی زا قدر دان شعرائے ہندوستان زائیست، بے ہمتا۔ آوازۂ فیض

---

1. اصل۔ پہلے سریر سلطنت، 2. ل = اسعد بخت، 3. اصل ''بتخلص بہ اسد'' یہاں تحریر تھا۔ اسے قلم زد کر کے شروع میں ''اسعد تخلص'' کا اضافہ کیا۔ اس سے قبل دام اللہ ظلہ لکھا ہے، 4. اصل میں پہلے ''فرزند ارجمند شاہزادۂ والا جاہ، کی جگہ'' خلف الصدق'' تحریر تھا، 5. نساخ قاسم۔ تو ہیگا د، ۔۔۔۔ نہ تسبیح ٹھہرا۔ نہ زنار ٹھہرا۔ (نوٹ) ل میں اسعد کا ذکر قلمزد کر کے نوٹ دیا ہے۔ ''قبل از آصف و بعد از آفتاب اور اس کا ذکر نمبر 2 پر ہی ہے۔ 6. اصل میں پہلے تخلص بہ امیر، شروع میں ''امیر تخلص'' بعد کا اضافہ۔ 7. اصل میں پہلے ''برادرِ کوچک'' تھا۔

رسائی وقدر دانیش بہ گنبد دوار پیچیدہ، بلکہ چشم زمانہ عدیلش کم دیدہ۔ سلمہ اللہ تعالیٰ۔ ابدا شعرے چندکہ از زبان حاشیہ نشینان بزم دولتش بہ سمع رسیدہ نوک ریز کامہ گردیدہ۔

کل جو ہم نے مغبچے کے ساتھ سیر دیر کی — لڑکھڑایا تھا ہی پا[1]، لیکن خدا نے خیر کی
یاس و غم و آرزو مجتمع[2] سب چیز ہے — بل بے سمائی تری دل بھی عجب چیز ہے
پرخوں برنگ لالہ ہے اپنا ایاغ دل — بوے کباب سوختہ دیتا ہے داغ دل
حاجت نہیں ہے شمع کی میرے مزار پر — ہر شب ہے سوز آہ سے روشن چراغ دل
شاید کہ سیل اشک نے اس کو بہادیا — سینے میں اب تو خاک نہ پایا سراغ دل
دو ہمدم ایک جا ہوں تو پست وبلند چرخ — دے خاک شکل شیشہ ساعت فراغ دل
اس عشق خانہ سوز کے ہاتھوں سے اے امیر — خالی کبھو نہ آگ سے دیکھا اجاغ دل

آرزو، سراج الدین علی خان

آرزو تخلص، نخل پیراے بوستان معانی، چمن آرائے گلستاں سخندانی، صاحب تلاش، معانی جو، سراج الدین علی خاں آرزو، عالم با عمل[3]، شاعرے غرای فارسی، مصنف نسخہ سراج اللغت وچراغ الہدایت وچند رسالہ درعلم تشریح۔ وبعضے کتب فارسی برصفحہ گیتی یادگار گزاشتہ۔ ذکرش درتذکرہ ہاے فارسی مرقوم است۔ درعلم وفضیلت طاق وتخنش شہرہ آفاق۔ گاہ گاہے میل بہ تصنیف ریختہ ہم می کرد۔

رکھے سیپارۂ[4] دل کھول آگے عندلیبوں کے — چمن[5] میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے
آتا[6] ہے ہر سحر اٹھ اس کی برابری کو — کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشید خاوری کو
کھول کر بند قبا کو ملک دل غارت کیا — کیا حصار[7] قلب دلبر نے کھلے بندوں لیا
تجھ زلف میں، لٹک نہ رہے دل تو کیا کرے — بیکار ہے، اٹک نہ رہے دل تو کیا کرے

---

1 سرور = لڑکھڑایا پاؤں تھا ہی پر، 2 سرور = جمع یہ سب ۔۔۔ بل بے تیرا حوصلہ، 3 اصل میں ''عالم باعمل'' بعد کا اضافہ ہے۔ ل: عالم فاضل، 4 ل، شوق، میر = سیپارۂ گل، سرور = دھرے سیپارۂ گل۔ 5 ریاض، چمنستان ''چمن کے بیچ، 6 میر، گردیزی، شوق، ہر صبح آ وتا ہے تیری برابری کو، قاسم = آتا ہے ہر سحر اٹھ گلزار = آتا ہے ہر سحر اٹھ، 7 سرور = یہ حصار قلب،

مرے شوخ خراباتی کی کیفیت کو مت پوچھو بہارِ حسن کو دی آب، جب ان نے چرس کھینچی

میخانے بیچ جاکر شیشے تمام توڑے زاہد نے آج اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے

[1]وعدے تھے سب خلاف جو تجھ لب سے ہم سنے یہ [2] لعل قیمتی دیکھو جھوٹا نکل گیا

درّہ عرق میں ڈوبا تجھ سیم تن کے آگے موتی نے کان پکڑے تیرے سخن کے آگے

میرے دہن کے آگے دم مارنا غلط ہے غنچے نے گانٹھ باندھا سن کر سخن ہمارا

اس [3] زلف سیاہ فام کی کیا دھوم پڑی ہے آئینے کے گلشن میں گھٹا جھوم پڑی ہے

آثر، محمد میر

حقایق و معارف آگاہ محمد [4] میر صاحب متخلص بہ آثر، برادر [5] کوچک حضرت میر درد صاحب علیہ الرحمہ۔ [6] جامع علم وادب، قانع بنیان رنج وتعب، حلیم الطبع، کریم الاخلاق، درویش [7] پاکیزہ صفت سراپا اشفاق [8] واقف سرایر حق آگاہی راضی بمرضیات الٰہی، سبک خرام عرصۂ تجرید، سباح بحر تفرید۔ از دو عالم گسیختہ بحق پیوستہ۔

تجھ سوا کوئی جلوہ گر ہی نہیں پر ہمیں آہ کچھ نظر ہی نہیں

کردیا کچھ سے کچھ ترے غم نے اب جو دیکھا تو وہ اثر ہی نہیں

اثر کیجیے کیا کدھر جایئے مگر آپ سے ہی گزر جایئے

کبھو دوستی ہے کبھو، دشمنی تری کونسی بات پر جایئے

لوگ کہتے ہیں یار آتا ہے دل تجھے اعتبار آتا ہے؟

1ل حاشیے پر کاتب کی عبارت۔ ایں مصرع ساقط الوزن است ومصرع اول موافق محاورۂ قدیم۔ کیول رام، 2شوق= کیا، 3ل= حاشیہ منجانب کاتب۔ این شعر از تصنیفات یکے از شعرائے ولاتی تواند ہندوستان؟ چنانچہ مرزا قتیل در رسالۂ کہ در تحقیق اردو تصنیف ساختہ اشارۂ بالا کردہ (کیول رام) مکرر آنکہ جامع این تذکرہ نیز در ردیف فاشعر ہذا را از تصنیفات مرزا معز جرأت نگاشتہ۔ اگر چہ اند کے تجاوز، 4ل= سید محمد میر، 5 اصل۔ پہلے ''برادر صغیر'' تھا، 6 اصل۔ اضافۂ مولف ''قدس اللہ'' پہلے تھا، 7 اصل میں پہلے۔ بعض وتعب، 8 اصل۔ اضافۂ مولف بر حاشیہ۔

چشم بد دور ہو نظر نہ کہیں — ہے نپٹ ہی بہار آنکھوں میں
کب کب آتا ہے اثر کیوں تجھے تنگ آتا ہے — آ نکلتا ہے کبھو جی سے جو تنگ آتا ہے
ہوجائیں گے جور اس کے معلوم — داغوں کو مرے شمار کرنا
افسوس کہ ان بتوں کے ہاتھوں — اب آن بنی اثر خدا سے
دل دیوانہ میں کچھ آیا ہے — آپ، پر، کچھ نہ جی میں لایئے گا
دل سینے سے یوں نکال لینا — بہتر نہیں یہ وبال لینا
بالفرض ایک دو دن لیت ولعل میں کاٹے — انصاف کیجیے آخر گذرے گی یوں کہاں تک
تیرے کوچے میں دوبارہ خوب ہم ہوکر چلے — ڈھونڈنے کو دل کے آئے، جان بھی کھوکر چلے
حال دل مثل شمع روشن ہے — گو مجھے بات کر نہیں آتی
دن کٹا جس طرح کٹا، لیکن — رات کٹتی نظر نہیں آتی
اثر کا حال بھلا کچھ تو سن لیا ہوتا — ابھی تو اس کی بہت داستان باقی ہے
بے طرح کچھ کھلا ہی جاتا ہے — شمع کی طرح دل کو چور لگا
وائے غفلت کہ ایک ہی دم میں — میں کہیں اور کاروان کہیں
بات کہتا ہوں کسی کا کچھ گلا کرتا نہیں — پر برا کرتا ہے وہ مجھ سے ملا کرتا نہیں
ہم بے دلوں کو شکر، فراغت ہوئی تمام — یہ جان رہ گئی تھی سو وہ بھی نثار کی
نہ رہا انتظار بھی اے یاس — ہم امید وصال رکھتے ہیں
ناخن زن ہے یہ دل یہ انگشت — کچھ صرف نہیں حنا کی لالی
نالاں نہیں ہے آہ، عبث یوں دل جرس — گم گشتگاں سنو، کہ یہ کہتا ہے راہ کی

احسن، احسن اللہ

میاں احسن اللہ احسن[1]، شاعرے بود ہم عصر شیخ نجم الدین آبرو، بیشتر ایہام می گفت و بخوبی تمام از وسرانجام می پذیرفت۔ ایں اشعار[2] بدیع او تالیف نمودہ:

---

1 سرور = احسن اللہ خاں نام۔ 2 اصل میں اس کی جگہ پہلے ''شعر'' تھا

یہی مضمون خط ہے احسن اللہ / کہ حسن خوب رویاں عارضی ہے

کیونکہ مانی لکھ سکے نقش ابروان یار کا / کام نقاشوں کا نہیں ہے کھینچنا تلوار کا

لام نستعلیق کا ہے اس بت خوشخط کی زلف / ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہ ہوں اس لام کے

کہاں سے نامہ بر لاؤں سوا آنسو کے میں بیکس / مرے پیغام کو قاصد بھی

کہتے ہیں سب کماں سے اس شوخ کے کج ابرو / اپنے تو ہم کہیں ہیں..........

آبرو، شیخ نجم الدین

شیخ نجم الدین عرف شاہ مبارک آبرو تخلص فرزند ارجمند سید شاہ کمال بخاری از اولاد شاہ محمد غوث گوالیاری قدس اللہ سرہ و شاگردان سراج الدین علی خاں آرزو، معاصر میاں محمد شاکر ناجی و شیخ شرف الدین مضمون و از مشاہیر سخن گویان عہد حضرت فردوس آرام گاہ نوراللہ برہانہ، طبعش مائل بہ ایہام و مصروفیت[1] بہ تلاش مضامین تو بسیار داشت۔ سخن خوب می گفت۔

دل تو دیکھو آدم بیباک کا / عشق[2] سے بھرتا ہے پتلا خاک کا

سر سے لگا کے پانو تلک دل ہوا ہوں میں / یاں[3] تک تو فن عشق میں کامل ہوا ہوں میں

کیوں ملامت؟ اس قدر کرتے[4] ہو، بے حاصل ہے یہ / لگ چکا، اب چھوٹنا مشکل ہے اسکا دل ہے یہ

تمھارے[5] لوگ کہتے ہیں، کمر ہے / کہاں ہے، کس[6] طرح کی ہے، کدھر ہے

بوسہ لبوں کا دینے[7] کہا، کہہ کے پھر گیا / پیالا بھرا شراب کا افسوس گر گیا

کنجی[8] اس کی زبان شیریں ہے / دل مرا قفل ہے بتاسے کا

کیوں چھپا ظلمت میں گر اس لب[9] سے شرمندہ نہ تھا / جان کچھ پانی مرے ہے چشمۂ حیواں کے بیچ

مجلس رنداں میں مت لے جا دلِ بے سوز کو / شیشۂ خالی کو کیا عزت ہے میخواراں کے بیچ

---

1 ل = مصروف است و تلاش۔ 2 ل = عشق سے پھرتا۔ حسن، چمنستاں: عشق سے پتلا بھرا ہے خاک کا میر = بھڑا ہے۔ 3 میر = یاں لگ ہنر میں عشق کے۔ 4 سرور = کرتا ہے۔ 5 گلزار۔ میاں کے۔ 6 ل = کس طرح ہے اور۔ 7 ل = دیتا کیا۔ 8 سرور = اس کی کنجی۔ 9 میر، گردیزی۔ تجھ۔

زندگی ہے سراب کی سی طرح — باد[1] بندی حباب کی سی طرح

تجھ اُپر خون بے گناہوں کا — چڑھ رہا ہے شراب کی سی طرح

کون [2] چاہے گا گھر بسے تجھ کو — مجھ سے خانہ خراب کی سی طرح

ہے گا خدا کے گھر کا کوچہ جمال خوباں — صورت سے ہے عزیزاں کعبے کو راہ سیدھا

صفت آئینۂ مشرب کی بے انصاف کہتے ہیں — کہ جس کے دل میں ہووے عکس اس کو صاف کہتے ہیں

بلند آواز سے کہتے ہیں سب کو — کہ کیا لازم ہے پھرنا چھوڑ خاطر

رہے ہے رات دن مژگاں کے سنمکھ — کلیجہ آہنی ہے آرسی کا

خجالت میں ترے لب کے ہوئی غرق — لقب پایا ہے شکر نے تری [3] کا

اگر دیکھے تمھاری زلف کی دھن — الٹ جاوے کلیجا ناگنی کا

فرہاد[4] کا دل کوہ میں، مے کا بھرا پیالہ ہوا — مستی سے جس کے شوق کی ہر سنگ متوالا ہوا

گر یہ ہے مسکرانا، تو کس طرح جئیں گے — تم کو تو یہ ہنسی ہے پر ہے مرن ہمارا

دل کب آوارگی کو بھولا ہے — خاک اگر ہوگیا، بگھولا ہے

عالم آب سے آساں نہیں اے شیخ گزار — خوف سے غرق کے، یہاں بحر ہے کشتی میں سوار

خوب تیری شکل آسکتی نہیں تصویر میں — مدتیں گزریں مصور کھینچتا ہے انتظار

فجر[5] اٹھ خواب سے گلشن میں جب تم نے ملی انکھیاں — گئیں منہ شرم سے نرگس کی پیاری جوں کلی انکھیاں

آتا ہے صبح نیند سے اٹھ رسمسا ہوا — جامہ گلے میں رات کا[6] پھولوں بسا ہوا

اس ناتواں کی حالت واں جا کہے ہے اڑ کر — میرا یہ رنگ رو ہے گویا لکھی کبوتر

نالہ ہمارے دل کا غم کا گواہ بس ہے — اس کی نہیں شہادت انگشت آہ بس ہے

عبث کیوں روبرو ہونے کی کھاتے ہو قسم جھوٹی — بن[7] آئینے کے تم اک [8] دن بھی رہ سکتے ہو؟ منہ دیکھو

---

1. یر، گردیزی، قاسم، حسن، گلزار: بادبندی، 2. سرور (ص 51) میں یہ شعر احسن اللہ یہاں کے نام مگر دیوان بیان میں ندارد، ل میں موجود نہیں۔ اصل میں حاشیے پر، 3. ل: (حاشیۂ کاتب) شکر تیر قسمے است ازشکر (کیول رام)، 4. حاشیہ کاتب۔ غیر ضروری چنانچہ حذف کیا گیا، 5. ل (حاشیۂ کاتب) فجر بفتحتین غلط است (کیول رام)، 6. ل۔ کے، 7. اصل میں پہلے: بغیر آئینہ تم، 8. ل، سرور: اک دم۔

پھرتے[1] تھے دشت دشت دوانے، کدھر گئے — وے[2] عاشقی کے ہائے زمانے، کدھر گئے

اب دین ہوا زمانہ سازی — آفاق تمام دہریا ہے

جہاں[3] اس خو کی گرمی تھی نہ تھی واں آگ کو عزت — مقابل اس کے ہو جاتی[4] تو آتش لکڑیاں کھاتی

شور ہے اس کی اشکباری کا — آبرو چشم تر قیامت ہے

سجا ہے نرگسی بوٹے کا جامہ — کرے کیونکر نہ مجھ سے چشم پوشی

تخلص آبرو برجا ہے میرا — ہمیشہ اشک غم سے چشم تر ہے[5]

جان، تجھ پر کچھ اعتماد نہیں — زندگانی کا کیا بھروسا ہے

آبرو کو نہیں کم ظرفوں کی صحبت کا دماغ — کس کو برداشت ہے ہر وقت کے نکتوڑوں کی

حسن ہے پر خوبرویوں میں وفا کی بو نہیں — پھول ہیں یہ سب پر ان پھولوں میں ہرگز بو نہیں

یہ سبزہ اور یہ آب رواں اور ابر یہ گہرا — نہیں دیوانہ جو گھر میں رہوں میں چھوڑ کر صحرا

جو ہو دل تنگ تو پیجئے پیالہ — کہ غم کے درد کی مستی ہے دارو

رستم اس مرد کی کھاتے ہیں قسم زوروں کی — تاب لاوے جو کوئی عشق کے جھکجھوڑوں کی

نادری جب سے سجی تو نے صنم بوٹے دار — عقل چکر میں گئی دیکھ کے سب موروں کی

لب شیریں پہ سریجن کے نہیں خط سیاہ — ڈاڑھ ٹوٹی ہے مٹھائی یہ شکر خوروں کی

قدرداں حسن کے کہتے ہیں اسے دل مردہ — سانورے چھوڑ کے جو چاہ کریں گوروں کی

کچھ ٹھہرتی نہیں کہ کیا ہوگی — اس دل بیقرار کی صورت

سخن اوروں کا تشنہ ہو کے سننا اور سب کہنا — مگر اک آبرو کی بات جب کہیے تو پی جانا

رہتے ہیں جی میں مصرع دلچسپ کی طرح — گھر بار ہووے سرو قد ان کا برائے بیت

کیا ہوا ہے جو مر گیا فرہاد — روح پتھر سے سر پٹکتی ہے

---

1 گلزار: پھرتے ہی پھرتے دشت، 2 ہندی، عشقی شیفتہ۔ وہ عاشقی کے۔ مخزون، حسن: وے عاشقی کے آہ، 3 ل، میر، چمنستان: جہاں تجھ خو کی گرمی تھی نہ تھی کچھ آگ کو عزت، 4 گردیزی: جو ہوتی، 5 قاسم: ہیں ☆ یہ شعر ''ل'' میں ندارد (نوٹ) ''ل'' میں یہ شعر زائد:۔

دھمکاتے کیا ہو ہم کو کمر اپنی باندھ باندھ ☆ کھولوں ابھی تو جائے میاں کا بھرم نکل

یوں آبرو بناوے دل میں ہزار باتیں
جب روبرو ہو تیرے، گفتار بھول جاوے

جیونا جگ میں حباب آسا یہ دم کا پیچ ہے
یہ گرہ کھل جا، تو دیکھو زندگانی ہیچ ہے

زندگانی تو ہر طرح کاٹی
مر کے پھر جیونا قیامت ہے

اٹھ بیٹھ کیوں جنون سے خاطر نچنت کی
آئی بہار تجھ کو خبر ہے بسنت کی

پروانے پڑے جلتے ہیں روتی ہے کھڑی شمع
یارب! نہ شب وصل ہو کوتاہ کسی کی

اسؔد، میر امانی

میر امانی[1] اسد شاگرد رشید مرزا رفیع سوداؔ بود۔ طبع رسا داشت۔ در سرکار نواب افضل خاں کہ از برادران نواب والا خطاب نجیب الدولہ بہادر مغفور بود نوکری داشت و بہ عزت می گزرانید۔ مرد یار باش، شگفتہ پیشانی، نیک زندگانی واقع شدہ بود۔ از دہلی بہ لکھنؤ می رفت[2] (از دست رہزناں کشتہ شدہ) راہی ملک بقا گردید۔ ایں ابیات از وست۔

مانے[3] نہ کبھو وہ بت گمراہ کسو کی
گر[4] آکے سفارش کرے اللہ کسو کی

ٹک تو نے ہی گرم کی بغل رات
ہم سرد ہوئے تھے ورنہ کل رات

زلفیں ہی دیکھ کر نہ خجل رات ہوگئی
مکھڑا جو کھل گیا تو سحر مات ہوگئی

جس سے کہ دل ملا ہو، جب آیا وہ سامنے
ہلنے[5] نہ پائے ہونٹ کہ سو بات ہوگئی

پی کر شراب دردِ تہِ جام دے گیا
وہ شوخ ہم کو بوسہ بہ پیغام دے گیا

آیا جو مے کشی کو چمن میں وہ بادہ نوش
ہر ایک گل کے ہاتھ میں اک جام دے گیا

کھانے کو غم ہے پینے کو خوں، دیکھنے کو داغ
سب عشق کا وہ ہم کو سرانجام دے گیا

---

1 سرور: سیّدے بود۔۔۔ بہ شاہجہاں آباد در کوچۂ ارباب نشاط کہ مشہور محلۂ دار الخلافہ است مسکن داشت۔ طبعش بمزاح راغب بود۔۔۔۔ حسب تقدیر از دست رہزناں جامِ حیاتِ او از زہر ممات لبریز گردید (53)

2 اصل میں پہلے ''برفت از دستِ رہزناں کشتہ شد'' کے بجائے ''رسیدہ از آنجا'' تھا۔ 3 سرور: جو چاہے اسدؔ کر، نہ مگر چاہ کسی کی۔ 4 سرور: گر آپ۔ 5 ل (حاشیۂ کاتب) بجائے صیغۂ جمع صیغۂ واحد، خلاف محاورہ استعمال نمودہ۔ کیول رام۔

کل لڑگیا کہ اور یہ عاشق ہے تو اسدؔ[1] آیا تھا وہ یہاں تو اک الزام دے گیا[2]
ناگنی زلف نہ چھوڑیگی، بنا جان لیے کیا ہی بپھری ہے، بلا اف ترا کاٹا، نہ جیے
اسدؔ اس جفا پر بتوں سے وفا کی مرے شیر شاباش، رحمت خدا کی

ارماؔن، شاہ علی

شاہ علی ارماؔن خلف رشید میاں جعفر علی حسرتؔ، ساکن لکھنؤ۔ جوانِ شائستہ وصاحب خُلق مسموعہ[3] شد۔ فکر درست دارد۔ ایں ابیات تصنیف کردۂ اوردریں[4] محل مثبت گردانیدہ۔

تا سر بالیں اسے آنا قیامت شاق[5] ہے یہ دل بیمار جس کا نزع میں مشتاق ہے
دلا! تو بستر غم پر جو یوں کراہے ہے بتا تو چاہے ہے وہ بھی، جسے تو چاہے ہے
فرصت ہو کچھ جنوں سے تو سودا خریدیے کوچے میں اس کے عشق کا بازار گرم ہے

احمدؔ، صمصام الدولہ

صمصام الدولہ[6] احمد پسر انعام اللہ خاں یقین، مردے سپاہی پیشہ بود۔ در ضلع مشرق فایز گردیدہ۔ نقد جان بخالق الحیات والممات تسلیم نمود[7]۔ گاہ گاہے ریختہ طرح می کرد۔ بہر حال خوش می گفت۔

تن کو جلائے یا کہ تو آنسو بہائے شمع بننے کی یاں نہیں تجھے بن سر کٹائے شمع
دل بہ گیا تو کیا ہے کہ تیرے نثار کو کچھ ایک اشک ہم نے چھپائے ہیں چشم میں
ترا بوسہ تو ہم نے لے لیا زور آوری، گل رو! دیا کر ذوق سے ہم کو تو اب دشنام، کیا ہوگا
فراق گل رخاں میں کھا کے داغ آہستہ آہستہ کیا سینے کو میں نے اپنے باغ آہستہ آہستہ
مرے جاتے ہیں خمیازوں سے ہی مخمور اے ساقی خدا کے واسطے مت دے ایاغ آہستہ آہستہ

---

1 ل: آیا ہے جب یہاں، 2 ل: زلف ناگن ہے، 3 معلوم، 4 اصل میں پہلے ''دریں جا'' ''ل'' میں ہر دو ندارد، 5 سرور: نہایت، 6 سرور: (یادگار) صمصام اللہ نام۔ سخن شعرا۔ صمصام الدین، 7 قاسم: مشرقی صوبے میں انتقال کیا۔

آٹھوں پہر جسے تھا انکارِ بوسہ ہم سے　　وہ آج کر گیا ہے اقرار ہنستے ہنستے

یہ صید دل کہ تجھ سے ہیں پیارے ڈرے ہوئے　　جاتے ہیں تیرے کوچے سے کوسوں پرے ہوئے

ہم [1] ہیں شکستہ حال سر انجام راہ سے　　یارب یہ قافلہ تو شتابی کہیں چلے

احسنؔ، احسن اللہ خاں

احسن اللہ خاں احسنؔ تخلص [2]، ساکن دہلی [3]، درویش زادہ ایست۔ دست بیعت [4] بہ جناب میاں محمد امان مرحوم دارد۔ چندے شعر خود را بہ نظر حکیم قدرت اللہ خاں قاسم گزرانیدہ۔ ایں شعر از وست۔

اس کی گلی میں احسن شب چوری چوری جانا　　یہ چال ڈھال کیسی [5] خانہ خراب کیا ہے

احمدؔ، میر احمد علی

میر احمدؔ علی احمد، از اولاد حضرت شاہ حسین واعظ، شاگرد میر عزت اللہ عشق، بہر کیف خوش می گوید۔

آ کے ناحق ہمیں ستایا کیوں　　پھر نئے سر سے دل جلایا کیوں

جب سے وہ بت نہیں دیتا ہے دکھائی مجھ کو　　ہے سیہ آنکھوں میں یہ ساری خدائی مجھ کو

آہ کچھ پہلے ہی دن ان نے دکھا کر آنکھیں　　دل مرا چھین لیا کچھ نہ بن آئی مجھ کو

دلخراشی سے نہیں چین مجھے اے احمدؔ　　ایسی الفت سے خدا دیوے رہائی مجھ کو

دوستی [6] تم سے ہم سدا کرتے　　جو ذرا تم بھی کچھ وفا کرتے

1ل: ہیں ہم۔ 2 اصل: اضافۂ مولف ''ل'' میں ندارد۔ 3 سرور (93) قریب دروازۂ لاہوری، دارالخلافہ در مسجد سرہندی استقامت دارد۔ 4 ایضاً: بازنکۂ مطربہ تعشق پیدا کرد۔ بعد چندے چوں عنایت الٰہی شاملِ حال گشت در مہاجرتش ازیں خیالاتِ فاسدہ در گذشتہ راہِ توبہ و انابت پیش گرفت و بر زہد و تقویٰ کوشیدہ، ترک تعلقات ساخت و در حلقۂ درویشاں در آمد۔ با مولف آشناست۔ یادگار: 1852 میں حیات۔ 5 قاسم، نساخ، باطق، تیری۔ 6 اصل میں یہاں ایک شعر تھا جو مولف نے خارج کیا: ایسی تقصیر کیا ہوئی ہم سے۔

آرام، خیراللہ

خیراللہ[1] خاں آرام، وے پسر شخصے تیر گر۔ بہ رفاقت نواب ظفریاب[2] خاں بہادر معزز ومکرم بود۔ درایامے کہ مجلس مراختہ بخانہ نواب صاحب موصوف حسن انعقاد می یافت، غزل طرحی مشاعرہ سرانجام می داد و بہ نظر محمد نصیرالدین نصیری گزرانید۔ اکثرے از حضار غزلش را بزبان خود می خواندند۔ بہر حال برفرقۂ سخن گویاں یک گونہ متوجہ بود و ہمت بقدر دانی می گماشت۔ بسر دھنہ رفتہ از عارضۂ ہیضہ جواں مرد[3] و داغ تاسف بر سینۂ ہوا خواہاں گزاشت۔

جی میں رکھنا تو غبار اے رشک گلشن چھوڑ دے — خاک عاشق ہے جھٹکتا[4] کیوں ہے دامن چھوڑ دے

ایک دم آرام کر اس چشم کے بنگلے میں تو — کیا ہوائے سرد ہے، مژگاں کی چلمن چھوڑ دے

یار نے پڑھتے ہی مرا کاغذ — تاو کھا ٹکڑے کردیا کاغذ

انشاء، انشاءاللہ خاں

حکیم میر انشاءاللہ خاں انشا خلف حکیم ماشاءاللہ خاں مرحوم۔ عالم وفاضل، شاعر پُر زور فارسی و ہندی، مصنف چند نسخۂ مثنویات ودواوین وقصائد (منقوط وغیر منقوط) ورباعیات ومدح و ہجو وغیرہ۔ نیا کانش از بزرگ زادہ ہائے نجف اشرف۔ والد ماجدش درایام ثروت وحشمت امیر الامرا نواب ذوالفقار الدولہ بہادر از ضلع مشرق بہ جمعیت دوز بخیر فیل وارد خطۂ پاک دہلی شدہ بود۔ گویند کہ خیلے جوانمرد وپُر فتوت بودہ است۔ حکیم انشاءاللہ خاں انشاء درفن بے نظیر طبابت مہارت کلی دارد۔ (مولدش[5] مرشد آباد لیکن) از چند سال در بلدہ لکھنؤ برفاقت شاہزادہ جم جاہ، مرزا سلیمان شکوہ بہادر (دام[6] اقبالہ) مفتخر[7] ومحترم است۔ از مشاہیر سخنوران آں ضلع واقع گشتہ۔ بزور طبیعت شعر خود را بپایۂ اعلیٰ رسانیدہ وشہرۂ آفاق گردیدہ۔

شمیم کاکل مشکیں سے میں جو اونگ گیا — تو آپ کہنے لگے "اس کو سانپ سونگ گیا"

---

1. خیراللہ آرام۔ ساکن سردھنہ۔ تیر بناتے تھے (یادگار 14)۔ 2. سمرو۔ 3. یادگار: وفات قبل از 1215۔
4. سرور: پر۔ قاسم۔ سے۔ 5. اصل: اضافۂ مولف۔ 6. اضافۂ مولف۔ 7. ل: محترم ومفتخر

جگر کی آگ بجھے جس سے، جلد وہ شے لا
لگا کے برف میں ساقی صراحی مے لا

نظر آیا تھا ہم کو آج اک اٹھکھیلیوں والا
بھبھوکا، برق، شعلہ نور کا، آتش کا پرکالا

برق کو چھیڑ، قدم معدن سیماب پہ رکھ
ہاتھ لیکن نہ کسی کے دل بیتاب پہ رکھ

گالی سہی، جفا سہی، چینِ جبیں سہی
سب کچھ سہی، پر ایک نہیں کی نہیں سہی

خلد بریں میں جتنی ہیں حوریں، ان سے کہہ دو پردے ہو
نالہ چڑھا ہے اپنا فلک پر پردے کے لوگو، پردے ہو

مجھ سے وہ کہنے لگے اب قدر جانی آپ کی
'بندہ کس قابل ہے' صاحب مہربانی آپ کی

رہتے ہیں برنگ بو کوچے میں رگِ گل کے
لوٹیں ہیں بہاریں ہم، یوں سامنے بلبل کے

کیسی ہی کیوں نہ ہم میں تم میں لڑائیاں ہوں
جب کھلکھلا کے ہنس دو، وو نہیں صفائیاں ہوں

ابر تنک کا آنا کیا چاند پر خوش آوے
نظروں میں حسن کی اس کے مکھڑے کی جھائیاں ہوں

نرگس کے پھول نکلیں واں سے پھر آنکھ ملتے
کیف نگہ کے مارے جس جا کہیں گڑے ہوں

ٹپکا پڑے ہے جوبن اس روئے آتشیں پر
قطرے عرق کے یوں ہیں جس طرح نگ جڑے ہوں

خلوت میں فائدہ کیا اغیار سب بہم ہوں
سب کو ہوا بتادو، بس تم ہو اور ہم ہوں

اُترے شراب تجھ بن کیونکر گلے سے اس کے
جس ناتواں کے حق میں پانی کے گھونٹ سم ہوں

آیا جو ذکر میرا بولے کہ پوچھنا کیا
ایسے بھی لوگ شاید دنیا کے بیچ کم ہوں

ٹک اس طرف تو دیکھو آنکھیں ملا کے صاحب!
ہم سے قدیم بندے شایستۂ ستم ہوں؟

کیا دخل، لکھ کے بھیجوں شعر اپنے اس کو خط میں
مصرع رقم کروں تو جھٹ انگلیاں قلم ہوں

جاڑے میں کیا مزہ ہو وہ تو سمٹ رہے ہوں
اور کھول کر رضائی ہم بھی لپٹ رہے ہوں

گل کھلا جب اور ہی تب کہنے یہ بلبل گئی
دیکھیے اب آگے کیا ہو، بندھی مٹھی کھل گئی

اثر کچھ نہ باقی رہا آہ کا
مثل ہے ''رہے نام اللہ کا''

جب ابر غم گیا تو شرارے نکل پڑے
اک بار آسماں کے ستارے نکل پڑے

ہے اور کوئی ایسا جس میں یہ پھبن نکلے
سج دھج اسے کہتے ہیں بے ساختہ پن نکلے

افشاں کا وہ عالم ہے اس چاند سے مکھڑے پر
جوں وقت سحر انشا سورج کی کرن نکلے

ہے شب وصل کھلے کاش نہ دروازۂ صبح
کم نہیں شور قیامت سے یہ آوازۂ صبح

دل کو رکھ کر پنجۂ مژگان تر پر بیچیے
یعنی اپنا مال ہے اس کو چھڑ کر بیچیے

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری، راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجی ہیں، ہم بیزار بیٹھے ہیں

کہاں گردش فلک کی چین دیتی ہے سنا انشاؔ
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

اچھا جو خفا ہم سے ہو تم، اے صنم اچھا
لو ہم بھی نہ بولیں گے، خدا کی قسم اچھا

رونے سے اپنے دل کی طپش گرد ہوگئی
دو چار بوندیوں میں ہوا سرد ہوگئی

پھبتی ترے مکھڑے پہ مجھے حور کی سوجھی
لا ہاتھ ادھر دے کہ بہت دُور کی سوجھی

عشق کا دامن لیا اک اڑتلے کے واسطے
ورنہ کافی تھا جنوں بھی ولولے کے واسطے

آئینۂ فلک میں یہ عکس چراغ دل
خورشید ہو، بل نمود ہوا بل بے داغ دل

کچھ اشارہ جو کیا ہم نے ملاقات کے وقت
ٹال کر کہنے لگے دن ہے ابھی، رات کے وقت

جس زمیں پر ہوں ترے کشتۂ دیدار کے پھول
کیوں نہ پھر واں سے اگیں نرگس بیمار کے پھول

قطعہ

شب کو میں ان سے خواب میں لپٹا
بیم حاکم رہا نہ خوف عسس

ہاتھا پائی ہوئی یہاں تک تو
ان کی انگلی کی مڑگئی جھٹ نس

لگے کہنے کہ میرے دامن کو
نہیں اب تک کیا کسو نے مس

مفت جل جائے گا پرے ہی سرک
ارے میں آگ اور تو ہے خس

جب یہ دیکھا کہ چھوڑتا ہی نہیں
تب یہ ٹھہری کہ بوسے لیں گے دس

لے کے دس بوسے گیارہواں نہ سہی
ہم کو پیٹے، کرے جو زیادہ ہوس

ایک دو تین، چار، پانچ، چھ، سات
آٹھ، نو، دس ہوئے بس انشاؔ بس

رباعی

لی چپکے سے جب کہ میں نے اس کی چٹکی
بولا کہ پڑے جان پہ تیری پٹکی

پھر دانت تلے کھٹک کے ناخن یہ کہا
بس چل بے میں تجھ سے آشنائی کٹ کی

مے خانے میں کیا پھرے ہے مٹکی مٹکی
نت شیخ و برہمن سے ہے پھٹکی پھٹکی

قاضی سے ڈرے، نہ محتسب سے، کافر
یہ دختر رز ہے، جس سے اٹکی اٹکی

اس بندے کی چاہ دیکھیے گا
اور اس کا نباہ دیکھیے گا

میں کیسے نباہتا ہوں تم سے
انشاء اللہ دیکھیے گا

کئی دن گرچہ فراق صنم و دیر تو ہے
چلیے پھر کعبے بھی ہو آویں، بھلا سیر تو ہے

کل بھی محفل سے تری ہم نہ ٹلے، بیٹھ گئے
بولے اٹھ اٹھ بھی یاں تک کہ گلے بیٹھ گئے

برق شعلہ زن چمکی، ابر بھی خروشاں ہے
گرم اس گھڑی ساقی، بزمِ بادہ نوشاں ہے

نیند مستوں کو کہاں اور کدھر کا تکیہ
خشت خمخانہ ہے یہاں اپنے تو سر کا تکیہ

نہ تنہا خار ہے برچھی لیے صحرا کی چھاتی پر
کٹاری کھنچتی ہے موج بھی دریا کی چھاتی پر

پڑا اس ڈھب سے میرا ہاتھ اس کی ناف کے اوپر
کہ پر(یاں) چڑھ گئیں سب کھلکھلا کر قاف کے اوپر

جھونک دی عشق نے جب اس دل بیتاب میں آگ
غل مچا یہ کہ پڑی معدن سیماب میں آگ

مے کے پینے سے تو ہاں ہم نے نباہی توبہ
پر مغاں سے یہ خجل ہوں کہ الٰہی توبہ

کوچے میں یکایک شوخ سے ہیں جب چشم سے چشم ملائے تو
بوسہ تو چھپ کر ایک لیا، پر خوب طمانچے کھائے دو

کچھ ہم تو نہ سمجھے کہ شب وصل کدھر تھی
ٹک زلف سے رخ پر جو نظر کی تو سحر تھی

آشنا، میر زین العابدین

میر زین العابدین آشنا خلف الصدق حکیم اصلح الدین خاں مرحوم۔ او از سادات گجرات وخلیلے نیک ذات بود و والد بزرگوارش ہم بہرہ از قابلیت وحاضر جوابی می داشت۔ ایں سہ شعر او راست:

گر ہم سے دوانے کو تم آزاد کرو گے
ویرانے میاں کتنے ہی آباد کرو گے

ہم سے بندوں پہ ظلم کرتے ہیں
ان بتوں کا کوئی خدا بھی ہے

بات کہنا ہے قتل سے زیادہ
ظلم ایسا کہیں روا بھی ہے

افسوس، میر شیر علی

میر شیر علی افسوس[1] (متوطن نارنول ابن امیر علی مظفر خاں، داروغۂ توپ خانۂ عالی جاہ) شاگرد رشید[2] میر حیدر علی حیراں است، در لکھنؤ قیام دارد[3]، از کلام بہجت التیامش بوے فصاحت بمشام جاں می رسد۔

سمند ناز جویاں اس سوار[4] کا پہنچا — غبار تا فلک خاکسار کا پہنچا
یہاں[5] تلک ہے نزاکت، گلوں کے گجرے سے — لچکنے لگتا ہے اس گلعذار کا پہنچا
اشک گرم اپنے سے اب[6] دیدہ تر جلتے ہیں — دیکھ لو مردم آبی کے بھی گھر جلتے ہیں
پوچھے ہے کیا، لگالے اگر سر میں درد ہے — اس خاک پا کے آگے تو صندل بھی گرد ہے
گریے سے جو سرسبز ہوا داغ جگر کا — میں بہت سا ممنون ہوں اس دیدۂ تر کا
ایک میں ہی نہیں اس کوچے میں جو جاتے ہیں — واں کے ہو رہتے ہیں گھر اپنے سے وہ جاتے ہیں
منہ تو دکھلائے[7] ذرا گو نہ ملاقات کرے — ہم کو سو وصل ہیں جو ہنس کے ٹک اک[8] بات کرے
ہنس کر مجھے لوگوں میں اشارات نہ کیجیے — رسوائی ہو جس بات میں وہ بات نہ کیجیے
دیکھتے ہی اسے حاضر ہوئے مرجانے کو — وہی[9] اشخاص جو یاں آئے تھے سمجھانے کو
دم میں دم آیا جہاں دیکھا تجھے — واقعی آرام جاں دیکھا تجھے
صورت تجھے حق نے دی پری سی — پر آدمیت بھی دی ذری سی

آشفتہ، مرزا رضا علی

مرزا رضا علی آشفتہ، مرد یست طبیب، پسر ارجمند حکیم محمد شفیع، از تلامذۂ میر سوز، در نواح

---

1. اصل: اضافۂ مؤلف۔ گلشن ہند: نام ان کے والد بزرگ کا مظفر علی خاں، 2. اوّل شاگرد رشید میر سوز و آخر رجوع بہ میر حیدر علی حیراں آوردہ...... باحقیر بسیار دوستی و یکجہتی داشت (دستور الفصاحت 102)، 3. وفات 1224ھ (دستور) 1809ء (یادگار)، 4. ل: نگار، 5. گلزار: ہے یاں تلک تو نزاکت۔ نساخ: یہ، 6. یہ اشعار اصل میں حاشیے پر ہیں، 7. دستور: دکھلادے، 8. دستور: قاسم، مصحفی، وہ ایک بات، 9. دستور: وے ہی اشخاص جو یاں آتے ہیں سمجھانے کو۔ شیفتہ: وہی اشخاص، نساخ: وہی احباب۔

لکھنو[1] طبل سخنوری می نوازد۔ شعرش دردے دارد۔

غصے میں ان سے رات میں لڑتے تو لڑ لیا — پر اٹھ کے جب چلا تو کلیجا پکڑ لیا
چہرہ کچھ ان دنوں غم پنہاں سے زرد ہے — ظاہر میں کچھ مرض نہیں، پر دل میں درد ہے
جس وقت مری اور تری آنکھ لڑی تھی — کیا جانیے وہ کون سی کم بخت گھڑی تھی
وہ رشک مہر جو عالم میں بے نقاب پھرے — پھر اس چمک سے نہ گردوں پہ آفتاب پھرے
چلا ہے کعبے کو آشفتہ پارسا بن کر — خدا جو بیٹھے بٹھائے اُسے خراب کرے
ہمیشہ آگ نکلتی ہے میرے سینے سے — الٰہی موت دے، گزرے ہم ایسے جینے سے
نہ جائے کیونکہ اقامت، وہ چاند سا مکھڑا — نظر پڑا نہیں مجھ کو کئی مہینے سے

شاگرد دیگر در جواب ایں یک مطلع چنیں گفتہ:

نہ درد دل سے تھمے ہے: نہ آہ سینے سے — قسم ہے عشق کی گزرے[2] ہم ایسے جینے سے

امینؔ، خواجہ امین الدین

خواجہ امین الدین[3] امینؔ، وی از ساکنین مرشد آباد[4]، بزرگ زادہ ایست، از علوم متعارفہ بہرہ دارد و بتلاش شعر ہمت می گمارد۔ دیوانے مختصر مشتمل بر غزلیات طرحی وطبعی فراہم ساختہ۔ فی الجملہ سر بسخن دارد:

عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری میں کٹی — دن کٹا[5] فریاد میں اور رات زاری میں کٹی

---

1 سرور: در لکھنؤ بخانہ خود مجلس مشاعرہ منعقد می کرد۔ گلزار: 1208 میں لکھنؤ سے مرشد آباد میں آئے۔ 1214 میں کلکتے چلے آئے۔ شیفتہ: بعضے از لکھنؤ وبعضے از اکبر آباد دانند۔ عشقی: برادر مرزا بجھو۔ بطریق سیر وسیاحت وارد مرشد آباد گردیدہ، بضلع مظفر پور بخدمت تحصیلداری مامور شدہ برحمت الٰہی در پیوست۔ لکھنؤ میں آخر رحلت کی (دیوان جہاں)، 2 سرور: گزرا میں۔ 3 گلزار ریاض: خواجہ امین الدین خاں امین۔ گلزار: خواجہ امین الدین نام۔ عظیم آبادی۔ 4 شیفتہ: از عظیم آباد است وآنکہ نسبتش بہ مرشد آباد کردہ از وخطائے عظیم آمدہ۔ یادگار: کشمیری الاصل۔ عشقی: شاگرد بلاس رائے۔ تذکرہ علی ابراہیم بحوالہ یادگار: 1194 میں کچھ سال سے نواب میر محمد رضا خاں کی ملازمت میں تھے۔ 5 سرور: گیا۔ سال وفات 1199ھ (ریاض قدیمی بحوالہ مرتب گلشن ہند)۔

آگاہ، نور خاں

نور خاں آگاہ[1]، از احوالش کماہی آگاہ و مطلع نیستم مگر شخصے راست[2] گفتار کہ از ضلع لکھنؤ آمدہ بود، بر سبیل مذکور از اسم و تخلص آں واقف گردانید و ایں شعر از و بقلم در داد۔ بہر حال بہتر است۔

منہ دیکھو اپنا، سیکھو ابھی رسم چاہ کی باتیں بنا بنا کے نہ کیجیے نباہ کی

امیر، نواب محمد یار خاں

نواب محمد[3] یار خاں بہادر، امیر (تخلص) پسر نواب[4] علی محمد خاں افغاں، فوجدار مراد آباد[5] (او[6] قدر شناس سخنوراں) دراں ضلع شخصے نامی بود۔ مجلس مشاعرہ بخانہ خود منعقد میساخت۔ شعر خود را بگوش سخن نیوش میر قیام الدین علی قائم گزرانیدہ۔

تیرے گھر جانے سے یاں[7] اپنا تو گھر جاتا ہے اے مری جان کے دشمن، تو کدھر جاتا ہے

واہ[8] رے سرخی ترے چہرے کی ہنگام عتاب جتنا بگڑے ہے تو اتنا ہی سنور جاتا ہے

اس شکار[9] انداز سے لگ کر کوئی چھٹتی ہے آنکھ کیوں نہ ہو سوے قفا منہ وقت رم نخچیر کا

تھرتھراتا ہے اب تلک خورشید سامنے تیرے آگیا ہوگا

جنس طاعت سے تو کچھ پاس نہیں اپنے امیر مگر احمد کا ہوں میں اور ہے احمد میرا

---

1 حسن، علی ابراہیم: از شاگردانِ شاہ واقف...... چندے از میر ضیا نیز اصلاح گرفتہ۔ عشقی نے شاہ واقف اور حیدری نے میر ضیاء الدین ضیا، کا شاگرد بتایا ہے۔ ابراہیم و حیدری: معاش کا ذریعہ قصہ خوانی، 2 نساخ: نواب علی محمد خاں، 2 (ب): اوّل اضافہ مؤلف، 3 نساخ: نواب علی محمد خاں 6۔ب: اضافہ مؤلف، 4 گلزار: ابن محمد علی، حیدری: بن محمد علی خاں روہیلہ، 5 عشقی: پٹنے چلے گئے تھے۔ یادگار: ٹانڈے میں رہتے تھے۔ سرور: از سرداران کٹیھر، 6 اصل: اضافۂ مؤلف۔ اصل میں خارج: وبعضے از غلامانِ پدر حافظ الملک حافظ رحمت خاں مرحوم مشہوری سازند، 7 شیفتہ: بس، 8 سرور: اللہ رے سرخی۔ شیفتہ، نساخ: ہاے رے سرخی، 9 ل میں حاشیے پر کیول رام کاتب کا اعتراض۔

آرآم، رائے پریم ناتھ

رائے پریم ناتھ دہلوی آرآم تخلص[1]، قوم کھتری بھنڈاری، پیشکار دفتر، شاعر فارسی و ہندی، در انشا پردازی مہارتے داشت۔ خط تعلیق و شکستہ و نستعلیق ہر سہ خوب می نوشت۔ اکثرے شاگردانش بہ توجہ اصلاح (کاملہ) کہ عطوفت دلی بحال آنہا می گماشت، فیضیاب شدہ، در چشماں نامے پیدا کردند۔ در تیر اندازی ہم دستے داشت۔ بہ اسلام آباد رفتہ ودیعت حیات مستعار نمودہ۔

لوہو آنکھوں سے نکلتا ہی رہا دل کا فوارہ اُچھلتا ہی رہا

مطلع ثانی:

کھینچ کر تلوار چلتا ہی رہا حسرتوں سے جی نکلتا ہی رہا

کون غمخواری کرے آرام کی ایک مجنوں تھا، سو چلتا ہی رہا

اخگر، نراین داس

نراین داس اخگر قوم کایتھ، ساکن قصبہ کول، برادر شاگرد زورآور خاں دلؔ، طبع خوش دارد:

اس جثۂ صد ساں سے تیری لاکھوں ہی کے دار سر گئے ہیں

اشرف، محمد اشرف

محمد اشرف، اشرف شخصے ست بطرف لکھنؤ[2]، سخن بہ آبداری می گوید۔ ایں مطلع برجستہ ازو سرزدہ:

1۔ مخزن میں باپ کا نام رائے بشن ناتھ اور حسن نے رائے کشن لکھا۔ قاسم نے اپنا شاگرد بتایا ہے۔ یادگار میں لکھا ہے بندرابن چلے گئے، 2۔ حسن: شخصے ست از مردمِ مرشد آباد بہ داروغگی اخبار فرنگی جان برشو صاحب سرفراز۔ عشقی: از باشندگانِ شہر مرشد آباد۔ یادگار: ساکن کاندھلہ ضلع سہارنپور۔ قاسم: سکنۂ بلدۂ لکھنؤ۔ عشقی: از باشندگان شہر مراد اباد است۔ سابق ازیں بعہدۂ داروغگی اخبار جان برشو صاحب اشتغال داشت۔ الحال معلوم نیست کہ کجاست و بچہ طوری گزراند۔ شورش: تقریباً 30 سال کی عمر کے ہیں۔

آ بیٹھو تو دو[1] باتیں کریں تم سے میاں ہم　　پھر دیکھیے اس دم میں کہاں تم ہو کہاں ہم

آشفتہ، عظیم الدین خاں

عظیم الدین خاں عرف بھورے خاں آشفتہ، ساکن شاہجہاں آباد، مرید یکے از خلفاے جناب مخدومی مولوی محمد فخر الدین قدس اللہ سرہ است۔ مشتاق قدیم، از چندے ترک روزگار کردہ، زانو بہ درِ توکل شکستہ و در تلاش بروے خود بستہ، مردانہ گزراں می نماید۔ فارس میدان ریختہ است۔ بل علم استادی می کشد۔ اشعار خوش گفتار خود را بہ نظر فیض اثر میر[2] محمدی مائل گزرانیدہ[3]، در اکثر مقطع غزلیاتش مضمون زلف یافتہ می شود۔ نہایت خوش گو و بسیار گو و صاحب تلاش معلوم شد۔ بسیارے[4] سخنوران حال ہمسری او کردن نمی توانند از مغتنمات است۔ خداش زندہ دارد۔

ناخواندہ مرے خط کو الٹا ہی پھرا لایا　　قاصد[5] کی خطا کیا ہے؟ قسمت کا لکھا لایا

آفت ہے، قیامت ہے، بھبھوکا ہے، پری ہے　　عالم سے نرالی یہ تری جلوہ گری ہے

کل جو وے دامن اٹھا، اک آن سے آنے لگے　　کتنے ہی کشتے ادا کے، جان سے جانے لگے

سر رشتۂ محبت ہم سب سے توڑ بیٹھے[6]　　اپنا ہی سر اب اپنے زانو سے جوڑ بیٹھے

برگشتہ بخت ہم سے دیکھے ہیں کم کسو نے[7]　　جب ہم ہوئے مقابل وہ[8] منہ کو موڑ بیٹھے

ہاے اے نازکی، شیشۂ دل　　سانس لینا ہوا محال[9] ہمیں

شکلِ آئینہ چشم بھر آئی　　یاد آیا جو وہ جمال ہمیں

کاہش ماہ و سالِ ہجراں نے　　رفتہ رفتہ کیا ہلال ہمیں

ملک دل غم کی ہو گیا جاگیر　　دم شماری ہوئی[10] محال ہمیں

دام زلف بتاں میں آشفتہ　　زندگی ہو گئی وبال ہمیں

---

1 قاسم: ٹک، 2 نساخ: میر محمد مائل اور قرزندی علی مضمون سے اصلاح لیتے تھے، 3 ل: گزرانید، 4 اصل: اضافۂ مؤلف اس کی جگہ پہلے ''بیشتر'' تھا، 5 نساخ: قاصد کا گلہ کیا ہے، 6 سرور نے یہ اشعار رضا قلی خاں آشفتہ کے ترجمے میں بھی درج کیے ہیں، 7 ل: وے، 8 ل: ہمیں محال ہوا (سہو کاتب)، 9 ل: ہو گئی، 10 ل: کا سر رشتہ۔

سر رشتہ نہ ہاتھ آیا تسبیح کے رشتے [1] سے | اب عشق میں اس بت کے زنار ہے اور میں ہوں
آشفتہ لڑیں جب سے یہ خانہ خراب آنکھیں | دل گھر میں نہیں لگتا، بازار ہے اور میں ہوں
پانو کو توڑ جو بیٹھے ترے در کے آگے | سر دیا یار پر اک گام نہ سر کے آگے
نت خونِ عاشقاں سے سرِ دار گرم ہے | جب تک جہاں ہے عشق کا بازار گرم ہے
اللہ رے حرارتِ مقتولِ تیغِ عشق | جی سرد ہو چکا، پہ تن زار گرم ہے
جام گدائی ہاتھ میں لے نت شام [2] سویرے پھرتے ہیں | شمس وقمر یہ دونوں بھکاری حسن کے تیرے پھرتے ہیں
جوگ لیا آشفتہ ہم نے دیکھ لٹک ان زلفوں کی | گلیوں گلیوں حال پریشاں بال بکھیرے پھرتے ہیں
پہنچی جس وقت مجھے اس کے خبر آنے کی | سدھ رہی مجھ کو نہ اپنے کی نہ بیگانے کی
تمام رات رہی ٹکٹکی ستاروں سے | خلاف وعدہ تعجب ہے دوستداروں سے
نبی کو خاطر اصحاب کیوں نہ ہو منظور | کہ زیب وزینت مجلس ہے چار [3] یاروں سے

احسانؔ، حافظ عبدالرحمان خاں

حافظ عبدالرحمان خاں [4] احسان [5]۔ نیا کانش حافظ قرآن، والد [6] بزرگوارش بہ پیش امامی حضور اقدس اعلیٰ شرف اعزاز داشت۔ مصلح اشعار اکثر شاہزادہ ہاے عالی تبار وخود بہرہ وزبان سخن سراست [7]، از چندی بمسکن خود طرح مشاعرہ انداختہ۔ حوصلہ وسیع دارد وفکر بدیع۔ ایں اشعار (آبدار [8]) از تصنیف شریف آں معدن [9] اشفاق وکرم [10] بقلم نیاز رقم می دہد [11]:

میں ہوں بیمار تجھے مجھ سے ہے نفرت شاید | تیرے مذہب میں نہیں رسم عیادت شاید

---

1 ل: سانجھ، 2 ل: چاروں، 3 ل: چاروں، 4 قاسم: پہلے احسان تخلص تھا، 5 سرور: خلف الرشید حافظ غلام رسول، 6 پیش امام حضور والا۔ از صغر سن بہ شعر گوئی فارسی وریختہ ذوقے داشت۔ بحضور انور در سلک شعرا امتیاز است ونیز در چوکی بندی حاضری باشد۔ در بدیہہ گوئی حاضر جواب۔ با جامع ایں نسخہ از عہد طفولیت بہ سبب ہمسائگی اخلاص کمال دارد، 7 اصل میں پہلے ''دریں ولا'' تھا۔ اس کی جگہ ''ل'' میں ''از چندے''، 8 اصل: اضافۂ مؤلف، 9 ل: معدنِ کرم واشفاق، 10 یادگار: دہلی میں 1851 میں وفات پائی، 11 سرور: نہیں تم نے کرم آج کیا۔ ل: تم نے نہیں آج کیا۔

دوستو پاس کرم تم[1] سے نہیں آج کسے
دشمنوں کی کہیں ماندی ہے طبیعت شاید

مثل تصویر ہے خاموش مرا آئینہ رو
مرگیا آج کوئی کشتۂ حیرت شاید

جب کہا میں نے، نہ پھر گلیوں میں، بولا وہ ماہ
آپ کی شہر میں ہووے گی حکومت شاید

میں نے احساں سے کہا خسرو شیریں سخناں
ق دل سے تم رکھتے نہیں مجھ پہ عنایت شاید

تم سے اصلاح میں لیتا ہوں یہ امید کہ ہو
بزم شیریں سخناں ٹیں مجھے عزت[2] شاید

سن کے فرمانے لگے میں تو ہوں حاضر لیکن
عشق شیریں دہنی باید و محنت شاید

فائدہ، تم جو مجھے نزع میں یار آئے نظر
ہے[3] نہ یارائے سخن اور نہ یارائے نظر

ہم بھی مضطر جب کبھو تھے پھر جہاں سیماب تھا
خانہ زاد اضطرابِ خاطرِ بیتاب تھا

فقط مجھے ہی نہ دوراں نے گوشہ گیر کیا
فلک کی ناک میں بھی کہکشاں کا تیر کیا

مجھ کو مت ٹھکراؤ بس چلیے سمجھ کر دیکھ کر
راہ[4] سب چلتے ہیں لیکن بندہ پرور دیکھ کر

بوسہ لے بیٹھا اگر، اٹھوانہ برہم ہو کے یار
مجھ کو سودا ہوگیا زلف معنبر دیکھ کر

ربط آہِ سرد، یوں ہے دیدۂ گریاں کے ساتھ
جس طرح ہوتی ہے اک ٹھنڈی ہوا باراں کے ساتھ

تیر تو نکلے گا پر اے چارہ سازاں یہ کہو
کاش کے نکلے یہ میری[5] جان بھی پیکاں کے ساتھ

کوچے سے ترے کوچ ہے اے یار ہمارا
جی لے ہی چلی حسرت دیدار ہمارا

تو ہم کو اٹھا لیجو اسی وقت، الٰہی
جس وقت اٹھے پہلو سے دلدار ہمارا

جو کوئی جان بچا کر تمھارے در سے پھرا
☆ یہ جانتا ہوں مری جاں، خدا کے گھر سے پھرا

کہہ دے عیسیٰ سے کوئی، دتی وہ جا ہے حضرت
چھوکرے یاں کے ہیں مُردوں کے جلانے والے

آشنا کس کے ہیں بے دید ہیں یہ دیدہ و دل
ہیں یہی دیدہ و دانستہ ڈبانے والے

ان کے رونے پہ ہنسی آتی ہے مجھ کو احساں
پانی لے دوڑے ہیں کیا آگ لگانے والے

ہوگی یکدست تری اور ہی اے یار نمود
٭ جب تجھے ہم سے کسو بے سرو پا نے چاہا

نام عنقا سے مجھے ننگ ہے آتا احساں
٭ شہرت نام کو کیوں اہل فنا نے چاہا

چڑھیو: ذرا کوٹھے پہ مری جان سمجھ کر
٭ پریاں نہ اتر آویں پرستان سمجھ کر

1سرور: ثروت، 2سرور: نہ تو یارائے سخن، 3شیفتہ: چال، 4شیفتہ: چال، 5ل: نہ میری۔

ہو کے شاگرد لکھا خط میں ہے بھائی مجھ کو — قیسِ گستاخ کی یہ بات نہ بھائی مجھ کو
کھول دو کان جرس کے کہ رکھے چونچ کو بند — خوش نہیں آتی ہے یہ ہرزہ درائی مجھ کو
اس خرابات میں اے بادہ کشاں ہووے نصیب — خوشۂ تاک تمھیں، آبلہ پائی مجھ کو
یہاں[1] مجھے تو نصیحت کو ہیں سبھی موجود — وہاں تو ہوش کسی کا بجا نہیں رہتا
کوچۂ یار کی احساںؔ ہے نشانی مجھ پاس — میں تیرے پاؤں پڑوں، پاؤں سے تو خار نہ کھینچ
تعمیر عمارت ہو ذرا عمر کی جس سے — اس عمر میں ایسا کہیں معمار نہ پایا
سیاہ بختوں کے رہنے کو چشم یار سے پوچھ — کہ مثل سرمہ رکھیں ہیں وہ چشم یار میں جا
ان آنسوؤں کو میرے ڈبانے کا فکر ہے — دشمن ہو جس کی فوج، وہ سردار جی چکا
چہرے پہ آپ کے بے وجہ نہیں داد ہوا — داد دو میری کہ یہ باعث بیداد ہوا
یاد وہ لب آئے مجھ کو سنتے ہی نامِ شراب — جاں بلب اس غم سے ہوں میں ساقیا جامِ شراب
ہچکیاں لے لے کے شیشے کا یہ رونا ہے بجا — اس سے ہوتا ہے جدا معشوق گلفام شراب
خونبہا ہے مسئلہ شرعی تو پھر تکرار کیا * — محتسب خم کی دیت میں دے مجھے جام شراب
میں جو مے پینے پہ آؤں تو سبو پی جاؤں — گر عسس منع کرے اس کا لہو پی جاؤں
میں تجھ بغیر جام ہلاہل کو پی گیا — جم جم تو جی کہ میں ترے باعث سے جی گیا
نہیں چرخِ مقوس[2] سے بھی حاصل جز ضرر دیکھو * — بجز پیکاں کیا شاخ کماں سے ہے ثمر دیکھو
قیامت میں ہے کیا باقی کہ نکلا مہر قبلے سے — ہوا اس طاق ابرو پر ہے ٹیکا جلوہ گر دیکھو
مجھ پر نہ پیک یار ہی کچھ خشمگیں ہوا — نامہ بھی وا کیا تو وہ چیں برجبیں ہوا
احساںؔ اب اس کے وے[3] ہیں کہ ان کا سخن ہر اک — شرمندہ سازِ عیسیِ گردوں نشیں ہوا
پھر آیا جام بکف گلعذار اے واعظ — شکست توبہ کی پھر ہے بہار اے واعظ
ہم کو نہ مدرسے ہی میں تجھ دن ملال تھا — جب میکدے میں آئے تو واں بھی کلال تھا
جوان تو بھی ہے اپنے بھی ہیں شباب کے دن — بلا حساب دے بوسے، نہیں، حساب کے دن

---

[1] ل: یہاں تو مجھ کو، [2] سرور: ہے، [3] سرور: وہ۔ * یہ اشعار ل میں ندارد۔ * یہ اور اس کے بعد کے اشعار "ل" سے اضافہ۔

نہ بازو باندھنے سے غش یہ جاوے گا نہ دارو سے
مگر تعویذ اس پیارے کا باندھو میرے بازو سے

انساں کا گزر کوچے میں اس شوخ کے کیا ہو
جو کہوے صبا سے بھی کہ چل یاں سے ہوا ہو

اے آئینہ رو خاک ہو اب زیست کی صورت
اس شکل سے تو مجھ سے جو برعکس ہوا ہو

دوزخ ہی لگا آنے مرے طوف کی خاطر
اے آتشِ دل رتبہ ترا اس سے سوا ہو

جب زلف کو چھیڑوں تو یہ کہتا ہے کہ ''احساںؔ
تو اپنی خبر لے تجھے سودا نہ ہوا ہو''

نہیں یہ اشک خونیں، رات عشرت کی جو آئی ہے
سر انگشت مژہ پر چشم نے مہندی لگائی ہے

احسنؔ، مرزا احسن علی

مرزا احسنؔ علی احسنؔ، تخلص [1] شخصے مغل زاست بہ [2] لکھنؤ در جرگۂ شاعران نواب وزیر الممالک بہادر نوکر است۔ بشاگردی مرزا محمد رفیع السودا مشق سخن نمودہ۔ چند شعرش کہ بمسامع ایں ہیچمداں رسیدہ، بصفحۂ تحریر می کشد۔ بہر حال خالی از لذت [3] و کیفیت نیست۔

تری تقصیر ہم نے کون سی اے یار ایسی کی
جو لے کر دل کو تو نے دشمنی اک بار ایسی کی

جو تو نے کی ہے مجھ سے دل کو لے کر تو ہی منصف ہو
کسو نے دل کسی کا لے کے اے دلدار ایسی کی

جز آہ و نالہ اک دم بھی دل اپنا رہ نہیں سکتا
جدائی نے یہ کس کی زندگی دشوار ایسی کی

نہ ملتا اور سے میں تو اگر ملتا نہ غیروں سے
جو تو نے یار ویسی کی تو میں ناچار ایسی کی

نہ دوں گا دل کسی دلبر کو پھر بھر عمر اے احسنؔ
طبیعت عشق سے اس یار نے بیزار ایسی کی

جہاں تک تھے اغیار سب یار ٹھہرے
ہمیں ایک تیرے گنہگار ٹھہرے

مطلع ثانی:

نہ خلوت نہ جلوت کے ہم یار ٹھہرے
فقط دیکھنے کے گنہگار ٹھہرے

الٹا سحر صبا سے [4] جو گوشہ نقاب کا
دیکھ اس کو رنگ زرد ہوا آفتاب کا

---

1 ل: تخلص محذوف، قاسم: مرزا احسن قلی نامی مغل۔ اوائل اصلاح شعر از میر ضیا گرفتہ و بعد ازاں از میرزائے موصوف ملکۂ شاعری بہم رسانیدہ۔ گلشنِ ہند: 1215 میں نواب سرفراز الدولہ کی ملازمت میں لکھنو میں تھے، 2 اصل میں پہلے ''در'' بجائے ''بہ''، 3 ل: ''کیفیت'' محذوف، 4 سرور: نے۔

کہا جو میں نے کہ رخ کو ترے قمر نہ لگا
بگڑ کے بولا کہ چل بے ادھر نظر نہ لگا

شب جو دھڑکا مرے دل کا خلل انداز رہا
کام دل لینے میں اس شوخ سے میں باز رہا

شام سے صبح ہوئی بند قبا کھلنے میں
سیکڑوں جان سے جائیں گے جو یہ ناز رہا

خاک چمن میں کس کی ملی آرزوے دل
جو غنچہ یاں کھلے ہے سو آتی ہے بوے دل

کل جو اس شوخ نے سنکھ ہولڑائیں آنکھیں
برق نے ابر کی چادر میں چھپائیں آنکھیں

شوخ چشمی پہ گھمنڈ اپنی نہ کیجو نرگس
آنکھیں کھل جائیں گی جب اس نے دکھائیں آنکھیں

کل عجب طرح سے تڑپے تھا ترے کوچے میں
دیکھ کر حال کو احسنؔ کے بھر آئیں آنکھیں

پہنچی جس وقت مجھے اس کے خبر آنے کی
فکر[1] اپنے کی رہی مجھ کو نہ بیگانے کی

اشک گلگوں کو نہیں لعل و گہر سے پیوند
وے رکھیں سنگ سے نسبت یہ جگر سے پیوند

انسانؔ، اسد یار خاں

اسد یار خاں انسانؔ[2]، مردے سپاہی پیشہ وعمدۂ روزگار بود، در عہد محمد شاہ بادشاہ انار اللہ برہانہ، بہ فکر فارسی وہندی می پرداخت۔ غزلے از تصنیف آں مرحوم بر صفحۂ گیتی یادگار است۔ ازاں[3] جملہ یک شعر آخرینش بندہ ذکاؔ بقلم نیاز رقم سپردہ۔

زمین و آسماں اور مہر و مہ سب تجھ میں ہیں انساںؔ
نظر بھر دیکھ مشت خاک میں کیا کیا جھمکا ہے

---

1. قاسم، گلزار، حسن، عشقی: سدھ رہی مجھ کو نہ اپنے کی۔

2. جگنو کے نام سے مشہور تھے (قائم)۔ 3. اصل: پہلے تھا ''ایں غزل پنج بیتی'' گویا مندرجہ ذیل 4 اشعار جو درج ہیں خارج:

عرب کو دیکھتا ہے ہند میں جو مت کا پکا ہے
مدینہ ہے محمد آباد الہ آباد مکا ہے

نہ دیکھی ٹک جھلک بھی آپ کے تن بیچ اندھوں نے
اگر چہ ہر بُن مو سے بدن سارا شبکا ہے

نہ کر واعظ کے کہنے پر نظر اے بو الہوس ہرگز
بہشت آخر مکاں ہی ہے دوزخ اک شرعی درکا ہے

جو چاروں بند میں تو پانچواں کامد اور احمق
قراں میں فاقلوالفہ مرا ہل جھکا ہے

احمؔ، مرزا احمد بیگ

مرزا احمد بیگ احمؔ[1] برادر مرزا الہو بیگ شور است۔ در دہلی تشریف دارد۔ (جوانے مغل[2] زا سپاہی پیشہ، نیک اندیشہ است۔ بیشتر بہ انصرام امور مستحکم واستوار رخش ہمت والا بہجت خود را رخصت جولان می دہد و جرات و دلیری بہ کاری برد با ایں ہمہ) بسیار خوش خلق و یار باش و رفیق وسر گروہ اہل توفیق است۔ نسبت تلمذ بہ سخن سنج بے نظیر محمد نصیر الدین نصیؔر دارد و ایں اشعار آبدار از طبعش چکیدہ خالی از (لطف و[2]) تلاش نیست۔

دل نہیں وہ شے کہ[3] آ کے کافر[4] بنے اور ٹوٹ جائے
ہم نہ مانیں گے خدا کا گھر بنے اور ٹوٹ جائے

غضب ہے ہاتھ میں تو[5] نے جو تیغ کیں پکڑی
نہ اٹھ سکا ترے بسمل نے جو[6] زمیں پکڑی

عاشق دختر رز جتنے ہیں اے پیر مغاں!
باغ جنت میں بھی ہوں گے شجر تاک تلے

نہ پہنچے جس[7] کی وسعت کو کبھو دامن بیاباں کا
یہ اے دست جنوں! وہ چاک ہے اپنے گریباں کا

خوشی سے پیرہن میں پھول کب پھولے سماویں گے
کیا جب قصد تو نے، گلبدن، سیر گلستاں کا

نہ عشق خال و خط نے فکر دام و دانہ رکھتے ہیں
سرِ سودائے زلفِ یار ہم جوں[8] شانہ رکھتے ہیں

نہ ہوگی ترک چشم یار کی ترکی تمام، اے دل
کہ ہم احمؔد مذاق گفتگو ترکانہ رکھتے ہیں

اسدؔ، لالہ کیرت سنگھ

لالہ کیرت سنگھ اسدؔ (قوم کھتری) از ساکنین دار الخلافہ شاہجہاں آباد، انسان شایستہ وقابل بحلیۂ مروت و وفا آراستہ و بہ زیور صدق وصفا پیراستہ۔ بہر دو زباں آشنائی دارد۔ دیوانے مختصر فارسی باغزلیات وقصائد وغیرہ تالیف نمودہ واکثر غزلیات ہندی ہم بہ آب و تاب از و سرانجام

---

1 سرور: قوم قزلباش۔ بار اقم تعارفے دارد۔ باطن: فن سپہ گری میں ماہر۔ قزلباش، 2 ''ل'' سے اضافہ۔ اہم سمجھ کے داخلِ متن کیا گیا، 3 قاسم: ہے کافر جو بنے۔ نساخ، شمیم سخن: کہ جو کافر ہے، 4 ل: ''کافر'' پر کاتب کا نوٹ اور ملاّ وحشی کی سند، 5 شیفتہ، نساخ، باطن، شمیم سخن: جب تو......، 6 شیفتہ، نساخ، باطن، شمیم سخن: یہ، 7 ل: جس کو وسعت کو کبھی؟، 8 ل: جیوں۔

یافتہ۔ درانشاپردازی وفنون غریب متصدی گری مہارتے دارد۔ ایں ابیات ازطبع زاداوست:

چشم کو حال سے عاشق کے یہ بیہوشی ہے / دل جو حیراں ہوں تو یاں سرمۂ خاموشی ہے
ہر مشت پر[1] کی راکھ سے شعلے کا گل کھلا / پروانہ بلبلوں کو جو آیا بہار کا

انوؔر، ولی محمد خاں

ولی محمد خاں انوؔر، (از[2] شرفائے شاہجہاں آباد) است۔ علاقہ داروغگی عدالت العالیہ[3] بنام نامی بزرگانش مقرر بود۔ خیلے مستحکم ارتباط ودرست اختلاط ومرد زیریک[4] وہوشیار واہل تفرس ومستعد معلوم شد۔ بسبب شاگردی شخصے[5] ولایت زا اکثر فکر شعر فارسی بطور استادی نماید ودر ہندی ہم تلاشے[6] دارد۔ ایں اشعار برجستہ وپر مضمون از تصنیف او، دریں محل ثبت[7] افتادہ۔

جیسے صدا ہے حلقۂ زنجیر میں چھپی / تاثیر دل ہے نالۂ شبگیر میں چھپی
ساقی سرخم مغبچہ سیم بدن ہے / جوں جام تنِ بادہ کشاں جملہ دہن ہے
دل ٹوٹ گیا دیکھتے ہی پیرو جوان کا / ظالم[8]! تیرے مکھڑے پہ یہ بے ساختہ پن ہے
روبرو آئینہ رو کے کیوں نہ میں دلگیر ہوں / حیرتِ نظارہ سے جوں[9] غنچۂ تصویر ہوں
ایسی جاں بخش[10] ہوا موسم گل کی آئی / قصدِ پرواز میں ہیں بلبل تصویر کے پر
کیا ہی آنکھوں نے کیا مجھ پہ یہ احسان کہ بس / ایک شب[11] ایسی دکھائی ہے تری آن، کہ بس
مرچلے ہم تو ناتوانی سے / کام پیری سے، نے جوانی سے
ہوجائے کچھ تو تشنگی دل مری فرو / ساقی اگر بٹھائے خم مل کے متصل
شب تصور اس رخ گلگوں کا باندھا تاسحر / پردہ آنکھوں کا مری دامان گلچیں ہوگیا
پاس بیٹھا بلبل تصویر ساں بے حال ہوں / اس کو استغنا ہے اور حیرت سے میں بھی لال ہوں

---

1 سرور: پر کے آنے سے۔ 2 اصل میں پہلے ''از اشراف زادہ ہاے بلدہ''۔ 3 ل: عدالت العالیہ بزرگانش را۔ 4 اصل: ''مرد زیرک'' کے بجائے پہلے ''دانائے روزگار'' ل: بزرگ۔ 5 اصل میں پہلے: شاعرے۔ 6 اصل میں پہلے ''تلاشِ تازہ''۔ 7 اصل میں پہلے ''جا''۔ 8 ل: عالم۔ 9 ل: جیوں۔ 10 ل: ہوا محذوف۔ 11 ل: لخت۔

پاتے نہیں ہیں وقت ہم اتنا فراغ کا کرے علاج جس میں کلیجے کے داغ کا
نہیں لختِ جگر سرِ مژگاں ثمر نخلِ انتظار ہے یہ
حالت نہیں ہے آہ کی دل کے دماغ میں جوں شمع آہ دود نہیں اس چراغ میں
انتظاری میں یہ دل چشم ہوا گوش ہوا مژدہ آنے کا ترے سنتے ہی بیہوش ہوا
ہوا رشکِ خونیں بہارِ گلستاں ہر تار تارِ گریباں [1] رگِ گل ہے

اکرم، خواجہ محمد اکرم

خواجہ [2] محمد اکرم، خواجہ زادۂ بااعزاز پُر امتیاز، گویند کہ دیوانے مردف بہ سبب کم فرصتی زمانہ از واسلوب نیافتہ مگر غزلیات چنداز دیادگار است۔ خاکپای ذکا دوابیات اوبدست آوردو بقلم گذاشت۔

یکبار [3] مرے دہر میں زاہد اگر آوے میں جانوں جو [4] مسجد کی طرف پھر نظر آوے
صبا کہہ شوق کی باتیں، ترے پیغام کے صدقے نہیں بوسے سے کم لذت ہے اس دشنام کے صدقے

اسیر، میاں تلمزار

میاں تلمزار [5] اسیر، فرنگی زادہ قوم مستبس است۔ بہ رفاقت نواب ظفریاب خاں بہادر امتیاز دارد۔ بزور وقوت عدیم النظیر است۔ روزے دم فیلے خورد بدست گرفتہ جانب خود کشید۔ ہر چند فیلبان بہ ہیبت [6] تمام وتنبیہ بہ پیش روانی [7] او مصروف بود، او پس می آمد و جنبیدن نمی توانست۔ مصلح شعرش استاد بے نظیر محمد نصیرالدین نصیر۔ اکثر در مشاعرہ ہا جودت طبع می آزماید۔ (بندۂ نحیف ذکا اشعارے چند طبع زاد او بہ ایں مقام می نگارد)

نکل اک دن بت ترسا کہیں [8] گھر سے باہر دیکھنے کو ترے کب تک کوئی ترسے باہر
دام میں زلف کے بے وجہ گرفتار تھا دل دست شانہ نے نکالا ہے ہنر سے باہر

---

1 ل: لخت، 2 نساخ، شیفتہ: بنی، 3 سرور: اک بار سوے میکدہ۔ حسن: اک بار مرے دہر میں زاہد اگر آوے، 4 سرور: کہ، 5 یادگار: سمرو کے بیٹے ظفریاب خاں کے دوست، 6 ل: سب وحشت می کرد۔ ل سے: اضافہ، 7 اصل میں پہلے: پیشتر رفتن، 8 سرور: کبھی۔

شمع فانوس میں در پردہ جلے ہے دیکھو — شعلۂ آہ نکالے ہے جگر سے باہر
خانے میں چشم کے یہ نہیں لختِ دل اسیر — ہیں طفل اشک کے یہ کبوتر نگار بند
ہم اس آئینہ رو کے ہجر میں کیا[1] زیست کرتے ہیں — کہ سکتے کی سی حالت ہے، نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
ٹھہر جاتے ہیں یوں مژگانِ چشم تر پہ لختِ دل — کہ جس کے روبرو پانی دُرِ خوش آب بھرتے ہیں
ترے سلک دُرِ دنداں کی ایسی آبیاری ہے — لب دریا مسافر جس روش آ کر اترتے ہیں

آرام، مکھن لال

مکھن لال آرام، قوم کا یتھ سری باستب، ساکن[2] دارالخلافہ، شاگرد محمد نصیر الدین نصیر جوانِ شایستہ و با ادب، رفیقِ شفیقِ خیر طلب، حلیم الطبع، کریم الاخلاق، توجہ فرمائے سراپا اشفاق، تلاش فارسی و ہندی می کند۔ بیشتر اشعار او[3] حظ بخش قلوب محبان است۔ از[4] ریختۂ اوست۔

ہمدمو مجھ سے یہ کہتے ہو نہ تو یار سے مل ٭ اس کو سمجھاؤ ذرا یہ کہ نہ اغیار سے مل
چاند کے گرد گھٹا سی وہیں چھائی یکبار — دود قلیاں جو اٹھا یار کے رخسار سے مل
دل کا آرام جو منظور تجھے ہے آرام ٭ مان کہنا، نہ پھر اس شوخ ستمگار سے مل
بن ساقی اب[5] یہ ابر بہاری سخت ہمیں ترساتا ہے — مینائے سے قلقوں کی طرح سے خونی اشک رلاتا ہے

افسوس، مرزا غفور بیگ

مرزا غفور بیگ افسوس۔ از شاہجہاں آباد، قوم مغل تورانی، شاگرد ہدایت اللہ خاں ہدایت، سیرتِ خوب دارد و فکر مرغوب و بعضے گویند کہ ماہی گیر است۔ اکثر ماہی زبان را آشنائے بحر سخن می سازد۔ کلامش[6] با مزہ و پُر کیفیت است۔

---

1 سرور: یوں۔ 2 ل ''ساکن۔ تا۔ خیر طلب'' محذوف، 3 اصل میں پہلے: نشاط افزائے خاطر اندوہگیں وحسرت پیرائے قلوب دوستاں۔ صداقت تضمین است۔ ایں ابیاتِ لطیف۔ ل: فرح بخش...... ایں ابیات از ریختۂ اوست ☆ ل میں ندارد، 4 سرور: کب، 5 سرور: اب (سرور)، 6 قومِ اوزبک۔ شاگردِ ثناءاللہ فراق۔ با احقر آشنا بود... از چندے ازیں سپنجی سرائے درگزشت۔

منہ دکھا کر بت عیار چھپانا کیا تھا
تھا یونہیں تجھ کو چھپانا، تو دکھانا کیا تھا

گر چکا تھا ہی یہ دل کب کا نظر سے اس کی
زلف گر تھام نہ لیتی تو ٹھکانا کیا تھا

یار در پر ہے، خدا خیر کرے
خانہ بے در ہے، خدا خیر کرے

کیوں نہ فردوس سے بہتر وہ گلستاں ہوگا
زیب جس باغ کا وہ سرو خراماں ہوگا

وحشت و شور و جنوں، نالۂ شب، آہِ سحر
دشمن جان یہ نکلے ہیں کدھر سے میرے

کفِ پا سے جو ظالم مل رہا ہے
کسی کا خون ہے یہ کیا حنا ہے

ترے اس چاند سے مکھڑے پہ پیارے
نہیں زلف سیہ، کالی گھٹا ہے

گل رخسار سے جس کے چمن میں گل ہوں شرمندہ
مقابل چشم کے افسوس کیا نرگس بچاری ہو

اعظم، اعظم خاں

اعظم خاں اعظم، متوطن شاہجہاں آباد، قوم افغاں از تلامذۂ[1] میاں نصیر الدین نصیر۔ ظریف الطبع، نکتہ یاب، دقیقہ رس، فضیلت مآب، از چندے زبان سخن گوئی بستہ و بند خاطر ازیں تلاش واگسستہ۔ از خدمت سراپا برکت حکیم غلام علی خاں و مولوی محمد کاظم بہ تحصیل علوم متعارفہ استفادہ می پردازد۔ ایں اشعار دل آویز از موزونی طبع رسائے اوست۔

بر میں عاشق کے ترے خلعتِ عریانی ہے
سرو ساماں بھی اسے بے سروسامانی ہے

چھوڑتا کب ہے ترے ترکشِ[2] مژگاں کا خیال
دل عاشق بھی کوئی شیرِ نیستانی ہے

سرزنش کس کے رگِ پا سے اسے ہے فصّاد
خونچکاں نیشترِ خارِ بیابانی ہے

بے حجابانہ لبِ بام پہ آ، رشک قمر
سامنے چادرِ مہتاب ترے تانی ہے

کب یہ عکس دام کم ہے جوشنِ فولاد سے
ہے اسیری میں لڑائی صید کو صیاد سے

تو بھلادے مجھے دل سے تو یہ[3] لاچاری ہے جاں
ورنہ میں[4] یکدم نہیں خاموش تیری یاد سے

قاعدہ دانی پہ تیری حرف اعظم آئے گا
چشم کو اس شوخ کی نسبت نہ دینا صاد[5] سے

---

1 سرور، 2 ل: نرگس مژگاں۔ حاشیۂ کاتب، نرگس مژگاں ندیدہ شد۔ اگر مرکش مژگاں گویم ہم تشبیہ موقع نیست۔ کیول رام، 3 ل: یہ تو، 4 ل: ایک دم میں، 5 ل: صواد۔

اس کے گھر کا نام لے قاصد غلط پکڑا گیا — سخت رسوائی ہوئی یارو جو خط پکڑا گیا

کیا فراغت قافلے کو اشک کے حاصل ہوئی — ہر شرارِ آہ سوزاں آتشیں منزل ہوئی

اسی مضمون سے معلوم اس کی سرد مہری ہے — جو اس نے مجھ کو نامہ کاغذِ کشمیر پر لکھا

تنِ برشتہ پہ کیونکر نہ ہووے گلکاری — کہ آج بر میں ہے اس کے لباسِ پھلکاری

دردِ دل ازبس طبیبوں سے نہاں رکھتے ہیں ہم — شمع آسا نبض زیرِ استخوان رکھتے ہیں ہم

قبا کے بند جو ہو مہربان کھول دیے — ہزار عقدۂ دل تم نے، جان کھول دیے

برا ہے دل کا لگانا کسی سے اے اعظم — سمجھ تو یا نہ سمجھ ہم نے کان کھول دیے

آزادہ، رام سنگھ

رام سنگھ آزادہ[1]، شاعرے بود نابینا، شعر فارسی و ہندی می گفت، عازم دارالسلطنت لاہور گردیدہ بدارالملک جاودانی شتافت، منجملہ[2] تصانیفش مطلعے کہ بمن رسید، در پیش مصرع اش قافیہ عالم و در مصرع ثانی قافیہ تبسم بود۔ تحریر آں را خلاف[3] محاورہ، امانا چار انگاشتہ، بپاس بقاے نامش[4] کہ سوائے ازیں در دنیا[5] بیش نداشت، ایں طور قافیہ اش را درست کردم و برنگاشتم[6]:

ان دنوں پیارے ترا طرز تکلم اور ہے — طور چشمک اور ہے وضع تبسم اور ہے

اخوند، شیخ احمد

حافظ[7] شیخ احمد اخوند تخلص، اصلش پنجاب و مولدش خاک پاک دہلی، طالب علم حافظ

1۔ باطن، یادگار: آزاد و سرور: آزادہ۔ مشاعرۂ مہدی علی خاں مرحوم باوجود عدم بینائی بہ اشتیاق تمام رسید، 2۔ اصل میں پہلے: یک مطلع منجملہ تصنیف غزلہا تش، 3۔ اصل میں پہلے: خلاف قاعدہ دانی انگاشتہ، 4۔ اصل میں پہلے: نام او، 5۔ اصل میں پہلے: فرزندے یا برادرے دیگر ندارد، 6۔ ل میں ندارد، 7۔ اصل میں پہلے: شیخ احمد یار احمد۔ سرور: شیخ غلام احمد اخوند شاگرد ولایت زادے ست۔ با راقم تعارفے دارد، قاسم: شیخ احمد یار۔ اصلش پنجاب۔ مولدش، خاک پاک دارالخلافہ۔ نسبت تلمذ بہ یکے از شعرائے ایران دارد۔ اشپرنگر نے غلام احمد اخوند اور احمد یار کو الگ مانا ہے۔

قرآن، فصاحت [1] بیان، شعر خود را بہ نظر یکے از شعرائے ایران دیار گزرانیدہ۔ بہر دو زبان واقف ورائے [2] آں انسان خلیق و با مزہ و پُر حیاست۔ فکر بسیار درست دارد (وکلام بصفا می [3] گوید)۔

کیا خوب ہو گر تم سے اشارات کی ٹھہرے — آنکھوں [4] میں یونہیں حرف و حکایات کی ٹھہرے

نے مجھ کو رسائی ہے نہ خواہش ہے تمھیں کچھ — پھر کون سی صورت جو ملاقات کی ٹھہرے

بے وفا بس بے وفائی ہو چکی — آ، گلے [5] لگ جا جدائی ہو چکی

ہے [6] یہی اپنا جو دست نارسا — پاؤں [7] تک تیرے رسائی ہو چکی

آہ و الم واشکِ رواں، نالۂ جاں کاہ — رکھتا ہوں ترے غم میں یہ سامان ادھر دیکھ

آزاد

آزاد [8] تخلص شخصے بود در دورۂ سابقین، شعر رطب و یابس بحسب قیافہ خود می گفت:

اس دور میں ہے رونق بازار ہنر کیا — پھر آکے یہاں کیجیے اظہار ہنر کیا

الفت، رائے منگل سین

رائے منگل سین الفت، متوطن عظیم آباد (شاگرد قلندر بخش جرأت) از اتفاق روزگار وارد دہلی گشتہ۔ غزلے طرحی مشاعرہ خواندہ بود از اں جملہ ایں دو شعر یاد خاطر ماندہ۔

اس طرح چھپ چھپ کے جاؤ گے اگر دو چار کے — مفت میں ہو جائیں گے برباد گھر دو چار کے

ہر قدم پر یاں تلک آنے میں سو سو ناز ہیں — کیونکہ گھر جانے لگے شام و سحر دو چار کے

امّی، روشن بیگ

روشن بیگ، امّی تخلص، بود و باش او در دہلی۔ شاگرد شاہ محمد نصیر نصیرؔ، از چندے شوق سخن

---

[1] ل: سخن سنج، [2] اصل میں پہلے: علاوہ، [3] ل سے اضافہ، [4] سرور: چتون، [5] سرور: آ گلے سے لگ، [6] سرور: گر یہی ہیں۔ دست اپنے پارسا۔ نساخ: گر یہی ہیں، [7] شیفتہ: اس کے پاؤں تک، [8] اصل میں برحاشیہ۔ سرور: نامش میر۔ عشقی۔ یادگار میر فقیر اللہ۔ یہ اور کوئی تو نہیں۔

گوئی[1] در خاطرش متمکن گشتہ۔ مصرعی[2] از تالیف شریف مرشدزادۂ عالمیاں، ولی عہد مرزا ابوظفر بہادر دام اجلالہ، در مقطع غزل خود کہ تضمین نمودہ، قلمی میرود لآلی سخن را بہ فیض استادوالانہاد بپایۂ تحسین رسانیدہ۔

ظفر کا قول مجھ کو یاد ہے میں گرچہ ہوں اُمّی ☆ جو دانا ہیں نہیں وہ سبحۂ صد دانہ رکھتے ہیں
بدقت ناتواں میرا قدم رکتا زمیں پر ہے ☆ کبھو اٹھتا زمیں سے ہے کبھی گرتا زمیں پر ہے
یا تو وہ مارا گیا یا وہ نظر بند ہے ☆ کیا ہوا قاصد کو ہائے اب تو خبر بند ہے

اظہر، غلام محی الدین

غلام محی الدین اظہر، پسر منیر[3] غلام حسین سروری، فارسی گو کہ شاگرد نظام خاں معجز است۔ مردے معلم، صاحب علم، اہل دیوان، ناظم شعر فارسی و ہندی، بہ کشش آب وخور از دہلی بہ قلعۂ کالپی رفتہ، در اصلاح شعر ہندی نسبت تلمذ بہ میر فرزند علی موزوں دارد۔ از وست:

رکھتی ہے مری جان کو مضطر طپش دل ☆ دکھلائے گی ہنگامۂ محشر طپش دل

آفریں، شیخ قلندر بخش

شیخ[4] قلندر بخش سہارنپوری آفریں تخلص، شخصے است پیرزادہ ساکن دارالسرور سہارنپور۔ درعروض[5] وقافیہ دسترس دارد واشعار انواع واقسام تالیف سازد[6]۔ ازوجہ ائمہ املاک بسر برد اوقات

---

1 شیفتہ: ازعلم بے بہرہ بود۔ 2 ل: ندارد+ل میں زائد۔ 3 شیفتہ اورنساخ نے میر غلام حسین سروری کا شاگرد لکھا ہے، قاسم نے بیٹا اور شاگرد لکھا ہے۔ سرور نے میر فرزند علی موزوں کا شاگرد لکھا ہے۔ 4 اصل میں پہلے: میاں۔ 5 اصل میں پہلے: گویند کہ نسبتش بہ حضرت ابوحنیفہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ می رسد (حاشیے پر)۔ ل: گویند کہ نسبتش بہ حضرت ابوحنیفہ امام اعظم می رسد۔ انجا ازوجہ ایمہ املاک بسر بُرد اوقات می نماید۔ مرد خوب است وطبع مرغوب۔ در عروض وقافیہ دسترس دارد واشعار انواع واقسام تالیف ساختہ۔ 6 سرور: چنانچہ رسالہ در علم بدایع مسمی بہ تحفۃ الصنایع تالیف نمودہ۔ دیوانے ضخیم در اقسام شعر مرتب کردہ، مثل معما ولغز ومثنوی ومناقب وقصائد۔ (سرور سے ملاقات بھی تھی)

می نماید، مرد خوب است وطبع مرغوب دارد۔ بالفعل در سہارنپور بہ فن[1] ریختہ گوئی بتلاش معنی و دقیقہ شناسی دیگر[2] کسی ہمسری او کردن نمی تواند۔ ایں ابیات دلچسپ از طبع دلآویز اوست:

پہلے تو کرکے دل کو گرفتار زلف نے — آخر کو رفتہ رفتہ رکھا مار زلف نے

ہے وہ دوراب کہ پھریں[3] اس کی بھی آنکھیں ہم سے — کس کو یارب میں غمِ گردش ایام لکھوں

بس میں کر اپنے بتاں باتیں بتاتے ہیں مجھے — نظروں میں دل کو چھین کر آنکھیں دکھاتے ہیں مجھے

زبس کہ دل ہے مرا بیقرار خندۂ گل — چمن میں کیوں نہ کروں جی نثار خندۂ گل

ہنسی ہنسی ہی میں دل لے گیا وہ غنچہ دہن — ہوا ہوں مفت میں یارو شکار خندۂ گل

نہ جا چمن میں تو اے[4] آفریں کہ جوں غنچہ — لبوں میں اس[5] کے نہاں ہے بہار خندۂ گل

پڑیں ہیں لاکھ گرہیں[6] اپنے دل پہ غیر سے تم — کہو ہو جب گرہِ زلف باز کرنے کو

کل تم جو ہم سے آنکھ چرائے چلے گئے — حسرت رہی یہ آہ کہ آئے چلے گئے

شب تجھ بغیر بزم میں تک تک کے راہ ہم — جوں شمع سیل اشک بہائے چلے گئے

ہم اس سرائے دہر میں آئے چلے گئے — فرقت کے چند صدمے[7] اٹھائے چلے گئے

اہل نظر کی آنکھ میں یہ قصہ ہائے دہر — سب اک خیال وخواب ہیں، آئے چلے گئے

جوں شیشہ تیری بزم میں یکدم نہیں قرار — ہم ساغر شراب ہیں آئے چلے گئے

نہ فقط چشم میں آنسو کی تری رہتی ہے — نت یہ جوں شیشۂ مے خوں سے بھری رہتی ہے

تیری ابرو کا جہاں زخمی ہو واں طاق پہ یار — حکمت شیخ وفلاطوں بھی دھری رہتی ہے

بہت ہیں گرچہ تمھیں اور ناز کرنے کو — برے تو ہم بھی نہیں دل[8] نیاز کرنے کو

نگاہ خشم تو تھی پر مری شہادت پر — مژہ کی دیکھو زباں تک دراز کرنے کو

☆

لب و دندان وزلف وخط و خالِ نازنیں پانچوں — اڑا[9] لے گئے مرا دل ہوش وصبر وعقل ودیں پانچوں

---

1 اصل پہلے: در، 2 اصل (برحاشیہ) دیگرے، 3 ل: ان کی، 4 ل: اب، 5 ل: ان کے، 6 ل: گرہ، 7 ل: صد میں، 8 ل (حاشیۂ کاتب) دل نیاز کردن بجاے دل نثار کردن خلاف محاورہ۔ مگر در دیہات جاری است (کیول رام)۔ ☆ ل سے اضافہ 7 شعر۔ 9 ل (حاشیۂ کاتب) ساقط الوزن است۔

خجل ہیں آگے اس ہونٹوں کی شیرینی و سرخی کے — نبات وقند وعناب وعقیق وانگبیں پانچوں
مثالِ ابر خونِ دل میں اپنے تر ہی رہتے ہیں — سدا چشم ومژہ دامان ودست وآستیں پانچوں
غلط ہے ہاتھ پر نام حنا رکھ سرخرو ہونا — کسی کے خوں میں ہیں یہ انگلیاں ظالم بھریں پانچوں
مے وساقی وابر وگل، ہوا کس کام کے تجھ بن — پہنچ جلدی کہ پھر یکجا ہوں یہ ممکن نہیں پانچوں
اٹھا کر تیغ قتلِ دل پہ ہیں نت متفق باہم — نگاہ وغمزہ وابرو، مژہ چینِ جبیں پانچوں
ولی وآبرو اول، اور اب مرزا ودرد ومیر — سخن کے ہیں غرض استاد یہ اے آفریں پانچوں

افسر

افسر تخلص از سکنۂ مرادآباد، روانی طبع او از آب وتابِ کلامش نیکو ہویداست۔ باراقم ملاقات نیست، ازیں مطلع او آشناست۔

چھپ گیا پردے میں ہنس کر جب وہ ہم کو ٹال کے — گر پڑے[1] رو رو کے ہم منہ رکھ تلے رومال کے

آفاق، میر فرید الدین

میر فرید الدین آفاق، خلف میر[2] بہاء الدین کہ از اقربایان[3] حضرت سلیمان شاہ مرحوم[4] ساکن قصبہ جلال آباد، شاگرد ثناء اللہ خاں فراق کلاہ درویشانہ برسر داشتہ، اکثر در مشاعرہ ہا وارد می شود وغزل طرحی سرانجام می دہد۔ حالا از دہلی بوطن مالوفہ یا جاے دیگر رفتہ باشد۔ بہر کیف جوان قابل وصاحب تلاش است۔ فکر تازہ دارد۔[5]

رخ نہیں صبح سے کم، زلف نہیں رات سے کم — اس پری[6] کا نہیں عالم بھی طلسمات سے کم
اشکِ تر چشم سے جس دم کہ ہمارے نکلے — مرد ماں کہنے لگے دن کو یہ تارے نکلے

---

1. ل: بس رو کے ہم۔ 2۔ اصل میں پہلے :از نجیب زادہ ہاے۔۔۔ل:''میر'' اضافہ۔ 3۔ ل (حاشیۂ کاتب) اگر چہ در فارسی درست است کہ صیغہ جمع عربی را واحد پنداشتہ بطور خود فارسیاں جمع می رساند۔ چنانچہ حوراں جمع حور کہ خود جمع است مگر جمع اقربا اقربایاں بملاحظہ نیامدہ۔ 4۔ ل: علیہ الرحمۃ است۔ 5۔ ل: درست دارد۔ 6۔ ل: پری، محذوف۔

ساقیا ساغرِ مے جلد پلانا ہم کو — دورِ مجلس میں کہیں چھوڑ[1] نہ جانا ہم کو
ہاتھ کا اس کے خط لکھا لایا — تیرے قاصد میں ہاتھ کے صدقے
اس گل سے مل کے پویں[2] گے جام شراب ہم — لالے کا دل جلا کے کریں گے کباب ہم
اخگر یہ لوٹتے ہیں پڑے گلبدن بغیر — پھولوں کی سیج پر نہیں کرتے ہیں خواب ہم
میں ہاتھ جو زلفوں کو بھولے سے لگا بیٹھا — بل کھا کے وہیں ظالم دشنام سنا بیٹھا
تسکین ہوئی دل کو، آرام ہوا جی کو — وہ راحت جاں میرے پہلو میں جو آبیٹھا
صبرو دل ودیں طاقت سب نذر کیے ہم نے — اس پر بھی بھلا جانے تو کیوں ہے خفا بیٹھا
بے ساختہ چھاتی سے لپٹ جائے ہے میری — ہوتا ہے جو وہ شوخِ طرحدار نشے میں
میخانے میں دنیا کے ہر اک مست ہے غافل — ہے مرد وہی جو رہے ہشیار نشے میں
آفاق ذرا شیشۂ دل رکھیو سنبھالے — آتا ہے ادھر پھر وہی میخوار نشے میں
ہجو کرنی کسی کی اے آفاق — رو سیاہی ہے نزد ہر کہ و مہ
جو کرے ہجو اس کی کچھ مدح[3] — دہنِ سگ بہ لقمہ دوختہ بہ

آغا، مرزا آغا جان

مرزا[4] آغا جان آغا تخلص در لکھنؤ، از اقربائے نواب حسن رضا خاں بہادر[5] مرد مستعد و خلیق است۔ در مرثیہ خوانی مہارت کماہی بہم رسانیدہ۔ کمتر بفکر ریختہ مصروفیت دارد۔ از نتائج طبعش بندۂ ذکا بیتے بصفحہ تسطیر می کشد۔

اے[6] بت تجھے اپنا تو کبھو رام نہ پایا — ہم نے بخدا تجھ سے کچھ[7] آرام نہ پا[یا]

ارمان

ارمان تخلص، باشندۂ لکھنؤ، ایں دو بیت از وے بمن رسیدہ۔[8]

---

1 سرور: بھول، 2 ل (حاشیۂ کاتب) "پویں گے" روز مرۂ دہاتیں است۔ در شاہجہاں آباد 'پییں گے'، مستعمل است (کیول رام)، 3 ل: ثنا، 4 اصل میں حاشیے پر ہے، 5 ل سے اضافہ، 6 سرور: اے بت کبھو اپنے سے تجھے رام نہ پایا۔ 7 سرور: تو۔ 8 اصل میں از دست تھا۔ ل میں ندارد۔ مرتب نے خارج کیا۔

چرچا ہوا ہے گھر گھر اب دیکھیے کہ کیا ہو
دو دن نہ چھپ سکی تو، چاہت ترا بُرا ہو

کون کہتا ہے اجی[1] تم سے، نہ گھر جاؤ تم
پر کوئی بات تسلی کی تو کر جاؤ تم

امیؔن، مرزا محمد اسمٰعیل

مرزا محمد اسمٰعیل امیؔن از دہلی است۔ پیش ازیں وحشی ہم تخلص می کرد و مرد سپاہی پیشہ است۔ بسبب کساد روزگار معلمی اختیار کردہ۔ با بندہ ذکاؔ ہم آشنا ست۔ فکر خوش دارد۔

تجھ پہ عاشق ہوئے ہیں ہم جب سے
جان سے ہاتھ دھو چکے تب سے

دن تو کٹتا ہے ہر طرح لیکن
جی دھڑکتا ہے ہجر کی شب سے

زاہدا، دیکھ ہے امیؔن بے باک
کیوں[2] الجھتا ہے رند مشرب سے

گلشن میں جب اس گل کا وا بندِ قبا ہوگا
کیا جانیے بلبل کی، پھر جان پہ کیا ہوگا

کیا غضب تیری آن ہے پیارے
میری اس میں ہی جان ہے پیارے

سرو کب تیری دھج کو پہنچ[3] سکے
تو بڑا نوجوان ہے پیارے

لپٹ بادِ صبا کب طرّۂ سنبل نے یہ پائی
خدا جانے کہ بوئے زلف[4] تو کس کی اُڑا لائی

گلابی انکھڑیوں سے تیری کیوں نرگس[5] نہ شرما دے
کہاں پائی میاں اس زرد رو نے ایسی بینائی

اپنی تو وہی عید ہے جس روز کہ ہمدم
مکھڑا[6] نظر آجائے لب بام کسی کا

خدا جانے کہ قاصد راہ میں ہے یا کہ جا پہنچا
کہیں خط کھو دیا، یا اس کو لے جا کر دیا، پہنچا

نزاکت پر ٹک اُس دست نگاریں کی نظر کرنا
کہ طرّے سے گلوں کے ہائے جس کا مُو گیا پہنچا

آشناؔ، مہا سنگھ

مہا سنگھ آشناؔ، شخصے است کھتری، ساکن شاہجہاں آباد، شاعرے مقررے فارسی، خیلے سلیم الطبع مسکینیت وضع، گاہے ریختہ ہم بروے کار آرد[7]، ایں شعر، او تالیف کردہ:

---

1 ل: بھلا، 2 قاسم: بولنا مت تو رند مشرب سے، 3 ل (حاشیۂ کاتب) پہنچ بسکون ہا دیدہ نشنیدہ۔ بالفتح می بایست (کیول رام)، 4 ل، سرور: کس کی تو، 5 ل: سنبل، 6 نساخ: مکھڑا وہ نظر آئے، 7 ل میں محذوف۔

تری برگشتہ مژگاں جب سے یہ دیکھی ہیں اے ظالم　　　وہی آن اب تلک جی میں مرے ہردم کھٹکتی ہیں

امینؔ، محمد امین

محمد امین، امینؔ مردے بود سیّد در بلدۂ بنارس، شاگرد میر غلام علی ساکن قصبۂ بلگرام[1] کہ آزاد تخلص می نمود۔ از ریختہ گوئی میل خاطر بدرجۂ داشت۔ سخن بہ تلاش می گفت۔ شعرش متانت دارد:

دل سے کہہ دو کہ آہِ سرد کے ساتھ　　　ٹھنڈے ٹھنڈے چلے تو چل نکلے

کیوں شعلہ رخو مجھ کو جلاتے ہو کہ سینہ　　　رکھتا ہوں میں گل خوردۂ رنگِ پر طاؤس

ظالم یہ ہوا خواہ ترا صلح طلب ہے　　　تھا جب سے کہ تو مایل جنگِ پر طاؤس

افسرؔ، غلام اشرف

غلام اشرف، افسرؔ تخلص، آبا و اجداد وے چودھری گاوخانۂ سرکار والا بودند۔ بیشتر سلام و مرثیہ و مناقب وغیرہ تصنیف می کند[2] وشعر ہندی ہم بسیار گرم و برجستہ از و اسلوب پذیری می گردد۔ اشعار پاکیزہ گفتارِ خود را بہ نظر میاں غلام ہمدانی مصحفیؔ در آوردہ، حالا در لکھنؤ استقامت دارد:

جب دیکھے ہے مہ، داغ سیہ اپنی جبیں پر　　　آتا ہے اسے رشک ترے روے حسیں پر

معلوم نہیں کیا ہے تہِ خاک تماشا　　　نرگس کی جو رہتی ہے جھکی آنکھ زمیں پر

چہرے پہ ماہ کے نہ کیا کر خیال تو　　　آئینہ لے کے دیکھ ٹک اپنا جمال تو

فرہاد، کیا حصول جو کہسار توڑیے　　　شیریں ہی کے نہ قصر کی دیوار توڑیے

الفتؔ

الفت[3] تخلص[4] ساکن قصبہ مظفر نگر کہ شہرے مختصر در ضلع میانِ دوآب واقع است۔ بحسب رواجِ بیرونجات، بہر حال[5] بہتری گو مید۔

---

1 اصل میں اور ل میں ''بالگرام'' ل میں حاشیۂ کاتب: بالگرام بدیں رسم الخط غلط است بلکہ بلگرام باید نوشت (کیول رام)، 2 اصل: می دہد، 3 اصل میں حاشیے پر، 4 سرور: نامش معلوم نہ گردید، 5 ل سے اضافہ۔ اصل میں لکھ کر خارج: ''بہر حال'' قلمزد کر کے بسیار بہ می گوید۔

ہمیشہ کہتے تھے الفت کو لوگ زشت نصیب — سو آج کوچے میں تیرے ہوا بہشت نصیب

اخترؔ

اخترؔ تخلص، سلاطینِ نامدار عالی مرتبت[1] والا اقتدار است۔ ذوق شعر گوئی بخاطر دریا مقاطرش جا گرفتہ۔ ایں غزل از نتائج طبع وقار اوست:

صنم کے دردِ جدائی میں دم چلا میرا — ملاوے دیکھیے کب تک اسے[2] خدا میرا
مجھے بھی ہٹ ہوئی ایسی کہ مرمٹا لیکن — نہ تیرے کوچے سے ہرگز[3] قدم ہٹا میرا
نہ چرخ دے مجھے چرخِ کہن برائے خدا — نہ آزما کہ ابھی عشق ہے نیا میرا
کہوں میں دردِ جدائی ذرا ذرا اس سے — جو آوے رات کو اخترؔ وہ مہ لقا میرا

اکبرؔ، سید اکبر علی خاں

مکرم الدولہ سید اکبر علی خاں بہادر مستقیم جنگ المتخلص بہ[4] اکبرؔ، برادر حقیقی نواب تاج محل صاحبہ والدہ ماجدہ مرشد زادہ جواں بخت مرزا جہاندار شاہ بہادر نور اللہ مرقدہ، مردے رعنا، پاکیزہ خصلت، نیک سیرت بود[5]، بخوبی ہائے انواع واقسام حسنِ اشتہار داشت۔ بسیار صاحبِ تمکنت واہلِ سطوت بہ تحقیق پیوست۔ در علم موسیقی مہارتے کلی بہم رسانیدہ، گاہ گاہے ہمت والا بہمنت بتلاش شعری گماشت۔ فی الحقیقت تلاشے کامل بکار می برد:

اول تو آ کے میرے اس دل میں جا کرے ہے — من بعد وہ ستمگر کیا کیا جفا کرے ہے
اے مرغِ دل قفس میں ناحق ہے آہ و نالہ — صیاد فصلِ گل میں کب در کو وا کرے ہے
خواہش نہیں ہے مجھ کو اب زندگی کی اس بن — تو اے طبیب ناحق میری دوا کرے ہے
طوفاں سے کم نہیں ہے اکبرؔ کا دیدۂ تر — دیکھ اس کو ابر بھی یاں پانی بھرا کرے ہے
کیا دوانا ہوں جو تیرے عشق کا سودا کروں — سلسلہ زنجیر کا اب پھر کے میں برپا کروں

---

1 ل: مراتب، کذا، 2 سرور: مجھے، 3 شیفتہ: اٹھا قدم میرا، 4 ل ''بہ'' محذوف، 5 قاسم: انتقال ہوئے کچھ عرصہ گزرا۔ ☆ل میں ندارد۔

کب میں کہتا ہوں تجھے، آ کے مسیحائی کر ☆ ایک دم تو کبھو آ دلِ بیمار کے پاس
کیا کیا جفا و جور سہے یار کے لیے ☆ ہے گرم قتل پر مرے اغیار کے لیے
کچھ اپنی زندگی نظر آتی نہیں خدا ☆ ہوں نیم جاں میں اس بتِ عیار کے لیے

اسلام، شیخ الاسلام

شیخ الاسلام اسلام، ساکن قصبہ تھانہ مضاف صوبۂ سرکار سہارنپور، گویند کہ در آنجا بہتر ازیں بالفعل[1] شاعرے دیگر نیست۔

سست پرواز ہیں اے دل تری تدبیر کے پر ☆ ساتھ اس کے نہ لگیں جب تئیں تقدیر کے پر
مردہ دل بات کہے لاف کی توہیچ ہے وہ ☆ قابل اڑنے[2] کے نہیں طائر تصویر کے پر
ظلم ظالم کا پسِ مرگ بھی رہتا ہے بجا ☆ ہیں یہ بازوے عقاب اب جو بنے تیر کے پر

اشک

اشک تخلص شخصے بود ساکن رامپور قوم افغان، اشعار بقدرِ فکرِ خود می گفت۔ بیتے از مناقب تالیف کردۂ او نگارش می رود:

اے اشک تو کیوں نکلا محشر میں کفایت ہے[3] ☆ تجھ چشم کو گر گریاں شبیر کا غم رکھے

اکبر میاں بجو

میاں بجو اکبر تخلص شخصے بود از نقیبانِ ملازم حضور فیض گنجور، شاگرد شیخ ظہور الدین حاتم[4] اشعارش ناخن بدل می زند، بعضے[5] گویند کہ اشعار دیگراں ہم بنام خود مشہور می کرد۔ (واللہ اعلم بحقیقت حال[6]) بہر کیف ایں ابیات از تالیف او بقلم آوردہ شد:

1؎ ل سے اضافہ۔ 2؎ ل: اوروں۔ 3؎ ل: سے ہے۔ 4؎ مصحفی: درآں ایام کہ فقیر در شاہجہاں آباد طرح مشاعرہ انداختہ اول برائے اصلاح شعر رجوع بہ فقیر آوردہ بود۔ بعد چندے بخدمت شاہ حاتم رفتہ۔۔۔ حالا صاحب دیوان است۔ 5؎ اصل میں بعضے گویند کی جگہ پہلے تھا: مگر قباحتِ کلّی این است کہ آں کس۔
6؎ ل سے اضافہ۔ ☆ ل میں ندارد۔

دل میں جو آج درد ہے اکبر کے دوستاں
کس کی نگہ کے تیر کا[1] پیکان رہ گیا

ہے بر میں میرے یار کے کیا جامہ پچھن کا
جو پاٹ ہے جامے کا وہ تختہ ہے چمن کا

جوں پردۂ فانوس میں ہو شمع درخشاں
یوں جھمکے ہے جامے میں ترے رنگ بدن کا

یہ جتنے خوبرو سرکش ہیں ان کو خوب دیکھا ہے
گئے پر حسن کے اک ایک کے یہ پاؤں پڑتے ہیں

خدا چاہے سو ہووے اب ہمارے حق میں اے اکبر
صنم سے اپنے پھر ہم[2] آج اک بوسے پہ اڑتے ہیں

چھیڑا جو ٹک اسے تو بگڑ کر کہا کہ واہ
تم کون ہو جو ہات لگاتے ہو ہات کو

نقد جاں پر کیجیے بوسے کا سودا اس گھڑی
آپ کا اے مہرباں چاہے اگر سو بار جی

سینے میں دل کہاں ہے تو اس کو مت ٹٹولے
پیارے بجائے دل ہیں یاں سیکڑوں پھپھولے

وہ ایک دن نہ سویا میرے گلے سے لگ کر
آتے ہیں میرے دل میں رہ رہ کے یہ ملولے

آلم صاحب میر

میاں صاحب میر المتخلص بہ آلم خلف[3] رشید حضرت[4] خواجہ میر درد (انار اللہ[5] برہانہ) بسیار متواضع و حلیم الطبع، نیک ذات، ستودہ اطوار۔ بموجب رویۂ خاندان عالی صدر نشین چار بالش تمکن و افتقار است[6] و سرشتۂ سخن سنجی از دست نداده۔ بغایت خوش فکر و صاف گو و طرز کلام بعنوان والدِ ماجد و عموی بزرگوار خود پیدا کردہ:

اب تو اس بت کو ہم نے رام کیا
پھر خدا تجھ کو بھی سلام کیا

میں پھروں کیوں نہ بیقرار ہوا
تجھ سے بدقول سے قرار ہوا

مثل آئینہ محوِ حیرت ہوں
آہ کس مکھڑے سے دوچار ہوا

چھوڑتا کب ہوں اب میں یہ دامن
تیری خاطر پہ گو غبار ہوا

چل آلم مجھ کو مت ستا اب تو
لگ چلا بہت[7] یارِ غار ہوا

---

1 ل: سو، 2 مصحفی: ہم بھی آج۔ سرور: ہم پھر آج، 3 یادگار: درد کے قریبی رشتے دار تھے۔ مصحفی: خلف خواجہ میر درد، 4 ل میں محذوف، 5 اصل: اضافۂ مولف، 6 لطف: 1194 میں مرشد آباد، 1215 میں دہلی میں تھے، 7 ل: (حاشیۂ کاتب) مصحفی، عشقی، حیدری: یہ۔

رباعی

نے دل کو قرار بیقراری کے سبب نے چشم کو خواب اشکباری کے سبب
واقف نہ تھے ہم تو ان بلاؤں سے کبھی جو کچھ دیکھا سو تیری یاری کے سبب

دیر و حرم اور یہ کفر و دیں ہم ہی ہیں یار و اغیار و مہر وکیں ہم ہی ہیں
جن[1] کو ہم آلم پوچھتے ہیں غم[2] تم ہو وہ بھی کہتے ہیں تم نہیں ہم ہی ہیں

کیا کہیے آلم ایک گھڑی چین نہیں آیا نظر اب کہ جیتے جی چین نہیں
میں تو بے چین ہوں ہی پر تحفگی یہ بن میرے سنا ہے اس کو بھی چین نہیں

سودا اسے کب تھا یہ کب تھی وحشت بس دیکھ تجھے ہوئی پریشاں حالت
زلفوں کے دام میں آلم سا آزاد آکر پھنس[3] جائے یوں خدا کی قدرت

الہام، شیخ شرف الدین

شیخ شرف الدین المعروف بہ شاہ ملول الہام تخلص[4]، ساکنین لکھنؤ[5] بر درویشی او اعتماد کلی دارند و بغایت معزز و محترم می دانند۔ بیشتر اوقات میل ہمت بہ تالیف سخن فارسی می گمارد۔ گاہ گاہے اشعار متفرق و غزلے بہ پاس خاطر دوستدارے[6] از وسر می زند۔ ایں دو شعر از آں بزرگ[7] نیک نہاد نسبت دارند:

قدر تو نے کچھ[8] نہ جانی گو، برے یا نیک تھے ناز برداروں میں ظالم ہم بھی تیرے ایک تھے
نگہ وہ دشنہ کہ طعنہ کٹار پر مارے مژہ وہ تیر کہ خنجر کو دھار پر مارے

---

1 ل: جس کو۔ 2 ل: تو۔ 3 ل: پہنچا ہے۔ 4 ل: محذوف۔ 5 سرور: اکثر مصلح اشعارِ شاعران لکھنؤ است۔ 6 اصل میں پہلے "کسے"۔ 7 ل میں محذوف۔ 8 سرور: گو نہ جانی یا۔

احسانؔ

احسانؔ تخلص، مردے قابل وذی عزت، از ساکنین لکھنؤ است۔ بندہ ذکاؔ را این مطلع قابل تحسین از تصنیفش دست دادہ۔

مجنوں کو اپنی لیلیٰ کا محمل عزیز ہے　　تو دل میں ہے ہمارے، ہمیں دل عزیز ہے

امیدؔ، قزلباش خاں

قزلباش[1] خاں امیدؔ، مردے بود ایرانی (بسیار[2] عمدۂ روزگار) معاصر سراج الدین علی خاں آرزو شاعر غرّا و زبردست۔ دیوانے فارسی مشتمل بر غزلیات رنگین واشعار عالی از و یادگار و برقرار است[3]، بر سبیل مذکور روزے ایں دو شعر ریختہ از طبع گرامی اش، ریختہ:

یار بن گھر میں عجب صحبت ہے　　در و دیوار سے اب صحبت ہے[4]

یار گھر جاتا ہے یارو کیا کروں　　ہائے گھر جاتا ہے یارو کیا کروں

امجدؔ، مولوی محمد امجد

مولوی محمد امجد، امجدؔ تخلص، وے مردے بزرگ[5] عالم وفاضل درس[6] گو صاحب تصنیف فارسی و ہندی بود۔ در شاعری نسبت تلمذ از نظام خاں معجزؔ کہ یکے از شاگردان قاضی مبارک مغفور بود درست داشت وتحصیل علوم متعارفہ از خدمت مولوی عبدالرسول نمودہ۔ اکثرے از شایقاں بہ یمن تربیت وتلقین[7] او بفیض رسیدہ اند۔ ایں[8] اشعار معجز آثار از ارشاد آں مرحوم رحمت ایزدیست:

بسمل مجھے نہ چھوڑیو اے یار، دیکھنا　　ایسا ستم نہ کیجیو، زنہار دیکھنا

---

1 گلزار، چمنستان، یادگار: نام مرزا محمد رضا۔ 2 اصل: اضافۂ مولف۔ 3 قائم، میر، ابراہیم: طاہر وحید کے شاگرد۔ بہادر شاہ کے زمانے میں ہندوستان آئے۔ 1109 میں انتقال کیا۔ حیدری، وفات 1159ھ۔ سفینۂ خوشگو: وفات 1160ھ۔ 4 سرور: شعر مقلب۔ 5 مصحفی، سرور: از مریدانِ فخر الدین۔ 6 اصل: اضافۂ مولف۔ 7 ل سے اضافہ۔ 8 ل میں محذوف۔

پھرتے ہیں جسے ڈھونڈتے سب شیخ و برہمن — امجد نے اسے حضرت انسان میں دیکھا

جاں بلب، تشنہ جگر، یاں سے چلا جاتا ہوں — ساقیا جلد خبر لے کہ جلا[1] جاتا ہوں

مت ہم آغوشی کو آنا مری اے سیل سرشک — اپنی ہی موج میں، میں آپ بہا جاتا ہوں

ایک عالم نے تری تیغ سے پائی ہے نجات — ان گنہگاروں میں اک میں ہی رہا جاتا ہوں

جس گھڑی آپ کو دیکھوں ہوں میں جوں قطرۂ اشک — اپنی نظروں سے بھی امجؔد میں گرا جاتا ہوں

انیسؔ، حمید الرحمان خاں

نواب[2] امیر الدولہ نوازش خاں بہادر المعروف بہ حمید الرحمان خاں و میاں[3] جان، انیسؔ تخلص سلمہ اللہ تعالیٰ، مورد عنایت ظل الٰہی مشمول عواطف بادشاہی۔ بہ اعظم الامرای نواب امین الدولہ محسن الملک شاہنواز خاں بہادر مستقیم جنگ دام اقبالہ وافضالہ (قرابت[4] ہمشیرزادگی) دارد۔ مردے قدر دان، دانا بے جہان متحمل مزاج، خوش خلق، سراپا ابتہاج، متواضع، دوست آشنا، صاحب سلوک، بامروت و پُرحیا، اکثر برحال ایں بندۂ[5] ذکا ہم شفقت[6] می فرماید (نگارش ایں چند اشعار گوہر بار از روانی طبع آں بحر ذخار علم و ہنر است کہ قدر نسخۂ ہذا می افزاید)[7]۔

قہر ہے، سج دھج، ستم اس چال کا انداز ہے — قد قیامت، ٹھوکر آفت، ہر قدم پر ناز ہے

عشق ہے کہ آفت ہے یا بلائے جانی ہے ☆ آہ ہر طپش دل کی آتش نہانی ہے

عشق میں نہ کھونا جان، دیکھ بس نہ بن انجان — آ انیسؔ کہنا مان، عالمِ جوانی ہے

آنکھ بھی میری طرف محفل میں اب ہوتی نہیں ☆ دل چرا کر آپ بن بیٹھے ہیں کیا انجان سے

رنجشیں ہر آن ہیں ظاہر یہاں ہر آن سے ☆ تم رکے جاتے ہو اب تک، جا چکے ہم جان سے

آہ یہ کس کی یادگاری ہے ☆ آج جو دل کو بیقراری ہے

---

1 سرور: موا، 2 ل: امیر الدولہ نواب، 3 ل: ندارد، 4 اصل میں اس کی جگہ پہلے: نسبتِ فرزندی، 5 اصل میں اس کی جگہ پہلے: کمترین۔ ذکا ''ل'' سے اضافہ، 6 ل: عنایات۔ ☆ ل میں ندارد، 7 ل سے اضافہ۔ اصل میں لکھ کر خارج۔: نگارش چندے اشعار گوہر نگارش مید و دسحر مذاقی افزاید۔ ایں اشعار گوہر بار نسخۂ از دریائے روانی طبع آں بحر ذخار علم و فضیلت و ہنر است۔

ہے شفیق اپنا نہ کوئی، نے رفیق و یار ہے
درد دل کہنا ہے مشکل، ضبط بھی دشوار ہے

وار پر ہے وار دل پر اس کے ترکِ چشم سے
غمزہ ناوک ہے، مژہ خنجر، نگہ تلوار ہے

ضبط سوز دل سے یاں سینے میں سب چھالے پڑے
آہ جو کھینچی تھی سو، ہونٹوں پہ تبخالے پڑے

ایک تو قیدِ قفس ہیں، دوسرے کترے ہیں پر
آہ کس صیادِ بے پروا کے ہم پالے پڑے

بل بے تاثیرِ نگاہِ چشمِ مست اس کی انیسؔ
اس گلی میں رہتے ہیں دو چار متوالے پڑے

ہوگیا اپنا دل صد چاک ہمدستِ بلا
بار بار اے زلفِ خوباں مت لپٹ شانے کے ساتھ

پروانہ چاہیے عوضِ مرغِ نامہ بر
جوں شعلہ میرے شوق کا طومار گرم ہے

☆ سینا جو ہے تو بخیہ گرو سی چکو کہیں
اب تک تو زخم سینۂ افگار گرم ہے

☆ رکھنا سمجھ کے ہاتھ مری چشم پر کہ یاں
ہر قطرۂ سرشک شرر بار گرم ہے

خرید اب دل کوئی ایسا گہر ہووے، تو میں جانوں
یہ سودا لے، جو اس میں کچھ ضرر ہووے، تو میں جانوں

جب تک نہ دم سرد بھروں دل کو نہیں چین
کیا نیند بھلا آوے جو ٹھنڈی نہ ہوا ہو

ٹھہرا ہے انیسؔ آنے کا کل اس سے تو وعدہ
اندیشہ یہی آج ہے کل دیکھیے کیا ہو

بلبل بنا تو پاس مرے آشیاں نہیں
کم برق سے مرا دمِ آتش فشاں نہیں

حسرت ہمیں ہے حایلِ نظّارہ ورنہ آہ
جلوہ طراز، حسن یہ تیرا کہاں نہیں

ایک یہ دل تھا رفیق اپنا سو اس کو دیکھ کر
واہ رے حیرت، گئے کیا دست و پا سب اس کے پھول

دردِ دل، سوزِ جگر، کاہشِ تن، کاوشِ جاں
حضرتِ عشق نے کیا کیا مجھے انعام کیا

پرکالۂ آتش تھا وہ رخسار[1] انیسؔ آہ[2]
چھیڑا جو، غضبناک ہوا، اور بھی چمکا

ساتھ خیلِ حسرت و درد و الم اے جان تھا
جب اٹھا لاشہ ترے کشتے کا، یہ سامان تھا

اظہر، خواجہ اظہر

خواجہ اظہر اظہرؔ، ساکن شہر کہنہ، مردے مستعد[3]، از رفقاے عمادالملک وزیر الممالک نواب

---

1 ل: رخسارِ حسیں۔ 2 اصل میں برحاشیہ۔ 3 اصل میں پہلے ”مردے مستعد“ کی جگہ ”مردے قابل“ تھا۔ ☆ ل میں ندارد۔

غازی الدین خاں بہادر بود[1] شعر بتلاش پاکیزہ می گفت۔ عاصی[2] ذکا دو ابیات منجملۂ تصانیف شریف آں، بقلم شکستہ رقم می دہد:

بہار آئی، جنوں کی پھر، وہی شورش نمایاں ہے
وہی زنجیر و پا ہے اور وہی دست و گریباں ہے

ہر اک مو سے[3] ٹپکتے ہیں دل اے مشاطہ غنچے سے
یہ کلیائی ہوئی سنبل ہے یا زلفِ پریشاں ہے

امیر، شیخ امیر الدین

شیخ امیر الدین، امیر، از رؤسائے بلدۂ نرور معروف است۔ گویند چند سال کوتوالیِ آں دیار بذات او متعلق ماندہ۔ از فکر رسای او فردے در رسید:

خالِ سیہ، رُخ پر ترے، جو یار آتا ہے نظر
مصحف میں یہ نقطہ مجھے، بیکار آتا ہے نظر

اویسی، غلام محی الدین

غلام محی الدین[4] اویسی، اصلش سرہند و مولدش دہلی و حالا در بریلی قیام پذیر است[5]۔ بعضے گویند کہ اویس نام قصبہ ایست و ایں شخص در آں جامی بود۔ ازیں جہت اویسی، تخلص داشتہ و برخی برآنند کہ از سیاداتِ[6] قادریہ اولاد حضرت غوث الثقلین قدس اللہ سرہٗ است۔ بہر حال شاعرِ پختہ فارسی و ہندی و از علوم متعارفہ بہرہ اندوز است۔ ایں ابیات دلآویز طرح کردۂ اوست:

باغ میں گل عذار ہو[7] فصل بہار ہو نہ ہو
ہوں[8] میں غزل سرا، کوئی بلبل زار ہو نہ ہو

کشتۂ عشق ہوں، مجھے، گور و کفن سے کام کیا
آتش دل ہے شعلہ زن، شمع مزار ہو نہ ہو

رکھتی[9] ہے گلستاں کو جوں باد سحر تازہ
ہے آہ[10] سے اب میری ہر زخم جگر تازہ

---

1 سرور: مدتے شد کہ ازیں جہانِ فانی بہ سرائے جاودانی انتقال نمود، 2 اصل میں پہلے 'عاصی' کی جگہ 'بندہ'، 3 ل: میں، 4 نساخ: غلام محی الدین خاں۔ اصل میں حاشیے پر اور ل میں: بضم اول و کسر ثانی و سکونِ یای و کسر سین مہملہ و سکون تحتانی ثانی، 5 یادگار: 1213ھ میں دہلی میں تھے، 1215ھ میں دکن میں۔ قاسم: 1221ھ سے پیشتر بریلی میں انتقال کیا، 6 اصل: سیادت، 7 قاسم: ہے، 8 سرور: میں ہوں غزل سرا ہاں، 9 ل: رکھے، 10 ل (حاشیۂ کاتب) باعثِ تازگی آہ نمی باشد چنانچہ نبودی ایں چنیں مضمون در کلام اساتذۂ مشاہد بصفاتِ معرند است (کیول رام)۔

روتے سے مرے خوباں ہوتے ہیں نپٹ خنداں — اے درد ترا ہم نے دیکھا یہ اثر تازہ

آیا جو مرا قاصد کل یار کے کوچے سے — ق بیتاب ہو میں، پوچھا، کچھ کہہ تو خبر تازہ

تب ان نے کہی مجھ سے وہ بات کہ سنتے ہی — خرمن میں پڑا دل کے یکبار شرر تازہ

یعنی کہ جلایا خط اس شعلہ طبیعت نے — مضمون کہ تھی جس کی ہر ایک سطر تازہ

ہے رمز جو کچھ اس میں، لیکن وہ کوئی سمجھے — جو داغِ محبت سے رکھتا ہو جگر تازہ

یعنی کہ انھیں سے جو ہو سوختہ سرتاپا — جب یار کے جلوے سے ہو نورِ بصر تازہ

اوباشؔ، شیخ امیر الزماں

اوباشؔ تخلص، شیخ امیر الزماں[1] نام (شیخ زادہ ذی[2] الاحترام) ساکن بلدۂ لکھنؤ، شاگرد میاں غلام ہمدانی مصحفیؔ، کلامش لطفے دارد۔ ایں اشعار او[3] دریں جا می نگارد:

چمکے ہے چشمِ تر میں رُخ اس بے حجاب کا — پانی میں جیسے عکس پڑے آفتاب کا

یار مجھ سے وہ مہ جبیں نہ ہوا — ☆ میری خواہش پہ آسماں نہ پھرا

ہوگئے پیر انتظار میں ہم — ☆ تو بھی اوباشؔ وہ جواں نہ پھرا

دل و دیدہ اپنے جو یار تھے، سو وے درد و غم میں پھنسا گئے — ہمیں جن سے چشم تھی[4] لطف کی وہی آنکھ ہم سے چرا گئے

ایمانؔ، شیر محمد خاں

شیر محمد خاں حیدرآبادی، ایمانؔ تخلص، مردے عمدہ زادہ وصاحب دل باصناف خوبیہا ی درآں ضلع اشتہار دارد، خیلے گرم ارتباط، مستحکم اختلاط (اہل[5] تفرس) وذی شعور و دانائے زبان، بے غرور، صاحب[6] تصنیف ہندی و فارسی، نہایت سیر مشق و مستعد مسموع شد، ایں ابیات برجستہ و پُرمعنی از تصنیف آں پسندیدہ اطوار و خجستہ کردار رقم پذیر خامۂ نیاز شمامہ می گردد:

---

1 سرور، مصحفی: شیخ امیر الزماں بجنوری، 2 اصل: اضافۂ مولف، 3 اصل سے خارج: تالیف ساختہ او۔ ل: مولفہ اش۔ ☆ یہ قطعہ بند اشعار ل میں ندارد۔ 4 اصل: چشم امید تھی، متن مطابق سرور، 5 اصل میں پہلے: صاحب فراست، 6 اصل میں پہلے: اہل تصنیف۔

محبت بعد مرنے کے بھی یوں لازم ہے افزوں ہو[1]
کہ لیلیٰ کی لحد پر سایہ گستر بیدِ مجنوں ہو

شبِ ہجراں میں اشکِ گرم آنکھوں سے بہیں جس دم
ہر اک موے مژہ روشن برنگِ شمع واژوں ہو

روا ہے کون سے مذہب میں کہ اے چرخِ نامنصف
دلِ پرویز خوش ہو، خاطرِ فرہاد محزوں ہو

چار آنکھیں مجھ سے کچھ ہوتے ہی شرماتا ہے وہ
ہاتھ تک[2] لگتے ہی میرا پاؤں پھیلاتا ہے وہ

ہاتھ میں چوٹی کا آنا تو بڑا جنجال ہے
نام زلفوں کا اگر لیتا ہوں شرماتا ہے وہ

واہ ری رفتار جوں موجِ گہر
دیکھ کر حیرت سے دریا تھم گئے

غنچگی ہوتی ہے گم جیسے کہ وضعِ گل میں
چھپ گیا رنگ تبسّم گلِ خنداں کے تلے

گلابی لے کے اے ساقی شرابِ ارغوانی بھر
پیالے میں دم صبح آفتاب[3] ارغوانی بھر

ترا، در پردہ ہنسنا بھی گلِ خنداں سے کم کیا ہے
☆ انھیں پھولوں سے دامانِ نقابِ ارغوانی، بھر

تنک اک مژگاں جھٹک دوں تو، جہاں گلزار ہو جائے
☆ مرے آگے نہ اتنا دم سحابِ ارغوانی بھر

غبارِ کربلا کر زندگی میں چشم کا سرمہ
یہی اپنے کفن میں بھی شرابِ ارغوانی بھر

ستاروں کی یہ چشمک ہے شبِ مہتاب میں ساقی
پیالہ ماہ کا لے آفتابِ ارغوانی بھر

عجب ایماں ہیں شیرازہ بند اوراقِ گل یکجا
تو اپنی نظم سے اب یہ کتابِ ارغوانی بھر

جو داغ ہے دل کا سو برنگ پرِ طاؤس
ہو کیوں نہ خجل دیدۂ تنگِ پرِ طاؤس

ہر نوک پہ آتا ہے نظر اک دلِ پُر داغ
مژگاں پہ مری یا ہے خدنگِ پرِ طاؤس

تک کاغذِ آتش زدہ کو غور سے دیکھو
گلزار فنا میں ہے برنگِ پرِ طاؤس

ہے مرہم زنگار کا دشمن دلِ پُر داغ
یاں شہپرِ طوطی سے ہے جنگِ پرِ طاؤس

گلدار بنت کی وہ قبا بر میں ہے اس کے
اڑ جائے جسے دیکھ کے رنگِ پرِ طاؤس

نیرنگیِ گلشن کو میں ایماںؔ جو دیکھا
آنکھوں سے گرا بس وہیں رنگِ پرِ طاؤس

قدم رکھے ہے وہ جس دم رکاب کے گھر میں[4]
چھپے ہے ترکِ فلک آفتاب کے گھر میں

مدام رند خرافات کو یہ لازم ہے[5]
کہ ایک دو تو ہوں شیشے شراب کے گھر میں

---

1 اصل: یہ شعر حاشیے پر، 2 سرور: تک، 3 ل: آفتاب: بمعنی شراب (حاشیۂ کاتب) غبار را بشراب تشبیہ نداده اند (کیول رام) ☆ ل میں ندارد۔ 4،5 اصل میں برحاشیہ۔

بحمداللہ کہ مجھ تک صبح دم پیک صبا پہنچا　　نویدِ دولتِ دیدار کو لیتا ہوا پہنچا

درمدح (مدارالمہام[1]) نواب وزیرالمما لک چنیں گفتہ:

اے ابرِ عنایاتِ خدا آیۂ رحمت　　سرسبز ہوا تجھ سے گلستانِ وزارت

گلشن میں زمانے کے کبھو پیرِ فلک نے　　دیکھا نہیں تجھ سا گلِ خندانِ وزارت

ایمآں کی یہ حق میں دعا ہے ترے دن رات　　اے موجبِ شادابیِ بُستانِ وزارت

طوبیٰ کی طرح سایہ فگن سرپہ جہاں کے　　تا حشر ہو یارب ترا دامانِ وزارت

ایمآ، میر حسین علی خاں

میر حسین علی خاں ایمآ، مردے سید بسیار عالی[2] خاندان، عمدہ معاش ساکن حیدرآباد است۔ درجواب مدح نواب وزیرالمما لک کہ شیر محمد خاں ایمان گفتہ بود، چنیں تالیف نمودہ:

پھبتی ہے تجھے نامِ خدا شانِ وزارت　　ہے ذاتِ مقدس تری شایانِ وزارت

رونق ہے تری ذات سے ہر[3] شہر و مکاں کو　　وابستہ ترے دم سے ہے سامانِ وزارت

چاکر کے ترے قیصر و فغفور ہیں چاکر[4]　　اسکندر و دارا ہیں غلامانِ وزارت

للکار سے لرزے[5] ہے تری گنبدِ گردوں　　لاریب[6] ہے تو رستمِ دستانِ وزارت

روتے رہیں اعدا ترے گلزارِ جہاں میں　　شبنم کی طرح اے گلِ خندانِ وزارت

صدقے سے سدا پنجتن پاک کے ایمآ　　ہو چار جہت طالعِ فرمانِ وزارت

اشتیاقؔ، شاہ ولی اللہ

شاہ ولی اللہ اشتیاقؔ، شخصے سیداز بزرگ زادہ ہائے سہرند[7] اشتیاقؔ تخلص داشت۔ (فقیر[8]

---

1 ل سے اضافہ، 2 ل: سید عالی خاندان بسیار عمدہ معاش، 3 سرور: بازار شہی کو، 4 سرور: نوکر، 5 ل (حاشیۂ کاتب) لرزے بمعنی لرزد اجنبی متحدث است در کلامِ فصحا دیدہ شدہ (کیول رام)، 6 ل: تو ہے۔ 7 سرور: از اولاد حضرت شیخ مجدد الف ثانی، اصلش سرہند و مسکنش کوٹلہ فیروز شاہ متصل شہر پناہ دارالخلافہ۔ گلزار علی ابراہیم خاں مرحوم نے شاہ محمد گل کو جداُن کا لکھا ہے لیکن راقم حقیر کے گوش زد یہ مضمون نہیں ہوا۔ والد کا نام۔ مولوی عبدالعزیز ہے۔۔ میر: نبیرۂ شاہ محمد گل۔ کریم الدین، لطف، اشپرنگر کو شاہ ولی اللہ محدث کا التباس ہوا۔ 8 ل سے اضافہ۔

مشرب صوفی مذہب) از معاصران شیخ ظہورالدین حاتم بود۔ فکر سخن بحسب رویۂ آں وقت می کرد واکثر اوقات بہ توکل وریاضت راضی ومصروف می ماند:

لڑکوں کے پتھروں سے لگے[1] کیونکراس کو چوٹ — ہر ایک گرد باد ہے مجنوں کو ڈھول کوٹ

چھوڑ کر تجھ کو ہمیں اور سے جب لاگ لگی — نہیں[2] ہے منہدی، مرے پاؤوں سے آگ لگی

بتوں[3] کے ہجر میں کٹتی ہماری راتیں ہیں — کچھ ان کا دوش نہیں یہ خدا کی باتیں ہیں

انورؔ، لالہ آفتاب رائے

لالہ آفتاب رائے انورؔ، مردے متصدی پیشہ، ذی عزت اہل قلم[4] بود۔ فکر کلام بتوجۂ استاد والانہاد خود، درست داشت وشعر برجستہ وپاکیزہ می گفت[5]:

مشہور چمن میں تری گل پیرہنی ہے — قرباں ترے ہر عضو پہ نازک بدنی ہے

سمجھے ہے نہ پروانہ، نہ تھانبے ہے زباں شمع — وہ سوختنی ہے تو یہ گردن زونی ہے

تو بھلی بات سے بھی[6] میری خفا ہوتا ہے — آہ کیا چاہنا ایسا ہی بُرا ہوتا ہے

تیری سیرت سے مرا دل نہ پھٹے گا ہرگز — گوشت ناخن سے بھلا کوئی جدا ہوتا ہے

اصغرؔ میر محمد علی

میر[7] محمد علی اصغرؔ تخلص، وے مرد بزرگ از پیرزادہ ہاے معروف و نامی بلدۂ مستقر الخلافت اکبر آباد، از اولاد پاک حضرت محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانی۔ صاحبِ دیوانِ ریختہ۔ طرزِ کلام فصاحت نظامش بصفا آشنا است:

1۔ گردیزی: کی لگے اس کو کیونکہ۔ 2۔ سرور: نہیں منہدی یہ ترے تلووں سے ہے آگ لگی۔ چمنستان: ستی آگ لگی۔ حسن: نہیں یہ منہدی ترے۔ 3۔ اصل میں برحاشیہ: دکھاتے ہجر کی ہم کو بتاں جو راتیں ہیں۔ (نوٹ) وفات: 1150ھ (دستور الفصاحت) 1161ھ (یادگار)۔ 4۔ اصل سے خارج: باحرمت۔ 5۔ اصل سے خارج: فدوی ذکا ایں اشعار وے بہم رسانید۔ 6۔ ل: میری بھی۔ 7۔ یادگار میں ص 25 پر میر امجد علی اصغر ساکن آگرہ کا ذکر ہے۔

تیغ کو کھینچ کیا ڈراتے ہو کام عاشق کا کیا ہے؟ مرجانا

اصغؔر، میر اصغر علی

میر اصغر علی اصغؔر، از سادات عظام قصبۂ ماہیڑہ، مرد قابل، شیریں گفتار، پاکیزہ کردار است۔ مناسبت کلّی از شعر و سخن دارد۔ اکثر اشعارش بہ نسبت دیگر سخنورانِ حال شہرت دارد۔ چنانچہ در شہر[1] دہلی ایں ہر دو ابیاتش بیشتر زبان زد ساکنین شہر است:

ہوا ہے مانگ میں دل میرا گم، میں ڈھونڈوں کدھر | کہ آدھی رات اِدھر ہے اور آدھی رات اُدھر

تری اس مانگ سے کیا معنی دلخواہ پیدا ہے | شب معراج کی اس خط سے گویا راہ پیدا ہے

امیؔن، امین الدین خاں

امین الدین خاں امیؔن پسر قاضی وحید الدین خاں کہ در دورۂ نواب امیر الامرا نجیب الدولہ (بہادر خدمت[2] قاضی القضاۃ بنام نامی آں مقرر بود) و کشمیری الاصل در زمرۂ خواصان مہین پور خلافت (مرزا[3]) جہاندار شاہ بہادر عز و امتیاز داشت۔ انسان خلیق و خوش خو، خوش فکر، تازہ گو بود (بندہ درگاہ ذکاؔرا[4]) ایں شعرش بہم رسید[5]۔

کون آتا ہے یہ کس کے پاؤں کی آواز ہے[6] | جو صدائے پا میں اس کی سو طرح کا ناز ہے

آغاؔز، منشی لچھمن نرائن

منشی لچھمن نرائن آغاؔز تخلص، قوم کایستھ سکسینہ ہمراہ رکاب کرنیل داؤد اختر لونی صاحب بہادر دام شوکتہ، بر فاقت منشی میر برکت علی خاں برکت سلمہ از قصبہ اترولی در شاہجہاں آباد وارد شدہ

---

1 اصل میں پہلے شہر کی جگہ بلدہ تھا، 2 ل: سے اضافہ۔ 'قضاۃ' بجائے قاضی۔ اصل سے لکھ کر خارج، 3 ل سے اضافہ، 4 ل سے اضافہ، 5 اصل میں اس کی جگہ پہلے تھا: ایں شعر سرور افزا از ریختۂ طبع اوست، 6 ل (حاشیۂ کاتب) ایں شعر از تصنیفات مرزا رفیع السودا است۔ چنانچہ مقطع عربی کہ مطلعش شعر نداشت این است۔ شاعران ہند کا تو گرچہ پیغمبر نہیں۔ پر سخن گستر میں اے سوؔدا تجھے اعجاز ہے (کیول رام)۔

بامردم یگانہ و بیگانہ بسلامت روی وحسن سلوک طرح مصالحت و یک رنگی انداخت، مردے قابل، دوست آشنا، معاملہ فہم، سراسر رسا[1] وبانواع خوبیہا متصف یافتہ شد۔ درعلم سیاق و انشا پردازی وشاستری دسترس کلی[2] دارد۔ بعضے از اشعار آبدارش[3] کہ گاہ گاہے از زبان گوہر باروے[4] ریختہ خاکپاے سخنوران جہاں بندہ ذکاے ہیچمدان بزبان قلم نیاز رقم سپردہ:

نہ کر ساقی اثاث البیت سب[5] برباد شیشے کا
غنیمت ہے رہے یک چند گھر آباد شیشے کا

یہ[6] مے باعث نجات روزِ محشر ہے مسلمانو
نعیم بازوے دل کر رکھو اسناد شیشے کا

رخ[7] کو زلفوں سے چھپا کر جو کی اک ناز سے رمز
دن ڈھلے نکلے ہے کچھ ملنے کی اس راز سے رمز

ارماںؔ، مجاہد جنگ

نواب مجاہد جنگ بہادر ارماںؔ تخلص (مرد[8] متمول وعمدہ از ساکنین حیدرآباد است) فیض سخن از شاگردیِ میر اسد علی خاں برداشتہ۔ ظاہرا آدم جوہر شناس وقدر دان وصاحب سلوک واہل علم وفن (و[9] ذی حیا) واقع شدہ۔ این شش ابیات از ورقم زدۂ کلک معنی نگارمی گرداند[10]:

گھر آیا ابر ہے مینا میں آبِ ارغوانی بھر
شتابی جام میں ساقی شرابِ ارغوانی بھر

خجالت سے چمن میں گل ہوئے غرقاب شبنم میں
عرق سے جب گیا اس کا نقاب ارغوانی بھر

لگی ہے ٹکٹکی اس شوخ رنگینِ پوش سے میری
کہ یوں آنکھوں میں آئے اشکناب ارغوانی بھر

یہاں سامان ہے[11] یہ رنگپاشی کا کہ پھرتا ہے
فلک کاندھے پہ رکھ مشک سحاب ارغوانی بھر

ہوئے بیدار بخت اپنے کہ رنگ خوابِ مستی سے
رہی ہے اس کی چشم نیم خوابِ ارغوانی بھر

لہو کے گھونٹ پیتا ہوں میں اس بن بزم میں ارماںؔ
رکھوں ساغر میں جب یاقوتِ ناب ارغوانی بھر

---

1 اصل سے خارج: وعلاوہ بریں۔ 2 ل میں ندارد۔ 3 اصل میں آبدار، لکھ کر خارج 'آبدار وے'۔ ل میں آبدارش۔ 4 ل ۔ سے۔ اصل درش۔ 5 اصل میں ندارد۔ 6،7 اصل میں برحاشیہ۔ 8 اصل میں اس کی جگہ پہلے: امیرے از امراے نظام الملک المخاطب بمجاہد جنگ۔ 9 ل سے اضافہ۔ 10 ل: کرد۔ 11 ل: اصل میں لکھ کر خارج۔

اشرؔف

اشرؔف از معاصر[1] آں ولؔی شاعر ریختہ، اشعار دیگر از وبمن دست نداد۔ مگر ہمیں[2] بیتے کہ یک مصرع ولؔی را تضمین کردہ است بہ کمترین دست داد[3]:

اشرؔف کا تو مصراع ولؔی دل کو ہے دلچسپ　　دیکھا[4] ہے وہ دریا کو اب اس دیدۂ تر میں

اشرؔف، حافظ غلام اشرف

حافظ غلام اشرف اشرؔف ساکن دہلی[5] در بعضے غزلیات حافؔظ ہم تخلص نمودہ۔ مردے سلیم الطبع، شایستہ وضع، ماہر علوم شرعی حافظ قرآن مجید۔ بیشتر بیاد آفریدگار پاک اوقات شبانہ روزے خوش می گزارند۔ بزور طبع رسا و ذہن ذکا[6] در علم موسیقی مہارت کلی بہم رسانیدہ و در بین نوازی ربط تمام پیدا کردہ۔ سازے نو ایجاد کردہ وسندر بین نام نہادہ۔ شاعر فارسی و ہندی است واز علوم عربیہ نیز[7] واقفیت دارد و خط نسخ بسیار درست می نویسد۔ ایں اشعار (سرور[8] افزا) از طرح فرمودۂ آں صاحب طبع بزبان خامۂ[9] (نیاز شمامہ) حوالہ ساختہ:

مطلب ہے لامکاں سے نہ کچھ کائنات سے　　ہے مدعا فقط مجھے تیری ہی ذات سے

گرمیِ الفت زبس ہے بیشتر میرے تئیں　　چاہیے تبرید کو خارِ شتر میرے تئیں

دمبدم یہ آنکھ اشکِ تر سے اب خالی نہیں　　چشم ہے یارب یہ جھرنے کی کوئی نالی نہیں

زلفِ جاناں ہے ذرا اے دل تو اس سے بچ کے چل　　جس کا مارا دم لے ایسی ناگنی کالی نہیں

احقر، مرزا جواد علی

مرزا جواد علی احقر[10] مردے قزلباش مولد و مسکنش بلدہ لکھنؤ، بمقتضائے سرنوشتِ ازلی

---

1 اصل میں لکھ کر خارج: ہمعصراں، 2 ل: ہمیں یک بیت کہ مصرع ولی را بسخنِ خود تضمین کردہ است بہ کمترین دست داد، 3 اصل میں لکھ کر خارج: بہم رسید، 4 ل: دیکھے ہے، 5 ل: دہلی است، 6 ل: ندارد، 7 ل سے اضافہ، 8 ل سے اضافہ، اصل میں لکھ کر خارج: سرور مدار، 9 ل سے اضافہ، 10 مصحفی: عمر 66 سال بوقت تالیف تذکرہ۔

زیارت نجف اشرف وکربلاے معلّٰی بہ او میسر آمدہ۔ سخن خود را گوش نکتہ نیوش میر حسنؔ مصنف مثنوی بدر منیر رسانیدہ۔ بہر حال ایں دو شعر بایں بے بضاعت از و بہم رسید:

بزم میں اس کی جو شب[1] چاہ کا مذکور چلا — اٹھ کے مجلس سے وہیں وہ بتِ مغرور چلا
کبھو دیدار بھی دکھایئے گا[2] — یا یونہی دربدر پھرایئے گا

اخترؔ، میر اکبر علی

میر اکبر علی اخترؔ قوم سید ([3] از پیرزادہ ہائے سہرند) در ساختن (انواع[4]) آتشبازی دستگاہ کلی دارد۔ بتلاش روزگار در لکھنؤ رسیدہ۔ آنجا بشاگردی میاں قلندر بخش جرأت[5] تن درداد و بتوجہ اصلاح استاد شعرش گرمی پیدا کردہ:

تماشے کی ہے جا، مژگاں پہ جو لختِ جگر نکلا — عجب[6] یہ نخل ہے جس میں کہ شکل گل ثمر نکلا
اللہ اللہ رے تیری جلوہ گری کا عالم — نہ لگے گرد کو بھی جس کی، پری کا عالم
کیا کہوں کل تری رفتار کی اٹھکھیلی دیکھ — کچھ عجب چال سے[7] تھا کبکِ دری کا عالم
لے کے دل جان سے مارا مجھے اخترؔ ان نے — کیا کہوں اس کی میں بیداد گری کا عالم
ہمارا لے کے خط تجھ سے[8] اگر وہ نامہ بر کھولے — تو کہہ دینا اسے ٹک دائیں بائیں دیکھ کر کھولے
کوئی بتادے یہ اس شوخِ بے وفا کے تئیں — کہ آشنا نہیں دکھ دیتے آشنا کے تئیں
صاف دل سے بھی جو اس کو اپنے ہم گھر لے گئے — تو بھی سب دل میں گماں کچھ اور ہم پر لے گئے
کچھ ستارہ شاید اخترؔ کا پھرا ہے ان دنوں — تم جو پاس اپنے اسے پھر پھر کے بلوانے لگے

آگاہؔ محمد صلاح

محمد صلاح آگاہؔ[9] مردے قابل در عہد حضرت فردوس آرام گاہ بود۔ اکثر اشعارش شہرت

---

1 نساخ: چاند، 2 سرور: کبھی دیدار بھی دکھائے گا۔۔۔ پھرائے گا، 3 ل سے اضافہ، 4 ل سے اضافہ، 5 یادگار: شاگردِ مصحفی وجرأت۔ مصحفی: 1209ھ میں 30 سے زیادہ عمر کے تھے پہلے انجامؔ تخلص تھا، 6 قاسم: عجب یہ شاخ گل ہے جس میں شکل گل ثمر نکلا، 7 ل: محذوف، 8 ل: مجھ، 9: یادگار: محمد صالح۔

تمام دارد:[1]

شب دیکھتے ہی خال لب اس شوخ پری کا — لیتا تھا مزہ بوسے سے میں تل شکری کا
پیری میں کروں سیر جہاں کی[2] تو بجا[3] ہے — دن[4] ڈھلتے ہی ہوتا ہے تماشا گزری کا[5]

انل میر عبدالجلیل

میر عبدالجلیل انل از سادات قصبۂ بلگرام[6] و اولاد اشرف میر ابوالفرح واسطی بود۔ بزور فضیلت شعر فارسی بسیار ریختہ وخوب می گفت و واسطی تخلص می کرد وشعر ہندی بوضع رندانہ[7] از وسر انجام می یافت۔ چنانچہ گفتہ:

سینۂ شیر تا جگر تڑکد — دلِ گردوں زبہم من دھڑکد

درہجو محمد عطا نامی کہ شخصے پہلوان ومعروف است چناں طرح کردہ:

جب سنا دھوم دھام یاروں کا — جھونپڑی میں دبک رہا بڑچود

آگاہ، میر حسن علی

میر حسن علی آگاہ، ساکن شہر دہلی، (از[8] زمرۂ افسانہ خوانان حضورِ والا ست) بنا بر جولانیِ طبیعت بگفتنِ اشعار ہندی مصروفیت دارد[9]، مرد فہمیدہ وصاحبِ خلق ودرست اخلاص بنظر آمد، اکثر درمراختہ غزلے طرحی بخوبی وکیفیت سرانجام می دہد:

ہاں تیغ کھینچ اے بت آتش مزاج تو — مرنے پہ آج یہ بھی گنہگار گرم ہے
لے پشت لب سے تا رخ گردوں لگائی آگ — آگاہ کیا یہ آہِ شرر بار گرم ہے

---

1 اصل سے خارج: از دست۔ 2 گلزار: کا، 3 گردتیری: بجا، 4 (حاشیہ کیول رام) شعر ہذا از سودا، 5 چمنستان، شورش: ہوتا ہے ڈھلے دن سے تماشا گزری کا، 6 اصل: بالگرام (نوٹ) شیفتہ اور باطن نے دہلی کا باشندہ بتایا ہے، 7 اصل میں لکھ کر خارج: بانکپن وہنگامہ آرائی، 8 ل سے اضافہ۔ اصل میں لکھ کر خارج تذکرہ ریختہ از زمرہ بسیار خواصان حضورِ والا ات (نوٹ) قاسم 1221ھ میں لکھتے ہیں کہ اب تک اسی جگہ پر ہیں، 9 ل: مصروف است۔

اللہ، اللہ وردی خاں قطب الدین

نواب معتقد الدولہ اللہ وردی خاں بہادر رستم جنگ المعروف بہ قطب الدین[1] حسین خاں مرحوم نبیرہ نواب الہ وردی خاں جہانگیری۔ وے عمدہ زادۂ صاحب شان، سخاوت پیشہ[2] فیض بنیان، بسیار معزز و مکرم، صدر نشین وسادۂ حشمت و ثروت، تمکن گزیں چار بالش ابہت و سطوت، شوخ طبع، گرم اختلاط، عیاش وضع، چسپاں ارتباط، اعجوبۂ دوراں و نادرۂ زماں، نہایت حاضر جواب، از مصاحبان دمساز و رفیقان ہمراز مہاراجہ دھراج سوائی مادھوراؤ سندھیا بہادر کیلاش باشی و خانہ زاد موروثی[3] بارگاہ معلیٰ بود۔ خدمت امینی[4] منازل نزول و قراول بیگی[5] دار الخلافہ شاہجہاں آباد و نظم و نسق رقبہ جات اطراف بنام نامی آن مقرر بود و بعنایات[6] (جاگیر و نقدی از خزانہ آمدنی کروڑ[7]) در حضور اقدس واعلیٰ تقرب و عز و امتیاز داشت۔ بہر حال مردے خوش طالع بود۔ ایام زندگانی (در[8] وجہ جائیداد و جاگیر آنجمانی) بخندیدگی و کشادہ پیشانی[9] بکمال ترفیہ حال و بے غمی و شادمانی بسر برد۔ (نواب[10] سبحان الدولہ، و دلیل الدولہ پسران آن والا جاہ ہر دو ر بحالت سودا گرفتار اند[11]) بحسب اتفاق آبخور دا این حقیر سراپا تقصیر از عرصۂ چند سال بہ علاقۂ دیوانی در سرکار بیگمات آن مغفور مبرور سر رشتہ ناخن بندی درست دارد۔ (بہر حال[12] بالفعل روزگار گزارا است۔ اگرچہ نواب ممدوح مناسبت از شعر و سخن نمی داشت) الا روزے بسبیل مذکور از زبان ندرت بیانش ایں[13] شعر بر آمدہ:

دولت خدا کی داد کسی کا سبب نہیں نواب زر کا نام کسی کا نسب[14] نہیں

احسن

احسن تخلص، گویند[15] کہ شخصے در دہلی بود از مدت مفقود الخبر است وحالا از بود و باش

---

1 ل: قطب الدین خان، 2 ل: وثار، 3 اصل میں پہلے: قدیم، 4 اصل میں پہلے: تحقیقات، 5 ل: ہمگی، 6 اصل سے خارج: چندیں دیہات، 7 ل سے اضافہ، 8 اصل میں برحاشیہ، 9 ل سے اضافہ، 10 اصل سے خارج: بہراہ متعلقان، 11 ل میں ندارد، 12 ل سے اضافہ، 13 ل شعر ہذا، 14 ل: لقب، 15 اصل میں برحاشیہ۔

وچگونگی حالاتش اطلاع نیست۔ الا[1] ایں مطلع بالتحقیق از وست:

کس تجمل سے چمن میں آج آئی ہے بہار　　مژدۂ عیش و خوشی دیوانو، لائی ہے بہار

الفت، محمد الفت

محمد الفت، الفت تخلص، شخصے معروف ومشہور بنواح حیدرآباد است۔ درتہنیتِ عید قرباں برائے نذر نواب نامدار چناں گفتہ:

عید قرباں کو مبارکباد کا ساماں ہے　　ربع مسکوں وسعتِ[2] چوگاں کا میداں ہے
ذبح ہوجاوے عدو اور تن جدا بسمل رہے　　سر ترے قدموں پہ اس کا خود بخود قرباں ہے

آتش، حیدر علی

خواجہ حیدر علی آتش، وے از باشندہ ہائے قدیم بلدۂ لکھنو است۔ شعر[3] ہندی وفارسی می گوید۔ کلامش گرمی دارد:

آکر گلے سے لگ جا یکبار[4] بے مروّت　　کہہ دیجیو حیا سے میں نے شراب پی تھی
کس واسطے شب ان[5] نے آنے میں دیر کی تھی　　پائے اجل میں بھی کیا منہدی لگی ہوئی تھی

آشنا

آشنا تخلص عزیزے تازہ گو در اوقات سلف نظر می آمد۔ اکنوں از چندے احوالش کما حقہ دریافت نیست کہ بکدام حالت بسر می برد۔ ایں ابیات تالیف کردۂ اوست:

جو کوئی چشم تر نہیں رکھتا　　دردِ دل سے خبر نہیں رکھتا[6]
کس طرح دل میں جا کروں اس کے　　نالہ میرا اثر نہیں رکھتا
آشنا کیا بنے گی آخر کو　　تجھ سے خانہ خراب کی صورت
آشنا حیف تری قدر نہ جانی اس نے　　ورنہ یاں تجھ سا وفادار کہاں ہوتا ہے

---

1 ل: مگر، 2 سرور: وسعت میدان کا چوگان ہے، 3 ل: کلام، 4 ل: اے یار، 5 سرور: اس نے،
6 اصل میں یہ شعر حاشیے پر۔

احمدؔ، احمد علی خاں

مرزا[1] احمد علی خاں احمدؔ تخلص خلف مرزا فتح علی خاں جوانِ شایستہ وخوش اختلاط گرم ارتباط است۔ با[2] مخلص ہم بسیار دوستی دارد:

بوسہ جو میں نے یار سے مانگا چمن کے بیچ — کہنے لگا کہ لیجیو مجھی بھوَن کے بیچ
بوسے کے ایک اس لبِ شیریں کے واسطے — کیا کیا نہ آرزو تھی دلِ کوہکن کے بیچ
اس غنچۂ لب کو دیکھ کے غنچے سے اے نسیم! — پھولے نہیں سماتے ہیں گل پیرہن کے بیچ
شاید کہ باغ میں کہیں باد خزاں چلی — بلبل جو آج پھرتے ہیں روتے چمن کے بیچ
احمدؔ بلند تر ہے ترا پایۂ سخن — توقیر کیوں نہ ہو تری اہلِ سخن کے بیچ

احمدؔ، غلام احمد

غلام احمد احمدؔ، وے شخصے از دارالسرور برہان پور است۔ گاہ گاہے اشعارِ متفرقہ بروے کار آرد[3] در مبارکباد[4] سالگرہ نواب نظام علی خاں بہادر چنیں گفتہ:

شکرِ خدا نشاط جہاں میں ہے آشکار — غنچے دلوں کے کھل گئے گلشن میں ہے بہار
یاں[5] تک ہوا ہے جشن کہ شبنم چمن کے بیچ — گوہر کے ڈالتی ہے گلوں کے گلے[6] میں ہار
یارب جو رشتہ سالگرہ کا ہے اس کے بیچ — اتنے برس حساب میں آویں کہ بیشمار
ہو خرمی و عیش مبارک بفضلِ حق — باصد نشاط یعنی بہ نوابِ نامدار

آشناؔ، مرزا جگن

مرزا جگن آشناؔ، خلف قاضی رحمت اللہ خاں سلمہٗ، جوانے شایستہ، پاکیزہ وضع، صاحب طبع[7]

---

1 اصل میں حاشیے پر۔ ل میں ندارد، 2 اصل میں اس کی جگہ تھا: تازہ مشق است ایں اشعار، 3 اس کے بعد اصل سے خارج: وغزلیات شاذ از وبخوبی انجام نمی یابد۔ ایں اشعار او گفتہ، 4 ل: در تہنیت، 5 سرور: یاں تک ہے فیضِ عشق، 6 ل: بدن، 7 ل: مطبع۔

است۔ گاہ گاہے ہمت بہ ریختہ سازی[1] می گمارد۔ ایں دو بیت از وست:

نام خدا جوان ہو، شوخی کو چھوڑ دو   منہدی لگا کے نچلے رہو تو لگی رہے
کر ذبح مجھ کو کہنے لگے آشنا ہے تو   گردن جدا تو کیا کروں اک جو لگی رہے

احسنؔ، محمد مولیٰ

محمد مولیٰ احسن[2] زبان[3] دانے از ممالک جنوبیہ است۔ بیشتر بہ ریختہ گوئی مصروف می شود۔ ایں ابیات خوب از تالیفش نگاشتہ می آید:

کیوں عید نہ ہو ہر مہ اس ظلم کے مارے پر   نکلے ہے ہلال اس کے ابرو کے اشارے پر
دو عکس[4] نظر آویں پانی میں مہ و خور سے   تو شب کو جو آجاوے دریا کے کنارے پر

احسانؔ، میر غلام علی

میر غلام علی حیدر آبادی احسانؔ تخلص، وے در آں دیار فرحت آثار بہ استادی نام بر آوردہ است۔ اکثر تازہ مشقاں را بہرہ از اصلاحِ خویش می رساند۔ ایں خاکپای[5] ذکار ابتلاش کثیر، ہمیں یک شعر واجب التوصیف از طبع زاد آن استاد بہم رسیدہ:

حاسدوں کی عقل نافرجام حیراں ہوگئی   عید بھی آکر ترے در پر سے قرباں ہوگئی

ایمانؔ

ایمانؔ تخلص از اسمش مطلع نیستم مگر از طرزِ کلام آں دریافتم کہ شعر عاشقانہ می گوید۔ ایں مطلع از وست:

تری خواب ناز میں رات کو جو مری طرف سے دغا ہوا   تجھے اپنے سر کی قسم ہے کہہ تو خوشی ہوا کہ خفا ہوا

---

1 ل: ریختہ گوئی۔ 2 سرور: انور؟ 3 اصل سے خارج: وے۔ 4 اصل میں لکھ کر خارج: خورشید نظر آوے پانی میں وہیں پھر تو۔ سرور: ۔۔وہیں پھر تو۔ 5 اصل میں پہلے: خاکپای شعرائے جہاں۔

احمدیؔ

احمدیؔ[1] تخلص، شخصے گجراتی از گوینده ہائے متاولین۔ چند غزلیات کہ بزبان محاورہ وقت خود گفتہ بود بمن درخورد، از وست:

ہوئے دیدار کے طالب خودی[2] سے خود گزر نکلے — نہ پائی راہ دانش میں خروشاں بے خبر نکلے
رہے نادر خیالوں میں ملے شوریدہ حالوں میں — ہوئے صاحب کمالوں میں کدھر سے آ کدھر نکلے

اخگرؔ، لالہ ٹیک چند

لالہ ٹیک چند اخگرؔ، وے بعلاقۂ دیوانی مرزا اخرم بخت بہادر خلف الصدق مرزا جہاندار شاہ انار اللہ برہانہٗ شرف امتیاز وعز اختصاص دارد۔ بیشتر اوقات بسخن گوئی متوجہ می گردد۔ شعرش خالی از متانت وفصاحت نیست:

کون کہتا ہے کہ ہم نے مے پرستی چھوڑ دی ☆ رات دن پیتے ہیں مے، پر مے پرستی چھوڑ دی
ہوگیا دریائے عصیاں ہم کو بحرِ مغفرت — آنکھ جب اشکِ ندامت میں برستی چھوڑ دی
دو جہاں دینے میں ملتا تھا ہمیں دیدار یار ☆ ایسی شے نایاب، ہے ہے، مفت سستی چھوڑ دی
کیوں کیا اخگرؔ نے یارو ترک لذّاتِ جہاں — کس کی خاطر اس نے یوں خاطر پرستی چھوڑ دی

اظہرؔ، میر غلام علی

میر غلام علی[3] اظہرؔ، وے سیدزادۂ نیک کردار، نجابت شعار، سعادت آثار است، اکثر شعر ریختہ تصنیف می نماید۔ تلاشے دارد:

---

[1] یادرگار میں ایک نظام الدین احمدی خوشنویس کا ذکر ہے۔ 1200ھ میں پیدا ہوئے۔ 1229ھ میں مالابار چلے گئے تھے۔ [2] سرور: جو دل سے ہم۔ ☆ ل میں یہ اشعار ندارد۔ [3] حیدری: ساکن دہلی، شاگردِ میر شمس الدین (فقیر، مفتوں تخلص) کچھ عرصے مرشد آباد میں رہے، پھر پٹنے چلے گئے۔ یادگار: 1192ھ میں انتقال کیا۔

نہیں یہ [1] مردمکِ چشم، ساتھ آنسو کے   نکل کے داغِ جگر جم رہا ہے آنکھوں میں

امید

امید تخلص، ساکن حیدرآباد، ایں مطلع از و بمن رسیدہ۔ دیگر از احوالش کما حقہ اطلاع [2] ندارم:

کیا جواہر خانۂ الفت میں آب ورنگ ہے   معدنِ کونین جس کے آگے کم از سنگ [3] ہے

امیر، میر علی

میر علی امیر، سید زادہ ایست، در شاہجہاں آباد تولد یافتہ۔ از چندے بہ ضلع دکن رحلِ اقامت افگندہ۔ کلامش شیرینی دارد۔ ایں اشعار او تالیف کردہ:

عجب کیا ہے جو تربت میری [4] اک مخزن ہو پیکاں کا   کہ دل پر ہے جراحت اب تلک اس تیر مژگاں کا

یہ برجِ دلو میں ہے زحل [5] یا اب دیکھو کوئی   نظر آتا ہے خال اس ماہِ رخشاں کے زنخداں کا

جلا دیویں قفس اور دام آتشبار آہوں سے   ☆ اگر یکدم ہمیں صیاد دیوے حکم افغاں کا

عجب اک حسرت آتی ہے مجھے جب رقص میں اس کا   کبھو جو یاد آتا ہے، اٹھا لینا وہ داماں کا

امیر اس خط نورستہ کے کشتے کا نشاں یہ ہے   کہ ہوگا اس کی تربت پر درخت اک سبز ریحاں کا

بجھائیں کونسی تدبیر سے ہم اے ساقی   لگی ہے خرمن دل میں شراب سے آتش

نامہ برسوزِ جگر میں جو رقم کرتا تھا   ہوگیا سوختہ کاغذ وہیں تحریر کے ساتھ

درد ہوتا ہے یہاں اب بھی جو گا ہے گا ہے   دل کے پھوڑے میں کوئی چور مگر باقی ہے

جب وہ دل لے کے چلے میں نے کہا آؤ گے پھر   ☆ ہنس کے یوں کہنے لگے جان وجگر باقی ہے

اسفان

اسفان [6] [7] المتخلص بہ اسفان، وے شخصے فرنگی زادہ، مولد او خاکِ پاکِ دہلی، جوان خوش

---

[1] شورش شیفتہ: ہے۔ [2] ل: معلوم نیست۔ [3] ل: فرسنگ۔ [4] ل: تربت پر مری مخزن۔ [5] ل (حاشیہ کیول رام) لفظ زحل بفتح حا باید بسکون محض غلط است۔ [6] (حاشیۂ کاتب) نام عیسائی۔ [7] ل: محذوف۔ ☆ ل میں یہ اشعار ندارد۔

رو، پاکیزہ گفتگو، خوش ارتباط، چسپاں اختلاط، روزے بہ اتفاق دوست ستودہ خصال، روشن لعل شوق بملا قاتش رفتہ بودم، بر سبیلِ تذکرہ اشعارے چند بخواند۔ ازاں ایں ابیات یاد خاطر ماندہ[1]:

قاصد نہیں لایا شہ خوبان کے پرزے — خط میں یہ بناوٹ کے یہ[2] بہتان کے پرزے
ہر پرزے میں /لپٹے ہوئے پرزے ہیں جگر کے — عاشق کے ذرا[3] لیجیو پہچان کے پرزے
ٹک لب کو ہلا جھوٹوں ہی، میں نے جو دیا پان — کیا پھینک دیے کر کے وہیں پان کے پرزے
کوچے سے ترے تو بھی نہ اٹھے یہ مری جان — کر ڈالیے گر عاشق بے جان کے پرزے
ہے پارۂ یاقوت نمایاں جو مژہ پر — آنکھوں سے بہے ہیں دلِ حیران کے پرزے
خط کا یہ جواب آیا کہ گر پھیر لکھا خط — کر ڈالوں گا اک دم میں ترے آن کے پرزے
اسفان غزل تیری سنے میر تقی گر — کر ڈالے وہیں اپنے وہ دیوان کے پرزے

انوارؔ

انوارؔ تخلص، وے شخصے از تازہ گویاں است کہ از چند مدت خود را بہ ضلع شرقیہ انداختہ۔ طبع بدیع دارد و فکر وسیع، ایں مطلع از وبمن دست دادہ:

کس تجمل سے چمن میں آج آئی ہے بہار — مژدۂ عیش و طرب گلشن میں لائی ہے بہار

1۔ ل: ایں ابیات است ''یاد خاطر ماندہ'' محذوف۔ 2۔ 3۔ ل: محذوف۔

ردیف الباء

بیدل، مرزا عبدالقادر

ا۔ بیدلؔ: مرزا عبدالقادر بیدل[1] اصل او توران و مولدش بخارا در صغر سن بخاک پاک ہندوستان جنت نشان پرورش یافتہ۔ درویشے کامل از مقبولان جناب صمدیت بود۔ دلق تجرد[2] برقامت راست کردہ۔ اوقات شبانہ روزی بعبادت ایزد پاک بسرمی برد۔ اکثر خوارق عادت کہ از وبظہور رسیدہ۔ زبان زد اکثر واقفین آں عہد است و خاص و عام از انفاس متبرکہ اش بہرۂ وافی برمی داشتند۔ شاعر پُر زور فارسی مستغنی الاوصاف بود۔ احتیاج نگارش ایں ہیچ مداں نیست و ذکرش در تذکرہ ہائے فارسی مندرج است ایں دوابیات از تصنیفش تیمناً ثبت میگرداند[3]:

مت پوچھ دل کی باتیں وہ[4] دل کہاں ہے ہم ہیں — اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم ہیں
جب دل کے آستان پر عشق آن کر پکارا — پردہ سے یار بولا بیدل کہاں ہیں ہم ہیں

بہار، ٹیک چند

ٹیک چند بہارؔ[5] مصنف نسخہ بہار عجم کہ اصطلاحات و تشبیہات بے شمار دران درج کردہ۔ در انشاپردازی ہم مہارتے داشت۔ بسیار مستعد و شاعر پُر زور فارسی و ہندی بود، سخن بمشورت سراج الدین علی خاںؔ آرزو می گفت۔ ایں اشعار آبدار ازاں بحر ذخار معنوی دریں محل ثبت افتادہ:

وہی اک ریسماں ہے جس کو ہم تم نار کہتے ہیں — کہیں تسبیح[6] کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں
اگر جلوہ نہیں ہے کفر کا اسلام میں ظاہر — مسلمانی کے خط کو دیکھ کیوں زنار کہتے ہیں

1۔ بیدل تخلص اکبر آبادی۔ اسمش مرزا عبدالقادر، خلف مرزا عبدالخالق (از قبیلۂ ارسلان) تورانی الاصل (عشقی) وفات صفر 1130 (کریم الدین)۔ 2۔ ل: معجزات: متن مطابق اصل۔ 3۔ (ل) می گردد۔ 4۔ (قایم) یہ دل (قاسم) اب دل۔ 5۔ نامش رائے ٹیک چند از قوم سنارہ قبائل کھتریاں بعضے از قلت تشخص وے را زرگر پسر دانند (قاسم)۔ 6۔ (سرور) کہیں تسبیح کا رشتہ ہے۔

سبھی کرتے ہیں دعویٰ خوں کا، ہے قسمت تو دیکھیں گے
صف محشر کو ہوگا کس کے دامن ہاتھ قاتل کا

تھی زلیخا باؤلی یوسف کی اور لیلیٰ کا قیس
یہ عجب مظہر ہے جس کے مبتلا ہیں مرد و زن

ہمیں واعظ ڈراتا کیوں ہے دوزخ کے ڈرانوں سے
معاصی گو ہمارے بیش ہوں، کچھ مغفرت کم ہے

بیدآر، شاہ محمدی

بیدآر: شاہ محمدی[1] بیدار از سادات اکبر آباد شاعر فارسی و ہندی۔ در فارسی شاگرد مرتضیٰ قلی خاں کہ مردے ایرانی بود و فراق تخلص میکرد و در ہندی نسبت تلمذ بجناب فیض مآب خواجہ میر درد قدس سرہٗ درست داشت۔ چندے در سرائے عرب کہ مکانے معروف و متصل از دہلی[2] است، استقامت داشتہ، بمکان مالوفہ معاودت ساخت واز آنجا بجوار رحمت کردگار پاک در پیوست۔ از مریدان مولوی فخر الدین صاحب قدس سرہٗ بود۔ درویشانہ زیست می کرد، ہمگی دیوانش بسیر ایں احقر درآمدہ۔ اکثر اشعارش ناخن بدل میزند۔ طبع رنگین داشت۔ کلام دل نشیں بکمال خوبی وصفات میگفت۔ ایں اشعار از وست:

جو کیفیت ہے مستی سے تری آنکھوں کی لالی میں
نہیں وہ نشۂ رنگیں شراب پُر تگالی میں

عبث ہے آرزوئے خوش دلی بیداد گردوں سے
مئے راحت جو چاہے ہو کہاں اس جام خالی میں

کیا ہوئے گلشن میں آ کر اے عزیز و شاد ہم
روئے ہر گل کے گلے لگ یار کو کر یاد ہم

قتل تو کرتا ہے آخر کھول دے آنکھیں ٹک اب
دیکھ لیویں تیری صورت پھر کر اے جلاد ہم

دل آتش و آہ آتش و ہر داغِ غم آتش
جوں سرو چراغاں ہوں میں سرتا قدم آتش

آج لگتی ہے کچھ بغل خالی
کون سینے سے لے گیا دل کو

جل گیا تھا نہ کوہِ طور بھی پروانہ وار
آگ تیرے عشق کی شمع دل ہر سنگ ہے

کہاں گنجائش حرف اس دہن میں
نہیں جائے سخن کچھ اس سخن میں

زلف اس رخ پہ صبا سے جو پریشاں ہوجائے
سحر و شام بہم دست و گریباں ہوجائے

---

1 (حسن) میاں محمد علی بیدار (قایم) میاں محمدی بیدار (یکتا) شاہ محمدی بیدار کہ میر محمد علی نام و بیدار تخلص بود (مصحفی) بیدار کہ میر محمد علی نام دارد و بہ میر محمدی مشہور است۔ 2 (سرور) رو کردہ از دار الخلافہ۔

صبا تیری گلی میں اس لیے ہر صبح آتی ہے — کہ تیری بو سے جا گلشن میں پھولوں کو بساتی ہے

بہ چشم اشک و برلب آہ و بہ دل داغ غم دوری — تری الفت مجھے اے بے وفا کیا کیا دکھاتی ہے

قبول تھا جو فلک مجھ پہ سو جفا کرتا — پر ایک یہ کہ نہ تجھ سے مجھے جدا کرتا

کروں ہوں شاد دل اپنا ترے تصور میں — اگر یہ شغل نہ ہوتا تو کیا کیا کرتا

حنا کی طرح اگر دست رس مجھے ہوتی — تو کس خوشی سے ترے پاؤں کو لگا کرتا

کیا ہنگامۂ گل نے میرا جوشِ جنوں تازہ — اُدھر آئی بہار ادھر گریباں کا رفو ٹوٹا

سمجھ کر کھولیو اس زلف کے عقدوں[1] کو اے شانے — تجھے چیروں گا آرے سے جو اس کا ایک مو ٹوٹا

بہے بیدار کی آنکھوں سے ساقی اشک سرخ ایسے — مئے گلگوں کا کوچے میں ترے گویا[2] سبو ٹوٹا

اس کو حنا کی دل میں نہ باقی رہے ہوس — اے خوں کف نگار پہ ایسا ہی جم کہ بس

بیدار خواب میں بھی نہ آیا کبھو وہ ماہ — اس آرزو میں سوتے ہی گزرے کئی برس

ہم جو تجھ بزم سے اے نور نظر جاتے ہیں — شمع ساں داغ بدل، شعلہ بسر جاتے ہیں

عاشقوں میں جو کوئی کشتۂ کاکل ہوگا — اس کی تربت پہ سدا سبزۂ سنبل ہوگا

تجھ بن اے ماہ رو کبھو مجھ کو — چاندنی رات خوش نہیں آتی

نہ مے و جام ہے نہ ہے ساقی — ایسی برسات خوش نہیں آتی

کہاں ہے طالع بیدار یہ کہ ایسا ہو — جو سر[3] دھرے مرے زانو پہ یار سوتا ہو

ٹک ایک سامنے آ تو بھی باغ میں گل کے — کہ ہے غرور نزاکت دماغ میں گل کے

چڑھاؤں دستۂ نرگس مزار مجنوں پر — جو دیکھوں آج میں روئے نگار آنکھوں سے

تجھ بن ہے بے قرار دل اے ماہ کیا کروں — کٹتی نہیں ہے ہجر کی شب، آہ کیا کروں

نے دل، نہ دلربا، نہ مرے جی کو ہے[4] قرار — حیراں ہوں اس میں اے مرے اللہ کیا کروں

جاتا ہے مرے گھر سے دل دار خدا حافظ — ہے زندگی اب مشکل، بے یار، خدا حافظ

ہیں تصور میں اس کے آنکھیں بند — لوگ جاتے ہیں خواب کرتا ہوں

شکوہ کم نگہی آنکھوں سے اس کی نہ کرو — گفتگو خوب نہیں مردم بیمار کے ساتھ

---

1 (ل) عقدے کو۔ 2 (ل) شاید 3 (سرور) کہ۔ 4 (ل) چین ہے۔

صبح کو بے نور تجھ بن ہر چراغ لالہ تھا
جائے بانگ گل، چمن لبریز آہ و نالہ تھا

مل گئی تھی اس میں کل کس کے دلِ سوزاں کی خاک
گرد باد دشت فرسا، شعلہ جوالہ تھا

ہوگیا گرتے ہی تیری چشم سے دامن کے پار
اشک تھا بیدآر یہ یا آگ کا پرکالہ تھا

جو اَب کے چھوڑے مجھے غم تری جدائی کا
تمام عمرنہ لوں نام آشنائی کا

اُگے ہے پنجہ مرجاں[1] مزار سے اس کے
شہیدہو جو کوئی اس کفِ حنائی کا

مرے قدم سے ہے سرسبز بوستانِ جنوں
ہر ایک آبلہ گل ہے برہنہ پائی کا

ہم خاک بھی ہوگئے پر اب تک
جی سے نہ ترے غبار نکلا

خواب میں دیکھے اگر تجھ کو زلیخا یک بار
نام پھر لیوے نہ یوسف کی خریداری کا

ہم پہ سو ظلم و ستم کیجیے گا
ایک ملنے کو نہ کم کیجیے گا

گر یہی زلف، یہی مکھڑا ہے
غارت دیر و حرم کیجیے گا

میکدے میں جو ترے حسن کا مذکور ہوا
سنگِ غیرت سے مرا شیشۂ دل چور ہوا

واسطے داغِ دلِ بادہ پرستاں بیدار
پنبۂ شیشۂ مے مرہم کافور ہوا

طالع[2] ایسے مرے بیدار کہاں ہیں کہ جو آج
اس شب تار میں آوے مہ تاباں میرا

تیرے ہی نور سے شمع جگر افروختہ ہے
رشتۂ دید سے اوروں کی نظر دوختہ ہے

نذر میں اس شہ خوباں کی کروں کیا بیدآر
دل ہے،سوداغ ہے، جاں ہے سوغم اندوختہ ہے

جز اپنے کسی خس کی بھی سوزش نہ ہو ہم سے
جوں شعلۂ مے گرچہ سراپا ہیں ہم آتش

صبح ہوتے ہی ہوا مجھ سے جدا وہ مہ رو
روز گویا مرے حق میں شب دیجور ہوا

ان نے یاں تک کبھی گذر نہ کیا
تو نے اے آہ کچھ اثر نہ کیا

ہوچکی رات نیک دل تو نے
قصۂ زلف مختصر نہ کیا

جلوہ دکھا کے گذرا وہ نور دیدہ گاں کا
تاریک کر گیا گھر، حسرت کشیدگاں کا

ترے رخسار وقد وچشم کے ہیں عاشق زار
گل جدا، سرو جدا، نرگس بیمار جدا

روشن دمِ صبا سے ہوا یہ چراغِ دل
خار تعلقات سے کرصاف باغِ دل

---

1 (ل) مژگاں۔ 2 (سرور) ایسے طالعے مرے بیدار کہاں ہیں۔

گل ریز جلوہ تا کہ ہو وہ نو بہار حسن　　بھڑکا ہے آہِ مرد سے جوں[1] شعلہ داغِ دل
دامن کو نہ پہنچے تیرے اب تک　　ہر چند غبار ہوگئے ہم
چمن میں ایسی ہے نغمہ سرائی کی کہ بلبل کو　　سریرآرائے گلشن نے دیا منصب ہزاری کا
چاہتا ہوں میں تمھیں اس پہ جو چاہو سو کرو　　ہوں مقر آپ، میں اس اپنی گنہگاری کا
آہ قاصد تو اب تلک نہ پھرا　　دل دھڑکتا ہے کیا ہوا ہوگا
حیف اے نورِ نظر تجھ کو نہ آئی غیرت　　اشک آ تیری جگہ، دیدۂ گریاں میں رہا
خرقہ، رہنِ شراب کرتا ہوں　　دلِ زاہد کباب کرتا ہوں
ہم ترے اس دلِ نازک سے خطر کرتے ہیں　　ورنہ یہ نالے تو پتھر میں اثر کرتے ہیں
دیکھ اس گیسوئے مشکیں کی ادائیں شانہ　　دونوں ہاتھوں ہی سے لیتا ہے بلائیں شانہ
اس کے بھر آئے ترے مرہم کا کل سے زخم　　ہاتھ اٹھا کیوں نہ کرے تجھ کو دعائیں شانہ
بھرا نہ مثلِ نگیں زخم یہ مرے دل کا　　کہ تا ہمیشہ رہے نام میرے قاتل کا
یوں بہار خط سبز اس کے ہے رخسار کے پاس　　جیسے پھولے ہے بنفشہ کہیں گلزار کے پاس
جی میں بیدارؔ کھپ گئے میرے　　فندق اس پنجۂ حنائی کے
کیوں عبث بھٹکا پھرے ہے جوں زلیخا شہر شہر　　جلوہ گر یوسف ہے غافل میرے پیراہن کے بیچ
کلمۃ العین ہے وہ چشمِ معانی ایجاد　　حرف ہے اس کے سخن پر تو کہیں صاد کی طرح
فصل گل ہوچکی، ایام جنوں کے گذرے　　چھوڑتا اب بھی نہیں دست گریباں میرا
دل سلامت اگر اپنا ہے تو دلدار بہت　　ہے یہ وہ جنس کہ اس کے ہیں خریدار بہت
نے فقط تجھ حسن کی ہے ہند کے خوباں میں دھوم　　ہے تری زلف چلیپا کی فرنگستاں میں دھوم
سرمہ عزیز تجھ کو ہو اے چشم یار حیف　　برباد و پائمال ہو میرا غبار حیف
آج ساقی دیکھ تو کیا ہی عجب رنگیں ہوا　　سرمئی کالی گھٹا اور سبز ہے مینا کا رنگ
سرخ جوڑے پہ نہیں تیرے کناری کی جھلک　　برق اس ابر میں ہوتی ہے نثارِ دامن
جگا کر خواب آسائش سے اے بیدارؔ، ہستی نے　　عدم آسودگاں کو لا کے ڈالا کس خرابی میں

---

1. (ل) جیون۔

دیا ہے ہاتھ میں ان نو خطوں کے صفحۂ دل
سفید، خواہ رکھیں خواہ، یہ سیاہ کریں

راہ پاتے ہیں وہی انجمن وحدت میں
شمع کی طرح سے جو سر سے گزر جاتے ہیں

کچھ خبر میری بھی تم[1] رکھتے ہو، اے بندہ نواز
جان جاتی ہے اِدھر، آپ اُدھر جاتے ہیں

شہید دستِ رنگینِ بتاں ہوں
رکھو برگِ حنا میرے کفن میں

رشک سے سینۂ طاؤس کے اڑ جاویں پر
نو بہار دل پُر داغ اگر دکھلاؤں

بوسۂ شمع کو جلنے کے بہانے آیا
دیکھو اے بزم نشیناں، ہنر پروانہ

باقرؔ، میر باقر علی

میر باقر علی باقرؔ ساکن دہلی، متوطن قصبہ سامانوہ، بردار کہیں میر فرزند علی موزوںؔ و نیز نسبت تلمذ بہ برادر کہیں خود دارد، مرد سید نہایت خوش خلق دیار باش، کشادہ پیشانی، نیک معاش۔ زندگانی بغربت وصلاحیت آراستہ و بہ عجز و مسکنت پیراستہ است۔ بیشتر اوقات خود بہ تصنیف غزلیات و مرثیہ وسلام میگذارد۔ ایں دو شعر از وست:

جور بتاں سے سینے میں ہر دم[2] خراش ہے
دل ٹکڑے ٹکڑے سب ہے، جگر پاش پاش ہے

دل اپنا دے چکے، ہے اب پناہ تیرے ہاتھ
جو اس پہ قتل کرے تو، گناہ تیرے ہاتھ

بیتابؔ، محمد علیم الدین

محمد علیم الدین[3] بیتابؔ وطنش الہ آباد، طبع خوب دارد۔ درآں دیار کوس استادی میزند۔ اکثرے از نو مشقاں اشعار خود را بنظر او می گذرانند۔ بہ کمترین، ہمیں شعرے از تالیف آں استاد بہم رسید۔ بہر حال بہ گفتہ:

جی کیوں کہ بچے جب کے جلاوے جگر آتش
سب بستی کو ڈر ہے جو لگے ایک گھر آتش

برقؔ، بھگوان دت

بھگوان دت برقؔ از لکھنؤ است۔ گویند کہ خود را شاگرد میاں نصیرؔ نام زد کردہ و وضع شعر گوئی

---

1 (ل) رکھتے ہو تم 2 (قاسم) کیا کیا۔ 3 (سرور) محمد علیم۔

پسند نموده۔ گفتن شعر برمحاورۂ زبان آنہا شروع نموده۔ بہر کیف ایں مطلعش تابمن رسیده، دیگر از حقایق او خوب آگاہی ندارم:

نتھ کے حلقے میں ترے روز نکلتا ہے بلاق　　　خوں مرا پینے کو کیا آپ نے پالا مچھر

بیاںؔ، احسن الدین خاں

احسن الدین خاں [1] بیاںؔ، اصلش دہلی و مولد [2] او خطۂ جنت نظیر کشمیر۔ نسبت شاگردی از مرزا جانجاں مظہرؔ درست داشت، چندے بہ تحصیل صرف و نحو تن دہی بکار برده۔ سخنگوی فصیح زبان، پاکیزہ بیان، صاحب تلاش شعر و سخن۔ استاد وقت، کامل فن معلوم شد۔ مثنوی موسوم بہ جنگ نامہ تصنیف کرده و دوران شاعری صرف نموده۔ مدام بعزت و آبروی دعمدگی تمام بسر برد۔ حالا از چندے [3] بہ حیدرآباد رفتہ، در سرکار نواب مشیر الملک بہادر بر شاعری و ہم علاقہ دیگر عز امتیاز انداختہ دارد، ایں ابیات از کلام دل نواز اوست:

بیاںؔ تیرے کوچے سے چلتا رہے گا　　　مری جان تو ہاتھ ملتا رہے گا

اے وعدہ فراموش تو مت آئیو اب بھی　　　جس طرح کٹا روز، گزر جائے گی شب بھی

کافر ہوں جو زیادہ کچھ اس سے آرزو ہو　　　اک بے خلل مکاں ہو، واں میں ہوں اور تو ہو

جب دیکھتا ہے طائر آزاد کی طرف　　　مرغ اسیر دیکھے ہے صیاد کی طرف

میں جانتا تھا وصل کی شب بھی دراز ہے　　　آنکھیں جو کھل گئیں تو در صبح باز ہے

ہمدم نہ فکر کر کہ مرا کام ہوچکا　　　جو دل یہی ہے تو، مجھے آرام ہوچکا

قفس میں میں رہائی کے لیے کیا کیا نہیں کرتا　　　تڑپتا ہوں، پھڑکتا ہوں، کوئی پروا نہیں کرتا

1۔ نام کے متعلق تذکرہ نویس مختلف الرائے ہیں۔ عشقی، شورش، مبتلا، میر حسن، احسن اللہ خاں اور سرور، یکتا، حیرت، شوق، احسن الدین خاں لکھتے ہیں۔ لیکن بیان کے ہم سبق احسن اللہ خاں اور پھر احسن الدین خاں لکھتے ہیں؛ (سرور) اصلش از کشمیر و مولد شاہ جہاں آباد۔ 2۔ حمزه، حسرت، مبتلا، شورش، شفیق، انھیں اکبرآبادی بتاتے ہیں۔ قاسم کے بیان سے ذکاؔ کی اطلاع کی تصدیق ہوتی ہے۔ 3۔ (کریم الدین) 1793) کو حیدرآباد گیا (بیان) دانہ پانی لیے پورب سے دکن پھرتا ہے۔

بے وفا، سخت خطا کی کہ ترا یار ہوا
آہ میں دیدہ و دانستہ گرفتار ہوا

کیا بیاں کیجیے اس تیرِ نگہ کی جلدی
بس اُدھر چشم سے چھوٹا، کہ اِدھر پار ہوا

میں بھی کوئی آدمی ہوں جس سے شرماتے ہو تم
دیکھ کر مجھ کو عبث مجلس سے اٹھ جاتے ہو تم

یاں تک تو ہوں بیمار کہ کہتے ہیں طبیباں
مت کھا کے دوا کیجیو بدنام کسی کو

یہ لوگ منع جو کرتے ہیں عشق سے مجھ کو
انھوں نے یار کو دیکھا ہے، یا نہیں دیکھا

رو کے میں اس سے کہا، مرتا ہے یہ بیمار آج
مسکرا کر وہ لگا کہنے کہ اس کا کیا علاج

کہتا نہیں میں عرش پہ اے آہ جا، پہنچ
کانوں تلک بتوں کے تو اے نارسا، پہنچ

وے بھی کیا دن تھے کہ ہم آغوش مجھ سے یار تھا
مدعی باہر کھڑا جوں صورت دیوار تھا

ہم رکھنا تیری زلفوں کا اے جان یہ خم درخم سمجھے
تشریح وبیاں اب خوب نہیں، کچھ تم سمجھے کچھ ہم سمجھے

رخصت ہے عقل و ہوش کو چاہے جہاں رہے
اے ساکنانِ کوئے بتاں ہم تو یاں رہے

کیا دیکھتے ہو دل کو مرے تم الٹ پلٹ
آیا ہے گر پسند، تو اے مہرباں رہے

جو سوز دل سے کوئی حرف منہ پہ آیا ہو
خدا کرے کہ بیاںؔ کی زباں جل جاوے

خدا کرے کہ خفا ہو کہ جی نکل جاوے
کہیں شتاب یہ جھگڑا چکے، خلل جاوے

چشم کرم کسو[1] کی بھی اپنے تئیں نہیں رہی
رسم مروّت اٹھ گئی مہر کہیں نہیں رہی

وصل کی شب کا ماجرا کیا کہوں تجھ سے ہم نشیں
شام سے لے کے صبح تک وہ ہی "نہیں نہیں" رہی

جادو تھی کہ سحر تھی، بلا تھی
ظالم وہ تری نگاہ، کیا تھی

کیدھر ہے، کہاں ہے خوش دلی، تو
ہم سے بھی کبھو تو آشنا تھی

مارا ہے بیاںؔ کو یار جس نے
کیا جانیے کون سی ادا تھی

جاتا ہے یار کچھ تو بیاںؔ منہ سے بول لے
اے بے زبان مانع گفتار کون ہے

شب فراق کی دہشت سے جان جاتی ہے
سحر سے ہے یہی دھڑکا کہ رات آتی ہے

حسرت پہ اس غریب کی آوے اجل کو رحم
بالیں پہ جس کی یار دمِ واپسیں نہ ہو

کس واسطے شتابی جانے کی اس قدر ہے
گو صبح ہوئی پیارے، یہ بھی تو اپنا گھر ہے

---

1. (ل) سے۔

جہاں روؤں تمنا میں تری اے شعلہ خو پیارے اُگیں اس گل زمیں میں حشر تک جوں لالہ، انگارے
جا کہے کوئے یار میں کوئی مرگیا انتظار میں کوئی

رباعی

جس وقت کہ بیدآر وہ ہوتا ہیگا عالم کی غضب سے جان کھوتا ہیگا
غنچوں کو صبا کہیو کہ آہستہ کھلیں زانو میرے پہ یار سوتا ہیگا

رباعی

مذکور سے جب وہ اپنے شرماتا ہے پھر مجھ سے کہے ہے اور اکتاتا ہے
بس تھوڑی پڑھیں رباعیاں توٹے بیآں اتنا بکنا بھی خوش نہیں آتا ہے

مثلث

اکثر ہوتی ہیں دل کی باتیں ظاہر کہتا ہے وہ طفل شرگیں جھنجھلا کر
یارب عاشق نہ ہو کسی کا شاعر

بےخبؔر، محمد بیگ

محمد بیگ بےخبؔر، قوم مغل، متوطن خیرآباد، شوق شعرگوئی از چندے درخاطر مبارکش جاگرفتہ:
قتل کر، مان مت، کسو کی قسم تجھ کو قاتل مرے لہو کی قسم

بیتابؔ، مرزا اکلو بہادر

مرزا اکلو بہادر بیتاب تخلص، مردے از سلاطینان قرۃ العین حضرت فردوس منزل انار اللہ برہانہ۔ جودت طبع والالیش از خوبی ومتانت کلام آن والا اقتدار ہویدا، وخوبی فصاحت کلام بے منتہائیش، ازعذوبت الفاظ شیرینش آشکارا:

واں ہے رقیب، گرم سخن، گل بدن کے پاس　　لبریز نالہ، یاں ہے دل، اس خستہ تن کے پاس

بیہوشؔ، شیخ دیدار بخش

شیخ دیدار بخش بیہوشؔ، متوطن مستقر الخلافہ اکبر آباد، معلم پیشہ، خوش طبع، شیریں کلام است سخن بحسب محاورۂ گفتگوے خود بہ میگوید:

ابروئے یار نے کی ہم سے کجی، کیا کیجے　　اب کسی طور سے بچتا نہیں جی کیا کیجے

اس کے یاں آنے کی تھی شام کو نوبت بیہوشؔ　　سو تو اب شام کی نوبت بھی بجی کیا کیجے

بقاؔ، محمد بقاء اللہ خاں

محمد بقاء اللہ خاں بقاؔ، فرزند دل پذیر[1] حافظ لطف اللہ خاں خوش نویس اکبر آبادی، چند مدت میگزرد کہ بتلاش روزگار از دار الخلافہ شاہ جہاں آباد بہ بلدۂ لکھنؤ برخاستہ رفتہ و در آنجا وضع مسکنت انداختہ، در اصلاح شعر فارسی شاگرد محمد فاخر مکیںؔ و در اشعار ہندی بہ نظر شیخ ظہور الدین حاتمؔ گذرانیدہ اگر چہ بہر دو زبان سخن سرا است الّا میل خاطر او بطرف ریختہ گوئی زیادہ تر است، از اشعار گرم گفتارش بوئے استادی می آید و فی الحقیقت دریں شکی نیست۔ متانت شعرش از سخنش ہویدا است[2]:

ماہ نو انجم کے عقدے کس طرح سے وا کرے　　ہوں جہاں لاکھوں گرہ واں ایک ناخن کیا کرے

کیا خط تجھے لکھتے، حرکت ہاتھ سے گم ہے　　خامہ بھی مرے ہاتھ میں انگشت ششم ہے

اس کف میں دیکھ ساغر نازک شراب کا　　دریا میں سرنگوں ہے پیالا حباب کا

کارواں کہتے ہیں جس کو جرسِ محمل ہے　　کلفت راہ سے نالاں وہ ہمارا دل ہے

مژگاں تلک پہنچ کر یوں دل کا لخت، دم لے　　جس طرح سے مسافر، زیر درخت دم لے

شب گذری، اب اے سحر کے نالو[3]　　پھر چرخ پہ برچھیاں سنبھالو

قطعہ

گو قتل کیا بقاؔ کو خوباں　　پر دل سے یہ بات مت نکالو

---

1 (ل) دل پسند۔ 2 (سرور) اکثر با میر و مرزا معارض شدہ۔ 3 (ل) منہ

پنہاں ہی بھلا ہے خون عشاق   بس جانے دو اس پہ خاک ڈالو

لاؤں جو شکوۂ شب ہجراں سخن کے بیچ   جوں شمع پھر زباں نہ سماوے دہن کے بیچ

کھپ گئی چشم میں جب سے کمر یار کی طرح   رگ گل دل میں کھٹکتی ہے رگ خار کی طرح

تو وہ یوسف ہے کہ دن رات خریداروں کی   آمد و رفت تیرے گھر میں ہے بازار کی طرح

سرو کی لاف بلندی کس سند پر راست ہو   سرکشی کا جامہ جب تیرے ہی قد پر راست ہو

اے چتون یمن قدم سے ترے اک آن کے بیچ   پڑ گئی لاگ مرے دست و گریباں کے بیچ

بانگ ملاں کی شبِ وصل میں ہے سینہ خراش   انگلیاں آپ موذن نے دھریں کان کے بیچ

چشم تر، جام دل بادہ کشاں ہے شیشہ   محتسب آج کدھر جام، کہاں ہے شیشہ

گردوں پہ گیا دَور میں اس لب کے مسیحا   یعنی کہ اب اس کا نہ رہا کام زمیں پر

سیلاب سے آنکھوں کے رہتے ہیں خرابے میں   ٹکڑے[1] جو مرے دل کے بستے ہیں دو آبے میں

ساقی کو دو نوید بہار آئی باغ میں   سودا نے پھر کیا ہے خلل سا دماغ میں

مجھ سے کب تک اس دل صد چاک کا پیوند ہو   اب یہ دیوانہ الٰہی خاک کا پیوند ہو

کل میکدے کی جانب آہنگِ محتسب ہے   در پیش میکشوں کو پھر جنگِ محتسب ہے

ہاں بتاں، سچ ہے، تمھاری تو بلا ہی جانے   جو گذرتی ہے مرے دل پہ، خدا ہی جانے

دل سے نکلے کہیں پابوسی قاتل کی ہوس   کاش وہ خوں کو مرے رنگِ حنا ہی جانے

ہم تو نت یار سے حسرت کشِ خمیازہ ہیں   لذتِ بوس و کنار اس کی قبا ہی جانے

یہ رخِ یار نہیں زلفِ پریشاں کے تلے   ہے یہاں صبح وطن شامِ غریباں کے تلے

کیا کریں سینہ جو ناصح سے چھپائے نہ پھریں   داغ سے داغ ہیں کچھ، اپنے گریباں کے تلے

کل شیخ پہ تیغ ان نے تو کھینچی تھی ولیکن   سمجھا کہ یہ ہے کہ صید حرم، ہات سے رکھ دی

جلوہ، ٹک باغ میں قمری، جو وہ شمشاد کرے   مول لے کر ترے اس سرو کو آزاد کرے

ہوتا ہے شیشۂ دل، چُور اس کی گفتگو سے   یارب یہ پند ناصح، یا سنگِ محتسب ہے

---

1 (ل) جگری۔

دل سے وہ نگاہ تیر گذری پر شکر کہ جی کی خیر گذری
پوچھ اس دل سے جو ہے کاٹ تری ابرو کا جوہر بُرشِ شمشیر سپاہی جانے
نہ دے زخم دل نازک پہ حکم بخیہ، مژگاں کو کرے کب سوزن عیسی رفو گل کے گریباں کو
پیوند ہوا رُخ سے ایسا خطِ جانانہ تھا بار چمن گویا یہ سبزۂ بے گانہ
اس زلف میں ہر لحظہ چھیڑ اس دل خونی کو کرتا ہے حنا بندی انگشت میں اب شانہ
دیوے جو بقا بوسہ وہ شوخ دمِ آخر تو آب بقا سے ہو پُر عمر کا پیمانہ
رشکِ گلشن ہے ترے عکس سے یار، آئینہ تو یہ سمجھے ہے کہ ہے باغ و بہار، آئینہ
حیرت حسن نے اس شوخ کی مارا ہے جسے اس کا، لازم ہے، کریں لوح مزار، آئینہ
تجھ کو کرتا ہے ترا عکس دکھا کر بیتاب اب تو پردے ہی میں کھیلے ہے شکار آئینہ
یہ گل اندام جو حرفہ سے ٹک اک ناز کریں کام لیں زلف سے، کاکل کو پس انداز کریں
یاد میں تڑپے ہے دل کس ابروئے خم دار کی آج کچھ ناخن بدل ہے آہ اس بیمار کی
گریہ سے، بعد مرگ یہ طوفانِ آب ہے گنبد مرے مزار کا، مثلِ حباب ہے
رخ اس کا، صفائی ترے تلووں کی نہ پاوے خورشید، ہزار اپنے تئیں چرخ چڑھاوے
عشق نے منصب لکھے، جس دن مری تقدیر میں داغ کی نقدی ملی صحرا ملا جاگیر میں

قطعہ

شب فرقت میں یار کی ہرچند گو پی، نالہ و فغاں ہیں ہم
نالۂ بے اثر یہ کہتا ہے مرغ گُم کردہ آشیاں ہیں ہم

رباعی

آتا ہے یہ دل میں عشق بازی کیجیے اس دل کو کسی بُت کا نمازی کیجیے
چشم اس کی بقا رام نہ ہووے تو نہ ہو اپنی سی غرض زمانہ سازی کیجیے

آہ کی برق جو سینے میں چمکتی دیکھی طفل اشک آن چھپے دامنِ مژگاں کے تلے
اس بزم میں ساقی قدح بنگ کی ٹھہرے آنکھوں کی سفیدی میں ذرا رنگ کی ٹھہرے

مانند بقا تیغ و سپر چاہیے ہمراہ گر محتسب آجائے، تو پھر جنگ کی ٹھہرے

بنیاد

بنیاد تخلص۔ گویند کہ شخصی ساکن لکھنؤ است، شعر خود را بنظر میاں غلام ہمدانی مصحفی و دیگر سخنوران آں نواح گزرانیدہ۔ شعرش تلاش وار دو ناخن بدل میزند۔ از اوست۔

کیا حلاوت عیش کی اور کیا خوشی آرام کی جان جب تو ہی نہیں، تو زندگی کس کام کی

بے نوا

بے نوا تخلص، درویشے آزاد وضع، ساکن دہلی بود در عہد محمد شاہ بادشاہ، مسمی شنکرن داس جوہری، متمول شخصے جفت فروش رابعلت ہرزہ گوئی ودشنام دہی بجان کشت۔ ہمراہیانش بلوہ نمودند وازیں جہت در تمام شہر غوغا افتادہ ومردمان برائے انتقام او دویدند۔ او بہ پناہ عاطفت نواب روشن الدولہ ظفر خاں بہادر المعروف بہ طرہ باز خاں، متواری کردہ جان بسلامت برد۔ آں وقت ایں خمسہ را بے نوا مذکور تصنیف کردہ:

یہ کیا ستم ہے اے فلک ہرزۂ نابکار کفار نے کیا ہے یہ غلبہ جو بے شمار
جوتی فروش مرد مسلمان دیں دار مردود جوہری نے ستم سے لیا ہے مار
سنگ جفا سے چور کیا لعل آبدار

از بعض اشعار متفرقۂ اوست

بے نوا ہوں، زکات حسن کی دے او میاں، مالدار کی صورت

بیچارہ

بے چارہ تخلص، مرد بزرگے باشندۂ ضلع پنجاب بود۔ سخن بزبان خود می سرائید۔ از چند غزلیات او شعرے دریں نسخہ می نگارم:

اس سے جدا ہونا نہ تھا، چاہا خدا نے یوں ہی تھا جز صبر اب چارہ نہیں، بے چارہ ہو رہنا پڑا

بیتاب، محمد اسمٰعیل

شاہ محمد اسمٰعیل بیتاب مردے درویش بود۔ شاگرد مصطفےٰ خاں یک رنگ، آزادانہ وفقیرانہ میگذارنید و تکیہ برتوکل داشت۔ ایں ابیات ازاں درویش جگرریش دریں محل مثبت افتادہ:

تڑپ کر مر گئی بلبل قفس میں	پڑی تھی ہائے کس ظالم کے بس میں
خدا کسی کو گرفتار زلف کا نہ کرے	نصیب میں کسی کافر کے یہ بلا نہ کرے

بسمل، مرزا ابجو بیگ

مرزا ابجو بیگ بسمل، وے شاگرد رشید مرزا محمد رفیع سودا، قوم مغل، ہندوستان زا، پیشہ سپاہ گری میکرد۔ رغبت مزاج بطرف ریختہ گوئی بسیار داشت۔ صاحب دیوان مترادف واکثر رباعیات ومخمس وہجو ومدح وغیرہ از وبخوبی سرانجام یافتہ۔ کلامش مطبوع وکیفیت انگیز است۔ ایں اشعار گفتۂ او نگاشتہ می آید:

گل صد برگ دیجو اس کے ہات	دل صد چاک کی کتابت ہے
طرز سخن کو میرے کہتا[1] ہے سن وفا سے	آتی ہے بوئے الفت بسمل ترے سخن سے
نہ ہوتا گر کسو سے آشنا دل	تو کیا آرام سے رہتا مرا دل
اسے ہر وقت خوباں کیوں نہ چاہیں	رکھے ہے آرسی کی سی صفا دل
خدا جانے ہوا کیا اس کو بسمل	ابھی تو تھا بھلا چنگا، مرا دل
لہو پی رہ گیا بسمل وگرنہ	ملاتا اپنے تئیں وہ خاک و خوں میں

بشیر، میر بشارت علی

میر بشارت علی بشیر، شاگرد میر نظام الدین ممنون ساکن دہلی۔ از چندے بہ لکھنؤ رفتہ سکونت اختیار کردہ بود۔ از آنجا کشش آب ودانہ وے رابمرشد آباد رسانید۔ در ہنگام معاودت، بملک بقا

---

1 (ل) سُن کرلگا وہ کہنے۔

فایز گردید۔ خدائے پاک کہ غفور و رحیم گنہگاران است، مغفرتش بخیر گرداناد۔ کلامش گرمی دارد:

دل بیتاب پہ ہم ہات دھرے بیٹھے ہیں — دیکھتے ہیں تجھے، حسرت سے، پرے بیٹھے ہیں
یا رب نہ کھلے زلف گرہ گیر کسو کی — وابستہ ہے واں خاطر دل گیر کسو کی
شاید دل بیتاب کو تسکین ہو اپنے — کھنچوا کے رکھوں سینے پہ تصویر کسو کی

بیخود، نرائن داس

نرائن داس بے خود، مہاجنے است از ساکنین دہلی، مردے متصدی پیشہ، نیک اندیشہ، خلیقے خوش طبع[1]، چسپاں اختلاط، یار باش، مودت ارتباط، سخن دل پذیر خود را بگوش دقیقہ نیوش ہدایت اللہ خاں ہدایت وثناء اللہ خاں فراق رسانیدہ۔ شیریں زبان عذب البیان، پاکیزہ گفتار، فصاحت قران است۔ اکثر در مشاعرہ ہا وارد گردیدہ خاطر مشتاق را بملاقات وہم کلامی سروری بخشد۔ شعرش بدرد آشنا است:

سرشک گرم سے میرے بہا سیلاب، آتش کا — بنا ہے یا الٰہی کیا دل بے تاب، آتش کا
چمن میں آگ موج رنگ گل نے جب سے دی تجھ بن — نظر آتا ہے ہر اک گل ہمیں گرداب، آتش کا
مئے گلگوں کو چشم کم سے تو مت دیکھ اے زاہد — بنایا ہے یہ اعجاز مغاں نے آب آتش کا
مری آنکھوں سے دیکھے سیل اشک گرم کو آکر — نہ دیکھا ہو کسی نے گر کبھی تالاب آتش کا
جلاتے ہیں ہمیں تو بعد مرنے کے بھی سب بے خود — بنا ہے[2] واسطے اپنے ہی سب اسباب آتش کا
کیا کہوں میں حالِ دل یہ عشق کا بیمار ہے — جس سے مجنوں مرگیا، اس کو وہی آزار ہے
ہے خمار عشق میں بازی نرالی ہی کہ یاں — ہار ہے سو جیت ہے اور جیت ہے سو ہار ہے
کفر پر کافر کو عجز اور زہد پر زاہد کو ناز — کیا خدائی ہے تری گمراہ، یہ ہو، وہ نہ ہو
ادھر تو[3] نے جب کہ پیارے نہ دیکھا — کسی نے طرف پھر ہمارے نہ دیکھا
دیکھیں کیا بنتی ہے جی پر ہم اُدھر جاویں نہیں — اور غرور و تمکنت سے وے اِدھر آویں نہیں
دہک جاتے ہیں اک دم میں ہی دم کی آمد و شد سے — مری اس مشتعل دل میں دبے ہیں کیا غضب اخگر

1۔ (ل) شوخ طبع۔ 2۔ (ل) تھا۔ 3۔ (ل) جب کہ تو نے۔

گلے میں اُربسی اب لعل کے ٹکڑوں کی مت پہنو بدخشاں میں کہیں صاحب نہ برسیں اس سبب اخگر

بیتابؔ، خداوردی خاں

خداوردی خاں بیتابؔ، برادر کہیں سعادت یار خاں رنگیںؔ، ساکن دہلی۔ شاگرد میر نظام الدین ممنونؔ، جوان سپاہی وضع، خوش خلق، نیک خو، ذکی الطبع، مربوط گو، بہ فہم ایں راقم رسید، ایں اشعار تالیف ساختۂ اوست:

ہجر میں کاش نکل جائے کہیں دم اپنا ہے سوال اب تو خدا سے یہی پیہم اپنا

مجھ سے وہ ہر دم کہے ہے اپنا خنجر دیکھ کر قتل کیجے تجھ کو جی چاہے ہے اکثر دیکھ کر

زلف خوباں میں عبث دل کو پھنسایا ہم نے مفت میں آپ کو سودائی بنایا ہم نے

بھیدؔ، میر میراں صاحب

میر میراں صاحب بھیدؔ تخلص، شاعر قدیم، سید نوازش خاں خطاب داشت۔ خلف الصدق سید مرتضی خاں بہادر، واایلچی ایران کہ برادر نواب معتمد خاں مرحوم بود۔ ایں ابیات اورا[1] ست:

آہ گر باغ سے وہ سروخراماں گذرے اشک قمری سے گلستان میں طوفاں گذرے

بس کہ ہے آتشِ غم تیز میرے سینے میں ناوکِ ناز ترا دل سے بھی سوزاں گذرے

بہادرؔ، بہادر سنگھ

بہادر سنگھ بہادرؔ، باشندۂ حضرت دہلی، قوم کایستھ متصدی پیشہ۔ مدت است کہ از دہلی برخاستہ درقصبۂ بریلی رحل اقامت افگندہ، از شاگرداں شیخ ظہور الدین حاتمؔ است۔ طبع مطبوع دارد:

مَلا دَلا نظر آتا ہے کچھ گلِ رخسار رہا ہے کس کے گلے کا تو ہار ساری رات

اِدھر تو مسکی ہے چولی اُدھر کھلے ہیں بند نہ جانے کس نے یہ لوٹی بہار ساری رات

برشتہؔ، میاں شرف الدین

میاں شرف الدین برشتہؔ[2]، از دہلی است۔ جواں سعادت مند، وارستہ مزاج، شاگرد عظیم

---

1 (ل) از دست۔ 2 (ل) وسرور میاں مشرف۔

الدین خاں آشفتہ، تازہ مشق است۔ بہر حال فکر درست دارد:

رشتہ توڑا برشتہ الفت کا دیکھ اُن نے شکستہ حال ہمیں

بہادر، راجارام پنڈت

راجارام پنڈت بہادر تخلص، برادر راجہ دیارام پنڈت، مرد عیاش وضع، خوش طبع، گاہ گاہے بریختہ گوئی مصروفیت دارد۔ اکثر ریختی ہا بزبان محاورۂ نسواں طرح میدہد:

یاد میں تیری یاں تلک رویا ہوگئی خشک چشم نم کی تری
وا دریغا ہزار واویلا حال سے میرے ایسی بے خبری

ریختی

جن دنوں تم نے محبت کا دیا تھا پیغام مجھ کو معلوم جو ہوتا یہ ستانا صاحب
توتو میں بخت جلی آتی نہ تم پاس کبھو خیر اللہ کو تھا یہ ہی دکھانا صاحب

ببر علی

ببر علی شاہ ببر علی تخلص، ساکن دہلی، از مریدان میر محمدی مائل وہم چندے شاگردی آں بزرگ نمودہ وحالا شعر بوضع خود میگوید۔ تخلص بہ مر طوالت در ہر بحر غزل گنجائش نمی پذیرد۔ بتاریخ سیزدہم وبیست ونہم، مجلس سماع بخانۂ آن شرف انعقادمی یابد واز قسم رقاصاں وسامعین بسیارے کساں فراہم می شود وخود بتواضع ومدارات وتقسیم نخود بریاں کہ تبرک است، مصروف می گردد۔ مرد بزرگ است بہر حال غنیمت است:

سمجھ لے، ہے خدا کا نام بہتر نہیں ہے اور اس سے کام بہتر
اب اس دنیا کے تو آغاز پر، دل نہ جا اس کا نہیں انجام بہتر
خاک بیچ دیکھ ذرے کو رونق ہے اس کو آفتاب سے فیض
شیخ کو کچھ خبر نہیں اب تک کفر واسلام سے نہیں واقف

موجود ہے ہرآن وہ ہرگز نہیں جدا — برتر ہے گرچہ وہم و گمان و قیاس سے
اس کمان ابرو کے ہم تیرنگہ کے آگے — بے دھڑک اپنے کر، اس دل کو، ہدف بیٹھ گئے

بخشی، حسین بخش

حسین بخش بخشی تخلص از اکبرآباد است، اوقات بہ پیشہ تجارت می گذراند، گاہ گاہے کہ فرصت وقتش دست میدہد ہرچہ برزبانش می رسد بیرون می دہد۔ ایں ابیات گفتۂ اوست:

مردم چشم ہیں طوفاں کے اٹھانے والے — اپنا گھر دیدہ ودانستہ ڈبانے والے
ترا در چھوڑ کر صاحب نہ جاویں گے، نہ جاویں گے — اسی دہلیز کے بندے کہاویں گے، کہاویں گے
کہوں ہوں جس سے میں اس کو بلالا، وہ یہ کہتا ہے — مجھے بیہودہ مت دوڑا، نہ آویں گے نہ آویں گے

برق، میاں شاہ جی

میاں شاہ جی نام، برق تخلص، شاگرد میاں غلام ہمدانی مصحفی، جوان ظریف الطبع حلیم الوضع، ذی تلاش معلوم شد۔ شعر برجستہ میگوید۔

یوں لاکھ ہوں دنیا میں تو کچھ کام نہیں ہے — واللہ کہ تجھ بن مجھے آرام نہیں ہے
ہووے دل پژمردہ مرا کیوں کہ شگفتہ — ہے باغ میں گل، پر وہ گل اندام نہیں ہے
کیا دھوم سے اُمڈی ہے گھٹا ایسی ہوا میں — افسوس کہ ساقی و مے و جام نہیں ہے
اے برق دل اپنا نہ جلا یاد میں اس کی — کچھ خوب تو اس کام کا انجام نہیں ہے

برکت، سید برکت علی خاں

سید برکت علی خاں برکت، ساکن بلدۂ خجستہ بنیاد خیرآباد، نہایت خوش خلق، شیریں زباں، بغایت نیک طینت، فصاحت بیاں، بخوبی ہائے انواع[1] اشتہار دارد وبسیار کشادہ پیشانی، نیک زندگانی شگفتہ روی، سراسر مہربانی، واقع شدہ۔ با دستاں و بیگانہ ہا یکساں بحسن سلوک پیش می آید

---

1. (اصل میں لکھ کر خارج) درآں دیار۔

بمقتضائے مروت و نیک ذاتی بہ انجاح امور خیر دنیوی سعی بلیغ بظہور رسانیدہ، سعادت عقبیٰ حصول می نماید۔ سخن داں نکتہ یاب، ظریف الطبع درایت مآب، دریں عصر ہمچو او کم بہم می رسد۔ عاصی ذکا را اتفاق ملاقات نیفتادہ، از بعض [1] اشخاص ثقات اوصاف حمیدہ اش شنیدہ، مشتاق دیدار فرحت آثار گشتہ، ہمت شریف بفکر فارسی و ہندی می گمارد و تلاشے کامل برروئے کار آرد۔ اشعاریکہ بمن رسیدہ مرقوم قلم نیاز رقم گردانیدہ:

ہر گل زخم میں نکلے ہے اب انداز چمن — سیر کو تو بھی نکل خانہ برانداز چمن

شریک جلسے کہ جب آکے تم ہمارے ہوئے — جو مدعی تھے ہمارے وہ سب تمھارے ہوئے

حریف چھیڑے ہے زلفوں کو اس کی، ہم دن رات — یہ پیچ و تاب اٹھاتے ہیں من کو مارے ہوئے

میں یونہیں جان دی اپنی تو شب پس پردہ — خموش رہ گئے اپنا سا منہ پسارے ہوئے

قطعہ

ہمارے آتے ہی مجلس میں اہل محفل سے — خدا ہی جانے کہ آنکھوں میں کیا اشارے ہوئے

بگڑ گئے تھے جو شب اضطراب سے دمِ صبح — یکا یک آگئے بالوں کے تئیں سنوارے ہوئے

لپٹ کے روئے یہ بولے کہ دیکھیو، ہاں جی — نہ تم ہمارے ہوئے اور نہ ہم تمھارے ہوئے

نہ بار دیتے تھے بزم طرب میں برکت کو — یہ آج کل سے تو کچھ مہربان، بارے ہوئے

دل بے تاب کو کس طور سے ٹھہرائے کوئی — مجھے سمجھائے کوئی یا اسے سمجھائے کوئی

غم اٹھانا مرے اس دل کا ٹھکانے لگ جائے — ایک بھی دم کے لیے پاس جو بٹھلائے کوئی

بام پر اپنے جو ہوتا ہے کبھو جلوہ نما — من یہ چاہے ہے کہ آجی میں سما جائے کوئی

گرم جوشی تری لوگوں کو خوش آتی ہی نہیں — دل میں دھڑکا یہی رہتا ہے نہ بھڑکائے کوئی

میرے اور اس کے کنایہ یہی رہتا ہے سدا — ہم نہیں چاہتے ہیں کس لیے شرمائے کوئی

سن کے چاہت کو مری یوں وہ کہے ہے ناداں — چاہ کہتے ہیں کسے وہ مجھے بتلائے کوئی

واں کے جانے سے مجھے سوچ کریں ہیں سب لوگ — کیا تماشا ہو جو اس وقت میں آجائے کوئی

---

1 (ل) بہ زبانِ اشخاصِ ثقات۔

قطعہ

پا کے برکتؔ کی خبر آ کے یہ بولے لب بام
میری دیوار کے نیچے، کہو، مت آئے کوئی

میں نے اس واسطے دل، اپنا لگایا تھا نہیں
باتیں گھر والوں کی اپنے مجھے سمجھائے کوئی

مِٹی نہ سوزش دل، اشک کے بہائے سے
یہ آگ وہ ہے کہ بجھتی نہیں بجھائے سے

خوش نہ پابند محبت جو ہو یار سے مل
خوب جی کھول کے رویا در و دیوار سے مل

اشکوں کو بہا دیدۂ گریان سمجھ کر
گھبرائے نہ عالم کہیں طوفان سمجھ کر

پردہ نہ کہیں راز کا اُٹھ جائے، اٹھانا
آنکھوں سے مری گوشۂ دامان سمجھ کر

وصل کی مجھ کو نہ امید رہی یار کے ساتھ
رات اک بوسہ کی ٹھہری بہت انکار کے ساتھ

سرد مہری سے مری آتش دل بھڑکا کر
کوئی جاتا ہے چلا، گرمیِ رفتار کے ساتھ

پیدا نہیں گر سینۂ صد چاک کے پیوند
ہو جائیں گے آخر کو ہمیں خاک کے پیوند

یہ آہ رسا کس کی تھی اے یارو کہ جس سے
ہیں شمس و قمر روزن افلاک کے پیوند

قطعہ

خیل عشاق کی ہو کیوں کہ نہ شاہی مجھ کو
برسر عام مناتا ہے دل زار اپنا

اس کا میں چاہنے والا ہوں کہ جو سمجھے ہے
سایۂ بال ہما سایۂ دیوار اپنا

قطعہ

تھی کل شب وصال پس از عمر ہم نشیں
تو سرگذشت پوچھ نہ کیا ماجرا کہیں

پرساں تھے وے تو حال جدائی کا اور ہم
اس سوچ میں تھے کیا نہ کہیں اور کیا کہیں

وہ تیری خاک پہ گریہ کناں گیا برکتؔ
غرض ٹھکانے لگی تیری خاکساری آج

پہنچے آسیب نہ اس کو کہیں، دلگیر نہ ہو
نالۂ شب میں الٰہی میرے تاثیر نہ ہو

قطعہ

میں تو کہدوں اسے پیغام زبانی قاصد — پر یہ خطرا ہے تجھے جرات تقریر نہ ہو
اس لیے خط اسے لکھتا ہوں یہ اللہ کرے — گریۂ ہوش رُبا، مانع تحریر نہ ہو
پی، ہم بغیر تم نے، صہبائے ناب کیوں کر — تنہا گلے سے اتری، پیارے شراب کیوں کر
شہید ناز ہے سرو اس تری رفتار و قامت کا — غرض بوٹا سا قد تیرا، نمونہ ہے قیامت کا
کس کی نگاہِ گرم رُخِ نازنیں پہ ہے — جومنہ کا رنگ فق ہے، پسینہ جبیں پہ ہے
بے وجہ دل جلائے ہے میرا سپند وار — وہ خال خوش نما جو رخِ آتشیں پہ ہے
جی بھر کے آہ کس نے یہ کی ہے کہ اب تلک — اک تہلکا سا رات سے روئے زمیں پہ ہے
اب لی خبر تو کیا تری بیمارِ غم کی آہ — وابستہ زندگی نگہ واپسیں پہ ہے
بہائے چشم سے دریا کے دریا اضطرابی نے — دکھایا مجھ کو یہ عالم تری پوشاکِ آبی نے

ل سے اضافہ:

یہ حالت میری تجھ بن ہے، گیا تو جب کہ پہلو سے — نہ دست و پا میں جنبش ہے، نہ سر اٹھتا ہے زانو سے
تصور میں ترے گر کوئی چھیڑے ہے تو کہتا ہوں — ذرا دم لو کوئی آیا ہوا جاتا ہے قابو سے

بسمل، مولوی محمدی

مولوی محمدی بسمل مردے دانا، روشن طبع، آزاد وضع، از علوم غریبہ وفنون شریفہ نصیبے وافی داشت واز معقولات ومنقولات بسیار باخبر و ماہر بود۔ بیشترے از شایقان بہ تحصیل علوم پرداختہ از خدمت سراپا[1] برکتش استفادہ برمیداشتند، بہر دو زبان فکری کرد۔ دیوان فارسی وریختہ برصفحۂ گیتی از و برقرار است و دو مثنوی ہائے خورد درتشریح مسائل علوم شرعیہ بزبان ریختہ تالیف کردہ۔ ایں اشعار آبدار از فرمودۂ آن می طراز د:

تری گالیاں بھی بہت کھا چکا — مزا عشق کا خوب میں پاچکا

---

1. (ل) سراپا۔

ذرا اب تو کھل کر مل اے مہرباں　　بہت مدتوں تک تو شرما چکا
پھر اب پاؤں کو کیوں لگائی حنا　　قیامت تو سر پر مرے لا چکا
ہوا سبز اب تک نہ تخمِ امید　　بہت مینہ آنکھوں سے برسا چکا
ہوتے ہی وہ سلسلہ مو رو برو　　بندھ گیا جوں شانہ مرا مو بمو
اس لب کی سدا یاد میں پنجہ میں مژہ کے　　نہیں اشک یہ تسبیح عقیق جگری ہے

بیتاؔب ولی اللہ

شیخ ولی اللہ بیتاؔب، مردے معلم، ساکن پانی پت، دران ضلع شاعری مشہور است:

آغوش میں جب تک کہ وہ دلبر نہیں آتا　　ہمدم بخدا مقصدِ دل بھر نہیں آتا
ہے مدنظر قتل ترے ہات سے ہوتا　　کیا ہم کو تڑپھنا تہِ خنجر نہیں آتا
تارنگ نہ اس شب کا ہو آلودۂ مہتاب　　باہر وہ شبِ ماہ میں اکثر نہیں آتا
برگشتگی بخت یہاں تک ہے کہ اُس پاس　　قاصد بھی جو بھیجوں ہوں تو پھر کر نہیں آتا
اس بت سے کہے جا کے حقیقت مری بیتاؔب　　اتنا کسی کافر کے بھی دل پر نہیں آتا
گر دل سے کروں آہ طپاں تیز ہوا میں　　جل جائے ہر اک مرغ ہوا گیر ہوا میں

بہجتؔ، مولوی عبدالمجید

مولوی عبدالمجید بہجتؔ مردیست در دہلی، استفادۂ علوم متعارفہ از خدمت فیض موہبت مولوی محمدی تسکؔیں نمودہ چندے درسرکار سید نظام الدین احمد قادری بعزت گذرانید۔ مرد خلیق وشگفتہ جبیں، سراسر کرم، تلطف قریں، معلوم شد۔ درعہد نوخواستگی ہمت بسخن طرازی می گماشت، بر نصائح والد بزرگوار عمل کردہ ترکش نمودہ:

خورشید ہے شرمندہ ترے منہ سے قمر بھی　　ہے مشک تری بو سے خجل، سنبلِ تر بھی
تنہا نہ دہن نقطۂ موہوم ہے تیرا　　جوں خط حبابی ہے میاں تیری کمر بھی
اس آب و ہوا سے نہ کھلی میری طبیعت　　ضائع ہوا سب گریۂ شب، آہ سحر بھی

کھولا ہے گل اندام نے اب بند قبا کو　　اے باد صبا، بلبل بیدل پہ گذر بھی
بہجت نہ جفا کھینچ تو سن مصرع سودا　　آئی ہے سحر ہونے کو اب تو کہیں مر بھی

بیہوش، میر عبدالرشید

میر عبدالرشید بیہوش ساکن قصبہ شکار پور، مرد طالب علم است۔ آنجا بمعلمی می گذارد گویند کہ در علوم موسیقی ہم مہارتے دارد و متواضع و گرم اختلاط است۔ گاہ گاہے مصروف شعر گوئی میگردد۔ ایں ابیات او راست:

وہ بھی دن تھے کہ گلے میرے لگا رہتا تھا　　اب تو صورت سے بھی میری ہے وہ بیزار ہوا
خورشید ہو مکھڑے سے ترے کیونکہ مقابل　　تو زلف ابھی کھولے تو ہو شام زمیں پر
مدت سے آشنا ہوں، تم بولو یا نہ بولو　　دل تم کو دے چکا ہوں، تم بولو یا نہ بولو

بیقرار، میر کاظم حسین

میر کاظم حسین بیقرار [1] ہمشیر زادۂ سیف الدولہ نواب سید رضی خاں بہادر صلابت جنگ انسان مودت و سعادت مند، خوش خواست۔ کلام خود را بگوش معنی نیوش سخن سنج بے نظیر محمد نصیر الدین گذرانیدہ، سخنش برجستگی دارد:

میں وہ دیوانہ ہوں پابوسی کے جس کے شوق میں　　مردماں، وا حلقۂ چشم سلاسل رہ گیا
جس طرف پھرتا رہا یار و وہ رشکِ آفتاب　　جوں گلِ خورشید دل اپنا مقابل رہ گیا
رخ سے گر زلفیں اٹھیں تو چھوڑ دی اس نے نقاب　　اک نہ اک پردہ ہمارے اس کے حایل رہ گیا
زلف کھول اس نے جو عارض پہ دکھائی مجھ کو　　ایک جا شام و سحر پھر نظر آئی مجھ کو
ظرف بس دیکھ لیا ساقی گلفام ترا　　ساغرِ گل میں نہ مے تو نے پلائی مجھ کو

---

[1] اصل میں حاشیے پر: میر کاظم حسین بیقرار شاگرد رشید میاں نصیر خلف نواب قلندر علی خاں خیلے صاحب طبع وخوش فکر و حاد ذہن و جوان و خوش خلق، مودت ایاس توڈ دشناس است۔ در اصلاح چندروزہ بہ برکت فیض استاد سخن را بجاے رسانیدہ، خداش خوش دارد۔

ناصحا، سیم تنوں کا ہوں میں دیوانہ سدا
کردو وابستہ بزنجیر طلائی مجھ کو

شبِ ہجراں میں ذرا نیند نہ آئی مجھ کو
اس کی کیوں یاد، ولا! تو نے دلائی مجھ کو

اس کے دنداں مسی زیب جو ہنستے میں کھلے
ابر میں برق چمکتی نظر آئی مجھ کو

کیوں نہ پرکالۂ آتش کہوں تجھ کو اے شوخ
سرخ جوڑے نے ترے آگ لگائی مجھ کو

اس کے میں دست نگاریں سے ہوا ہوں کشتہ
ہندوں، دیجو کفن کر کے حنائی مجھ کو

ہوئے جو چاہت کے اپنے چرچے، تو اشک بھر آئے چشم تر میں
کنارہ کش ہو سبھوں سے بیٹھے وہ اپنے گھر میں، ہم اپنے گھر میں

چشم و کمر کی یاد میں اب نہ مجھے عذاب دو
ایک دل نحیف ہے اور ہیں اضطراب دو

شرط ہے حسن اعتقاد جسم کو چاہو، سو کرو
آگ میں رکھ کے پھونک دو، خاک میں لے کے داب دو

بال کو ٹال ہر گھڑی مجھ کو نہ سر عتاب دو
چہرہ پہ خط بھی آچکا اب تو کہیں جواب دو

بیباکؔ، میر نجف علی

میر نجف علی بیباکؔ سید صحیح النسب[1]، اصلش از عرب، از اولاد حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام، مولدش قصبہ کول از مضافات دہلی، و از فن شریف طبابت، خیلے ماہر و باخبر و از شاگردان میاں غلام ہمدانی مصحفیؔ است۔ گویند در قصبہ مذکور باستادی علم برافراشتہ۔ ایں اشعار از موزونی طبع او بندہ ذکاؔ درایں جا ثبت میگرداند:

ہم کو لیل و نہار نے مارا
گردشِ روزگار نے مارا

داد خواہوں سے گھر گئے رستے
اس کا جس کوچہ سے گذار ہوا

صیاد یہ ہوس ہے دلِ داغدار میں
گل پوش کر قفس کو مرے نو بہار میں

بیباکؔ کوئی کھول کے دیکھے تو اب تلک
آتش بھری ہوئی ہے ہمارے مزار میں

بیکسؔ، مرزا محمد

مرزا محمد بیکسؔ۔ بزرگانش از ایران[2] وخود در بلدۂ عظیم آباد سکونت دارد۔[3] شاعر مقرر ے فارسی است دیوانی مکمل ترتیب نمودہ۔ ایں دو ابیاتش کہ در ہجو میر انشاء اللہ خاں انشاؔ خلف حکیم ماشاء

---

1 (اصل میں لکھ کر خارج) از سیادات رضوی۔ 2 ل: ایران زمین۔ 3 ل: مشاق قدیم شاعر۔

اللہ خاں گفتہ، مرقوم کلک نیاز سلک گردانید:

ظاہر میں تو ایسے ہیں کہ ماشاء اللہ سب کہتے ہیں ایک ہوں گے انشاء اللہ
باطن میں جو دیکھا انھیں اتنے ہیں پوچ لا حول ولا قوۃ الا باللہ

بیکسؔ، میر امام بخش

میر امام بخش بیکسؔ، از شاہ جہاں آباد مردے غریب و مسکینت وضع بود و اوقات خود بحاصل عہدۂ خدمت مسجد کہ بر شاہ راہ و متصل چاہ سرخ است، میگذرانید۔ از مرکم مایگی قیدِ ردیف و قافیہ نداشت و ہر چہ بر زبانش میگذشت، از وے سر میزد۔ یاران مجلس را در مشاعرہ شغلے تضحیک بہم رسیدہ بود و او دیگراں را بخندہ می آورد و اشعار خود را بآواز بلند خواندہ خود اصلا بخندیدگی لب نمی کشادہ و خاموش محض بودہ۔ بہ تفریح طبایع خویش و بیگانہ می پرداخت۔ قریب دو صد اشعار وے بمن رسید چونکہ ہمہ ناموزوں و بلا قید تقطیع دریافت شد، درگذشتم مگر ایں بیت کہ از وموزوں گردید بقلم دارم:

ہو چکے دو ہی مولوی نامی مولوی روم و مولوی جامی

بے جانؔ، شیو سنگھ

شیو سنگھ بے جانؔ، قوم کھتری ساکن دہلی، در رمل و قرعہ اندازی دسترس دارد۔ شخصے وارستہ مزاج مسکینت امتزاج واقع شدہ۔ گاہ گاہے کہ از کشمکش زمانہ اور اجتماع حواس میگردد، چیزے از طبعش می تراود۔ از وست:

آسمان گر پڑیں گے ٹوٹ کے ٹکڑے ہو کر جب کبھی[1] آہ ہماری میں اثر ہووے گا

برکتؔ، برکت اللہ خاں

برکت اللہ خاں برکتؔ۔ وے از استادان وقت و صاحب تلاش و عالی طبع و مرد دانا و فہمیدہ و سنجیدہ و جہاں دیدہ است۔ شعر فارسی را برتبۂ اعلیٰ رسانیدہ و اکثر کساں را بفیض اصلاح خود،

---

1 (ل) کہیں۔

شاگرورشید گردانیده۔ درقصبۂ کوتانہ رونق پذیر است وبہ سدرمقی کہ ازسرکارعمدۃ الاراکین، زیب النساء بیگم صاحبہ مقرر است، بہرحال خوش می گذراند[1] از بسکہ قوت علم وملکہ فارسی گوئی بسیار دارد، کلامش مطبوع طبائع خاص وعام است، بتصنیف شعر ہندی کہ ادنیٰ درجۂ اوست، طبع شریفش کمتر مایل میگردد۔ روزے بتکلیف احبا این شعر ریختہ تالیف فرمودہ، بہر کیف خالی از تلاش وکیفیت نیست وازاں بوئے استادی می آید:

نہ اندیشہ کرو پیارے کہ شب ہے وصل کی تھوڑی　　تم اپنی زلف کو کھولو، سحر ہووے تو میں جانوں

بےخبر

بےخبر تخلص، ساکن لکھنؤ، شاگرد نورالاسلام منتظر، اکثر شعر برجستہ از طبع زاد او مسموع میشود۔ سخن بہ اندازی گوید۔ ایں بیت از اشعار خوش گفت ہای اوست:

جو نہیں شب، بےخبر آئی خلخال کی آواز　　آنکھ اپنی وہیں کھل گئی چھم چھم سے کسو کی

ببر

ببر تخلص، وے از مشاقان قدیم واز معاصران[2] میر نجم الدین آبرو است۔ یک مطلع اش بہ زبان قلم حوالہ ساختہ:

لم یلد مولیٰ تو ہی، بے شک ہے خاص وعام کا　　سب ترے محتاج ہیں، کیا اولیا کیا انبیاء

بےجان، عزیز خاں

عزیز خاں بےجان، قوم افغاں، ساکن دہلی۔ گویند کہ غزل خود را بنظر یکے از شاگردان شاہ حاتم در آوردہ ودر سال وماہے چہار پنج غزل از وسر[3] میزند وبیشتر اشعار متفرقہ گوید:

ایسے ناداں نہیں ہم، تم کو نہ پہچانیں گے　　ہم سخن غیر سے ہوتے ہو جو آواز بدل

پیچ دیتا ہے تجھے، کہہ کے برادر یہ رقیب　　اس سے دستار نہ، اے خانہ برانداز، بدل

---

1 می گذارد۔ 2 (ل) معاصرین۔ 3 (ل) سر بر می زند۔

نہ بوئے مشک ہو ایسی نہ بوئے عنبر تر جو لپٹیں آتی ہیں گل رُو ترے پسینے سے

بےنوا، مقبول

مقبول شاہ بےنوا ساکن شاہ جہاں آباد، از مریدان علمائے (اہل یقیں روشن ضمیر حقیقت بین) مولوی رفیع الدین زاد برکاتہ، آزادنہ وقلندرانہ میگذراند۔ مشق مرثیہ خوانی از محمد حفیظ حفیظ نمودہ، واشعار گفتہ ہائے خودرا باصلاح میر عزت اللہ عشق آب وتاب دادہ۔

کہیں اس زلف کی لٹ کھل گئی ہے چلی آتی ہے بو مشکِ ختن کی
نہیں جز دید مطلب اور ہم اے جان رکھتے ہیں ہمارے سر پہ ناحق لوگ کچھ بہتان رکھتے ہیں
پڑے دستِ جنوں کے ہاتھ ہم جس دن سے اے ہمدم گریباں ٹکڑے ٹکڑے، دھجیاں داماں رکھتے ہیں
یہ رتبہ میں نے پایا عشق میں اس شاہ خوباں کے بندھی سر پر ہے سیلی اور فقیری شان رکھتے ہیں

بیتاب

بیتاب بزرگے بود از اساتذۂ قدیم، بیشتر بہ ایہام گوئی ہمت میگماشت۔ ایں ابیات از اں مرحوم ومغفور است:

ابرو اس کی ہلال کے مانند خال اس کا بلال کے مانند
کیوں نہ ہم سے ہو وہ سجن باغی قد ہو جس کا نہال کے مانند
گل رخوں کی گلی میں اے بیتاب خاکپا ہے گلال کے مانند

بیتاب

بیتاب شخصی باشندۂ دہلی، از شاگردان میر قیام الدین علی قایم۔ شعرش دردے دارد۔ از وست:

بیتاب بھی کیا جوان تھا اے وائے ہو خانہ خراب اس اجل کا

بیتاب، سیوک رام

سیوک رام بیتاب از استادان وقت اصلاح سخن یافتہ، شعر دل پذیرش خالی از لذت وکیفیت نیست۔ بتلاش می گوید۔ ایں ابیات تصنیف ساختۂ آں بزرگ است:

نہ رہے باغ جہاں میں کبھو آرام سے ہم — پھنس گئے قیدِ قفس میں، جو چھُٹے دام سے ہم

اپنے مذہب میں ہے ایک شرط، طریق اخلاص — کچھ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے ہم

محبت کی بھی کچھ ہوتی ہیں کیا اے ہم نشیں راہیں — کہ خوباں یوں ہمیں دکھ دیں، ہم ان کو اس طرح چاہیں

بسمل، حفیظ اللہ

حافظ[1] حفیظ اللہ بسمل تخلص، مردے معلم از سکنۂ شاہجہاں آباد، درفن ریختہ گوئی شاگرد میر نصیرالدین نصیر است۔ صلاحیت طبع وثقاہت مزاج بسیار دارد۔ روزے دوغزل بمشاعرہ خواندہ وبعاصی ذکا عنایت ساخت بقلم عجز رقم درداد:

رشک گل! تو ہو چمن میں تو قدح نوش ہوں میں — ورنہ جوں غنچہ لیے خم کو سرِ دوش ہوں میں

خواہش وصل یہ ہے مجھ کو کہ مانند ہلال — دیکھ اے زہرہ جبیں، وا کیے آغوش ہوں میں

مجھ سے اے خارِ بیابانِ جنوں مت الجھو — خانہ گم کردہ ہوں اور راہ فراموش ہوں میں

غنچۂ گل نہیں اے بادِ بہاری! جو ہنسوں — صورتِ زخمِ کہن، ہاں لبِ خاموش ہوں میں

ہوگیا ہوں تری رفتار پہ مدّت سے فقیر — روش کبک دری، جو کفنی پوش ہوں میں

کون آتا ہے؟ جو سننے کو صدائے رفتار — گل کے مانند لگائے ہوئے اب گوش ہوں میں

خاک پر مجھ کو تڑپنے دو، تماشا دیکھو — بسمل خنجرِ مژگانِ جفا کوش ہوں میں

دل میں ہے یادِ سرِ زلف گرہ گیر، ہنوز — دیکھو آویختہ کعبے میں ہے زنجیر، ہنوز

ہوئی مدت کہ لگا تھا مرے سینے پہ خدنگ — زخم میں ہے عوضِ پنبہ پرِ تیر، ہنوز

میرے مرقد پہ بھی اک تشنہ لبی برسے ہے — یعنی ہے خواہشِ آبِ دمِ شمشیر، ہنوز

---

1. ل سے اضافہ۔

دیکھ کر لعلِ شکر بار کا تیرے نقشہ   محوِ حیرت ہے ہر ایک طوطیِ تصویر، ہنوز
اپنے کوچے میں گزر کر، کہ مثالِ بسمل   ہر قدم پر ہیں تڑپتے کئی نخچیر، ہنوز

برقؔ، میرزا خدا بخش بہادر

میرزا[1] خدا بخش بہادر برقؔ تخلص، شاہزادۂ عالی جاہ بحلیہ علم و حلم آراستہ و پیراستہ است۔ اشعارش خوش گفتار جہت نظر ثانی بہ میاں نصیر عنایت می سازند:

ذبح کر مجھ کو نچا شوخ نے خنجر پھینکا   خون ہو، تا کہ، نہ ثابت، یہ سمجھ کر پھینکا
دسترس تجھ کو جو ہاتھوں تلک اس کے تھی، حنا   اس لیے اس نے تجھے پاؤں سے مل کر پھینکا

بلیغؔ، مولوی قدرت اللہ حاجی

مولوی[2] قدرت اللہ حاجی بلیغؔ تخلص، ساکن اولدؔ ہن، معمولۂ پرگنہ سرادہ واقع ضلع میان دو آب یعنی دریاے گنگ وجمن۔ عالم و فاضل و مردے زیرک و ہمہ داں بودہ است۔ گویند کہ یازدہ دیوان فارسی و بسیارے تصانیف ہندی از و بر صفحۂ گیتی یادگار است۔ بیتے از تالیف شریفش بعاصی ذکاؔ دست دادہ:

دل کی کلفت چھپی نہیں رہتی   یعنی الفت چھپی نہیں رہتی

بیتابؔ، شیخ خیر الدین

شیخ[3] خیر الدین بیتابؔ ساکن مستقر الخلافہ اکبر آباد، از شاگردان شیخ رحمت اللہ مجرمؔ ولد شیخ لطیف مصور کہ در فن ہذا دستگاہ خوب می داشت:

بلائیں اس رُخ تاباں کی لیجیے کیونکر   وہ زلفیں دونوں طرف سے جو مار مار کریں

---

1 تا 3 ل سے اضافہ۔

ردیف بائے فارسی

پیامؔ، شرف الدین

شرف الدین علی خاں پیامؔ، مولد و مسکنش اکبر آباد، شاعر پُر زور فارسی بود۔ گاہے ریختہ ہم می گفت۔ سراج الدین علی خاں آرزو و علی قلی والہؔ در تذکرہ ہائے فارسی احوالش[1] من وعن درج نمودہ فصاحت و بلاغت او از شعرش اظہر:

بات منصور کی فضولی ہے ورنہ عاشق کو آہ سولی ہے
دلّی[2] کے کج کلاہ لڑکوں نے کام عشاق کا تمام کیا
کوئی عاشق نظر نہیں آتا ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

پروانہؔ، رائے جسونت سنگھ

رائے جسونت سنگھ پروانہؔ خلف والا قدر راجہ بنی بہادر کہ رکن رکین نواب وزیر الممالک شجاع الدولہ مرحوم بود، مشق فارسی از سرپ سنگھ دیوانہؔ نمودہ و شعر ریختہ خود را بہ نظر استاد بے نظیر محمد تقی میرؔ گزرانیدہ و بعد چندے از میر حسن[3] مصنف نسخۂ مثنوی بدر منیر توسل جست۔ آخر کار از ہمہ ہادر گسیختہ بہ میاں غلام ہمدانی مصحفیؔ در پیوست۔ انسان خوش قماش، عمدہ وضع، نیک معاش، مسموعہ شد۔ ذہن ذکا و فکر رسا دارد:

روئے[4] کتابی سے ہے مخزنِ اسرارِ علم رکھے ہے کاکل سے وہ شملہ بہ مقدارِ علم
غمِ فراق سے از بس کہ کوفت جاں پر ہے شکستگی مری ہر ایک استخواں پر ہے
نسیم آہ نے شاید کسی کی کی تاثیر شگفتگی[5] سی ترے غنچۂ دہاں پر ہے

---

1 (ل) احوال او۔ 2 یہاں ایک شعر لام نستعلیق......الخ: لکھ کر خارج کر دیا اور حاشیے پر لکھ دیا۔ ''ایں شعر از شخصے دیگر است۔ بمقام او نوشتہ شد'' 3 (ل) امیر حسن۔ 4 اصل۔ اضافۂ مولف۔ 5 (قاسم) شگفتگی سے ترا غنچۂ دہاں نہ رہا۔

دیکھتے ہی اس کو، چہرہ پر بحالی آگئی
زعفرانی رنگ جو تھا، اس پہ لالی آگئی
ایک دن دیکھا نہ، تو عاشق کی غمخواری کرے
بے وفا تجھ سے کوئی کب تک وفاداری کرے
کھا تیغ نگہ جھٹ ترے گھایل کو غش آیا
گویا کہ دم نزع میں بسمل کو غش آیا

پاکباز، میر صلاح الدین

میر صلاح الدین عرف میاں مکھن پاکباز، پسر خجستہ خصال سید شاہ کمال از مشایخان صاحب کرامات[1] عہد حضرت فردوس آرام گاہ بود و جمِ غفیر نسبتِ ارادت باآں بزرگ داشت[2]۔ خوش فکر، صاحب شعور، ذکی الطبع، سراسر سرور دیوان سہ ہزار بیت از و سر[3] انجام یافتہ۔ اکنوں دیوانش چنداں مروج نیست۔ بہر حال ایں اشعار از و نگاشتہ شد:

زندگی ہوگئی بسر ظالم کی بے رحمی کے بیچ
ہائے میرے دل کی حسرت رہ گئی دل ہی کے بیچ
مت دکھا اس طرح کی آن مجھے
کوئی دم جیو نے دے جان مجھے
نہایت غم ستی خالی مرا دل آج ہو آیا[4]
کہ صحرا میں گیا تھا، سیر کو واں خوب رو آیا
تو ہی اے پاکباز اس جگ سے کیا ناشاد جاتا ہے
گیا لے کر ہزاروں حسرتیں دنیا میں جو آیا
میں کہتا تھا پری رو کے نہ جا، کوچے میں، مان اے دل
کہا میرا نہ مانا، دیکھ لو، دیوانہ ہو آیا
دل مرا جب سے ہوا زلف سے اے جان جدا
زلف ابتر ہے جدا، دل ہے پریشان جدا
کیوں نہ بے خود ہوں، بغلگیری میں ہے فتنہ ہوش
مشک بو زلف جدا[5] عطر گریبان جدا
نہیں طفلی میں بھی آرام ہے طفلوں کو مدام
خوف استاد جدا، فکر دبستان جدا
ہم تہی دست چلے ہائے بتاں[6] نے لوٹا
دل جدا، جان جدا، دین اور ایمان جدا
جان کو تاب جدائی نہ رہی، ساتھ گئی
جب ہوئے دل سے ترے تیر کے پیکان جدا

---

1 (ل) 'کرامات' تا 'داشت' ندارد۔ 2 اصل/ خ کلام بحسب پیرایہ وفن خود می گفت وخوب می گفت۔
3 (اصل سرخ) سرانجام یافتہ بود۔ چوں مدتے پیری شکست دیگر سخنوراں رو بہ گفتگوے آں عصر را خلاف محاورہ خود داشتند۔ الحال مذکور آں کمتر بہ استماع می آید و دیوانش۔ 4 (ل) ہوتا ہے۔ 5 (ل) جدی۔
6 (ل) بتوں۔

دیتا ہے دل شہادت، شرمائیگا وہ قاتل — دیکھے گا حشر میں جب خونی کفن ہمارا

بے مغز بوالہوس کا، بس ہو تو پوست کھینچوں — یوں اس سے ہم سخن ہو بستہ دہن ہمارا

رہی آرزو، نہ دیکھا پھر پاکباز اس کو — گویا کہ تھا چھلاوہ وہ بن ہرن ہمارا

کیا بات رہ گئی ابھی تیرے دہن میں آ — کہہ بے تکلفی سے، نہ شرما، سخن میں آ

بلبل دوانی کیوں نہ ہو، اس شوخ کا خیال — جلوہ نما ہوا ہے گل و یاسمن میں آ

ترے چاہِ زنخداں میں نہیں خال — کبوتر ہے گویا کوئے[1] میں نیلا

تمھارا گال چمکے ہے ہماری چشم کے باعث — تبھی کچھ صاف ہو ہے جب پھرے ہے اس اوپر بھالا؟

تب وا ہوا دل ہمارا جب دیکھیں اس کی ابرو — کنجی بغیر ہرگز کھلتا نہیں ہے تالا

جو اس کی مو ہے سمکھ رکھتا ہے کھیت اس کو — وہ شوخ گندمی رنگ ہیگا نپٹ جوالا

سیانا [illegible] پاکباز ایسا ہے کوئی — اُتارے جو پری رویوں کا سایا

سمجھ اے دل کہ اس سودے میں ہوتا ہے نرا ٹوٹا — نہ خرچ اب نقدِ جاں وہ سیم تن باطن میں ہے کھوٹا

کرے گا غارت اب یہ اژدہا عالم کو یکدم میں — مرے پیارے نے یارو اپنے سر کا کھولا ہے چوٹا

نہیں ہے دھار سے خنجر کی کچھ یہ کم ارے قاتل — دلوں کو ذبح کرتا ہے دوپٹہ کا ترے گوٹا

کبھی رخ بہت دیکھوں ہوں کبھی زلف — کبھو کا دن کبھو کی ہے بڑی رات

شرم سے آب ہوگیا دریا — تیرے دامن کی جب کہ دیکھی پاٹ

پاکباز اس جوانی پر مت پھول — کوزے کیا جاییے ڈھلیں یا ماٹ

بادۂ عشرت سے خالی کیوں نہ ہو — پہنچی ہو جس شیشۂ دل پر شکست

پاکباز انسان مانندِ شجر — سربلند ہوتا ہے جوں[2] جوں ہوئے پست

بگڑی ہے خط سے یار کی صورت — جوں خزاں سے بہار کی صورت

نہیں بولا ہے گل اگر توحید — شاخ پس کیوں ہے دار کی صورت

مجھ ستی پھرتا ہے وہ مہرو پیارا الغیاث — آگیا کس برج میں میرا ستارا الغیاث

ربط قدیم کا یہی ثمرا ملا ہمیں — تجھ سرو قد کے در پہ نہیں ہم کو بار آج

---

1 کوئیں۔ 2 (ل) جتنا۔

کھویا میں دل سے پیارے کے؟ ہوا اشکبار
پانی ستی ہوا ہے فرو سب غبار آج

دل ہوا زخمی، کہاں اب پایئے صبر و قرار
فوج کب ٹھہرے ہے جب چوٹ آپڑے سردار پر

گو خط سجن کے نکلا ہے، ہے حسن آب پر
حاسد پڑے ہے خاک، کہاں آفتاب پر

کاٹے سروں کو کیوں نہ تری تیغ بے دریغ
آتا ہے رحم موج کے تئیں کب حباب پر

کیوں یہ دل ضعیف نہ پیدا کرے دماغ
عاشق ہوا ہے شوخ نزاکت مآب پر

رونے سے آگ بھڑکے ہے مجھ دل کی پاکباز
پانی کے چھینٹے دیتا ہے کیوں اس کباب پر

اشک کے آنے ستی اٹھتا نہیں دل کا غبار
کرتا ہے تعظیم کب طفلوں کی مردِ باوقار

بے قراری ہاتھ سے کھوتی ہے دولت وصل کی
مے پیالہ سے گرا دیتا ہے دستِ رعشہ دار

غم میں تجھ نازک کمر کی جو مرے اے سنگدل
ہے بجا گر سنگ موسی اس کا ہو سنگِ مزار

جب سے خط نکلا ہے، کم ملتا ہے وہ نخل امید
ہووے ہے میوہ گراں جب آوے ہے ختمی بہار

مٹتا نہیں نصیب کا جو کچھ کہ ہے لکھا
ناحق منڈاوتا ہے ہمارا وہ یار خط

سرد مہری سے ترے مکھ کا ہوا دونا چاؤ
جیسے خورشید کہ خوش لگتا ہے جاڑوں کے بیچ

سانوری لڑکی کا غصہ مجھے خوش لگتا ہے
ترشی دیتی ہے مزا خوب سلونے کے بیچ

تم کو ہم جانتے ہیں جاں کی طرح
تم ہو دشمن یہ ہے کہاں کی طرح

گرچہ ہم ہوگئے عدم تو بھی
بھولتی نہیں تری میاں کی طرح

ہے جسے مہر و ما رویاں کی
ہے وہ گردش میں آسماں کی طرح

ہوگیا چاک چاک دل میرا
دیکھ اس ماہ کو کتاں کی طرح

جاں بلب تیری چشم غلطاں بن
ہوں میں گویا کہ پو پہ انکی نرد

مہر ہے ماہ کے اوپر عاشق
نہیں بے وجہ اس کا چہرہ زرد

ہوا خوش شعلہ رو سے دل لگا کر
عجب دیکھا تماشا گھر جلا کر

ستم سے باغیاں کے خوب روئی
گلے سے گل کے تئیں بلبل لگا کر

بتاؤ تو کہ کیا پھل تم نے پایا
ہمیں اے سروقد اتنا ستا کر

نہ کھاوے پان تو تو کیوں کہ ہو خون
بہت باتیں نہ کر پیارے، حیا کر

دل کی صافی کب رہے گی تو اگر پیوے گا بھنگ   دل مثال آئینہ اور سبزی ہے مانند زنگ
ہوا عاشق کہاتا تھا جو عاقل   وہی ڈوبے جو ہووے بہت پیراک
لگا کر لے گیا وہ نوجواں دل   عزیزاں اب کہاں ہم اور کہاں دل
دیکھ کر تیری یہ پھرکی سی کمر   دل ہمارا ہوگیا لٹو میاں
دیکھ تو روتا ہوں میں کیا زار زار   پیار سے، آ پونچھ، ٹک، آنسو میاں
ہم کب تلک فراق میں تیرے کڑھا کریں   آنسو بہائیں کب تک اور آہیں بھرا کریں
کب مَن لگے ہے ناگ کا یارو ہمارے ہات   جرأت کہاں جو زلف سے ہم دل جدا کریں
بانکی سج اس لیے میں بناتا ہوں پاکباز   دلی کے لڑکے شوخ ہیں، یہ ٹک ڈرا کریں

1

اور گل رخ بت چیں رکھتے ہیں یہ طور کہاں   غصہ سے تیوری چڑھالیتے ہیں فی الفور کہاں
اہل دوزخ ہیں گنہگار و بہشتی زاہد   عاشقوں کی نہیں معلوم کہ ہے ٹھور کہاں
ہوگیا یوں یہ زمانہ دیکھو بے کیفیت   ہائے وہ ساقی کہاں مجلس کہاں وہ دور کہاں

پروانہ، علی شاہ

علی شاہ پروانہ ساکن مرادآباد، جوانے آزاد وضع وارستہ طبع است، قلندرانہ بسر می نماید وشاگرد قیام الدین علی قائم۔ بعضے از واقفین او گویند کہ دستِ غیب دارد واللہ اعلم بحقیقت حال۔ ایں دو بیت از طبع وقاد اوست:

آج ثابت نہ رہے دل نہ کوئی جان درست   اس کی مژگاں نے کیے پھر پر و پیکان درست
ہمت حضرت قایم ہے اگر ہو امداد   چند ایام میں کرلیجیے دیوان درست

پنچھا

پنچھا تخلص، شخصے بود در دہلی مخنث وضع بعہد حضرت فردوس آرام گاہ پنچھی ہم تخلص می کرد۔

---

1 اصل میں/ خ: مجھے درد والم رہتا ہے نت گھیرے میاں صاحب۔ خیر لیتے نہیں کیسے ہو تم میرے میاں صاحب۔ (حاشیۂ مولف) قابلِ تذکرہ نیست از عبث نوشتہ شد۔

دریں فرقہ ہمچو او دیگر کس کہ در ریختہ گوئی زبان فصیح داشتہ باشد کمتر بہم می رسد۔ ایں اشعار رنگین از گفتۂ خوب اوست۔

زلف کو کہنا پریشاں، عقل سے دوری ہے یہ
ہر گرہ میں اس کی دل ہے، گانٹھ کی پوری ہے یہ

ہر چند کہا دل کو، اس نے نہ کہا مانا
پر دیکھا، تو بے جا ہے، دیوانے کا سمجھانا

چمن میں نکتہ کہا جب صبا نے تجھ لب کا
دہن جو گل کا کھلا پھر مندا نہیں تب کا

ردیف التا الفوقانیہ

تاباںؔ، میر عبدالحی

میر عبدالحی تاباںؔ[1] سیدے بود مولد شاہجہاں آباد، از بادۂ گلوسوز حسن فشار وافر داشت وعالمے از سودائے حسنش شورے در سروسوزے درجگر و درعہد شباب در گذشت۔ گویند کہ اکثر نظارگیان جمالش اشعار خوش گفتار خود را مشہور بنامش میکردند واللہ اعلم:

صرف ہے چاک گلالاں میں مری خاک ہنوز
ہے نصیبوں میں مرے گردش افلاک ہنوز

گلِ تر سے جو نکلتا ہے برنگِ شعلہ
کون دل سوختہ[2] جلتا ہے تہِ خاک ہنوز

ہوتا تمھارے عشق میں کیوں درد سر مجھے
یہ رنگ صندلی نہ خوش آتا اگر مجھے

کس سے فریاد کروں میں کہ وہ ہرجائی ہے
آہ[3] اس بات میں تو اپنی[4] ہی رسوائی ہے

قیامت مجھ پہ کل کی رات اس کے ہجر میں لائی
نہ آیا یار میرا آج بھی وہ رات پھر آئی

نہیں ممکن کہ شہرت اور دیوانے کی واں پھر ہوں
کہ اک صحرانشینی کی طرح مجنوں سے بن آئی

ہمارے اس بسنتی پوش کے آنے سے مجلس میں
پڑی ہے دھوم تاباںؔ اس طرح، گویا بسنت آئی

نہ کہیو میرا سوزِ دل، شمع سے
وہ دل سوختہ صبح تک روئے گی

آج تھمتے نہیں مرے آنسو
تیرے کوچہ کی راہ پائی ہے

یوں تری زلف میں دیکھے ہیں گرفتار کئی
ایک زنجیر میں جیسے کہ گنہگار کئی

کیا کہوں میں ماجرا اپنے دلِ بیتاب کا
آپ جس کو دیکھ کر زہرا ہوا سیماب کا

---

1 (سرور) درعہد حضرت فردوس آرام گاہ بود......شاگرد شاہ حاتم: (حسن، مصحفی) شاگرد محمد علی حشمت۔ (اصل میں/خ) عیب شراب نوشی بسیار داشت (ل) بہ شراب خوری بسیار عادی شدہ۔ مدتے سرور طبیعت کوراند، دفعتاً ترک کرد۔ بحکم آنکہ ترک عادت است، فوراً بیمار گشت و بہ قضائے الٰہی رحلت نمود۔

2 (شیفتہ) جاں سوختہ۔ 3 (سرور) ہائے۔ 4 (شیفتہ) میری بھی تو۔

مدت سے ہیں یک مشت پر آوارۂ چمن
نکلی ہے یہ کس کی ہوس بال فشانی

گلے لگ رات کو وہ گل بدن جب ساتھ سوتا ہے
ہمارا صبح کو جامہ بسا پھولوں میں ہوتا ہے

اس بے وفا کو میرے جاکر کوئی سناوے
مشکل ہے مجھ کو جینا گر آج تو نہ آوے

عشق کیا ہے جا، کسی کامل سے پوچھا چاہیے
کس طرح جاتا ہے دل، بے دل سے پوچھا چاہیے

پاس تو سوتا ہے چنچل پر گلے لگتا نہیں
منتیں کرتے ہی ساری رات، ہوجاتی ہے صبح

زبس تیر مژگاں سے ہے دل کو الفت
جہاں دیکھنا خار واں لوٹ جانا

ایسا ہی مری چشم کا گر جوش رہے گا
تو شمع صفت جسم بھی پانی ہو بہے گا

اخگر کو چھپا راکھ میں میں دیکھ کے سمجھا[1]
تاباںؔ تو تہِ خاک بھی جلتا ہی رہے گا

جوں برگ گل سے باغ میں شبنم ڈھلک پڑے
کیا ہو کہ برگ تاک سے یوں مے ٹپک پڑے

محفل کے بیچ سن کے مرے سوزِ دل کا حال
بے اختیار شمع کے آنسو ڈھلک پڑے

مرتے ہیں آرزو میں اس وقت آن پہنچو
ٹک تم[2] کو دیکھ لیں ہم، جلدی سے جان، پہنچو

رباعی

ہوتا ہوں ترا جو اشتیاقی ساقی
بے خود ہو پکارتا ہوں ساقی ساقی
ہے مجھ کو خمار شب کا، لا، صبح ہوئی
شیشے میں جو کچھ کہ مے ہو[3] باقی، ساقی

آئی بہار شورشِ طفلاں کو کیا ہوا
اہل جنوں کدھر گئے یاراں کو کیا ہوا

غنچے لہو میں سب نظر آتے ہیں سر[4] بسر
اس رشک گل کو دیکھ، گلستاں کو کیا ہوا

اس جامہ زیب غنچہ دہن کو چمن میں دیکھ
حیراں[5] ہوں میں کہ گل کے گریباں کو کیا ہوا

صبح آغوش میں تھا مہر درخشاں میرا
اس سبب خانۂ دل آج ہے تاباں میرا

سرو تعظیم کریں، پھول کریں جھک کے سلام
جائے گلشن میں اگر سرو خراماں میرا

غیر کے ساتھ جو دیکھا ہے اسے بال کھلے
اس سبب دل ہے بہت آج پریشاں میرا

گرم ہے عشق کا بازار اسی سے اب تو
حق تعالیٰ کرے، جلتا رہے تاباںؔ میرا

---

1 (ل) بولا۔ 2 (ل) ٹک دیکھ لیویں تم کو۔ 3 (میر) ہے۔ 4 ل: تر بتر۔ 5 سرور: حیران ہوں کہ۔

ہاتھ میں اس کے ہاتھ تھا ہیہات　　دل مرا گم ہوا ہے ہاتھوں ہات
لے دل کی خبر چشم مرے یار کی، کیوں کر　　بیمار عیادت کرے، بیمار کی کیوں کر

رباعی

مدت میں حقیقت اس جہاں کی جانی　　یاں دل کا لگانا ہے نپٹ نادانی
دانا ہے اگرچہ تو، سمجھ اے تاباںؔ　　باقی اللہ اور سب کچھ فانی

تمکینؔ، میر نثار علی

میر نثار علی تمکینؔ، مردے قابل و ہمہ دان و آشنا پرست و خلیق و متواضع است۔ در رمل ہم دست گاہ خوب دارد۔ در ۱۲۳۸ھ ہم رکاب فیض انتساب شوکت جنگ بہادر از فرخ آباد بہ دہلی تشریف آورد و بملاقات خود عاصی ذکاؔ را مشمول عواطف مشفقانہ گردانید و باشعار خوانی و کلامات دلاویز نہایت مسرور و محظوظ ساخت۔ اکثر در مجالس مراختہ رونق افزا میگردد و غزل طرحی می گوید۔ کلام دلپذیرش خالی از کیفیت و تلاش نیست:

ستم تو دیکھیے گلچیں نے گل کہاں توڑے　　جہاں کہ باغ میں بلبل کا آشیانہ تھا

تائبؔ، حافظ عبداللہ

حافظ عبداللہ تائبؔ، از شاہ جہاں آباد است اشعار خود را بنظر حافظ عبدالرحمٰن خاں احسانؔ گذرانیدہ، مرد نیک ذات، ستودہ صفات، حافظ کلام ربانی است۔ ایں شعر از طبع نقاد اوست:

تشنۂ دیدار ہے آ دیکھ لے وہ بے زباں　　ہے زباں اپنی نکالی بام سے میزاب نے

تجلیؔ، میر محمد حسین

میر محمد حسین تجلیؔ[1] خلف میر محمد حسن کلیم کہ شاعر غرائے فارسی مشہور است، از محمد تقیؔ میر قرابت ہمشیرہ زادگی دارد۔ مردے سید، سپاہی پیشہ، صاحب عزت، خوش تقریر، یار باش، اہل توفیق است

---

1 ل: میر محمد حسن عرف میاں حاجی تسلّی خلف میر طالب حسین کلیم؛ قاسم: میر محمد محسن مرحوم فرزند دلبند میر محمد حسین کلیم؛ یکتا: میر حسین علی تجلی نساخ: میر حسن میر حاجی دہلوی؛ سرور: المشہور بہ میاں حاجی۔

حالا در سرائے عرب رحل اقامت افگندہ۔ بہر حال خوش میگذراند چندے حاجی ہم تخلص نمود، فکر شعر بطرز میر میکند۔ مثنوی لیلیٰ و مجنوں بسیار خوب گفتہ و تلاش نمایاں بکار بردہ۔ ہمگی دیوانش بنظر ایں بندہ ذکا در آمدہ۔ ازاں چند ابیات انتخابی برآوردہ برشتۂ تحریر کشیدہ۔ اشعاریکہ از فکر بلندش تراویدہ، ازاں بوئے استادی می آید و ناخن بدل است:

شب خیال اس چشم کا دل سے زبس ہمخانہ تھا
اشک کو میرے خرامِ لغزش مستانہ تھا

کس نے چشم مست کو کھولا تھا باغ دہر میں
جس کو دیکھا گل نمط اک ہاتھ میں پیمانہ تھا

تجلی ہم نے دیکھا تار تار اس زلف کا لٹکا
نہ پایا دل ترا لیکن خدا جانے کہاں اٹکا

زخمی ہوا ہوں جب سے میں تیرِ نگاہ کا
اک تار بندھ گیا ہے مرے دل سے آہ کا

نشے میں آنکھوں سے اس بت نے جب سلام لیا
گرا ہی ہوتا میں زاہد، خدا نے تھام لیا

ہمیں سرمہ گوں چشم نے اس کی مارا
کفن سرمئی کچھو یارو ہمارا

تجلی ترا میں نے کل یار دیکھا
کہوں کیا، نہایت طرحدار دیکھا

آرام کہاں، دل تو پڑا غیر کے پالے
کافر کو خدا عشق کے پھندے میں نہ ڈالے

صبا بیت الحزن میں کہیو جاکر پیر کنعاں کو
کہ تیرا نور دیدہ روشن اب کرتا ہے زنداں کو

ہمارے دل پہ داغ دوری جاناں کفایت ہے
چراغ و شمع یاں کیا چاہیے گور غریباں کو

چمکتے ہیں ترے دنداں، مرے رونے پہ ہنستا ہے
ادھر بجلی چمکتی ہے، ادھر باراں برستا ہے

فصل گل کے کچھ گئے دن، کچھ چلے جاتے ہیں یہ
آ پہنچ ساقی کہ پھر ایام کب آتے ہیں یہ

طرب کا رنگ رخ گل پہ آشکار آیا
کلی سے کھل گئے جوں ہی وہ گلعذار آیا

یہ شوق دیکھ پس مرگ بھی تجلی نے
کفن میں کھول دیں آنکھیں، سنا جو یار آیا

جب رات تھی دراز، ملاقات کم ہوئی
ملنے کے دن جو آئے تو اب رات کم ہوئی

عشق میں کرتے ہیں بدنام تجلی کو عبث
وہ بچارا کبھو اس کوچہ میں آیا نہ گیا

بوریا کی بوریائی فقر سے میرے گئی
آب مے سے پیر دہر اک عمر جب دھویا کیا

کاش جوں منقار طوطی لال ہوتی یہ زباں
بند اس پنجرے میں مجھ کو جان کر گویا کیا

ہائے عشق، اچھا بنایا تو نے اس کا قصر وصل
کوہ کن پتھر ہی، مرتے مرتے تک، ڈھویا کیا

تجلّی مان، باز آ، عاشقی میں جان کھووے گا
اوایل میں تو ہنستا ہے پر آخر بہت رووے گا

آنکھ دکھتے میں تو عاشق کے لگا گال سے خوب
زرد سو وجہ ہے ظالم ترے رومال سے خوب

ہائے اس طفل نے مٹی کے کھلونے کی طرح
لاکھ باری میرے دل کے تئیں پھوڑا جوڑا

گل کھلے کیا کیا کہ جس کو سر چڑھایا خلق نے
ہوگئے پامال مرجھائے، گرے، گلشن کے بیچ

جب چلا میں، اشک مکھڑے پر بہا، کہنے لگے
چاند ہے برسات کا، ظالم نہ جا ساون کے بیچ

ہم سمیٹے ٹکڑے اپنے دل کے کوچے سے ترے
لعل میں یہاں سے نہیں بھر لے چلا دامن کے بیچ

صبح آ، سوز و گداز عشق کی خلوت میں دیکھ
شمع ہو فانوس میں، یوں میں ہوں، پیراہن کے بیچ

رویئے اتنا فلک تک پہنچے اوج موجِ اشک
ماہ بھی تڑپا پھرے پانی میں ماہی کی طرح

افسوس مژہ بال پر یدن نہیں ورنہ
جوں مرغ نگہ اڑ کے ملیں یار سے آنکھیں

اتمام عبارت کی جگہ کرتے ہیں جوں بیض
عاشق کی ترے لگ چلیں طومار سے آنکھیں

وادی میں لگی آگ جلا طور تجلی
پر سیر نہ ہو بن جلوۂ دیدار سے آنکھیں

تہِ دامن آگیا جو میں روزِ حساب میں
کہنے لگے بٹھاؤ اسے آفتاب میں

ہم طرز جنوں جب کبھی ایجاد کریں گے
پھر قیس کی محنت کو بھی برباد کریں گے

گل مری تربت پہ اب غیروں سے بھجوانے لگے
مر گئے پر بھی مرے، یہ داغ دکھلانے لگے

تمھارے جب سے خطِ سبز کو خیال کیا
گلوں کے وصف میں تم نے زباں کو لال کیا

کئی دن سے روٹھ گئے ہیں وے، نہ پیام ہے نہ کلام ہے
جو یہی طرح رہی ہم نشیں، تو ہمارا اس کو سلام ہے

چمکتے ہیں ترے دنداں، مرے رونے پر ہنستا ہے
ادھر بجلی چمکتی ہے، ادھر پانی برستا ہے

تجلّی، شاہ علی

شاہ تجلّی علی تجلّی از حیدرآباد است، درویشے مسکیں نہاد، مستحکم اتحاد، اکثر بفکر سخن پرداختہ، وقت راخوش میدارد۔ ایں ابیات موزوں کردۂ اوست:

گر وصل اس کا آئے میرے ایک بار ہات
ہر مو سے بہر شکر ہوں پیدا ہزار ہات

دامن کا کس کے عکس پڑا ہے کہ آج تک
پھیلا رہے ہیں سرو لب جویبار ہات

غنچہ کی طرح خونِ جگر پی ویں غم میں ہم — پہنچادے یوں حنا ترے پا تک، نگار ہات

تجلّی، محمد عظیم

محمد عظیم تجلّی، ساکن لکھنؤ شاگرد رشید میاں قلندر بخش جرأت، عالم فاضل، مرثیہ گو مصنف ریختہ وفارسی، طبع مرغوب دارد وفکر خوب:

مزے کہاں سے انھیں عیش وزندگانی کے — وے ولولے نہ رہے عہد نوجوانی کے

کتاب قصۂ فرہاد و دفترِ مجنوں — یہ دو ورق ہیں مری عشق کی کہانی کے

سمجھنا سخت مشکل ہے مری شیریں مقالی کا — کوئی خسرو سے پوچھے لطف اس مضمون عالی کا

تحسین، میاں غلام مصطفیٰ

میاں غلام مصطفیٰ تحسین، پسر والا قدر مولوی رفیع الدین، بسیار خلیق وشفیق، متواضع ودوست آشنا، مسموعہ شد۔ نومشق است۔ فکر تازہ دارد وسخن خود را بگوش معنی نیوش حکیم ثناء اللہ خاں فراق می رساند۔ طبع معنی زا وفکر رسا دارد۔ ایں اشعار از تالیف آں بزرگ زادۂ والا منش دریں مقام ثبت افتادہ:

عید کے دن مجھے کہنے یہ ہر اک یار لگا — ہو مبارک، تری[1] چھاتی سے وہ دلدار لگا

جدا مجھ سے جب وہ دل آرام ہوگا — اجل کا اسی وقت پیغام ہوگا

نہ کر اطفل کوئی سنگ اٹھا لانے کی — آمد آمد ہوئی شاید ترے دیوانے کی

ترقّی، مرزا محمد تقی خاں

مرزا محمد تقی خاں بہادر ترقّی، از اقرباء نواب وزیر الممالک بہادر ساکن فیض آباد، مرد عمدہ معاش، صاحب شان، خوش باش، ذی ثروت، اہل حشمت، ہمچو لقب نامی خود سرانجام ترقی مہیا دارد وبہ عیش وبے غمی ایام می گذارد وفکرش رنگیں وکلامش متین۔ گویند کہ بدولت[2] خانۂ آن والا جاہ مجلس مراختہ ہم منعقد می گردد۔ ایں ابیات از طبع نقاد اوست:

اس عشق کے داغوں سے بہت پھولے پھلے ہم — اک ٹٹی بنفشہ کی تھے جس وقت جلے ہم

---

1 سرور: کہ گلے سے ترے۔ 2 اصل میں پہلے اس کی جگہ: بخانہ۔

تو نے عاشق کی بھی کچھ اپنے خبر پائی ہے جان دیتا ہے وہ اور خلق تماشائی ہے
درو دیوار سے آتا ہے نظر جلوۂ دوست آئینہ خانہ مرا گوشۂ تنہائی ہے
اے ترقی بات جی کی جی میں رکھ منہ سے نکلی اور پرائی ہوچکی
کون سا گل اس باغ میں آیا، رنگ اور بو سب لوٹ گیا کس نے آنکھ لڑائی تھی جو دیدۂ نرگس پھوٹ گیا
کیا شعاعِ حسن اس خورشید رو کے تن پہ ہے پرتو آسا نور کا جو سارے پیراہن پہ ہے
قتل کی لذت کا کس منہ سے ادائے شکر ہو حشر تک احسان قاتل کا مری گردن پہ ہے
جھاڑ کر چلتا ہے، اٹھ کر بیٹھتا ہے، پھر وہیں خاک کس حسرت بھرے کی، یہ ترے دامن پہ ہے
یاد آتی ہے نکیلی وہ مژہ ٹانکے کے وقت اس لیے میری نظر جراح کی سوزن پہ ہے
جرم کچھ ٹھیرا لے قاتل، پھر مجھے تو قتل کر نیک نامی میری ثابت دوست اور دشمن پہ ہے
ساکنانِ کعبہ نے کی بت پرستی اختیار وہ صنم، نامِ خدا، کیا ان دنوں جوبن پہ ہے
جھانکتے میں چشم بیمار اس کی جب دکھلائی دی میں نے جانا پھول نرگس کا دھرا روزن پہ ہے
دیکھیے اب کس مسلماں کو کرے گا قتل تو آج غصہ بے طرح کافر تری چتون پہ ہے
دست گلچیں عندلیبو، کیجیے کیوں کر قلم آفت نو جس کے ہاتھوں سے سدا گلشن پہ ہے
داغ دل روشن رہے ہے رات دن مثلِ چراغ روشنی کی احتیاج اب کیا مرے مدفن پہ ہے
تو نے اک دن بھی نہ دیکھا چڑھ کر اپنے بام پر روز اس کوچے میں ہنگامہ مرے شیون پہ ہے
ہے ترقی میرے اس سینے میں وہ آتش نہاں طعنہ زن جس کا شرر ہر شعلۂ گلخن پہ ہے
بہار عشق میں جب مایل سیر چمن تھے ہم برنگ گل سدا مصروف چاک پیرہن تھے ہم
رہا وہ شمع رو بھی تا سحر مصروف نظارہ سراپا مثلِ پروانہ جو گرمِ سوختن تھے ہم
ہزار افسوس، جاسکتے نہیں آج اس کے کوچے تک ترقی کل تلک جس کے شریک انجمن تھے ہم
ان نے تو دل یہ دُکھایا ہے کہ جی جانے ہے پر مزا میں نے یہ پایا ہے کہ جی جانے ہے

تمنا، اسد علی خاں

اسد علی خاں تمنا خیلے سیر مشق و معنی یاب و دقیقہ رس و فراست مآب معلوم شد خوبی کلامش از

اشعار فصاحت التیامش اظہر و وسعت افکارش ازادائے سخن او ظاہر۔ ایں ابیات از تالیف اوست:

ے کشو حرمت رکھو ے کی، سراپا نور ہے　　دختر رز نور چشم حضرتِ انگور ہے
سرو کی سولی پہ چڑھنا فاختہ کا حق ہے یاں　　یہ بھی اک از خانہ زادانِ میاں منصور ہے

تاثیر، میر صادق علی

میر صادق علی تاثیر سید زادہ ایست، ساکن حیدر آباد، در تعریف شمشیر[1] نواب وزیر الممالک چنیں گفتہ۔ دیگر از تصنیفات او چیزے بدستم نرسیدہ وآں ایں است:

اعدا کی صف پہ جب چلے وہ تیغ آبدار　　ہو ایک کے تو دو وہیں اور دو کے ہوویں چار

تمنا، میر اسد علی خاں

میر اسد علی خاں دکھنی تمنا تخلص، شخصیت باصلاح صورت پیراستہ وبحسن سیرت آراستہ، سلیم الطبع، شایستہ مزاج، مسکینت وضع، تَوَدُّد امتزاج، رباعی کہ در تعریف[2] نواب نظام علی خاں بہادر گفتہ باین خیر خواہ بلا اشتباہ بندہ ذکا بہم رسیدہ، بقلم درداده از وست۔ مطلع:

کرتا ہے کار بستہ سے نت چرخ وا گرہ　　ناخن ہلال پاس ہے انجم ہے تا گرہ

رباعی

اے مہر سپہر جود و اے زمین کے بدر　　اے مسند عز و جاہ واقبال کے صدر
مانگے ہے تمنا یہ دعا حق میں ترے　　ہر روز ہو روز عید، ہر شب، شب قدر

تسکیں میر سعادت علی

میر سعادت علی تسکیں در لکھنؤ است۔ نسبت تلمذ با میر نظام الدین ممنون درست دارد گویند

---

1 اصل میں پہلے: شمشیرے کہ نزد کسے از آشنایان خود ملاحظہ کردہ بود۔ 2 اصل میں اس کی جگہ پہلے: تعریف کسے گفتہ بود از اں یک مطلع؛ ل: مشیر الملک نواب نظام علی خاں بہادر گفتہ واز جملہ اشعارش مطلع۔

کہ اہل دیوان وصاحب تلاش است، مگر از فحوائے کلامش بایں بندہ ذکاؔ ہم دریافت می شود کہ فکر تازہ دارد و کلام گرم و برجستہ می گوید:

کیا خاک ہے صفائی بھلا ہم میں یار میں — خط بھی لکھا جو ہم کو تو خط غبار میں
حال اگر کہیے تو ہم سے وہ صنم رُکتا ہے — اور چپ رہیے تو مشکل ہے کہ دم رُکتا ہے

ل سے اضافہ:

تونے اٹھا محفل سے ہم کو غیر سے کی مے خواری رات — خون دل اپنا پیتے گذری رشک سے ہم کو ساری رات

تسکیںؔ، گنگا داس

گنگا داس تسکیںؔ[1] قوم پنڈت، انسان خلیق و شگفتہ پیشانی، یار باش، نیک زندگانی واقع شدہ۔ ایں اشعار از فکر خوب اوست:

ناصح یہ نصیحت اب تم کرتے ہو کیا بیٹھے — جو ہووے سو ہو بہتر دل اس سے لگا بیٹھے
عقل و خرد و طاقت اور صبر و شکیبائی — جب سامنے وہ آیا، ہم سب یہ لٹا بیٹھے
کیا غم ہے ہمیں تسکیںؔ، اوقاتِ زمانہ سے — اب ہم شہِ مرداں کے دامن تلے آ بیٹھے

تسلّیؔ، ٹیکا رام

ٹیکا رام تسلّیؔ تخلص اصلش از قصبۂ اٹاوہ و مولدش بلدۂ لکھنؤ، خلف لالہ گوپال رائے بخشی فوج نواب وزیر الممالک بہادر، در فارسی شاگرد مرزا محمد فاخر مکیںؔ و در ریختہ از غلام ہمدانی مصحفیؔ استفادہ نمودہ۔ خیلے صاحب شعور و فہمیدہ و ذکی الطبع، شایستہ وضع اصعا یافتہ۔ از تو تیائے کلامش واضح گردید کہ خوش گو و کم گو و معنی یاب است:

دیکھے سماں جو اس مژۂ اشکبار کا — ہو جاوے شق جگر رگ ابر بہار کا
آنکھیں سحر تلک ترے در سے لگی رہیں — کیا پوچھتے ہو حال شبِ انتظار کا
اب بھی اس نیم جان میں کچھ ہے — فائدہ امتحان میں کچھ ہے

---

1. اصل میں پہلے: کشمیری پنڈت۔

میاں جو کچھ تری سج دھج میں رعنائی نکلتی ہے ۔۔۔ کہاں مرزا مزاجوں میں یہ مرزائی نکلتی ہے
صبا مذکور جب کچھ لے چلے ہے تیری زلفوں کا ۔۔۔ چمن سے بوئے سنبل ہو کے سودائی نکلتی ہے
تجھ پہ آفت یہ نئی پھر دل زار آئی ہے ۔۔۔ لوگ کہتے ہیں کہ گلشن میں بہار آئی ہے
مرجاوے جو اس کے قدم پاک نیچے ۔۔۔ وہ زندۂ جاوید رہے خاک کے نیچے

تھانیسرؔی، شاہ امام بخش

شاہ امام بخش تھانیسرؔی تخلص۔ وے شخص درویش ساکن قصبہ تھانیسر از اولاد یکے از بزرگان صاحب کمال است۔ فقیرانہ وآزادانہ می گذارد، گاہ گاہے فکرِ سخن بطور خود می نماید۔ از کلام دردالتیامش بوئے تصوف می آید:

اُس جہاں میں، اِس جہاں میں کون ہے ۔۔۔ ہر نہاں میں ہر عیاں میں کون ہے
ہے جو دکھلاتا تجلی دم بہ دم ۔۔۔ ہر جمالِ دلبراں میں کون ہے
تو کہے ہے گفتگو سے پاک ہوں ۔۔۔ پس یہ گویا ہر زباں میں کون ہے
لوگ کہتے ہیں خدا ہے لا مکاں ۔۔۔ پھر زمین وآسماں میں کون ہے

تصورؔ، سید حیدر حسین

سید حیدر حسین خاں تصورؔ از اولاد حضرت زندہ شہید علیہ الرحمہ[1] شاگرد قلندر بخش جرأتؔ ساکن قصبہ ٹھکور متصل بلدۂ لکھنؤ۔ موزونیِ طبع او از اشعار آبدارش لائح وآشکارا است:

رونا کوئی موقوف کریں ہیں مری آنکھیں ۔۔۔ جب تک نہ تسلی کو دل آوے، جگہ آوے
لگ جائے تصور کے گلے آکے وہ بت آج ۔۔۔ اللہ کرے اس کی یہ امید برآوے
تصورؔ گرم جوشی یار کی مجھ کو رلادے[2] گی ۔۔۔ بہت گرمی کا ہونا مینہ برسنے کی علامت ہے
صدمۂ غم متصل جب تیرے مایل پر رہے ۔۔۔ کیوں نہ ہردم ہاتھ اس بیدل کا، پھر دل پر رہے
لے گئے یوں ترے کوچے سے تصور کو لوگ ۔۔۔ جوں اٹھاویں کسی بدمست کو میخانے سے

---

1. اصل میں پہلے: علیہ السلام۔ 2. ل: رُلاتی ہے۔

یہ کہتے ہیں طبیب آکر سر بیمار پر تیرے
ہمیں آتا ہے رونا اب تو حال زار پر تیرے

تعشق، میر محمد

میر محمد تعشق، ساکن دار الخلافۂ شاہ جہاں آباد، از اولاد حضرت سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اللہ با میر عزت اللہ عشق نسبت خویشی دارد و نیز استفادہ از علوم متعارفہ از خدمت سراپا برکت آنہا می نماید۔ تازہ مشقے است۔ فکر درست دارد۔ ایں ابیات از تالیف شریف او بہ ایں عاصی پُر معاصی ذکا دست دادہ:

خواب میں تجھ کو دیکھیے کیوں کر
تیرے بن کس کو نیند آتی ہے

ہمارے دیدہ و دل دونوں اس[1] کے خاص مسکن ہیں
اِدھر آوے تو آنے دو، اُدھر جاوے تو جانے دو

روز و شب آہ و نالہ زاری ہے
تیرے بن سخت بے قراری ہے

ناصحو، جاؤ مغز مت کھاؤ
عشق کیا امر اختیاری ہے؟

چشم بد دور میرے اشکوں میں
موتیوں کی سی آب داری ہے

خواب راحت میں رہے، حیف تو، اے لیلیٰ وش
خاک اڑاتا پھرے جنگل میں یہ مجنوں تیرا

تابؔ، مہتاب رائے پنڈت

مہتاب رائے پنڈت تاب تخلص خلف لالہ منسارام ساکن شاہجہاں آباد، نومشق است۔ فکر تازہ دارد۔ اکثر برائے اصلاح در خدمت فیض منزلت حکیم قدرت اللہ خاں قاسم حاضر می شود۔[2] از وست:

ملا جس دم سر بازار وہ جان جہاں ہم کو
وہیں بس چھوڑ کر چلتے رہے تاب و تواں ہم کو

ہمارے قتل کو یہ ابرو و مژگاں بھی کافی ہیں
دکھاتے ہو یہاں کس واسطے تیر و کماں ہم کو

یہ لعل دل تمھیں دیتے ہیں پر یہ عرض ہے اپنی
دکھاوے چل کے طفل جوہری اپنی دکاں ہم کو

گلی سے گلبدن کی ہم فقط اک انس رکھتے ہیں
نہ مطلب باغ سے، مقصد نہ تجھ سے باغباں ہم کو

---

1 ل: اس کے دونوں۔ 2 اصل/خ چوں مبتدی است ہنوز دیوانے مکمل از وسر انجام نیافتہ۔ ذہن تیز دارد۔ اغلب کہ مشق چند سال سخن را بہ پایہ خواہد رسانید۔

ہم اس خورشید طلعت کو نظر بھر آہ گر دیکھیں تحمل یہ کدھر اے تاؔب، تاب اتنی کہاں ہم کو

تقؔی، محمد تقی

میاں محمد تقؔی باشندۂ دہلی تحصیل علوم متعارفہ بواقعی نمودہ، از مریدان حضرت مولوی[1] فخر الدین صاحب است۔ اوقات عزیز بکاتبی و معلّمی بسر می برد۔ بہرہ وزبان سخن طراز یہا می نماید۔ ایں اشعار از خوش گفتہائے اوست:

عاشق کُشی پہ جب سے وہ خونخوار گرم ہے تب سے جہاں میں موت کا بازار گرم ہے

کام و زبان و لب پہ پھپھولے ہی پڑ گئے کیا اے تقؔی فغاں دل زار گرم ہے

ہماری جانب بھی اک ہووے اشارا جان من گاہے یہی ہم چشم رکھتے ہیں تمھاری چشم وابرو سے

جفائیں سی جفائیں اس کی میں دن رات سہتا ہوں جفا سے کچھ بھی حاصل ہے؟ کوئی پوچھے جفا جو سے

سیر حسن بتِ پُرفن ہے خوش آئی مجھ کو ایک جلوہ میں دکھائے ہے خدائی مجھ کو

دل میں اس آئینہ رو کے ہے کدورت بے وجہ نظر آتی نہیں اب خاک صفائی مجھ کو

دیکھ کر خواب میں غیروں سے تجھے گرم سخن خواب سے چونک اٹھا، نیند نہ آئی مجھ کو

فکر دنیا میں تقؔی مفت یہاں عمر کٹی ہائے غفلت نے نہ کچھ واں کی سجھائی مجھ کو

تمکینؔ، میر صلاح الدین

میر صلاح الدین تمکینؔ مردے، بود درویش وضع بہ کسے کارے نداشت وگاہ گاہے بہ تصنیف ریختہ متوجہ می شد:

حسن اور عشق کو جس روز کہ ایجاد کیا مجھ کو دیوانہ کیا، تجھ کو پری زاد کیا

تنہاؔ، عباس قلی خاں

عباس قلی خاں تمناؔ، او مردے بود سپاہی پیشہ مغل زا، از ساکنین بلدۂ جنت نہاد دار الخلافۂ شاہ جہاں آباد بسیار خلیق و شفیق۔ اکثر فکر ریختہ می کرد۔ در حین حیات خود بمقتضائے شفقت دلی کہ با مخلص

داشت چند اشعار منتخب بمن نوشتہ دادہ بود کہ در تذکرہ داخل نمایند۔ اتفاقاً اشعار مسطور[1] گم شد و نیز شاعر مذکور رخت ہستی بجہان جاودانی بربست۔ خدا مغفرتش کناد[2] ہمیں دو بیت ازو یاد خاطر ماندہ:

کیا بات کہو ہمدم اس رند شرابی کی اک چشم کی گردش نے جس کی یہ خرابی کی
رکھتی ہو دریغ آہ جو آب دم شمشیر ہوویگی فرو، یار یہ کیوں کر طپشِ دل

تمنّا، محمد اسحاق خاں

محمد اسحاق خاں تمنّا اصلش کشمیر و در شاہجہاں آباد تولد یافتہ با احسن اللہ خاں بیانؔ قرابت قریبہ دارد و در سرکار فیض بار بادشاہ زادۂ عالم و عالمیاں مرزا جہاں دار شاہ بہادر بہ عزت و امتیاز[3] می گذاشت۔ بعد رحلت آنجناب بسرکار مرزا شگفتہ بخت خلف بہادر والا اقتدار آن غفار رحمت ایزدی دخیل کار و بار شدہ۔ یک گونہ ثروت و حشمت پیدا کرد۔ گویند[4] کہ انسان قدر شناس و دانش مند نیک قماش است:

گرم نظارہ تھا اس چہرۂ گلگوں پہ رقیب ایسے کم بخت کی دُکھنے بھی نہ آئیں آنکھیں
دستِ قدرت کو بھی تھا عالم حیرت پیدا تری تصویر سے جب منہ پہ بنائیں آنکھیں
سچ تو کہہ تجھ کو بھی آرام کچھ آیا کہ نہیں جب کفِ پا سے ترے میں نے لگائیں آنکھیں
شبِ فراق کی سختی تمام کٹ جاوے جو صبح کو تو مرے، آ، گلے لپٹ جاوے
کل بلبلیں چمن میں غزلخواں جو آئیاں ہم نے بھی ان کو ایک کی سوسو سنائیاں
قضا و عشق و قدر رو کے کل بہم نکلے ترے شہید کے جب لے کے ہم علم نکلے
تڑپ رہا ہے کوئی خستہ جاں زمیں کے تلے اٹھے ہے زلزلہ جو، ہر زماں زمیں کے تلے
تم اگر اٹھ کر اب یہاں سے گئے یوں ہی[5] سننا کہ ہم جہاں سے گئے
آہ کے نالے یوں بلند ہوئے کہ گذر ہفتم آسماں سے گئے
اب اپنی یہ صورت ہے کہ جوں بلبل تصویر طاقت نہیں پرواز کی اور پاس چمن ہے

---

1 ل: مذکور شد۔ 2 ل: دہاد۔ 3 ل: اعتبار۔ 4 اصل میں پہلے: گویند کہ خیلے انسان قدر شناس و خود مصنف ریختہ است۔ 5 ل: دونہیں۔

جب ورد کے لشکر نے کیا دل پے گذارا　　جو زخم تھا سینہ پہ، بھرے جاؤ، پکارا

تصوؔر، سید رجب علی

سید رجب علی تصوؔر شاگرد شاہ نصیر الدین نصیؔر ساکن دار الخلافہ تازہ مشق است و بقدر فکر خود بہر حال بہ می گوید:

بالا نہ کان کا تہہ کاکل دکھا مجھے　　یہ رات وصل کی ہے نہ بالا بتا مجھے

تجمؔل

تجمؔل تخلص، باشندۂ لکھنؤ مردے عمدہ معاش وخوش تلاش است۔ اکثر اشعار گرم و برجستہ از طبع وموزونش می طراود، ازاں جملہ است:

جس کے گھر لے کے یہ میں دیدۂ تر بیٹھ گیا　　اٹھتے اٹھتے مرے آخر کو وہ گھر بیٹھ گیا

تارکؔ، زاہد بیگ

زاہد بیگ تارکؔ ساکن دہلی شاگرد میر عزت اللہ عشقؔ۔ مطلع از تالیفش کہ بگوش رسید، تحریر گشت:

گھٹ گئے حضرت دل زلف سیہ تار سے ہو　　اس طرح روئے جواب سیکڑوں بستار سے ہو

تمکیںؔ، بخت مل

تمکیںؔ تخلص بخت مل نام خلف الصدق لچھی رام پنڈت المتخلص بہ فداؔ۔ جوان مودب و مہذب است استفادہ از پدر بزرگوار خود یافتہ۔ چندے[1] در شاہجہاں آباد ہم وارد[2] گشتہ بود در بریلی قیام دارد:

مشتاق قدمبوسی ہے ہر خارِ بیاباں　　لائی ہے دلا تیری یہ شوریدہ سری رنگ
جب سے کافر وہ کٹیلی نظر آئیں آنکھیں　　ہم نے ہرگز نہ کسی بت سے ملائیں آنکھیں

---

1. اصل میں پہلے صرف ''در شاہ جہاں آباد'' 2. اصل میں پہلے: قیام دارد۔

نہ ہو لختِ جگر گر سدِّ راہ اشک آنکھوں میں
تو ڈوبیں طایران سدِ رہ تا منقار پانی میں

قید سے ہو تری ظالم جو رہائی مجھ کو
پھر نہ دوں دل تجھے، ہے تیری دہائی مجھ کو

بن گیا آئینہ ساں صاف سراپا حیرت
تیرے چہرے کی جو یاد آئی صفائی مجھ کو

آج سرِ پنجۂ مژگاں جو بخوں رنگیں ہے
کس کا خوش آیا ہے یہ دستِ حنائی مجھ کو

فصل گل جاتی ہے اور کنج قفس سے تمکیں
وا دریغا، نہیں سوجھے ہے، رہائی مجھ کو

تنہا، محمد عیسیٰ

محمد عیسیٰ تنہا، نیا کانش از خطۂ پاک دہلی وخودش درلکھنؤ تولد یافتہ شاگرد میاں غلام ہمدانی مصحفی است:

ہم سے کرتے ہو بیاں غیروں کی یاری آن کر
رہ گئی ہے آپ کی یہ دوستداری آن کر

میں بھی کیا برگشتہ طالع ہوں کہ تنہا رات کو
پھر گئی در تک مرے ان کی سواری آن کر

یہ تو فرمایئے ہم آپ کا کیا لیتے ہیں
آپ بے وجہ جو منہ ہم سے چھپا لیتے ہیں

تھم کے بے وجہ تڑپتے نہیں بسمل تیرے
آپ خنجر کا یہ رہ رہ کے مزا لیتے ہیں

خاک میں دل کو ملا، کہتے ہو قیمت کیا دوں
چیز اگر لیتے ہیں تو پہلے چکا لیتے ہیں

غیر سے شکوا مرا، بس دیکھی دانائی تری
میں ہوا رسوا تو، کیا ہوگی نہ رسوائی تری

آئے تو ولے آن کے اک آن نہ ٹھہرے
کتنا ہی کہا، وے کسی عنوان نہ ٹھہرے

مذکور کر رہا تھا شب ہم نشیں کسی کا
جی میں خیال گذرا میرے وہیں کسی کا

سینہ پہ ایک پرزا اب جیب کا نہیں ہے
دیکھا تھا ہاتھ میں نے بے آستیں کسی کا

معمورۂ دنیا میں یہ کثرت ہے کہ واللہ
آئے تھے اسے ہم تو بیابان سمجھ کر

رویا جو میں اک شب بت نادان کے آگے
وہ صبح لگا کہنے ہر انسان کے آگے

اے دست جنوں چاہے تو کر اس کے بھی ٹکڑے
اب باقی ہے دامن ہی گریبان کے آگے

بجلی کی چمک شعلۂ جوالہ کا عالم
ہے گرد ترے جنبشِ دامان کے آگے

عجب طرح کی بہار، ان دنوں کسی پر ہے
نہ حور پر وہ لطافت نہ وہ پری پر ہے

ہمارے گل کے کھانے کی نہ پوچھو اک کہانی ہے — نشانی اس کا جملہ تھا سو یہ اس کی نشانی ہے
گر عیادت کو کسی کی کبھی آتا کوئی — تو بھلا مفت میں یوں جان سے جاتا کوئی
ہم تو قربان ہوئے جاتے، میاں عید کے دن — اپنے سینے سے اگر ہم کو لگاتا کوئی
سیکڑوں دستِ خیال اس کی کمر ڈھونڈیں ہیں — پر وہ یہ گم ہے کہ مطلق نہیں پاتا کوئی
اپنے مطلب کے یہ ہیں خوش نگہاں اے تنہاؔ — لے گیا دل تو نہیں آنکھ ملاتا کوئی

تجردؔ، میر عبداللہ

میر عبداللہ تجردؔ از شاگردان سید عبدالولی عزلتؔ، گاہ گاہے بتذکرہ سخن رطب اللسان می ماند مردے بزرگے بود بحسن سیرت وصورت مشہور:

تجھ رو میں لطف ہے سو ملک کو خبر نہیں — خورشید کیا ہے اس کی فلک کو خبر نہیں

تحسینؔ

تحسینؔ تخلص[1] از شاعران قدیم بسیار گو و پُر گو، اکثر مناقب و مرثیہ ہم میگفت۔ سالے چند بہ تلاش سخن بسر برد۔ مرد باحیا و باوقار و ذی عزت[2] صاحب سلوک معلوم شد بسمع ایں ذکا، ہیچمدان کہ چند اشعارش رسیدہ بتحریر آں خامۂ نیاز فرسودہ گردانید۔ از وست:

کس طرح کس رنگ سے بن بن کے آتی ہے بہار — حسن کو اپنے عجب سج سے دکھاتی ہے بہار

(ولہ مخمسات از تحسینؔ تخلص)

ارے قاصد تو جا کر یار کے کوچے میں کہہ آنا — کہ تحسینؔ عشق میں تیرے سدا پھرتا ہے دیوانا
تری حسرت سے اس کو رات دن اے وائے غم کھانا — یہ حالت ہوگئی ہے اب نہیں جاتا ہے پہچانا
لبوں پر جان ہے اس کی کہ جوں لبریز پیمانہ

شب فرقت میں تیری سخت بے تابی سے روتا ہے — نہ دن کو چین ہے اس کو، نہ دکھ سے رات سوتا ہے

---

1. اصل: تحسین تخلص ولد مراد خاں۔ 2. ل: ذی عزت مسموعہ شد۔ چند اشعارش کہ بسمعِ ایں ذکائے ہیچمداں رسید بتحریر آں خامۂ نیاز فرسودہ گردانید۔

نپٹ ہی گریہ وزاری سے اپنے جی کو کھوتا ہے　　نہ اس کو کچھ دعا ہی سے، نہ کچھ افسوں سے ہوتا ہے
یہی لازم ہے تجھ کو اس تلک تشریف لے جانا

کبھو سودائیوں کی طرح سے وہ آہ بھرتا ہے　　کبھو دیوانگی سیتی گریباں چاک کرتا ہے
کبھو مجنوں صفت گھر چھوڑ، پا صحرا میں دھرتا ہے　　کبھو فرہاد کی صورت، لگا تیشہ کو مرتا ہے
کبھو مانند پروانہ کی، خاکستر ہو جل جانا

کوئی کہتا ہے سودا ہے اسے، فصاد کو لاؤ　　کوئی کہتا ہے کچھ آسیب ہے، سیانے کو دکھلاؤ
کوئی کہتا ہے عاشق ہے کہیں، واں اس کو لے جاؤ　　طبیب حسن کی دوکان پہ لے جا، اس کو بٹھلاؤ
علاج اس کا یہی ہے، شربت دیدار پلوانا

نہ اس کو چین ہے مقصد، نہ ہے آرام کی خواہش　　نہ کچھ رسوائی ہونے سے غرض، نے نام کی خواہش
دِوانہ ہو کے رکھتا ہے سدا دشنام کی خواہش　　نہ کچھ مینا سے مطلب ہے نہ اس کو جام کی خواہش
مگر حاصل ہے اس کو عمر سے ساقی کی پہچانا[1]

تنہاؔ، شیخ عیوض علی

شیخ عیوض علی تنہاؔ شخصے بزرگ نہاد، ابن[2] محمد وحید خاں ابن قایم علی خاں ابن قاسم علی خاں۔ مولد و مسکنش مدینہ طیبہ، ہمراہ نواب ذوالفقار الدولہ بہادر در رسالۂ محبوب علی خاں نوکر بود۔ بعد رحلت نواب مغفور در لکھنؤ بسر کار مرزا جہاندار شاہ بہادر نوکر شد۔ ازاں پس ہمراہ الماس علی خاں و در رفاقت مہدی علی خاں گذرانیدہ۔ استفاضۂ سخن از میر (کذا) غلام ہمدانی مصحفی برداشتہ۔ حالا در دہلی است۔ باوصف سپاہ گری در خوش نویسی دسترس دارد۔ تصنیفاتش مطبوع و دلکش می نماید:

مردماں! یہ چشم اتنی بس کہ گوہر بار ہے　　ہے بجا گر اشک کو کہیے در شہوار ہے
کیا بلا پھونکی ہے سوزِ عشق سینے میں مرے　　آہ کا جو شعلہ نکلے ہے سو آتش بار ہے
ان بتوں کو کیا ادا تو نے عنایت کی خدا　　جو نگہ ترچھی پڑی، برچھی سی دل کے پار ہے
تھا یہی پیغام وقت نزع تنہاؔ یار سے　　اب قیامت پر ہمارا وعدۂ دیدار ہے

---

1. ل میں یہ مخمس موجود نہیں۔ 2. ل سے اضافہ "ابن محمد...... در دہلی است"۔

ہے [1] بجا گر اشک کو کہیے درِ شہوار ہے
مردماں یہ چشم اپنی بس کہ گوہر بار ہے
ذرا چشمِ حقیقت بیں کو اپنی کھول کر دیکھو
وہی اک نور ہے سارے جہاں میں جلوہ گر دیکھو
جلوے سے تیرے خالی یہ کون ومکان نہیں
ایسی نہیں ہے کوئی جگہ تو جہاں نہیں
قد بھی (ہے) قیامت ترا نقشہ بھی ستم ہے
خندہ نہیں یہ صفحۂ یاقوت رقم ہے
نسیم صبح! کہیو نازنیں سے
گذر بیٹھے ہیں ہم دنیا و دیں سے
میں کچھ واقف نہیں سنتا ہے قاصد!
خبر لادے مجھے اس کی کہیں سے

ترساںؔ، میر بہادر علی

میر بہادر علی [2] ترساںؔ ساکن لکھنؤ شاگرد قلندر بخش جراتؔ خیلے خوش فکر معلوم می شود:

کچھ نہ جیتے جی ہی میں اے وائے، غم کھاتا رہا
گور میں بھی دل کے ہاتھوں سخت دکھ پاتا رہا
آج مجلس میں بہت ترساںؔ کو دیکھا مضطرب
اس فلک مارے کا شاید دل کہیں جاتا رہا
کون میرے پاس سے اے ہم نشیں جاتا رہا
جس کے جانے سے دل و آرام ودیں جاتا رہا

تسلیمؔ۔ محمد کبیر خاں

محمد کبیر خاں تسلیمؔ، قوم افغان، متوطن رامپور، شاگرد خلیفہ غلام محمد عباسی دہلوی، سخن بتلاش می گوید وشعر برجستہ می آرد:

جو اپنا ملتفت اور مہرباں وہ ماہ پارا ہے
موافق ان دنوں اے مہرباں! اپنا ستارا ہے
تھا جو ہم سے ربط اور وہ آشنائی کیا ہوئی
وہ سرک سونا کہاں اور وہ لڑائی کیا ہوئی
یہ جو سر دھرتے بتوں کے پاؤں پر پھرتے ہو تم
کیوں میاں تسلیمؔ، اب وہ پارسائی کیا ہوئی

تحیرؔ

تحیرؔ تخلص، از ساکنین دہلی، خیلے خوش فکر وطباع وذہین مفہوم می شود:

1۔ یہ چھ شعر ل سے اضافہ، پہلا شعر اس غزل کے مطلع کے مصرعوں کی تقدیم وتاخیر سے بنایا گیا ہے۔

2۔ ترساں، تحیر اور تسلیم کا ترجمہ۔ ل سے اضافہ۔

کیا سبک سر ہے الٰہی بسرِ آب حباب
ہے رواں سر پہ لیے بقچۂ اسباب حباب

فکر[1] اطفال کو ہے سنگ اٹھا لانے کی
آمد آمد ہوئی شاید ترے دیوانے کی

اس شوخ کا دیکھے جو سرِ دست حنا برق
افلاک پہ پھر ہووے نہ انگشت نما برق

تسلّی، میر شجاعت علی

میر شجاعت علی تسلّی تخلص، ساکن دہلی شاگرد میاں نصیؔر، شخصے عاشق مزاج، محتسب امتزاج است۔ خُلقی وسیع دارد و فکر بدیع۔ بعضے از اشعار مولفہ اش کہ بخط خود نوشتہ بہ بندہ ذکا لطف فرمودہ، در تذکرۂ ہٰذا ثبت ساختہ:

بہار آئی ہے صیاد سے کہہ دو کوئی
بہار لے کے چمن کی طرف قفس گزرے

جرم اتنا ہوا بوسے کا مبارک کہ بندھے
جائے زنجیر، مرے زلف گرہ گیر سے ہات

ہمراہ غیر کے مئے گلگوں جو تو پیے
تو تُو ہمیں کو کھائے، ہمارا لہو پیے

کہاں ہے قبر پہ سہرا یہ اے مرے صاحب
بہار دیکھنے کو ہو تم اس کی کیا اٹکے

مژہ کے خار یہ نکلے ہیں پھوٹ کے باہر
کہ تا تمھارا کبھی دامن قبا اٹکے

رات جو میں نے کہا ان سے کہ منہ کو ذرہ
میری طرف کر کے سو میں ترے قربان، تو

کہنے لگے چھیڑے مت سونے دے، ہے ہے مجھے
کرتا ہے کم بخت کیوں نیند میں حیران تو

[1] ل (حاشیہ کیول رام) فکر را مونث بستن خلاف دستورِ اردو گویاں است۔ کیول رام۔

ردیف الثاء المثلثہ

ثاقبؔ، مرزا معز الدین

مرزا معز الدین بہادر المتخلص بہ ثاقبؔ سلمہٗ،[1] برادر کوچک مرشد زادۂ جہانیاں[2] مرزا احسن بخت بہادر باوصاف بے کراں وفیاضی بے پایاں شہرہ آفاق است[3] از طبع نقادش اشعارے چند بندۂ ہیچمدان ذکاؔ بر صفحہ ایں کارستان مثبت ومندرج میگرداند:

دھڑکا یہ شبِ وصل میں دل صبح کے ہوئے
ٹھنڈا جو ترے موتیوں کے ہار کو دیکھا

دست جنوں کے ہاتھ سے جاویں کدھر نکل
دامن سیا تو چاک گریبان ہوگیا

تیرا جو شب تصور اس دل نے یار باندھا
بس آنسوؤں کا میری آنکھوں نے تار باندھا

قاتل تری نگاہیں ہم نے بھی تاڑیاں ہیں
پھر قتل پر ہمارے تونے کٹار باندھا

اس رشک سے یہ میرا دل خوں میں لوٹتا ہے
فتراک سے جو ظالم تو نے شکار باندھا

رنگِ حنا نہیں ہے بے شک ہے خون ثابت
بہتان کیا نہ تجھ پر میں اے نگار باندھا

جگر میں درد ہے آنکھوں سے اشک آئے ہیں
تڑپ کے پھوٹ گیا شاید آبلا دل کا

شبِ وعدہ پہ اپنے جو وہ خود کام نہ آیا
بیتابیِ دل سے مجھے آرام نہ آیا

کس طرح گھٹا غم کی مرے دل پہ نہ چھاوے
اس ابر میں وہ ساقیِ گلفام نہ آیا

کب تلک دل کو رکھے عاشق دلگیر کڑا
گردنِ جان کا آخر ہوا زنجیر کڑا

ہاتھ میں پہنچی عجب، بازو پہ چج بند غضب
سر پہ تعویذ پری پاؤں میں تصویر کڑا

یہ تو ممکن نہیں آنسو مرا تھم جائے گا
ایک دن رونے سے دم لوں گا تو دم جائے گا

جیتے جی چھوٹنا اس غم سے نہیں ہے ممکن
جان جائے گی تبھی یار کا غم جائے گا

---

1 اصل میں اس کی جگہ پہلے: فرزندِ ارجمند مرشد زادۂ جہاں۔ 2 اصل میں پہلے: عالمیان۔ 3 اصل / خ: اکثر تصانیف عالیہ خود را بہ اصلاح حافظ عبدالرحمٰن خاں احسان درآوردہ۔

دل کو لے کر تو مرے مفت ہوا ہے بدنام
میں کسی طرح مروں، تجھ پہ بھرم جائے گا

خوبرو تیری نہیں ہے کچھ فقط گفتار خوب
رخ پری، کاکل دھواں، بالا بلا، رفتار خوب

چھٹا ہاتھوں سے اپنے جب سے دامن وصل کاتب سے
قسم قدموں کی تیرے ہم کفِ افسوس ملتے ہیں

نہ پہنچا ہاتھ گرداماں تلک اس کے تو پھر ہم بھی
گریباں پھاڑ کر گھر سے کوئی دم کو نکلتے ہیں

قیامت قد، دھواں آنکھیں، پری رخ
بچانا تجھ سے دل مشکل ہوا ہے

سمٹ کر سیکڑوں آنسو مری آنکھوں سے نکلے ہیں
کدھر کو دیکھیے یہ فاصلہ اشکوں کا چلتا ہے

سحر ہونے کے دھڑکے سے ہمارا ہے بدن ٹھنڈا
کہ تیرا ہار موتی کا ہوا ہے سیم تن، ٹھنڈا

عجب کافر ہے دل اس بت کے جو قربان جاتا ہے
ہماری آبرو رکھ لے خدا، ایمان جاتا ہے

یار نے زلف سیہ کو منہ لگایا بے طرح
یعنی اس کافر کو آئینے چڑھایا بے طرح

ہے گرچہ حلاوت مجھے اس بات میں سب کچھ
کب جی کی ہوس نکلے، پر اک رات میں سب کچھ

اک بوسہ پہ صبر و دل ودیں، ہوش و فراست
وے لے ہی گئے ہم سے مدارات میں سب کچھ

ذبح کر، راضی ہوں، لیکن ٹک چڑھا کر آستیں
تا مرے خوں میں نہ ہو جاوے کہیں تر آستیں

فرطِ گریہ سے گریباں غیرتِ گرداب ہے
رشک موج بحرِ قلزم ہے سرا سر آستیں

واہ رے دستِ جنوں، اللہ رے تیرا دست برد
نہ گریباں ہے، نہ دامن ہے، نہ یکسر آستیں

رات کو اس گل بدن کے تھا سرہانے میرا ہاتھ
ہوگئی اس واسطے میری معطّر آستیں

میں کسی چشم مغنن کا ہوں مایل ثابت
کیونکہ محکوم مرا ابلق ایام نہ ہو

سیر لالہ باغ میں کل وہ ادھر دیکھا کیے
ہم ادھر باچشمِ تر داغ جگر دیکھا کیے

ثاقبؔ، سید شمس الدین

سید شمس الدین ثاقبؔ شخصے درویش ساکن دہلی بود از شاگردان شاہ مبارک آبرو آزادانہ میگذرانید سخن بخوبی میگفت وفکر رنگیں داشت:

ترے عتاب سے کس دن یہ رنگ رو نہ اُڑا
کہ مرغ روح مرا اس کے دو بدو نہ اُڑا

مرے ادب نے رکھا مجھ کو یاں تلک محروم
کہ بعد قتل بھی دامن تلک لہو نہ اُڑا

کس شعلہ خو کو دیکھ کے ہے داغدار شمع کس شمع رو کے عکس سے ہے اشکبار شمع

ثاقبؔ، میر غالب الدین

میر غالب الدین ثاقبؔ مردے بزرگ از معاصران وؔلی شاعر شنیدہ می شود، اکثر طور سخن گوئی او بزبان شاعران سلف مطابق است۔ بہر حال غنیمت بود ایں ابیات تالیف کردۂ اوست:

مجھ سے بیدل کی اگر تصویر کھینچا چاہیے اے مصور اس کے تیئں دلگیر کھینچا چاہیے

اک نگہ ترچھی ستی ہوتا ہے بس عالم دونیم تجھ کو کاہے کو میاں شمشیر کھینچا چاہیے

ثاقبؔ کی نعش اوپر قاتل نے آکے پوچھا یہ کون مرگیا ہے کس کا ہے یہ جنازہ

ثناؔ، میر شمس الدین

میر شمس الدین ثناؔ تخلص سید زادہ ایست، اصلش از خطۂ کشمیر مولدش عظیم آباد۔ از تلامذۂ شاہ مشتاق المتخلص بہ طلبؔ کہ دراں دیار بہ استادی دم می زند۔ ایں شعر او نوشتہ شد:

چمن ہے خندہ گل ہے، مے و مینا ہے اور تو ہے فغاں ہے نالہ ہے فریاد ہے زاری ہے اور میں ہوں

ثروتؔ، مرزا محمد صادق

مرزا محمد صادق المعروف بہ آغا، المتخلص بہ ثروتؔ، جوانے بود خوش خلق، فصیح زبان، اہل مروت، شیریں بیان، بعلاقۂ اتالیقی پسر راجہ ٹکیت رائے بہادر خوش عزتے داشت و بحرمت میگذرانید شعر دردمندانہ می گفت کلامش پسند خواطر صاحبان ایں فن است:

اب نہ وہ وصل نہ وہ عیش نہ وہ عشرت ہے ہجر ہے درد ہے اور ہم ہیں، عجب صحبت ہے

نہ وہ آرام نہ وہ چین نہ وہ راحت ہے بسترِ درد پہ تڑپے ہیں، عجب حالت ہے

بے قراری سے قرار اب نہیں آتا افسوس کیا کروں آہ کہ جی مفت ہے جاتا افسوس

ثابتؔ

ثابتؔ تخلص از سکنۂ حیدرآباد۔ رباعی کہ درمبارکباد وخطاب بنواب ارسطو جاہ بہادر

گذرانیدہ بود، مرقوم گشت:

سرکردہ و سردار امیر دوراں نواب فلک رتبہ بہادر ذی شاں
ان کا جو خطاب ارسطو جاہ ہوا ہو ان کو مبارک از طفیلِ سبحاں

ثابتؔ، اصالت خاں

اصالت خاں ثابتؔ، شاگرد مرزا ہجو فدویؔ موطن و مسکن او عظیم آباد و نیز مدفنش در ہماں دیار فرحت آثار واقع شدہ۔ تلاشے بکار می برد:

مصرع کبھو جو آہ کا موزوں کروں ہوں میں سگاں نہ سپہر کا دل خوں کروں ہوں میں
وقت مرنے کے مرے پاس وہ موجود ہوا اپنے جی کا ہی زیاں اپنے تئیں سود ہوا
مجمر سینہ میں دن رات پڑا جلتا ہے آہ ثابتؔ یہ ترا دل نہوا عود ہوا

ثابتؔ، شجاعت اللہ خاں

شجاعت اللہ خاں ثابتؔ شاعرے بطرف لکھنؤ، شاگرد میر جعفر علی حسرت است، تازہ گو معلوم می شود[1]۔ کمترین ذکا علاوہ بریں[2] از احوالش اطلاع ندارد بتلاش کثیر ایں شعر او بہم رسانیدہ مرقوم ساخت:

آتے ہو تم تو دن میں کئی بار اس طرف پر دیکھتے نہیں کبھی اے یار اس طرف

---

1. اصل میں پہلے: وایں کمتریں۔ 2. اصل/ خ چگونگی احوالش سوائے ازیں دیگر ہیچ اطلاع ندارد۔

ردیف الجیم

جہاندآر، جوان بخت

مہین پور خلافت وبختیاری درۃ التاج سلطنت وشہریاری شاہ زادہ ولی عہد عالی جناب فیض انتساب مرزا جوان بخت بہادر المعروف بہ جہاں دارشاہ المتخلص بہ جہاندآر۔ شاہزادۂ عالی گوہر والا نژاد بودہ است درایام ہنگامۂ غلام قادر خاں رایات عالیہ آنجناب بشاہ جہاں آباد رونق افروز شدہ بود ایں خاکپای نیز بمشاہدۂ جمال خورشید مثالش کحل الجواہر بصیرت افزودہ علم سخنوری بمیدان فصاحت بلند داشت از بسکہ جوان رعنا بود چشم زخم اجلش خورد حیف کہ جواں مرد۔ خداش مغفرت نماید۔ ایں ابیات دلنشیں واشعار رنگیں از تلاش کامل اوست:

دیت کا نام اس عاشق ستم کے آگے کیا لیجے
غرض چپ رہیے اور آنکھوں سے اپنی خوں بہا لیجے

چھوڑا ملاپ یار کا اغیار کے لیے
ترک شمیم گل میں کیا خار کے لیے

مر کس کے انتظار میں یہ بے اجل گیا
آنکھیں جو یوں کھلی رہیں اور دم نکل گیا

ترے عشق کے جب سے پالے پڑے
ہمیں اپنے جینے کے لالے پڑے

جہاندآر کس لالہ رو پر موا
جگر میں جو ہیں داغ کالے پڑے

کون سی بات تری ہم سے اٹھائی نہ گئی
پر جفا جو یہ تری نت کی لڑائی نہ گئی

ٹھان لیتے ہیں وہ پہلے ہی سر اپنا دینا
تیرے کوچے میں جو اے شوخ قدم رکھتے ہیں

قصد ہر چند کیا سیکھنے کا بلبل نے
وضع نالے کی مرے اس سے اڑائی نہ گئی

دل سوزاں کی جہاندآر مرے تا بہ فلک
کون سی آہ تھی جو مشل ہوائی نہ گئی

کل جہاندآر ہم اور یار تھے ٹک مل بیٹھے
بخت نارسا نے پھر آج بٹھایا تنہا

بجھاؤں شمع ساں کیا اب جہاندآر
شرارِ عشق تو پہنچا جگر تک

زلف آمیختہ جو رخ پہ صنم رکھتے ہیں
رات اور دن کو بہ اعجاز بہم رکھتے ہیں

ہے دم زیست کی مانند ہمیں ہردم ے — ساقی ہم جب تئیں دم اپنے میں دم رکھتے ہیں
بوالہوس تیغ جفا کا تری روکش کیا ہو — دعویٰ اب سینہ سپر ہونے کا ہم رکھتے ہیں

جینا بیگم

نواب جینا بیگم صاحبہ دختر فرخندہ سیر مرزا بابر بہادر مبرور و مغفور، محل خاص حضرت ولی عہد مرزا جہاں دار شاہ بہادر، از دانائے جہاں و عقلائے زماں، نکتہ فہم، رمز شناس، سخن رس، صاحب قیاس، اعجوبہ دوراں، نادرۂ گیہاں، بہر دو زباں شعر طراز است و تلاشے کامل دارد و ایں اشعار ریختہ از طبع نقاد اوست:

ڈبڈبائی آنکھ آنسو تھم رہے — کاسۂ نرگس میں جوں شبنم رہے
روٹھنے کا عبث بہانا تھا — مدعا تجھ کو یاں نہ آنا تھا

جوشش، محمد روشن

محمد روشن جوشش، جوش طبعش از کلامش روشن، شخصے بضلع لکھنؤ است[1] از مشاہیر سخنوران آں ضلع واقع شدہ و دریں فن عمرے صرف نمودہ۔ جوش طبعش از کلامش روشن:

دل میں ہے اب قرب میں آئینہ ساں پیدا کروں — وہ مجھے دیکھا کرے اور میں اسے دیکھا کروں
جوں آئینہ یہ ستم رسیدہ رہتا ہے مدام آبدیدہ

جعفر، جعفر علی خاں

جعفر علی خاں جعفر مردے عمدہ روزگار بود در عہد فرخندہ مہد محمد شاہ بادشاہ نور اللہ مرقدہ، ایں مطلع او از بس اشتہار، زباں زد ساکنین دہلی است دیگر اشعارش[2] دستیاب نشد۔ جبراً بہ ہمیں قدر اکتفا نمود:

---

1 اصل/خ: از خوبی کلامش معلوم می شود کہ از۔ 2 اصل/خ: بہ سبب کم یابی بایں فدوی سراپا تقصیر بہم نہ رسید۔ ازیں جہت بہ ہمی قدر اکتفا کردہ، بزبان قلم نیاز رقم حوالہ نمود۔

چمکتے دانت دیکھے یار کے مسّی لگانے میں　　جڑی ہیں کنیاں[1] الماس کی نیلم کے خانے میں

جھمن ناتھ

لالہ جھمن ناتھ ساکن حضرت دہلی[2] خلف رائے بشن ناتھ قوم کایستھ ماتھر کہ خیلے معزز ومکرم وعمدہ معاش، خوش قماش واز دانایان زمان وعقلائے جہاں بودند۔ مصنف ہندوی بجہت (بھجن) وکیت ودوہرہ وواقف زبان فارسی وریختہ وبسیار بدیہہ گو۔ چند نسخۂ دوادیں فارسی وہندوی وغیرآں گفتہ برباد کرد برادر منشی اجاگر ناتھ ظریف[3] الطبع خوش مزاج بود اکثر بہ ہجو[4] گوئی و بہ ہزلیات ومضحکات مایل می گشت وقصائد منقوط وغیر منقوط متضمن صنایع وبدایع کافی[5] ودیگر اقسام سخن کہ ازو بکمال جودت طبع سرانجام یافتہ، علی الخصوص بہ تنظیم نسخہ بہا دانش کارے کردہ کہ عبارت مولف راتغیر بساختہ تعلق بدیدن دارد وشنیدن۔ از استغنائے مزاج کار بتلاش روزگار کمتر دارد[6] وآزادانہ میگذراند:

اشک ہوتے ہی تولد کس قدر رسوا ہوا　　یہ تو لڑکا حضرت مجنوں کا بھی باوا ہوا
دل جوں سپند عشق کی آتش سے جل گیا　　اک آہ کھینچتے ہی مرا دم نکل گیا

قطعہ

لوگ کہتے ہیں شاہ آتا ہے　　یہ بھی کچھ جھوٹ سی اڑائی ہے

---

1 اصل میں برحاشیہ: پٹریاں: ل: قطبیاں۔ 2 ل: برآور منشی اُجاگر ناتھ: اصل/ خ: متصدی اجاگر ناتھ، خلف رائے نول ناتھ ولد رائے بشن...... منشی اجاگر ناتھ کہ بعلاقۂ منشی گیری، امیر الامرا نواب نجیب الدولہ بہادر ونواب ضابطہ خاں بہادر عزو امتیاز داشتند وشاعر فارسی وعالم خاص ودر انشا پردازی وشکستہ ونستعلیق مہارتے کلّی داشتند...... بھر ہی بود۔ 3 اصل میں پہلے: طبع شریفش۔ 4 اصل میں پہلے: بہ ہجو گوئی مایل وگا ہے مضحکات مستقل لا پُر معنی۔ 5 اصل/ ق: وتواریخ ومثنویات ودیگر اقسام سخن کہ بیانش طول می کشد۔ 6 اصل/ ق: و بہ سدّ رمق قلیلے کہ مقرر است آزادانہ می گذارد، از مغتنمات زمانہ است خداش سلامت دارد۔

جام سبزے کا کون ترک کرے ☆ کس کے خایہ نے بھانگ کھائی ہے

دیگر

جو[1] صوبہ دار صاحب جاہ آیا ☆ برائے قتل خلق اللہ آیا
نہ[2] وہ تھا شاہ جی اور یہ نہ حاجی ☆ وہ نادر شاہ تھا یہ شاہ آیا

لالہ گلاب رائے نامی شخصے مہاجن کہ بدیوانی حضرت شاہ نظام الدین احمد قادری ناظم صوبہ شاہ جہاں آباد عز امتیاز داشت، در ہجو او چناں گفتہ کہ ہجو و مدح ہر دو از مدعائے شعر دریافت می شود فی الحقیقت کارے کرد۔

ہے مفتخر بمسند والا گلاب رائے ☆ بیٹھا ہے گاؤ تکیہ پہ لالہ گلاب رائے
سب چیز بست دے جو جڑیں اس کے گھر میں لوگ ☆ بھروادے کف میں لولوئے لالہ گلاب رائے
بلبل لڑے ہیں محل سرا اس کی میں مدام ☆ کیا لال بیٹا ماں نے یہ پالا گلاب رائے
مانگے جو ایک موتی کا دانہ تو اس کو پھر ☆ دیتے ہیں اپنی سونے کی مالا گلاب رائے
شاباش اس کی ماں کو جو ایسا جنا ہے پوت ☆ جیوے وہ، اس کا کھیلنے والا گلاب رائے

جنوںؔ، محمد فخر الاسلام

محمد فخر الاسلام جنوںؔ ساکن دہلی شاگرد میر نظام الدین ممنون از چندے شوق ریختہ گوئی پیدا کردہ الا طبعش کمتر بہ ایں[3] فن متوجہ می شود ایں مطلع منسوب ازاں بزرگ زادہ است۔

اٹھی جو شرم تو دونوں ہی دل ملے نکلے ☆ بجز حجاب یہاں کچھ نہ فاصلے نکلے

جوشؔ، رحیم اللہ

رحیم اللہ[4] جوشؔ ساکن دہلی چندے مشق سخن از مرزا فدوی نمودہ و بیشتر بخدمت بابرکت

---

1 نغز: یہاں مختار جو باجاہ آیا۔ 2 نغز: نہ تھے وہ شاہ جی، نے شاہ حاجی۔ وہ نادر شاہ تھے، یہ شاہ آیا۔
3 ل: بہ ایں فن مائل۔ 4 اصل/ق: میر رحم علی۔

میاں غلام ہمدانی مصحفی حاضر ماندہ، اکثر اشعار بطور مضحکات می گوید و یاران مجلس ہمگی را خندہ می آورد[1] و خود مہر سکوت بر لب داشتہ اصلا لب بخندیدگی نمی کشاید دیوانے مملو از اشعار مضحکانہ و رندانہ و دو سے مشعر بر غزلیات برجستہ[2] و تلاش و رباعی[3] ہا و مخمسات و ہجو و مدح وغیرہ فراہم نمودہ۔ خوش طبع شیریں کلام است، گفتگویش خالی از لطافت و ظرافت نیست:

ظرف پر اپنے نظر کر تو ابھی لڑکا ہے
منہ صراحی سے نہ او دلبر مے خوار لگا

میں نے جو کہا تجھ بن کیا کیا نہ الم گذرا
بولا کہ ابے تیرا روتے ہی جنم گذرا

دریا مری آنکھوں سے نت جاری لہو کا ہے
بے درد[4] تو کیا جانے کیا رنگ کسو کا ہے

جانؔ، خان عالم

خان عالم خاں متخلص بہ جانؔ از بلدۂ خوش بنیاد فرخ آباد است[5] پسر نواب منور خاں مغفور[6] برادر صغیر نواب روشن الدولہ ظفر خاں مرحوم المعروف بہ طرہ باز خاں بہادر، اشعار خود را اکثر بہ نظر محمد میر سوزؔ گزرانیدہ در نثر نویسی و خط شکستہ و تعلیق و ہم از بعض علوم عربیہ بہرہ وافر دارد ایں اشعار ارشاد کردۂ اوست:

چھوڑ عارض دل نے گھیرا زلف مشکیں فام کو
صبح کا بھولا غنیمت ہے جو پہنچے شام کو

بیٹھا ہوں یار آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے
جوں تابداں میں شیشۂ رنگیں دھرے ہوئے

لگا خوبانِ نو خط سے یہ ملنے
گھسیٹا پھر مجھے کانٹوں پہ[7] دل نے

جذبؔ، سید بھکاری

سید بھکاری جذبؔ تخلص شخصے طالب علم[8] در قصبہ بریلی است[9] فکر سخن بطور اوستادان[10]

---

1. اصل/ق کہ بسیارے کساں را از فرط خندیدگی لب بہم بستہ نمی گردد، طرفہ تر آنکہ بر دہن خود مہر سکوت رابستہ خاموش محض نشستہ می ماند۔ 2. اصل/ق: پر مضموں۔ 3. ل: کاملہ بار باعیات و مخمسات وغیراں۔ 4. ل: بے دید؛ سرور: بے درد۔ 5. سرور: معلوم نیست کہ متوطن کجا بود۔ 6. ل: پر نور۔ 7. ل: میں۔ 8. اصل/خ: و صاحب شان ذہین۔ 9. اصل/خ: مسموعہ می شود۔ 10. اصل میں پہلے: بطور خود۔

میکند این ابیات دلکش از فرمودۂ است [1]:

واں صفائی وخود نمائی ہے	یاں مری جان کی صفائی ہے
اے فلک مجھ سے اتنی بے مہری	یہ ترے دل میں کیا سمائی ہے
چشم تر تو نے ہی ڈبویا ہے	آہ یہ کیسی آشنائی ہے
یاں ہوئے جاں بحق تسلیم	واں ابھی عشق آزمائی ہے
جو کہ حلقہ بگوش نتھ کے ہیں	ناک میں ان کی جان آئی ہے
جذب چل دیکھ آستانۂ یار	ہم ہیں اور واں کی جبہ سائی ہے
منا ہی اس کے مکتب میں ہے گریوں آنے جانے سے	تجاہل کر کے ہم جاویں گے پڑھنے کے بہانے سے
خدا کے واسطے اے ہم دمو! وہ بھولا بھالا ہے	اسے دم دے اُڑالاؤ، کبوتر کے بہانے سے
نہ کچھ ٹھنڈی ہوئی گرمیِ رنجش آتشیں خو کی	بھلا کیا فائدہ اے چشم تر آنسو بہانے سے

جراح، غلام ناصر

غلام ناصر جراح [2] از دہلی پسر حافظ رمضانی جراح اسم با مسمی است۔ سوائے پیشۂ جراحی [3] بعلوم متعارفہ ہم دستگاہ دارد، جوانِ معقول وضع، اخلاص پرست۔ خوش طبع بنظر افتاد۔ تازہ گو است۔ غزلے کہ در مشاعرۂ نواب امین الدولہ شاہ نواز خاں بہادر مستقیم جنگ گفتہ آوردہ بود، از اں این دو شعرش می نگارد۔

اک دم نہیں ہے اس بتِ خورشید رو کو چین	پھرنے میں جیسے کوکب سیار گرم ہے [4]
جراح ٹانکے دینے میں مت کر درنگ تو	اس واسطے کہ زخم میرے یار گرم ہے

جرأت، قلندر بخش

میاں قلندر بخش جرأت شخصے است در لکھنؤ۔ بیشتر نو مشقاں را باصلاح خود شاگرد رشید

---

1 اصل میں پہلے: این غزل؛ ل: این ابیات رنگیں۔ 2 سرور: اصلش از خطۂ کشمیر جنت نظیر۔ خود بہ دارالخلافہ تولد یافتہ۔ 3 سرور: درحضورِ والا بہ جرگۂ جراحاں داخل۔ قدرے تحصیل طب ہم نمودہ۔ 4 ل: ہیں۔

گردانیده۔ بہرہ از علوم نجوم ہم دارد۔ شاگرد میر جعفر علی حسرت۔ ودر حقیقت از استاد خود فایق است۔ طبعش نہایت موزوں وشعرش بسیار برجستہ وپر مضمون۔ طور ادائے[1] کلام روزمرہ ومحاورہ از وبخوبی وصفائی تمام جلوۂ نمایش می پذیرد[2] کہ تا حالت تحریر ہیچو او شاعر زبردست وماہر[3] سخن از خطۂ پاک لکھنؤ برنخاستہ۔ شعرش رتبۂ پیدا کردہ۔[4] در ستار نوازی دسترس خوب دارد۔ از ناتواں بینی روزگار ہر دو چشمش از کار رفتہ چشم از عالم صورت بستہ ولی بمعنی بردہ[5]۔

بدن عریاں جگر پر داغ لب پر آہ و نالا ہے　　ترے عاشق کا ہر عالم میں عالم ہی نرالا ہے

مطلع ثانی

بلا جوڑے کی بندش اور قیامت قد بالا ہے　　ستم مکھڑا غضب چتون بدن سانچے میں ڈھالا ہے

مثال مہر کے گردش ہے ہم کو سارے دن　　جو تم پھر آؤ تو پیارے پھریں ہمارے دن

یوں گوری سی چھاتی پہ ہے زنجیر طلا کی　　جوں کاسنہ چینی پہ ہو تحریر طلا کی

وہ رنگ جو کندن سا ہے اس کا ہوں دوانا　　پہناؤ مرے پاؤں میں زنجیر طلا کی

پہنے ہوئے آتے ہیں وہ جوڑا جو سنہرا　　گویا کہ ہے منہ بولتی تصویر طلا کی

بجلی ہے تلے ابر کے یا جھمکے ہے جراتؔ　　اس سوسنی کُرتے میں سے زنجیر طلا کی

نہیں ہلتے ہیں پہروں دست و پا، یہ ناتوانی ہے　　سنا جو مرگ کا عالم، سو اپنی زندگانی ہے

مطلع ثانی

خموشی کی ہماری جا بجا اب قصہ خوانی ہے　　برابر سو زباں کے ایک اپنی بے زبانی ہے

---

1 اصل میں پہلے: ادائے صفائی کلام۔ 2 اصل/خ: چہ ممکن کہ از دیگرے نہ پذیرد۔ کمال فصیح زبان، شیریں بیان است۔ 3 ل: قادر سخن۔ 4 اصل/خ: اکثر غزلیات دست سنگلاخ وشاو راہ بہ آسانی تمام و خوبی کلام طرح می دہد۔ شاعری بلکہ ساحری بکاری می برد۔ 5 مصحفی یحییٰ مان نام آبائی اوست بدیں جہت کہ خود را از اولاد یحییٰ رائے مان می گوید۔ او شخصے گزشتہ کہ ہنوز در محلۂ کہ متصل چاندنی چوک جائے بود و باش او بود، بہ کوچۂ رائے مان (اب کوچۂ رحمان) شہرت دارد۔

اٹھا ابر سیہ جوں قصد آنے کا کیا ان نے
کروں کیا فکر اس کا یہ بلائے آسمانی ہے
نہیں اٹھتے گلی سے اس کی، گو ٹھکرائے جاتے ہیں
غرض بہتر توانائی سے اپنی ناتوانی ہے
اللہ اللہ مرے اس پردہ نشیں کا پردا
آسماں کا ہے نہ جن سے نہ زمیں کا پردا
شرم یاں تک ہے کہ مانگے نہ خدا سے وہ دعا
کر لے ہاتھوں سے نہ تا روئے حسیں کا پردا

شب بن اس کے جان ہمدم جب مری جانے لگی
آہ سوزاں آگے آگے شمع دکھلانے لگی
دور سے اس کی گلی جو نہیں نظر آنے لگی
اضطرابِ دل سے پہلے جان ہی جانے لگی
بکا کرتے ہیں آپ ہی آپ ہم بھی کچھ دوانے سے
یکا یک آ گئی ایسی خرابی کس کے جانے سے
محبت ہی گئی جو رہ گئے تم یاں کے آنے سے
وگرنہ دل ملے پر ملتے ہیں سو سو بہانے سے
تہ افلاک کیا آہ و فغاں کیجے یہ خطرہ ہے
نہ آندھی میں کہیں اڑ جائیں یہ خیمے پرانے سے

ہوا ہے اب تو یہ نقشا ترے بیمار ہجراں کا
کہ جس نے کھول کر منہ اس کا دیکھا بس، وہیں ڈھانکا
ہوا ظاہر نہ مردہ بھی ترے بیمار ہجراں کا
زبس صدمہ اٹھا کر، وہ موا تھا درد پنہاں کا
کون دیکھے گا بھلا اس میں ہے رسوائی کیا
خواب میں آنے کی بھی تم نے قسم کھائی کیا
ذرا کر سیرِ گل رو تازگی پر ہے چمن اپنا
شگفتہ جوں گل نو ہے ہر اک داغ کہن اپنا
برہم کبھو قاصد سے وہ محبوب نہ ہوتا
گر نام ہمارا سر مکتوب نہ ہوتا
مبتلا بسکہ ہوں میں اس بت ہرجائی کا
جا بجا کیوں نہ ہو شہرا مری رسوائی کا
مر گیا درد اٹھا کر جو وہ تنہائی کا
کوئی اٹھاتا نہیں لاشا ترے شیدائی کا
چاہ کی چتون مری، آنکھ اس کی شرمائی ہوئی
کھل گئی مجلس میں یارو سخت رسوائی ہوئی
سبب پوچھو نہ واں سے دستۂ نرگس کے آنے کا
کہ ہے یہ عین شفقت میں مرا آنکھیں دکھانے کا
رنگ بھبھوکا ہونٹ ملایم اور کچون پر تختی ہے
سینے سے لے ناف تلک اک صندل کی سی تختی ہے
کب تک ایام جدائی میں رہوں من مارے
اس سے اے کاش وہ آ کر مری گردن مارے
صبح ہو گھر کو چلے وہ تو مجھے جرأت آہ
جوں چراغ سحری، جنبش دامن مارے

بوسے ہم خواب میں لیتے تھے کھڑے ہاتھوں کے — کھل گئی آنکھ بجے جو ہیں کڑے ہاتھوں کے
نالے دو چار سناؤں تمھیں لَے سے ایسے — نہ سنے ہوں کبھو تم نے لبِ نَے سے ایسے
کیا اس گھر میں چرچا جی نے میرے آہ وزاری کا — الٰہی صبر اس کی جان پر اس بے قراری کا
میں مر گیا ہوں دیکھ کے اس سبز رنگ کو — کیجو زمردی مرے مرقد کے سنگ کو
کبریائی میں مرا وہ بت گمراہ ہے ایک — لوگ سچ کہتے ہیں یہ بات کہ اللہ ہے ایک
مت یہ گھبرا کر کہو اب یاں سے بندا جائے گا — کوئی مرجائے گا صاحب آپ کا کیا جائے گا
گرم صحبت جب تلک ہوگا نہ ہم سے ہائے وہ — ہمدمو کیوں کر نہ ٹھنڈی سانس بھرتا جائے گا
مجھ سے وقت جنگ کہتا ہے یہی وہ جنگ جو — جب کہیں تو مر مٹے گا اتب یہ جھگڑا جائے گا
مت بلاؤ بزم میں جرأت کو ہے آتش زباں — آگ سی سینے مین سب کے آکے بھڑکا جائے گا
دل پر لگا الٹ کے وہیں تیر آہ کا — جب یاد آگیا وہ پلٹنا نگاہ کا
جھپکے اجل سے آنکھ مری کیونکہ وقت نزع — بسمل ہوا ہوں میں کسی بانکی نگاہ کا
ہر آہ سے جو شعلہ نمایاں ہے آگ کا — پتلا بغل میں کیا دلِ سوزاں ہے آگ کا
ہم عاصیوں کو لہر جو رونے کی آگئی — دوزخ کی پھر خدا ہی نگہبان ہے آگ کا

دیکھنا دشوار ہے اب اس بت دلخواہ کا — یہ ہمیں در پردہ گویا عشق ہے اللہ کا
لاش کو میری چھپا کر اک کنویں میں ڈال دو — یارو میں کشتہ ہوں اک پردہ نشیں کی چاہ کا
گر مشغلا نہیں تہ دریا شراب کا — کیوں منہ ادھر کیے ہے قدح ہر حباب کا
کیجو زمیں سے قبر برابر مری کہ میں — کشتہ ہوں ایک پردہ نشیں کے جواب کا
دیکھ اس گل کو جو شعلہ سا جگر سے چمکا — کیا مرا داغ کہن پھر نئے سر سے چمکا
یاد آتا ہے تو کیا پھرتا ہوں گھبرایا ہوا — چمپئی رنگ اور بدن اس کا وہ گدرایا ہوا

غنچہ دل کو تو یوں نالۂ شبگیر کھلا — کہ خزاں میں بھی رہے جوں گل تصویر کھلا
حسن سبزہ بتِ غارت گردیں مجھ کو دکھا — یا نہیں زہر مجھے یا میری تقدیر کھلا

کچھ منہ سے اپنے کہہ وہ بہانے سے اٹھ گیا — حرف سخاوت آہ زمانے سے اٹھ گیا
داغِ ہر دل جو ترا چاہنے والا نکلا — شب چراغانِ دیوالی کا دوالا نکلا

بلائیں ہاتھوں نے میرے جو لیں تمھاری رات — بلائیں ہاتھوں کی لیتا رہا میں ساری رات
غم[1] سنانے کو جو بیٹھوں کسی غمخوار کے پاس — بے قراری یہی کہتی ہے کہ چل یار کے پاس
عید قرباں کو بھی وے گھر سے ہمیں یار نکال — جی میں آتا ہے گلا کاٹیے تلوار نکال
حیرت میں مجھے دیکھ کے بولا وہ ہنسی سے — ہے آج تو جراْت پہ بھی تصویر کا عالم
دل کی طپش کے صدمے جوں تیری جان پر ہیں — گاہے زمیں پہ ہیں ہم گہ آسمان پر ہیں
قدم میں ناتواں جب اسکے کوچے سے اٹھاتا ہوں — تو شکل نقش پا ہر ہر قدم پر بیٹھ جاتا ہوں
طپش سے دل کی اب اعضا تمام جلتے ہیں — جو ہم سے دل کوئی بدلے تو ہم بدلتے ہیں
ترے مریض کے ملتے تھے جو کہ تلوے آہ — وہ بیٹھے اب کف افسوس اپنے ملتے ہیں
یہ دل میں کس کی سمائی ہے اچپلاہٹ آہ — کہ وقت مرگ بھی اعضا تمام ہلتے ہیں
زبسکہ مرتے ہیں اک سبز رنگ پر جراْت — یہ شعر کہتے نہیں زہر ہم اگلتے ہیں
ملاپ کیونکہ ہو دونوں کے دل قفس میں ہیں — جنھوں کے بس میں ہوں میں وے پرائے بس میں ہے
زبس وہ آپکو بے مثل سمجھے ہے زمانے میں — ہوا سو شکل سے حیران کل آئینہ خانے میں
وہ ہی سمجھے گا قلق سے مرے گھبرانے کو — جس کا دل لے کے کوئی منع کرے آنے کو
یاد آتے ہیں جسے ہجر میں ایامِ وصال — بہتر از زیست سمجھتا ہے وہ مرجانے کو
وصل میں جس کے نہ تھا چین سو جراْت افسوس — وہ گیا پاس سے اور موت نہ آئی مجھ کو
بسکہ گلچیں تھے سدا عشق کے ہم بستاں کے — ہوئے نوکر بھی تو نواب محبت خاں کے
دیکھ زخمی مجھے اس کوچۂ قاتل والے — ہنس کے کہتے ہیں، زخم جگر سلوا لے
اب تو بازار محبت میں یہ ہے ہم پہ پکار — بیچتا ہے تو ادھر آ ارے او دل والے
بے کلی ایسی گیا ہے سونپ وہ گلرو مجھے — کل نہیں پڑتی کسی کروٹ، کسی پہلو مجھے

---

1. اصل میں پہلے: غم کے کھونے کو چلے تھے۔

زخم اک شمشیر کا سا دل پہ لگ جاتا ہے آہ — یاد آجاتی ہے جب وہ جنبشِ ابرو مجھے

غم ایک پردہ نشیں کا جو پردہ دار رہا — تو استخوان میں پنہاں مری بخار رہا

سرگذشت اس سے جو کچھ کہنے میں دلگیر لگا — دی مرے سامنے فرہاد کی تصویر لگا

جرآت انبوہ ہو درکار اگر بعد فنا — دیجو اس کی مرے تابوت پہ تصویر لگا

رو رو کے جو غش عاشقِ غم ناک نے کھایا — کچھ سوچ کے خطرا بت بے باک نے کھایا

رشک اس پہ غضب گردش افلاک نے کھایا — کاوا جو ترے سوسن چالاک نے کھایا

ہوکر مرے اس آبلۂ دل کے مقابل — الزام قیامت سحر پاک نے کھایا

یہ اشک ہے، آہ کہ سب بہ گئے اعضا — جوں شمع مجھے دیدۂ نمناک نے کھایا

یاران گذشتہ کی کہانی رہی جرآت — ساتھ اپنے جو کھاتے تھے انھیں خاک نے کھایا

سالہا گذرے کہ تم ہم کو نہ یار آئے نظر — آئے تو باد کے گھوڑے پہ سوار آئے نظر

کانوں میں اس کے پھول نہیں ہیں گلاب کے — ٹکڑے شفق کے پہلو میں ہیں آفتاب کے

دل جو اب مجھ سے دور بھاگے ہے — اس سے مل کر اسے بھی بھاگ لگے

جگر پہ تیغ سناں کا لگے تو گھاو لگے — نہ دل کا پر کسی بے درد سے لگاو لگے

گر آئے رونے پہ ٹک اپنی چشم دریا بار — تو کیا عجب ہے کہ کوچہ بکوچہ ناو لگے

کل جو بیٹھا پاس میں یکجا ترے ہمنام کے — وہ گیا بس نام سنتے ہی دل اپنا تھام کے

وائے قسمت اس کا وعدہ شب کے آنے کا ہے روز — ڈھل چلایاں زیست کا دن آتے آتے شام کے

کہنہ مشاق ہے اور تازہ گرفتاری ہے — اس لیے سوجھے ہے جرآت کے تئیں بات نئی

دیکھ مجھ کو اپنے دز پریوں کہا منھ پھیر کے — یہ دوانا کس لیے بیٹھا ہے رستا گھیر کے

یہ حالت ہے مری جب تک نہ گھر سے تو نکل آئے — ادھر اک آہ کھینچی اور ادھر آنسو نکل آئے

بہانا کر کے دل کے ڈھونڈنے کا سامنے در کے — میں بیٹھا ہوں کہ شاید وہ مہ دلجو نکل آئے

دل ہی جب چھاتی کا پھوڑا ہو تو کیا جینے کا لطف — کیوں اجل کیا پاؤں میں ترے پھپھولے پڑ گئے

جو جنس دل تھی اپنی گرہ میں سو کھول دی — انمول چیز تھی تجھے بن مول تول دی

قلق یہ اس بت کافر کی ہے جدائی سے — کہ آہ بیٹھے ہیں بے زار ہم خدائی سے

یوں وہ آنکھوں میں کھبے ہے جب کہ روتا ہے کوئی
پھوٹ پھوٹ اتنا نہ رو، بدنام ہوتا ہے کوئی

گرد ہالہ اختروں کو دیکھ روتا ہوں کہ یوں
موتیا کے پھول بالی میں پروتا ہے کوئی

جاں بلب کوئے بتاں میں کیوں پڑا ہے تو دلا
مفت یوں بندے خدا کے، جاں کھوتا ہے کوئی

جرأت گریہ کناں کا ان دنوں یہ رنگ ہے
پوچھے ہے آنسو کوئی، دامن کو دھوتا ہے کوئی

پامالِ صد جفا ہوں اسی شہسوار کا
وہ جو سمندِ ناز کو چمکائے جائے ہے

جرأت بجز فنا نہیں ان سے نجات آہ
جوں شمع سوزِ عشق مجھے کھائے جائے ہے

دوانہ اس پہ ناداں اور دانش مند ہوتے ہیں
یہ عالم اب تو اس کا ہے کہ رستے بند ہوتے ہیں

قاتل نہ مجھ سے موڑیو منہ وقت قتل تو
ٹک شرم کیجیو مری گردن جھکائی کی

جو گئے تھے ترے بیمار کے لانے کے لیے
سو وہ سب بیٹھے ہیں اب اس کے اٹھانے کے لیے

ہائے کہتا ہے وہ اب جس کے لیے ہوں بدحال
حال یہ اس نے بنایا ہے دکھانے کے لیے

اس پردہ نشیں سے کوئی کس شکل برآوے
جو خواب میں بھی آوے تو منہ ڈھانپ کر آوے

جو مجھ سے یہ کہتے ہیں کہ کیوں مفت دیا دل
ہو جائیں ابھی مجھ سے جو وہ مفت برآوے

بھرلوں اسے کولے میں اگر میں تو عجب کیا
بے مرہم ابھی زخم مرے دل کا بھرآوے

جی کہتے ہیں جرأت نے دیا یار کے در پر
سمجھے یہ وہی بات جو الفت میں در آوے

دل جگر دونوں مرے خانۂ زنبور ہوئے
داغ سے زخم ہوئے زخم سے ناسور ہوئے

منہ چڑھیں کیوں نہ مرے دار مژہ پر چڑھ کر
اب تو لو حضرتِ دل وقت کے منصور ہوئے

درد دل اٹھتے ہی دنیا سے اٹھے ہم یکبار
شکر یارب کہ طبیبوں کے نہ مشکور ہوئے

اس نے خدمت سے جو معذور رکھا اے جرأت
یاں تلک روئے کہ ہم آنکھوں سے معذور ہوئے

خبر اس کو نہیں کرتا کوئی
کہ میاں مفت ہے مرتا کوئی

آہیں مت بھر اُسے لے آتے ہیں
اتنی حامی نہیں بھرتا کوئی

اس لیے ہے مجھے سونے سے خیال
خواب میں نظر آتا کوئی

وہ نہ آوے تو یہ ہوجاوے غلط
کہ بن آئے نہیں مرتا کوئی

رکھیو یارب تو پھنسا دل کی گرفتاری میں
موت بھی آوے تو آوے اسی بیماری میں

اے طبیب اس کو غذا فرما کبابِ نرگسی
ہے یہ دل بیمار چشم نیمخواب نرگسی

یاد میں ان نرگسی آنکھوں کے گر ناسور چشم
بہ چلے میرا تو پھر جاری ہو آب نرگسی

یاد آئے جو اس چشم غضبناک کے ڈورے
پھر ٹوٹے رفوئے دل صد چاک کے ڈورے

جو دیکھے ہے، گردن کا ڈھلک جائے ہے منکا
گردن کے غضب کے بت بیباک کے ڈورے

جو راہ ملاقات کی تھی جان گئے ہم
اے خضر تصور ترے قربان گئے ہم

قطعہ

کل واقف کار اپنے سے کہتے تھے وہ یہ بات
جرأت کے جو گھر رات کو مہمان گئے ہم

کیا جانیے کمبخت نے کیا ہم پہ کیا سحر
جو بات نہ تھی ماننی وہ مان گئے ہم

ناطاقت اب ہوا ہے یہ تیرا مریض عشق
بستر سے ٹک ہلے ہے تو لگتا ہے سوا سے

جب کہ ہمسایہ میں سنتے ہیں تمھیں آئے ہوئے
کیا در و بام پہ ہم پھرتے ہیں گھبرائے ہوئے

پیرہن چاک ترے در پہ جو کل کرتا تھا
آج لوگ اس کو لیے جاتے ہیں کفنائے ہوئے

جوں انار آتشیں آتش زدہ ہوں میں وہ گل
اٹھتے ہیں شعلے پہ شعلے جس کے برگ و بار سے

مہ رخسار کا اس کے جہاں ہو ذکر تو جیسے
لگے ہے چاندنی چوک اس طرح بازار لگ جاوے

گلے سے آ کے گر وہ سبزہ رنگ اک بار لگ جاوے
تو گویا زخم دل پر مرہم زنگار لگ جاوے

کرے خون جگر سے چشم گوہر بار گر سازش
تو موتی باغ سے بہتر کوئی گلزار لگ جاوے

جوش سودا جب کہ تیرے وحشیوں کے سر چڑھا
پھر اجڑ کر ہوگئے آباد ویرانے کئی

رو کے دل خالی کیا بس ہم نے جوں مینائے مے
بھر کے غیروں کو دیے جب تم نے پیمانے کئی

دل وحشی کو خواہش ہے تمھارے در پہ آنے کی
دوانا ہے ولیکن بات کہتا ہے ٹھکانے کی

قتل سے کب قاتلان فتنہ گر خالی ہوئے
بھر گیا شہر خموشاں گھر کے گھر خالی ہوئے

خاک پر پھوٹے جو تیرے کشتۂ خرماں کے نخل
نکلے گل پر مک تو پیدا ثمر خالی ہوئے

یاد میں ساقی کی جرأت ساغر مے کی طرح
گہ ہوئے لبریز گاہے چشم تر خالی ہوئے

عشاق کریں گر طلب مے تو کہیں وے
کم بخت یہ ہیں حلق کے دربان ہمارے

تم نے تو دل لے کے کی مجھ سے خموشی اختیار
جا بساؤں میں بھی اب شہر خموشاں تو سہی

کچھ لگاوٹ کا سبب اور نہیں پر جرات
یہ وہ چاہے ہے کہ اس کو بھی لگائے رکھیے

بتاں سنگدل کی چاہ کا وہ نام لے حق ہے
کہ پہلے جو کوئی چھاتی بنا لے اپنی پتھر کی

جب اس کافر کی پچھلی آشنائی یاد آتی ہے
فلک کو دیکھتے ہیں ہم خدائی یاد آتی ہے

کیا نیش غم عشق کہوں اس کے عوض آہ
کیوں رکھ نہ دیا سینے میں زنبور کسی نے

عیاری تو دیکھے نہ ملانے کے لیے آنکھ
دیوانہ کیا ہے ہمیں مشہور کسی نے

جلدی سے کر اے چرخ، سحر ورنہ کہوں گا
کالک ترے منہ کو شب ہجراں نے لگائی

پنہاں نہ ہوں کیوں لعل و گہر سنگ و صدف میں
جٹ دونوں کو تیرے لب و دنداں نے لگائی

کہتا ہے دم صبح وہ گھر جاؤں گا یارب
اب دفتر ایام سے یہ لفظ سحر جائے

گرچہ وصل یار ہے پر جی کو اپنے کل کہاں
ہے یہی دھڑکا کہ جو کچھ آج ہے وہ کل کہاں

دن رات ہرزہ گرد نہو طور کیا ہے یہ
سودا اگر نہیں تو دلا اور کیا ہے یہ

شب نہ آئی نیند اس بن دل جو دکھ دیتا رہا
بے کلی سے صبح تک میں کروٹیں لیتا رہا

ہوئے ہم بت کے بندے برہمن سے راہ کرتے ہیں
حرم کے رہنے والو تم سے عشق اللہ کرتے ہیں

قطعہ

آئی نظر جو ایک مرقع میں ناتواں
مجنوں سے بھی فزوں کسی بیمار کی شبیہ

تو ہنس کے مجھ سے کہنے لگے چتونوں میں وے
لو آؤ تم بھی دیکھ لو سرکار کی شبیہ

قطعہ

واں سے گھر آ کے کہاں سونا تھا
صبح تک یاد تھی اور رونا تھا

جب ہوئی صبح تو بستر سے پھر اٹھ
گریۂ خونی سے منہ دھونا تھا

دھو چکے منہ کو تو کشت دل میں
تخم غم کا ہمیں پھر بونا تھا

بوچکے تخم تو پایا یہ ثمر
کہ جگر کاوی تھی، جی کھونا تھا
جی کے کھونے کے ہو درپے یہ کہا
کہ نصیبوں میں یہی ہونا تھا
ہونا قسمت کا نہ پوچھو تاشام
ہم تھے اور گھر کا بس اک کونا تھا
کونے لگ بیٹھ کے جرأت اے وائے
پھر وہی رات تھی اور رونا تھا

گروہ ہات آئے تو زانو پہ بٹھائے رکھیے
لب سے لب سینہ سے سینہ کو ملائے رکھیے
دے کے دل جان بھی دیے ہی بنے
اب وہ جو جو کہے کیے ہی بنے
غنچہ ساں اس خموش رہنے پر
اب تو اپنا لہو پیے ہی بنے
وصل کو سہل کچھ ہم نے لگائیں آنکھیں
ہے شاباش مجھے خوب دکھائیں آنکھیں
اسے غیر سے جب بہم دیکھتے ہیں
نہ دیکھے کوئی جو کہ ہم دیکھتے ہیں
ہوا میں نازنیں ظالم بکھیرے بال پھرتے ہیں
بچے کیا صیدِ دل کم بخت اڑتے جال پھرتے ہیں
خلق دیکھے ہے یہ عید تمام آج کی رات
تو بھی اے ماہ چمک جانبِ بام آج کی رات
یہ عشق تماشہ مجھے دکھلاتا ہے کچھ اور
کہتا ہوں میں کچھ منہ سے نکل جاتا ہے کچھ اور
کوئی ہمارے تغافل شعار سے کہہ دو
کہ آپ زرہ نوازی جو بندہ دار کریں
تو باوجود تقاضائے مرگ و شدت نزع
ہم اور بھی نفس چند انتظار کریں
وصیت ہے یہ جرأت کی کہ مجھ کو دفن واں کیجو
جہاں ہوں مرقدیں دوچار معشوقوں کے کشتوں کی
یہ بھی تو نہ جانا کہ شب وصل کدھر تھی
ٹک زلف کو چہرے سے ہٹایا تو سحر تھی
حسن اس کا عدم کو جا پہنچا
خط بھی جس کی رسید کا آیا
اجازت وصل کی دی شب جو چرخ کینہ پرور نے
تو زاہد ذبح کر ڈالا تری اللہ اکبر نے

قطعہ جرأت

کوئی ہمارے شقاوت شعار سے کہہ دو
کہ آپ ذرہ نوازی جو ابردار کریں
تو باوجود تقاضائے شدت نزع
ہم اور بھی نفس چند انتظار کریں

رباعی

بے وجہ نہ سمجھو یہ پڑنے اولے انگریز بڑا بول جو ناحق بولے
تو فوجِ ملایک نے فلک سے جرات مارے گوروں کو گورے گورے گولے

قطعہ

خواہش دیدار ہو جس کو تو اک تصویر یار وہ بہر صورت کھنچا منگوائے اور دیکھا کرے
ایک میں حیرت زدہ حیرت میں ہوں اے دوستو جو فقط باتوں ہی کا مشتاق ہو وہ کیا کرے

رباعی

کسی کی شب وصل سوتے کٹے ہے کسی کی شب ہجر روتے کٹے ہے
ہماری یہ شب کیسی شب ہے الٰہی نہ سوتے کٹے ہے نہ روتے کٹے ہے

قطعہ

ہے عشق خدا نبی سے ظاہر یہ چاہ نہ سمجھیو نہانی
دیکھو تو ذرا بچشم تحقیق کیا مدنظر ہے پاسبانی
تھا سایۂ مصطفیٰ جو معدوم دشوار تھی اس کی رمز پانی
گذرا جو خیال یہ نبی کو تو آئی یہی صدا کہ جانی
با سایہ ترا نمی پسندم عشقست و ہزار بدگمانی
سخت تجھ بن قلق اس دن کا ستاتا ہے مجھے گہ اٹھاتا ہے یہ اور گاہ بٹھاتا ہے مجھے
یہ تو میں کیوں کر کہوں، کچھ نہیں بھاتا مجھ کو کچھ تو بھایا ہے جواب کچھ نہیں بھاتا ہے مجھے
صحبت اب یار میں اور مجھ میں ہے جوں شعلہ و خس جوں جوں میں اس کو بڑھاؤں وہ گھٹاتا ہے مجھے
گلشن دہر میں جوں خار ہے یہ قدر مری جس کے دامن سے لگوں ہوں وہ چھڑاتا ہے مجھے

آہ میں کون ہوں کیا چیز ہوں جوں ہیزم خشک جو خریدار خریدے سو جلاتا ہے مجھے

قطعہ

بارے کچھ جذبۂ دل نے تو اثر اس پہ کیا اب جو آتا ہے سو یہ مژدہ سناتا ہے مجھے
منہ ترے گھر کی طرف کر کے یہ کہتا تھا وہ شوخ اس طرف کو کوئی کھینچے لیے جاتا ہے مجھے
زخم تازہ کی طرح چرخ کہن اے جرأت ٹک ہنساتا ہے تو پھر خوب رلاتا ہے مجھے
نہ صبر جی کو نہ تاب دل کو نہ خواب چشم پُر آب میں ہے غم جدائی سے جان میری عجب طرح کے عذاب میں ہے
بلائیں ہاتھوں نے میرے جو لیں تمھاری رات بلائیں ہاتھوں کی لیتا رہا میں ساری رات
دل کو اے عشق سوئے زلفِ سیہ فام نہ بھیج رہزنوں میں تو مسافر کو سرشام نہ بھیج
قصد جانے کا نہ ملک دل سے تو اے جان کر سن مری بستی اس آبادی کو مت ویران کر
نالہ وآہ وفغاں مرا ہی دم بھرتے ہیں آپ کا جان کے یہ مجھ پہ کرم کرتے ہیں
عزیز وصل میں بھی ہم جو رو رو کر نہ سوتے تھے سو اندیشہ تھا روز ہجر کا اس دن کو روتے تھے
کب حال دل زار سے محبوب ہیں واقف جو ہم پہ گذرتی ہے ہمیں خوب ہیں واقف
ملا چاہو تم تو بہانے بہت ہیں جگہیں سیکڑوں ہیں ٹھکانے بہت ہیں
وہ سوختۂ عشق ہوں جرأت کہ جگر پر ہر داغ ہے خورشید قیامت سے سوا گرم
شکل آئینہ باصفا ہیں ہم دیکھنے ہی کے آشنا ہیں ہم
قول آنے کا دے کے راہ میں تم واہ خوب آئے وعدہ گاہ میں تم
اس دلِ بے تاب کو آہ نہیں کل کہیں مجھ کو پھرائے ہے لیے آج کہیں کل کہیں
لختِ دل سمجھو نہ میرے آنسوؤں کے تار میں پٹریاں یاقوت کی ہیں موتیوں کے ہار میں
لخت دل کی اب ہے آمد دیدۂ خوں بار میں دیکھیے کیا پھولتا ہے گل گھڑی دو چار میں
تصور تیری صورت کا جو باندھ اے یار لیتا ہوں تو سرتاپا بلائیں اس کی سو سو بار لیتا ہوں
پردے میں شکل کس کی یہ آئی نظر ہمیں منہ ڈھانک روتے گزرے ہے دو دو پہر ہمیں
دے قید غم یہ کون گیا اپنے گھر ہمیں بیٹھے جو وقت نزع تھے سب گھیر کر ہمیں

شادی و غم ساتھ ہیں مت چاہ یہ ہو وہ نہ ہو — یہ نہ ہووے گا کبھی واللہ یہ ہو وہ نہ ہو
خدانا کردہ گر اس بت سے اور مجھ سے لڑائی ہو — نہ ہووے صلح پھر گر درمیاں ساری خدائی ہو
اس پری زاد پہ دل کیونکہ نہ دیوانہ ہو — خوبصورت ہو جو اور عاقل و فرزانہ ہو

جگن

میاں جگن خانہ زاد نواب شیر افگن خاں بہادر از شاگرداں میر محمد تقی میر در ایام نومشقی کہ بعض غزلیات از وطرح یافتہ بود یک شعرش ازاں بمن رسید:

اس دل مریض عشق کو آزار ہی بھلا — چنگا ہو تو ستم ہے، یہ بیمار ہی بھلا

جرات، مرزا مغل

مرزا مغل جرات در بریلی است پسر نواب عبدالباقی خاں ابن نواب حمید الدین خاں نبیرہ۔ مرد سپاہی خیلیے کم گو و تازہ گو از حضور اشرف اقدس اعلیٰ بخطاب عبدالباقی خاں عز امتیاز و شرف افتخار دارد سخن خود را بگوش معنی نیوش مرزا محمد رفیع سودا گذرانیدہ بہر کیف خوش می گوید۔

کیوں نہ ہوویں جان و دل سے ہم نثارِ آئینہ — عکس ہے مکھڑے کا تیرے ہمکنارِ آئینہ
روبرو ہوتے ہی مفتوں کرلیا اس شوخ کو — دیکھو ٹک غور سے جرات تو کارِ آئینہ
جوں برگ گل جھڑیں ہیں گلشن میں پے گلبن — لخت جگر پڑے ہیں یوں آس پاس میرے
غیروں کا گر میں شکوہ یارو کروں عبث ہے — سو دشمنوں کا دشمن دل ہے یہ پاس میرے
بھلا تو مجھ سے تو کہہ کیا ہوا تجھے اے دل — جو اس طرح سے تو رہتا ہے میرے لال پڑا
نپٹ ہی حال پریشاں ہے آج سنبل کا — چمن پہ آہ یہ کس زلف کا وبال پڑا

جعفری

جعفری تخلص، عزیزے است بضلع لکھنؤ ہر چند تلاش کردم از غزلیات و دیگر تصانیف او چیزی بہم نرسید مگر ایں قطعہ در تاریخ بلدۂ سرور نگر کہ از وسر زدہ دریں جا ثبت افتادہ:

قطعہ

بنی ہے تازہ یہ آبادی سرور افزا　　بہ جاہ و دولت و اقبال و شان و شوکت و فر
کہی ہے میں نے بھی یہ جعفرؔی عجب تاریخ　　رہے ہمیشہ یہ آبادیِ سرور نگر

جلالؔ

جلالؔ تخلص باشندۂ بلدۂ خجستہ بنیاد فیض آباد است گاہ گاہی ریختہ از طبعش می تراود ایں اشعار اوراست:

نیک احوال ہے اب تو ترے شیدائی کا　　آ کے ٹک دیکھ تماشا تو تماشائی کا
قدر عاشق کی وہ کیا جانے کہ آپ ہی شب و روز　　عشق رکھتا ہو جو شخص اپنی خود آرائی کا
دل دیا مفت اب اس آئینہ رو کو افسوس　　میں تو حیراں ہوں جلالؔ اس تری دانائی کا

ولہ

اب تلک بازار میں بیٹھے ہیں جس کی دید کو　　کیوں نہ آیا آہ کیا سوجی یہ اس بے دید کو
کیا ہوا قہر جو کل جانبِ ابرو دیکھا　　اتنی تم بات پہ بس کھینچنے تلوار لگے
حال مت پوچھو اس پریشاں کا　　ہوں گرفتار زلفِ خوباں کا
ایک عالم ہو خریدار نہ کیوں شوخی سے　　بیٹھنے جب کہ وہ یوسف سرِ بزار لگے

جعفرؔ، میر جعفر زٹلی

میر جعفرؔ، جعفر المعروف بہ جعفر زٹلی۔ وی ساکن قصبۂ نارنول بود۔ طبع رسا داشت مگر بہ مضحکات و زٹل[1] گوئی بیشتر اوقات[2] خوش میداشت۔ روزی بخدمت[3] مرزا عبدالقادر بیدل در حالتے کہ آنہا بہ فکر شعر متوجہ بودند حاضر[4] شد و زبان بہ ثنا گوئی و مدح پردازی کشادہ گفت مصرع چہ عرفی چہ فیضی بہ پیش تو بھش:

---

1. اصل/خ: ہزل گوئی 2. اصل/خ: مصروف می ماند۔ 3. اصل/ق: پیش۔ 4. اصل رق: رفت۔

مرزا رنجیدہ شد۔ فرمودند کہ تو ہزل چرا می گوئی؟ لب ازیں گفتگوے لایعنی بر بند جعفر بخندید و گفت استاداں از منۂ پیشیں و حال کدام دقیقۂ سخن گوئی و تلاش مضامین باقی گذاشتہ اند کہ کلام من فروغ خواہد یافت۔ بہ قیاس ایں عمداً زٹل گوئی شعار[1] نمودم طبعم بایں طرف چسپید گی کمال دارد۔ بالجملہ از اشعار[2] معروفش ضرورتاً دو ابیات برنگاشتہ[3]:

کھلر لگا دیوار کو کہہ جعفر اب کیا کیجے — خطرا پڑا آثار کو کہہ جعفر اب کیا کیجے
گھوڑا تو تیرا لنگ ہے کوئی نہ تیرے سنگ ہے — چلنا پڑا بازار کو کہہ جعفر اب کیا کیجے

جعفر بہ بوستانِ جہاں دم غنیمت است — شادی اگر بہم نہ رسد غم غنیمت است
حلوا اگر بمنتِ دوناں رسد بہم — نزدیک اہل غیرت، ازاں سم غنیمت است
تربوز، خربزہ چو نیاید بہ دستِ تو — یک سبز پھانک کھیرۂ بالم غنیمت است
ہزار شکر نہ چوکی نہ پہرۂ دارم — نہ از یگانہ و بیگانہ بہرۂ دارم
نہ ساریاں نہ سہلیاں نہ فیل باں ہستم — بہر دو کتف نہ دولی چو مہرۂ دارم
عاشقانند کہ در کوے محبت پھٹکند — ریش را چھاج نمایند و ملامت پھٹکند
اے زٹلی تو ازیں شہر شتابی بگریز — ورنہ ریش تو بگیرند و جھڑا جھڑ جھٹکند

جعفری، میر باقر علی

میر باقر علی جعفری ساکن دہلی برادر کہیں میر نظام الدین ممنون خلف الصدق میر فخر الدین منت جوان یار باش و خوش خلق صاحب مروت و اہل حیا آشنا پرست سراسر وفا بہ تحصیل علوم متعارفہ بہرہ اندوز است۔ غزل طبعی و طرح بجودت و متانت طبع برانجام میدہد اشعار خوش گفتار خود را بنظر

---

1. ل: اختیار نمودہ۔ 2. ل: از اشعارش چندے برنگاشتہ۔ 3. اصل میں/ق: انوری و خاقانی و فردوسی و طوسی و دیگراں دقیقہ از تلاشِ مضامین و سخن سنجی باقی نگذاشتہ اند۔ پس سخنم ہمسری آنہا کردن نخواہد توانست و سر سبزی نخواہد پذیرفت بہ قیاس ایں دیدہ و دانستہ زٹلیات می گویم و طبعم بایں طرف مصروفیت کلّی دارد بالجملہ از اشعار معروفش دو دو قطعۂ ابیات مرقوم می گردد۔

برادر مہیں کہ تازہ گویاں را با صلاحش فیض تمام میرسد ورآوردہ سخن او خالی از تلاش و مزہ نیست:

جب نگہ سے وہ نگہ کر کے مقابل رہ گیا — کچھ نہ بن آیا مجھے میں تھام کو دل رہ گیا
اس گلی تک پہنچنے کی تھی ہوس پر داغ دل — پھول بن کر تجھ میں اے گل کے حمایل رہ گیا
سب مٹے نقش خیالات جہاں بعد فنا — داغ الفت اک قریب صفحۂ دل رہ گیا
کوہکن کہتا تھا وقت نزع لے خسرو کا نام — میری چھاتی کے لیے ہے اک یہی سل رہ گیا
یہ حجاب آنکھوں سے اٹھے تو ہم اور وہ ایک ہیں — جعفری تک پردۂ ہستی ہی حایل رہ گیا

تیغ یوں دل میں خیالِ نگہٗ یار نہ کھینچ — ناخدا ترس تو کعبہ میں تو تلوار نہ کھینچ
تو ہی گر عرش پہ بالا ہے نہیں تجھ سے کم — آپ کو دور بس اے آہ شرر بار نہ کھینچ
کہیں جمع گر ہوگیا دور دل کا — تو اک دور چرخ سیہ فام ہوگا
جو وہ روئے تاباں پہ کھولے گا زلفیں — تو خورشید پنہاں تہ شام ہوگا
اس نالۂ رسا کی دیکھو دراز دستی — کب دامن مسیحا یہ جا کے چھو نہ آیا
یہ آہ برق افشاں گر نکلے دل سے اپنے — تو آتش سفر کا گویا نمونہ آیا
آئے جو یاد ہم کو یارانِ بادہ پیا — اک جرعہ می کا لب سے بس تا گلو نہ آیا

جلالؔ، جمال الدین

جمال الدین حسین جلالؔ، برادر صغیر کمال الدین حسین کمال باشندہ دہلی ایں شعر از گفتۂ اوست:

جی میں آتا ہے گریباں پھاڑ کر — دشت کو اٹھ چلیے دامن جھاڑ کر

جنوںؔ، شاہ غلام مرتضیٰ

شاہ غلام مرتضیٰ جنوںؔ تخلص ساکن الہ آباد شخصی درویش صاحب کمال پاکیزہ سیرت نیک خصلت[1] شبانہ روز بیاد ایزد پاک مشغول می ماند۔ گاہ گاہ، گاہی فکر ریختہ بطور خود میکرد[2] درآن دیار فرخندہ آثار

1. اصل/ق: نیک خصلت بود۔ 2. ل: می کند۔

بسیارے[1] کساں رافضی از انفاس متبرکہ بہرہ از صحبت فیض موہبتش میرسد از مغتنمات زمانہ است:

مرا یار مرے ہی دل میں تھا دلے مجھ کو بے خبری رہی — پھرا کوہ و دشت میں ڈھونڈتا مرے شیشہ ہی میں پری رہی

تری چشم مست سے ساقیا جنوں مست ایسا تو ہوگیا — کہ مے دوآتشہ طاق پر جو دھری تھی وو ہیں دھری رہی

جنوںؔ، میر فضل علی

میر فضل علی جنوںؔ از شاگردان میر امانی اسد و شیخ ولی اللہ محبّ۔ فتوت پیشہ بہ اندیشہ است بسپاہ گری بسر می برد چندی مستؔ تخلص داشت اکنوں بہ جنوںؔ متخلص است در ایام عشرہ اکثر جا بکتاب خوانی می پرداز۔ و مرد خوب است و از شعر و سخن مناسبت درست دارد۔ از وست:

اس خط کے ہے خیال میں آنسو کا رنگ سرخ — ہے ضابطہ جو کرتی ہے آنکھوں کو بنگ سرخ

باندھ کر تلوار جب آیا نظر میرے تئیں — ہوگئی معلوم قاتل کی کمر میرے تئیں

ہوں میں وہ شہباز جس کی سیر گہ تھا لامکان — عشق نے تیرے کیا بے بال و پر میرے تئیں

یار سے کہیو یہ قاصد کہ جو آتا ہے تو آ — ہم نہ جائیں چلے دنیا ستی ارماں بھرے

جوششؔ، محمد عابد

محمد عابد جوششؔ ساکن عظیم آباد[2] از خوش گویان آن دیار[3] واقع شدہ عاصی (ذکا) را اتفاق ملاقات نیفتاد مگر از یں مطلع[4] طبعزادش واقفیت دارد:

تمھارے در پہ جو درباں نے آستیں پکڑی — برنگ نقش قدم ہم نے بھی زمیں پکڑی

جوہرؔ، مرزا احمد علی

مرزا احمد علی جوہر مردی قزلباش است مطلعی[5] کہ از و بخوبی سرزدہ زبان زد اکثری سخن

1. اصل/ق: باشندہ ہائے آنجارا۔ 2. اصل/ق: است باظہار بعضے از واقفین آں دیار دریافت شد کہ ایں شخص ہم از خوش گویان آں ضلع بود۔ 3. ل: آں ضلع۔ 4. اصل/رخ: مطلع کہ از طبع زادش دست داد سلکِ تحریر درکشید۔ 5. ل: ایں مطلع کہ از و بخوبی سرزدہ؛ اصل/ق: ایں مطلع کہ بکمال متانت وجودتِ طبع اکثرے سخندانانِ حال۔

دانان است از فحواش دریافت شد کہ شعرش مذاقی دارد و پہلو باستاداں می زند:

آتش دہِ چمن ہو یا برق آشیاں ہو　　اے مرغ نالہ کچھ ہو یک مشت پر فشاں ہو

جہانگیر، میر جہانگیر

میر جہانگیر[1] لکھنوی جہانگیر تخلص از اشراف زادہ ہای آں دیار شاعرے فارسی و ہندی است چندی اوقات گرامی خود بہ ترفیہ ایام بسر بردہ، اکنوں زمانہ ناہنجار کہ بیک وضع مدام با کسی نسازد از وطریق نامساعدی[2] سلوک داشتہ ایں غزل از تصنیف اوست۔

وہ کافر میرا درد کیا جانتا ہے　　جو گذرے ہے مجھ پر خدا جانتا ہے
غم و دردِ ہجراں سے واقف نہیں ہے　　یہ ناصح فقط مغز کھا جانتا ہے
یہاں تک ہے اس پر دلِ زار مفتوں　　جو گالی بھی دے تو دعا جانتا ہے
محبت جسے کہتے ہیں، ہے وہ مشکل　　سو وہ ایسی باتوں کو کیا جانتا ہے
ہنساتا ہے ہر اک کو وہ شوخ ظالم　　جہانگیر کو ہی رلا جانتا ہے

جنوں، محمد جیون

محمد جیون جنوں شخصے از مشائخ از ساکنین موضع اولد ہن معمولہ قصبہ سرادہ، وے درویشے فاضل مرتفن است۔ اکثر بکلام پردازی مصروف و متوجہ می گردد:

جس گھڑی سے بت کافر نے مجھے رام کیا　　بت پرستوں میں مرا نام سرنام کیا
عقل اور ہوش گیا جب سے سنا اس کا سخن　　قاضیِ عشق نے جب عقل پہ اعلام کیا
مجھ کو ہے ورد ترے چہرے کا مصحف کی مثال　　دل کو سیپارہ کیا قد کو الف لام کیا

جان، علی شاہ

جان علی شاہ، از دہلی برادر زادۂ نواب قاسم علی بہادر ناظم صوبہ بنگالہ، شاگرد میر محمد تقی میر، از

---

1. از فحوائے او دریافت شد کہ بہرہ کلی از علم و فضیلت دارد و شعرش باصلاح کسے استاد رسیدہ۔ 2. میرزا جہاں گیر۔

مریدان تھن شاہ سکندر آبادی درعہد شباب از دنیا تارک گشت ودل باخدا بست۔ آرے شیوۂ مرد ماں ہمچنیں باشد:

یار جب ہم کلام ہوتا ہے مدعا سب تمام ہوتا ہے
خلق وہ شے ہے جس سے ہر انساں بن ہی داموں غلام ہوتا ہے
ذکر اس زلف کی درازی کا صبح سے تا بشام ہوتا ہے

جمالؔ، جمال علی

جمال علی قوم بنی اسرائیل، نبیسۂ مولوی غلام احمد ساکن میرٹھ شاگرد خلیفہ غلام محی الدین عشق کہ مبتلا ہم تخلص می کنند، چندے بسخن پردازی ہندی بکار برد۔ بعدۂ بہ کشش آب و دانہ درحیدرآباد رسید:

کب تلک جور و ستم کیجیے گا کبھی ہم پر بھی کرم کیجیے گا
کثرت داغ سے دل کو اپنے حسرت باغِ ارم کیجیے گا

جوہریؔ، اندرجیت

اندرجیت جوہریؔ [1] از خاک پاک حضرت دہلی است، گاہ گاہی یک دوغزل سرانجام کردہ بنظر استاد بی نظیر محمد نصیرالدین نصیری گذرانید قوم جوہری است بوضع آباواجداد خود بہ پیشۂ خرید و فروخت جواہر [2] مصروفیت دارد۔ جوان شایستہ وضع سلیم الطبع [3] است ایں ابیات اوراست:

آفریں دل کو، گیا ابروئے خم دار سے مل کس کا ایسا ہے جگر جائے جو تلوار سے مل
دیکھ کر ابرو ہوا آج یہی دل میں کیجیے پیمانہ کشی ساقیِ سرشار سے مل
جوہری چھوڑیو مت ایسی رقم کو کہ وہ شوخ ساتھ آیا ہے ترے جوہری بازار سے مل
ہو مایلِ کاکل دل نادان سمجھ کر کافر کو ذرا دیجیو ایمان سمجھ کر

---

1 ل: ساکن دہلی است۔ 2 ل: مصروف است۔ 3 ل: از شاگردانِ میاں نصیر است۔ گاہ گاہے بکار کلام می پردازد۔ ایں ابیات از وست۔

اے دیدۂ پُرخوں سرِدامن ہو گل افشاں | تا دیکھے ادھر یار گلستان سمجھ کر
اے جوہری اس چشم سے گرتا ہے جو آنسو | دامن میں رکھوں ہوں دُرِ غلطان سمجھ کر

جواںؔ، نعیم بیگ

مرزا نعیم بیگ جواںؔ در حضرت دہلی تولد یافتہ چندی می گزرد کہ در لکھنؤ رحل اقامت افگندہ و در سرکار فیض آثار شاہزادۂ عالم و عالمیاں مرزا سلیمان شکوہ بہادر در زمرۂ خواصاں عز امتیاز اندوختہ، مشق سخن از میاں غلام ہمدانی مصحفی نمودہ۔ ذہن تیز دارد:

سیہ خال اس طرح سے رہیں گے اس کی ناف کے اوپر | رشیدا نے دیے ہوں جیسے نقطے قاف کے اوپر
یہ ان دنوں جو ہم سے اتنی رکھائیاں ہیں | شاید کسی نے باتیں کچھ کچھ سُجھائیاں ہیں
نقاب الٹ کے جو شب کو وہ مہ لقا نکلے | تو چاند شرم سے بدلی میں منہ چھپا نکلے
جو دیکھ کر در گوش اس کا جان دے ہمدم | بجا ہے خاک سے اس کی جو موتیا نکلے
چین نہیں ہے جی کو ٹک آہ جگر خراش سے | درد اٹھے ہے دمبدم دل میں عجب قماش سے

جواںؔ، شیخ محبّ اللہ

شیخ محبّ اللہ جواںؔ ساکن دارالخلافت از اولاد حضرت اسرائیل خیال، تحصیل طبابت ہم در سردارد و نیز از مسایل وبیہ واقف، پیشۂ معلم گری می نماید و آزادانہ می گذراند، شاگرد میر عزت اللہ عشق است۔ ایں ابیات از وست، بہر حال بہ می گوید:

وہ بت کہتا ہے گر تو نے لگایا ہاتھ چھاتی پر | برب کعبہ پھر دوہیں جڑوں گا لات چھاتی پر
چشم و ابرو کا گرفتار نہ رکھا صد شکر | عشق نے اپنی طرف راہ بتائی مجھ کو

جھنباؔ

جھنباؔ تخلص شخصی از خدمتگاران نواب حسام الدولہ مرحوم است کہ اسمش معلوم ندارم شعر بطور ہزلیات می گوید مگر رطب و یابس قسمیکہ از وسرانجام یافتہ بحسب رواج تذکرہ نویسی مرقوم

یافتہ:

بھلے کام سے جس کی گردن مڑی   ٹھڑی ہے ٹھڑی ہے ٹھڑی
پتنگ اپنا تو جلد جھبّا چڑھا   وہ دیکھ اس کی تکلی اُڑی ہے اُڑی

جولاںؔ

جولانؔ تخلص کلام پرداز صاف گو، روشن دل، نیک خو بودہ است جولانیِ طبیعت داشت اکثر غزلیات خوب گفتہ متوطن دہلی در علم تیراندازی بہ استادی شہرہ داشت۔ عمرے بہ تجرید بسر بردہ:

نہ پوچھو کس طرح کٹتی ہیں تیری ہجر کی راتیں   غرض گھبرا کے رو دینا جب آئیں یاد وہ باتیں
مری تجھ سے گذری تھی کیا زندگانی   جہاں ہو تو خوش رہیو عہدِ جوانی

قطعہ

میں جا رات کو اس ستمگر سے پوچھا   تو جولاں کے غم کی سنی ہے کہانی
لگا کہنے کیا جانوں میں یہ فسانا   مرے آگے مت کر یہ باتیں دوانی
کنجِ قفس میں چھوڑ کے بے بال و پر مجھے   اے ہم صفیر! چھوڑ گیا تو کدھر مجھے

جوہرؔ

جوہرؔ تخلص، مسکنش شہر دہلی[1] وہم بہ بیرونجات اتفاق افتادہ شعر ریختہ از و بخوبی سرانجام می پذیرد[2]۔ مردی ذہین بسیار زود فہم و بدیہہ گو واقع شدہ غزلیات خطیر فراہم ساختہ دیوان مردّف تنظیم یافتہ باشد بہر حال بیتی از و بقلم می سپارد:

غیروں سے ملو ہم سے کرو جان، بہانے   گر ایسی ہی صورت ہے، لگا میں تو ٹھکانے

جوہرؔ، دیوانی سنگھ

دیوانی سنگھ جوہرؔ قوم کھتری ساکن بریلی بیتی از و بہ بندہ ذکار سید:

1۔ اصل/ خ: شعر ریختہ بخوبی از وسرانجام می پذیرد، مسکن او شہرِ دہلی۔ 2۔ اصل/ ق: از خوبی حافظہ۔

سوار نقرہ کا دریا سے کون گذرا ہے　　ہلال پکڑے ہے جس کی نقاب درتۂ آب

ہے [1] دستِ شانہ زلفِ بتِ خود پسند پر　　یا یہ چڑھا ہے چور لپیٹ کر کمند پر

تجھ بن ہے خراب زندگانی　　دل پر ہے عذاب زندگانی

آتا ہے تو جلد آ وگرنہ
دیتی ہے جواب زندگانی

---

[1] اضافہ از ل۔

ردیف الجیم الفارسی

چنداؔ، مہ لقا

مہ لقا نام چنداؔ تخلص او[1] نسائے است، رقاص در بلدۂ حیدر آباد، بسیار متمول و بعیش و بے غمی تمام بسر بر داوقات می نماید۔ اکثر شعرا کہ در مدح حسنش چیزی گفتہ بسمع رسانیدہ اند فایدہ[2] برداشتہ در تیر اندازی و نیزہ بازی دسترس خوب دارد و در اسپ دوانی گوی سبقت از مرداں می رباید اعجوبۂ گیہاں و نادرۂ جہاں واقع شدہ کہ در فریق نسواں عدیل او کمتر بشنیدن آمدہ، دیوانی مکمل از اقسام سخن بر روی کار آورد۔ کلام[3] رنگیں خود را بنظر شیر محمد خاں ایمان گذرانیدہ:

یک لخت پارہ پارہ کر ڈالوں آئینہ کو　　　پر کیا کروں کہ تیرا رو درمیان رہے گا

چوگاںؔ، میر حسن علی خاں

میر حسن علی خاں چوگاںؔ از ضلع جنوب[4] مردی عمدہ معاش خجستہ قماش صاحب سلوک یار باش مسموعہ گردید، طبع شریف خود را بریختہ گوئی متوجہ دارد۔ سخن آن خالی از تلاش و کیفیت نیست۔ ایں ابیات برجستہ از رنگینی طبع او بایں نحیف رسیدہ:

اب ایسے جام میں ساقی شراب ارغوانی بھر　　　کہ جس کو دیکھ کر زاہد کے آوے منہ میں پانی بھر
ترے مکھڑے سوا صورت کسی محبوب کی پیارے　　　یہی ٹھانی ہے اب دل میں نہ دیکھوں زندگانی بھر
تری صورت ہی کیا کھینچے جو تو اس شوخ کی صورت　　　ہمارے رو برو ہرگز تو ایسا دم نہ مانی بھر
نیام مخملی درکار کیا ہے اے میاں تجھ کو　　　مرے لوہو سے تیغ آبدارِ اصفہانی بھر
ہوا ہے، ابر ہے ہر سو، گل و گلزار خنداں ہے　　　صراحی میں تو اب ساقی شرابِ ارغوانی بھر

---

1 اصل/ ق: اوزنے است۔ 2 اصل/ ق: نیزل میں: برداشتہ اند۔ 3 ل: مشاہدان کلام؛ اصل میں پہلے: مشاہدانِ فکر خود۔ 4 اصل/ ق: جنوب است۔

مری پلکوں سے اشک سرخ کی بوندیں ٹپکتی ہیں ‌ ‌ ‌ رکھا کیا چشم میں مردم نے آبِ ارغوانی بھر
لبوں کے وصف میں تیرے کہے جو مطلع رنگیں ‌ ‌ ‌ دہن میں اس کے تو اَب لعل آب اَرغوانی بھر
ترے بسمل کی اے ظالم نگہ کر تشنہ کامی کو ‌ ‌ ‌ نہ آوے کیوں کہ اب چشم سحابِ ارغوانی بھر

در آغاز قصیدہ گفتہ

صبح دم گذرا مری خاطر میں ناگہ یہ خیال ‌ ‌ ‌ سیر گلشن کیجیے تا دور ہو دل سے ملال
جا کے میں صبح، چمن میں یک بیک دیکھوں تو کیا ‌ ‌ ‌ عارض گل پر بکھیرے زلف سے سنبل کی بال
نرگس شہلا تھی اپنی چشم مخموری پہ مست ‌ ‌ ‌ لالۂ احمر دکھاتا تھا اسے اپنا جمال
اور لباس زعفرانی بر میں تھا صد برگ کے ‌ ‌ ‌ اودے جوڑے پر تھا نافرمان کے حسنِ کمال
جلوہ گر داغ جگر دیکھ برنگِ پرِ طاؤس ‌ ‌ ‌ آتش غم سے جلا نقشِ فرنگ پرِ طاؤس
گل ہی کھا کھا کے بنا سینہ مرا رشک چمن زار ‌ ‌ ‌ رو برو اس کے ہو کیا جلوۂ رنگ پرِ طاؤس

چوگاںؔ، بہادر علی شاہ

بہادر علی[1] شاہ چوگاںؔ از شاہ جہاں آباد در علم تیر اندازی عدیل او کمتر بہم میرسد۔ بسیاری از شاگرداں او دریں عالم نامی پیدا کردند، در سال و ماہی غزل می گفت و کثرت نداشت، الا ایں مطلع دلچسپ او ناخن بدل است:

کنج قفس میں دیکھ کے بے بال و پر مجھے ‌ ‌ ‌ اے ہم صفیر چھوڑ گئی تو کدھر مجھے

1. ل: بہار علی۔

ردیف الحاء المهملہ

حاتم، شیخ ظہور الدین

شیخ ظہور الدین عرف شاہ حاتم المتخلص بہ حاتم درویشی معتقد و مرتاض بود در دہلی سخن خوب می گفت بلکہ استاد وقت بودہ است تلاشی کامل بکار می برد پیشہ[1] سپاہ گری می نمود و در ایام نوکری نواب عمدۃ الملک امیر خاں بہادر شراب و بنگ وغیرہ بکثرت می نوشیدہ و در آخر ترک مسکرات و منہیات ساختہ از تعلقات دنیاداری دل برداشت و ریاضت شبانہ روزی اختیار نمود۔ شاعر فارسی و ہندی و گفتگویش بطور خاندانان سلف وحال بود در دیباچۂ دیوان خود اسم چہل و پنج کس شاگرداں مندرج کردہ دیوانی کلاں مشتمل بر اقسام کلام و دیوان دویمی خورد کہ دیوان زادہ اش نام نہادہ ازو بصفحۂ گیتی یادگاہ است عجب[2] خلیق و اہل محبت و صاحب دل سراپا شفقت بود کہ دریں ایام ہمچو او مردی بزرگ و زیرک، متصف باقسام کرم و خوبی[3] بہم رسیدن اشکال است خداش مغفرت بخیر و نیکی گردانیدہ باشد پارۂ از اشعار رنگینش[4] ایں بندہ ہیچداں ذکا[5] بزبان قلم نیاز رقم حوالہ می نماید:

ہجر کی زندگی سے مرگ بھلی	کہ جہاں سب کہیں وصال ہوا
تم تو بیٹھے ہوئے پہ آفت ہو	اٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو
دل تو چاہِ ذقن میں ڈوب گیا	آشنا تھا، غریقِ رحمت ہو
مارا ہے سنگدل نے دکھا مجھ کو رنگ سرخ	تعویذ مجھ مزار کا لازم ہے سنگ سرخ
آج نرگس کی قلم کر کے صنم لکھتا ہوں	وصف آنکھوں کا تری کاغذِ بادامی پر
خاصے سجن کا ملنا تن سکھ ہے عاشقوں کو	کاڑھی رقیب اس کی دھوویں ہیں ہاتھ مل مل
ایک دن ہاتھ لگایا تھا ترے دامن کو	اب تلک سر ہے خجالت سے گریبان کے بیچ

---

1 ل: اول سپاہ گری می نمود۔ 2 اصل/ق: عجب صاحب خلق۔ 3 اصل/ق: خوبیہا گردد؛ ل: خوبیہا بہم رسیدن۔ 4 اشعارش۔ 5 ل: ذکاں؟

نہ جانا کس طرف، گم ہوگیا ایسے رہے غافل
کہ آوازِ جرس سنتے ہی سنتے کارواں گذرا

دیکھے اگر تو باغ میں سوئے گُلِ گلاب
ہوجائے سرخ پھول کے روئے گُلِ گلاب

آگئی مرگ نہ وہ آیا حیف
رہ گئی دل میں یار کی حسرت

غنچے کہے ہیں سر کو نوا کر چمن کے بیچ
یعنی نہیں ہے جائے سخن اس دہن کے بیچ

لب ترے کان ملاحت ہیں سخن آب حیات
یہ تعجب ہے کہ مصری ہے نمک دان کے بیچ

حلقہ حلقہ یہ نہیں زلفیں پڑیں رخسار پر
حسن کی آتش سے اب یہ پیچ کھا نکلا ہے دود

چاہوں کہ درد دل میں کہوں اس کے رو برو
ہوجائے ہے زباں مری بے اختیار بند

بس ہے اس سنگدل کا نقش قدم
میری لوحِ مزار کی خاطر

مست کو کب ہوئے گھر جانے کا ہوش
ہے اسے دن رات مے خانے کا ہوش

مے کدہ کے درپہ حاتم گر پڑا
ہے کسی کو بھی اٹھا لانے کا ہوش

آج سنتے ہیں خبر اس کے ادھر آنے کی ہے
آرزو جی میں تصدق ہو کے مرجانے کی ہے

تمہاری چشم کے طالب کو جام سے کیا کام
نگہ کے مست کو شرب مدام سے کیا کام

تو صبح دم نہ نہا بے حجاب دریا میں
پڑے گا شور کہ ہے آفتاب دریا میں

چلو شراب پئیں بیٹھ کر کنارے آج
کہ ہووے رشک سے ماہی کباب دریا میں

انتظاری میں قدم بوسی کی میری دیکھ لو
سوکھ کر کانٹا ہوئے خار مغیلاں دشت میں

بوئے خوں آتی ہے تیرے ہاتھ سے اب تک میاں
یہ حنا ہے یا ملا خون شہیداں دست میں

بزم کو بے خود کریں ہیں یک نگہ کے جام میں
دلربا کی مست آنکھیں اک ہیں اپنے کام میں

آہ اور زاری نہیں کرتے ہیں جو ہیں پختہ مغز
سوز سے پانی ٹپکتا ہے کباب خام میں

دیکھ کر حاتم ہوا تھا زلف تابع کفر کا
کر نظر محراب ابرو پھر ہوا اسلام میں

آکر بسا ہے جب سے وہ بادہ نوش دل میں
مانند بادہ مستی سے آتا ہے جوش دل میں

خیال چشم ترا آبسا ہے آنکھوں میں
شراب کا سا ہماری نشہ ہے آنکھوں میں

مے کدہ میں صاحب جام وشراب شیشہ ہوں
محتسب دونوں جہاں کے غم سے بے اندیشہ ہوں

افسوس کہ آپ کو بھی میں اب تک
معلوم نہیں کیا کہ کیسا ہوں

ہے عین زوال میں ترقی
مجھ کو کہ گل دوپہریا ہوں

کو خندہ و تبسم و کو فرحت سخن
اس انجمن میں اب لب حسرت گزیدہ ہوں

دامن تلک بھی اس کے نہ پہنچا مرا غبار
مشہور ہے زمین کہاں آسماں کہاں

جوش مستی پھر کہاں مستو، جوانی پھر کہاں
میکدے میں جا کے یہ دھو میں مچائی پھر کہاں

کیا کہوں تجھ کو تو اب جینے سے اکتاتا ہے کیوں
دم غنیمت جان حاتم زندگانی پھر کہاں

رفیق اس دور میں ہم اک دل ناشاد رکھتے ہیں
سوا اس کے ہاتھ سے بھی رات و دن فریاد رکھتے ہیں

چڑھایا آسماں پر ہم کو آخر خاکساری نے
بگولے کی طرح گو خانماں برباد رکھتے ہیں

سدا دل کی زیارت طوف بیت اللہ ہے حاتم
ہم اپنے پیر و مرشد سے یہی ارشاد رکھتے ہیں

بجز اک مشت پر کچھ ہاتھ آنے کا نہیں ان کے
عبث مجھ صید لاغر پر نظر صیاد رکھتے ہیں

ہم وہ جب ہم شراب ہوتے ہیں
کئی مرغے کباب ہوتے ہیں

میں پیمائش کیا مجنوں صفت یکسر بیاباں کو
نہ پہنچا دامن صحرا مرے چاک گریباں کو

میں غم سے لٹ گیا مانند موسودا سے جل بل کر
نہ چھوڑا تو بھی زلفوں نے تری مجھ سے پریشاں کو

غلام عشق سے دیر و حرم کی راہ مت پوچھو
جو ہو دیوانہ کیا جانے طریق کفر و ایماں کو

تو ان کے آونے سے باغباں ڈریو کہ یہ لڑکے
بغل مارے لیے جاتے ہیں مکتب میں گلستاں کو

برس میں وہ کبھو برسے ہے یہ برسوں سے برسے ہے
مقابل مت کرو باراں سے میری چشم گریاں کو

حاتم کو کیا کہوں کہ سکندر گیا ہے بھول
تیرے لبوں کی چاہ میں آب حیات کو

جہاں میں عشق کے برعکس دیکھا رسم و آئیں کو
کرے ہے صید اس کے دست کی کنجشک شاہیں کو

شگفتن وار بھی فرصت نہ دی غنچہ کو ہے ظالم
کبھو احوال بلبل پر نہ آیا رحم گلچیں کو

باعث تیرہ بختی عالم
اس کی زلف سیاہ سے پوچھو

لعل نکلے ہیں کبھو اشک کبھو دردانہ
ہے نہاں چشم کے پردے میں جواہر خانہ

ہاتھ تیرے سے نہ عاشق کو نہ معشوق کو چین
دونوں جلتے ہیں ادھر شمع ادھر پروانہ

کعبہ و دیر میں اے شیخ تفاوت کیا ہے
دنوں گھر کا تو وہی ایک ہے صاحب خانہ

قبض اور بسط سے دل غنچہ و گل کی مانند
گاہ ہے صورت شیشہ وگہی پیمانہ

تیرے اے عشق طمانچے سے خدا حافظ ہے — دونوں مجبور ہیں کیا عاقل و کیا دیوانہ

حسن و عشق اس ترے ہم فیض قدم کے صدقے — دونوں آباد ہیں ہم گلشن و ہم ویرانہ

گر زاہدوں کو وعدۂ جنت ہوا تو ہو — مستوں کو کوئے میکدہ ہی یاں بہشت ہے

نہیں جز قرص مہر و ماہ کچھ گردوں کے مطبخ میں — سو وہ بھی ایک نان سوختہ اور ایک آبی ہے

گو کہ شمیم گل سے آج عطر فروش باغ ہے — دل ہی نہ ہو تو اے نسیم کس کو یہاں دماغ ہے

کسو کی زلف کے سودے میں آج آنکھوں سے — جگہ سر شک کی خون سیاہ نکلے ہے

کھیل سب چھوڑ کھیل اپنا کھیل — آپ قدرت کا تو کھلونا ہے

تھا ابھی ہم پاس ابھی جاتا رہا یاروں کے پاس — آشنائی میں وہ لڑکا گنجفے کا میر ہے

ہر قدم صحرا میں اس کا خار دامن گیر ہے — باغ میں جاوے تو موج رنگ گل زنجیر ہے

پیری میں آج یار مرے ہم کنار ہے — ساقی بیا بیا کہ خزاں میں بہار ہے

اے فصل گل پرے ہو نہیں اب ہمیں دماغ — آنکھوں میں آج ہر رگ گل نوک خار ہے

مدت سے خواب میں بھی نہیں نیند کا خیال — حیرت میں ہوں یہ کس کا مجھے انتظار ہے

بے خود اس دور میں ہیں سب حاتم — ان دنوں کیا شراب سستی ہے

ارے بے مہر مجھ کو روتا چھوڑ — کہاں جاتا ہے مینہ برستا ہے

ہاتھ میں دیکھ کر ترے مرہم — میرے سینے کا داغ ہنساتا ہے

کریں ہیں قمریاں تعریف سرو اور ہم ترے قد کی — جو تو آوے چمن میں تو ہمارا بول بالا ہے

نظر میں اس کی جو چڑھتا ہے سو جیتا نہیں رہتا — ہمارا سانورا اس شہر کے گوروں میں کالا ہے

طریقت میں اگر زاہد مجھے گمراہ جانے ہے — مرے دل کی حقیقت کو مرا اللہ جانے ہے

اسے جو دیکھتا ہے دن کو سو خورشید کہتا ہے — جو گھر سے رات کو نکلے تو عالم ماہ جانے ہے

جلتا ہے مرا زخم دل اب شمع کی مانند — شاید پر پروانہ پر تیر ہوا ہے

خاک کر دیوے بہا کر پہلے پھر آنسو بہائے — شمع محفل بھی بہت دل سوز پروانے کی ہے

شیخ اس کی چشم کے گوشے سے گوشہ ہو کہیں — کس طرف جاتا ہے احمق راہ میخانے کی ہے

پھر خبر اس فصل میں یارو بہار آنے کی ہے — اب سوا زنجیر کیا تدبیر دیوانے کی ہے

بھید زلفوں کا بیاں کرتے ہی ہو جاتا ہے گنگ
ورنہ کہنے کو جو پوچھو سو زباں شانے کی ہے

کدھر جاتا ہے میرے ہاتھ تیری اب تو چوٹی ہے
بتا تو زلف تیری کن نے یہ نوچی کھسوٹی ہے

طالع کی گر مدد ہو تو جا اپنی بود و باش
خوباں کے زیر سایۂ دیوار کیجیے

نرگس آنکھوں کو تری دیکھے تھی چوری چوری
لائے یکدست قلم کر اسے دستے دستے

اے مرے لعل تو کیا جانے دلوں کی قیمت
لگ گئے ہاتھ ترے مفت میں سستے سستے

ہوا ہوں اس قدر کاہیدہ تیرے عشق میں جانی
کہ میں نے آپ صورت دیکھ کر اپنی نہ پہچانی

کہا حاتم نے تیرے دیکھ منہ پر خال ہندو کو
جو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

تو جو کہتا ہے بغل بیچ نہاں ہے شیشہ
محتسب یہ تو مرا دل ہے کہاں ہے شیشہ

ہے گنجفہ بازوں میں تو ہی صاحب شمشیر
عاشق ترے سر دے کو میاں لے کے سر آیا

کہاں چلے ہو مجھے چھوڑ دوستاں تنہا
میں بن تمھارے رہوں کس طرح یہاں تنہا

کوئی کسو کا نہیں دوست سب یہ باتیں ہیں
جو ہوتے دوست مجھے چھوڑتے کہاں تنہا

قطعہ

میں ایک روز چلا جاتا تھا بیاباں کو
خراب و خستہ و مجروح و ناتواں تنہا

جو اس میں حضرت صایب نے مجھ کو فرمایا
کہ دیکھتا ہوں میں تجھ کو جہاں تہاں تنہا

نہ ہوویں یار تو کیا زندگی ہے اے حاتم
چہ حظ کند خضر ار عمر جاوداں تنہا

لگے ہے زخم دل پر ہر برس برسات میں دونا
کہ بجلی جوں سرو ہی ہوئے ہے اور ابر جوں رونا

میں اک دن یار کے ناخن اوپر مہندی لگاتا تھا
ہوا ہے دشمنوں کی چشم میں اس دن سے ناخونا

آزاد کو بھلا ہے رہنا جہاں میں ننگا
ہے وہ لباسیوں میں جیسے لباس رنگا

کیا بڑا عیب ہے اس جامۂ عریانی میں
چاک کرنے کو کبھی اس میں گریباں نہ ہوا

پان و مِسّی کی تری تکرار تھی مجلس کے بیچ
اس قدر جھگڑا ہوا آپس میں شب خون ہو گیا

شانہ نہ کیجو زلف کو زنہار دیکھنا
بہتوں کے دل ہیں اس میں گرفتار دیکھنا

رات اس زلف کو میں خواب میں پیچاں دیکھا
صبح دم حال دل اپنے کا پریشاں دیکھا

نظر آئے ترے دندان مسی آلودہ
رات اور دن کو بہم دست و گریباں دیکھا

دیکھ کر اس کا دہن اور سن کے وے شیریں نکات
کان میں بلبل کے خوش لگتی نہیں غنچہ کی بات

وصف آنکھوں کا لکھا ہم نے گل بادام پر
کر کے نرگس کو قلم اور چشم آہو کو دوات

خوب سا لوہو پیوں اس کا اگر پاؤں کبھو
خوں ہوا دل دیکھ اے ظالم تری مہندی کی بات

جی اٹھوں پھر کر اگر تو ایک بوسہ دے مجھے
چوسنا لب کا ترے ہے مجھ کو جوں آب حیات

باغ دنیا میں نہیں بیکار حاتم ایک خس
ذکر کرتا ہے خدا کی یاد میں ہر پات پات

زلف سے جو اس کے گذرا منہ پہ حاتم یار کی
خوب نہیں لانا زباں پر رات کا مذکور صبح

بجا ہے گر کرے ہر رات چاندنی کا فرش
کہ تیری بزم میں خدمت کو چاند ہے فراش

عشق کے ہے گھائلوں کو غم سے فیض
ان کے زخموں کو نہیں مرہم سے فیض

عاشقی کے فن میں ہیں استاد ہم
لے گیا ہے آ کے مجنوں ہم سے فیض

ابر کو پہنچا ہے اب افلاک پر
اس ہمارے دیدۂ پُر نم سے فیض

مرگیا تو کیا ہے مُردے سے امید
زندگی میں ہے ہر اک کے دم سے فیض

نقارچی کا لے گیا ڈنکا بجا کے دل
نوبت اب آن پہنچی ہے عاشق کی جاں تلک

بے دماغی سے تری فریاد میں آیا ہے دل
تجھ سے ظالم سے محبت کر کے پچھتایا ہے دل

گلشن میں تم کدھر سے پیارے پڑے ہو بھول
ہنسنے کو دیکھ آج تمھارے جھڑیں ہیں پھول

آرزو ہے ایک دن مستی میں ہوں بیباک ہم
دختر رز کو اڑا دیں چل کے زیر تاک ہم

آئے تھے اس باغ میں مانند غنچہ سر بجیب
اور چلے جاتے ہیں اب جوں گل گریباں چاک ہم

کس جا تھے، کیا تھے، کون تھے، کوئی جانتا نہ تھا
کیا آن کر خراب ہوئے ہیں عدم سے، ہم

جان لے اے جان من، توام ہے ہستی اور عدم
کوئی دم میں ہم تم ہیں مگر کوئی دم میں تم ہو پھر نہ ہم

ایک دن حاتم میں جاتا تھا بیاباں کی طرف
ناگہاں اک گور اوپر جا پڑا میرا قدم

خاک سے اک شخص کی آواز آئی کان میں
یعنی وہ یہ بیت پڑھتا تھا بصد سوز و الم

از فریب باغباں غافل مشو اے عندلیب
پیش ازیں من ہم دریں باغ آشنائی داشتم

☆☆☆

زندگی کی لذت اس نے ایک دم پائی نہیں
جس نے تیری جھڑکی اور گالی کبھو کھائی نہیں

ہے کبھو دل میں کبھو جی میں کبھو آنکھوں کے بیچ
کون کہتا ہے اسے یارو کہ ہر جائی نہیں

باغ دنیا میں کوئی اس سا نہ ہوگا کم نصیب
آب و رنگ گل رخاں کا جو تماشائی نہیں

تم نہ جانو کہ یہ دارو ہے بھری شیشے میں
بند سیانے نے کری ہے یہ پری شیشے میں

حاتم اس یار کے دیوانہ ہوں افسوں اوپر
یہ پری مدھ کی بھری جس نے کری شیشے میں

نہ کچھ ستم سے ترے آہ آہ کرتا ہوں
میں اپنے دل کی مدد گاہ گاہ کرتا ہوں

نہ آفریں نہ (دلاسا) نہ دل وہی نہ نگاہ
غرض میں ہی ہوں جو تجھ سے نباہ کرتا ہوں

مثال رشتۂ تسبیح دیکھ لے حاتم
چھپے چھپے میں کئی دل میں راہ کرتا ہوں

گر چمن میں جا کے اس قامت کا میں چرچا کروں
کیا عجب ہے جو قیامت سرو پر برپا کروں

سدا میں بحر و بر کی سیر کرتا ہوں گا گھر بیٹھے
فغاں سے خشک ہیں لب اور ہیں آنسو سے تر آنکھیں

آتا ہے اب نشے کی طرف جی کبھو کبھو
ساقی نگاہ مست ادھر بھی کبھو کبھو

پاؤں کو حنا سیتی اگر لال کرے تو
پہلے ہی قدم باغ کو پامال کرے تو

بھلا کر شہر کے میں کوچہ و بازار اور رستہ
اکیلا کلبۂ احزاں میں ہو بیٹھا ہوں وابستہ

کدھر جاتا ہے اے دل رات کو ظلمات کے اندر
کہاں ہے راہ اس کی، زلف کا کوچہ ہے سربستہ

ہمارے دل کے بازو رشتۂ الفت سے باندھے ہیں
کرے پرواز کیوں کر جو کہ ہووے صید پر بستہ

سخن کے جوہری سے کام ہے حاتم کو اے یارو
کہ لایا ہے یہ بحر طبع سے سنگ گہر بستہ

پہن کر بر میں بہت تنگ بسنتی جامہ
ملک کیسر کا زمین دار کہاں جاتا ہے

ہم نے جس روز سے دیکھے ہیں ترے بال کھلے
مو بمو مجھ کو اسی دن سے پریشانی ہے

سب سے آزاد ہوا ہوں نہیں ہوں بند قبا
کہ خدا ساز مرا جامۂ عریانی ہے

بزم میں کس کے تئیں فرصت مے نوشی ہے
نگہ مست تری داروئے بے ہوشی ہے

لٹپٹی چال تری دیکھ کے اے سرو رواں
شاخ گل باغ میں مشتاق ہم آغوشی ہے

دلبری بیچ مرا یار ہنر رکھتا ہے
مل کے ہر ایک کا دل ہاتھ میں کر رکھتا ہے

جو عاشق ہیں تمھارے سیر ہیں دنیا سے من ان کے
گریباں چاک ہیں، پابند گل کے پیرہن ان کے

جو کوئی مرتا ہے عالم میں سیہ چشموں کی حسرت میں — دفن کے وقت لازم ہے سیہ کرنا کفن ان کے
جو ہیں خاموش لب وہ نیک و بد کہنے سے فارغ ہیں — برنگ دیدۂ تصویر ہیں وایم دہن ان کے
نظر کرتے طرف اس کے دہن کے — گئے غنچوں کے ڈھل گردن کے منکے
مرے مہرو سے یوں کہیو کہ اے بے مہر راتوں کو — ستاتی ہے گی تجھ بن چاندی ہر ماہ کیا کیجے
کب ترے لب کے مقابل ہو عقیق یمنی — جس نے اک پان میں کی لعل کی قیمت شکنی
گل کی اور بلبل کی صحبت کو چمن کا شانہ ہے — سرد ہے مانند شمع وفاختہ پروانہ ہے
ایک حالت پر نہ دیکھا دل کو ہم نے ایک آن — گہ گل و گہ بلبل و گہ شمع و گہ پروانہ ہے
جو میخانے میں جاتا تھا قدم رکھتے جھجکتا تھا — کہ ساغر آنکھ دکھلاتا تھا اور شیشہ بھکتا تھا
دل حیرت زدہ وقت سخن واہو نہیں سکتا — زباں کی شکل ہے اللہ گویا ہو نہیں سکتا
دنی گر ہوئے دولت مند پر ہمت نہیں پاتا — جو قطرا ڈر ہوا ہو پھر کے دریا ہو نہیں سکتا
مے پلا راہ سے کھویا ہے رقیبوں نے اسے — آوے حاتم کی طرف جب کہ کبھومت آوے
نہ بلبل میں نہ پروانے میں دیکھا — جو سودا اپنے دیوانے میں دیکھا
برابر تیری زلفوں کے پریشاں — میں اپنے بخت کو شانے میں دیکھا
کہو کس طرح سے آوے وہاں نیند — جہاں خورشید رو ہوتا ہے کمخواب
آج عاشق کے تئیں کیوں نہ کہے تو ڈر ڈر — واسطہ یہ ہے کہ موتی ہیں ترے کان کے بیچ
ہے زباں لال ترے ہاتھ سے کھا کر بیڑا — کیا فسوں پڑھ کے کھلایا تھا مجھے پان کے بیچ
مست پھرتا ہوں سدا کوئے خرابات کے بیچ — شیشۂ دل کے تئیں اپنے لیے ہات کے بیچ
مانند دیدہ خانہ نشینی میں رات دن — کرتا ہوں دیدہ سارے جہاں کا وطن کے بیچ
گلایا آپ کو حاتم نے سر سے پانو تک مجھ بن — رگ اپنا پوست اپنا گوشت اپنا استخواں اپنا
وہ مرے دیوانگی کا بزم میں مونس ہوا — حلقۂ زنجیر مجھ کو حلقۂ مجلس ہوا
تنگدستی سے نہ ہو دل تنگ حاتم تنگ چشم — دل تونگر چاہیے تیرا، تو گو مفلس ہوا
پوچھوں ہوں اس سے بات تو دے ہے جواب تلخ — وہ زود رنج ہووے ہے مجھ سے شتاب تلخ
مستوں سے پوچھیے تری دشنام کا مزا — دونا نشہ کرے ہے جو ہو ہے شراب تلخ

میں اس کی کیا گزک یہ دل سوختہ کروں
ہو جائے ہے جلنے سے تو حاتم کباب تلخ

اے حسن کے گلزار، بہار چمن دل
گلشن ترے آنے سے ہوا انجمن دل

ایسا ہے دل آزردہ تری دل شکنی سے
جانے کا نہیں تابہ قیامت شکن دل

ساکن بھی یہاں ہے گا کوئی اس کی گلی کا
جو آکے بتاوے مجھے راہ وطن دل

خوں سے آلودہ ہے کیوں دامن گل آج مگر
دست گلچیں سے کسی ہم سے کا دل ٹوٹا ہے

اس اطلس افلاک کے بازار میں حاتم
یک تار نہ پایا جو میں کرتا کفن دل

گلشن دہر میں سو رنگ ہیں حاتم اس کے
وہ کہیں گل ہے کہیں بو ہے کہیں بوٹا ہے

جامہ عریانی کا قامت پر مری آتا ہے راست
اب مجھے نام لباس عاریت سے ننگ ہے

مظہر حق کب نظر آتا ہے ان شیخوں کے تئیں
بس کہ آئینے پہ ان آہن دلوں کے زنگ ہے

رباعی[1]

ابر ہے اور بہار و باراں ہے
روز عید شراب خواراں ہے

شام ہجراں کا رو سیاہ کرو
صبح وصل امید واراں ہے

رباعی

ان سیم بروں کے ساتھ سونا معلوم
قسمت میں لکھی ہے خاک سونا معلوم

حاتم افسوس دی دلدوز گزشت
فردا کی رہی امید سونا معلوم

بالپن سے مجھے سودا ہے ترے گیسو کا
بال باندھا میاں بندا ہوں ترے ہر مو کا

وہ مری دیوانگی کا بزم میں مونس ہوا
حلقۂ زنجیر مجھ کو حلقۂ مجلس ہوا

تنگدستی سے نہ ہو دل تنگ حاتم تنگ چشم
دل تونگر چاہیے تیرا تو گو مفلس ہوا

گلایا آپ کو حاتم نے سر سے پاؤں تک تجھ بن
رگ اپنا، پوست اپنا، گوشت اپنا، استخوان اپنا

نہیں آسان راہ عشق میں ثابت قدم رکھنا
لبوں کو خشک دل کو سرد اور چشموں کو نم رکھنا

---

1. اگرچہ وزن رباعی کا نہیں ہے لیکن رُباعی ہی لکھا ہے۔

ثمر چاہے تو مت گردن کشی کر سر نوا کر چل — کہ میوہ دار شاخوں کا نشاں ہے قد کو خم رکھنا

حسرت تھی مجھے یار نہ دیکھا تھا، سو دیکھا — مدت سے وہ دیدار نہ دیکھا تھا سو دیکھا

رخسار گل و غنچہ دہن چشم ہے نرگس — اس طرح کا گلزار نہ دیکھا تھا سو دیکھا

چشموں سے برستے ہیں مری اشک کے موتی — یہ ابر گہر بار نہ دیکھا تھا سو دیکھا

عصیاں کے سوا کام نہیں اس کو کسی سے — حاتم سا گنہگار نہ دیکھا تھا سو دیکھا

ہے ترا منہ کھلے بالوں میں اس طرح محبوب — کہ جیسے شام میں ہوتا ہے آفتاب غروب

کہوں ہوں سرو کے تئیں چوب ناتراشیدہ — تمھاری اس چھب و تختی کا دیکھ کر اسلوب

جو تیرا دل پھرا حاتم کا اختیار نہیں — کہ ہے سبھوں کا خدا ہی کے ہاتھ میں تو قلوب

دیکھے اگر تو باغ میں سوئے گل گلاب — ہو جائے سرخ پھول کے روئے گل گلاب

مت منہ لگا چمن میں گلابی کو بادہ نوش — غنچوں نے بھر رکھے ہیں سبوی گل گلاب

کیوں کر نہ مست ہوں تری صحبت سے اہل بزم — آتی ہے منہ سے اب ترے بوئے گل گلاب

کیفیتوں سے دور ہے بازار کی شراب — حاتم چل اب وہاں جہاں جوئے گل گلاب

آج سنتے ہیں خبر اس کے ادھر آنے کی — آرزو جی میں تصدق ہو کے مر جانے کی

ہے تیرا منہ کھلے بالوں میں اس طرح محبوب — کہ جیسے شام میں ہوتا ہے آفتاب غروب

مزرعۂ دنیا میں دانا ہے تو ڈر کر ہاتھ ڈال — ایک دن دینا ہے تجھ کو دانے دانے کا حساب

شوق ان کا آن کر یکبارگی سب لے گیا — جان سے آرام و سر سے ہوش اور آنکھوں سے خواب

اس طرح دریا میں وہ غوطہ لگا نکلا شتاب — ابر کے دامن سے نکلے ہے کبھو جوں آفتاب

چلو شراب پییں بیٹھ کر کنارے آج — کہ ہووے رشک سے ماہی کباب دریا میں

انتظاری ہوس کی میری دیکھ لو — سوکھ کر کانٹا ہوئے خار مغیلاں دشت میں

بزم کو بے خود کریں ہیں اک نگہ کے جام میں — دل ربا کی مست آنکھیں اک ہیں اپنے کام میں

آہ و زاری نہیں کرتے جو ہیں گے پختہ مغز — شور سے پانی ٹپکتا ہے کباب خام میں

دیکھ کر حاتم ہوا تھا زلف تابع کفر کا — کر نظر محراب ابرو پھر ہوا اسلام میں

بوئے خوں آتی ہے تیرے ہاتھ سے اب تک یہاں — یہ حنا ہے یا ملا خونِ شہیداں دست میں

آ کر بسا ہے جب سے وہ بادہ نوش دل میں — مانند مستی لے آتا ہے جوش دل میں

تو اذیت پیشہ دشمن ہے بغل میں دل نہیں — دور ہو پہلو سے صحبت کے مری قابل نہیں

ہماری آہ میں اتنی ہوئی تاثیر یا قسمت — کہ کرتا اس پری رو کے تئیں تسخیر یا قسمت

لگاتے ہاتھ اس کی زلف نے ہم کو کیا قیدی — نصیبوں سے مرے وہ ہوگئی زنجیر یا قسمت

ہوا تھا یار سیتی سج جا کے پر ہوا دشمن — ہمارے خواب کی الٹی ہوئی تعبیر یا قسمت

ہوئی اک عمر رکھتے دل میں اس کی آس یا قسمت — کسو دن بھی نہ آیا ایک ساعت پاس یا قسمت

بہت کی آرزو اس سیمبر کے ساتھ سونے کی — کبھو یہ کیمیا ہم کو نہ آئی راس یا قسمت

بھنور ہو کر پھرا میں دیکھتا ہر ایک گلشن میں — کسو گل میں نہ پائی گل بدن کی باس قیمت

خدا نے ہر طرح کی دی ہے نعمت شکر ہے لیکن — مجھے حاتم مری ہمت سے ہے افلاس یا قسمت

ہوا ہوں اس قدر دریائے عصیاں بیچ تر دامن — کہ اس آلودگی کو دل سے دھونے کی نہیں فرصت

زمینِ دل میں چاہوں ہوں کہ اب تخمِ عمل بوؤں — کروں کیا عمر کم فرصت سے بونے کی نہیں فرصت

دیدے سفید ہو کے ہوئے موئے سر سفید — اس کا میں انتظار کروں اب کہاں تلک

گر ناقۂ لیلےٰ کی ہے پھر پانے کی خواہش — مجنوں تجھے لازم ہے لباس شتری رنگ

زور یارو آج ہم نے فتح کی جنگ فلک — یک طمانچہ میں کبودی کر دیا رنگ فلک

مرے لالہ رو تری سیر کو ہے چمن چمن یہاں باغ دل — یہاں سر ہے مراد و دل یہاں گل ہوا مرا داغ دل

ہووے وہ شوخ چشم اگر مجھ سے چار چشم — قربان کروں میں چشم پہ اس کی ہزار چشم

تجھے جو قتل کا میرے امنگ ہے ظالم — تو آ پہنچ کہ بہت وقت تنگ ہے ظالم

رکھے ہے شیشہ مرا سنگ ساتھ ربط قدیم — کہ آٹھ پہر مرے دل کو ہے شکست سے کام

نہ محتسب سے ہے مجھ کو غرض نہ مست سے کام — مجھے تو لینا ہے ساقی کے آج دست سے کام

تمھاری چشم کے طالب کو جام سے کیا کام — نگہ کے مست کو شرب مدام سے کیا کام

اُڑے ہے تو جو ایسا آسماں پر ہر سحر کہیو — تجھے خورشید کے نکلے سے کیا ہوتے ہیں پر شبنم

چمن میں کون سا عالی دماغ آتا ہے سچ کہیو — کہ گل کے عطرداں سارے رکھے ہیں تو نے بھر شبنم

نفس تنگی کرے ہے باغباں کا پاس خاطر کر — دھرے مت اس طرح سے گل کی چھاتی پر قدم شبنم

آؤ چمن میں گلرو دیکھیں بہار ہم تم
اور بیٹھ کر لب جو ہوں ہم کنار ہم تم

اس ابر و اس ہوا میں آتا یہی ہے دل پر
پی پی شراب ہوویں بے اختیار ہم تم

اتنی بھی آسماں نے فرصت نہ دی کبھو ہائے
جو بیٹھ کر نکالیں دل کا غبار ہم تم

دل چاہتا ہے مل لیں دم کا نہیں بھروسا
دو دن کی زندگی میں پھر ایک بار ہم تم

زلفیں تری ازل کے مصور نے کج لکھیں
شاید قضا کے ہاتھ میں اس دم ہلی قلم

سوکھ کر کانٹا ہوئے پنجرے میں تب چھوڑے ہے تو
کہہ کہاں لے جائیں اب یہ مشت پر صیاد ہم

جو ذائقہ سے درد کے دل آشنا نہیں
دنیا میں زندگی کا اسے کچھ مزا نہیں

دن رات منہ لگاتا ہے کیوں آرسی کے تئیں
وہ شوخ خودپسند اگر خود نما نہیں

ہر شے کے بیچ آپ نہاں ہو عیاں ہوا
دیکھا جہاں میں اس سا کوئی خود نما نہیں

حیراں ہے عقل گل کی ترے اس صفت کو دیکھ
دل میں رہے صدا و گویا آشنا نہیں

اپنا میں درد لے کے گیا تھا طبیب پاس
بولا کہ اس مرض کی جہاں میں دوا نہیں

افسوس شیخ دل سے تجھے راہ ہی نہیں
بہتر تو اس سے کوئی گذرگاہ ہی نہیں

تو ڈھونڈتا کسے ہے ٹک اپنی طرف تو جھانک
جو کچھ ہے تجھ میں اس سے تو آگاہ ہی نہیں

حاتم قدم سنبھال کے رکھ راہ عشق میں
وہ بحر ہے کہ جس کی کہیں تھاہ ہی نہیں

بتیسی اس طرح ہنستے میں اب تیری جھمکتی ہے
کہ سب کہتے ہیں اس کو آج کیا بجلی چمکتی ہے

مطلع ثانی

یہ کالی زلف تیری منہ اوپر ایسی لپکتی ہے
کہ دل میں پیچ کھا کھا ناگن اپنا سر پٹکتی ہے

وہی ہے مرد اس عالم میں جس کے بیچ ہمت ہے
کہ ہمت سے جہاں میں نام کو حاتم کے عزت ہے

ہماری عقل کی تدبیر پر تدبیر ہنستی ہے
اگر تدبیر ہم کرتے ہیں تو تقدیر ہنستی ہے

تو صورت اس کی کیا کھینچے ہے اپنی دیکھ تو صورت
مصور اس تری تصویر پر تصویر ہنستی ہے

آج بیضہ سے نکلتی ہے جو بلبل صیاد
سو ترے دام میں مشتاق قفس آتی ہے

کون گذرا ہے چمن بیچ معطر ہو کر
آج ہر خار سے جو خوشبوئے خس آتی ہے

شکر للہ بعد مدت کے صنم نے داو سے   کھول کر زلفیں کہا مجھ کو، نہ جا اب شام ہے

نوجوانوں کو دیکھ کر حاتم   یاد عہد شباب آوے ہے

عشق کے شہر کی کچھ آب و ہوا اور ہی ہے   اس کے صحرا میں جو دیکھا تو فضا اور ہی ہے

خدا شاہد ہے حاتم دل کا جو اس پر گزرتا ہے   کسی کے گھر کی باتیں غیر صاحب خانہ کیا جانے

حق کے ہوتے غیر سے کیا آشنائی کیجیے   چھوڑ وہ در کس کے در پر جبہ سائی کیجیے

بندگی میں شرط ہے بندے کو تسلیم و رضا   سلطنت بخشے خدا تو کیوں گدائی کیجیے

چشم بینا دے خدا تو چاہیے مانند چشم   اپنے گھر بیٹھے ہوئے سیر خدائی کیجیے

میکشو اس دور میں ساغر کی کچھ آنکھیں ہیں اور   اب کے اس پیاں شکن سے بھر کے پیاں کیجیے

جامہ زیبوں کے اگر دامن تلک پہنچے نہ ہاتھ   سرنگوں ہو غنچہ ساں چاک گریباں کیجیے

مرے مہرو جا کہنا کہ اے بے مہر راتوں کو   ستاتی ہے گی تجھ بن چاندنی ہر ماہ کیا کیجیے

ابھی مسند نشیں طارم افلاک ہو جاوے   جو سب کچھ چھوڑ کر تیرے قدم کی خاک ہو جاوے

بڑھاپے میں کیا شاگرد ہم کو عشق طفلاں نے   یہ مکتب میں خبر لڑکوں کے اب استاد کو پہنچے

آئے تھے اس باغ میں مانند غنچہ سیر بجیب   اور چلے جاتے ہیں اب جوں گل گریباں چاک ہم

کبھو جو شیخ دکھاؤں میں اپنے بت کے تئیں   برب کعبہ تجھے حسرت حرم نہ رہے

میری طرف کبھو پری رو جو گذر کرے   شیشے میں دل کے بند کروں جوں نظر کرے

تیرے بالوں کو چاہوں ہوں کھلے دیکھوں کہ دل میرا   ابھی در نجف ہووے جو اس میں ایک مو ہووے

جہاں کے باغ میں کرتا ہے سیر اس واسطے حاتم   کبھو شاید محبت کی کسی کوچے میں بو آئے

کون چھوڑے بے سند جب تک نہ دیکھے مہر داغ   شمع رو کے پاس پروانہ کو بے پروانگی

نبض پر میری عبث ہاتھ تو رکھتا ہے طبیب   یہ مرض اور ہے اور اس کی دوا اور ہی ہے

محتسب ہم سے عبث کینہ رکھے ہے حاتم   جو نشا ہم نے پیا ہے وہ نشا اور ہی ہے

عاشقوں کے سیر کرنے کا جہاں ہی اور ہے   ان کے عالم کا زمین و آسماں ہی اور ہے

ٹک کھول زلف اپنی زنجیر ہے تو یہ ہے   دیوانہ پن کی میرے تدبیر ہے تو یہ ہے

اک تار زلف تیرا ہے لاکھ دام مجھ کو   منصب کی عاشقوں کے جاگیر ہے تو یہ ہے

الفت کی مجھ کو پیارے تیری نگاہ بس ہے
گر پے بہ پے نہ ہووے تو گاہ گاہ بس ہے

نکلے سے جس کے حاتم شہروں میں عید ہووے
سارے برس میں مجھ کو وہ ایک ماہ بس ہے

نگہ لطف دلربا بس ہے
مجھ سے مس کو یہ کیمیا بس ہے

ناتوانوں کو وقت پیری کے
ہر قدم آہ کا عصا بس ہے

زینت ہے عاشقوں کو لب خشک وچشم تر
حاصل ہوئی ہے سلطنت بحرو بر مجھے

جہاں کے خوبصورت دیکھ اس مورت کو مجلس میں
ہوئے خاموش حیرت سے گویا پتلے تھے سب گل کے

خدایا بار دے مجھ دل کو صاحب دل کی صحبت میں
کہ غافل تر ہوا ہے دل دل غافل کی صحبت میں

اگر کچھ ہوش ہے تو چھوڑ مت دنبال دانا کا
کشود عقل ہے بے عقل کو عاقل کی صحبت میں

صبح کرنے کو قلب دل کا حصار
تیغ ہمت کلید کرتا ہوں

مجھے امید نہ تھی تسپہ آیا وہ مہ رو
میں ایسی شب کے تئیں چاندرات کہہ تو کہوں

تیرے ستم کی غیر سے فریاد کیا کروں
گذری سو گذری پھر پھرا سے یاد کیا کروں

تو سرو نو نہال، وہ اک چوب خشک ہے
قد کے ترے مقابلے شمشاد کیا کروں

جی میں آتا ہے کہ شہر عقل کو ویراں کروں
ہو کے مجنوں خانۂ زنجیر آباداں کروں

کیا ہوا گر عشق نے آکر کیا خانہ خراب
مجھ کو لازم ہے کہ پاس خاطر مہماں کروں

صفحۂ دیواں کو لکھتے وقت تیرے حسن کا
کہہ بہارستاں کروں یا کہہ نگارستاں کروں

تری[1] جو زلف کا آیا خیال آنکھوں میں
وہیں کھٹکنے لگا بال بال آنکھوں میں

تشبیہ دوں جو اس کے لبوں سے زباں کہاں
غنچہ کہاں ونام خدا وہ دہاں کہاں

دامن تلک بھی اس کے نہ پہنچا مرا غبار
مشہور ہے زمین کہاں آسماں کہاں

جوش ہستی پھر کہاں مستو جوانی پھر کہاں
میکدے میں جا کے وہ دھومیں مچانی پھر کہاں

کیا ہوا تجھ کو تو اب جینے سے اکتاتا ہے کیوں
دم غنیمت جان حاتم زندگانی پھر کہاں

پلک میں چھین لیں دل عشوہ سازی اس کو کہتے ہیں
نظر میں باندھ لیں جادو طرازی اس کو کہتے ہیں

بجز صبح قیامت رات اس زلفوں کے عاشق پر
نہیں کوتاہ ہونے کی، درازی اس کو کہتے ہیں

---

1. ل: جو تیری زلف۔

ازل سے دل ہے سجدہ ریز اس ابرو کی مسجد میں
اٹھاتا سر نہیں اب تک نمازی اس کو کہتے ہیں

مسیحا گر تجھے عالم کہے تو کیا تعجب ہے
چلا تو اور شہر اور شہر کے بیمار روتے ہیں

عرق اس کو نہ کہیے جو تری زلفوں سے ٹپکے ہے
یہ کالے ناگ ہیں اور منہ سے اپنے زہر اگلتے ہیں

گرد مکھڑے کے اوڑھنی کی کرن
شوشۂ آفتاب ہوتی ہیں

ہمارے[1] دل کے باز و رشتۂ الفت میں باندھے ہیں
کرے پرواز کیوں کر جو کہ ہووے صید پر بستہ

سخن کے جوہری سے کام ہے حاتم کو اے یارو
کہ لایا ہے یہ بحر طبع سے سنگ گہر بستہ

چھین لیتے ہیں مرے دل کو نگاہوں کے بیچ
حسن رہزن ہے یہ پنجاب کی راہوں کے بیچ

گر عدو میری بدی کرتا ہے خاص و عام میں
میں اسے رسوا کروں گا باندھ کر دیواں کے بیچ

سجن نے یاد کر نامہ لکھا اور ہم رہے غافل
بجا ہے معذرت لکھنی ہمیں کاغذ خطائی پر

دیکھ طور اس دور کا حاتم نے چھوڑی ہے شراب
یاد کر کر سبزہ رویاں کو وہ اب پیتا ہے بھنگ

سانورے رخسار اوپر کھول کر زلفوں کے تئیں
ہند میں کافر نے آ دکھلا دیا مجھ کو فرنگ

اس وقت دل مرا ترے پنجے کے بیچ تھا
جس وقت تو نے ہاتھ لگایا تھا ہاتھ کو

تیرے خیال قد کا مری چشم تر میں ہے
ممکن نہیں کہ سرو لب آب جو نہ ہو

باعث تیرہ بختی عالم
اس کی زلف سیاہ سے پوچھو

صحن چمن میں بیٹھ کے مے نوش مت کرو
گل کو نگہ کے جام سے بے ہوش مت کرو

اس کے قد بلند کا شہرا بلند ہے
اس سے چمن میں سرو کو ہم دوش مت کرو

زلف خوباں میں جو چاہو ہونگہ کی دسترس
پنجۂ مژگاں کے تئیں اپنے بتا شانا کرو

شمع روؤں کی لگن میں جل کے خاکستر ہوا
عشق کی کشور کا میرے نام پروانہ کرو

حسن آئینہ فاش کرتا ہے
ایسے دشمن کو سنگ سار کرو

آتا ہے اب نشہ کی طرف جی کبھو کبھو
ساقی نگاہ مست ادھر بھی کبھو کبھو

تیرے اے سرو خراماں روبرو گر آئے سرو
دیکھ کر چلنے کی خوبی خاک میں گڑ جائے سرو

صبر بن اور کچھ نہ لو ہمراہ
کوچۂ عشق تنگ ہے یارو

---

1 ل سے دو شعر کا اضافہ۔

آیا تھا فاتحہ کو دکھا کر کے خط سبز
میرے مزار پر وہ گیا تخم ناز بو

جس کو پہنچی نہ کبھو سنگ حوادث سے شکست
کوئی ایسا بھی یہاں شیشہ گراں ہے سینہ

جان کر بھیجتا ہوں خط کو میں بے سرنامہ
جانتا ہیگا میرے خط کو وہ بے سرنامہ

آنکھوں کو چھوڑ تیری نظر کس طرف کروں
رہتی ہے مے کشوں کی سدا جام پر نگاہ

کیا ہوا تو نے بنایا گر سکندر آئینہ
آئینہ دل کو بنانا تھا تجھے ہر آئینہ

صحبت روشندلاں میں چاہیے پاس نفس
ایک دم کے بیچ ہوتا ہے مکدر آئینہ

روبرو ہرایک کے از بسکہ رکھتا ہے صفا
سب ہنر اور عیب کہہ دیتا ہے منہ پر آئینہ

تجھے درکار کیا ہے پھول رکھنا ہاتھ میں گلرو
سر انگشت حنائی ہے تری یکدست گلدستہ

چمن میں ہورہی تھی بیت بحثی سرو قمری سے
ترے قد کو کہے تھے مصرع دلچسپ برجستہ

دل کو کیا ہے حق نے اسرار کا خزینہ
پایا نہیں کسی نے جو اس میں ہے دفینہ

تیرا دہن ہے گویا انگشتری کا حلقہ
اور ہونٹ رنگ پاں سے ہے لعل کا نگینہ

کہیں وہ صورت خوباں ہوا ہے
کہیں وہ عاشق حیراں ہوا ہے

کہیں گل ہے کہیں بلبل ہے، آ، دیکھ
کہیں درد و کہیں درماں ہوا ہے

کہیں مست و کہیں ہشیار ہے وہ
کہیں دانا کہیں ناداں ہوا ہے

کہیں خاک وکہیں باد وکہیں آب
کہیں جا آتش سوزاں ہوا ہے

کہیں لفظ وکہیں معنی کہیں حرف
کہیں پوتھی کہیں قرآں ہوا ہے

کہیں بوز و کہیں ایمن کہیں طور
کہیں موسیٰ کہیں عمراں ہوا ہے

کہیں حاتم کہیں جاں بخش حاتم
کہیں حاتم کا جا مہماں ہوا ہے

بلبل تصویر کی مانند صید دل کے تئیں
نہ ہوا اڑنے کی نے پروائے آب ودانہ ہے

معتکف ہو شیخ اپنے دل میں، مسجد میں نہ جا
صاحب دل کی بغل میں دل عبادت خانہ ہے

شعر استادانہ و حاتم ہے مرزایانہ وضع
طبع امرایانہ و اوقات درویشانہ ہے

جو دل میں آوے تو ٹک دیکھ اپنے دل کی طرف
کہ اس طرف کو ادھر سے بھی راہ نکلے ہے

زبان خلق سے حاتم عجب تماشا ہے
جدھر وہ نکلے ادھر واہ واہ نکلے ہے

کچھ ان دنوں میں مجھ سے تیرا ہی دل پھرا ہے ورنہ وہی زمیں ہے اور وہ ہی آسماں ہے
غنچہ سے کیا ہے نسبت ایسا لب و دہاں ہے جس کی صفت میں گلرو ہر برگ گل زباں ہے
حاجت چراغ کی ہے کب انجمن میں دل کی مانند شمع روشن ہر ایک استخواں ہے
ان دشمنوں کے ڈر سے دل میں تری محبت مخفی رکھوں ہوں جیسے غنچہ میں بو، نہاں ہے
رنگ گلال منہ پر ایسا بہار دے ہے جوں آفتاب تاباں زیر شفق نہاں ہے
نہ تن میں استخواں، نے رگ رہی ہے لبوں پر کیوں کہ جاں اب لگ رہی ہے
تمھاری یاد میں اے شعلہ خویاں زبان شمع پر لو لگ رہی ہے
ایسا ہے دل آزردہ تری دل شکنی سے جانے کی نہیں تا بہ قیامت شکن دل
ساکن بھی یہاں ہے گا کوئی اس کی گلی کا جو آکے بتاوے مجھے راہ وطن دل
جہاں کیوں کر نہ ہو نظروں میں تاریک ترا منہ زلف پیچھے ڈھک رہا ہے
غم و اندوہ دل میں گھر رہا ہے فلک کچھ ہم سے شاید پھر رہا ہے
آنکھوں کے دور میں تری ایسا پھروں ہوں مست ساغر سے مجھ کو آنکھ لگانا حرام ہے

ولہ یعنی رباعیات حاتمؔ

حاتمؔ زر ومال وملک و اطلس کی قبا لازم ہے انھیں جو ہینگے اہل دنیا
آزاد کے تئیں میسر اسباب جہاں ہوگا تو کیا وگر نہ ہوگا تو کیا

☆☆☆

حاتم ہو جا کہیں گدائی مت کر ان تنگ دلوں سے آشنائی مت کر
طامع مت ہو جہاں کی نعمت پہ کبھو مانند مگس کے بے حیائی مت کر

☆☆☆

حاتم غم مرگ دل سے کھونا معلوم عملوں سے سیاہ نامہ دھونا معلوم
معشوق ہزار ہوں یہاں عمر کہاں پیری میں جوان پھر کے ہونا معلوم

مستی میں تو یا کہ آن ہشیاری میں — مت ڈھونڈھ خدا کو چرخ زنگاری میں
پردے میں چھپا ہے صورت انسان بیچ — اربع عنصر کی چار دیواری میں

عاشق کا جہاں میں مذہب وکیش نہیں — جز اشک رواں وسینۂ ریش نہیں
پہلو مارے ہے آتش عشق سے آج — انسان کہ مشت خاک سے بیش نہیں

یک ذرہ کبھو نہ کام آئی مجھ کو — دولت مندوں کی آشنائی مجھ کو
گو فائدہ ان سے ہو نہ ہو حاتم ہوں — یکساں ہے شاہی وگدائی مجھ کو

شیطاں نے کیا ہے شیخ کو گمراہ — جانے ہے گل وسنگ کے تئیں بیت اللہ
نزدیک اس کے زیارت دل ہے گناہ — لاحول ولا قوۃ الّا باللہ

حاتم دل کر مثال آئینہ صفا — چاہے کہ جو ہو صورت حق جلوہ نما
کرتا ہے کیاں نصیحتیں اوروں کو — چاہے ہے خدا تو رہ خدا کی میں خود آ

تجرید سے چاہو کہ جدائی نہ کرو — تو قحبہ زناں سے آشنائی نہ کرو
رہنا ہے جہاں میں اگر آزاد کی طرح — تو دل میں خیال کتخدائی نہ کرو

اس تھوڑی سی عمر میں کہو کیا کیجیے — دنیا کی تلاش، دیں کیا کیا کیجیے
کچھ بن نہیں آتا ہے مگر کوئی دم — قدرت کا تماشا اس کی دیکھا کیجیے

تسلیم ورضا کا جو کوئی بندا ہے — نزدیک اس کے بھلا برا پھر کیا ہے
گر اس کی طرف سے خیروشر ہے حاتم — تو شکوہ وشکر غیر سب بے جا ہے

اک عمر سے جیتا ہوں نہ ہی مرتا ہوں — میں خانہ خراب اپنے دن بھرتا ہوں
حیرت میں ہوں اس جہاں میں اللہ اللہ — آیا کیوں تھا و کیا ہوں، کیا کرتا ہوں

غزلے بطور مستزاد گفتہ
سہ ابیات ازو می نگارد

جاتے ہیں نظارے کو ہم اس صبح جبیں کے — ہر روز سحر کو
طالب نہیں اس ملک میں ہم نام و نگین کے — مرتے نہیں زر کو
اس باغ میں دنیا کے نہ ہو پھول کے سرکش — تو سرو کی مانند
آدیکھ لے احوال کو اس خاک نشیں کے — چاہے جو ثمر کو
غنچہ کی طرح خون جگر پی کے میں چپ ہوں — اب لب کی طلب میں
آیا نہ تو رشک گل فردوس بریں کے — حاتم کی خبر کو

اشعار محمد حاتم حاتم

اس دکھ میں ہائے یار یگانے کدھر گئے — سب چھوڑ ہم کو غم میں نہ جانے کدھر گئے
جو اس پری کو شیشہ دل میں اُتار لے — وے علم عاشقی کے سیانے کدھر گئے
معلوم ہے کسی کو کہ وہ آتشیں مزاج — مجھ کو جلا کے آگ لگانے کدھر گئے
چاہ میں تیری ہمارے اشک اب جاری ہوئے — تجھ بن اے ظالم ہمیں دن کاٹنے بھاری ہوئے
دل مرا تیر تغافل نے ترے بریاں کیا — تیشۂ غم کی نہانی کھا کے سب عاری[1] ہوئے
اس قدر پلکیں جھکیں میری ترے بیراگ میں — چشم اب بن کے انیتوں میں جٹادھاری ہوئے
تو اپنا مت لگاوے سرو سے جا جا من اے قمری — ابھی تو طوق ہے پر اب کٹے گی گردن اے قمری
نہ کرتی عاشقی تو طوق کیوں تیرے گلے پڑتا — تو اپنی جان کی آپ ہی بنی ہے دشمن اے قمری

---

[1] عاری: آری؟ (غالباً اس کے کٹے ہوئے کنارے کی طرف اشارہ ہے)۔

جانا ترا ہے مرگ مجھے پر میں کیا کروں — اپنے رکھے سے جان کسو کی نہیں رہی
میرے حواس خمسہ اسے دیکھ اڑ گئے — کیوں کر ٹھہر سکیں یہ کبوتر تھے پر کھرے
پیری میں حاتم اب نہ جوانی کو یاد کر — سوکھے درخت پھر کے ہوئے ہیں کہیں ہرے
ظرف ٹوٹا تو وصل ہوتا ہے — دل کوئی ٹوٹا کس طرح جوڑے
خمخانہ میکشوں نے کیا اس قدر تہی — قطرا نہیں رہا ہے جو شیشا نچوڑیے
کسی کے دانت کا منہ پر ترے ہوا ہے نشاں — جو آئینے سے تو کرتا ہے آج روپوشی
زبان شمع سے روشن ہوا ہے مجھ کو یہ حرف — کہ سر کٹے تو کٹے پر بھلی ہے خاموشی
ہوا ہوں اس قدر کا ہیدہ تیرے ہجر میں جانی — کہ میں نے آپ صورت دیکھ کر اپنی نہ پہچانی
نہ جاوے صحبت کامل سے جس کے کفر ہو دل میں — سلیماں سے کبھو لوٹا نہ زنار سلیمانی
کہا حاتم نے تیرے دیکھ منہ پر خال ہندو کو — چو کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی
ساقی تجھے کم ظرفی مستوں سے نہیں لازم — ترسا نہ مجھے کافر ساغر کے تئیں، بھر دے
جانکنی دیکھ تو میری بھی بت سنگین دل — گو کہ فرہاد کا تھا کام سدا کوہ کنی
شمع خاموش نہ کر حسن سے اس کے دعوا — تو اسی چرب زبانی سے ہے گردن زدنی
نیزہ بازوں میں ہے مشہور تری نوک نگاہ — پہلوئے دل میں لگے ہے جیسے برچھی کی انی
غنچہ وگل کو چمن بیچ کرے شرمندہ — تیری نازک دہنی بے دہنی کم سخنی
میم[1] وکاف وہے سے تیری ہے خجل اب میم[2] وہے — زے[3] ولام وفے ہے میں تیری آپھنسے ہیں سین[4] وبے
بے الف[5] تے کہہ کے ہم سے لے گیا ہے دال[6] ولام — جیم[7] وے چھوڑے ہے کیوں اس کو بھی تو آرام[8] دے

حشر، رسول بخش

میاں رسول بخش حشر تخلص شخصے ساکن بداؤن است در سنہ یکہزار و دو صد و چہل ہجری از سفر دارالامارت کلکتہ بدہلی آمدہ در مشاعرہ وارد شد و غزل طرحی خواند، عاصی ذکا باو ہمجلیس و ملاقی گشتہ، جہت ادخال تذکرہ استدعاء شعر نمود۔ چنانچہ بعطائے غزل طرحی مشاعرہ بنواخت ازاں دو شعری

---

1 یعنی مکھ۔ 2 یعنی مہ۔ 3 زلف۔ 4 سب۔ 5 بات۔ 6 دل۔ 7 جی۔ 8 لب۔

نگارد۔

تیغ کیوں کھنچی ہے اے بدخو ہمارے واسطے ہے کفایت جنبش ابرو ہمارے واسطے
ہاتھ میں پتھر لیے پھرتے ہیں کیوں اطفال شہر ہم تو دیوانے ہیں بس ہے ہو ہمارے واسطے

حقیرؔ، شیوسہائے

شیوسہائے حقیرؔ قوم بادفروش ساکن میرٹھ از چندے شوق فارسی و ریختہ گوئی اختیار نمودہ شاگرد روشن شاہ است۔ در دہلی آمدہ بود بایندہ ہم ملاقی گشت وایں دو بیت از طبع اوست۔

نہ تو بلبل کا نہ گل کا نہ چمن کا کہنا اے صبا حال تک اس غنچہ دہن کا کہنا
ہے حقیرؔ اب تو کسی پردہ نشیں پر عاشق خالی از عشق نہیں شعر و سخن کا کہنا

حسنؔ، میر غلام رسول

میر غلام حسن متخلص بہ حسنؔ پسر میر غلام حسین ضاحک وی ایرانی الاصل، شاہ جہان آبادی المولد در فیض آباد بملازمی نواب سردار جنگ خلف نواب سالار جنگ بہادر عز امتیاز اندوختہ بود مثنوی بدر منیر کہ بالفصل برزبان عوام الناس جاری است، خوب گفتہ و دراں جودت طبع بسیار بکار بردہ از سرکار نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر صلہ یافتہ شادی مرگ شدہ[1] دیوانے کلاں مملو از انواع سخن و ہجو بلدۂ لکھنؤ و مدح فیض آباد بنکلہ وغیر آن از و بخوبی سرانجام یافتہ اشعار خوش فکر خود را بنظر اکسیر اثر مرزا محمد رفیع سوداؔ، میر ضیاء الدین ضیاؔ، محمد میر سوز گزرانیدہ طبع عالی داشت شعر نغز می گفت۔

قاتل اگر کہے کہ سسکتا ہی چھوڑیو خنجر تو ایک دم کے لیے منہ نہ موڑیو
خوبی چمن میں دیکھ نسیم بہار کی کس کس طرح سے آئی ہوس دل میں یار کی
اب وہ حسن نہیں رہا افسوس ہے مجھے صورت ہی کچھ بدل گئی اس خاکسار کی
کسے آرزو تھی جو اس طرح لیے ساتھ غیروں[2] کو آگئے بھلے چنگے دل کو جلا گئے نئے سر سے آگ لگا گئے

---

1 ل: دیوانِ مملو پر از۔ 2 ل: غیر۔

چھوٹا نہ واں تغافل اس اپنے مہرباں کا
اور کام کر چکا ہے یاں اضطراب جاں کا

کہا میں نے کہ گھر میرے کبھی دو چار دن رہیے
لگا کہنے کہ جلدی کیا ابھی دو چار دن رہیے

عشق کب تک آگ سینے میں مرے بھڑکائے گا
راکھ تو میں ہو چکا کیا خاک اب سلگائے گا

ہوئے ہیں عشق کے بیمار دیکھیے کیا ہے
بہت برا ہے یہ آزار دیکھیے کیا ہے

شمع ساں اپنی ہی ہستی سے ستم ہم نے سہے
اپنی آہوں سے جلے اپنے ہی اشکوں سے بہے

خوش ہے وہ مست کہ تابوت کے آگے جس کے
آبپاشی کی جگہ مے کو چھڑکتے جاویں

وقت اب وہ ہے کہ اک ایک حسن ہو کے تنگ
صبر و تاب وخرد و ہوش کھسکتے جاویں

دل کو اس شوخ کے کوچہ میں دھرے آتے ہیں
شیشہ خالی کیے دُر اشک بھرے آتے ہیں

تجھے جس گھڑی اے صنم دیکھتے ہیں
جھمکڑا خدائی کا ہم دیکھتے ہیں

وصل بھی ہوگا حسنؔ تو ٹک تو استقلال کر
حال اپنا ہم سے کہہ کے ہم کو مت بے حال کر

صیاد[1] کی مرضی ہے کہ اب گل کی ہوس میں
نالہ نہ کریں مرغ گرفتار قفس میں

آتش رخوں کی قیمت عالم کو آنکتے ہیں
بازار حسن والے کیا آگ پھانکتے ہیں

پڑی رات داد و ستد کچھ عجب
جو بوسے کو اس شخص سے جا اڑے

لبوں کے لگاتے ہی لب ، جی دیا
حسن ہم کو لینے کے دینے پڑے

سب نقش اس فلک کے نگینے پہ آرہے
کار جہاں تمام کمینے پہ آرہے

مارا[2] جو جوش غصہ میں دریائے حسن نے
جلوے نزاکتوں کے پسینے پہ آرہے

دامن صحرا سے اٹھنے کو حسنؔ کا جی نہیں
پاؤں دیوانے نے پھیلائے بیاباں دیکھ کر

اشکوں[3] سے نہ کیونکر ہو حسن راز دل افشا
پانی کے چھڑکنے ہی سے بو ہوتی ہے خس میں

چنپا کلی کو دیکھ گئے ہاتھ پاؤں پھول
بالی کی جھوک سب مرے اوسان ۔ لے گئی

ترے بن باغ میں جس وقت غنچے گل کے کھلتے ہیں
خراش ناخن غم سے جگر کے زخم چھلتے ہیں

جان و دل ہیں اداس سے میرے
اٹھ گیا کون پاس سے میرے

---

1 ل سے اضافہ۔ 2 ل: غصے میں مارا جوش جو دریائے حسن نے۔ 3 سرور: اشکوں سے حسن کیونکہ نہ ہو۔

شب وصل صنم ہے آج، اے ہمدم کسی ڈھب سے
گریبان سحر کو ٹانک رکھنا دامن شب سے

کہوں کیا تری زلفوں کے تصور نے یہ خواری کی
کہ وقت نزع آخر چھاگئی آنکھوں میں تاریکی

بے کلی مجھ کو نہیں[1] ہر گلبدن کے واسطے
تنگدل ہوں اپنے اس غنچہ دہن کے واسطے

کہنے کی ہیں یہ باتیں کس بن نہیں گزرتی
اس[2] بن نہیں گزرتی جس بن نہیں گزرتی

ہے دھیان جو اپنا کہیں اے ماہ جبیں اور
جاتا ہے[3] کہیں اور تو جاتا ہوں کہیں اور

میں حشر کو کیا روؤں کہ اٹھ جاتے ہی تیرے
برپا ہوئی اک مجھ پہ قیامت تو یہیں اور

حشمت، میر محمد علی

میر محمد علی خاں دہلوی حشمت از کہنہ مشقاں[4] بودہ است مگر دیوانش مروج نیست۔ عابد یار خاں و مراد علی خاں برادران وی بعلاقۂ خدمات جواہر خانہ حضور حضرت فردوس آرامگاہ نور اللہ برہانہ منسلک بودند۔ مرد عمدہ روزگار صاحب مروت زردار بود۔ بتلاش خطیر دو ابیات وی بہم سانیدہ بریں قرطاس مثبت می گرداند۔ میر عبدالحی تاباں اشعار خود را بنظر ہمیں استاد میگزرایند۔ چنانچہ صیت سخنش شہرۂ عالم است۔

خط نے ترا حسن سب گنوایا[5]
یہ سبز قدم کہاں سے آیا

نکہت گل نے ستایا کسے زندان کے بیچ
بھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ

حقیر، امام الدین میر کلو

حقیر تخلص میر امام الدین نام عرف میر کلو، مردے بزرگ قوم[6] سید ساکن شاہ جہاں آباد[7] خوش خلق و یار باش، پاکیزہ سیرت، نیک قماش است۔ عمری بشغل شریف فارسی و ہندی گوئی صرف نمودہ مناقب و مرثیہ و رباعی و مخمس ہا بسیار گفتہ اکنوں بمعلمی بسرمی برد۔ مرد خوب است، خداش محفوظ دارد۔

دل میں حقیر کے جو بسی ہے مدام وہ
ہر شیشۂ سرشک پری خانہ ہوگیا

---

1 سرور: ہے۔ 2 حسن، گلزار: ہر ایک جان تو ہے جس بن نہیں گزرتی۔ 3 یکتا: تھا۔ 4 ل: مشقاں است۔ 5 گلزار: اڑایا۔ 6 اصل رق: سید...... والد ماجد میر محمدی قربان۔ 7 ل: دہلی۔

پھینک دیں رشتۂ جاں توڑ کے دل سے ہم تو — آہ گر ہاتھ لگے یار کا تار دامن

نو خط کی میرے قہر ہے کیا یک قلم تراش — زلفیں بلا ہیں، چشم ہے جادو ستم، تراش

ہوں ہست ونیست عالم تصویر کی طرح — گویا ہوں اور خموش ہوں زنجیر کی طرح

آہ جوں نقش قدم ٹھوکروں میں خلق کی اب — ہو جدا یار کے پاؤں سے، ملے خاک میں ہم

بعد مدت کے میں سویا ہوں ابھی راحت جاں — پاؤں اپنے سے مرے سرکا نہ سرکا تکیہ

اس زلف ورخ کی یاد میں سب کام سے گئے — باللہ کفر سے گئے اسلام سے گئے

نہ تنہا جان تیری چاہ میں دل ہم ڈبو بیٹھے — رلایا تو نے یوں بے دید جو آنکھوں کو رو بیٹھے

دل کو لپٹ کے گیسوئے دلدار لے چلے — قرآن چھین گبر سیہ کار لے چلے

آہ کے میری گر معانی دیکھے — پھر کبھو پیارے نہ دیوان فغانی دیکھیے

مرا لخت جگر گھر سے نکل ٹھہرا ہے مژگاں میں — مسافر ناز پرور ہے، نہ کیوں سایہ میں تھک بیٹھے

حقیر ایسا ہے دل خوش جا کے اس چشم خماری میں — کہ میخانہ میں گویا حضرت شاہ کڑک[1] بیٹھے

نہ دل بھر، بھر کے آہیں در پے ایذا و خواری ہو — رنج میں یار کے جا بیٹھ رہ سلطان غازی ہو

میں وہ حقیر ہوں آیا خیال خواب میں گر — کہ ہاتھ میں مرے دامان دلربا پہنچا

جھٹک کے مجھ سے چھڑایا جو ناز سے ان نے — کھلی جو آنکھ تو دیکھا اکھڑ گیا پہنچا

ابتر ہیں یہ، مت لخت جگر روک تواڑ کے[2] — جانے دے اگر روٹھ[3] چلے اشک کے لڑکے

پہنچا نہ کوئی منزل مقصود کو عشاق — ہیہات یونہیں مر گئے سب پاؤں رگڑ کے

زنجیر مری زلف صنم کی ہے تو ہمسر — کیوں مجھ کو گنہگار کیا پاؤں میں پڑ کے

عشاق کی ذلت ہی میں عزت ہے سراسر — دانا نہو سر سبز مگر خاک میں گڑ کے

پامال ہوئے ہم تو حقیر آہ جہاں میں — جوں نقش قدم یار کے قدموں سے بچھڑ کے

قطعہ

خواہ بیت الصنم ہو اور خواہ کہ ہو بیت اللہ — بات ان دونوں سے ہے ایک ہی منظور ہمیں

---

1 حاشیۂ ل: نامِ میخوار۔ 2 سرور: لڑ کے۔ 3 سرور: اٹھ ہی چلے۔

جی[1] میں ہے بیٹھ رہیں در پہ صنم کے ہی حقیر　راہ کعبہ کی تو آتی ہے نظر دور ہمیں
یہ خونیں پاؤں ہم ہیہات دیکھیں　ستم اس کفش کے ہاتھوں عیاں ہے
ابھی کلّے کو اس کے چیر ڈالیں　ولیکن پاؤں تیرا درمیاں ہے

رباعی

بھُرنگی مری کے رنگ ہیں چھاؤں اور دھوپ　کیا دیو میں کیا پری میں اس کا سروپ
گر ٹھیکری خوار روپیا گر ہے عزیز　ایک ہی بہروپیہ کے ہیں دونو روپ

کہتا ہوں حق جو کوئی سمجھے یہ یقیں　جس کا یہ کفر ہے اسی کا ہے دیں
دانے مالا[2] کے اور مساجد کے عدد　دانا ہے تو دیکھ سب میں حق ہے کہ نہیں

چڑھے جو شیخ کو افیوں، تو دانۂ تسبیح　سمجھ الاچگی دانے تمام ٹھونگ گیا
حقیر سوتے ہو کیا، فکر کیجیے منزل کا　ہر ایک بار تو گاڑی کو اپنی اونگ گیا

حسؔن، میر حسن شاہ

میر حسن شاہ حسؔن ولد میر سید محمد والد ماجد اواز بخارا وخود بحضرت دہلی تولد و پرورش یافتہ، مرد جہاندیدہ عاقبت اندیش، دانای زمان، فراست کیش است۔ در سرکار میاں امام بخش خاں بہادر اعتماد واختیار کلی دارد۔ ایں بندہ ذکا ہم بملاقات[3] او مسرور ومباہی گشتہ۔ مرد خوب است۔
کون پہنچے داد کو میری بجز مشکل کشا　کیا الم اس کو کہ جس کا ایسا فتح الباب ہو

حزیںؔ، شیخ محمد علی

شیخ محمد علی حزیںؔ از[4] ہمعصران مرزا جان جان مظہر بسیار سیر مشق و مناسبت کلی از شعر وسخن

---

1 سرور: دل۔ 2 یعنی 108۔ 3 اصل/ق: بقدم بوسی او۔ 4 اصل/ق: از عالی خاندان۔

داشت وہمت بتلاش کامل می گماشت۔ دیوانی مختصرش بایں حقیر سراپا تقصیر بہم رسید، ازاں اشعار انتخابی برآوردہ بسلک تحریر منسلک گردانید۔

بجھا رکھتا ہے جی کا شمع رویوں نے چراغ دل — مجھے یہ زندگی کیونکر نہ ہووے ہائے داغ دل
اس کو کچھ لذت شراب نہیں — جس کا دل عشق سے کباب نہیں
ان بتوں کو دیکھنے کا جو کوئی مایل نہیں — زندگانی کا اسے واللہ کچھ حاصل نہیں
نہیں آتا ہے ہرگز مجھ پہ رحم اس بے مروت کو — نکالوں کس طرح میں ہائے اپنے دل کی حسرت کو
یہ کہہ کر جی دیا فرہاد نے اپنا کہ یا قسمت — لکھا تھا یوں کہ شیریں سے ملیں گے ہم قیامت کو
خوباں نے درد غم میں ہمیں مبتلا کیا — جس دن سے ہم سے دل کو ہمارے جدا کیا
شیریں نے دی تھی دل میں کچھ اک کوہکن کو جا — ان نے بھی جی کو دے کے حق اس کا ادا کیا
نالاں نہیں ہے جور و جفا سے تری حزیںؔ — جو تو نے اس کے حق میں کیا سو بجا کیا
کچھ کٹے ہجر میں کچھ وصل میں گریاں گذرے — کیا مری عمر کے اوقات پریشاں گذرے
وفا میری اگر جور و جفا تجھ کو نہ سکھلاتی — تو کیا آرام سے یہ زندگانی ہائے کٹ جاتی
اے حزیںؔ شکر کہ ہے مصحف ارباب جنوں — فیض نے حضرت مظہر کے یہ دیواں میرا
اس کی خدا خبر لے اس کی خدا خبر لے — یہ ایک دل دوانا کس کس کی جا خبر لے
وہ کہ ہے ملک مسلم اسے یکتائی کا — خوب لیتا ہے مزا عالم تنہائی کا
میں تو بندا ہوں تری جور و جفا کا لیکن — سخت دھڑکا ہے مجھے اس دل سودائی کا
دلبروں سے میں لیا ڈھونڈھ میاں تجھ سے کو — میں دوانا ہوں ان آنکھوں کی شناسائی کا
کریں کیوں کر نہ ہم مجنوں کا ماتم — کہاں ملتے ہیں اپنے فن کے استاد
اس بے وفا کے عشق میں کچھ ہم کو جس نہیں — پاؤں تلک بھی پائے ہمیں دسترس نہیں
ویراں ہوا خزاں سے چمن یاں تلک کہ ہم — چاہیں کہ جل مریں تو کہیں خار وخس نہیں
اس فصل گل میں کیوں نہ گریباں کو کیجے چاک — جاتی ہے یوں بہار حزیں آہ بس نہیں
کہتی تھی چمن میں ہو کے بلبل بیتاب — کس طرح نہ ہووے زندگانی یہ عذاب
جیتے تھے جنوں کو دیکھ گلشن میں ہم — سو یوں وہ ہوئے خزاںؔ سے ویران وخراب

کن کن طرحوں سے جان ہم سے لے دل کرتا ہے اب اس طرح تو ہم کو بے دل
جلنے کی قدر ہمارے اس دل کی تجھے ظاہر جب[1] ہو کہ تب کسی کو دے دل

حزیںؔ، میر باقر

میر باقر حزیںؔ شاعر خوش کلام صاف گو نسبت تلمذ بہ یکی از سخن پردازان لکھنؤ دارد۔[2] کلام برجستہ[3] و مربوط میگوید۔

فصل گل تو ہو چکی کیا دیکھ ہوں گے شاد ہم کچھ کرا اے صیاد اب ہوں گے نہیں آزاد ہم
کچھ نہ آخر چل سکا بس ان زبردستوں سے ہائے لے گئے دل چھین کر، کرتے رہے فریاد ہم

حبیبؔ

حبیبؔ تخلص[4] از سکنہ ہائے مراد آباد است۔ بیتی از و دست داد

خانہ ویرانی مری گر چہ کی اس دل نے حبیبؔ پر خدا حشر تک آباد رکھے خانۂ دل

حسینؔ، غلام حسین خاں

غلام حسین خاں حسینؔ تخلص قوم افاغنہ، از ساکنین شاہ جہاں پور۔ شخصی ذی اعتبار قابل متحقق شد در علم طبابت مہارت دارد۔

شام گیسو میں ہے یوں عارض جاناں پیدا نور ہو شمع کا جوں شب کو دو چنداں پیدا
شمع آسا نہ کروں آتش الفت ظاہر سنگ کی طرح مرے دل میں ہے پنہاں، پیدا
سرنوشت اپنا نہ کیونکر خط پیمانہ ہو لب ساغر سے ہے شکل لب جاناں پیدا
موج گرداب نگہ ہووے نہ کس طرح حسیںؔ دل کے داغوں سے ہے سینہ میں گلستاں پیدا

1۔ سرور: تب ہو کہ جب۔ 2۔ اصل/ق: گویند کہ از شاگردانِ یکے از سخن پردازانِ لکھنؤ است۔ 3۔ اصل/ق: برجستہ دارد۔ 4۔ سرور: از نامش آگہی نیست۔

گرچہ ہے رنگ حنا اے شوخ دلبر زیر پا — خونِ عاشق سے لگا رنگ مکرر زیر پا
جیغہ مروارید کا ہے تیرے گر بالائے سر — آبلوں کے ہم یہاں رکھتے ہیں گوہر زیر پا
وائے قسمت ہم کف افسوس ہی ملتے رہیں — اور حنا اس کے لگاویں غیر اکثر زیر پا

حکیم، محمد اشرف خاں

مسیح الزماں حکیم محمد اشرف خاں المتخلص بہ حکیم ساکن دہلی، از حکمای پایۂ تخت[1] حضرت صلابت خان دام اللہ ملکہ وسلطنتہ، مہین پور رئیس الحکمای حکیم محمد شریف خاں دام[2] افضالہ کہ جامع ہمہ کمالات و مستغنی الاوصاف است ایں نیاز مند ارادت آئین اکثر بقدمبوسی معزز میگردد از علوم متعارفہ بسیار باخبر واز استدراک غوامض فن[3] شریف طبابت کما حقہ ماہر۔ ظریف الطبع، صاحب کرم عمدہ وضع اہل ہمم، طبیبی عاقل، دانای روزگار حکیمی کامل، مسیحا کردار بہ[4] فضل وعنایت شافی مطلق دست شفا دارد۔[5] ایں اشعار از تلاش رنگینش برای زینت تذکرۂ ہذا مرقوم نمودہ شد دریں عصر بودن چنین انسان از مغتنمات است خداش سلامت دارد۔

مستی کی اداوٹ کہوں یا پان کی لالی — اس شوخ کی میرے ہے ہر اک بات نرالی
یہ سینۂ عشاق ہے ناوک سے مشبک — یا مشہد دل کے یہ مجحر کی ہے جالی
مرے رونے نے اس کو مجھ سے کھویا — مجھے اس دیدۂ تر نے ڈبویا
کیوں کیا میں برنگ زخم ناسور — ہنسا یکبار گر سو بار رویا
ہرطرف ڈھلتا پھرے ہے یہ جوہر دوستی — دل ہے پہلو میں مرے یا ہے کھلونا پوستی
نہ تاگے سے سیا جاوے نہ ریشم کا لگے ٹانکا — کہاں سے لائیں سینے کو دل صد چاک کے ڈورے

---

1 اصل/ق: مدظلہٗ: ل: سلمہٗ۔ 2 اصل/ق: دام اقبالہٗ وافضالہٗ 3 اصل/ق: فنونِ شریفہ نہایت بہرہ ور۔ 4 اصل/ق: بہ فضل وکرم۔ 5 اصل/خ: کہ مریضِ ہر قدر بیمار باشد بتجویز کاملہ تشخیص بے مثالش زودتر شفا یابد۔ قطع نظر کمال، خلیق وشفیق صاحبِ توفیق وبہ اوصافِ خوبی ہا کہ تشریح آں بطول می انجامد متصف است۔ ایں اشعار از تلاشِ رنگیں او بسبیل تبرک بزبانِ خامۂ نیاز شمامہ حوالہ گردانیدہ۔ حاصل ایں کہ......: ایں اشعار از تلاشِ رنگینش برائے تذکرۂ ہذا مرقوم نمودہ۔

دیکھ لے دیکھ لے اے چشم ذرا سوئے حباب — بحرِ دنیا میں جو آیا ہے سو مٹ جانے کو
خندۂ باغ جہاں لائے ہے افسردہ دلی — پھول جو کھلتے ہیں گلشن میں، سو مرجھانے کو
کہے ہے لختِ جگر، اشک سے کہ اے ہمدم — ذرا ٹھہر تو کہیں، لیویں بیٹھ کر ہم دم
دروغ وعدہ فرو کب کرے ہے آتش عشق — کہ اوسوں پیاس پیارے کہیں ہوئی ہے کم
وہ ہی تو ہے وہ ہی میں ہوں اور وہی دن رات ہے — کیوں خفا ہے، کیا سبب، کس واسطے، کیا بات ہے

قطعہ

سن کے گھڑیال کو نالاں میں کیا اس سے سوال — سینہ کوباں ہے تو کیوں؟ کس لیے ہے شور انگیز
چشم پُر آب ہو بولی کہوں کیا خاک حکیم — کاسۂ عمر ہوا جائے ہے میرا لبریز

ایضاً

حکیم یک بیک آیا جو زندگی کا خیال — تو اپنی نظروں میں سارا جہاں ہوا تاریک
کہ مثل شیشۂ ساعت گھٹے ہے ہردم عمر — ہراک نفس، نفس واپسیں سے ہے نزدیک

حسرتؔ، جعفرعلی

میاں جعفرعلی حسرتؔ پسر میاں ابوالخیر کہ در شاہ جہاں آباد دوکان عطاری داشت[1] مصلح اشعار میاں قلندر بخش جراتؔ وخود شاگرد سرپ سنگھ دیوانہ است[2] در سرکار دولت مدار مرزا جوان بخت بہادر در نوکران خاص شرف امتیاز می داشت از چندی ترک تعلقات دنیوی نمودہ آزادانہ می گزراند در اضلاع شرقیہ علم استادی برافراشتہ[3] بقیاس ایں بندہ ذکاؔ شاعر مسلم الثبوت است ایں

1 مصحفی: دُکانِ عطاری در لکھنؤ متصل اکبری دروازہ؛ شورش: نخاس کے اندر دکان عطاری کی رکھتا تھا۔ 1210 میں سیر بازارِ عدم کی ہے۔ 2 مصحفی اطلاع دیتے ہیں کہ شاگردی سے منحرف ہوگیا۔
3 اصل/ ق: برافراشتہ دارد و اکثر شاگردانِ رشیدش نامور وشہرۂ آفاق گردیدند بالجملہ ایں اشعار پر مضمون و برجستہ از تلاشِ کامل ایں بندۂ راقم دریں جامی نگارد از طبع خوب اوست۔

اشعار برجستہ و دلآویز از تلاش[1] کاملہ اوست۔

هواسے بال ان زلفوں کے رخساروں پہ ملتے ہیں
دل بیمار ٹک اٹھ بیٹھ دونوں وقت ملتے ہیں

برنگ آبلہ اے وائے یہ کیا زندگانی ہے
کہ جس کے پاؤں پڑتا ہوں اسی کو سرگرانی ہے

شاید اس دامن میں پیارے خون بے تقصیر ہے
تیرا دامن آج کیوں تیرا گریباں گیر ہے

مطلع ثانی

خوف کر اس آہ سے ہرچند بے تاثیر ہے
گو نہیں پیکان اس میں لیکن آخر تیر ہے

نظر آیا تجھے مکھڑا ترا کیا ماہ تاباں سا
جو تو آئینہ رکھ زانو پہ یوں بیٹھا ہے حیراں سا

یہ بھی اک ستم ہے کہ خواب میں مجھے شکل آ کے دکھا گئے
کبھی نیند برسوں میں آئی تھی سو اسی طرح جگا گئے

گیا دل سو گیا، رونے سے کچھ حاصل نہیں ہونا
اگر رو رو کے جی کھودیں تو پیدا دل نہیں ہونا

رکھیں دل کس کی خاطر وہ ہی لے جاوے تو بہتر ہے
کہ اے حسرت کسو پر ہم کو پھر مایل نہیں ہونا

قطعہ

تم جو کہتے تھے کہدو حسرت کو
آہ و فریاد یاں، کیا نہ کرے

آپ کا اس میں کیا بگڑتا ہے
دردِ دل کی کوئی دوا نہ کرے

آئینہ دیکھ اس کو مانند اشک شبنم
حیرت سے ہوگیا ہے اک چشم نم سراپا

کسی دشمن کے بھی نصیب نہ ہو
جیسے تجھ بن کٹی ہماری رات

کل جو پہنچی تری آواز مرے کان کے بیچ
آگئی سنتے ہی بس جان مری جان کے بیچ

ماہ کرے جو لافِ حسن چہرہ دکھا کہ اس طرح
مہر کرے اگر طلوع بام پہ آ کہ اس طرح

سرو سرے جو قد کشی قد کشیدہ کو دکھا
گل جو دکھاوے پیرہن کھول قبا کہ اس طرح

بیاں کیا کیجے اس سرو رواں کے قد و قامت کا
بلا ہے، آفت جاں ہے، نمونا ہے قیامت کا

کس کی نگہ کا تیر لگا، آہ کیا ہوا
تڑپے ہے دل مرا جو اے اللہ کیا ہوا

---

1. ل: تالاش۔

نبض نہ دیکھ اے طبیب ہاتھ لگا اور موا
میری تو یہ شکل ہے ہائے چھوا اور موا

زخم تیر نگہ و خنجر مژگاں اٹھا
پر دل زار تو مرہم کا نہ احسان اٹھا

آشیاں چھوڑ چلے اے چمن آرا ہم تو
تو ہی لے جائیو سر پر یہ گلستان اٹھا

دیں کا واقف ہے خدا پر ابھی میخانے سے
لائے ہیں لاش مری سر پہ مسلمان اٹھا

جگر کر چاک قاتل دیکھتا تھا
جو میں پوچھا کہا دل دیکھتا تھا

بلا سے گر وہ ہرجائی بت قاتل نہیں ملتا
کہ جو اس وضع کا ہو اس سے اپنا دل نہیں ملتا

رقیبوں کے حوالے کر کے خط کو نامہ بر آیا
عزیزو کیا کہوں قاصد تو میرا کام کر آیا

کل کب تھے ہم سے خوش کہ نہیں ہو تم آج خوش
ہم نے تو ایک دن بھی نہ پایا مزاج خوش

تری فرقت میں شام و سحر مجھ کو عجب مشکل
جو شب کاٹی تو دن مشکل جو دن کاٹا تو شب مشکل

کسے منظور تھا یوں تلخ کیجے زندگانی کو
و لے کیا کیجیے حسرت بلائے ناگہانی کو

جگر سوزاں ہے دل بیتاب ہے اور چشم گریاں ہے
الٰہی دن ہے میری موت کا یا شام ہجراں ہے

مدد کر جلد اے وحشت مرے ہاتھوں کے چھالوں کی
پیاسا مضطرب جنگل میں ہر خار بیاباں ہے

کس کا ہے جگر جس پر یہ بیداد کرو گے
لو ہم تمھیں دل دیتے ہیں، کیا یاد کرو گے

بیتابی و حیرانی و طغیانِ گریہ
سب آنکھوں پہ ہم لیں گے جو امداد کرو گے

تاراج کیا جان و دل و صبر پھر آ کے
کیا خاک ہے مجھ میں جسے برباد کرو گے

ترے سامنے ہو یہ دل جان کیا ہے۔
غضب ہے بلا ہے تری آن کیا ہے

کہا کرتے ہیں پھر نہ ملیے گا اس سے
پر اس سے نہ ملنے کا امکان کیا ہے

قطعہ

کل روتے ہوئے جو اتفاقاً
حسرت کے مزار پر گئے ہم

پڑھتا تھا یہ شعر وہ تہِ خاک
بس سنتے ہی جس کے مر گئے ہم

وا ماندوں پہ دیکھیے کہ کیا ہو
اپنا تو تباہ کر گئے ہم

دوستوں کا دیکھنا اس دور میں ہر دم کہاں
دم غنیمت ہے عزیزو تم کہاں اور ہم کہاں

چھِدتے تیرنگہ سے دل اگر یوں ہو تو بہتر ہے
بنے غربال کی صورت جگر یوں ہو تو بہتر ہے

''جعفر علی حسرتؔ''

فسانہ وصل کا جس سے دل بیتاب کہتا ہے
تو کہتا ہے کہ افسانہ نہیں یہ خواب کہتا ہے

بزم میں بیٹھے تھے کل جتنے پری روحور سے
دیکھ کر اس کو لگے لینے بلائیں دور سے

دلِ پر داغ گو ویران ہوا ہے
ولے یہ شہر واغستاں ہوا ہے

نہیں ہم جانتے اکسیر تیری خاک پا بس ہے
جو پہنچے پاؤں تک تیرے اسی کا نام پارس ہے

گر کہے وہ رات دن کو تو کہوں میں رات ہے
جھوٹ اس میں کچھ نہیں یہ دل ملے کی بات ہے

شب مہربانی تھی وہ اور صبح یہ کچھ جور ہے
کل ہوا کچھ اور تھی اور آج کی کچھ اور ہے

خوبیٔ اعجاز حسن یار اگر انشا کروں
بے تکلف صفحۂ کاغذ ید بیضا کروں

خرید کرنے پہ دل کے جو تم نے ناز کیا
تو جان لو اسے میں نے تو تمھیں نیاز کیا

اسی جہان میں رکھتے ہیں ہم جہان خدا
حباب دار ہے اپنا بھی آسمان جدا

کون سا رنج فلک ہم نے گوارا نہ کیا
شہرہ مجنوں کو دیا نام ہمارا نہ کیا

دل اس کی سیہ زلف کا مارا نہ جیے گا
افعی جو ڈسے گا، نہیں چارا، نہ جیے گا

وائے قسمت کہ پھنسے گوشۂ زندان میں آ
گل نے جب جوش کیا بزم گلستان میں آ

کچھ غم نہیں جو اپنا یارو دیار چھوٹا
مرنا ہے یہ کہ ہم سے اب کوئے یار چھوٹا

اتنی بیتابی سے تڑپا یہ دل زار کہ بس
زلزلہ جان کے ٹوٹے درو دیوار کہ بس

ہو گئے گھل کے سب اعضا مرے جسمانی ایک
اتنا رویا کہ ہوا ہائے لہو پانی ایک

کوئی دشمن سے بھی کرتا ہے اس اسلوب سلوک
دوستی کر کے غرض تم نے کیا خوب، سلوک

جب ہم رونے سے ہارتے ہیں
دیوار سے سر کو مارتے ہیں

ساقی مے دے کہ اہل مجلس
پانی پانی پکارتے ہیں

آگ لگ جائے کہیں اس دل شیدائی کو
روز سمجھائے کہاں تک کوئی سودائی کو

سحر کہتے ہو شب آؤں گا، شب وعدہ سحر کا ہے
سویرے جی چکے ہم، گر یہی امروز وفردا ہے

مجھ کو تجھ سے خدا جدا نہ کرے — تجھ سے میں ہوں جدا خدا نہ کرے

ہے غبار آلودہ یاں تک اشک اس غمناک کا — دست مژگاں میں سدا رہتا ہے پنجہ خاک کا

نہ تھا وابستہ میں تو زندگی میں جیب و داماں کا — مرے مرنے پہ کیوں ماتم زدوں نے اپنا منہ ڈھانکا

چمکے ہے رات بھر مرے سینہ میں دل کا داغ اب — ہاتھ لگا ہے مجھ کو بھی گوہر شب چراغ اب

جو کہتا ہوں میں اس کے عشق کی بات — تو بولے ہے کہ چھوٹا منہ بڑی بات

خوباں نے دھرا طاق پہ ایمان اٹھا کر — عاشق سے دعا کرتے ہیں قرآن اٹھا کر

برباد کیا خاک کو اس نے ہی مری آہ — جاتا تھا جو کل ناز سے دامان اٹھا کر

رباعی[1]

اس کو دم سفر نہ دیکھا تو کیا — رخصت میں نگاہ بھر نہ دیکھا تو کیا

دل میں خیال اس کا ظاہر میں اب — دیکھا تو کیا و گر نہ دیکھا تو کیا

حضور، بال مکند

بال مکند حضور قوم کھتری گجراتی، شاگرد خواجہ میر درد علیہ الرحمہ والغفران ازعلم نایکا بید و عربی وفارسی بہرہ وافی دارد[2] آدم مستثنا است حالا در لکھنؤ[3] قیام دارد ایں اشعار آبدار طرح کردۂ اوست۔

یہ جو چشم پُر آب ہیں دونو — ایک خانہ خراب ہیں دونو

یاں مجھ میں نہیں ہے جان باقی — واں اب بھی ہے امتحان باقی

بس اب نہ حضور کو ستاؤ — کیا اس میں ہے مہربان باقی

ہیں ترے رو وقد و چشم کے اب نار کئی — گل کئی سرو کئی نرگس بیمار کئی

واں رشتۂ محبت معشوق توڑتے ہیں[4] — یاں ٹکڑے ٹکڑے دل کے ہم بیٹھے جوڑتے ہیں

گالی تم نے غصہ[5] سے دی ہم چاہت کا دم سمجھے — بس اب چپکے رہیے[6] گا کچھ تم سمجھے کچھ ہم سمجھے

---

1 یہ رباعی 'ل' سے اضافہ۔ 2 اصل/ر خ: حاصل ایں کہ۔ 3 اصل/خ: است۔ 4 سرور: توڑ بیٹھے۔
5 قاسم: دی غصے سے۔ 6 سرور: ہور ہیے گا۔

حقیقت کچھ نہ پوچھو ہم سے روئے یار کے تل کی
کہ یہ ہندو بچہ ہے چاند پور کے گاؤں کا ملکی

اک نقد جاں سے عشق نہ رونق پذیر ہو
یہ کام جب چلے ہے جو گنج خطیر ہو

ستم گر یار نے مارا دکھا کر زیب تن مجھ کو
سنو اے ہم نشیں[1] تن زیب کا دیجو کفن مجھ کو

جہاں کہ مدنظر پاس آشنائی ہو
بجان مضایقہ کیجے تو بے وفائی ہو

حفیظ، محمد حفیظ

محمد حفیظ حفیظ[2] اصل او از خطۂ کشمیر و در حضرت دہلی تولدش رو نمودہ۔ سخن خود را بنظر فیض[3] مظہر حکیم ثناء اللہ خاں فراق و حکیم قدرت اللہ خاں قاسم گزرانیدہ۔ مرد خلیق و درست آشنا، صاحب علم سراسر حیا معلوم شد۔ بہ تصنیف مناقب و مرثیہ اکثر میل خاطر دارد۔ در مرثیہ خوانی کثرت[4] بہم رسانیدہ کہ اکثری را دریں فن[5] بشاگردی خود فیض[6] رسانیدہ۔ مثنوی حضرت مولانای روم قدس سرہ بہ درد و سوز بسیار خوب میخواند۔ ایں[7] ابیات از زادۂ طبع او مرقوم می گردد۔

جو نہیں آیا مجھ پہ وہ خنجر دودھارا کھینچ کر
آہ کا نیزہ اسے میں نے بھی مارا کھینچ کر

صورت اس کی دیکھ حیرت سے یہ پانی نے کہا
اس کے صدقے جس نے یہ نقشا اتارا کھینچ کر

خاک اڑاتے مت پھرو، بس آؤ، جانے دو حفیظ
کوچۂ دنیا سے بیٹھو اب کنارا کھینچ کر

سب کے نزدیک گو برا ہوں میں
یار کے پاس تو بھلا ہوں میں

روز و شب رہتی ہے ہم کو یادگاری آپ کی
آپ کو پروا نہیں یہ ہم نے خواری آپ کی

روبرو غیروں کے شکوہ کیا کریں[8] ہم آپ کا
ہو رہیں گی پھر کبھو باتیں ہماری آپ کی

دفعتاً اس بت کافر کو دلا رام کیا
بس[9] غضب تو نے کیا، سحر کیا، کام کیا

میں تو بدنام ہوا عشق میں، اللہ کرے
وہ بھی بدنام ہو جس نے مجھے بدنام کیا

محبت آہ کیا کیا رنگ عاشق کو دکھاتی ہے
اگر یکدم ہنساتی ہے تو پھر پہروں رلاتی ہے

---

1 سرور: ہمدمو۔ 2 سرور: حافظ محمد حفیظ۔ 3 ل: فیض اثر۔ 4 اصل/ق: کثرتِ کلّی۔ 5 اصل/ق: فن شریف۔ 6 اصل/ق: فیض یاب گردانیدہ۔ 7 اصل/ق: ایں ابیات رنگیں و اشعار متانت آگیں از زادۂ طبع او نگاشتہ: ل: ...... مرقوم قلم می کرد۔ 8 سرور: کروں میں۔ 9 سرور: کیا غضب۔

قطعہ

دفن کے روز مرے یوسف ثانی نے آ
نام پر پہلے مرے جیم الف لام کیا
پھر لگا قبر میری چھاتی سے رو رو یہ کہا
اے مرے عاشق غمخوار یہ کیا کام کیا
مجھ سوا یا تو تجھے کل ہی نہ تھی یا تنہا
آج یوں زیر زمیں آن کر آرام کیا
تجھ سے ہوتو کر علاج اب اے طبیب دردمند
ناتواں ہوں، خستہ جاں ہوں، عشق کا بیمار ہوں
وہ نہ آسکتا ہے یاں اور میں نہ جاسکتا ہوں واں
وہ ادھر ناچار ہے اور میں ادھر ناچار ہوں

حسنؔ، خواجہ حسن

خواجہ حسن متخلص بہ حسنؔ خلف[1] الرشید خواجہ ابراہیم، نبیرۂ حضرت خواجہ کماری[2] قدس سرہ، از پیرزادہ ہائے موودودیہ۔ مشرب صوفیانہ دارد و عالم و فاضل[3] و در علم موسیقی مہارت کلی بہم رسانده، چنانچہ اکثر تصانیف او مشہور است۔ از دہلی برخاستہ برفاقت نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر در لکھنو[4] بسیار معزز و مکرم مانده۔ حالا ہم آنجا باقتدار بسرمی برد و بسیاری اشخاص ساکنین آں دیار فرحت آثار را دست بیع خود ساختہ۔ حاصل ایں کہ از مغتنمات جہاں است۔

دل دلاسوں سے کرے ہے بے قراری بیشتر
ماتم خانہ میں ہو پُرسے سے زاری بیشتر
کب یہ کہتا ہوں کہ میری جان جانے سے رہے
پر کچھ ایسا ہو کہ ٹک جی تلملانے سے رہے
کس طرح سے زندگی ہوگی بھلا اے دوستو
اب تو قاصد بھی ادھر کے آنے جانے سے رہے
آہ کس کس بیوفائی کا میاں کیجے شمار
اورتو سب اک طرف منہ بھی دکھانے سے رہے
کون سا نقصان اس میں آپ کا ہوجائے گا
اس طرف ٹک مڑ کے دیکھو گے تو کیا ہوجائے گا
کہتے ہیں جسے ہجر کی شب سخت بلا ہے
یارب نہ دکھانا مجھے اس رات کی صورت
نہ روویں رات دن جوں شیشۂ مے کس طرح ساقی
کہ تیرے ہاتھ سے ہم غمزدوں کے دل میں چھالا ہے

---

1 اصل/ق: خلف الصدق۔ 2 سرور: کمہاری موودودی۔ 3 سرور: تصانیفش در جمیع علوم بسیار۔
4 سرور: از چندے در لکھنؤ محلہ رستم نگر رونق افزا است۔

جھٹک کے ہاتھ سے دامن خفا جو یار ہوا ‏ ‏ تو وہیں پیرہن صبر تار تار ہوا

تھا ارادہ وہ ادھر دیکھے تو ہم بھی دیکھیں ‏ ‏ دیکھنا بھول گئے ایسی دکھائیں آنکھیں

جان بخشی کو نہ آیا وہ دم نزع حسن ‏ ‏ اس نے اس وقت میں بھی مجھ سے چرائیں آنکھیں

وہ تو آئے تھے تماشے کو مرے نزع کے، پر ‏ ‏ میں نے اس وقت میں بھی ان کا نہ تماشا دیکھا

کیا جانوں کیا تجھے[1] یہ کسی نے پڑھادیا ‏ ‏ جو تو نے دل سے حرف محبت مٹادیا

جوں شمع اشک و آہ سراپا بنادیا ‏ ‏ اے عشق مجھ کو زور تماشا بنادیا[2]

بھولے سے بھی کبھو نہ کیا یاد اُن نے آہ ‏ ‏ یکبار ہم کو یاد سے ایسا بھلا دیا

وقت وداعِ یار دل بیقرار نے ‏ ‏ یہ آہ کی کہ عرش معلیٰ ہلا دیا

جوں نقش پا گلی میں ہوں اب اس کی پائمال ‏ ‏ میری ہوا نے خاک میں مجھ کو ملا دیا

محفل میں رات غیر کو احوال پر مرے ‏ ‏ اتنا ہنسایا تو نے کہ مجھ کو رلا دیا

حشمت، میر محتشم علی خاں

میر[3] محتشم علی خاں حشمت ساکن جہاں آباد[4] واصل وی بدخشاں[5]، مرد عمدہ روزگار، خوش کرداز عمدہ معاش۔ نیک تلاش بود شعر فارسی و ہندی بمتانت و فصاحت تمام میگفت مگر بہ نسبت ریختہ مصروفیت مزاج او بہ طرف فارسی گوئی بسیار راغب[6] ومتوجہ بود۔ سخن میر عبدالحی تاباں و دیگر شاگردان وقت را باصلاح خود رونق بخشیدہ، مردی قابل از اساتذۂ قدیم بود۔ سخن خوب سرانجام می داد۔

خط نے ترا حسن سب گنوایا ‏ ‏ یہ سبز قدم کہاں سے آیا

بہار آئی دوانے کی خبر لو ‏ ‏ اگر زنجیر کرنا ہے تو کرلو

ہم نے نجف میں جا کے کیا خوش مقام ہے ‏ ‏ کعبہ کو دور سے ہی ہمارا سلام ہے

---

1 سرور: ہے یہ کس نے۔ 2 سرور: دکھادیا۔ 3 سرور: میر محمد علی۔ 4 ل: شاہجہاں آباد۔ 5 اصل رخ: از آستانِ قدیم۔ 6 ل: رغبت داشت۔

حالؔی، میر محبّ علی

میر محبّ علی حالؔی در سرکار مرزا محمد تقی خاں بہادر امیر زادۂ مرشدآباد نوکراست و بامتیاز میگزراند۔ شعرش پُر کیفیت و بامزہ است، از گفتۂ خویش ہمیں یک بیت بایں مستمند بہم رسیدہ[1]۔
عوض میں بوسے کے دے ہے گالی سوال دیگر جواب دیگر یہ طرز تو نے نئی نکالی سوال دیگر جواب دیگر

حسرتؔ، ذوقی رام

ذوقی رام حسرتؔ شاعر مشاق فارسی از سکنہ[2] ہائے دہلی بود وفکر سخن بطور ایرانیاں می کردو، بمتانت تمام سرانجام می داد و براکثر سخنوران ہم عصر خود فوقیت داشت۔ علاوہ آں جوہر اخلاق وصلاحیت اشفاق از ناصیۂ حالش متبیں بود گاہگاہی بریختہ گوئی ہم توجہ می گماشت۔

غرق ہوتی نظر آتی ہے مجھے کشتی نوح چشم گریاں نے مری گریۂ طوفان کیا
ہوشیاری میں جو آرام نہ پایا ہم نے جان بوجھ آپ کو دیوانا بنایا ہم نے
کھال کھینچے کوئی یا دیوے چڑھا سولی پر جیتے جی عشق سے کب ہاتھ اٹھایا ہم نے
دیکھ تلوار کھنچی ہاتھ میں اس کے حسرتؔ ہو کے راضی برضا سر کو جھکایا ہم نے
آنکھ تو رو کے چھوٹ جاتی ہے دل بچارے پہ آفت آتی ہے
شمع کے طور آتش الفت سر سے لے پاؤں تک جلاتی ہے
درد دل کس سے میں کروں اظہار سن سکے کون، کس کی چھاتی ہے
دن تو گذرا پہاڑ سا جوں توں دیکھیے رات کیسی آتی ہے
غیر کے پاس روز جاتے ہو اپنے حسرتؔ سے عار آتی ہے

حیرانؔ، حافظ بقاء اللہ

حافظ بقاء اللہ حیرانؔ از دہلی، خلف حافظ ابراہیم خان، خوش نویس درسلک امتیاز باں مرشد

---

1 ل: رسید۔ 2 اصل/ ق از مہاجنانِ حضرتِ دہلی۔

زادۂ آفاق انتظام دارد مرد باوقار پُر حیا نیک خصلت ستودہ سیرت واقع شدہ۔ خط نسخ و نستعلیق بسیار درست و مضبوط می نویسد۔ ایں اشعار دلنشیں از زبان فصیح آں برآمدہ۔

کہدو مرے مزار پہ کوئی نہ لائے گل — چھاتی پہ میری داغ ہے کافی بجائے گل

ہوں میں دیوانہ اثر کے نالۂ شب گیر کا — پھر کیا قیدی مجھے اس زلف کی زنجیر کا

جاں بلب ہوں جی چلا جاتا ہے، غش طاری ہے آہ — جلد آ ظالم نہیں ہے وقت اب تاخیر کا

حیراںؔ کو بعد مرگ تکلف نہیں ضرور — اک مشت استخواں ہے کہیں لے کے داب دو

حسنؔ، مرزا محمد حسن

مرزا امد حسن متخلص بہ حسنؔ خلف والا قدر نواب سیف الدولہ سید رضی خاں بہادر دام ظلہ۔ انسان[1] بامروت و صاحب سخاوت و خوش خلق[2] و اہل تفرس و فہمیدہ[3] است۔ اکثر اوقات بتلاش سخن[4] می پردازد۔ شعرش خالی از تلاش نیست، ایں دو ابیات از تالیف شریف آن نیک ذات ستودہ صفات بعاصی پُر معاصی ذکاؔ بہم رسیدہ۔

ہے بھبھوکا یا دھواں یا ہے وہ آفت، کیا کہوں — شعلہ کی سی گرمیاں شوخی شرارت کیا کہوں

دل کو دے اس زلف کے پھندے میں ہم نے اے حسنؔ — جس قدر ناحق یہ کھینچی ہے ندامت کیا کہوں

حسینیؔ، حکیم میر حسینی

حکیم میر حسینی حسینیؔ باشندۂ دہلی از مریدان جناب مخدومی حضرت مولوی محمد فخر الدین علیہ الرحمہ[5] در نستعلیق و نسخ[6] نویسی و شفیعائی دسترس کلی دارد، و در موسیقی ہم مہارتی پیدا کردہ و بشاگردی میاں نور خاں نور رنگ کلاونت تندہی نمودہ از علوم عربیہ بہرہ ور و متمتع۔ و اوقات شبانہ روزۂ بیاد ایزد پاک بسر می[7] برد، و از حرکات[8] جوانی متنبہ گشتہ خلق و مروت شعار خود ساختہ، ورای آن انسان

---

1 ل: ''انسان'' تا ''فہمیدہ است'' ندارد۔ 2 اصل/خ: یارباش۔ 3 اصل/خ: سنجیدہ۔ 4 اصل/ق: سخن گوئی۔ 5 اصل/ق: قدسرۃ؛ 'ل' میں ہر دو ندارد۔ 6 اصل: نسق۔ 7 اصل/ق: می یابد۔ 8 اصل /ق: ازحرکاتے کہ در ایام شباب از وے بوقوع انجامیدہ بود بالکل متنبہ گردیدہ۔ سوائے ازیں انسان صاحب خلق۔

صداقت طبع، یار باش وارسنہ وضع دریافت شد۔ بہر کیف از جملہ مغتنمات باید شمرد[1] در فارسی گوئی فکر خوش دارد، گاہگاہی بہ تالیف ریختہ ہم مصروف می شود، از ندرت بیانی او، رباعی کہ دست داد مرقوم[2] گشت۔

بدنامی عشق جان تلک پہنچ گئی جوں کارد کہ استخواں تلک پہنچ گئی
یہ[3] بات تو کچھ بات نہیں تھی اتنی پر کیا کہیے کہاں تلک پہنچ گئی

حقیقت، میر شاہ حسین

میر شاہ حسین حقیقت در لکھنؤ است از شاگردان قلندر بخش جرات، اصلش بلخ و مولد او بریلی حالا بمعلمی بسر می برد از فحوای کلامش معلوم می شود کہ خیلی خوش فکر و موزوں طبع واقع شدہ۔

دلا اب دونوں کل کاٹیں گے اوقات آہ وزاری میں ہوئے بیمار سے ہم بھی تیری تیمارداری میں
برنگ موج دریا اضطراب دل کے مارے اب چلے جاتے ہیں کیا جانے کدھر ہم بیقراری میں
دوبارہ گر یہ ہو تو قطع کیجو ہاتھ اب بخشو بلائیں میں نے لی ہیں آپ کی بے اختیاری میں

قطعہ

خدا شاہد ہے حسرت[4] اور کچھ دل میں ہو گر میرے مگر ارمان ہے تو بس یہی ہے دم شماری میں
کہ اس دم آوے وہ اور دے زباں یاری تو یوں[5] کہیے کہ لو دیکھو نتیجہ یہ ملا صاحب کی یاری میں
حقیقت اب بقول حضرت[6] استاد کیا کہیے کہ ہم[7] سب کچھ بھلا بیٹھے کسی کی یادگاری میں
ہجر میں کیوں نہ کروں یاد ملاقات اس کی کہ بہلتا ہے ذرا ہجر کی تقریر سے دل
نہ خفا ہو جو تک رہوں پیارے کہ نہیں اختیار میں آنکھیں

---

1 ل: در فارسی مشغول گاہ گاہے۔ 2 اصل/ق: نگاشتہ؛ ل: مرقوم شد۔ 3 سرور: یہ بات تو کچھ بات نہیں تھی اتنی = پر کیا کہیے کہاں تلک پہنچ گئی۔ 4 سرور: دل میں اور کچھ حسرت ہو گر میرے۔ 5 سرور: یہ۔ 6 سرور: جراتِ استاد۔ 7 سرور: کہ سب کچھ ہم۔

رباعی

اک طور پر اپنے یہ زمانا نہ رہا آنا ان کا ہمارا جانا نہ رہا
جا بیٹھتے تھے جہاں ہم اور وے کوئی دم افسوس کہ وہ بھی اب ٹھکانا نہ رہا

حیفؔ، میر چراغ علی

میر چراغ علی حیفؔ ساکن لکھنؤ متوطن جون پور از تلامذۂ میر شیر علی افسوس، شعرش پُر کیفیت است۔

یہ دل فراق کے صدموں سے آہ مر نہ گیا ترے مریض کا اے یار درد سر نہ گیا
ملنے بھی نہ پائے اس جواں سے حسرت زدہ ہم چلے جہاں سے
ہے دور شراب لیک ساقی ڈرتا ہوں میں دور آسماں سے
گو آپ نہ آیئے ولیکن اقرار تو کیجیے زباں سے
رستے میں تھکا ہوا پڑا ہے اک شخص تمھارے ہمرہاں سے
کیا پوچھے ہے حیفؔ کی حقیقت ناشاد گیا وہ اس جہاں سے
وہ مہر جہاں تاب اگر بام پہ آوے تابندگیٔ نیّر اعظم نظر آوے
کہتا ہے اسے بال کوئی کوئی رگِ گل کچھ میں بھی کہوں تیری نظر گر کمر آوے

حجامؔ، عنایت اللہ کلو

عنایت اللہ عرف کلو حجامؔ تخلص پسر شخصی حجام بود، ساکن دارالسرور سہارنپور و بیشتر بجناب فیض مآب مولانا ی فخر الدین قدس سرہ بسبب اینکہ دست بیعت بدست ایزد پرست جناب آنہا داشت، در دہلی حاضری ماند۔ اکثر اوقات بخواندگی[1] مثنوی مولانا ی روم وجدمی نمود۔ پیشۂ اصلاح تراشی میکرد و دریں کاردستی داشت و اصلاح از مرزا رفیع سودا میگرفت شعرش ناخن

---

[1] ل: بخواندن: اصل/ق: خواندہ۔

بدل می زند۔

زخم تن کشتۂ نیرنگ سے — خون بھی ٹپکے ہے کئی رنگ سے

روز رخسار کے لیتا ہے مزے خوباں کے — بہتر اس سے کوئی حجام ہنر کیا ہوگا

ہردم نظر آتے ہیں نئے یار تمھارے — ہم جی چکے گر ہیں یہی اطوار تمھارے

ہے جی میں تمنا کہ ان آنکھوں سے یہ پوچھوں — بچتے نہیں کس واسطے بیمار تمھارے

اس کاوش مژگاں کا گلہ ہم سے عبث ہے — اے آنکھوں یہ بوئے ہوئے ہیں خار تمھارے

اس شوخ کے کوچے میں نہ جایا کرو حجام — چھن جائیں گے اک دن کہیں ہتھیار تمھارے

یہ چرخ چڑھائے ہوئے کیا جانیے حجام — مریخ کو کس نے دیے ہتھیار فلک پر

جینا نظر اپنا تو ستمگر نہیں آتا — بن وصل ترے، سو یہ میسر نہیں آتا

حجام دل کی تیرے سب آرزو برآوے — چہرہ پہ اس کے خالق گر خط شباب لایا

اس کو عالم سے ربط و پیار رہا — ایک مجھ سے ہی ننگ و عار رہا

اب کیا ہی وہ مکان لگے ہے اداس سا — تھی جس جگہ کبھو ترے بیمار کی نشست

دوکاندار ہوگئی حجام ساری خلق — پکڑی ہے اُن نے جب سے[1] کہ بازار کی نشست

قسمت کہ نہ ہو وعدۂ اغیار فراموش — ملنے کا مرے ہو تجھے اقرار فراموش

آج کل کے خوبرو دیکھا تو ہیں یہ سکھ بچے — ان تلک حجام ہی پہنچے نہ یہ حجام تک

دیکھ عاشق کی ترے رسوائیاں — عشق کی یاروں نے قسمیں کھائیاں

ادہم نے چھوڑا یارو یہ تخت دل کے ہاتھوں — میں بھی ہوا ہوں عاجز کم بخت دل کے ہاتھوں

دل پہ ہے نقش اپنے اے حجام — یاد کب اس کا خط و خال نہیں

رقیبوں پر میاں پڑتا ہے تب سو سو گھڑے پانی — بلا حجام کو جس روز تم حمام کرتے ہو

ہے ہم کو یہی سوچ کہ اس بزم میں آکر — جو اٹھ گئے کیا کر گئے کیا ہم نے کیا بیٹھ

مثال ناقۂ لیلیٰ کی ٹک دوگام غلط — خدا کرے کہ ادھر کو ترا سمند کرے

حجام ترے اس رونے سے وہ شوخ کوئی رو دیتا ہے — ہو آئینہ سے سراب ابھی جو اس کی آنکھیں ہم سمجھے

1۔ ل: جب سے ان نے۔

قطعہ

حجّام پڑا سخت حیا ناک سے پالا کچھ اور تو کیا بات جو وہ منہ سے نکالے
لگ چلیے جو اس شوخ سے رستے میں تو اے وائے جھنجھلا کے یہ کہتا ہے کہ چل دور رزالے
ہے یہ زخم عشق اے حجّام کب اچھا ہوا واسطے اس کے عبث ہم ڈھونڈنے مرہم گئے

حبّ، میر احمد علی

میر احمد علی حبّ جوانی سعادت نشان از قاضی زادہ ہائے قصبہ فرید آباد شنیدہ می آید۔ گویند بتحصیل علوم متداولہ مصروفیت دارد۔ وجہ معیشت بحاصل مشاہدہ وغیرہ کہ از سرکار راجہ بہادر سنگھ بہادر مقرر است میگزراند[1] بیشتر اوقات سخن طراز یہابکار میبرد، بہرحال بہتر می گوید۔ از وست:

توالٹ دے جو ابھی روئے حسیں کا پردا اٹھ گیا خلق کہے خلد بریں کا پردا
کشتۂ ناز و ادا ہم تو ہیں اک مدت سے ہم سے بل کھاتے ہیں کیوں کاکل بل دار عبث
یارو ہماری عقل بجا کچھ نہیں ہے آج ہوش اب کہیں، حواس کہیں، دل کہیں ہے آج
آنکھوں سے اشک گرتے ہیں یاقوت وار سرخ دیکھے ہیں میں[2] نے جب سے لب لعل یار سرخ
اغیار سے لڑاؤ بیٹھے تم آنکھ اچھا جاتا ہوں خیر دیکھوں میں یہ عذاب کیوں کر
عاشق کی دیکھ تربت اک درد سے وہ بولا حیرت ہے ہاں یہ مجھ بن کرتا ہے خواب کیوں کر
لہو رونے لگے دل کے لگاتے ہی ابھی کیا ہے مزا تو آگے آگے دیدۂ خوں بار دیکھیں گے
دل ہوا تن سے جدا، جان ہوئی دل سے جدا یار جس وقت ہوئی تجھ سے جدائی مجھ کو
چھا گیا رات اندھیرا سا نظر کے آگے یاد وہ زلف سیہ فام جو آئی مجھ کو
جیتے جی بار خدا یار ہے بیماری عشق تادم مرگ نہ ہو اس سے رہائی مجھ کو
اشک گلگلوں سے ہوا تختہ دامن رنگیں یاد آئی جو تری سرخ رضائی مجھ کو
اک خرابہ سی نظر آئے ہے واللہ یہاں حبّ احمد کے سوا ساری خدائی مجھ کو

---

1 ل: می گزارد۔ 2 ل: جب سے میں نے۔

حسنؔ، حافظ ابوالحسن

حافظ[1] ابوالحسن حسنؔ تخلص خلف مولوی الٰہی بخش نشاط، انسان پاکیزہ وضع، عالی طبع، ساکن کاندھلہ فی الجملہ مناسبت سخن گوئی دارد۔ شعرش خالی از تلاش نیست۔

ہوگئی مثل گل شاداب دل کی وا کلی
لگ گئی چھاتی سے میری کس کی شب چمپا کلی

رنگ و بو کا کس کے ہے سودا چمن میں اے حسن
زر لیے مٹھی میں ہوتی ہے جو ہے پیدا کلی

تنگ ایک آن میں بس جان سے آئی بیڑی
میری صحبت سے لگی دینے دہائی بیڑی

جلد و بادیۂ عشق کی بل بے گرمی
آن میں قطرہ سیماب بنائی بیڑی

حلقۂ حسن کو دی تاب پری رونے حسن
اپنے مجنوں کے لیے خوب بنائی بیڑی

گھبرا کے جو بیتابی سے میں سانس بھرا سرد
ٹھٹرا کے کہا برف نے ہے کیا یہ بلا سرد

رکھ ہاتھ مری نبض پہ بولا یہ طبیب آہ
کیا باتوں ہی باتوں میں یہ بیمار ہوا سرد

شب جو بے ہوشی میں اس پر ہاتھ میرا پڑ گیا
شہر میں اس بات کا کچھ اور چرچا پڑ گیا

دل پھنس گیا ایسے تند خو سے
الفت نہیں ہے جسے کسو سے

ہزاروں کوس عنقا سے پرے وہ دور منزل ہے
نہ رکھ بھائی قدم اس میں محبت سخت مشکل ہے

قدمبوسی کو تیری سرو آیا سر کے بل لیکن
کرے کیا وہ بھی عاجز ہے کہ اس کا پانو در گل ہے

حزیںؔ، مرزا خجستہ بخت

مرزا خجستہ بخت بہادر متخلص بہ حزیںؔ شاہزادہ، والا جاہ، حاتم دل، بلند نگاہ، قدردان سخن وراں، کرم بخش فیض رساں، گاہ گاہی بر سبیل مذکور از زبان مبارک ریختہ ارشاد می فرمایند، ایں گوہر اشعار از طبع دریا بار آن بحر فتوت وسخا بہ ایں حقیر سراپا تقصیر ذکاؔ بہم رسید۔

کروں کیا وصف میں اس شعلہ رو کے قد و قامت کا
بھبھوکا ہے دھواں ہے اور وہ ٹکڑا ہے قیامت کا

چھپا مکھڑے کو میرے شوق کی آتش کو بھڑکایا
کروں کیا میں بیاں اس شوخ کی اپنی شرارت کا

1۔ ل سے اضافہ۔

ہر اک بال اس کی زلفوں کا ترا دشمن ہوا ہے اب
سزا ہے اے دل محزوں، مزا ہے یہ محبت کا
کسو کی چشم کی گردش سے میں گردش میں ہوں ہر دم
یہ باعث ہے سنو بادہ کشاں میری کلالت کا
حزیں کو ذبح کر تو شوق سے قاتل، یہ راضی ہے
نہ لے پر اپنے منہ سے ہر گھڑی تو نام رخصت کا

حکیمؔ، محمد پناہ خاں

حکیم محمد پناہ خاں حکیمؔ از دہلی است، اول نثار تخلص میکرد و بعد چندی کہ تحصیل علم طبابت اختیار نمود حکیمؔ تخلص کرد، انسان بامزہ و بخوبی اوصاف[1] موصوف است در علم موسیقی و تواریخ ہم دسترس دارد۔ سخن[2] او را خواجہ میر دردؔ رحمۃ اللہ اصلاح فرمودہ۔ ایں اشعار درد آمیز و شور انگیز از فرمودۂ اوست۔

پوچھتے کیا ہو حکیمؔ جگر افگار کا گھر
ایک تکیہ سا ہے اس شوخ کی دیوار کے پاس
واشُد سے جو گویا ہے یہ وہ غنچہ دہن تھا
گل جھڑتے تھے ہر بات پہ یہ لطف سخن تھا
تیرے لیے خلق در بدر ہے
اے خانہ خراب تو کدھر ہے
کہتے ہیں حکیمؔ آیا بت خانہ سے مسجد میں
ہم کو تو تعجب ہے وہ گبر مسلماں ہو
جمعیت عالم ہے رہنے میں گندھا[3] اس کے
آفت ہے اگر یارو وہ زلف پریشاں ہو
جی ہی جانے کی یہ علامت ہے
دل کا لگنا نہیں قیامت ہے
آنکھوں سے لخت دل یوں آنسو نکالتا ہے
مردے کو کس طرح سے پانی اچھالتا ہے
نہ ہم ہی غم سے جل اس شمع رو کے خاک ہوئے
اجل رسیدہ ہزاروں یہیں ہلاک ہوئے
شیشہ[4] و ساغر و ساقی کے مرے بیٹھے ہیں
آپ ہم دیدہ و دل خون سے بھرے بیٹھے ہیں
ہم ہی صنم کے غم میں نہ ایمان سے گئے
کتنے ہی بندگان خدا جان سے گئے
ہم دل و جان سے خریدار ہیں کن کے؟ ان کے
باعث گرمی بازار ہیں کن کے؟ ان کے
آپ اگر ہات لیے تیر و کماں بیٹھے ہیں
ہم بھی ہوویں گے ہدف بادل و جاں بیٹھے ہیں

1۔ ل: اوصافِ چند۔ 2۔ ل: سخنِ او را امیر درد اصلاح فرمودہ۔ 3۔ ل: جُدا۔ 4۔ یہ پانچ شعر "ل" سے اضافہ۔

کیوں چونکتے، ایسے بھی ہم بے ادب نہیں
مرضی بغیر ہات لگاویں، یہ ڈھب نہیں

سر دیوار سے نہ جھانکو مجھ کو جھک جھک کے
نہ آجاوے رگڑ کوئی کہیں اندام نازک میں

کوٹھے سے اتر کر تم ہم پاس کب آتے ہو
تاروں کی طرح آنکھیں دوری سے ملاتے ہو

حمزہ، شیخ حمزہ علی

شیخ حمزہ علی حمزہ، شخص معلم ساکن قصبہ اٹاوہ صاحب خلق یار باش نیک سیرت ستودہ قماش ایں اشعارش بمن رسید۔

نہ ہوتا میں کبھو پابند تیری کاکل کا
جو جانتا کہ تو گل ہے ہزار بلبل کا

ہے نہ نرگس ہی ترے عشق میں یرقان کے بیچ
گل بھی دیکھا تو وہ ہے چاک گریبان کے بیچ

پان کھاوے ہے تو جھلکے ہے گلے سے یوں رنگ
مے سے جوں سرخی کی شیشے میں نمایاں ہو جھلک

سو طپنچوں کی کرے جھلکنی دل پر جس وقت
چشم کے پیالہ میں سبزے سے ملادے رنجک

حیدر، میر حیدر علی

میر حیدر علی از دہلی است دریں ایام بحسب اتفاق آبخور دور فرخ آباد وارد شدہ بہ پیشۂ سپاہ گری بسر می برد، خیلی نیک طبع، ستودہ وضع دریافت شد۔ گاہ گاہی اشعار متفرقہ برروی کار آرد، از وست۔

تسخیر کو عالم کی نیا طور نکالا
کیا طوق محبت ہے ترے کان کا بالا

ستمگر کی جفا سے دل مرا جاتا ہے اب دہلا
الٰہی شرم تو رکھیو کہ میرا عشق ہے پہلا

حیدر، میر حیدر علی خاں

میر حیدر علی خاں حیدر مولد او دارالسلطنت لاہور و حالا با عیال واطفال در بلدۂ پیشاور سکونت دارد و چوں از اولاد حضرت محبوب سبحانی است باشندگان[1] آن دیار ارادت وعقیدت

---

[1] اصل/ق: نیز ل میں: اکثر باشندگان۔

بخدمت آں بزرگ بیشتر دارند، مردی جہاندیدہ ودانائے زمانہ کہ برفع کدورت وملال خاطر یگانہ[1] وبیگانہ پرواز عدیل اوکمتر برخاستہ از جملہ مغتنمات است۔ اشعار گرمش بسیار خوب وسراپا مرغوب است وودر شاعری اواستادی ومشاقی معلوم می شود۔

بے وجہ نہیں حسن دل افروز بتاں کا
دیکھا تو یہ مظہر ہے خداوند جہاں کا

یہ رتبہ رفتہ رفتہ عشق نے پہنچادیا اپنا
کہ رونے پر مرے ہنستا ہے اب چاک اس گریباں کا

ارادہ ہے بیڈھب کچھ اس چشم تر کا
خدا حافظ آج اپنے دیوار و در کا

کس کو یہ غم سناؤں تحریر کے ہے قابل
احوال اپنا کیا ہے دیوان ہے حزیں کا

لے سنگ وخشت مجھ پر ہر خاص وعام نکلا
بارے جنوں کی دولت اپنا بھی کام نکلا

کیونکر رہے نہ حیدؔر لیل و نہار سودا
اپنی تو وہ مثل ہے یکسر ہزار سودا

ملیں اس سے تو وہ ناخوش، نہ ملتے تو ہے جی جاتا
یہ کیسی بن گئی حیدر کہ اب کچھ بن نہیں آتا

کچھ فکر اور بھی کرو اس درد مند کا
اب وقت جاچکا ہے نصیحت کا، پند کا

مطلع ثانی

بے وجہ تو نہیں یہ تڑپنا سپند کا
شاید کہ دل ہے یہ بھی کس درد مند کا

یاں تک تو رشک ہے کہ گوارا نہیں مجھے
محرم ہے بند بھی جو ترے سینہ بند کا

دیکھ کر حالت مری کیا یار کیا اغیار سب
سر لگے اپنا ہلانے جا پس دیوار سب

آہ لب پَر ہاتھ دل پَر ڈبڈبائی آنکھ ہائے
عشق اب چھپتا ہے کب ظاہر ہوئے آثار سب

وصل کی شب ہر طرف بانگ نماز صبح تھی
آج وے شاید موذن مر گئے یکبار سب

زلف مشکیں کھول کر آیا جو وہ بازار میں
بند کر اپنی دکانیں اٹھ گئے عطار سب

دل سلامت رہے پھر ہم کو ہیں دلدار بہت
جب ہوئی جنس بکاؤ تو خریدار بہت

حیدؔر اپنا ہی بڑا بول کچھ آگے آیا
تھا جو خوباں کی ملاقات سے انکار بہت

خواب شب غم میں ترے اے مہ بے مہر کہاں
چشم انجم کی طرح دیدۂ بیدار ہیں ہم

1۔ اصل/ق: ہر خویش وبیگانہ۔

مشرب ہم اپنا کیا کہیں، مست الست ہیں
بندے تو ہیں خدا کے پہ صورت پرست ہیں

عشق کی دوکان میں حیدؔر عقل ودانائی کہاں
جنس بے صبری ہے یاں ظالم شکیبائی کہاں

اوکھلی میں سر دیا دھمکوں سے پھر ڈرنا ہے کیا
دل دیا عاشق ہوئے اب پاس رسوائی کہاں

ذوق مے نوشی کسے جب سے ہوں سرشار جنوں
دشت پیمائی ہے اب تو بادہ پیمائی کہاں

جھولیاں خالی کرو پتھر سے اے اطفال شہر
پاؤ گے تم اور کوئی مجھ سا سودائی کہاں

کس طرح حیدؔر نکالوں جی کے میں ارمان آہ
اس سے صحبت ہے میسر لیک تنہائی کہاں

حیراؔن، میر حیدر علی

میر حیدر علی حیراؔن متولد دار الخلافہ[1] مدتی در رسالۂ راجہ بکٹ رای بہادر در لکھنؤ بسپاہی گری بسر برد بعد آں در خیر آباد مسکن گزید در ضلع بہار راجہ دلیپ سنگھ باشتباہ نمک حرامی اورا بجان کشتن می خواست۔ از دست راجہ موصوف زخمی کاری خوردہ بجرات وتنومندی اورا قتل کردہ خود ہم بکار آمد۔ قوت شاعری بسیاری داشت، کلام مربوط ونمکین بحسب محاورۂ استادان حال می گفت۔ اشعار[2] دردمندانہ بتلاش کامل طرح می داد۔

آ دیکھ قد موزوں اس میرزا منش کا
یا تو دکھادے قمری کوئی سرور اس روش کا

تجھ بن اب تو غم سے فرصت ایک ذرا بیہات نہیں
دامن سے منہ ڈھانکے رہنا رونا پہروں بات نہیں

بکمال حسن جو عید کو سر راہ وہ نظر آ گئے
ہوئے ہم یہ خوش کہ گلے ملیں سو وہ آنکھ بھی نہ ملا گئے

قطعہ

میں نے حیراؔن کو جو دیکھا روتے
بن گئی دو گھنے کی گھات مری

ان کی خدمت میں ادب سے میں نے
عرض کی، ''دیکھی کرامات مری''

میں نہ کہتا تھا کہ دل آپ نہ دیں
بندگی قبلۂ حاجات مری

کیا اک خلق کو ان ابرووں نے قتل اے بے خبراں
کہاں جاتا ہے واں تر دار پر تلوار پڑتی ہے

1 اصل/ق: ساکنین لکھنؤ۔ 2 اصل/ق: سخن دردمندانہ۔

آنے جانے کا وہاں دن کو ہے نے رات کو ڈھب　　دیکھیے کیسے بنے آن نئی بات کا ڈھب

قطعہ

جب کہا میں نے مرے گھر چلیے　　اس میں کچھ کم نہ ہوگی محبوبی
سن کے تیوری بدل کے کہنے لگے　　راہ و رسم ادب تو سب ڈوبی
مجھ سے کہتا ہے میرے گھر چلیے　　دیکھ لو اختلاط کی خوبی
بزیر ناف اس کے کیا کہوں میں　　کٹاری مار مرنے کی جگہ ہے
دم نکلتا ہے اب کوئی دم میں　　بیٹھ جا کچھ نہیں رہا ہم میں

حافظ، حافظ محمد اشرف

حافظ محمد اشرف حافظ از سکنۂ دہلی مردی درویش وضع سلیم الطبع متصف بہ زہد وتصوف است۔ درعلم موسیقی ہم مہارتی دارد گاہ گاہی بتالیف کلام دلآویز پر دازد۔

حافظ اب دل کو محبت سے بتوں کی تو اٹھا　　دین و دنیا میں کوئی غیر از خدا والی نہیں

حیا، حافظ محمد حیات

حافظ محمد حیات حیا والد بزرگوارش مغل زاو والدۂ ماجدۂ او سید رضوی صحیح النسب جد بزرگوار وی ہژدہ پسر داشت کہ ہریک از ان مردمیدان شجاعت بود۔ یکی از بزرگانش کہ افراسیاب خطاب داشت درعہد حضرت فردوس آرام گاہ بمنصب شش ہزاری معزز بود و بہ ترفیۂ حال وتمکنت می گزرانید این شخص مردی درویش نہاد پاکیزہ بنیاد واقع شدہ بحلیۂ صلاح وتقویٰ وحسن صورت و سیرت آراستہ وپیراستہ ونہایت مؤدب ومتواضع وخلیق وبمشرب علیہ قادریہ درجۂ غلو داشت مکرر بزیارت حرمین شریفین رسیدہ بشوق مجاورت روضۂ طیبہ مقیم ومسکنِ گردید آخر الامر بہمان مکان جنت نشاں سفر ناگزیرش درپیش آمد وہماں جا مدفن یافتہ بتمنائی دلی خود در پیوست خداش رحمت گرداند۔ بعض از اشعار متفرقہ او کہ داشت این است۔

حیا کی تلخ کامی کا یہ قصہ　　مفصل جا کہو شیریں سخن سے
کفش زردوزی، حنائی پاؤں کی آوے جو ہاتھ　　سر پہ جیغہ کر رکھوں یکبار ہونی ہو سو ہو

حیرتؔ، غلام محی الدین خاں

غلام محی الدین خاں حیرتؔ نبیسۂ نواب معین الملک میر منّوں خلف الصدق نواب وزیر الممالک اعتماد الدولہ قمر الدین خاں بہادر از چندی بضلع کالپی رونق افروز است بہرہ وزبان سخن سازی ہادار دو بسیار پُرعزت وصاحب مروت وشناسامی جوہر انسان وقدر شناس سخنوران واقع شدہ برخی از اشعار دلآویزش کہ بعاصی پُرمعاصی ذکاؔ دست داد بہ تحریر آں کلک نیاز سلک را فرسودہ گردانید۔

اولِ عشق ہے اور تازہ بہار آئی ہے　　اب مرا ہاتھ ہے اور دامنِ رسوائی ہے
یہ ستم دیکھوں کن آنکھوں سے میں اے غیرتِ عشق　　ایک عالم اسی کوچہ کا تماشائی ہے
میں ڈھونڈا جو سینے میں دل اس کے بدلے　　کئی اس کے تیروں کے پیکان نکلے

حمایتؔ

حمایتؔ تخلص ساکن بلدۂ حیدرآباد قصیدہ وغزلیات ومخمس ورباعی ہمہ خوب می گوید درآں ضلع علم استادی می افراز دمگر طبع نقاوش بیشتر بہ قصیدہ گوئی مصروف ومتوجہ است بعض از قصاید کہ بایں کمترین بہم رسید ازاں دو بیت بطور انتخاب برنگاشتہ۔

آج کے دن جو کھلا باغ مسرت کا در　　دیکھتا کیا ہوں کہ ہے حسن چمن پر یکسر
اس طرف نعرہ کناں سرو پہ قمری ہے وہاں　　اس طرف بلبل شیدا ہے تصدق گل پر

حسنؔ

حسنؔ [1] شاعرے است معروف ومشہور، ایں ابیاتش بمن رسید۔

جس جاگہ نہ بندھتی تھی کبھی بات کی صورت　　ٹھہری ہے پھر اس گھر میں ملاقات کی صورت

---

1. اصل/خ: بہرحال خوش گفتہ۔

کہتے ہیں جسے ہجر کی شب، سخت بلا ہے یارب نہ دکھانا مجھے اس رات کی صورت

حیدر، مرزا حیدر بیگ

مرزا حیدر بیگ حیدر در الہ آباد قیام دارد۔ ایں مطلع او راست [1]۔

ہے کدھر کو تو اے مسیحا دم یاد آتا ہے وہ ترا عالم

حیرت، میر مراد علی

میر مراد علی حیرت وی شخصی سخن گو ساکن شہر مراد آباد است، بہر حال فکر درست دارد۔ ایں ابیات او بمن رسیدہ

سب قافلے یاروں کے آ کے کہیں ٹھہرے ہیں آواز جرس کم ہے یا ہم سبھی بہرے ہیں
نظر آیا نہ جہاں نقش برآب آخر کار تاج سر پر ہے گرا مثل حباب آخر کار
سادہ رویوں کی ولا مہر و محبت پہ نہ پھول منہ پہ دیویں گے تجھے صاف جواب آخر کار

حبیب

حبیب تخلص شاعری قدیم بحسب رویۂ آن وقت بسخن طرازی می پرداخت شخصی کہ زبانی مصنف شنیدہ ایں شعر را بہ بیاض شعر خود [2] نوشتہ نگاہداشتہ بود از ہماں بیاض ایں بندہ راقم [3] نقل کردہ و برنگاشتہ۔

گل بدن پھول کی مت توڑ لے ڈالی آری دیکھ ابھی شور کریں بلبل و مالی آرے

حسین، علی خاں

حسین علی خاں، ساکن مرزاپور بسیار طباع و عالی ذہن و صاحب تلاش و معنی یاب است۔ ایں اشعار از و بصفحۂ در آوردہ می شود۔

رات بھر مجھ کو خیال عارض جانانہ تھا آفتاب روز محشر یاں چراغِ خانہ تھا

---

1 ل: از و۔ 2 اصل/خ: کہ اشعارِ دیگر سخنوران ہم مندرج بود۔ 3 اصل/ق: می طراز د۔

اوس نگہ سے ہم کو صیادِ قضا لایا ہے یاں
جس جگہ یہ چرخ اخضر سبزۂ بیگانہ تھا

ہو گئے آخر شراب عشق کو پیتے ہی ہم
ساغر اس کا شاید اپنی عمر کا پیمانہ تھا

کل الجھتا تھا تری زلفوں سے جو وہ یار بار
استخوان عاشق شیدا کا شاید شانہ تھا

عمر بھر کہتا رہا لیکن نہ وہ آخر ہوا
آہ اس کے درد و غم کا کیا دراز افسانہ تھا

جب تلک پہنچے ہی پہنچے ساقی پیماں شکن
آہ اپنی عمر کا لبریز یاں پیمانہ تھا

رات نیند آئی نہ مجھ کو سوز دل سے اے حسینؔ
کوئی شاید بالش پر میں پر پروانہ تھا

اس میں نکلا تھا پھنسے گا زلف میں آخر یہ دل
شانہ میں سے ایک دن ہم نے دکھایا شانہ تھا

درس وحشت تھا بیاض چشم آہو سے مجھے
گوشۂ صحرا مجھے طفلی میں مکتب خانہ تھا

بسکہ ورد آٹھوں پہر نام اس مہ تاباں کا ہے
بن گیا آخر مری تسبیح کا پروانہ تھا

تھا اثر مرگ شب فرقت میں یاں سامانِ عیش
سینہ کوبی خلق کی شادی کا نوبت خانہ تھا

دست فرسود خزاں رخسار ہر گل کا ہے یاں
آہ جی بہلادیں کس سے ہمصفیر و کیا ہے یاں

حسینؔ، غلام حسین خاں

غلام حسین خاں حسینؔ تخلص قوم افاغنہ از ساکنین شاہجہاں پور شخصے ذی اعتبار و قابل محقق شد۔ در علم طبابت ہم دسترس دارد۔

شام گیسو میں ہے یوں عارض جاناں پیدا
نور ہو شمع کا جوں شب کو دو چنداں پیدا

شمع آسا نہ کروں الفت ظاہر
سنگ کی طرح مریدی میں ہے پنہاں پیدا

سرنوشت اپنا نہ کیونکر خط پیمانہ ہوا
لب ساغر سے ہے مشکل لب جاناں پیدا

موج گرداب نگہ ہو وے نہ کس طرح حسینؔ
دل کی داغوں سے ہے سینے میں گلستاں پیدا

گرچہ ہے رنگ حنا اے شوم دلبر زیر پا
خون عاشق سے لگا رنگ مکرر زیر پا

جیغہ مروارید کا ہے تیرے گر بالائے سر
آبلوں کے ہم بھی یاں رکھتے ہیں گوہر زیر پا

وانے قسمت ہم کف افسوس ملتے ہی رہیں
اور حنا اس کے لگادیں غیر اکثر زیر پا

ردیف الخاء

خسرو، امیر خسرو

حضرت امیر دہلوی خسرو تخلص طوطی ہند جامع کمالات[1]، چندلک[2] ابیات نظم و نثر و تواریخ و راگ و پہیلی وغیرہ ازاں بزرگ یادگار است۔ مزار مقدس بہ پہلوی روضۂ طیبۂ سلطان المشائخ محبوب اللہ العالمین حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہ در دہلی متصل سرای عرب واقع گردیدہ۔ عالمی بزیارت درگاہ فیض[3] مناطش کامیاب شدہ بتحقیقت[4] می رسد، بہ نیل تمنائی صوری و معنوی فایز میگردد۔ ذات بابرکاتش عدیم النظیر است۔ مستغنی الاوصاف۔ تشریح فضل و کمال آن را کہ اصلا بقیاس نیاید و بمکیال خیال درنگنجد دفتری باید تیمناً و تبرکاً دو بیت[5] از ارشاد آں[6] جناب کہ بحسب رویۂ آں وقت است نگاشتہ می شود۔

زر گر[7] پسری چو ماہ یارا کچھ گھڑیے سنواریے پکارا

نقد دل من گرفت و بشکست پھر کچھ نہ گڑھا نہ کچھ سنوارا

خلق، میر احسن

میر احسن خلق در لکھنؤ مہین پور میر غلام حسن حسن[8] مصنف مثنوی بے نظیر و بدر منیر است۔ وی مانند تخلص خودسراپا خلق واقع شدہ، حیا و حلم بدرجہ اعلیٰ دارد، طبعش رنگین[9] و کلام او دلنشیں است مشق سخن از والد ماجد خود نمودہ۔ شعرش کیفیتی پیدا کردہ۔ ایں اشعار از زادہ ہائے طبع رسای

---

1 اصل/ق: جامع کمالات صاحب کرامات؛ ل: جامع الکمالات۔ 2 ل: لکھ۔ 3 اصل/ق: فیض مقاطش فیضیاب شدہ بکام دل۔ 4 ل: بحصول مراد۔ 5 اصل/ق: بعضے از۔ 6 اصل/ق: آنجناب فیض انتساب۔ 7 اصل/خ: غزل ''زحال مسکیں'' کے۔ 5 شعر۔ 8 ل: داشت۔ 9 اصل/خ: فکرش معانی آفریں است؛ کلامش دل نشیں است۔

اوست۔

دل میں تھا آتے ہی جاویں اس کی لگ آغوش سے
جب وہ آیا سامنے تب رہ گئے خاموش سے

دل لگانے تو لگایا پہ نہیں کچھ معلوم
جی یہ کیا گذرے گی اور جان پہ کیا ہووے گا

اک بار اس کے کوچہ میں جانا ضرور ہے
دیوانگی[1] کا حال دکھانا ضرور ہے

رباعی

آئے ہیں عدم سے چپکے روتے ہیں پڑے
دو دن کی یہ زیست ہے سو کھوتے ہیں پڑے

اے خلق خوش احوال انھوں کا جو دے
آرام سے زیر خاک سوتے ہیں پڑے

خیالؔ، غلام حسن خاں

غلام حسن[2] خاں خیالؔ برادر زادۂ برکت اللہ خاں، برکتؔ[3] واز نزدیکان اسد یار خاں عرف میاں جگنواست، جوان خوش خلق وکشادہ پیشانی بہ زندگانی است از ستما[4] سازی زمانہ حضرت دہلی مسکن خود را گزاشتہ[5] در سونی پت استقامت ورزیدہ با مخلص ذکاؔ ہم آشنا است۔ زبانی فصیح دارد وطبع موزوں۔ ایں اشعار خوب نسبت بدو دارند۔

تجھے تو غیر کو منظور منہ دکھانا تھا
نقاب کھولنا گرمی سے اک بہانا تھا

کہاں بہار کہاں وہ چمن کہاں وہ سیر
شگفتگی کا وہ اک اور ہی زمانا تھا

مے گل رنگ نہ ساقی نے بھری شیشہ میں
بند افسوں سے کری ہے یہ پری شیشہ میں

گر پڑے عکس خط سبز کا تیرے تو شراب
کیا تعجب ہے جو ہو جائے ہری شیشہ میں

یار کا اور ہی کچھ ڈھنگ نظر آتا ہے
موم سمجھے تھے جسے سنگ نظر آتا ہے

رہتے ہیں ہمیشہ مرے دل میں یہی کھٹکے
ایسا نہ کہیں ہووے جو تو اور سے اٹکے

کب تک یہ ترے حسن کا انداز رہے گا
ہم ہی رہیں گے یا یہ ترا ناز رہے گا

---

1 اصل/ق: یہ حال اپنا دل کا۔ 2 اصل/ق۔ غلام حسین۔ 3 سرور: اصلاحِ سخن از عم خود برکت اللہ خاں تخلص کہ شاعرِ زبردست فارسی گو است، گرفتہ۔ 4 ل: ہانا سازگاریِ زمانہ۔ 5 اصل/ق: حالا در۔

اب تو استاد بنے جھوٹی قسم کھانے میں
غرض آفت ہو قیامت ہو مکر جانے میں

پھر نئے سر سے ہوا خانۂ مجنوں آباد
پاؤں جب ہم نے دھرا آن کے ویرانے میں

ہر طرح سے ہے جو منظور جلانا ہم کو
تم نے کچھ اپنا ہوا خواہ نہ جانا ہم کو

بےخودی دل کی نہ لے جائے کسی اور طرف
اے نسیم سحری راہ بتانا ہم کو

نہ کھینچو بے گناہوں پر یہ تیغ خوں چکاں سمجھو
خدا کے واسطے آؤ کہا مانو میاں سمجھو

نگاہ عشوہ گر و چشم فتنہ ساز غضب
کرشمہ قہر و قیامت ادا و ناز غضب

سنتے تھے جو وصف یار سچ ہے
وہ فتنۂ روزگار سچ ہے

قطعہ

جہاں میں آنے سے اک مدعا ہے ناموری
پھر اس میں شاہ ہوئے یا فقیر ہو بیٹھے

جو اور کچھ نہ بنے جاں کنی کریں گے خیال
کہ جس سے مثل نگیں اپنا نقش تو بیٹھے

حاضر ہیں ہم تو آؤ شمشیر کیں نکالو
جو دل کی آرزو ہے اس کو کہیں نکالو

مژگاں کی یہ کاوش نہیں ناوک فگنی ہے
ابرو کی اشارت نہیں شمشیر زنی ہے

آیا سلوک پر جو نہ وہ اشک و آہ سے
لائیں گے ہم اب اُس کے تئیں اور راہ سے

ایک پل ایک دم ذرا نہ تھمی
نہ تھمی چشم گریہ زا نہ تھمی

اس کی مژگاں کو وہی مشق سناں بازی ہے
یاں تراوش دل پر خوں کی ابھی تازی ہے

تجھ کو گر منظور ہے چڑھنا تو چڑھ جلدی خیال
لگ رہا ہے عرش کے پائے سے زینا عشق کا

جرعہ افشاں ہو ہماری خاک پر غافل کبھو
ہم بھی اے ساقی تری مجلس کے میخواروں میں تھے

تو نے جو کیا بجا یہی تھا
اپنا بھی مدعا یہی تھا

ہے دل کی شگفتگی پہ[1] افسوس
اپنا تو جہاں نما یہی تھا

دنیا کو خیال چھوڑ بیٹھا
دانائی کا مقتضا یہی تھا

چمن میں بوئے گل کی سوزشیں دل نے اٹھائی ہیں
بہار آئی ہے دیوانے نے پھر دھومیں مچائی ہیں

---

1 ل: کا۔

نہیں بجھتی کسی ترکیب اس کی طبع کی گرمی — دراندازوں کی باتوں نے یہ کچھ آگیں لگائی ہیں
نشے میں اس سے نہ یہ ساغر شراب گرا — فلک سے ٹوٹ زمیں پر ہے آفتاب گرا
بکتی ہے جہاں مستی اس چشم شرابی کی — واں قدر ہے ساغر کی قیمت نہ گلابی کی
نہ آتش کی ہے یہ لکڑی نہ ہے یہ آب کی لکڑی — بنی ہے شاخِ مرجاں ہائے کس خوں ناب کی لکڑی
طراوت خشک بختوں کو کہاں ہے ابر رحمت سے — نہ ہو سرسبز پانی میں کبھی دولاب کی لکڑی
لگی ہے آگ کؤ کؤ سے تری سرو وصنوبر کو — تو کس کی گرم خاکستر پہ قمری آج لوٹ آئی
کس کو معلوم تھا یوں تجھ سے جدائی ہوگی — یاں تلک بات بڑھے گی کہ لڑائی ہوگی
ہاتھ پہنچا نہ ترے بند قبا پر تو کبھو — اپنی کس طرح سے پھر عقدہ کشائی ہوگی
پڑ گیا ہے تری صورت کے سبب دل میں غبار — مجھ میں آئینہ میں ہرگز نہ صفائی ہوگی

خاکسارؔ، محمد یار

محمد یار خاکسارؔ عرف میر کلو[1] درویش بود از مجاوران درگاہ عرش اشتباہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ مزاجش درد آشنا، خیلے باسر مالکِ حقیقی سرخوش داشت۔

شانہ آہستہ کیجو حجام — تار اس زلف کا رگ جاں ہے
تیغ قاتل سے رہے محروم بے تقصیر ہم — روز محشر کو اٹھیں گے گور سے دل گیر ہم
ترے باغباں کا بھی دیکھا سلیقہ — کہ نرگس کو بویا نہ بوئیں یہ آنکھیں
قیامت بھی ہوگی تو میری بلا سے — مجھے داد خواہی کی طاقت کہاں ہے
کوئی کافر کہو کوئی مومن — یہ ترا خاکسار ہے سو ہے
کیا ہے حاصل تجھے ناصح مرے سمجھانے میں — آہ جوں شمع ہے راحت مجھے مرجانے میں
خاکسار عاشق میخوار کو تقویٰ سے کیا — ابھی دیکھا تھا میں اس رند کو میخانے میں
خاکسارؔ اس کی تو آنکھوں کے کبھی مت لگیو — مجھ کو ان خانہ خرابوں ہی نے بیمار کیا
رونے سے خاکسارؔ کے سوتا نہیں کوئی — اس خانمان خراب کو چپکا خدا کرے

1۔ اصل/ خ: وے۔

خلیق، میر مستحسن

میر مستحسن، خلیق کہین پور میر غلام حسن مصنف مثنوی بدر منیر برادر صغیر میر احسن خلق ساکن لکھنؤ بہ اتالیقی پسر راجہ ٹکیت رای بہادر امتیاز دارد جوان شایستہ و مستعد و مودب و متواضع است۔ درستی فکرش از شکست و بست کلامش ہویدا و چاشنی کلام شیرینش از لب اشعار او پیدا۔ از وست۔

افعی زلف کے کاٹے کی دوا ہو نہ سکی
آکے سرمار گئے سیکڑوں منتر والے

می کی خواہش ہوئی اس وقت تجھے ہائے خلیق
اٹھ گئے بزم سے جب شیشہ وساغر والے

کمر باندھی ہے اب فندق نے تیری دلربائی پر
تصدق جان میری اس ترے دست حنائی پر

نزع میں گر مری بالیں پہ تو آیا ہوتا
اس طرح اشک میں آنکھوں میں نہ لایا ہوتا

میرے خورشید یہ ہوتا نہ مرا روز سیاہ
تو نے گر زلف میں مکھڑا نہ چھپایا ہوتا

جوں آئینہ حیرت نے مجھے دنگ بنایا
اللہ نے کیوں دل کو ترے سنگ بنایا

تب گریۂ خونیں سے بھری رہتی ہیں آنکھیں
اس عشق نے آخر یہ مرا رنگ بنایا

ترا دست حنائی پنجۂ مرجاں سے بہتر ہے
نہیں گنتی میں کھاوے اشک گو عناب ناخن پر

نہ سوجھا کوئی انشا قابل شاں اے خلیق اس کے
رہا نقطہ ہی کرتا میں دم القاب ناخن پر

فائدہ کیا ہم اگر زمزمہ پرداز ہوئے
پھنس گئے دام میں جب قابل پرواز ہوئے

غفلت میں فرق اپنی تجھ بن کبھو نہ آیا
ہم آپ میں نہ آئے جب تک کہ تو نہ آیا

ساقی نے جام مے تو شب پے بہ پے دیا، پر
نیت بھری نہ میری جب تک سبو نہ آیا

کوتاہ ہے نہایت دست دعا ہمارا
دامن اثر کا جاکر یک بار چھو نہ آیا

چور زخموں سے ہوں ناصح مرا جینا معلوم
دیکھ چھاتی مری تا ہو تجھے[1] سینا معلوم

ٹک میں دل دے کہ جو روؤں تو سوا طوفاں کے
نوح کو ہووے نہ اپنا بھی سفینا معلوم

کب تعلق کا ہمیں آہنگ بے رنگی میں ہے
دلق رنگیں بھی یہ اپنا تنگ بے رنگی میں ہے

نسخہ نہ لکھ طبیب کہ پینے پہ حرف ہے
تا شام اس مریض کے جینے پہ حرف ہے

---

1. ل: مجھے۔

دندان بخیہ یوں ہیں جراحت سے آشکار　　گویا مشدّد اک مرے سینہ پہ حرف ہے

خستہ، میاں جیون عبداللہ

میاں جیون عرف محمد عبداللہ خاں خستہ ساکن دہلی پسر مولوی سعداللہ مرحوم کہ بہ آقا یار خاں مخاطب بود۔ وی کشمیری الاصل وجہاں آبادی المولد والد ماجدش از رفقائے نواب مجد الدولہ عبدالاحد خاں بہادر بہرام جنگ بود۔ بعد رحلت آں مرحوم وی نیز مورد الطاف ومراحم نواب موصوف گشت حاصل ایں مرد[1] بسیار دانا ومعاملہ فہم وخلیق وگرم ارتباط وزمانہ ساز واقع شدہ۔ چندے شاگردی ثناءاللہ خاں فراق نمودہ ایں ابیات از گفتہ ہائے اوست۔

آغوش میں تجھ سا جو پری زاد ہو کوئی　　ممکن ہے کہ پھر حور و پری باد ہو کوئی
جب خاک غریباں پہ تم اس چال سے گزرو　　انصاف کرو کیونکہ نہ برباد ہو کوئی
یاں تک ہوئے محو تمھارے کہ جہاں میں　　لو ہم سے قسم ہم کو اگر یاد ہو کوئی
اے خستہ تڑپنے کے مزے کو وہی جانے　　جو مجھ سا ستم کشتہ و صیاد ہو کوئی
جو مژدہ لاوے کوئی آج ان[2] کے آنے کا　　میاں میں صدقے ہوں اس کے زباں ہلانے کا
خوفِ ناصح نے مجھے اشک بہانے نہ دیا　　آتش ہجر کے شعلہ کو بجھانے نہ دیا
دست قاتل پہ مرے خون کی جو ہے رنگینی　　ایسی رنگت کا کبھو رنگ حنا نے نہ دیا

خستہ، غلام قطب بخش

غلام قطب بخش خستہ از اولاد امجاد سید محمد کرمانی واز مجاوران روضۂ طیبہ حضرت نظام الدین اولیاء زرزری زربخش نوراللہ مرقدہ سعادت منش پاکیزہ کردار نیک روش خجستہ اطوار دریں ولا شوق فن عظیم ریختہ گوئی در[3] خاطرش جا گرفتہ واز عظیم الدین خاں آشفتہ اصلاح یافتہ، مذاق شیریں دارد۔

---

1 ل: مردِ دانا۔ 2 ل نیز سرور: اس کے: اصل/ق: جو کوئی لاوے پیام اُس کے آج آنے کا۔ 3 اصل/ق بہم رسانیدہ۔

جلوہ اس مہ نے جو ناگہ بلب بام کیا　روز خورشید درخشاں کو وہیں شام کیا
جس کو پرواہ ہی نہیں کوئی مرے یا جیوے　دل دیا ہائے میں اس شوخ کو کیا کام کیا
جو رو جفا مت کرو دل کو نہ آزار دو　چاہ کے پیاسوں کو ٹک شربت دیدار دو

خاکی، غلام حیدر بیگ

غلام حیدر بیگ خاکی اصل وے بدخشاں و مولد او ہندوستان جنت نشاں اکنوں بضلع[1] دکن بسپاہ گری بسر می برد دبا یگانہ و بیگانہ بہ سلوک خوبیہا پیش می آید۔

ہم عشق بھی سیکھیں اگر استاد ہو کوئی　دل تو ہی بتادے جو تجھے یاد ہو کوئی

خود غرض

خود غرض تخلص۔ وے از ضلع مستقر الخلافہ اکبر آباد بتقریب روزگار وارد خطۂ خلد اساس حضرت دہلی شدہ بود چونکہ بسبب عدم موافقت زمانہ علاقہ حسب تلاش بہم نہ رسید باز بآں طرف برخاستہ رفت وبعض از اشعار تالیف خود در دہلی گذاشت۔ بہر حال در اجتماع حواس گاہ گاہی آنچہ گفتہ، بہ گفتہ۔

میرا یہ درد بہ نہ ہوا کچھ حکیم سے　دیکھی جو نبض، زیادہ تر آزار ہوگیا
بیٹھ عارض پہ ترے خال چڑاوے دل کو　دل کے تئیں خطرہ دزداں نہ ہوا تھا سو ہوا
بیمار چشم یار کا ہرگز نہیں علاج　میری دوا نہ کیجیو عطار دیکھنا
بے طاقتی نے مجھ کو یہاں تک کیا بتنگ　مانند نقش صورت دیوار دیکھنا
بند قبا کو کھول کے گلشن میں تو نہ جا　ہووے نہ گل گلے کا کہیں ہار دیکھنا
دامن کو دل جلوں کے پرے رکھ مزار سے　نکلے ہے واں سے شعلہ شرر بار دیکھنا
مدت کے بعد آیا تھا عیدالضحیٰ[2] کا دن　یہ آرزو تھی ہوتا میں قربان، رہ گیا

1۔ اصل/ق: بہ دیار دکن۔ 2۔ عیدالضحیٰ بجائے عیدالاضحیٰ کہ غلط العوام بھی ہے، غلط العام بھی۔

خاںؔ، محمد خاں

محمد[1] خاں خاںؔ تخلص قوم افاغنہ از باشندہ ہائے دکن بتقریب روزگار در دہلی وارد گشتہ بود شاگرد سعادت یار خاں رنگیں کہ استاد قدیم است۔ خیلے نیک اختلاط خوش ارتباط۔ از چندے بسخن طرازی مصروفست[2]۔

یاد جس وقت تری آتی ہے مجھ کو ہچکی وہیں لگ جاتی ہے
دنیا میں ہم جو آئے تو کیا کام کر چلے ناحق ہم اپنے نام کو بدنام کر چلے

خادمؔ، شیخ خادم علی کیتھلی

شیخ خادم علی کیتھلی خادمؔ تخلص[3] متوطن قصبہ کیتھل متعلقہ سرکار سرہند ونشو ونما یافتۂ حضرت دہلی است۔ بزرگانش باقتدار و جمعیت بسر می بروند عموی بزرگوار او در سرکار فیض بار نواب احمد خان بنگش پانصد روپیہ مشاہرہ می یافت۔ خودش نیز۔ تا الآن در سرکار ملازمان مظفر جنگ پسر خواندۂ نواب موصوف مرحوم بمواجب دوصد روپیہ نوکر است، بسیار مرد قابل و صاحب حوصلہ و اہل شجاعت وسخاوت و گرم ارتباط مستحکم اختلاط مسموع شد۔ ور انشا پردازی مہارتے دارد و خط نسخ و نستعلیق و شفیعائی و شکستہ و تعلیق درست و خوب می نویسد۔ دیوان فارسی و ہندی بقید ردیف طرح داد و اشعار خوش فکر خود را بنظر استاد بے نظیر محمد تقی میر گزرانیدہ۔

ہو غریق رحمت پروردگار آج ساقی کا پیالا ہوگیا
ہائے ری غفلت ترا خانہ خراب قافلہ جاتا رہا میں سوگیا
آگے تو ہے ہی برسر پیچش کمند زلف پیچھے پڑی ہے کاہے کو کاکل بلا کی طرح
ہمیں کار دنیا سے کیا کام آیا مگر ایک لینا ترا نام آیا
عاشق ہوا ہوں اک بت بالا بلند پر صد آفریں ہے میری بھی عالی پسند پر
ہے عزم مکاں کا دل ناتواں کو آہ جس جا نہیں مجال کہ مارے پرند پر

1۔ سرور: محمدی خاں؛ اصل/ ق: محمد امتحاں خاں...... ساکن دہلی۔ 2۔ مصروفیت دارد، اصل/ خ: ایں دو ابیات از غزل تصنیف کردۂ او نوشتہ ام۔ 3۔ اصل/ خ: او تربیت یافتہ۔

چھاتی پہ اس کی یاد میں پھرتا ہے سانپ سا ہے گوکھرو کی لہر جو اس سینہ بند پر
جو ہو خاک قناعت کی تجھے معلوم خاصیت ہوس کا ڈال دے تو نسخۂ اکسیر پانی میں
ایسے ہی جلوہ اگر کیجیے گا ماہ کو شہر بدر کیجیے گا
ایک نقصان میں تو کامل ہیں اور ہم میں کوئی کمال نہیں
فصل خزاں میں عندلیب مرگئی گل کے ہجر میں غسل اب اس کو باغباں دیجیو تو گلاب سے
بند ہوا نہ صبح تک دیدۂ ماہ پھر ذرا رات کہیں جو کھل گیا یار کا منہ نقاب سے
سیپارۂ دل میرا کرتی ہے وہ زلف ابتر سچ، ہندو کے آگے کیا تعظیم ہو مصحف کی
شوخ کے ہاتھ سے جگر خوں ہے حال دل کیا کہوں دگر گوں ہے
شور محشر ہے اس کے باعث آہ کیا قیامت وہ قد موزوں ہے
آگے در پردہ مرا کام چلا جاتا تھا یہ کے اے چشم مرا کام بہایا تو نے
ہے کہیں یہ بھی رہ و رسم وفاداری کی دل مرا چھین کے یوں راہ بنائی تو نے
کچھ تجھے جان کا اندیشہ نہ آیا خادم ایسے سفاک سے جو آنکھ لڑائی تو نے
اس کے ہاتھوں اک جہاں ویران ہے چشم بھی میری کوئی طوفان ہے
مدت سے تری تلاش میں تھا دیکھا تو اب آپ میں ہی تو ہے
تیری قامت کا اگر شور نہ ہووے واللہ اہل عالم سے قیامت کا یقیں اٹھ جاوے

خوشنود

خوشنود تخلص شخصے بود پنجابی۔ اکثر بزبان خودسخن میگفت اگرچہ بزمان حال مطلق نسبت ندارد، والا بحسب رواج تذکرہ کہ خالی نباشد نگاشتہ شدہ۔

سب رین جاگے سیج پر تو اے سجن آتا نہیں جب جب کہ دیکھے ناب میں درسن کو دکھلاتا نہیں

خادم

خادم تخلص شخصے در قصبۂ پانی پت می باشد، ذوق ریختہ گوئی دارد بندہ ذکا از و نا آشنائے محض است، الا بکلامش واقف۔

رات بھر ماتم پروانہ میں روتی رہی شمع　　اشک سے داغ جگر اپنے کو دھوتی رہی شمع

خادمؔ، خادم حسین خاں

نواب خادم حسین خاں بہادر المتخلص بہ خادمؔ خلف الرشید نواب اشرف الدولہ افراسیاب خاں بہادر مرحوم۔ از روسای شہر دہلی۔ مردے معزز و مکرم و پاکیزہ معاش قدر دان[1] سخنوران صاحب تلاش بہ نیکی و اخلاق معروف و بخوبیہائے انواع موصوف است۔ جامع ایں نسخہ بقد موسیش مستعد نگشتہ الا بماجرائے خوبیہائے کلام دلآویزش شرف[2] واقفیت دارد۔

چمن[3] میں آکے وہ پیارا اگر زلف دوتا کھولے　　وہیں ہر ایک غنچہ کی گرہ بادِ صبا کھولے

خوش رسؔ، غلام محمد

حافظ غلام محمد خوش رسؔ ساکن جہاں آباد با آنکہ از بینائی چشم متعذر است لیکن سارنگی نوازی وستار دسترس کلی دارد و پٹہ وخیال بیشتر از طبعش بہ می تراود[4] والد بزرگوارش در نوکری شخصی افغان بسر می برد۔ ایں شخص بہ ترانہ سازی و سخن پردازی اوقات خود میگزراند، بہر حال علم مجلس وسلیقہ آں درست دارد و خیلے خوش خلق و یار باش معلوم افتاد ایں دو شعر از دست۔

وصل کی باتیں ترے ہم کو جو یاد آئیاں　　آنکھیں وہیں خود بخود اشک کو بھرلائیاں

ماہیے کس واسطے باتوں کا اس کی برا　　عشق میں ایسی ہی کچھ ہوتی ہیں رسوائیاں

خاصؔ

خاصؔ تخلص شاعرے بسمت ممالک جنوبیہ مسموع می شود قصیدہ در تعریف ناظم آں ضلع کہ از طبعش چکیدہ دو ابیات ازاں بزبان[5] خامہ نیاز شمامہ در دادہ۔

تا رکھے قطعۂ گلشن کو جہاں کے مشموم　　خاص اس تازہ مضامیں کے چمن پھولوں کا

سرو زیبندۂ گلزار دکن آصف جاہ　　شمع تابندۂ ایوان رواق کسرا

---

1. اصل/ق: قدرشناس۔ ل: قدرافزاے۔ 2. اصل/ق: شنیدہ۔ 3. اصل/ق: وہ نرگس چشم گلشن میں۔ 4. اصل/رخ: حافظ ابراہیم نام۔ 5. ل: بزبان قلم می آید۔

خوش دل، گوبند لال

لالہ گوبند لال خوش دل خلف الصدق لالہ کانجی مل قوم کایستھ ماتھر غریب تخلص ساکن قصبہ اجواڑہ جوان شایستہ بسیار لئیق، زیبا منظر نیکو سیر۔ خیلے مستعد وہوشیار است بہرہ از علوم متعارفہ دارد۔ گاہ گاہے بسخن گوئی ہم مصروف می شود۔ فکر درست دارد۔

مستی سے اس طرح اس شوخ کے دندان چمکتے ہیں | اندھیری رات ہے اس میں گویا تارے دمکتے ہیں
خدا کے واسطے اب زلف میں شانہ تو مت کیجو | کہ اک اک بال میں اس کے ہزاروں دل اٹکتے ہیں
جہاں میں روسیاہی کی ہے دیکھو کس قدر پیدا | کیا مثل نگیں مشہور ہم نے نام سو سو کوس

خنداں

خنداں تخلص شخصے تازہ گوشنیدہ می شود، معلوم نیست کہ حالا در دہلی است یا جاے دیگر۔

کون کرسکتا ہے اس خلاق سبحاں کی ثنا | ہو سکے ذرے سے کب خورشید تاباں کی ثنا
آیا مرے سر پر تو ہے شمشیر علم لے | ٹک دیکھ لوں قاتل کو میں جلاد تو دم لے

خورشید، خورشید علی

خورشید علی متوطن بلدۂ تلہر جوان صاف گوروشن طبع وپاکیزہ وضع، ایں شعراو بایں ذرۂ بے مقدار ذکا بہم رسید۔

کرتے تو ہیں فسوں گر دعویٰ فسوں گری کا | مشکل ہے پر اترنا شیشے میں اس پری کا

خادم

خادم تخلص در قصبۂ پانی پت می باشد۔ ذوق ریختہ گوئی دارد وبندہ ذکا از وناآشناے محض است۔ الا بکلامش واقف۔

رات بھر ماتم پروانہ میں روتی رہی شمع | اشک سے داغ جگر اپنے کو دھوتی رہی شمع

ردیف الدال المہملہ

دردؔ خواجہ میر

حقایق و معارف آگاہ خواجہ میر، صاحب قدس سرہ المتخلص بہ دردؔ سجادہ نشیں چار بالش افتقار، تمکن گزین وسادۂ وقار، منبع علوم روحانی، مجمع فیوض سبحانی سیاح پیدائے حقیقت، سباح دریاے معرفت، اکثر اوقات بفکر سخن سرخوش داشت۔ رسالۂ چند در علم تصوف کہ فی الحقیقت دستور العمل سالکان مسالک حقیقت و طریقت است، تصنیف فرمودہ، در علم موسیقی بدرجۂ مہارتی بود کہ سرود سرایان کامل از جناب کرامت مآبش، فیض می برداشتند۔ بسیاری از شاگردان بہ برکت انفاس متبرکہ اش بدرجۂ رشید فایز گردیدند۔ اشعار چند از ارشاد آں عالم باعمل بطریق تبرک صورت ارقام و زینت ارتسام یافت۔

کبھی خوش بھی کیا ہے جی کسی رند شرابی کا
بھڑا دے منہ سے منہ ساقی ہمارا اور گلابی کا

شرار و برق کی سی بھی نہیں یاں فرصت ہستی
فلک نے ہم کو سونپا کام جو کچھ تھا شتابی کا

زمانہ کی نہ دیکھی جرعہ ریزی دردؔ کچھ تو نے
ملایا مثل مینا خاک میں خوں ہر شرابی کا

مژگاں تر ہوں یا رگِ تاکِ بریدہ ہوں
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

اے درد جا چکا ہے مرا کام ضبط سے
میں غمزدہ تو قطرۂ اشک چکیدہ ہوں

ہر شام مثل شام رہوں ہوں سیاہ پوش
ہر صبح مثل صبح گریباں دریدہ ہوں

ٹال دینا اس کو نت ہر طرح جوں قبلہ نما
پھر مجھے پھر پھر کے آرہنا اسی کے روبرو

اکسیر پر مہوس، اتنا نہ ناز کرنا
ہے کیمیا سے بہتر دل کا گداز کرنا

ہم جانتے نہیں ہیں اے دردؔ کیا ہے کعبہ
جیدھر کو ہے وہ ابرو اودھر نماز کرنا

کب دل ملے کسی کا ہم غمزدوں سے کھل کر
کافی ہے اپنے دل سے جوں غنچہ ساز کرنا

عاشق بیدل ترا یاں تک تو جیسے شیر تھا
زندگی کا اس کو جو دم تھا دم شمشیر تھا

شیخ کعبے ہو کے پہنچا، ہم کنشت دل میں ہو
انداز وہی سمجھے مرے دل کی آہ کا
نہ ملیے یار سے تو دل کو کب آرام ہوتا ہے
یہ حسن و عشق مل سمجھیں گے آپس میں جو ہووے گا
ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
ربط ہے ناز بتاں کو تو مری جان کے ساتھ
دردؔ اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے
روندے ہے مثل نقش قدم[1] خلق یاں مجھے
بسا ہے دل میں ترے کون گلبدن اے دردؔ
مثل نگیں جو ہمسے ہوا کام رہ گیا
جوں شمع روتے روتے ہی گذری تمام عمر
فرصت زندگی بہت کم ہے
اپنے نزدیک باغ میں تجھ بن
آنکھوں کی راہ ہر دم اب خون ہی رواں ہے
آہوں کی کشمکش میں کہیں دیکھیو نہ ٹوٹے
یہ راہ خاکساری میں سر سے قطع کی ہے
کب ترا دیوانہ آوے قید میں تدبیر سے
سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بھرا ہے سے نہیں یہ نور سے معمور ہے شیشا
حجاب رخ یار تھے آپ ہم ہی
ظالم یہ صید دل سر فتراک سے ترے
مدت کے بعد خط سے یہ ظاہر ہوا کہ عشق

دردؔ منزل ایک تھی کچھ راہ کا ہی پھیر تھا
زخمی ہوا ہو جو کہ کسی کی نگاہ کا
اگر ملیے تو مشکل ہے کہ وہ بدنام ہوتا ہے
پر ان دونوں کے الجھیڑے میں میرا کام ہوتا ہے
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں
جی ہے وابستہ مرا، ان کی ہر اک آن کے ساتھ
جو سانس بھی نہ لے سکے وہ آہ کیا کرے
اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے
جو بو گلاب کی آئی ترے پسینے سے
ہم روسیاہ جاتے رہے نام رہ گیا
تو بھی تو دردؔ داغ جگر کا نہ دھو سکا
مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے
جو شجر ہے سو نخل ماتم ہے
جو کچھ ہے میرے دل میں منہ پر مرے عیاں ہے
تار نفس سے اے دل وابستہ میری جاں ہے
نقش جبیں ہے میرا ہر نقش پا جہاں ہے
جوں صدا نکلا ہی جا ہے خانۂ زنجیر سے
بس ہجوم یاس جی گھبرا گیا
تجلی پر نظر کر اس کی کوہ طور ہے شیشا
کھلی آنکھ جب کوئی پردا نہ دیکھا
اس وقت سے بندھا ہے کہ تو نے سوار تھا
تیری طرف سے حسن کے دل میں غبار تھا

---

1. اصل/ق: نقشِ پا کی طرح۔

جب کہ پہلو سے یار اٹھتا ہے
درد بے اختیار اٹھتا ہے

تیرے دھوکے میں یہ دل ناداں
ہر کسی کو پکار اٹھتا ہے

وے دن کدھر گئے کہ ہمیں بھی فراغ تھا
یعنی کبھو تو اپنے بھی دل تھا، دماغ تھا

ناصح میں دین، دل کے تئیں اب تو کھو چکا
حاصل نصیحتوں سے، جو ہونا تھا، ہو چکا

زاہد کیا کرے ہے وضو گو کہ روز و شب
چاہے ہے کہ دل سے دھووے کدورت، سو ہو چکا

فلک پر کون کہتا ہے گزر آہ سحر کرنا
جہاں جی چاہے واں جا، پر کسی دل میں اثر کرنا

غل مری زنجیر کی رفتار نے ایسا کیا
حشر کو بھی شور جو ہوتا نہ تھا برپا کیا

خط کے آنے سے ہوا معلوم جانا حسن کا
نو خطوں نے اب نکالا پیش خانا حسن کا

بارے مجھے بتا تو سہی کیا سبب ہوا
پھر مجھ پہ مہربان ہوا تو غضب ہوا

آشیانے میں دردؔ بلبل کے
آتش گل سے آج پھول پڑا

تجھ کو نہیں ہے دیدہ بینا وگرنہ یاں
یوسف چھپا ہے آن کے ہر پیرہن کے بیچ

چاہے ہے کہ بات جی کی منہ پر نہ آئے میرے
اپنے دہن کو لاکر رکھ دے مرے دہاں پر

دیکھ لوں گا میں اسے دیکھیے مرتے مرتے
یا نکل جائے گا جی نالہ ہی کرتے کرتے

لا گلابی دے مجھے ساقی یہاں مجلس بھی
خالی ہو جاتی ہے پیمانہ کے بھرتے بھرتے

دردؔ جوں نقش قدم تھا سر رہ پر اس کی
مٹ گیا اوروں ہی کے پاؤں کے دھرتے دھرتے

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

کیا مجھ کو داغوں نے سرو چراغاں
کبھی تو نے آکر تماشا نہ دیکھا

میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے
مری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا

گلیم بخت سیہ سایہ دار رکھتے ہیں
یہی بساط میں ہم خاکسار رکھتے ہیں

وہ زندگی کی طرح ایک دم نہیں رہتا
اگر چہ دردؔ اسے ہم ہزار رکھتے ہیں

مثل نگیں جو ہم سے ہوا کام رہ گیا
ہم رو سیاہ جاتے رہے نام رہ گیا

یارب یہ دل ہے یا کوئی منزل سرائے ہے
غم رہ گیا کبھو کبھو آرام رہ گیا

سو بار سوز عشق نے دی آگ پر ہنوز
دل وہ کباب ہے کہ جگر خام رہ گیا

ہے غلط گر گمان میں کچھ ہے
تجھ سوا بھی جہان میں کچھ ہے

دل نے بھی ڈھنگ تیرے سیکھ لیے
آن میں کچھ ہے، آن میں کچھ ہے

مشابہ کوئی ان آنکھوں کے کم ہے
جو نرگس ہے تو مرفوع القلم ہے

ساقی ہے چڑھا آج تو یہ رنگ ہوا پر
شیشا ہو گرے، پھینکیے گر سنگ ہوا پر

لازم ہے گوشۂ شکن زلف میں ترے
ظالم کوئی پڑا رہے مجھ سا شکستہ دل

ساقی کیدھر ہے کشتیِ مے
اب کے کھیوہ میں پار ہیں ہم

اپنے ملنے سے منع مت کر
اس میں بے اختیار ہیں ہم

جز اہل صفا بتا تو جوں عکس
اے آئینہ! کس کے گھر گئے ہم

ہستی نے تو ٹک جگادیا تھا
پر کھلتے ہی آنکھ سو گئے ہم

ہستی ہے جب تلک، ہیں اسی اضطراب میں
جوں موج آ پھنسے ہیں عجب پیچ و تاب میں

ہر جز کو کل کے ساتھ بمعنی ہے اتصال
دریا سے دُر جدا ہے پہ ہے غرق آب میں

دونوں عالم سے کچھ پرے ہے نظر
آہ کس کا دل و دماغ ہوں میں

مرتا نہیں ہوں کچھ میں اس سخت دل کے ہاتھوں
پستا ہوں آہ اپنے کم بخت دل کے ہاتھوں

عالم آب میں جوں آئینہ ڈوبا ہی رہا
تو بھی دامن نہ کیا دردؔ نے تر پانی میں

نزع میں تو ہوں ولے تیرا گلا کرتا نہیں
دل میں ہے وہ ہی وفا پر جی وفا کرتا نہیں

کیا فرق داغ و گل میں اگر گل میں بُو نہ ہو
کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو

جو کچھ کہ ہم نے کی ہے تمنا ملی، مگر
اک آرزو رہی ہے کہ کچھ آرزو نہ ہو

زاہد کو جتا دیجیو بے خود ہیں یہ رنداں
آتا ہے تو خودداری کو کہہ گھر میں دھر آوے

شیوہ نہیں اپنا تو عبث ہرزہ یہ بکنا
کچھ بات کہیں گے جو کوئی کان ملے گا

بیگانہ گر نظر پڑے تو آشنا کو دیکھ
بندا اگر آوے سامنے تو بھی خدا کو دیکھ

اگر عیاں ہے تو تو ہے وگر نہاں، تو ہے
غرض کہ دیکھ لیا میں جہاں نہاں تو ہے

دونوں جگہ میں معنی مولا ہے جلوہ گر
غافل ایاز کون ہے، محمود کون ہے

یاں عیش کے پردے میں چھپی دل شکنی ہے
ہر بزم طرب جوں مژہ برہم زدنی ہے

پوچھ مت قافلۂ عشق کدھر جاتا ہے　　راہ رو آپ سے اس رہ میں گزر جاتا ہے

قطعہ

یہی پیغام درؔد کا کہنا　　گر کوئی کوئے یار میں گذرے
کون سی رات آن ملیے گا　　دن بہت انتظار میں گذرے

گر معرفت کا چشم بصیرت میں نور ہے　　تو جس طرف کو دیکھے تو اس کا ظہور ہے
وصف خاموشی کا کچھ کرنے میں آ سکتا نہیں　　جب سے اس لذت کو پایا ہے سدا خاموش ہے
دل کو سب قیدوں سے اس وقت میں آزادی ہے　　مر چکے اب نہ ہمیں غم ہے نہ کچھ شادی ہے
میں ہی تنہا نہیں نالاں ہوں جرس کی مانند　　جو دل اس راہ میں آیا ہے سو فریادی ہے
اہل جہاں کو نام سے ہستی کے ننگ ہے　　لوح مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے
وحدت نے ہر طرف ترے جلوے دکھا دیے　　پردے تعینات کے جو تھے، اٹھا دیے
قاصد سے کہو پھر خبر اودھر کو ہی لے جائے　　یاں بے خبری آ گئی، جب تک خبر آئی
اذیت کوئی تیرے غم کی میرے جی سے جاتی ہے　　کبھو ٹک دل کیا خالی تو چھاتی پھر بھر آتی ہے
پر یکھا نت یہی رہتا ہے مجھ کو درؔد کیا کہیے　　کہ ایسی زندگی سی چیز یوں ہی مفت جاتی ہے
ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے　　میرا ہی دل ہے یہ کہ جہاں تو سما سکے
طریق اپنے پہ اک دور جام چلتا ہے　　وگرنہ جو ہے سو گردش میں ہے زمانے کی
نہ ہاتھ اٹھائے فلک کو ہمارے کینہ سے　　کسے دماغ کہ ہو دو بدو کمینہ سے
اے گل تو رخت باندھ اٹھاؤں میں آستان　　گلچیں تجھے نہ دیکھ سکے، باغباں مجھے
یاں غیب کی جلوہ کے تئیں جلوہ گری ہے　　جو شخص کہ گذرا ہے نظر سے، نظری ہے
صدقے ترے میں کب تئیں تڑپا کروں عبث　　☆ ہے روز عید آج تو قربان کر مجھے
شخص و عکس اس آئینہ میں جلوہ فرما ہو گئے　　ان نے اپنے تئیں ہم اس میں پیدا ہو گئے
ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ　　جب تلک بس چل سکے ساغر چلے
وہ دخت رز کہ چھلتی پھرے ہے جہان کو　　کہتے ہیں درؔد پاس بھی اک رات رہ گئی

جان پہ کھیلا ہوں میں، میرا جگر دیکھنا
جی نہ رہے، بار ہے مجھ کو ادھر دیکھنا

گرچہ وہ خورشید روبت ہے مرے سامنے
تو بھی میسر نہیں بھر کے نظر دیکھنا

گذری شب و آفتاب نکلا
تو گھر سے بھلا شتاب نکلا

دم بدم دل میں پھانس کھٹکے ہے
پھانس کیا ہے کہ سانس کھٹکے ہے

دل بھلا ایسے کو اے درد نہ دیجے کیوں کر
ایک تو تار ہے اور جسپہ طرحدار بھی ہے

نہ وہ نالوں کی شورش ہے نہ وہ آہوں کی ہے دھونی
ہوا کیا درد کو پیارے گلی کیوں آج ہے سونی

علاج درد سر صندل ہے لیکن
ہمیں کہنا ہی اس کا درد سر ہے

کیا کم ہے مرغ قبلہ نما سے یہ مرغ دل
سجدا ادھر ہی کیجو جدھر کا یہ رو کرے

غافل تو کدھر بھکے ہے ٹک دل کی خبر لے
شیشہ جو بغل میں ہے اسی میں تو پری ہے

تری آنکھیں دکھادیجے تو نرگس مست ہو جاوے
اگر دیکھے یہ قامت سرو گلشن، پست ہو جاوے

رباعیات

اے دردؔ بہت کیا پریکھا ہم نے
پر دیکھا عجب ہی یاں کا لیکھا ہم نے
بینائی نہ تھی تو دیکھتے تھے سب کچھ
جب آنکھ کھلی تو کچھ نہ دیکھا ہم نے

رباعیات

اے دردؔ یہ کون صبر کو لوٹ گیا
یوں تجھ سے جو ضبط یک بیک چھوٹ گیا
کیا تجھ پہ مصیبت پڑی ایسی ظالم
کہہ تو سہی جی دیا کہ دل ٹوٹ گیا

ولہ

موند آنکھ سدا کب تئیں دل ٹالیے گا
غفلت کے تئیں بغل میں یوں پالیے گا
اے دردؔ مراقبہ تو کرتے ہو و لے
ٹک اپنا گریباں میں منہ ڈالیے گا

ولہ

اے دردؔ یہ درد جی سے کھونا معلوم
جوں لالہ جگر سے داغ دھونا معلوم

گلزار جہاں ہزار پھولے لیکن اس دل کا مرے شگفتہ ہونا معلوم

ولہ

یا اس نے ہے کچھ رسم تغافل کم کی تاثیر پڑی ہے یا کہ اپنے غم کی
رونے کو مرے تو نے ہے وہ نظروں میں اس گوہر اشک کی بھی رتی چمکی

ولہ

کعبہ میں گئے تو جبہ سائی دیکھی بت خانہ میں جا کے خود نمائی دیکھی
جب آپ کے کوچہ کا ہوا طوف نصیب اے قبلۂ من وہاں خدائی دیکھی

ولہ

تیرے لیے درد گو کسی سے نہ بنی بہتیروں نے چاہا پہ سبھی سے نہ بنی
پھر خانہ خراب رفتہ رفتہ آخر یاں تک بگڑا کہ اپنے جی سے نہ بنی

دلخوش، بہادر سنگھ

کنورا[1] بہادر سنگھ، دلخوش تخلص، نبیرۂ راجہ خوش حال رائے قوم کھتری کہ بسیار عمدہ معاش صاحب ثروت، اہل حشمت بود، بہرہ از علوم متعارفہ خوب داشت و در تصانیف اشعار ہندوی مثل پیپلی و راگ، دوہرہ و کبت وغیرہ میل و توجہ می فرمود۔ بیشتر راگ ہا کہ از طبع عالیش بکمال فصاحت وخوبی سرزدہ زباں زد اکثرے از سرود سرایاں شاہ جہاں آباد و اطراف، ایں شخص ہم اگر چہ بہرہ بقدر جد بزرگوار خود ندارد، الاّ از علوم رسمیہ خیلے واقف است۔ گاہ گاہے بسخن پردازی مصروف می شود:

---

1 اصل: در حاشیہ ایں عبارت در بارۂ دلخوش نوشتہ شدہ است: کنور بہادر سنگھ دلخوش تخلص نبیرۂ راجہ خوشحال رای قوم کھتری سابق بسبب عدم تحقیق تخلص در ردیفِ باء از غلطی نوشتہ شدہ بود۔ حالا تخلصش دلخوش دریافت گردید۔، در ردیف دال این جا اشعار اورا باید نوشت۔

جلوہ ظہور حسن کا اس کے کہاں نہیں گو چشم دل سے تجھ پہ حقیقت عیاں نہیں

مرے مسیح کی اودھر اگر نظر ہوجائے تو خفتگان عدم کو وہیں اثر ہوجائے

یہ کیا ہے آہ کہ تو آسماں پہ کودے ہے نہیں کہ دل میں بھی اس کے ذرا اثر ہوجائے

صنم یہ موسم گل اور یہ شباب کے دن حجاب دل سے اٹھادے، نہیں حجاب کے دن

فضائے صفحۂ قدرت پہ انتخاب کے دن ہمارے واسطے لکھے یہ پیچ و تاب کے دن

کون ہے غم میں ترے شاد کہ جس کو شب و روز آہ لب پر نہیں یا چاک گریباں نہیں

ہوں ترے ہجر میں جوں دیدۂ نرگس حیراں چشم پوشی نہ کر، آ اپنے گنہگار سے مل

دوستؔ

دوستؔ تخلص، از احوالش لاعلمی مگر ایں قدر میدانم کہ باشندہ فرخؔ آباد است۔ ایں مطلع ازوست:

روش گریہ میری چشم سے سیلاب نے لی بیقراری دل بیتاب سے سیماب نے لی

دریغؔ، زین العابدین

میر زین العابدین دریغؔ از دہلی نبیسۂ نواب سیف الدولہ سید رضی خان بہادر از شاگردان میاں نصیر است۔ جودت طبع دارد، و اشعار مربوط میگوید:

یوں وہ بولا دیدۂ تر دیکھ کر دوچار ڈوبتے مجھ کو نظر آئے ہیں گھر دوچار

داناؔ، میر فضل علی

میر فضل علی داناؔ متوطن شاہجہاں آباد از شاگردان شیخ شرف الدین مضمون بسیار سیر مشق و صاحب دیوان بود۔ چوں مدتے سپری گشت حالا ذکر خیرش کمتر مسموعہ میشود و دیوان او بہم نمی رسد بتلاش نمایاں دو اشعار بایں نحیف دست دادہ:

بہر صورت خدا کو دیکھنا عنوان ہے میرا یہی توحید کا مصرع سر دیوان ہے میرا

دل میں ہر ایک کے سودا ہے خریداری کا　　یوسف مصر مگر تو ہی ہے اے یار عزیز
نہ چاٹے خون کو جس روز میرے اس کو فاقا ہے　　رگ گردن سے میری اس کے خنجر کو علاقا ہے

دلؔ، مولوی شمس الدین

فضائل پناہ مولوی شمس الدین دہلوی تخلص بہ دلؔ مردے پارسا، درویش سیرت، قانع برضا وبتواضع آشنا۔ بندۂ ذکاؔ ہم درفن طبابت از واستفادہ نمودہ۔ از مغتنمات زمانہ است۔ بادوستاں[1] تلطف بادشمنان مدارا، شعار اوست، گاہے گاہے فکر فارسی وہندی می کند:

صبح ہوئی آتی ہے اور رات چلی جاتی ہے　　تیری اب تک بھی وہی بات چلی جاتی ہے
دل بلائے فراق میں تیرے　　زندگی مرگ کو ترستی ہے

دلیرؔ، دلیر شاہ

دلیر شاہ دلیرؔ تخلص، شخصیت بطرف عظیم آباد نیک سیرت درویش نہاد اکثر بہ تذکار اولیانان[2] عظام واکابران عالی مقام مصروف ورطب اللسان می باشد واوقات بیاد الٰہی میگذارد، یکدو غزلش کہ بدہلی آمدہ بود از ان یک مطلع بطور انتخاب برآوردہ نگاشتہ شد:

پھر بھی یارب وہ کبھو دن رات ہو　　یار ہو، مے ہو، گلے میں ہات ہو

دلؔ، دیبی پرشاد

دیبی پرشاد دلؔ قوم کایستھ ساکن عظیم آباد جوانے شگفتہ روستودہ خو نیک زندگانی شگفتہ پیشانی شعرش[3] مزہ دارد ایں ابیات از وست:

پردہ اٹھا کے تو نے جو ادھر گذر کیا　　عالم کے دل میں تیری محبت نے گھر کیا
او روٹھ کے ہم سے جانے والے　　مت روٹھ، ہمیں گلے لگا لے

---

1 مصرع از شعر مشہور حافظ شیرازی۔ 2 اولیانان جمع اولیا کہ خود جمع ولی است۔ بطور جمع الجمع آوردہ کہ یقیناً درست نیست۔ ممکن است کہ اولیایان باشد۔ 3 ل: شعرش خالی از مزہ نیست۔

جی چاہتا ہے بولیے ہرگز نہ یار سے
پر بس نہیں چلے ہے دلِ بے قرار سے

حسرت یہ میرے دل میں رہی مرتے دم تلک
بوسہ کبھو نہ تو نے دیا مجھ کو پیار سے

نالہ و آہ وفغاں بیطاقتی ہمراہ لے
ہم تو کوچہ سے ترے نکلے بڑے سامان سے

وصل کی صحبت تمھاری جب مجھ یاد آئے ہے
روتے روتے چشم سے خون جگر بہ جائے ہے

تو تو ہر آن خوشی صحبت اغیار سے ہے
میں ہوں اور کام مجھے اس دل بیمار سے ہے

اس کا علاج کیا جسے آرام ہی نہو
ہردم سوا تڑپنے کے کچھ کام ہی نہو

امید وصل اس سے عبث تو رکھے ہے دل
جس سے کہ رسم نامہ و پیغام ہی نہ ہو

دل سوز، خیراتی خاں

خیراتی خاں دل سوز قوم افغاں مرد سپاہی پیشہ از ملازمان نواب ظفر یاب خاں بہادر است جوان خوش خلق و یار باش۔ پاکیزہ روش، نیک معاش، سخن خود را بنظر حکیم ثناء اللہ خاں فراق واستاد عدیم النظیر محمد نصیر الدین نصیر گذرانیدہ۔ جودت طبع بدرجۂ اتم دارد کہ غزلیات وقصائد ورباعی وغیرہ از وبمتانت وفصاحت سرانجام می یابد۔ کلام مزہ دارش رتبہ پیدا کردہ وخالی از کیفیت وبرجستگی نیست:

نہیں ممکن کہ دل سے یہ غم محبوب جاوے گا
بہامت سیل اشک اتنا کہیں، دل ڈوب جاوے گا

ہمارے گھر سے گذر جب کہ سیمبر نے کیا
مژہ نے جھاڑو دی، چھڑکاؤ چشم تر نے کیا

پلا جام ساقی کہ احساں رہے گا
سمجھ لے کہ دوراں نہ یکساں رہے گا

کل کس کے تبسم کا چمن میں یہ فسوں تھا
گل کا بھی جگر چاک دل غنچہ بھی خوں تھا

خسرو ہی نہ تھا بانیِ ایوان عمارت
فرہاد بھی اک کاخ محبت کا ستوں تھا

کہتے تھے کریں گے نہ کبھو چاہ کسو کی
سو بیٹھے تکا کرتے ہیں اب راہ کسو کی

غلط ہے یہ کہ شمشاد اس کی قامت کا نمونا ہے
یہ ہے اک چوب سبز اور وہ قیامت کا نمونا ہے

خواب دیکھی تھی کہ وہ مہرو ہے بالیں پر کھڑا
کھل گئی جو آنکھ تو بالائے سر خورشید تھا

زری کی اس کی رکھوں ہوں جو انگیا رات چھاتی پر
ملا کرتا ہوں کس کس حسرتوں سے ہاتھ چھاتی پر

حیا سے کس لیے گٹھری ہوئے جاتے ہیں یہ سچ کہہ
لگائی ہے صبا غنچہ کے کس نے گھات چھاتی پر

سب سہیں گے ہم اگر لاکھ برائی ہوگی
پر کہیں آنکھ لڑائی تو لڑائی ہوگی

گم ہوا نامہ تو پھر قاصد تو کیوں دلگیر ہے
تھا لکھا قسمت کا یوں ہی تیری کیا تقصیر ہے

وے منہ زلفوں سے ڈھانپے ہیں تو ہم آنسو بہاتے ہیں
وہ دن کو رات کہتے ہیں تو ہم تارے دکھاتے ہیں

سحر وہ رشک مکھڑے پہ جب زلفیں بناتا ہے
تو لے کر ہاتھ میں خورشید آئینہ دکھاتا ہے

خاک آلودہ تن ہمارا ہے
بس یہی پیرہن ہمارا ہے

بجلی نہ پڑی کیونکر یاں ٹوٹ ہمارے پر
چمکی ہے کناری واں دامن کے کنارے پر

چکر میں آوے ہالۂ مہ آسمان پر
بالی کو ٹک الٹ کے وہ رکھ لیں جو کان پر

ہوئے برباد ہم اور بن گئی ان سے رقیبوں کی
گلا کس کا کروں خوبی ہے سب اپنے نصیبوں کی

پالکی اور نالکی پر جو کوئی مغرور ہے
غور کر دیکھا تو وہ خانہ بدوش آیا نظر

قطعہ

وے تو کہتے ہیں راز دل ہرگز
مت کسی اپنے یار سے کہنا

اور یہاں دل کی بے قراری سے
روز دو تین چار سے کہنا

شب کو نشے میں یار جو بیہوش ہوگیا
میں بے خطر ہو اس سے ہم آغوش ہوگیا

امکان کیا ہے گل کی نزاکت یہاں لگے
بار گہر سے سرخ بنا گوش ہوگیا

یہاں تک گلشن گیتی سے ہے دلگیر دل میرا
رہے ہے چپ سدا جوں بلبل تصویر دل میرا

تمنا ساتھ سونے کی ہے تیرے سیمبر اس کو
نہ فکر زر رکھے ہے نہ غم اکسیر دل میرا

رہے ہے دھیان کیا زلف اور بالی کا تری اس کو
سدا پہنے رہے ہے طوق اور زنجیر دل میرا

باغ میں کون ہوا خواہ ہے تجھ بن اس کا
طفل غنچہ کو صبا جا کے کوئی برگ کھلا

قرار لے گئی اک نازنین پردے میں
نگاہ لڑ گئی رتھ کے مہین پردے میں

دل اڑانے کے حق میں آندھی ہے
زلف بھی چور بال باندھی ہے

گلی میں یار کی وہ ہی گزار کرتے ہیں
جو ہر قدم پہ سر اپنا نثار کرتے ہیں

داغ ہر لالہ نے سینہ پہ چمن میں کھائے
رخ گلگوں پہ ترے تل جو سیہ فام سنا

نے حرف زبانی ہی نہ خط ہی لکھا لایا ۔۔۔ قاصد کی خطا کیا ہے قسمت کا لکھا لایا

کبھو کھینچے ہے ہم پر تیغ، گہ خنجر نکالے ہے ۔۔۔ نشا تو پی کے ظالم اپنے یہ جوہر نکالے ہے

نمود خط پہ کیا پھولے پھرو ہو کچھ خبر بھی ہے ۔۔۔ تمھارا طایر حسن اب یہ بال و پر نکالے ہے

یوں چمکتے ہیں مسی آلودہ وہ دنداں سفید ۔۔۔ شب کو کھلتی ہیں گل شبّو کی جوں کلیاں سفید

صفحۂ دل پر ترے مطلق نہیں حرف وفا ۔۔۔ اس لیے بھیجا ہے خط تجھ کو میں اے جاناں سفید

شب خیال زلف تھا یاں تک دل بیتاب میں ۔۔۔ سانپ ہی پھرتے رہے آنکھوں کے آگے خواب میں

حنا مل کر جو تم ہاتھوں سے دریا میں بہاتے ہو ۔۔۔ ہنر کرتے ہو یعنی آگ پانی میں لگاتے ہو

عبث تو کھینچ کر تلوار کیوں بدنام ہوتا ہے ۔۔۔ یہاں ابرو کے ٹک ہلنے میں اپنا کام ہوتا ہے

آئینہ پر کیا نظر کرنے لگا ۔۔۔ اپنے اوپر آپ وہ مرنے لگا

شمع ساں جو بن ڈھلا اور خود پسندی رہ گئی ۔۔۔ وہ مثل ہے اڑ گئے اور بلندی رہ گئی

دلوں کو کرتے جو تم پائمال چلتے ہو ۔۔۔ بتوں خدا سے ڈرو کیا یہ چال چلتے ہو

دامن سے گل کے ہی نہ چمن میں صبا لگی ۔۔۔ ہے کونسا شجر نہیں جس کو ہوا لگی

بال کھولے جو وہ ہوں سر پہ کھڑے پانی کے ۔۔۔ موج سے پاؤں میں زنجیر پڑے پانی کے

اٹھے تھے دیدۂ تر محفل میں خوب رُو کے ۔۔۔ رہتے یہ خوب رو کے پر ہم نے خوب رو کے

لکھ دیجیو تربت پہ مری کلک جلی سے ۔۔۔ مر مر گئے عشاق تری سنگ دلی سے

دست خیال کیوں نہ میں دوڑاؤں دیکھ کر ۔۔۔ لاہی کی کیا الٰہی وہ انگیا مہین ہے

ہمارے گھر میں گذر جب کہ سیمبر نے کیا ۔۔۔ مژہ نے جھاڑو دی چھڑکاؤ چشم تر نے کیا

پلا جام ساقی کہ احساں رہے گا ۔۔۔ سمجھ لے کہ دورہ نہ یکساں رہے گا

غلط ہے یہ کہ شمشاد اس کے قامت کا نمونہ ہے ۔۔۔ یہ ہے اک چوب سبز اور وہ قیامت کا نمونہ ہے

وہ بجلی کا سا مکھڑا، بال سر کے ابر کالا ہے ۔۔۔ وہ بجلی ہی نرالی ہے وہ بادل ہی نرالا ہے

در[1] موسم گرما کہ افراد مگس بود[2]، روزی بترغیب بعضی از یاران چنیں گفتہ:

---

1. اصل/ق: روزے بر سبیل مذکور ایں قطعہ از و سر زدہ۔ 2. ل: می شود، روزے بہ ترغیب بعضے از یاراں چناں گفتہ۔

قطعہ

افراط مگس یہ اب کے عالم میں ہے   کھاتا ہر اک انسان ہے چھپ کر کھانا
مکڑی بھی اب بیم سے کھانے کے وقت   کرتی ہے کھڑا جالے کا نعمت خانا

قطعہ

نماز ظہر کو کل شیخ جیو نے   جو پوچھا دوپہر پر، کیا بجے ہے
سنی لڑکوں نے جونہیں ان سے یہ بات   بجا کر تالیاں بولے ڈھلے ہے

ولہ

اسی کے نور کا دیر و حرم میں ہے جلوا   ولیک دید کا کچھ شیخ جی کو ڈھنگ نہیں
مثل وہ ہے کہیں کانا تھا سیر کو نکلا   جو پھر کے دیکھے تو بازار ایک النگ نہیں

قدم [1] رنجہ کرے ٹک میر کو گر سیمبر اپنا   گل وغنچہ لٹادیں باغ میں یکمشت زر اپنا
گیا جو شمع ساں، پایا نہ تن پر اس نے سر اپنا   قدم رکھے کوئی محفل میں کیا قاتل کی سر اپنا

بھویں کمان نہیں یا مژہ خدنگ نہیں   کہوں میں کیونکہ بھلا تجھ کو خانہ جنگ نہیں
زلف و روی گلرخاں کا جب میسر دید تھا   رات تو تھی شب برات اور روز، روز عید تھا
پر زرق و برق دیکھے جو اس گل کا نیچا   دے پھینک ماہ نو بہ تجمل کا نیچا
رو کے سپر نہ کیونکہ یہ گرداب بحر میں   مارے ہے موج: آب تسلسل کا نیچا
فوج طمع کو کرتے ہیں یاں قتل وہ کوئی   رکھتے ہیں جو بغل میں توکل کا نیچا

قطعہ

جا اس روشِ چمن میں نہ گلچیں تو بیدھڑک   دیکھا نہیں ہے تو نے مگر گل کا نیچا

---

[1] اصل: از ینجا تا آخر برحاشیہ۔

رکھا ہے تیرے واسطے اس نے چھپا کے آج
دامن میں اپنے شہپر بلبل کا نیچا

دلسوز کے تو قتل پہ کیوں کھنچتا ہے تیغ
کافی ہے اک نگاہ تغافل کا نیچا

گر لگے ہاتھ نگیں مہر سلیمانی کا
اس پہ کھدواؤں میں نام اپنے بتِ جانی کا

تار سے اشک کے ہے اس پہ اتوے قلمی
پیرہن کیوں نہ لگے خوش مجھے عریانی کا

لگی ہے عقد ثریا بھی جھپکنے آنکھیں
دیکھ کر کان میں جھمکا ترے چودانی کا

خلل گٹھیا کا ہے شاید ہوائے ناموافق سے
جو تو باندھے ہوئے ہے بند ہر اک نیشکر اپنا

بہم ان سے شب جو بگڑ گئی، تو خفا ہو مجھ کو رلا دیا
ولے میں بھی کیا ہوں کہ روتے میں یہ بتلایوں کہ بہادیا

یہ سموم فرقت شمع رو مری آہ دشمن جاں ہوئی
کہ چراغ صبح کی طرح سے مجھے ایک دم میں بجھادیا

ہجر کا روز کٹے وصل کی ہو رات شتاب
کر قبول اب مری یارب یہ مناجات شتاب

حسرتیں دل کی نہ افسوس نکلنے پائیں
کٹ گئی وصل کی دل سوز یہ کیا رات شتاب

نہیں ہے گر بہار حسن کا اپنے تو دیوانا
ترے کیوں پاؤں میں سونے کی ہے زنجیر کیا باعث

کس روش اب کے ہوا باندھی ہے صیاد نے آ
واچمن میں نہیں اک مرغ ہوا گیر کے پر

ستم کسی تری انگیا ہے تنگ سینے پر
نگہ کے حق میں ہے قیدِ فرنگ سینے پر

ملیں گے خاک میں جب دانہ ساں تو پھر دلسوز
رہیں گے لاکھوں پڑے خشت وسنگ سینے پر

شب جو نالے ایک دو آئے لب خاموش پر
کہکشاں کی رکھ لی انگلی آسماں نے گوش پر

جالی کی سبز کرتی گلے میں ترے نہیں
ہے طایر نگاہ کے حق میں یہ جال سبز

ارادہ تھا جو پابوسی کو اسے بیداد گر اپنا
گرا قدموں ہی پر تیرے، کٹا جس وقت سر اپنا

دُر ہیں چودانی کے یوں اس کان میں رخشاں سفید
ہوں قریب ماہ جیسے اختر تاباں سفید

منہدی سے ہاتھ کب ہیں ترے اے نگار بند
یک دست کے لیے ہیں دل بے قرار بند

شکوہ وشان بعد مرگ کیا بس یہ ہی کافی ہے
مزار خاکساراں پر غبار راہ کا گنبد

آئینہ خانہ میں کیا وہ سرخ پوش آیا نظر
بحر آتش کا ہر اک جانب کو جوش آیا نظر

دیدۂ پُر آب کا میری ہے یہ محفل میں شور
ساقیا مینائے می پنبہ بگوش آیا نظر

ہے یہی دل سوز دل میں مر رہوں گا زہر کھا
آج گر مجھ کو نہ میرا سبز پوش آیا نظر

کس کا ٹھہرے ابلق گردوں کی آسن پیٹھ پر
کہکشاں کی اس کے ہے بے وجہ ساپن پیٹھ پر

چشم میں میری رہے ہے کیا خیال اس چشم کا
مرگ چھالا باندھے یہ پھرتی ہے جوگن پیٹھ پر

مغتنم ہے دوستوں میں کوئی دم ہنس بولنا
ہے کھڑی دل سوز کل کو موت دشمن پیٹھ پر

دلسوز مبتلا تھا کس سبز رنگ پر
جو وقت نزع اس کا ہوا ہے جمال سبز

شب دل اپنا جو گیا کاکل دلدار کے پاس
پھر وہ جیتا نہ پھرا اس نے رکھا یار کے پاس

تابش ماہ ہو جس طرح ستاروں کے قریب
دھگدگی چمکے ہے یوں موتیوں کے ہار کے پاس

دل شش و پنج میں رہتا ہے کہیں داو نہ کھائے
بیٹھ کر کھیلے ہے چوسر جو وہ دوچار کے پاس

کشتہ ہوں سرو چراغاں کی ادا کا دلسوز
گاڑ دو لاش مری باغ کی دیوار کے پاس

ہم صغیران چمن کر گئے پرواز و ہنوز
وائے قسمت کہ رہے ہم ہی گرفتار قفس

گر قدموسی کو دل ہے سیکھ پروانے کا شوق
یعنی پائے یار پر سر رکھ کے جل جانے کا شوق

حرف شکوے کا تو کب لاتے ہیں ڈر سے لب تلک
نالے بھی آتے نہیں اپنے جگر سے لب تک

کل اس پری کا لیا جو بوسہ جو ہیں میں کر کے کواڑ اوجھل
رقیب منہ پھیر ادھر سے بولا کہ آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل

دل میں اپنے سو تمنا اور طلب رکھتے ہیں ہم
پر کہیں کچھ تم سے، یہ مقدور کب رکھتے ہیں ہم

تربت پہ نہیں میری پھولا گل لالہ ہے
ہر داغ جگر نے سر پردے سے نکالا ہے

رو دیا محفل میں جس دم وہ نظر آیا مجھے
دل کی بیتابی نے آخر کر دیا رسوا مجھے

ہمیشہ گریہ و زاری رہے ہے
محبت میں یہی خواری رہے ہے

تری آنکھوں سے کیا نرگس کو نسبت
اسے یرقاں کی بیماری رہے ہے

قطعہ

دلا عجب یہ تماشے کی زال دینا ہے
میں بتہ بازی کا اب اس کی کیا بیان کروں

کبھے ہے بھان متی کا ہے یاد مجھ کو کھیل
جواں کو پیر کروں پیر کو جوان کروں

تاحشر لڑاؤں میں اگر یار سے آنکھیں
جوں آئینہ ہوں سیر نہ دیدار سے آنکھیں

مہر کا چہرہ ہے زرد اور ماہ کے منہ پر ہیں داغ
کیونکہ نسبت دیجیے ان سے ترے رخسار کو

مقابل چشم آئینہ کے تو اے جان جس دم ہو
لب دریا ہو، سیر مہ ہو، حیرانی کا عالم ہو

یاد میں قامت کی اس کی دی ہے میں نے جان آہ
گاڑ دینا باغباں تو مجھ کو زیر پائے سرو

مہر و مہ کو کیا ہے حلقہ بگوش
کیا بلا کان میں یہ بالا ہے

کیا ہوا پاس ہم جو آبیٹھے
آپ کیوں تیوری چڑھا بیٹھے

دکھایا منہ نہ تم نے بے وفائی اس کو کہتے ہیں
ہوس میں مر گئے ہیں ہم آشنائی اس کو کہتے ہیں

خیال پنجۂ مژگاں بھی عاشق کا جو واں بیٹھے
وہیں مڑ جائے ہے نازک کلائی اس کو کہتے ہیں

آبداری خنجر مژگاں کی کیا ہی بوند ہے
جا بھڑا اس سے مرا دل بھی سپاہی بوند ہے

چشم بد دور اب نکالے ہے نیا اک تار نور
سوئے دامن جو سر مژگاں سے راہی بوند ہے

مردماں دریا میں ہووے کیوں نہ ہم چشم صدف
زخم دل کی یہ مرے بہر تباہی بوند ہے

شاہد جانی اڑا تکل کو جب چاہے ہے داد
وہ ہیں دے اٹھتے ہیں سب مل کر گواہی بوند ہے

اس کے خط سبز کا یہ ہے تصور چشم میں
اشک کی میرے جو نکلے ہے سو کاہی بوند ہے

گوہر شہوار ہوتے ہیں صدف کے بطن میں
کیا ترے یہ ابر رحمت کی الٰہی بوند ہے

جس سے ہو نور بصارت مردم روشن دلاں
مردمک سو چشم کے زیر سیاہی بوند ہے

نکتہ چیں کے پیٹ میں سنتے ہی پانی پڑ گیا
تو نے اے دلسوز زور اب یہ نباہی بوند ہے

قطعہ

وے تو کہتے ہیں راز دل ہرگز
مت کسی اپنے یار سے کہنا

اور یہاں دل کی بے قراری سے
روز دو تین چار سے کہنا

دیکھ کر گل نے تری صبح بہار دامن
دُر شبنم کیے یک مشت نثار دامن

نہ جاتے ہیں کبھی اس پاس، نے پیغام کرتے ہیں
ہمیں یہ لوگ ناحق اس سے اب بدنام کرتے ہیں

یہ چشم نم میں کیا لخت دل افگار اخگر ہے
نظر کر مشتعل پانی میں اے دل دار اخگر ہے

برہم ہو جو سنتے ہیں مرا نام زباں سے
قاصد کہے کیونکر اسے پیغام زباں سے
لب باغ میں کرتے نہیں وا اس لیے غنچے
کیوں عمر دو روزہ پہ ہوں بدنام زباں سے
ترے یوں عکس رو سے دیدۂ پُر آب چمکے ہے
شعاع مہر سے جوں حلقۂ گرداب چمکے ہے

مطلع ثانی

تہ پشواز کیا پاجامۂ کم خواب چمکے ہے
کہ مچھلی قلس سی جوں صاف زیر آب چمکے ہے
خیال اس شعلہ رو کا اس نے اے دلسوز باندھا ہے
شرر آسا جو تیرا یہ دلِ بیتاب چمکے ہے
چاہ ذقن میں خال جو تیرے نگار ہے
اپنے غریق دل کا یہی یار غار ہے
چمن میں دیکھ تیرے فندق پائے نگاریں کو
گل منہدی کی ہر شاخ خمیدہ پاؤں پڑتی ہے
خون دل میرا جو بانہوں میں وہ اک رات ملے
پھر تو سر کوٹے حنا سنگ پہ اور ہات ملے
کیا پاؤں میں مجنوں کے زنجیر جھمکتی ہے
پایل بھی تری لے لے تصویر چھکتی ہے
گذاری شب تو میں ہر طرح آہ وزاری سے
یہ روز ہجر کٹے گا بہت ہی خواری سے
غم نے بتوں کے دل میں اب آکر خلل کیا
ان کافروں نے گھر میں خدا کے عمل کیا
ستاتی ہے نہایت شب کو تیری چاہ کیا کہیے
کسی کروٹ نہیں آرام آتا آہ کیا کہیے
جو مجھ پہ ہجر سے گذری سو یار کیا جانے
خزاں کی بات گلِ نو بہار کیا جانے
خدا نے دی ہے وہ آن و ادا اے دلربا تجھ کو
بتاں بھی دیکھ کر سجدا کریں نام خدا تجھ کو
لبوں پہ جلوہ نما صبح و شام ہے گالی
مگر کچھ آپ کا تکیہ کلام ہے گالی
کل وہ چمن میں آنکھیں مل کر جو کھلکھلایا
نرگس نے سر جھکایا لالا نے داغ کھایا
رات تم اس طرف جو آن پھرے
دن مرے کچھ تو میری جان پھرے
درد دل کہہ کر جو میں اندوہ گیں رونے لگا
سن کے میرا حال ہر اک ہم نشیں رونے لگا
کرتا ہے سر مژگاں یوں اشک مرا بازی
جوں بانس پہ کھاتا ہو نٹ کوئی کلا بازی
بہار جوشِ وحشت از سر نو قیس برپا ہو
جو اپنا دشت میں خون کف پا خار کو ملیے

دردؔ، سید کرم اللہ خاں

سید کرم اللہ خاں دردؔ مردے بود از خاندان سیادت ونجابت از [1] قرابتیان عمدۃ الملک نواب معلّٰی القاب سید امیر خان بہادر، درعہد سلطنت حضرت فردوس آرام گاہ۔ ایام بہ عمدگی وحشمت بسر می برد۔ ازمحاورۂ اردوئے معلّٰی خوب واقفیت داشت وشعر دردمندانہ می گفت۔ غزل [2] ہٰذا از ارشاد اوست:

تحمّلِ آتش غم میں دل بیتاب کیا جانے ٹھہرنا ایک دم بھی آگ پر سیماب کیا جانے

دوانہ بیہُدہ [3] رسوائے عالم ہم کو کہتے ہیں ہمارے عشق کی انشا کے کوئی القاب کیا جانے

کنارے سے کنارا کب ملے ہے بحر کا یارو پلک لگنے کی لذت دیدۂ پُر آب کیا جانے

سمندر کو نہ دے نسبت مری آنکھوں سے تو ہرگز ابلنے کی طرح چشموں سے یہ تالاب کیا جانے

تڑپتا دیکھ بسمل کو کہا یوں دردؔ سے دل نے ادب کے حق ادا کرنے کے یہ آداب کیا جانے

دردمندؔ، میر محمد فقیہ

میر محمد فقیہ دردمندؔ، وے شاگرد استاد سخن فیض گستر مرزا جان جان علیہ الرحمہ [4] بود مرزا مرحوم بروتوجۂ بزرگانہ بسیاری فرمودند ومثنوی موسوم بہ ساقی نامہ کہ از نتائج طبع اوست کمال می ستودند، فی الواقع کہ بحسب رواج آن وقت نہایت خوب گفتہ واشعار دیگر ہم دارد۔ الا [5] ساقی نامہ خیلے مشہور وبر زبان خلق جاری است ایں ابیات از وست:

نظر تو کرو ٹک چمن کی طرف شگوفے کو آئے ہیں مستی سے کف

چمن میں بھرا ہے نشا، یاں تلک کہ نرگس کی جاتی ہے گردن ڈھلک

درمدح استاد خود چناں گفتہ

خدیو سخن مرزا جان جاں کہ حکم اس کا ہے ناطقہ پر رواں

1 ل: درقرابتیاں۔ 2 اصل/ق: ایں غزل۔ 3 بیہُدہ: بیہودہ۔ 4 اصل/خ: مرحوم بسیار از وخورسند وراضی بودند۔ 5 اصل/ق: ایں ساقی نامہ۔

لقب اس کا ہے ذوالجلال سخن — کہ بندے ہیں اس کے سب ارباب فن
کوئی آج اس کے برابر نہیں — وہ سب کچھ ہے لیکن [1] پیمبر نہیں

درمدح محمد علی خاں کہ ممدوح او بود و باوے خیالی داشت ایں طور زبانش یاوری دادہ:

پڑی اس کی قدرت کی از بسکہ دھوم — لیے ہاتھ قدرت کے صانع نے چوم

شعری از غزلیاتش کہ بہم رسیدہ بود نیز بزبان قلم سپردہ:

قفس تک بھی نہ پہنچے اور پڑے دور آشیانے سے — عجب ساعت میں بچھڑے تھے چمن کے آستانے سے

درویش، شاہ علی

شاہ علی درویش [2] از پیرزادہ ہائے دہلی است، بشاگردی میر نظام الدین ممنونؔ سلمہ رجوع نمودہ۔ شوق حفظ کلام ربانی بگوشۂ خاطرش متمکن گشتہ، صلاحیت طبع بسیار دارد۔ ایں افراد از گفتہائی اوست:

بنے کیا عشق میں اب حضرت دل جان پر دیکھو — نہ کہتے تھے ملومت اس سے وہ ہے فتنہ گر، دیکھو
تمھارے عشق نے نقشہ بنایا کیا، شہ خوباں — تم اس درویش کی صورت کبھی تو آن کر دیکھو
ابھی از گم ہوا ہے یک بیک پہلو سے دل اپنا — یہیں ہوگا، کہیں ڈھونڈو، اِدھر دیکھو، اُدھر دیکھو
ضرور اتنی بھی کیا ہے تیز گامی ناتوانوں سے — رہا جاتا ہوں پیچھے، آہ یاران سفر دیکھو
بے طرح طپش رات رہی سینہ میں دل کو — شب زخم کا ٹانکا نہ کوئی ٹوٹ گیا ہو
رنجش کی وہ کیا بات ہوئی بزم میں اس کی — ہم سے تو قسم لو جو اگر لب بھی ہلا ہو
بوسہ جب مانگا انھوں نے منہ لیا ادھر سے پھیر — دل میں کچھ شرمندہ سا ہو کر یہ سایل رہ گیا

دلہن بیگم

دلہن بیگم المعروف بہ نواب بہو صبیہ نواب خاں خاناں مرحوم زوجۂ خاصہ مدار المہام نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر، بسیار مرتض [3] و حق شناس، نہایت متعبد نیک اساس، سجادہ نشیں

---

1 ل: الاّ۔ 2 اصل/خ: او شخصے فقیر زادۂ نومشق۔ از شاگردانِ میر نظام الدین ممنون سلمہٗ است۔
3 کذا در اصل کہ واضحاً غلط ہے مرتاض ہونا چاہیے بمعنی ریاضت کرنے والا۔

مسند فخر وافتخار وسادہ گزیں، چار بالش فقر وافتقار، لیل ونہار بیاد آفریدگار پاک بسری بردو بہ تلاوت قرآن مجید وخوشنودی خالق برحق اشتغال دارد۔ رسائی طبع بدرجۂ اعلیٰ دارد کہ بعون عنایت الٰہی ومنابت کلی از شعر وسخن باو نصیب شدہ گاہ گاہی اشعار ریختہ از طبع دریا بارش می تراود:

اتنے کم ظرف نہیں ہم جو بہکتے جاویں مثل گل جاویں جدھر جاویں مہکتے[1] جاویں

مت کرو فکر عمارت کی کوئی زیر فلک خانۂ دل جو گرا ہو اسے تعمیر کرو

ایک تو رسوا کیا عالم میں تیرے نیہ نے دوسرے سہنے پڑے لوگوں کے طعنے میہنے

جا پھنسا دل زلف میں اب سویئے شام کے مُردے کو کب تک رویئے

دل لگانے کا مزا کچھ بھی نہ پایا ہم نے شمع ساں داغ دل اپنے کو دکھایا ہم نے

بید مجنوں کی طرح آہ[2] نہ پھولے نہ پھلے باغ دنیا سے ثمر کچھ بھی نہ پایا ہم نے

دیوآنہ، رائے سرب سنگھ

رای[3] سرب سنگھ دیوآنہ در بلدۂ لکھنؤ شاعر غرائے فارسی وہندی است علم استادی برافراشتہ دارد میر[4] جعفر علی استاد میاں قلندر بخش جرات[5] ہم شاگرد اوست وجملہ سخن گویان آں دیار براستادی او[6] مقراند حاصل ایں کہ مرد مستثنا واز مغتنمات زمانہ است بندۂ ذکآرا ایں رباعی از تالیف شریفش بہم رسید بہر کیف خوب گفتہ:

رباعی

وے لوگ کہاں کہ یار باشی کیجے وہ وقت کہاں کہ خوش معاشی کیجے

اک گوشہ میں اپنے بیٹھ ہوکر تنہا اب ناخن غم سے دل خراشی کیجے

---

1 ل: چمکتے۔ 2 ل: ہائے۔ 3 قاسم، شیفتہ، نساخ: رائے سرپ سنگھ؛ عشقی: شاگرد مرزا فاخر؛ گلزار: وفات 1204۔ 4 اصل/خ: آنجا کسے کہ نسبت بہ وے نداشتہ باشد کمتر خواہد بود۔ 5 اصل/ق غزل خود بہ نظر اومی گزرانید۔ 6 اصل/ق: قائل اند۔

دارا، مرزا دارا بخت

مرزا دارا بخت بہادر دآرا تخلص دُر یکتائے خلافت و ظل الٰہی، لولوی گراں[1] مایۂ بحر سلطنت وشاہنشاہی، [2]قرۃ العین جناب مرزا ابوظفر بہادر دام اللہ تعالیٰ ظل جلالہ وافضالہ۔ از صغر سن متوجہگی خاطر اشرف بہ سخن فہمی وشعر گوئی بسیار دارد[3]، وشعریکہ از زبان گوہر فشاں آن دریای ذخار علم وفضل می تراود، نہایت نغز و مستغنی الاوصاف است ایں ابیات [4]از ارشاد آں [5]والا جاہ دریں مقام ثبت افتاد:

کسی کی چشم میگوں کا تصور ہم کو ہے دآرا
قدم اٹھتا نہیں ہے، لغزش مستانہ رکھتے ہیں

کیوں کہ بیزار یہ اس عاشق غم خوار سے ہو
اب تو ملنے لگے تم اور بھی دوچار سے ہو

استراحت نہ کرے سایۂ طوبیٰ میں بھی وہ
جس کو آرام ترے سایۂ دیوار سے ہو

کو بکو ہے دہن یار کا عقدا یارو
کیونکہ ظاہر یہ بھلا اب لب اظہار سے ہو

کس نے دل لے لیا بھولے سے تمھارا دآرا
آج بیٹھے ہوئے خاموش جو لاچار سے ہو

یارو حلاوت ایسی لب نازنین میں ہے [6]
لذت نہ قند میں نہ مزہ انگبیں میں ہے

انگشتری کے گھر میں مرے لخت دل کو رکھ
رنگت نہیں یہ لعل یمن کے نگیں میں ہے

دآرا تری غزل کی میں تعریف کیا کروں
دیوان حاتم و نہ بیاضِ یقیں میں ہے

کچھ ہمارے ہی نہ تھے آپ لہو کے پیاسے
آب شمشیر کے تھے ہم بھی کبھو کے پیاسے

آب و دانے کی ذرا آ کے خبر لے صیاد
کہ اسیرانِ قفس مرتے ہیں بھو کے پیاسے

وائے قسمت نہ ہوا شربت دیدار نصیب
ہجر میں مر گئے اس عربدہ جو کے پیاسے

جب کہ وہ پان ترے ہاتھ سے کھائے اے شوخ
ہم بھلا کیونکہ نہ ہوں خونِ عدو کے پیاسے

چاہیے واسطے پانی کے بجز صاحب ظرف
ملتجی ہوویں نہ دنیا میں کسو کے پیاسے

---

1. اصل/ق: بے بہا۔ 2. اصل/خ: نبیرۂ حضرت صاحب عالم وعالمیاں ولی عہد مرزا محمد اکبر شاہ بہادر۔
3. اصل/ق: داشت۔ 4. ل: ابیات چند۔ 5. اصل/ق: طبع دریا بار آں والا جاہ است۔ 6. یہاں سے دس شعر ''ل'' سے اضافہ۔

شورش تشنہ لبی سے جگران کا ہے کباب — ہیں جو ساقی تری صہبائے سبو کے پیاسے
ہوس چشمۂ حیواں نہیں رکھتے دارا — آب چاہ ذقن یار نکو کے پیاسے

دلؔ، غلام مصطفیٰ خاں

غلام مصطفیٰ خاں دلؔ خلف غلام محی الدین خاں دہلوی جوانی ہوشیار و مستعد بود بخوشی وشادمانی وبعیش وکامرانی اوقات عزیزمی ساخت۔ ایں اشعار از طبع فہیم اوست:

گریہ تری آنکھوں کا ہوا بسکہ گلو گیر — محشر میں تری کیا کوئی فریاد کرے گا
سماں گھٹا کا خدا بن ترے نہ دکھلاوے — برا لگے ہے یہ ابر سیاہ آنکھوں میں
کیا کیا سمے[1] گذر گئے آنکھوں کے دیکھتے — گویا کہ خواب بھی وہ خیالوں میں اب نہیں

دلؔ، زور آور خاں

زور آور خاں دلؔ وے شخصے قوم کایتھ باشندہ دہلی[2] از رفقایان نواب اشرف الدولہ افراسیاب خاں بہادر گویند کہ از چندے بحلقہ اہل اسلام در آمدہ، وکلمہ محمدی برزبان راندہ۔ مزاج لا ابالی دارد، در عالم نشہ گاہ گاہی بعضی غزل واشعار از وطرح می یابد۔ ذوق[3] اتباع اشعار شاعران بگوشہ خاطرش جا گرفتہ:

رات کی نیند گئی دن کا سب آرام گیا — زلف خوباں میں بھلا تو دل بدنام گیا
یہ تماشا ہے کہ قاصد کو ملے ہے دشنام — خط کا انعام گیا نامہ و پیغام گیا
رہے شب موتیا کے ہارواں زیبا کی چھاتی پر[4] — پھپھولے پڑ گئے یاں عاشقِ شیدا کی چھاتی پر

داوٗدؔ

داوٗدؔ تخلص ہر چند ایں عاصی ذکا تلاش نمود دیوانش بہم نرسیدہ واحوال او کماہی بوضوع نہ

---

1 دراصل سمیں، تصحیح قیاس۔ 2 ل: دہلی است؛ اصل/ق: کھتری از باشندہ دہلی است۔ 3 اصل میں حاشیہ پر۔ 4 اصل میں۔حاشیے پر۔

پیوست بہ تفحص [1] نمایاں ہمیں یک شعر بدست آمد:

کیونکہ سیر چاندنی کرنے کو نکلے وہ صنم دیکھنے مہ کا تماشا آفتاب آتا نہیں

دیدآر، دیدار علی شاہ

دیدار علی شاہ گاہ گاہے سر بسخن میداشت بعضی از اشعار متفرقہ او بدست آوردہ۔ بیتے دریں جا نگاشتہ می آید:

گر دل میں مرے تیری ٹک جلوہ گری ہوتی شیشہ تو نظر ہوتا ہر اشک پری ہوتی

1. اصل/ق: بہ تفحص بے کراں وتجسس نمایاں ہمیں یک شعر بدست آمدہ۔

ردیف الذال المعجمہ

ذرہ، راجہ رام ناتھ

مرزا راجہ رام ناتھ بہادر متخلص بہ ذرہ راجۂ ذیشان عظیم الاقتدار پُر فتوت و سخاوت و صاحب علم و حیا و فیاض و قدر شناس بودہ است۔ حلقۂ متابعت اسلام شریف در گوش خاطرش جا گرفتہ بود، از حضور اشرف اقدس اعلیٰ بخدمت پیش کاری نظارت بعہدۂ آن متعلق اوست۔ بخطاب مرزائی اعزاز تمام داشت۔ چنانچہ در نگینۂ انگشتری خاص ہمیں خطاب کندایندہ در ہر سال تعزیہ میگرفت و بتاریخ شہر ربیع الثانی حسب الحکم قدر قدرت مہدی حضرت غوث صمدانی محبوب سبحانی قدس اللہ سرہٗ بہ تیاری شایان و تجمل نمایاں بہ قطعۂ مبارک میبرد۔ اختصار اینکہ گاہ گاہی برای تفریح مزاج بیتے یا غزلے ارشاد می فرمود و چوں تخلص مبارک حضرت ظل اللہ تعالیٰ آفتاب است، لہٰذا ذرہ تخلص خود مقرر کردہ:

غضب میں آکے عاشق کو لٹا دیتی ہیں لال آنکھیں ۔۔۔ چھنا لیتی ہیں میری جان یہ کافر چھنال آنکھیں

ترے کوچے میں روز و شب پڑا پھرتا ہے یہ ذرہ ۔۔۔ بجا ہے ایسے دیوانے کے مطلب کو روا کرنا

ذرہ، جینتی داس

جینتی داس ذرہ ساکن دہلی مردے غریب، مسکینیت وضع از جوہر علم فارسی بہرہ ور و متمتع است مگر بمر کساد روزگار پیشۂ معلمی اختیار کردہ۔ بہر حال نظر بر عواقب امور بیشتر دارد و اکثر شعر بطور تصوف می گوید:

اس [1] مزرعۂ جہاں میں نیکی کے تخم بولو ۔۔۔ آب رواں جہاں ہے، واں [2] ہاتھ اپنے دھولو

ذوقی، شاد

شاد ذوقی تخلص، شخصے درویش در لکھنؤ است کمال وارستہ مزاج کہ مطلق خیال تعلقات

---

1 اصل/ق: کام عاجزوں سے کرلو۔ 2 اصل/ق: کچھ۔

دنیاوی در گوشۂ خاطر او متمکن نگشتہ۔ آنجا در کوچہ و بازار شعر خواں و غزل سرا[1] می گردد ایں ابیات منسوب اوست:

اس کا شکوہ نہ گاہ کیجیے گا
جس طرح ہو نباہ کیجیے گا
اپنی یہ چاہ اس کی یہ صورت
اے عزیزو نگاہ کیجیے گا
ہے ہات کماں اس کے اب تیر ہے اور میں ہوں
تدبیر ہے لاحاصل، تقدیر ہے اور میں ہوں
رکھ ہاتھ وہ قبضہ پر برہم ہو لگا کہنے
اب تو ہے، ترا سر ہے، شمشیر ہے اور میں ہوں
جلد آ مل جو تجھ کو آنا ہے
ورنہ ایک دم کو دل روانہ ہے
نے بام کے ہیں زیب، نہ زینت کسو در کے ☆ ہم بارٹ کے روڑے نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے

ذکی، جعفر علی خاں

نواب جعفر علی خاں ذکی امیرے پنج ہزاری از امرای عہد سلطنت حضرت فردوس آرام گاہ، از رفیقان نواب عمدۃ الملک امیر خاں بہادر غفر اللہ ذنوبہ، بسیار صاحب حشم و اہل جمعیت و خلیق و نیک زندگانی کشادہ پیشانی و ستودہ اطوار، حمیدہ کردار بود۔ شعرش مطابق رویۂ آں وقت و گفتگوئے آں زمان سرانجام می یافت و متانت و فصاحت تام داشت ایں اشعار او بہم رسانیدم:

سن کے احوال مرا ناصح مشفق نے ذکی
ہاتھ سے ہاتھ ملے حیف سے سینہ کوٹا
چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں ہوتا رفو
سوزنِ تدبیر ساری عمر اگر سیتی رہے
خاکساری[2] پر نہ کر موذی کی ہرگز اعتبار
جونک ماٹی میں ملے تو بھی لہو پیتی رہے
عشق میں نسبت نہیں بلبل کو پروانے کے ساتھ
وصل میں وہ جان دے یہ ہجر میں جیتی رہے

ذکی، محمد ذکی

محمد[3] ذکی ذکی خلف محمد تقی کہ ذکرش سابقہ در ردیف تا گذشت کہ تقی تخلص می کند، جوانے

1۔ اصل/ق: غزل گویاں ☆ ل سے اضافہ۔ 2۔ ل: خاکساری پر نہ موذی کی ذرا کر اعتبار ـــ جونک پانی میں رہے تو بھی لہو پیتی رہے۔ 3۔ اصل/ق: میاں محمد ذکی، ذکی خلف الصدق قاری محمد تقی تقی۔

محبت التیام خوبی انضمام است، اکثر ریختہ میگوید وغزل خود را بنظر حافظ عبدالرحمٰن خاں احسان میگذارند، فکر خوش ومشق تازہ دارد:

میرا دل سودا زدہ اس میں سے نہ گر جائے
کر زلف کو شانہ تو مری جان سمجھ کر

چڑھائے تیوری رہتے ہو اس اخلاص پر
تمھیں لی کس نے چٹکی کیوں اتر بیٹھے ہو زانو سے

غضب ہے قہر ہے، آفت ہے ایسا وقت آیا ہے
رہوں محروم میں اے یار، ساغر تیرے لب چو سے

جزاک اللہ کیا دام بلا تم نے بچھایا ہے
ہزاروں دل لٹکتے ہیں تمھارے تار گیسو سے

ذہینؔ، بے سکھ رائے

بے سکھ رائے ذہین پیشتر خیال تخلص میکرد درین ولا ذہینؔ تخلص ساختہ۔ وی ساکن دہلی از عزیزان ایں بندہ ذکاؔ قوم کایتہ ماتھر در انشا پردازی وشکستہ نویسی مہارتے دارد۔ انسان نیک شمایل پاکیزہ خصائل بحسن صورت آراستہ و بہ نیکی سیرت پیراستہ است۔ تحصیل عروض وقوافی وعلم صرف ونحو بواقعی نمودہ بہر دو زبان آشنا است، اکثر غزل طرحی مشاعرہ بصوابدید ومشاورت این بندہ راقم بخوبی سرانجام میدہد وسخن خود را بگوش دقیقہ نیوش نکتہ سنج بے نظیر محمد نصیر الدین نصیرؔ میرساند:

تو جور و جفا کر نہ سکھائے سے کسی کے
کچھ پھل نہیں پانے کا ستائے سے کسی کے

اے یاسمن اس سے نہ مقابل ہو کہ جس کا
میلا ہو بدن ہاتھ لگائے سے کسی کے

حسرت ہی رہی جی میں مرے آہ پس از مرگ
بالیں پہ دم نزع نہ آئے سے کسی کے

پان کھایا ہاتھ سے تو نے اگر دو چار کے
خون ہو جائیں گے یاں اس بات پر دو چار کے

مصحف رخ پہ ترے دل ہے مرا سی پارہ
حق ہے یہ بات ابھی لیتا ہوں قرآن اٹھا

ذوقؔ، شیخ محمد ابراہیم

شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ تخلص وے از ساکنین دارالخلافہ شاہ جہاں آباد است، اکثر در مجالس مراختہ وارد می گردد وفواید قواعد شعر بہ از خدمت سراپا برکت محمد نصیر الدین می رباید، ایں ابیات بآن نسبت دارند:

مت در سے اٹھا بہر خدا اپنے تو اے بت — بیٹھے مجھے اب رہنے دے دربان سمجھ کر
ٹک دیکھ اس کو چشم حقیقت سے اب تو ذوقؔ — ہر سمت جلوہ گر ہے اسی کا ظہورِ حسن
چاندنی[1] نے شب مجھ بن روپ یہ دکھایا تھا — مجھ کو ماہتابی پر دھوپ میں بیٹھایا تھا
سر ہمارا اس کے وقتِ ذبح زیر پائے ہے — یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے
تیس دن وصل کے وعدے پہ پھراتا ہے مجھے — چاند ہوتا ہے تو غرّہ وہ بتاتا ہے مجھے
ہم ہیں اور سایہ ترے کوچے کی دیواروں کا — کام جنت میں ہے کیا ہم سے گنہگاروں کا
بل بے اے آتش دل سینے میں مثل مشعل — کثرت داغ سے انبار ہے انگاروں کا
آرزو ہے کہ جو خورشید قیامت ہو گرم — سایہ اس کشتۂ ابرو پہ ہو تلواروں کا
ہائے وہ عاشق جاں باز کہ اک مدت تک — ہدف تیر رہا تجھ سے نگہداروں کا
کیا تعجب ہے پس از مرگ بھی رہوے تو وہ — دل میں پیکانوں کا اور سینے میں سوفاروں کا
ذوق پیچیدہ کہاں زلف ہے اس کافر کی — ہے مگر نامۂ اعمال گنہگاروں کا
مقابل اس رخ تاباں کے شمع گر ہوجائے — صبا یہ دھول لگاوے کہ پھر سحر ہوجائے
وہ گرم ہے یہ مری آہ آتشیں اے ذوقؔ — کہ جس سے برق بھی فی النار والسقر ہوجائے
تارا سا ہوں کنویں کہ میں تہ پر مثال آب — گو نام آسماں پہ ہے زیرِ زمیں ہوں میں

ذاکرؔ، مرزا احمد بیگ

مرزا احمد بیگ ذاکرؔ، ساکن دار الخلافہ۔ شاگرد مرزا رستم بیگ، دیگر از روئیداد و بعاصی پر معاصی آگاہی نیست۔ بیتے از و مرقوم می گردد:

چھوڑ اسلام کو اور کھینچ کے قشقہ ذاکرؔ — طالبِ کفر ہوا اس بتِ عیار سے مل

ذکاؔ، خوب چند

خاک پائے شعرائے جہاں، سراسر ناداں و ہیچمداں، ذرۂ بے مقدار، سراپا مجرم و اہل خطا

1۔ یہاں سے بارہ شعر ''ل'' سے اضافہ۔

فدوی خوب چند متخلص بہ ذکا مصنف[1] ایں نسخہ متوطن سکندر آباد، مولد و مسکن ایں نحیف در شاہ جہاں آباد اتفاق افتادہ و بہمیں مکان جنت نشان نسخہ[2] ہذا را ترتیب دادہ، نیاکان من در چورابہ کہ[3] شہر کہنہ زاید الوصف و معروف و مشہور بود بعزت و حشمت[4] میگذرانند۔ در ہنگامہ شاہ ابدالی کہ تفرقہ و حادثہ عظیم بعالمی رونمود۔ بسیاری از اسپاں و زیور و نقد و غیرہ اسباب آنچہ کہ در اوقات فراغت و جمعیت بہم رسیدہ بود، ہمہ بر باد رفت۔ در عین ہنگامہ قتل عام بعضی از مردم[5] افواج کہ ہمگی احرام بہ کشت و خون و غارتگری و مضرت خلایق و ہتک عزت مردان و نسواں می داشتند۔ مکانات مسکنت را بہ محاصرہ در آوردند۔ چوں پاس حرمت و آبرو از ہمہ[6] مقدم ترمیشود، بمعاینہ احوال خستہ مآل و بدعات ناپایستہ و حرکات ناشایستہ کہ ہنوز بحق دیگراں بود، بزرگانم عاقبت اندیشی را کار فرمودہ اکثری از متعدات را بجان کشتند و برخی بخوف و ہراس خود را بچاہ[7] انداختہ آب ممات چشیدند چوں ازیں طرف فارغ شدند و دریں اثنا مخالفاں در رسیدند بجرأت و دلاوری شمشیر بازی کردہ بسیاری را از فریق مدعیان بر خاک عدم انداختند و بیشتر اشخاص کہ عمر بہ پیشہ سپاہگری[8] بکار ہائے نمایاں گذرانیدہ بودند۔ بسرخروئی و شجاعت در جنگ بکار آمدند در آں اوقات از ذکور[9] و اناث ہر کہ بعافیت بر آمد اثاث البیت را خیر باد گفت و از زندگی محفوظ بودہ بحسب رویۂ قدیم حرمت خاندان خود را از جملہ مغتنمات و عنایات ایزدی شمردہ در شہر جدید المعروف بشاہجہاں آباد کہ امن گاہے بود، استقامت ورزیدند۔ بعد از چندے کہ آتش بلا سوز فتنہ، رو بہ انطفا آورد و یک گونہ اجتماع حواس بظہور[10] رسید بعضی از بزرگانم را در شاہ جہاں آباد اتفاق روزگار دست داد۔ چنانچہ والد ماجدم را علاقۂ سررشتہ داری چبوترۂ جواہر بازار کہ مکانی نامی و جمعی (؟) از تعلقہ کروڑ دہلی است مقرر شد۔ و تا الیوم بسلامتی ذات بر ہماں علاقۂ قدیم بفراغت و نیک نامی و عزت و شادکامی بسر می برند و برخی از آنہا بکشش آب و دانہ از اتفاقات زمانہ خود را برفاقت رئیسان وقت بعظیم آباد رسانیدند و بہ ثروت و کامرانی و ترقی و شادمانی بسر برد اوقات نمودند۔ حالا خوش باش آن دیار فرحت آثار گشتند۔

---

1 ل: مولف۔ 2 اصل/ ق: ایں نسخہ۔ 3 اصل/ ق بہ نام قدیم۔ 4 اصل/ ق: حرمت۔ 5 مردماں۔ 6 اصل/ ق: ہمہ چیز۔ 7 اصل/ خ: خود بخود۔ 8 اصل/ خ: در رسالہ داری وغیرہ۔ 9 اصل/ ق: نسواں۔ 10 اصل/ ق بظہور آمدہ۔

القصہ بیان جوانی در پیری و بیان تونگری در فقیری ہیچ فائدہ ندارد بالفعل شخصے غریب متصدی روزگار پیشہ من آنم کہ من دانم بعنایت پروردگار عمر گراں مایۂ خویش گذرانیدہ وتاالآن بعنایت حمایت اوتوجہ بوجہ بزرگان غمی کم ندیدہ اوقات لاوبالی راکہ ہروقت میسر نیاید وزاں پس جز تاسف وتحسر رونماید، مغتنم دانستہ ونفس خبیث راازحرکات شنیع وناملایم باز داشتہ بہ تحصیل علوم پرداختم وفرصت زمانہ را بغفلت نگذرانیدہ دیوانے کلاں مردف، مملواز اقسام وانواع کلام فراہم آوردم ورقعاتے بعبارت متین ورنگیں ونیز غزلیات فارسی ازیں عاصی ترتیب وتنظیم یافتہ۔ روزے استاد صائب تدبیر میر نصیر الدین نصیر مدظلہ کہ توجہ استادانہ ونوازش بزرگانہ برحال من زیادہ از حد دارند، از زبان فیض بیان ارشاد فرمودند کہ درزمرۂ شاگرداں خود شمارا شاگرد رشید خواندہ ام۔ آیا چہ خوش باشد کہ نسخۂ جاں فزائے تذکرہ بسعی شما مرتب گردد وز در قابلیت ومذاق شاعری ایشاں وملکہ سخن گوئی تمام شاعران ہند وشیراز ودیگر امصار وبلاد وقریات از ہنگام احداث زبان ریختہ با بحل، درآید وہرگاہ خاطر از عوارض وصواوم دنیوی منتشر ومکدر گردد بسیر ایں نسخۂ دلاویز شگفتگی پذیرد وبمطالعۂ ہر قسم اشعار فرحت تازہ ونشاط بے اندازہ پدید آید۔ ازانجا کہ عنایت ایزد کارساز واعانت استاد شامل حال بود، بدرستی ایں امر کہ فی الحقیقت کار ہر کدام نیست وبدون عنایت الٰہی انصرام نمی یابد پرداختم۔ اشعار ایں ذرہ بے مقدار قابل آں نیست کہ دریں تذکرہ درج نماید لیکن بپاس ارشاد استاد اشعار یکہ بقلم فیض رقم از دیوان مردنم بہ پسند خود انتخاب کردہ بزبان قلم فیض رقم سپردند برخے ازاں بمقتضائے ضرورت می نگارم کہ خالی نباشد:

حال یکساں ہے سدا اپنے دل دلگیر کا	یا الٰہی دل ہے یا غنچہ ہے یہ تصویر کا
جلوہ گر نہ لب بام پہ پیارا اپنا	ہے بلندی پہ ذکا آج ستارا اپنا
اگر خواہش ہے تجھ کو دیدۂ بیدار ہو پیدا	تو آئینہ بنا دل کو کہ شکل یار ہو پیدا
جب سے وہ ماہ جبیں آکے بسا ہے دل میں	چاندنی چوک کا بازار لگا ہے دل میں
غرور حسن پہ کیا ماہرو اکڑتے ہیں	ذراسی بات کے بننے میں سب بگڑتے ہیں
عمر رفتہ نے پھر گذر نہ کیا	گئے ایسے کہ منہ ادھر نہ کیا
ہونا جو کچھ تھا درد کا انجام ہوچکا	رخصت کرو طبیب مرا کام ہوچکا

کھول کر زنجیر کاکل دل مرا مجنوں کیا
جانے ان لیلیٰ وشوں نے مجھ پہ کیا جادو کیا

انداز عجب طرفہ ادا، آن تماشا
ہے سر سے قدم تک تو مری جان تماشا

پانی ہو دل نہ خوف سے کیونکر جناب کا
یعنی کہ روئے آب پہ ہے گھر حباب کا

زخم دل چنگا ہو کیونکر عاشق مایوس کا
کار گر ہوتا نہیں مرہم بھی جالینوس کا

کھولے چمن میں جا کے جو وہ گلعذار بند
آب رواں ہو چلنے سے بے اختیار بند

واں تو اس کو خیال ہے کچھ اور
اور یہاں اپنا حال ہے کچھ اور

چشم سے آنسو بہائے میں نے جب دل کھول کر
بھر لیے اک خلق نے دامن میں موتی رول کر

کیا ہوا زلف کا خیال ہمیں
زندگی ہوگئی وبال ہمیں

نہیں ممکن کہ چھپے شمع کی لو پردے میں
عشق وہ شے ہے کہ چھپتا نہیں سو پردے میں

اشک خورشید ذرا ٹھہر لب بام کہیں
کیا طرح یہ ہے تری صبح کہیں شام کہیں

ہے اتنا فرق صحبت پیر و جوان میں
جیسے کہ اتصال ہو تیر و کمان میں

بیاد زلف مہرویاں یہ آنسویوں ٹپکتے ہیں
گھٹا میں جس طرح ڈوبے ہوئے تارے چمکتے ہیں

یار بن جام مے ناب جو بھر پیتے ہیں
صاف تو یوں ہے کہ ہم خون جگر پیتے ہیں

کھلے سدا تری زلفوں کے بال رہتے ہیں
ہم ان کو دیکھ کے آشفتہ حال رہتے ہیں

اس کے دہانِ تنگ کا کسی کو گماں نہیں
حیرت زدہ ہیں سب کہ کہاں ہیں کہاں نہیں

بتوں کو جان و دل سے مانتے ہیں
خدا کو اپنے حاضر جانتے ہیں

لے کے اس دیدۂ گریاں کو جدھر جاتے ہیں
چڑھ ندی نالے وہاں تا بہ کمر جاتے ہیں

صبا کرنا ہوا خواہی سے ٹک آگاہ بلبل کو
کہ آتی ہے خزاں، رکھ کوئی دم آغوش میں گل کو

عرق آلودہ زلف اس کی نہیں ہے غور کر دیکھو
اندھیری رات ہے تاروں بھری یہ سر بسر دیکھو

ہماری بزم میں ساقی ترا آنا مبارک ہو
بہم جوں شیشہ و پیمانہ مل جانا مبارک ہو

نقش پا خالق گیتی نے بنایا ہم کو
جس کے قدموں سے لگے اس نے مٹایا ہم کو

بزم میں عزت کہاں انسانِ دل افسردہ کو
سر چڑھاتا ہے کوئی کم تر گل افسردہ کو

ان سیہ بختوں کو کیوں کر خوف رستا خیز ہو
ہات میں جن کے تری زلفوں کی دستاویز ہو

سلے ہے ابروے دلدار دیکھیے کیا ہو
کہاں کہاں چلے تلوار دیکھیے کیا ہو

صندل لگائے اپنی جبیں پردہ یار ہے
ہے خلق میں یہ غل کہ فلک پر غبار ہے

گر نہ ہووے قلقِ ماتم فرہاد کبھو
پٹکے پتھر پہ نہ سر تیشۂ فولاد کو

آج مدت میں لگا دزدِ حنا یار کے ہات
حیف ہے کھولے اگر ایسے گنہگار کے ہات

مے نہیں داروے شفا ہے یہ
دردِ دل کی مرے دوا ہے یہ

خط ہمیں لکھنا کبھو ظالم یہ کیا انصاف ہے
آگیا شاید کہ خط جو اَب جوابِ صاف ہے

ہوئی ہے جلوہ نما چشم سرمہ سا کس کی
کہ جس کو دیکھ کے آنکھیں کھلی ہیں نرگس کی

تیرا ہی دھیان یاں فقط ہے
کہتے ہیں جو لوگ سب غلط ہے

کرتا جو وہ ادا سے کلام شگرف ہے
آتا وہیں زبان یہ طوطی کی حرف ہے

دیکھا دریا سے محبت کا جو گہرا پانی
آشناؤں کا ہوا خوف سے زہرا پانی

حالت نہ رہی شکل دکھائے سے کسی کے
جاتے رہے کچھ ہوش نہ آئے سے کسی کے

نہیں خط کے جواب آنے کی ہم کو اضطرابی ہے
سوادِ خط ہے اے نو خط ترا خط لاجوابی ہے

لگ آن کے سینے سے تو اے جان ہمارے
تا دل کا نکل جائے سب ارمان ہمارے

چڑھاوے نازنیں تربت پہ میری پھول گر تازے
سرنووں ہی ہوجاویں سب داغ جگر تازے

لگا دل پر ترا تیرِ نگہ ناگاہ کیا کیجے
نظر آتی نہیں اب زندگانی، آہ کیا کیجے

جلد چل مجنوں ذرا لیلیٰ کا محمل دور ہے
تو ابھی سے تھک گیا ہے اور منزل دور ہے

خاکدانِ دہر میں کمتر کوئی آسودہ ہے
جس کو دیکھا غور کر یکسر غبار آلودہ ہے

مایل سرو قداں عاشق جاں ساختہ ہے
جامہ خاکستری پہنے ہوئے جیوں فاختہ ہے

خط جاناں پہ ذکا ہاتھ لگایا تو نے
روز سرسوں کو ہتھیلی پہ جمایا تو نے

آرام ہو قسمت میں تو یک گرد بہت ہے
صندل کے رگڑنے کا تو سردرد بہت ہے

کیا مری عمر بھی ہیہات چلے جاتی ہے
ڈاک ہے ایک کہ دن رات چلے جاتی ہے

لبوں کا رنگ تیرے رنگ پاں سے آج دونا ہے
بہر صورت غرض لعل یمن اس کا نمونہ ہے

ہوا و ابر میں شاید کہ ساقی یاد کرتا ہے
جو شیشہ ہچکیاں لے لے کے اب فریاد کرتا ہے

ہمیں مجلس میں روشن شمع سے ہر آن ہوتا ہے
کہ سر پر تاج زر رکھنا وبال جان ہوتا ہے

آتی ہے نظر کس کو فقط وہم وگماں ہے
معلوم نہیں ہے کمر یار کہاں ہے

صبا کیا منہ ہے غنچے کا جو منہ اس گل کو دکھلاوے
یہ اس کے حق میں بہتر ہے کہ میرا منہ نہ کھلواوے

آ پہنچ ساقی کہ بادل خوب ہیں چھائے ہوئے
بے مئے گل رنگ ہیں ہم سخت گھبرائے ہوئے

موا ہے کوہکن اس عاشقی کے پیشے سے
صدا یہ نکلے ہے اب تک زبان تیشہ سے

چشم مست یار سے دل کو لگانا منع ہے
ہو جو صوفی اس کو مے خانے میں جانا منع ہے

کیجیے تم سے بیاں اے مردماں کس مول کا
یہ ہے طفل اشک میرا موتیوں کے تول کا

مٹے رونے سے میرے کیوں نہ کینہ یار جانی کا
نہیں ٹھہرے ہے گرد اس جا جہاں ریلا ہو پانی کا

بھجوائی ان نے جاکر اپنی خبر نہ مجھ کو
مانند عمر رفتہ آیا نظر نہ مجھ کو

ہے خط سے حسن یار فزوں آب و تاب پر
کیا منہ، کرے جو خاک اثر آفتاب پر

جلوہ گر ہے وہ کبھو سایے میں گاہے دھوپ میں
دیکھو اس پیارے کو آ جھمکے ہے کس کس روپ میں

دیکھ کر پروانے کو اشک اپنے بھر لاتی ہے شمع
موم دل از بس کہ ہے دم میں پگھل جاتی ہے شمع

عشق کا پیری میں بھی دل سے خلل جاتا نہیں
جل گئی رسّی پر اب تک اس کا بل جاتا نہیں

صورت ترے بیمار کی جس دم نظر آئی
عیسیٰ کے بھی اے جان وہیں چشم بھر آئی

جوں ہی دریا میں تری زلف گرہ گیر پڑی
پاؤں میں آب رواں کے وہیں زنجیر پڑی

جلدی سے آ پہنچ کہ یہاں دم میں دم نہیں
تو آیا دیر کر تو پھر اے یار ہم نہیں

اگر چاہے کہ ہووے روشناسی اس کی محفل میں
کدورت کھو کے پیدا کر صفائے آئینہ دل میں

مثل نسیم نکہت گل کے سراغ میں
اتنا کہاں دماغ جو ہم جائیں باغ میں

اس درج دہن میں در دندان جو عیاں ہیں
شبنم کے یہ دانے ہیں کہ غنچے میں نہاں ہیں

نہیں ہے غم کسی کا عیش اور عشرت کی باتیں ہیں
بغل میں یار ہے برسے ہے مینہ ساون کی راتیں ہیں

رہائی زلف بتاں سے ہو ہم سے والوں کی
الٰہی جلد خبر لے شکستہ حالوں کی

آہ کے روکے سے سیل اشک جاری ہوئے گا
اب ہوا ہے بند مینہ البتہ بھاری ہوئے گا

مست ازل ہوں ساقی جلدی سے جام بھر دے
خالی نہ رکھ پیالہ مے سے تمام بھر دے

گل ہے خنداں تو سحر گریہ کناں شبنم ہے
چمن دہر میں شادی و غمی پیہم ہے

اٹھے ہے دم بدم اب میرے درد پہلو میں
مبادا دل کہیں ہوجائے سرد پہلو میں

تھا جلوہ گر وہ دل میں غفلت سے پر نہ دیکھا
پھر آئے گرد عالم اور اپنا گھر نہ دیکھا

ان نے زلفوں کو اپنی چھوڑا ہے
کیا بلا ناگنی کا جوڑا ہے

سحر وہ رشکِ گل یارو جو ہنس کر ہم سے بولا ہے
ہزاروں عقدے جوں بادِ صبا اک دم میں کھولا ہے

اشک میں اپنے ملا لخت دل افگار ہے
سیر دیکھو مردماں پانی میں کیا گلزار ہے

دیکھتے ہی دیکھتے عالم تہ و بالا ہوا
یا الٰہی سخت حیرت ہے مجھے یہ کیا ہوا

خزاں کا غم اسے یاں تک اثر پذیر ہوا
لباس سبز پہن سرو گوشہ گیر ہوا

اپنا جمال وے جو دکھا کر گذر گئے
یک لخت مہر و ماہ نظر سے اتر گئے

کیوں کر ملاپ ہووے مرا اور یار کا
دیکھا نہ اتفاق خزان و بہار کا

کرے ہے کس لیے نالہ ہر ایک منزل میں
گرہ کسی کی طرف سے جرس کے ہے دل میں

کس کا رہتا ہے مجھے اے دل خیال نقش پا
بن گئیں یک دست جو آنکھیں مثال نقش پا

کھولی چمن میں کس نے جا، کاکل مشکناب ہے
موج نسیم صبح میں دیکھا تو پیچ و تاب ہے

اے یار آئینے کی رویت مجھے کہاں ہے
پتھر سے توڑوں لیکن منہ تیرا درمیاں ہے

عرق ہر موئے زلف اس کی سے یوں ہر دم نکلتا ہے
کہ من میں پیچ کھا مار سیہ جوں زہر اگلتا ہے

وہ صندلی عذار جو یاں تک گذر کرے
فی الفور سر کا درد ہمارا سفر کرے

محو ہو چہرے پہ دل زلفوں میں پھر کر آرہا
صبح کا بہکا مسافر شام کو گھر آرہا

نکہت گل سے صبا اپنا میں دیوانہ ہوا
اپنے گھر سے باغ تک مشکل ہمیں آنا ہوا

تری اودی رومالی میں نہیں چھاتی جھلکتی ہے
گھٹا کالی ہے اور اس میں پڑی بجلی چمکتی ہے

کبھو جو خواب میں شکل اپنی وے دکھاتے ہیں
تو مجھ کو صبح قیامت تلک جگاتے ہیں

گھر سے وہ پری جس دن اس راہ نکلتی ہے
اک خلق کے سینے سے بس آہ نکلتی ہے

ہے غمِ پروانہ یاں تک بزم میں روتی ہے شمع
جل کے بس اس کی لگن میں پھرتی ہوتی ہے شمع

قامت دلکش چمن میں جب وہ گل دکھلائے ہے
سرو بھی شرمندہ ہو کر خاک میں گر جائے ہے

نہ پھول اس پر کہ درویشوں کا ہے کیوں پیرہن میلا
رکھیں ہیں اپنا باطن صاف اور ظاہر میں تن میلا

دہن تنگ جو اس گل نے سحر دکھلایا
ڈال کر غنچہ گریبان میں منہ شرمایا

جگر کانپے نہ کیوں بے وجہ یار ابر دہلاتا ہے
یہی خطرہ لگا رہتا ہے اب بھونچال آتا ہے

پان کھا کر لب دنداں جو دے دکھلاتے ہیں
کتنے ہی شخص لہو چھاند کے مرجاتے ہیں

سحر چمن سے جو پھولوں کی باس سونگھ گیا
دماغ اس کا یہ نازک تھا ووں ہی اونگھ گیا

ہات سے غیروں کے تم لگوا کے منہدی سو رہے
رات اس غیرت سے یاں کتنے ہی دل خوں ہو رہے

ہوئے آزاد دنیا سے فقیری اس کو کہتے ہیں
پھنسے ہم دام وحدت میں اسیری اس کو کہتے ہیں

آنکھوں کے آگے میرے چھا گئی کیوں شام ہے
کھولی کسو نے کہیں زلف عنبر فام ہے

جلوہ فرما بزم میں وہ ساقی مے نوش ہے
رخصت صبر و قرار و الوداع ہوش ہے

کوچے کی ترے خاک بہت چھان چکے ہیں
دل ہاتھ نہ آئے گا یہ ہم جان چکے ہیں

کیا خوب ہو گر عمر سب آرام سے گذرے
اوقات شب و روز مے جام سے گذرے

ہے وطن دل کا مرے اس زلف عنبر فام میں
کٹ گئی رہتے ہوئے اک عمر ملک شام میں

دل اپنا چاہ ذقن کو ترے دکھا کے رہا
یہ آشنا مجھے آخر کنوا جھکا کے رہا

میں رہ گیا عزیزو آج اپنے ہاتھ ملتا
کیا کہیے لے گیا دل اک شخص راہ چلتا

گردش نہیں ٹلتی ہے نصیبوں میں اگر ہو
جوں مہر جہاں تاب وطن میں بھی سفر ہو

میں وہ میکش ہوں کہ اک دم میں سبو پی جاؤں
محتسب تاک لگاوے تو لہو پی جاؤں

مخلصی مشکل ہوئی ہے اس دل ناکام کی
دام زلف یار ہے اک قید ملک شام کی

اشک ریزی میں میسر ہو تیری دید کہاں
عین بارش میں نظر آتا ہے خورشید کہاں

خط نکلا ترے منہ، پر ہم تک بھی پکار آئی
جی گھر میں لگے کیوں کر گلشن میں بہار آئی

دل کس طرح نہ قطع امید ہی کرے
عیسیٰ بھی جب علاج سے پہلو تہی کرے

دیکھ کر مرہم کو ہے زخم جگر خنداں مرا
کر رہا ہے کس لیے جراح اب درماں مرا

غضب ہے چشم میں اس شوخ کی سرمے کا دنبالا
قیامت کی جو ترکوں نے سنبھالا ہاتھ میں بھالا

جوں ہی ساقی نظر سے دور ہوا
شیشہ و دل بغل میں چور ہوا

رونق افزا وہ رشک حور ہوا
جلوہ گر جا بجا یہ نور ہوا

مدعا ہے وصل ہم کو اس بت بے دید کا
جب گلے لگ جائے اپنے، ہے وہی دن عید کا

جدا بدن سے ہمارا قرار و صبر ہوا
ترے فراق میں جینا بھی ہم کو جبر ہوا

کیا ہے مرگ نے برباد گھر ہزاروں کا
گیا شمار سے درجہ گذر مزاروں کا

سحر جو یار کے چہرے سے ٹک نقاب گرا
فلک پہ مہر ذرا لاسکا نہ تاب گرا

خوباں کے زلف ورخ پہ دل مبتلا ہے جن کا
سونپا ہوا ہے ان کو آرام رات دن کا

داغ دل کے کیوں نہ ہوں میرے تماشائے بہار
بلبل شیدا نئے پھولوں کی اب آئی بہار

نہ باندھ بند قبا اتنے تنگ سینے پر
کہ خط پڑے گا بُتِ شوخ وشنگ سینے پر

نہیں ساقی خیال اپنا شراب پرتگالی پر
ہمارا دل تو غش رہتا ہے ان ہونٹوں کی لالی پر

دیکھ اس کے رخ و زلف سیہ فام کی تصویر
کھینچے ہے مصور سحر و شام کی تصویر

جیوں نقش پاپڑا ہوں تری رہ گذار پر
رکھیو قدم سنبھال کے اس خاکسار پر

فراقِ اشک میں تیرا بھی چشم تر خدا حافظ
سفر کو پھر چلا ہے کودکِ ابتر خدا حافظ

رکھتے ہیں ہم نظر عملِ خوب و زشت پر
دوزخ پہ مبتلا، نہ مریں ہیں بہشت پر

باندھ شانے پہ جو ترکش کو دکھائے شانہ
زلف سرکش نہ پڑے کیونکہ یہ پائے شانہ

دل وصل سے دلبر کے جس دم سے نہیں واقف
ہم دم سے نہیں واقف، دم ہم سے نہیں واقف

کہاں رہا ہے صبا اب وہ بوستان کا رنگ
ہوا ہے اور ہی کچھ گلشنِ جہان کا رنگ

میں ہوں دوانہ، گریباں کو گر سیا کس کام
کروں گا چاک جو پیوند کردیا کس کام

حنا سے کب ہیں یہ نقش ونگار پنجے میں
عیاں ہیں خونِ دل بے شمار پنجے میں

وہی حرفِ ہستی مٹا جانتے ہیں
کہ جو آپ کو نقش پا جانتے ہیں

شہد وشکر سے وے لبِ شیریں دوچند ہیں
ان کی نہ بات پوچھ کہ لب اپنے بند ہیں

ہماری دیکھ لے چشم پُر آب گردش میں
نہ دیکھا ہو جو کسی نے حباب گردش میں

سرمے کی چشم میں وے تحریر کھینچتے ہیں
مردم کشی کی خاطر شمشیر کھینچتے ہیں

رہوں جو محوِ رخِ یار، یہ فراغ کہاں
کروں جو سیر چمن، اس قدر دماغ کہاں

اس پری رو میں جو ہے حسن ولطافت، کیا کہوں
سر سے لے کر پاؤں تک ہے قہر وآفت، کیا کہوں

عشق کے باعث میں ہوں سر در گریباں شرم سے
گر کوئی پوچھے کہاں کھوئی ظرافت کیا کہوں

کیا بلا یار کی جادو ہے بھرا آنکھوں میں
جس کو چاہا وہیں بس مار رکھا آنکھوں میں

دیکھ کر چشم کو ساقی کی ہوئے ہم مدہوش
آگیا دو ہی پیالوں میں نشا آنکھوں میں

اے ذکا پیجیے نہ شدت سے کبھو تند شراب
اتنی کافی ہے کہ آجائے ذرا آنکھوں میں

تیرے لب دیکھے سے ہے راحت دلِ پُر درد کو
دے ہے یاقوتی شفا اپنے مزاجِ سرد کو

دے جام ساقیا کہیں مستِ صبوح کو
ظالم ترستا چھوڑ نہ جا اس کی روح کو

کہیے نہ بات ہرگز امکان سے زیادہ
دیوار کا بھی رخنہ، ہے کان سے زیادہ

چھٹ جائے جو ہو حلقۂ زنجیر میں الجھا
پر دل تو ہے اس زلفِ گرہ گیر میں الجھا

جس کو اس زلف کا خیال آیا
جان لو اس کے سر پہ کال آیا

یار کی زلفوں میں دل دھرنے کی گنجائش نہیں
اتنے دل اس میں ہیں تل دھرنے کی گنجائش نہیں

ہو جس میں رفیقوں کی ملاقات میسر
ہر روز کہاں ہوتی ہے وہ رات میسر

ہوں رندِ مست، کام رکھوں ہوں شراب سے
محشر کے مجھ کو خوف نہیں آفتاب سے

تہ زلفِ سیاہ خالِ رخِ جاناں دمکتے ہیں
گھٹا چھائی ہوئی ہے دیکھو، اور تارے چمکتے ہیں

خالِ سیہ عیاں نہ تہِ زلف یار ہے
ملکِ حبش میں قید کوئی بے قرار ہے

ہمارے حالِ خستہ پر بتوں کی کم نگاہی ہے
جو دیکھا غور کر اس کو تو اک قہرِ الٰہی ہے

جس وقت نظر آئی تصویر تری مجھ کو
حیرت سے نہ کچھ سوجھی تدبیر تری مجھ کو

شب ہجراں میں کل کیونکر پڑے وہ ایک شامت ہے
نہیں مہتاب اپنے سر پہ خورشید قیامت ہے

شیشے کو لے کے ساقی جلدی سے آ چمن میں
آئی ہے دیکھ کیسی کالی گھٹا چمن میں

لب پر دُر بلاق پری کیا ٹھہر سکے
سیماب اپنا پاؤں کب آتش پہ دھر سکے

تیرے پاؤں کے تلے رہنے کو دل آیا ہے
اس کو ٹھوکر نہ لگا سرو کا یہ سایہ ہے

جلبھائی سے ہے یہ رنگ اس دہن کا
کھلے جس طرح سے غنچہ چمن کا

آج مدت میں تری زلفِ گرہ گیر کھلی
شکر صد شکر مرے پاؤں کی زنجیر کھلی

بستا ہے سدا تو ہی دل وجسم میں میرے
پتھر نہ مرے مار کہ لگ جائے گا تیرے

جھڑے ہیں لختِ دل پیری میں دیکھو چشمِ پُرنم سے
نپٹ افسردہ خاطر ہوں میں اس پت جھڑ کے موسم سے

مانند مے بسا ہے وہ بادہ نوش دل میں
رہنے لگا ہے کیا کیا جوش وخروش دل میں

نزدیک جو ہو جی سے وہ شخص دور کیا ہے
جب دل سے دل ملا ہو خط کی ضرور کیا ہے

صفحۂ دل پر نہ تھا مرقوم حرفِ اتحاد
چاک کر پھینکا، اسے اک کاغذِ ناکارہ تھا

تم بن اے پیارے نپٹ اک قلق اس جی پر رہا
واں سنواری زلف جب تک، کام یاں ابتر رہا

سبزۂ خط پر تمھارے اپنا جی دے گا ذکاؔ
آج کل تم یہ سنوگے زہر کھا کر مر رہا

ہو کے برباد کیا بختِ سلیماں پیدا
ہے فقیری میں ہمیں سب سروساماں پیدا

ہے تہِ زلف سیاہ عارضِ جاناں پیدا
عین ظلمات میں ہے چشمۂ حیواں پیدا

سرخ آنسو بھی نہ دیکھا کوئی آنکھوں سے کبھی
میرے طالع میں کہاں لعلِ بدخشاں پیدا

خاک رہ ہو کے میں اس یار کے گھر تک پہنچا
شکر ہے منزلِ مقصود کے در تک پہنچا

ناز کی دیکھ، کہ پہنے ہے وہ جس دم کمری
لچکے ہے شام سے اس گل کا سحر تک پہنچا

آب وتابِ دُرِ اشعار کے باعث سے ذکاؔ
شہرۂ وصف ترا کانِ گہر تک پہنچا

دامن کا ترے ہم کو جب گھیر نظر آیا
گردش کا زمانے کی اک پھیر نظر آیا

ہے شمع سحر گاہی کیا اس کا بھروسہ ہے
جینے سے ذکاؔ ہم کو اب سیر نظر آیا

لب آب رواں پر جلوہ گر ہے وہ سہی قامت
یہ سرو جوئباری ہے بنا خالق کی قدرت کا

جدا ہوجائے جو مانند گل کے عضو عضو اپنا
نہ چھوٹے گا رگِ سینہ سے رنگ اس کی محبت کا

جھکاتے سر اسے دیکھا ہے آخر مثلِ فوارہ
کیا ہے جس نے دنیا میں غرور اس اوج دولت کا

وہ حسن بے حجاب اس کا نظر آوے مجھے کیونکر
کہ آنکھوں پر تری چھایا ہوا پردہ ہے غفلت کا

شرر آسا مُندی آتی ہیں آنکھیں نزع میں ہمدم
کروں جو گرمیِ صحبت، کہاں ہے وقت فرصت کا

بالیں سے میری اٹھ جو وہ رشک پری گیا
جوں سایہ اس کے ساتھ لگا میرا جی گیا

ساقی نے کی یہ مجھ سے شرارت کہ رات کو
پیالہ بھرا شراب کا مانگا تو پی گیا

چھوڑی بتوں کی الفت پھر نام بھی نہ لوں گا
رکھ کر نظر خدا پر کعبے کو اٹھ چلوں گا

طاؤسِ آتشیں ہوں جاؤں گا جس جگہ پر
اپنے ہی دم قدم سے پھولوں گا اور پھلوں گا

مصور گر لکھے اس زلف کی تصویر کاغذ پر
تو ہر اک موج سے اس کی پڑے زنجیر کاغذ پر

بہ رنگ موج دریا ضبط میں آتا نہیں مطلق
کروں حال پریشانی میں کیا تحریر کاغذ پر

جلوۂ صبح قیامت سے نہ دیکھا کچھ کم
کی نظر اپنے گریباں کی جو صد چاکی پر

ہوگیا عشق میں ان سروقدوں کی قمری
راکھ ملتا ہے ذکاؔ اپنے تن خاکی پر

مریض عشق کو صحت اگر ہووے تو میں جانوں
کرے لاکھوں دوا لیکن اثر ہووے تو میں جانوں

لگے ہے کان میں سب کے ذکاؔ تیرا سخن اچھا
صفائے آب پر اتنا گہر ہووے تو میں جانوں

سفر میں یاد کر تجھ کو سدا مسرور رہتے ہیں
ترے دل کے تو ہیں نزدیک گو ہم دور رہتے ہیں

لگے ہیں کس جگہ کے تیر پے در پے جو اے مردم
ہمیشہ دیدۂ بادام میں ناسور رہتے ہیں

کری آہِ دل سوزاں نے بھی تاثیر اک پیدا
قیامت ہوگئی کیسی کہ شاخیں بید کی پھلیاں

ذکاؔ اس مانگ کے رستے میں مت کچھو گذر اپنا
کہ ہے وہ کوچۂ ظلمت اور راہیں ہیں کھلبھلں

ہے اتنا فرق صحبت پیر وجوان میں
جیسے کہ اتصال ہو تیر و کمان میں

عالم ہے تنہائی کا اور کوئی ہمارے سات نہیں
اور کے دل کی کیا کہیے دل اپنا اپنے ہات نہیں

مانگ ہے اس ظالم کی بلا، گم ہوگئے جس میں سیکڑوں دل
بھولا ہے خضر اے وائے کہاں، کہہ دو یہ رہِ ظلمات نہیں

مسّی لبوں پہ ترے رنگ پاں سے سرخ نہیں
ہوئی ہے خونِ شہیداں سے کربلا رنگیں

جو صاف دل ہیں سو رکھتے نہیں کسی سے غبار
بہ رنگ آبِ رواں سب سے راہ رکھتے ہیں

لگایا کرتے ہیں سرمے کو چشم میں معشوق
ہمیشہ خانۂ مردم سیاہ رکھتے ہیں

عالم میں خوش دلی کا رہا ہے اثر کہیں
ہے مغتنم جو آوے دل خوش نظر کہیں

عمر عزیز اپنی کو ڈھونڈیں کہاں ہم آہ
ایسے گئی کہ اس کی نہ پائی خبر کہیں

وہ ہی تارک ہے جسے فکرِ کم و بیش نہیں
ہو طمع جس کو حقیقت میں وہ درویش نہیں

بجلی چمکے ہے پڑی ابر میں ہر چار طرف
گرد پشواز کے یہ جلوۂ مقیش نہیں

خط سے اس رخسار کی اصلاح و آرائش نہیں
بال جس چینی میں آیا اس کی زیبائش نہیں

ہمت اہل کرم کی بات پانی ہے محال
یعنی ہوسکتی کہیں دریا کی پیمائش نہیں

شانہ کیوں کر ہو سکے زلفوں میں اس کی اے ذکا
یہ ہجوم دل ہے تل دھرنے کی گنجائش نہیں

اس ابروئے خمدار پہ دل جس کا فدا ہو
مانند مہِ نو وہی انگشت نما ہو

مینائے شکستہ کی سی آتی ہے کچھ آواز
اغلب ہے کوئی شیشۂ دل چور ہوا ہو

دل کہتا ہے ابرو کی طرف دیکھ کے اس کی
مائل جو کوئی شخص ادھر ہو، تو بجا ہو

سر کیوں نہ جھکاؤں میں اُدھر، یعنی کہ سجدہ
لازم ہے اسی سمت جدھر قبلہ نما ہو

رات وہ مطرب پسر گانے لگا جب دیس کو
یاد کر رونے لگے پردیسی اپنے دیس کو

جلوۂ ابر سیہ آیا نظر مہتاب پر
اس پری رخسار نے چھوڑا جو منہ پر کیس کو

کسوتِ خاکستری پہنے ہوئے قمری نہیں
آئی ہے جوگن کوئی اپنے بدل کر بھیس کو

ڈوبا ہوا ہے گویا خورشید اب شفق میں
اوڑھی ہے ماہ رُونے کیا سرخ شال دیکھو

تھی چھاؤں ڈھلتی پھرتی یہ عمر تیز رو بھی
کیا جلد آگیا ہے اس کو زوال دیکھو

مے نہیں داروئے شفا ہے یہ
دردِ دل کی مرے دوا ہے یہ

دل ہمارا ہوا ہے افسردہ
تازہ ایک اور گل کھلا ہے یہ

سرمئی رنگ کا اوڑھا ہے دوشالہ کس نے
اشک اب آنکھ سے نکلا جو مرا طوسی ہے

ہوگیا سر سے لگا پاؤں تلک کیوں شیریں
نیشکر نے تری شاید کہ زباں چوسی ہے

جلوہ گر ہے اس رخ روشن پہ وہ زلفِ سیاہ
یا شبِ مہتاب میں نکلا یہ کالا ناگ ہے

سوزِ دل کن نے کہا مجلس میں رو کر زار زار
لگ اٹھی جو شمع کے سب تن بدن میں آگ ہے

سامنے آیا مرے ٹیکا دیے وہ دل ربا
خلق کہتی ہے ذکا ماتھے پہ تیرے بھاگ ہے

زندگی محض بے سرو بن ہے
جائے صد حسرت و تغابن ہے

اس کی زلف سیہ کے بل جاؤں
لگ رہی مجھ کو اب یہی دھن ہے

غنچہ کرتا ہے سیم و زر پیدا
چپکے رہنے میں دیکھ کیا گن ہے

چرخ پر جلوہ گر نہیں ہے ہلال
ان نے مارا فلک پہ ناخن ہے

باغ میں سن کے ذکرِ خیر ترا
غنچۂ گل بھی ہوگیا سُن ہے

مرد جو دانا ہے وہ دنیا سے کب دل بستہ ہے
قید کی دونوں جہاں کی بے غم و وارستہ ہے

دیکھ کر کہنے لگا میرے دل خوردہ کو یوں
اس کا کیا پیوند ہو یہ شیشۂ بشکستہ ہے

مائل سیر چمن ہوتی ہے کب باد صبا
دستِ گل خوردہ ہمارا صورتِ گلدستہ ہے

ہے ذکاؔ کی شاعری کا خلق میں شہرہ بلند
راست اس کے قد کو بولا مصرع برجستہ ہے

جاری ہوں نہ کیوں یاد میں ساقی کی مرے اشک
ہر سمت سے اب آئی گھٹا جھوم بہت ہے

چشم نم میں کیا کمی ہے اشک گوہر بار کی
عشق تے بخشی ہے خدمت جوہری بازار کی

ضعف پیری ہے ذکاؔ یاں تک کہ مانندِ (؟)
اک قدم آگے نہیں طاقت مجھے رفتار کی

نقاب، یار کے رخ سے ذرا جو ہٹ جاوے
تو مہر جانبِ مشرق وہیں اُلٹ جاوے

کرتا جو وہ ادا سے کلام شگرف ہے
آتا وہیں زبان پہ طوطی کی حرف ہے

عقبیٰ کا ہم سے ہو نہیں سکتا ہے کچھ بھی کام
افسوس عمر یوں ہی ہوئی جاتی صرف ہے

دل فدائے کاکل و محو رخِ تابندہ ہے
ملک شام و روم کا مالک یہی باشندہ ہے

غنچۂ گل باغ میں کیونکر نہ ہووے سر بجیب
دیکھ کر اس کے دہن کو ہوگیا شرمندہ ہے

طالب جام مے گلگوں ہیں سب اس دور میں
دست گل بھی باغ میں شکل کفِ گیرندہ ہے

یار جب چلتے ہوئے، تو کیا رہا جینے کا حظ
لطف کچھ باقی نہیں گو خضر اب تک زندہ ہے

اس کی پیشانی پہ ہے ٹیکے سے کیا رونق ذکاؔ
جلوہ گر گردوں پہ گویا اختر تابندہ ہے

کنویں میں ڈوبے تو اکثر کوئی نکلتا ہے
غریق چاہِ ذقن پر کہاں اچھلتا ہے

عجب ہے دیکھ کے کاکل کو اس کے رخ کی چمک
کہ کیونکہ کالے کے آگے چراغ جلتا ہے

اس ابر میں ساقی تری تلاش بڑی ہے
آنکھوں سے لگی دیکھ لے ساون کی جھڑی ہے

جوڑا جو سنہری ہے وہ پہنے ہوئے گویا
منہ بولتی سونے کی یہ تصویر کھڑی ہے

خمیازہ لیا باغ میں کس رشک چمن نے
ہر شاخ شجر کو ہوئی اعضا شکنی ہے

وہ رشکِ مہر جو گھر سے پگاہ نکلے ہے
زبانِ خلق سے بس واہ واہ نکلے ہے

دل توڑ کے یوں میرا لازم نہ ستانا تھا
ناحق تجھے اے کافر کعبے کو نہ ڈھانا تھا

بنایا حق نے ہے طاؤسِ آتشیں ہم کو
چلیں جب آپ، تماشا دکھائیں عالم کو

اب تو میں تیرے در پہ آبیٹھا
ہرزہ گردی سے دل اٹھا بیٹھا

جامِ مے دے بھر کے ساقی آج پھر آئی گھٹا
مت گھٹا دل کو ہمارے دیکھ گھِر آئی گھٹا

گر اٹھایا کوہ کو، اس میں ترا کیا نام ہے
کوہ کن شیریں سے ٹک دل کو اٹھانا کام ہے

یقیں آتا ہے یہ ہم کو کہ فوراً آگ لگ اٹھتی
سحر وہ آتشیں رخسار گر دریا میں منہ دھوتا

جرس فریاد کرتا ہے ذکا اس واسطے ہردم
کہ غافل قافلہ سب چل بسا اور تو رہا سوتا

آسیہ سر پہ چلے جب کہ ذکا نیند کہاں
ہاتھ سے چرخ کے ڈھونڈے ہے تو آرام کہاں

ہوئی تصویر کے دیکھے سے جس کی اتنی بے ہوشی
خدا جانے اگر یارو وہ آپ آتا تو کیا ہوتا

چھپایا سبزۂ خط کو عبث اس شوخ نے ہم سے
سیہ بختوں کو باغِ سبز دکھلاتا تو کیا ہوتا

سر رہ اک پری آج اپنے رخ پر چھوڑ کر پردا
ہمارے دل کو یارو لے گئی فی الفور، در پردا

ذکا ہم پردہ آسا آستاں پر کیوں نہ سر پٹکیں
رکھے جب ہم سے وہ رشکِ قمر آٹھوں پہر پردا

جلوہ گر مجلس میں شب وہ دلبر مہ پارہ تھا
تن پہ جامہ صبر کا مثل کتاں صد پارہ تھا

جی کیونکہ نہ لہراوے اسے دیکھ کے ہر بار
طرہ تری دستار پہ گنگا جمنی ہے

ساقی غرض نہیں ہے کسی رندِ مست سے
مدہوش ہو رہا ہوں میں جام الست سے

مشکل بہت ہے اس کی درستی نہیں ہے سہل
واجب ہے زخم شیشہ و دل کی شکست سے

بیٹھا ہے کس ادا سے وہ ظالم یہ خوف ہے
برپا نہ ہووے فتنہ کہیں اس نشست سے

وقت سحر وہ نکلے ہے اس زرق و برق سے
جیسے کہ آفتاب برآمد ہو شرق سے

زنجیر میں کھنچے ہیں ذکا عاشقوں کے دل
جھومر بندھا یہ اس کے نہیں موے فرق سے

جاری شبانہ روز مرا آب دیدہ ہے
دیکھا تو چشم کشتی طوفاں رسیدہ ہے

ہے شورِ عشق زیر زمیں بھی یہاں تلک
گل خاک سے نکلتا گریباں دریدہ ہے

دیکھا تو ایک پل سے زیادہ نہیں قیام
نقش جہاں کا مثل سرشکِ چکیدہ ہے

ہے کس کا منہ جو بوسۂ لب اس کا لے سکے
یعنی کھدا یہ نام کا تیرے عقیق ہے

اس کی کمر کے معنی باریک ہیں بہت
آسان مت سمجھ یہ معما دقیق ہے

سنتا نہیں ہے راہ کی باتیں جرس کی تو
گمراہ یہ کہاں کا نکالا طریق ہے

زلف کھلنے سے اور کیا ہے غرض
مدعا ہے گرہ کشائی سے

غنچۂ دل کو ہوگئی وا شد
منہ جو اس کا کھلا جمہائی سے

دو کفن سرخ بس کہ ہم ہیں شہید
یار کی فندقِ حنائی سے

پہنچے منزل پہ سب رفیق ذکا
رہ گئے ہم ہی نارسائی سے

رشکِ خور جاوے جدھر، مائل ادھر ہی یہ بھی ہو
دل بہرصورت مرا سورج مکھی کا پھول ہے

ہر گھڑی کہتی ہے یوں گھڑیال غل کر کے سدا
چیت غافل اب بھی تو اتنا رہا کیوں بھول ہے

منزلِ جاناں پہ لے پہنچے گی بے ہوشی ذکا
تجھ کو جانا ہے تو جا یہ قافلہ معقول ہے

سیہ بختی نصیب اپنی زیادہ اس سے کیا ہوگی
کہ دستِ غیر میں پیارے تری زلفوں کا شانہ ہے

ہوا اب آئینہ رو صاف یارو ہم سے سرگرداں
نہ سوچا جی میں وہ اتنا کہ پھر منہ بھی دکھانا ہے

کیوں نہ پامال کرے ہر کوئی چالاک مجھے
رفتہ رفتہ تری الفت نے کیا خاک مجھے

کس کی یاد آئی ذکا چشم خمار آلودہ
جس سے انگڑائیاں آنے لگیں جیوں تاک تجھے

دلِ بے معرفت کس کام ہے پہلو میں انساں کے
نہیں اٹھتی ہے کیفیت کہیں مینائے خالی سے

نمودہ جلوۂ قوسِ قزح کالی گھٹا میں ہے
جھلکتی اس کی انگیا ہے یہ، یا اودی رومالی سے

بظاہر گو نہیں وہ پاس لیکن جی میں بستا ہے
بسانِ رشتۂ تسبیح باہم دل میں رستا ہے

کمربندی کرے ہے فوجِ غم کی کشورِ دل پر
ارادہ سوچ کا کر کے کمر جب یار کستا ہے

نہیں داغوں کی کچھ کثرت ہوئی ہے ان دنوں بارے
ذکا پھولوں کی منڈی میں بہت مدت سے بستا ہے

منڈی جو آنکھ تو منہ سب رفیق موڑ گئے
اکیلا شہر خموشاں میں مجھ کو چھوڑ گئے

گلہ بہت ہے رفیقانِ بادہ کش سے مجھے
نہ میری خاک پہ قطرہ کبھی نچوڑ گئے

فراقِ یار میں کرنی بسر اوقات مشکل ہے
گزر جاتا ہے دن جیوں تیوں تو کٹنی رات مشکل ہے

ذکا کی دستگیری ہو کسی سے یہ نہیں ممکن
غریق بحرالفت کا پکڑنا ہات مشکل ہے

ہے خزاں، باغ میں جانے کی ضرورت کیا ہے
پوچھ بلبل سے گل و غنچہ کی صورت کیا ہے

صاف تو یونہی صبا مجھ سے تو رکھتی ہے غبار
ورنہ جو خاک ہوا اس سے کدورت کیا ہے

کیا دکھاؤں اس کو اے ہمدم یہ ہے چاک جگر
بخیہ گر واقف نہیں اس کا رفو کچھ اور ہے

پھر گئی ہے اس قدر باغ جہاں کی اب ہوا
غنچہ و گل میں جو دیکھا رنگ و بو کچھ اور ہے

رخ پہ قطرے ترے گرمی سے عرق کی چھوٹے
روز روشن میں یہ بے وجہ ستارے ٹوٹے

چھٹ پڑا ہات سے ساقی کے جو مینائے شراب
شیشۂ دل وہیں یک لخت سبھوں کے پھوٹے

غیر لیتے ہیں ذکا اس کے لبوں کا بوسہ
بیش قیمت نہیں وے لعل جو ہوویں جھوٹے

بے مے گلفام ساقی دل مرا بیتاب ہے
آب رواں زخم دل پر قطرۂ تیزاب ہے

اس قدر سویا کیا بیدار ہو ٹک اے ذکا
یاد حق کر لے کچھ اے غافل کہ دنیا خواب ہے

روز دنیا میں جگر کاوی و دل ریشی ہے
خوش گذرتے ہو جہاں عالم درویشی ہے

ایک دم یاد الٰہی نہیں کرتا ہے کبھو
اے ذکا تجھ کو بھی کچھ عاقبت اندیشی ہے

تری آنکھوں میں جادو کیا ستم ہے
ہوئی بیمار نرگس یک قلم ہے

عبث ہے دَیر اور کعبے میں جانا
جہاں دیکھو وہیں اپنا صنم ہے

مرے نزدیک یکساں بت کدہ ہے اور مکا ہے
جو دیکھا غور کر دونوں جگہ اس کا جھمکا ہے

رکاوٹ روح کو کب ہے وہ جب چاہے نکل جاوے
کہ گوش و بینی و چشم و دہن سے تن شبکا ہے

گوشہ گیری سب سے بہتر یہ سراپا ہیچ ہے
ہے جو دانائے جہاں سمجھے ہے دنیا ہیچ ہے

کون کہتا ہے میاں اس نازنین کے ہے کمر
آج چشم غور سے ہم نے جو دیکھا ہیچ ہے

ہے خیال اس کے دہانِ تنگ کا اے ہمدمو!
فکر کرنا مجھ کو اب راہِ عدم کا ہیچ ہے

وہ چمک ہے جھومکوں میں تیرے اے رشک قمر
جس کے آگے جلوۂ عقد ثریا ہیچ ہے

دَور گردوں کا نہیں اے میکشو کچھ اعتماد
ساقی و خم خانہ و صہبا و مینا ہیچ ہے

دم میں اڑ جائیں ہیں دھوئیں کی مثال
ضعف سے یہ طرح ہماری ہے

فصد کھلوائی ان نے اپنی وہاں
یاں رگ مو سے خون جاری ہے

یار دیتا ہے پان رخصت کے
ہائے اب وقت جاں سپاری ہے

مسکراتا ہے اس ادا سے وہ گل
کھلتا جیوں غنچۂ بہاری ہے

مت دلاؤ ذکا کو زلف کی یاد
رات مردے کے حق میں بھاری ہے

برتک ہو نہ کیوں ہنستے ہنستے کام تمام
کہ باندھی شوخ نے دستار زعفرانی ہے

کسی کے شکوے سے واقف نہیں ہوں جیوں غنچہ
زباں ہزار ہیں تس پر بھی کم زبانی ہے

جاوے تا روز قیامت بھی نہ دل سے حسرت
وصل کی رات اگر پایئے اور سو رہیے

ایک سے ایک گھٹا آج برس آتی ہے
بادہ نوشی کی نپٹ جی میں ہوس آتی ہے

ہوگیا کوچ مگر قافلۂ گل کا صبا
غنچے غنچے سے جواب بانگ جرس آتی ہے

دست صیاد سے بلبل کی ہوئی دل شکنی
درد آلودہ کچھ آواز قفس آتی ہے

شراب پینے سے ہو کیا سرور و کیفیت
غم وملال کی خاطر پہ جب گھٹا چھاوے

کلامِ گرم میں میرے ہے اس قدر تاثیر
زباں سے جس کی نکل جائے اس کا منہ آوے

مری طرف سے وہ رکھے ہے کچھ تو دل میں گرہ
وگرنہ زلف مسلسل نہ اتنا بل کھاوے

برنگ غنچہ نہ کیونکر رہے خموش ذکا
سوال بوسہ کرے تجھ سے جب کہ منہ پاوے

غنچۂ دہن ہمارا گر لب کو کھولتا ہے
جھڑتے ہیں پھول منہ سے رنگیں ہی بولتا ہے

پہنچا ہے فیض سب کو اس چشم تر کی دولت
دیکھا تو ایک عالم موتی ہی رولتا ہے

کھایا ہے دخترِ رز پر زہراب ذکا نے دیکھو
پینے کو اپنی خاطر افیون گھولتا ہے

جی کھنچا جاوے ہے اپنا اس طرف بے اختیار
کیا غضب اے سیم تن بالی کی تیری جھونک ہے

چیت جا اب بھی نہ کھو اس عمر کو غفلت میں آہ
مجھ سے یوں کہتی سدا گھڑیال چھاتی ٹھونک ہے

جس کو دیکھوں ہوں ترے حسن پہ اب مفتوں ہے
جانیے خلق پہ کیا تو نے کیا افسوں ہے

ہے تصور ترے رخسار کا یاں تک مجھ کو
اشک جو آنکھ سے نکلے ہے دُرِ پُر خوں ہے

اس لبِ لعل پہ ہے پان و مسی کا جلوہ
یا کہیں شہر بدخشان میں ہو شب خوں ہے

دیکھ کر قیس کی صورت یہ کہا لیلیٰ نے
سچ ہے مشہور مثل اہل غرض مجنوں ہے

دست مشاطہ کی کیا حاجت ترا مکھڑا ہے صاف
چہرۂ خورشید کو کب احتیاجِ غازہ ہے

لی چمن میں آن انگڑائی کسی نے اے ذکا
واں جو شاخ تاک بھی اب مائل خمیازہ ہے

آہن دلوں کو سوجھے کب مظہرِ الٰہی
آئینے پر انھوں کے زنگار ہورہا ہے

گر ہوسکے تو منعم تعمیر کر کچھ اس کی
شہر دلِ غریباں مسمار ہورہا ہے

مستِ ازل کو ساقی کیا جامِ مے کی حاجت
آگے ہی اک نشے میں سرشار ہورہا ہے

دل ہوا اب عشق کا بیمار، یہ کیا ہوگیا
بے طرح کا لگ پڑا آزار یہ کیا ہوگیا

جاں بلب ہوں مغتنم ہے کوئی دم کی زندگی
بول اٹھیں گے یک بیک سب یار یہ کیا ہوگیا

شکل جام بادہ اب آنکھیں بھری آتی ہیں دیکھ
اٹھ گئے مجلس سے سب میخوار یہ کیا ہوگیا

چھیڑتے ہی یار کو پھولوں کے بس وہ رشک گل
ہوگیا میرے گلے کا ہار یہ کیا ہوگیا

وائے اک دم بھی نہ دی فرصت ذکاؔ کو مرگ نے
کچھ نہ کرنے پایا وہ اظہار یہ کیا ہوگیا

• سفر کی سن کے خبر دل نے یار جانی کی
مثال اشک کے مژگاں پہ پاتراب کیا

جو آشنا تھے سو ان کی بھی پھر گئیں آنکھیں
عجب طرح کا زمانے نے انقلاب کیا

زمیں سے اٹھ نہ سکا گر کے آہ طفل سرشک
خدا نے عین جوانی میں اس کو پیر کیا

میں اپنے شوخ کی نیرنگیوں کا قائل ہوں
کہ اس نے وزد حنا کو بھی دست گیر کیا

پھریں گے جو دن اپنی گردش کے ساقی
تو آٹھوں پہر ہاتھ میں جام ہوگا

ذکاؔ دیکھ زلف ان نے چھوڑی ہے رخ پر
سحر گذری اب دورۂ شام ہوگا

میرے پہلو سے جدا جس دم وہ محرم ہوگیا
روز عید اپنا جو تھا شامِ محرم ہوگیا

مار چھوڑا آخرش دل کی پریشانی نے رات
واں سنواری زلف، یاں سب کام برہم ہوگیا

خیمۂ ابرسیہ کو دیکھ لیلیٰ نے کہا
کیا کہیں اے سارباں مجنوں کا ماتم ہوگیا

میکدے میں دہر کے کیا کیا دکھائے دل نے رنگ
گاہ جم، گاہے سبو، گہہ ساغر جم ہوگیا

رات دن گوہر فشاں ہے مردمان دہر پر
دیدۂ تر بھی مرا ہم چشم حاتم ہوگیا

کمر اس یار کی مو سے بھی ہے باریک تر یارو
مجھے یہ سخت حیرت ہے کہ باندھا کس طرح پٹکا

ہوا شاید کہ پیدا سلسلے میں کوئی مجنوں کے
جو میرے کان میں پہنچا ہے پھر زنجیر کا کھٹکا

بحرِ جہاں میں ان نے پھر آپ کو نہ پایا
مثلِ حباب جس نے ٹک آنکھ اپنی کھولی

ہولی کے دن تمھاری آئی جو یاد مجھ کو
کیا پوچھتے ہو یارو ہولی جو کچھ تھی بولی

زلف مسلسل اس کی اس سے رکھی تھی پیچش
شانے نے پیچ پڑ کر مدت میں گانٹھ کھولی

واصبح دم جو دیکھا بندِ قبا کو اس کے
بلبل چمن میں جا کر پھولوں سے پھر نہ بولی

دلدار اٹھ گئے ہیں، دل آزار رہ گئے
افسوس ہے کہ چھپ گئے گل، خار رہ گئے

سب یار اپنے ساتھ کے منزل پہنچ گئے
ہم گرد کارواں کی طرح خوار رہ گئے

رخصت نہ سیرِ گل کی ہمیں باغباں نے دی
لاچار سر پٹک سرِ دیوار رہ گئے

آیا نظر نہ خواب میں بھی وہ کبھو ذکا
جیوں ماہتاب دیدۂ بیدار رہ گئے

یاران تیزگام نے منزل کو جالیا
ہم محو نالۂ جرس کارواں رہے

یاران تیزگام کا جب نبھ سکا نہ ساتھ
ہم گرد کارواں تھے پس کارواں رہے

لگا دل چشم مست اس کی سے جب خواری سے نکلے ہے
کوئی کب جا کے میخانے میں ہشیاری سے نکلے ہے

ہوئی دل بستگی ناوک سے تیرے اس قدر ظالم
کہ سینے سے مرے پیکاں بھی دشواری سے نکلے ہے

بجا ہے گر قدم رنجہ کرے بہر نماز اپنا
جنازہ کیا ترے عاشق کا تیاری سے نکلے ہے

چشم مفتن اس کی سب پر کرے ہے جادو
دیکھا تو شہر دہلی بنگالا ہوگیا ہے

بے خود ہو، گر پڑا ہے کیا میکدے کے در پر
لے پہنچو گھر ذکا. کو متوالا ہوگیا ہے

مردوں کا ہے یہ قول کہ ہمت نہ ہاریے
کیسی ہی مشکلات ہو دم خوش گذاریے

اخلاص معنوی ہو جسے اپنے دم کے ساتھ
دل کیا ہے بلکہ جان بھی اس پر تو واریے

دیتا نہیں ہے ملکِ عدم سے کوئی جواب
یارانِ رفتگان کو کہاں تک پکاریے

بے زندگی علاج نہ ہو کارگر کوئی
روغن بغیر کیا ہی دیا گر سنواریے

چمن دہر میں پاتا ہوں پریشاں اس کو
مثل غنچہ جو شکم سیر و زر اندوختہ ہے

دم کا مہماں ہے ذکا مثل چراغ سحری
لے خبر جلد کہ راہی وہ جگر سوختہ ہے

دل دیجیے بتوں کو تو پڑیں جی ہی کے لالے
ہیں سخت بہت، ان سے خدا کام نہ ڈالے

کی حسن نے اے عشق تری حلقہ بگوشی
پہنے ہوئے معشوق بھی ہیں کان میں بالے

فرصت نہیں اتنی بھی کبھو دور فلک سے
ٹک جام کے لینے کو کوئی ہاتھ نکالے

طے عشق کی منزل نہ ہوئی آہ کسی سے
پاؤں میں پڑے شاہ سواروں کے بھی چھالے

جانیں ہیں وہی قدر دُرِ اشک کی میرے
انسان جو موتی کے ہیں پہچاننے والے

آفت جاں ہے کیا کہوں، اس کی غضب تراش ہے
جب (بھی) نظر پڑا ہے وہ دل کی مجھے تلاش ہے

دیکھو تو ملک شام پر کیا ہی چمک رہی ہے برق
اودی رومالی وہ بلا، لیس پر یہ سرخ تاش ہے

کچھ تو شکست ہوگئی غنچۂ دل کو اس کے آج
مرغ قفس سے اے صبا نالے میں کیوں خراش ہے

آشنا کوئی نہیں سب ہیں ڈبانے والے
ہو مری ناؤ تمھیں پار لگانے والے

سرو وقمری کے ستانے ہی سے بے بر ہے یہ دیکھ
پھل نہیں پاتے ہیں اوروں کو ستانے والے

کس قدر ہے شبِ فرقت نہیں معلوم مجھے
کیا سبھی سوگئے گھڑیال بجانے والے

شمع محفل مجھے خالق نے بنایا ہے ذکا
رشتے دار اپنے ہیں سب جی کے جلانے والے

آئینہ ساں ہے روشناسِ جہاں
جس بشر میں صفا کا جوہر ہے

دل کسی اہل دیں کا ہاتھ میں لا
اے ذکا یہ ہی حج اکبر ہے

صبا کیا منہ ہے غنچے کا جو منہ اس گل کو دکھلاوے
یہ اس کے حق میں بہتر ہے کہ میرا منہ نہ کھلواوے

کمر پر باندھ مت پٹکا میاں تو کھینچ کر اتنا
دھڑکتا ہے مرا سینہ لچک اس میں نہ آجاوے

بہت گھبرا کے پیک اشک کی جوڑی رواں کی ہے
دل گم گشتہ کی وہ دیکھیے کب تک خبر لاوے

زلف سے یار کی جھڑنے دو، عرق کے قطرے
ہیں چمکتے شب یلدا میں ستارے ہی بھلے

زیب دیتے ہیں بہت لختِ جگر عاشق کے
طرۂ گل یہ سدا سر پہ تمھارے ہی بھلے

بوسۂ لب سے میسر ہے ترے آب حیات
ہیں سکندر سے نصیب اب تو ہمارے ہی بھلے

مجھ کو رہتا ہے سرزلف دراز خوباں
زور اور ظلم نہیں عقل کی کوتاہی ہے

تیری چاہت سے شب وروز رہے ہے گر سبز
مزرع دل کو مرے دیکھ کہ یہ چاہی ہے

خورشید رو نے شکل دکھائی سحر مجھے
شبنم نمط رہی نہ کچھ اپنی خبر مجھے

وہ رنگ صندلی نظر آیا نہ اے ذکا
اس عارضے سے آج ہوا درد سر مجھے

چبائے پان وہ آتا ہے اس طرف صد شکر
ہم ایک عمر سے مشتاق جاں سپاری تھے

وقت سحر جو گھر سے وہ مست خواب نکلا
دل نے کہا ذکا سے اٹھ آفتاب نکلا

مدفن ہے میکشوں کا شاید جو اس زمیں سے
ہر ایک گل برنگ جامِ شراب نکلا

کب سرکشی کا زلف کی قصہ ہو مختصر
ظالم کی وہ مثل ہے کہ رسّی دراز ہے

نقشہ جہاں کا مثل ہنڈولے کے ہے ذکا
گردش کے ساتھ سب کو نشیب و فراز ہے

سودا ہوتا ہے ان سے دست بدست
ہاتھ سے ہاتھ جب ملاتے ہیں

لگایا کرتے ہیں سرمے کو آنکھ میں معشوق
ہمیشہ خانۂ مردم سیاہ رکھتے ہیں

بوسہ مانگا تو خط دکھا کے کہا ۔۔۔ دیکھ تو یہ خطِ معافی ہے
دل نکل آوے زلف سے شاید ۔۔۔ کی بہت ہم نے موشگافی ہے
کیوں نہ حسن کلام ہو برعکس ۔۔۔ آئینہ رو سے برخلافی ہے
چشم دل اب دیکھ کر حیرت زدہ ہے سربسر ۔۔۔ دیدۂ آہو ہے یا اس سیم تن کی ناف ہے
ٹٹیاں خس کی پریرو نے لگائیں جب سے ۔۔۔ ہم سے ہر بات میں کرنے لگا خس پوشی ہے
دل خانۂ خدا ہے سجدہ کرو اسی کو ۔۔۔ حق یوں ہے اے عزیزو کعبہ و دیر کیا ہے
دلِ سوزاں سے جو کل شعلۂ آتش تھا نمود ۔۔۔ آج دیکھا تو وہاں راکھ کی اک ڈھیری ہے
پی شرابِ بے خودی، رندی و مستی چھوڑ دی ۔۔۔ توڑ ڈالا جام و مینا، مے پرستی چھوڑ دی
ناخدا مجھ سا نہ آتا گر ہاتھ ۔۔۔ کس طرح پار اترتا کوئی
ہم نے رورو کے کیا دل خالی ۔۔۔ ساغر مے نہیں بھرتا کوئی
دیکھنا ہوتا ہے اس کا سرِ راہے گاہے ۔۔۔ وہ بھی ہر روز کہاں برسوں میں گاہے گاہے
نمایاں یہ پسینے سے ترا کیا روئے دلکش ہے ۔۔۔ تماشا دیکھتا ہوں میں کہ ایک آب ایک آتش ہے
ستایا مت کرو تم اس قدر گوشہ نشینوں کو ۔۔۔ ہماری آہ بھی ابرو کماں اک تیر ترکش ہے
ہے کمر اس کی بال کے مانند ۔۔۔ یک سر مو نہیں تفاوت ہے
وہ شمع رو جو منہ سے برقع اتار ڈالے ۔۔۔ پروانہ وار عاشق جی اپنا وار ڈالے
سنتے ہیں کب کسی کی جاتے ہیں جو عدم کو ۔۔۔ رو رو کے شور و غوغا کوئی ہزار ڈالے
آرام کی صورت جو ذرا ہے تو وہاں ہے ۔۔۔ آسودگی دنیا میں جو ڈھونڈے سو کہاں ہے
نامہ ہی فقط پیچ نہیں کھاوے ہے قاصد ۔۔۔ خامہ بھی مرے حال پہ اب گریہ کناں ہے
کاوش کرے ہے پیدا ہردم کا آہ و نالہ ۔۔۔ دل ہوگیا مشبک آخر کو بانسلی کا
حیراں برنگ طوطیٔ تصویر رہ گیا ۔۔۔ نقاش جب کہ شکل کو اس کی بنا چکا
آنکھیں کھلی رہیں تھیں کس واسطے ذکا کی ۔۔۔ کیا جانے مرتے دم تک تھا انتظار کس کا
دیدۂ تر سے ہے اپنے مجھ کو چشم مردمی ۔۔۔ ابر دریا بار گر آیا مقابل، کیا ہوا
ہوگئی دیکھ کے قمری بھی چمن میں جوگن ۔۔۔ اوڑھ کر فاختئی جب وہ دوشالا نکلا

ذکاؔ اس شعلہ رو سے لگ رہی ہے اب لگن اپنی
مجھے پروانہ آسا جوں بنے چوں خاک ہو جانا

نکل کر چشم سے بس ہوگیا یہ پار دامن کے
جو دیکھا اشک گرم اپنے کو، ہے آتش کا پرکالا

جانِ من شکل پیکرِ تصویرِ
ہے تجھی سے مرا دھیان لگا

سدا آواز آتی ہے یہی سوراخ سے نے کے
بہت مشکل ہے اے ہمدم کسی کے دل میں گھر کرنا

یار کی زلف سیہ ہاتھ نہ آتی تھی کبھو
ہم نے لاچار ذکاؔ سانپ پکڑنا سیکھا

جھکائی آنکھ نرگس نے بھی اے کماں ابرو
نگاہ کرنا مرا اس کے حق میں تیر ہوا

خال سیہ کے بوسے سے ہے میری زندگی
مدت سے ہو رہا ہوں میں خوگر افیم کا

ذکاؔ مشتاق ہے صورت کا، تو بیٹھے جہاں پیارے
اسے جوں پیکر تصویر واں گوشہ میں لگ رہنا

قیامت اس نے دکھایا ہے جلوۂ قامت
غضب ہوا کہ جو دھرتی سے آسماں نہ ملا

کان کا بالا ترا اے بحر خوبی دیکھ کر
حلقۂ گرداب بھی حلقہ بگوش آیا نظر

بیٹھا نہ ذکاؔ تو ایک در پر
پھرتا نہ پھرے خراب کیوں کر

خیال قامت بالائے یار نے ہم کو
دکھائی خاک نشینی میں آسمان کی سیر

مخمور چشم کو ہے تری میکشی سے ذوق
پینا شراب نفع کرے ہے خمار پر

ساتھ اپنے لے نہیں جاتا کبھو دنیا سے کچھ
نام باقی رہ گیا اپنا بنا کر جام جم

طواف حضرت دل کیجیے تو بہتر ہے
ارادہ کعبے کے جانے کا گر کیا، کس کام

خرمن پہ کائنات کی ہم نے جو کی نظر
دیکھا ظہور اس کا ہر اک دانے دانے پر

شرارِ لخت دل سے چشم کو گل ریز دیکھا ہے
بنانے جب سے آتش باز سے سیکھے ہیں پھلجھڑیاں

عشق میں سرو قد کے جوں قمری
ہو کے ہم خاکسار بیٹھے ہیں

زلفِ دراز اپنی میں ظالم گرہ نہ دے
کوتاہ کرنی عمر کسی کی روا نہیں

مثل گردِ کارواں پیچھے رہے جاتے ہیں ہم
ہم سے درماندوں سے ہووے دست ترسائی کہاں

آئی ہے سیاہی سے سفیدی بھی ذکاؔ دیکھ
غفلت میں کہاں تک سحر و شام کروں میں

اے دل شامت زدہ لاتا ہے کیوں سر پر بلا
طے کرے گا کس طرح زلفوں کے کالے کوس کو

غنچہ دہن لگاتے ہیں کب اس کو منہ ذکاؔ
جس کی گرہ میں ان کے کھلانے کو زر نہیں

مردمی کی نہیں اب چشم کسی سے اے وائے
کون آنکھوں سے مری پونچھنے آئے آنسو

تا زندگی زوال نہیں اس کو جانِ من
کھینچا ہے میں نے دل پہ تمھاری شبیہ کو

پہن کر کان میں موتی وہ کہے ہے دُر دُر
کب میسر ہمیں اس شوخ کی سرگوشی ہے

جاں سپاری کیوں نہ ہو دیتے ہوئے رخصت کے پان
دلبرِ جانی مرا کرتا سخن دوٹوک ہے

غافلوں کو سوجھتا مطلق نہیں نورِ خدا
کب نظر آوے رخِ خورشید چشمِ کور سے

ہے چراغِ سحر گہی یارو
اب ذکاؔ کوئی دم کا مہماں ہے

پڑا ہے اس لبِ شیریں کا خلق میں اک شور
ہوئی ہیں بند دکانیں مٹھائی والوں کی

جو ہیں آزاد، پاتے ہیں وہی رتبہ بلندی کا
نظر کر سیرِ گلشن پر وہ کتنا امتیازی ہے

بیاضِ رخ کی زیبائش سوادِ خط سے ہے دیکھو
کھنچا کیا سورۂ مصحف پہ خطِ لاجوردی ہے

ساقی پہنچ کہ یاد میں تیری شبانہ روز
مثلِ سحاب چشم مری اشک ریز ہے

کردیے لیلیٰ نے تازے پھر کے سب مجنوں کے داغ
جا کے اس کی قبر پر سہرا چڑھایا کس لیے

آپ نازک ہیں دکھ نہ سینے مرا
درد ہونے لگے گا کان کے بیچ

سرخ سنجاف اس کے دامن پر نہیں ہے جلوہ گر
غور سے دیکھو کسی کا خون دامن گیر ہے

عیاں ہے سب پریشانیٔ شب سے مو بمو حالت
لگانا زلف سے دل کو نشانِ تیرہ بختی ہے

کس کی یاد آئی ذکاؔ چشم خمار آلودہ
جس سے انگڑائیاں آنے لگیں جوں تاک مجھے

ذکاؔ اختر نہیں، گردوں پہ دنداں کھول کر اپنے
تمھاری خوابِ غفلت پر ہمیشہ رات ہنستی ہے

ہوائے شوق نے یاں تک اثر کیا ہے صبا
کہ دل سے غنچۂ پیکاں بھی کھلے نکلے

جھلکے ہے دو رنگ میں لیک وہی ایک ہے
دیدۂ تحقیق میں کعبہ ہے سو دَیر ہے

خالِ سبز اس کے زنخداں میں ہوا آج نمود
مجھ کو حیرت ہے ذکاؔ کیا یہ کوئی تھا نگ پڑی

خط نکل آنے سے غل کم ہوگیا ہے حسن کا
ہوگئی مودار چیتی جب، صدا کیونکر کرے

اندھیر ہے لیے ہے جہاں دل کا قافلہ
اس ملکِ شام زلف کی یہ سرزمین ہے

کہیں خورشید نہ آجاوے سوا نیزے پر
ہو قیامت جو ترے پاؤں کی خلخال کھلے

رفتگاں کا نہیں ممکن کہ میسر ہو وصال
خواب میں شکل کوئی ان کی مگر دیکھے ہے

گانٹھ نہیں چوٹی میں اس یار کی
سر پہ کسی کی یہ گرہ چال ہے

جمع کرتا ہے سیم و زر غنچہ
چپکے رہتے ہیں یہ فوائد ہے

کر قدم رنجہ کہ اب بیمار الفت نے ترے
شہر خاموشاں میں چل، بسنے کی تیاری کری

لگ آکے سیم کی تختی کی طرح سینے سے
کہ تجھ بغیر مرے دل کو ہول رہتا ہے

کل ذبح ہوا جس کی ذکا تیغ نظر سے
اب وہ ہی پری کرتی ہوئی قتل پھر آئی

چشم نرگس کسے جھک جھک کے تہ دیکھے ہے سدا
ہے مگر زیر زمیں دیدۂ حیراں کوئی

اگر ہوتی ہے مے شیشے میں، آخر
مرے تن میں لہو رہتا نہیں ہے

دنیا و دیں کا کام نکلتا نہیں ہے کچھ
دستِ تہی بمنزلۂ پائے خفتہ ہے

ہوا یہ ہم پہ کشاکش سے موج کی ظاہر
کہ جس نے آپ کو کھینچا ہے، سر ہی کھایا ہے

برنگ آب مل جاتا ہے سب میں
ذکا کس رنگ میں شامل نہیں ہے

غربت وہ شے ہے جس سے ملایم ہو سنگ دل
نرمی سے دیکھ رشتے کو سوزن میں راہ ہے

میرے گھر آتے جو چھینکا کسی کم بخت نے آج
صبح دم ہو کے وہ تیار اٹھے اور بیٹھے

سیمبر سے ترا ملاپ ہوا
ہے ذکا آج رات سونے کی

نہیں بے وجہ نے کے دل میں سوراخوں کا یہ ہونا
سنایا ہے کسی کا نالۂ جاں کاہ ہمدم نے

ساغر بھی میں تو پی نہ سکا بیخودی سے آہ
ساقی کی اک نگہ ہی مرا کام کر گئی

غفلت کو چھوڑ صبح ہوئی شب گذر گئی
کہتی مجھے سفیدی ریش بردت ہے

نہیں کچھ تو تیا باندھا ہے میں نے مردماں دیکھو
نیا جاگے ہے فتنہ اس کی چشمِ نیم خوابی سے

ہے اعتماد کس کا، پھیرے ہے جب وہ آنکھیں
ہوتی ہے ایک پل میں، سب کی نگاہ ٹھہری

برنگ پیکر تصویر تجھ بن
ہمیں صحبت درودیوار سے ہے

رات زلف اس کی نظر آئی جو مجھ کو خواب میں
دیکھتا کیا ہوں گلے میں صبح دم زنجیر ہے

گریۂ خونیں کیا ہم نے جو تیری یاد میں
بن گیا رنگ حنائی کاغذ مکتوب ہے

ہوا تھا روبرو اس کے دہن کے دیکھ ذکا
چمن میں غنچۂ گل سر بجیب کیسا ہے

ان نے کھولی ہے اپنی زلفِ سیاہ
دیکھیں کس کس کی آج شامت ہے

عیاں ہردم ترے ہونٹوں سے اعجازِ مسیحا ہے | رکھے ہے ہر کوئی بیمار امیدِ شفا تجھ سے

چشمِ مستِ یار سے دل کو لگانا منع ہے | ہو جو صوفی اس کو میخانے میں جانا منع ہے

یاد کر روتا ہوں قد کو آپ جاتے ہیں کہاں | کیا ابھی سے سیر سرو جوئباری کر چکے

تاک کی چھاؤں تلے بیٹھ کے ہم روئے ڈکا | باغ میں جا کے جو ساقی کی ہمیں یاد آئی

نامۂ مشک ختن کی بو ہے خالِ زلف میں | خال خال ایسا نظر آیا ہے ہم کو تل کہیں

دیدے سفید تھے ہی ہوئے موبھی اب سفید | ہے یہ ہی انتظار تو بس آگے موت ہے

مارسیہ کا من نہیں لگتا کسی کے ہاتھ | دل زلف سے نکالنا امرِ محال ہے

شیشۂ دل کو ہوئی سنگ حوادث سے شکست | بادۂ عشرت سے جامِ عمر کیا لبریز ہو

آزادی سر مو بھی دل کو نہ ہوئی اپنے | اس زلف مسلسل پر گو شانہ ہوا تو کیا

بادۂ گلگوں کا تجھ کو لطف کیا ہے زاہدا | دیدۂ دل اس سے کھل جاتے ہیں یہ اک چیز ہے

صورت ترے بیمار کی جس دم نظر آئی | عیسیٰ کی بھی اے جان وہیں چشم بھر آئی

جوں ہی دریا میں تری زلف گرہ گیر پڑی | پاؤں میں آبِ رواں کے وہیں زنجیر پڑی

جلدی سے آپہنچ کہ یہاں دم میں دم نہیں | آیا تو دیر کر تو پھر اے یار ہم نہیں

عمر گر تھوڑی ہو لیکن ہے عجیب اس میں بہار | غنچۂ گل کی طرح گذرے اگر اک رنگ میں

چھوڑ کر دل کو ہوا آئینے میں جلوہ نما | توڑتا سنگ سے پر مجھ کو تری رویت ہے

اگر چاہے کہ ہووے روشنائی اس کی محفل میں | کدورت کھو کے پیدا کر صفا آئینۂ دل میں

پھرکی سی اس کمر نے لٹو کیا ہے دل کو | تکتا ہوں آس بیٹھا شاید نظر پھر آوے

رہائی زلف بتاں سے ہو ہم سے والوں کی | الٰہی جلد خبر لے شکستہ حالوں کی

کیوں نہ گھٹ جائے رتبۂ خورشید | یاوہ بیٹھا ہے ماہ تابی پر

نہ کیونکہ پانی کے بھرتے ہی شور ہو پیدا | کہ خاک تشنہ لباں کوزۂ کلال میں ہے

شب تجھ بغیر بزم میں پیارے مثال شمع | روئے ہم اس قدر کہ ہوئے غرق آب میں

سیر ہوں زیست سے مانند چراغِ سحری | ہو کرم اس کا اگر آن کے دامن جھاڑے

ضعیفی میں قدم باہر نکالا جس مسافر نے | مثالِ اشک گھر آنے کی پھر امید مت رکھو

تازہ ہوتا ہے داغِ دل ہر شام
ہم نے کس کا دیا بجھایا ہے

نمی ہے چشم میں اور لب پہ ہے فریاد سے خشکی
مہیا سیر بحر و بر ہے اب ہم کو تو گھر بیٹھے

نہ کرنا میکشو بنت العنب سے آج بدمستی
کہ شیشہ چشم سے ساغر کی سب احوال دیکھے ہے

دور جانا بھی اک قیامت ہے
گویا مرنے کے متصل پہنچے

جگر ہے داغ کی کثرت سے ہم رنگ چمن اپنا
ہوئی ہے باغِ گیتی سے یہ گلچینی نصیب اپنے

طور اس جہاں کا جیوں گل و شبنم ہے اے ذکا
خنداں اگر ہے ایک تو گریاں ہے دوسرا

آیا ہے جی میں دیکھ کے ابرو ہوا کو آج
خرقے کو رہنِ بادۂ گلنار کیجیے

سفر در پیش آیا اشک کو کیا عین طفلی میں
نہیں کچھ اختیار اس کا سبب ہے دانہ پانی کا

ہلال کب ترے ابرو کے ہو سکے ستکھ
وہ ہم سری تو کرے کفش پا کے نعلوں کی

گزری جو کچھ ذکا پہ ترے سوزِ غم میں شب
واقف ہے شمع بزم سب اس سرگزشت سے

میرے آگے نہ کرو زلف کا اس کی مذکور
لہر اک سانپ کی سی مجھ کو چڑھی آتی ہے

نہ کیوں ہو مغفرت ہم سے گنہگاروں کی عقبیٰ میں
غریق جوئے عصیاں ہم ہیں وہ دریائے رحمت ہے

پڑا ہے طرۂ سر جانب کمر تیرا
کہ اس سے لگ کے ذرا کسب پیچ و تاب کرے

اٹھے ہے یاد سے پیری کی اک رعشہ رگ دل میں
نسیم صبح سیتی شمع جوں بے دست و پا ہووے

گراں جاں ہیں سو قطع راہ تجریدان سے کب ہوگا
جو چاہیں زاد راہ گرد مثل آسیا بھر لیں

کہاں تھا خلق کا خورشید روشناس اتنا
پھرا ز بسکہ ترے گرد آفتاب ہوا

چراغ خانۂ مفلس بنایا ہم کو خالق نے
سدا اس کلبۂ احزاں میں بس خاموش رہتے ہیں

سمجھ خوشی کو بہت مغتنم کہ جاتی ہے
نسیم مصر کہاں بار بار کنعاں کو

جرس کی طرح سے رکھتے ہیں گانٹھ ہم دل میں
نہ کھیے نالے تو کیونکر گرہ یہ وا ہووے

آگیا دیکھتے ہی شکل کو اس یار کی غش
اک قدم مجھ سے ذکا گھر تلک آیا نہ گیا

بیان کیجیے سو کیا، گو مگو ہے بات ذکا
دہانِ تنگ میں اس کے ہوا کو راہ نہیں

یاں کی کثرت میں رہے واں کا بھی ٹک تجھ کو خیال
کام میں کام ہوئے جائے تو کچھ بہتر ہے

چوب عناب کی پیری میں نہ کیوں ہو خواہش
تھا جوانی میں ہمیں اس کے لب سرخ سے کام

صفائی سے ترے کانوں کو جا لاگا کوئی موتی
ولے دہشت سے مارِ زلف کی لرزاں ہی رہتا ہے

مسکراتا ہے ہم کو دیکھ کے یار
اے ذکا اتفاق حسنہ ہے

تل نہیں چاہ زنخداں میں ترے
دل ہمارا ہے کہ ڈانوا ڈول ہے

کرے ہے خندۂ دنداں نما وہ چھوڑ کر زلفیں
اندھیری رات میں دیکھو ہے کیا رونق ستاروں کی

کریں ہیں زلف سیہ پر دراز دستی ہم
پڑی ہے بے طرح عادت دھواں لپٹنے کی

سُستی رہے ہے عہد ضعیفی میں بیشتر
غلبہ کرے ہے نیند بھی اکثر سحر کے وقت

ترکوں نے اس کی چشم کے غارت کیا ہے دل
یہ قافلہ لٹا ہے میانِ دو آب میں

ہیں اہل سخن ہردم مانندِ قلم گویا
خاموشی ہی میں ان کی تقریر نکلتی ہے

ہوئی ہے زلف تری جلوہ گر تہِ رخسار
مثل وہ ہے کہ اندھیرا ہے یہ چراغ تلے

اشارہ کرتا ہے ابرو کا اس طرح ظالم
کڑی کمان کا جیسے کہ تیر چلتا ہے

سنتے ہیں کی ذکا نے دل دوختہ سے آہ
مدت کے بعد قبر میں اس کی دھواں اٹھا

دل دانا کو سیرابی ہوئی اشکِ ندامت سے
جو چشم غور سے دیکھا تو یہ بارانِ رحمت ہے

نتھ نہیں پہنی ہے رونق کے لیے چہرے کی
حسن کے پاؤں میں اس شوخ نے ڈالا حلقہ

ہووے گی بلبلوں کے دلوں کو شکستگی
یارو مرے مزار کو گل پوش مت کرو

ڈھلے ہی دیکھے ہے طفل خوبصورت کو
نہیں ہے یہ مرا پوستی کھلونا ہے

جب سے دیکھیں مرے گلرو کی کنول سی آنکھیں
ہوئی نرگس کو کنول باد کی بیماری ہے

نظر آتا ہے دیدارِ خدا اہلِ بصیرت کو
جسے ہو دیدۂ بینا اندھیرا بھی اجالا ہے

رحم جو آیا مرے رونے پہ اس بے مہر کو
یوں کہا بر سے ہے مینہ اب گھر کو میں جاتا نہیں

بتان ہند کی زلفوں سے دل ہوا آزاد
ہزار شکر کہ قیدِ فرنگ سے چھوٹا

جو رخ کو چھیڑا تو برہم ہوئی وہ زلفِ سیاہ
نہ جانتا تھا خزانے پہ مار بیٹھا ہے

خطرہ ہے مجھے وصل میں کیوں نکلیں ہیں آنسو
بے وقت جو بارش ہو تو کچھ خوف نہیں ہے

لخت دل چشم گہر بار سے جھڑتے ہیں بڑے
کچھ خوشی ہوگی ذکا آج توا ہنستا ہے

دیکھ زلفوں میں یار کا چہرا
شام میں آفتاب ڈوبا ہے

کب تلک مشق ستم آپ کیا کیجیے گا — آچکا چہرے پہ خط اب تو قلم بند کرو

مرقد پہ عاشقوں کے سبزے کی کیا ہے حاجت — اب ہم کو اے پیارے مشت گیاہ بس ہے

دیکھیں درماندگی کیا ہم کو دکھاوے انجام — تھک گئے، پاؤں میں چھالے پڑے، گھر دور رہا

اس طرح پھیر جاؤ گے آنکھیں — تم سے ہم کو یہ چشم داشت نہیں

خاطر سے تری کیوں نہ پییں مے کا پیالہ — اس دور میں ساقی ترے ہم دست نگر ہیں

محو دیدار ہے یہ صورت مجنوں کی سدا — نہیں بے وجہ کھلی حلقۂ زنجیر کی آنکھ

بہار حسن کے اپنی ہیں سب معشوق دیوانے — وگرنہ پاؤں میں ان کے ہے کیوں زنجیر سونے کی

قشقہ دیا ماتھے پہ ذکاؔ ماہ جبیں نے — خورشید ہوا دیکھ نمودار فلک پر

آنکھوں میں بھر کے آنسو ساقی لگا یہ کہنے — اک جام اور پی لے اب دور آخریں ہے

مردم کی نظر سے جو گرے اشک کی مانند — کونین میں اس شخص کی پھر قدر نہیں ہے

مثل حباب سمجھو اسے دم کا آشنا — بحر جہاں میں جس نے کچھ اپنی نمود کی

چشم پر اس شوخ کی ہے جلوہ گر خال سیاہ — دیکھ لو بیٹھا ہے کیا بھونرا کنول کے پھول پر

بے کسی پر نہ جلا میری کسی دوست کا دل — کوئی تربت پہ دیا بالنے والا نہ گیا

تکیہ کریں نہ کیوں کر مانند آئینے کے — ہم نے تجھی کو اپنا پشت و پناہ جانا

بل کھا کے یوں ذکاؔ سے کہنے لگا وہ شب کو — زلفیں نہ چھیڑ میری قصہ طویل ہوگا

وصل بتاں ہوا ہے مدت میں آج یارب — تو اور ون کی نسبت یہ شب دراز کرنا

مردم چشم رہیں کیونکہ نہ اب تر میرے — روز اول سے بنا ان کا ہے گھر پانی کا

تشنۂ دیدار تھے ہم جس کے حال نزع میں — ان نے جب دیکھا چواتے منہ میں پانی، اٹھ گیا

بخیہ گروں نے اپنی کی عمر صرف لیکن — کب ہے ان زلفوں کا بل کھانا بھلا

کشتۂ چشم بتاں کی قبر پر — ہے گلِ نرگس کا شمیانا بھلا

کام میں اک خلق کے پڑتی ہے گانٹھ — کب ہے ان زلفوں کا بل کھانا بھلا

ہے ذکاؔ اک بادہ نوش مست و رند — وہ بھلا یا اس کا میخانا بھلا

بغیر یار کے اک دم رہا نہیں جاتا — قلق جو گذرے ہے دل پر، کہا نہیں جاتا

دل اپنا شوخ ستمگر کی چاہ میں ڈوبا
ذقن پہ محو تھا، آخر کو چاہ میں ڈوبا

عبث تھی چشم وفا رکھنی تجھ سے اے ظالم
بھرم میں قتل ہوا، اشتباہ میں ڈوبا

دل و جگر ہوئے غرقاب آ کے چشموں میں
یہ قافلہ ہے دو آبے کی راہ میں ڈوبا

اٹھا تو گیسوئے شب رنگ اپنے رخ سے کہیں
کہ اک جہان ہے روز سیاہ میں ڈوبا

نہیں ہے سبزے کی حاجت ذکا کے مرقد پر
وہ خاکسار ہے مشت گیاہ میں ڈوبا

رونے سے میرے گرمیِ دل کا خلل گیا
جتنا غبار دل میں بھرا تھا، نکل گیا

گرتی ہے مے بھی آخر بھرتا ہے جب پیالہ
مشکل ہے چشم تر میں آنسو کو تھام رکھنا

سدا نباہیو الفت، نہ بے وفا ہونا
بجا ہے میری نصیحت، تو مت خفا ہونا

نشے میں ہاتھ سے ساقی کے شیشہ بزم میں پھوٹا
ادھر آئی صدا اس کی ادھر مستوں کا دل ٹوٹا

رہی کیا قدر اس لب کی، لیا ہر اک نے جب بوسہ
نہیں پاتا ہے کچھ قیمت جو ہو لعل یمن جھوٹا

دل شامت زدہ اک پل نہ جاگا خواب غفلت سے
سحر تک شام سے سینہ بہت گھڑیال نے کوٹا

شکل آئینہ ہر اک شخص تماشائی تھا
وے بھی کیا دن تھے کہ عالم ترا مجرائی تھا

غم و الم سے تو اتنا نہ رو، ہوا سو ہوا
قضا سے بس نہیں چلتا ہے، جو ہوا سو ہوا

نامۂ شوق کو دیں طول کہاں تک اب ہم
مختصر لکھ کے کچھ احوال قلم بند کیا

تری کمر کو میاں جس نے ٹک چھوا ہوگا
وہ شاخِ گل پہ نہ مائل کبھو ہوا ہوگا

مت سمجھ اس بتِ قاتل کے گلے میں زنار
رشتۂ جاں ہے مرا اس کے گلوگیر ہوا

ہو تپ عشق جسے اس کا مداوا ہے عبث
سود مند اس کو کہاں قرصِ طباشیر ہوا

رخصت ہوا جو یار تو جی پر قلق ہوا
داماں صبر چاک دل و سینہ شق ہوا

دل لے گیا وہ طفلِ پری زاد، اے ذکا
زانو نشیں ادب سے جو وقتِ سبق ہوا

ماہ و خورشید سے جب تو نے ملائی صورت
پردۂ ابر میں دونوں نے چھپائی صورت

ایسی ساعت سے گیا عمر گذشتہ کی مثال
خواب میں بھی نہ کبھی اپنی دکھائی صورت

دیکھیں وہ آرام جاں یاں آن نکلے کس طرح
بھر رہا ہے دل میں جو ارمان نکلے کس طرح

زندگانی تلخ ہے ناصح نہ پیجے گر شراب
ہو جو دل میں درد و غم نادان۔ نکلے کس طرح

جی کا خطرہ کیوں نہ ہو آیا ہے اب پیغام مرگ / دیکھیں اس کے تیر کا پیکاں نکلے کس طرح

لختِ جگر کو میرے دانتوں تلے دبا کر / کرتا ہے شوخ رنگیں باتیں چبا چبا کر

عالی بہت ہے سب سے افتادگی کا رتبہ / کر مثل سایہ پیدا توقیر پاؤں پڑ کر

اس سیلِ اشک نے بھی آخر یہ کی خرابی / دل کی مرے گرادی تعمیر پاؤں پڑ کر

چھوٹی نہ سیر صحرا اپنے جنوں کے باعث / سو بار واں سے لائی زنجیر پاؤں پڑ کر

روشن دلوں کی صحبت ہوتی ہے کب میسر / ہاتھ آئے ہے ذکا کے اکسیر پاؤں پڑ کر

ہوا ہے کون پری رو سوار کشتی پر / جو ناخدا کو نہیں ہے قرار کشتی پر

وہ اپنی زلف کو کھولے ہوئے جو بیٹھا ہے / ہجومِ خلق سے ہے مار مار کشتی پر

میں نے پوچھا وہ مکاں اے مہرباں ہے سر بہ مہر / مسکرا کر یوں کہا اب تک تو ہاں ہے سر بہ مہر

ہے جلوہ گر دونوں طرف دیر و حرم میں فرق کیا / کر چشم دل سے تک نظر اک اس طرف اک اس طرف

عہد پیری میں کہاں سیر جوانی ہو نصیب / ہے خزاں میں گذر بادِ بہاری مشکل

ستم تیرے سے اپنے آشیاں کو چھوڑ بھاگے ہم / کریں فریاد تیری باغباں اب کس کے آگے ہم

مے کا بھرا ہوا ہے مرے جام ہات میں / دنیا وعاقبت کا ہے سب کام ہات میں

مذکور اس کا کیا کروں آتی نظر کچھ بھی نہیں / ہر چند دیکھا غور کر اس کی کمر کچھ بھی نہیں

لطف کیا برسات کا تجھ بن ہمیں / ہیں گھٹائیں غم کی دل پر چھائیاں

ہوئے دنیا سے آزردہ، فقیری اس کو کہتے ہیں / پھنسے ہم دام وحدت میں، اسیری اسکو کہتے ہیں

سب قافلے یاروں کے جا کر کہاں ٹھہرے ہیں / ہے شور جرس کمتر یا کان ہی بہرے ہیں

رُکا یہ اشک ہے چشم پُر آب کے گھر میں / بٹھایا زور سے لڑکے کو واب کے گھر میں

کرے گا توسنِ جاں چابکی سے ووں ہی خرام / رکھے گا یار قدم جب رکاب کے گھر میں

نہیں ہے اودی رومالی پہ سرخ ناش لگی / چمکتی برق ہے دیکھو سحاب کے گھر میں

ظہورِ قدرتِ حق ہے بتوں کی سیر تو کر / عبث گنوائے ہے کیا دل شباب کے گھر میں

کریں ہیں اپنا قدم رنجہ کس لیے خوباں / نہ آویں مجھ سے فلاکت مآب کے گھر میں

گرہ میں کیا ہے مری، ہوں میں ذات کا کاستھ / پڑے ہیں ایک دو شیشے شراب کے گھر میں

ذکا سے رشک قمر آملا تو سب نے کہا
کہ ماہتاب گیا آفتاب کے گھر میں

رہے ہے ابروؤں کا یار کے مذکور مجلس میں
گزر مت کیجیو اے دل وہاں پڑتی ہیں تلواریں

بہت تلاش ہے کاش اپنا محرم کوئی پیدا ہو
تصدق دل کریں ہم، بلکہ اس پر جان بھی واریں

خط نکل آیا ہے رخسار پہ اس کے شاید
آئینہ رو جو بتاتا ہے صفائی مجھ کو

منزلِ عشق بہت دور ہے، طے ہو کیا خاک
ہے نصیب اشک نمط آبلہ پائی مجھ کو

بسکہ ہے دیدۂ پُرنم گہر افشاں شب و روز
خلق کہتی ہے ذکا حاتم طائی مجھ کو

دیکھا ہے جب سے اس کے جمالِ غریب کو
میں ڈھونڈتا پھروں ہوں قرار و شکیب کو

گومگو ٹھہری ہے بات اس کے دہانِ تنگ کی
ہو نہیں سکتی ہے کچھ گفتار چپکے ہو رہو

لڑکپن کی مجھے جس وقت اپنے بات یاد آئی
بھر آئیں آنکھیں، بے فکری کی بس اوقات یاد آئی

تصور خضر کا گزرا جو خط سبز کو دیکھا
نظر کر زلف پر اس کی رہِ ظلمات یاد آئی

پھرے تھا شیشہ و ساغر لیے گلشن میں کیا ساقی
ذکا نے اس کو دیکھا جب وہیں برسات یاد آئی

مینہ بہت برسے ہے اور سرد ہوا چلتی ہے
روح پینے کے لیے آج نشا چلتی ہے

داغ ہی سینے میں رہ جائے ہے اس کا باقی
کیا جوانی بھی ہے ذکا دے کے دغا چلتی ہے

سفر کو گھر سے جب اپنے کوئی انسان نکلے ہے
قیامت گذرے ہے گویا کہ تن سے جان نکلے ہے

یار وہ کیا ہے جو کر کے آشنائی بھول جائے
اتفاقاً ہو اگر باہم جدائی بھول جائے

اس بتِ کافر کی صورت دیکھ لے زاہد اگر
خوبیِ و سیر و تماشائے خدائی بھول جائے

ساقی سے کہہ دو آکر جامِ شراب بھر جائے
تا کوئی دم جہاں میں اوقات خوش گزر جائے

جھلک جو سرخی کی اس نازنین کے تن میں ہے
کہاں وہ رنگ گل تازۂ چمن میں ہے

ہوئی تھی جامۂ یوسف کی بو جہان سے گم
سو پائی آج پری رو کے پیرہن میں ہے

مشابہت ہے اسے چشم یار سے لیکن
گرفت دل کی کہاں آہوئے ختن میں ہے

عبث لگاوے ہے مارِ سیاہِ زلف سے دل
خراب ہونے کی شاید ذکا کے من میں ہے

یار کے میرے خبر آج اس طرف آنے کی ہے
آرزو کتنوں ہی کو جی سے گزر جانے کی ہے

دسترس کس کو دل ان زلفوں سے سلجھانے کی ہے
ہم نے لاچاری سے کی منت کشی شانے کی ہے

اتصال یار ہے ہردم میسر اب ہمیں — خاصیت دل کی ہمارے آئینہ خانے کی ہے

عشق بازی میں دیا برباد جب عہدِ شباب — چھا گئی پیری ذکاؔ اب عمر پچھتانے کی ہے

شغل مے برسات کے موسم میں کب لگتا ہے خوش — جس بشر کے دل پہ ہو غم کی گھٹا چھائی ہوئی

اٹھ گئے سب شہر خاموشاں میں مجھ کو دھر کے آہ — تھا وہ انبوہِ خلائق، یا یہ تنہائی ہوئی

درد سُن ہر اک کا بہ نکلے ہے آنسو اے ذکاؔ — خاطرِ غم دیدہ ہے از بسکہ دکھ پائی ہوئی

ظلم بلبل پہ ہوا اب کے برس کیا کہیے — آئی پُر درد یہ آوازِ قفس کیا کہیے

بیٹھنا چین سے کب ہو در خالق پہ نصیب — مجھ کو گھر گھر لیے پھرتی ہے ہوس کیا کہیے

دل کی تعمیر کری دیدۂ تر نے مسمار — ایسی برسات ہوئی اب کے برس کیا کہیے

زلفوں میں کیا چہرے کو مستور کسو نے — دکھلائی ہے دن میں شبِ دیجور کسو نے

نہ آئے پھر کے کبھو تھے وہ آشنا کیسے — یہ عمر رفتہ مری دے گئی دغا کیسے

لڑھ گیا ہاتھ سے ساقی کے نشے میں شیشہ — دخترِ تاک کا جوبن ہے ڈھلا کیا کہیے

منہ وہ کھولے ہے سو نہوروں سے — دے ہے اک بوسہ لاکھ زوروں سے

چشم پھر تر ہے خدا خیر کرے — کام ابتر ہے خدا خیر کرے

گرچہ ظاہر میں تجھ سے دوری ہے — دل میں پر خلوتِ حضوری ہے

گانٹھ کیوں دی ہے زلف میں تو نے — ہو چکی کس کی عمر پوری ہے

زلف دکھلا کے یوں کہا اس نے — مت نکل گھر سے، سانجھ دھوری ہے

اس پری رخسار نے زلفوں کو چھوڑا خوب ہے — جی ڈسے جاوے ہے یہ ناگن کا جوڑا خوب ہے

کرلیا اک آن میں دل کو مرے زنجیر پا — سیم تن کے پاؤں میں سونے کا توڑا خوب ہے

حاجت نہیں کچھ اس کی سبزہ عبث ہے بونا — تربت پہ عاشقوں کی مشتِ گیاہ بس ہے

تراش اس کی وہ ہے، جس پر فدا ہر ایک بندہ ہے — خدائی میں وہ بت پیدا ہوا عاشق کشندہ ہے

نکالوں کس طرح سر کو، کہ مطلق ہل نہیں سکتا — کمندِ زلفِ جاناں کا پڑا گردن میں پھندا ہے

تصور ہے ذکاؔ کو یار کے رخسار وگیسو کا — نہیں کچھ اور شغل اس کو یہی دن رات دھندا ہے

تشبیہ کھنچے مانی وبہزاد سے کیوں کر — خالق نے کمر کو تری معدوم کیا ہے

جو دیکھ لے تو ابھی غش کرے جنوں پہ مرے — قدم کو چوم کے مجنوں مرید ہو جاوے
دلاوے آج جو اے سیمبر تو اک بوسہ — ذکاؔ غلام ترا زر خرید ہو جاوے
زلف اس پری رونے آج پھر سنواری ہے — دیکھیے کٹے کیونکر رات ہم پہ بھاری ہے
خیر کیا نظر آئے خالی زیر ناف اس کے — مرگیا ذکاؔ اپنے نار کر کٹاری ہے
زلف میں یار کی مکھڑے کی دمک کیسی ہے؟ — ابر میں دیکھ لو بجلی کی چمک کیسی ہے؟
عمر رفتہ سے ذکاؔ مجھ کو سراپا ہے گلہ — ناتواں پا کے گئی مجھ کو پٹک کیسی ہے
خون پیتے ہیں ذکاؔ کھاتے ہیں ہم لختِ جگر — نہیں واقف کہ مے ناب وگزک کیسی ہے
نظر یہ خشک مری چشم زار پھر آئی — غضب ہوا کہ جو مینہ کی پکار پھر آئی
شراب سرخ کے پینے کو کیوں نہ جی چاہے — فلک پہ کالی گھٹا گھر کے یار پھر آئی
نہیں ہیولا ہے لیلیٰ، یہ روح قیس کی ہے — تری تلاش میں بن کر غبار پھر آئی
ہوا ذکاؔ کو ضعیفی میں عاشقی کا خیال — عجب ہے سیر خزاں میں بہار پھر آئی
مرض کو عشق کے کر غور، افلاطوں نے فرمایا — دوا اس کی نہیں مجھ پاس یہ حکمت سے باہر ہے
نہیں لگتا ہے دل مجنوں کا تجھ بن گھر میں اے لیلیٰ — نکل کر پھر چلا سودا کی وہ شدت سے باہر ہے
خاک میں سب تن ملانا کوئی ہم سے سیکھ جائے — کیمیا مس کو بتانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
تشنۂ وصل ہوں بر آوے تمنا شاید — سامنے آئے مرے آج گھڑے پانی کے
گیا وہ شعلہ رو، اس غم میں جی کھونا ہی باقی ہے — بسانِ شمعِ محفل عمر بھر رونا ہی باقی ہے
ٹھکانا ہے کہاں ہم سے سیہ بختوں کا دنیا میں — جو دیکھا غور کر اس زلف کا کونا ہی باقی ہے
برسیو خوب سا ابر بہاری کھل نہ جانا تو — ابھی داغ جگر اپنا مجھے دھونا ہی باقی ہے
ذکاؔ اس شوخ نے مسّی لگا کر پان کھایا ہے — شہید کربلا بس مجھ کو اب ہونا ہی باقی ہے
باقی نہیں اے جان مری جان میں کچھ ہے — اک آن میں یاں حال ہے کچھ آن میں کچھ ہے
ہیں لختِ دل اٹکے ہوئے مژگاں پہ ہماری — یا اترے مسافر ہیں یہ دریا کے کنارے
تھا کون سا وہ میکش، اندوہ و غم میں جس کے — کالی گھٹا نے بدلی پوشاک ماتمی ہے
نہ آشنا ہے نہ میرا رفیق ہے کوئی — کہوں میں کس سے دکھ اپنا، شفیق ہے کوئی؟

کوٹے تھا گل کو بیٹھا گھر میں کلال اک دن
گل نے کہی یکایک یہ بات سرسری ہے

مت ٹھوک ہم کو اتنا، تجھ سے کبھی تھے ہم بھی
ہووے گا خاک آخر گزر اس ستم گری سے

منزل پہ مدعا کی پہنچے نہ غافلی سے
ناکام رہ گئے ہم سستی وکاہلی سے

حالِ جدائی اس کو لکھیے ذکاؔ مفصل
تسکینِ دل نہ ہوگی تحریر مجملی سے

عشق میں کیا فلاح ہونی ہے
عمر اک درد و غم کی کھونی ہے

دل ہے منصور آہ سولی پر
اور جو کچھ کہو فضولی ہے

ہے مقامِ فرودگاہِ بتاں
خانۂ چشم بھی نزولی ہے

غمِ فرہاد بس کہ ہے اس کو
اب تلک نوحہ گر بسولی ہے

ہے وہ دل میں ہی، کیوں چلے کعبہ
غافلو تم نے راہ بھولی ہے

ہے آنسوؤں سے دیدۂ تر جو بھرے ہوئے
نخلِ مژہ اسی سے یہ دیکھو ہرے ہوئے

ابرو تلے ہے جلوہ نما اس کی چشم سرخ
شیشے ہوں مے کے طاق میں جیسے دھرے ہوئے

اب تک نہیں ہوا ہے غبار اس کے دل کا رفع
جاتا ہے میری خاک سے بچ کر پرے ہوئے

پاتے نہیں ہیں ہوش وحواس اب کسی میں ہم
جادو سا کچھ وہ جائے ہے سب پر کرے ہوئے

پیری میں آوے پھر کے جوانی کہاں ذکاؔ
جی اٹھتے ہیں کہیں بھی دوبارہ مرے ہوئے

جلتا ہے چنار آتشِ حسرت سے سراپا
مہندی کا ترے ہاتھ پہ کیا رنگ رچا ہے

آئینہ رونے پہنی شاید کہ آرسی ہے
ملنے سے میرے اس کو آئی جو عارسی ہے

آگیا جاڑا، ہوا گرمی کی سب جاتی رہی
لے خبر ساقی کہ پھر موسم، ہوا تبدیل ہے

سب جگہ پر ظہور تیرا ہے
گر نہ دیکھوں قصور میرا ہے

منہ پر میرے رکھے ہے موے سفید
چیت غافل، ہوا سویرا ہے

کیا ہوگیا اے ہمدم جو درد لگا ہونے
پہلو میں تڑپھ کر دل کیوں سرد لگا ہونے

غم مجھ کو مداوا کا زائد ہے مرض سے بھی
صندل کے رگڑنے سے سر درد لگا ہونے

گھڑیال کی آتی مرے کانوں میں صدا ہے
تو بھی رہا کرتی مجھے غفلت ہی سدا ہے

مینائے مے گلگوں ہر بار بغل میں ہے
سامان خوشی ہردم تیار بغل میں ہے

اک عمر سے پھرتے تھے تلاش میں ہم جس کی — دیکھا جو تامل سے وہ یار بغل میں ہے
لازم ہے ذکا دل کی پہلو میں نگہبانی — شیشے کو سدا رکھتا میخوار بغل میں ہے

بزم میں ذکرِ جام دایم ہے — نام جم کا اسی سے قایم ہے

با حسن آب و تاب قدم جب کہ تو رکھے — مجلس میں آئینہ کی خدا آبرو رکھے

مت لگا دل کو کہ ہیں اس میں قباحات کئی — دکھ کئی، رنج و مصیبت کئی ، آفات کئی

مے گلگوں کا آج صافا ہے — واہ ساقی کا کیا قیافا ہے
ہے معطر مشام جاں بھی ذکا — زلف کیا مشکِ چیں کا نافا ہے

سنگدل ہیں چھوڑ دو الفت بتوں کی اے ذکا — اٹھ چلو کعبے کو تم، اللہ مالک سب کا ہے

غضب ہے یہ، رہوں خاموش تو زباں جل جائے — کروں جو آہ، زمیں کیا کہ آسماں جل جائے

دکھ اٹھاتے کئی برس گزرے — اب مداوا سے ہم نفس گزرے

ساقیا دیکھ آئی بدلی ہے — لا وہ شے جس کی شرط بدلی ہے

میں نے اس سے جو کہا چھاتی سے لگ جانے دے — بولا چل دور ہو، سونے دے، الگ جانے دے
کیوں کھپاتا ہے عبث جی کو، طبیب ناداں — ہاتھ کب آئے تپِ عشق کی رگ، جانے دے

لینے لگا ہوں زلف سیہ کی ترے بلا — مدت میں درد آہ کی میری مدد ہوئی

لب اس کے جب چمن میں ہوتے ہیں وا ہنسی سے — گل پھر کرے ہے ٹکڑے اپنی قبا، ہنسی سے
کلیاں کھلی ہوئی ہیں گل یاسمیں کی گویا — لگتے ہیں دانت اس کے کیا خوش نما ہنسی سے

گھر آئے ہر اک سمت سے کالی جو گھٹا ہے — ساقی ہی کی جانب کو مرا دھیان بٹا ہے

کریں سیر باغ کی جا کے ہم، کہاں اتنا دل ہے دماغ ہے — کہ ہوائے نکہت گل وہاں، ہمیں مثل دودِ چراغ ہے

دست کوتاہ رکھ دنیا سے — کیا ہے گر آستیں دراز ہوئی

اٹھا ہے ابر اور ساقی نہیں، حیرت میں ہوں یارو — ٹلے یہ کس طرح سر سے بلائے آسمانی ہے

عبث کرتے پھرو ہو جستجو تم — وہی دل میں ہے بیٹھا، دیکھ لو تم

زندگی اس کی تلخ ہوتی ہے — چھوڑ دے جو شراب کا پینا

عاشقی کرنے کا ہمدم نام مت لینا کہیں — سربسر رسوائی و ذلت ہے دل دینا کہیں

ہے چاہ زنخداں کا تصور اسے دن رات
سن لوگے کسی دن کہ ذکا چاہ میں ڈوبا

کب گھر میں کرے میرے گذر ماہ جبیں پھر
آتی ہے بھلا عمر گذشتہ بھی کہیں پھر

حسن کے دیکھے سے معشوقوں کے میں بھرتا نہیں
دھوپ کے کھانے سے ہو کیونکر شکم سیری مجھے

دہانِ شیشہ جلدی سے کہیں اے یار کھل جاوے
مبادا ابر گھر آیا ہے سو اک بار کھل جاوے

ہوافی الفور دریا اشک کا آنکھوں سے یاں جاری
تصور آگیا جس وقت اس پوشاک آبی کا

طوفان کر رہا ہے کیا طفل اشک دیکھو
کہنے کو ہے یہ لڑکا آنکھوں کے روبرو کا

عیاں تیرے ہونٹوں پہ یہ خاک کب ہے
کوئی عاشقِ مضطرب جاں بلب ہے

سنا تھا حال جو اے مردماں سمندر کا
بعینہ یاں وہی نقشہ ہے دیدۂ تر کا

پڑی ہے کشورِ دل پر لڑائی لشکر غم سے
مدد کر دارو اور شیشے کا اے ساقی شتابی سے

کھل گئی باغ میں غنچے کی بندھی مٹھی آج
مژدہ بلبل تجھے، اک اور کھلا گل تازہ

رفیق اپنے جو تھے ان کی نظر آتی ہے کم، صورت
غنیمت ہے جو مل بیٹھیں کہیں دو چار ہم صورت

مدرسے میں ہمیں ملال رہا
میکدے میں بھی اک کلال رہا

صبا تجھ سے ملے یوسف مرا گر شہر کنعاں میں
جو دیکھا ہے مری آنکھوں کا تو نے حال، کہہ دیجو

کیوں پریشاں ہے باغ میں سنبل
کس کی زلفوں کا یہ وبال پڑا

عاشق ہوا ہوں قدِ بت خود پسند پر
صد آفریں کہو مری فکر بلند پر

بات منہ دیکھے کی مجھ کو کہہ نہیں آتی ذکا
آئینے سے صاف ہے رخ اس پری رخسار کا

جاتے کہاں ہو اپنی کمر کو کسے ہوئے
ناگن کو چھوڑ زلف کی جی کو ڈرے ہوئے

جاتی ہو اے سیر چمن ان کو کیا ڈر ہے
اک عمر گذری دام میں جن کو پھنسے ہوئے

زلف سیہ کی یاد میں مژگاں مری ہیں تر
برسیں گے خوب رات کے بادل لبے ہوئے

ہم نے کس زور سے چاہ ان سے نبا ہی توبہ
سنگدل کیا ہیں بتاں بھی کہ الٰہی توبہ

نہیں لگتا ہے پھل اس کے، جو پھول آیا تو کیا حاصل
ہوا اس غم سے آخر شمع کو آزار رونے کا

غریق بحر الفت کو بھلا کب نیند آتی ہے
ہمیشہ بے کلی ماہی کو دریا میں جگاتی ہے

وہ شوخ سفر میں ہے مرے دل کو کہاں چین
رہتا ہے سدا روح کا میری سفری رنگ

کس کس کا کروں میں ہائے افسوس
دنیا ہے غرض کہ جائے افسوس

ہندوے زلف بتاں دیکھ کے یاد آتی ہیں
رات کے وقت وے جو رام کی گلیاں مجھ کو

آتا نہیں کیوں اب تو مرے پاس تلک بھی
اٹکا ہے کسی سے جو ترے دل میں اٹک ہے

غصے میں خوب چمکے ہے چہرے کا اس کے رنگ
بگڑے ہے جتنا اس سے سنورتا زیادہ ہے

کیا کہوں بے ڈھب ہی کچھ دل اس پہ مائل ہوگیا
ضبط کرنا اس کا اب اک کار مشکل ہوگیا

شتابی ساقیا جام شراب ارغوانی بھر
نہ بھولوں گا ترا احساں کبھو میں زندگانی بھر

بہے جاتے ہیں دریا اشک کے حد اضطرابی ہے
نظر آئی مجھے کس شخص کی پوشاک آبی ہے

وہ اپنی زلف مسلسل کا بند باندھے ہے
پھنسے نہ تا کوئی عاشق، یہ پھند باندھے ہے

پیچ میں لاتا ہے کہہ کر تجھ کو بھائی اے ذکا
اس رقیب بے وفا سے مت بدل دستار کو

ہنستے ہنستے اس کو لے جانا مرا دل بات ہے
کیا کہوں کچھ کہہ نہیں سکتا ہوں مشکل بات ہے

ڈراتے کیا ہو مجھے تیغِ کیں نکال چکو
کرو ہو قتل تو خنجر کہیں نکال چکو

پھرے ہے دیکھو کیا مجلس میں ساقی مست متوالا
گرا پڑتا ہے ہاتھوں سے کہیں شیشہ، کہیں پیالہ

گلے میں لعل کے ٹکڑوں کی اُربس پہنے
غضب سے دیکھو بدخشاں میں آگ برسے ہے

سنا جب اس کا نہ اقرار یاں کے آنے کا
کیا پیام دل و جاں نے تن سے جانے کا

انسانِ پاکباز مثالِ درخت سبز
ہر چند پست ہووے ولے سربلند ہے

بات کہی جب مطلب کی تو آپ اس سے کچھ کم سمجھے
خیر مفصل کیا کہیے کچھ تم سمجھے کچھ ہم سمجھے

کھیلیں ہیں لوگ کیسے آپس میں مل کے ہولی
یاں کی خبر نہیں ہے ہونی جو کچھ تھی ہولی

مجھ کو رستے میں نظر آج اک پری وش ہوگیا
گھر تلک پہنچا نہ میں، بے خود ہوا، غش آگیا

رباعیات

منظور ہے جن کو سیر کرنے کو نین
ہلتے نہیں اپنے گھر سے جو مردم عین
احوال جہاں کا ان پہ روشن ہے تمام
دن رات کریں ہیں گھر میں بیٹھے ہوئے چین

دانا ہے تو سن میری نصیحت کو شتاب ہوجائے گا تو ورنہ پشیمان و خراب
مت ڈالیو ہاتھ مزرع گیتی میں ایک دن دینا ہے دانے دانے کا حساب

کہتی ہے خدا پکار کر احوال کر عمر پہ اپنی آہ غافل تو خیال
کانسہ نہ سمجھیو اس کو باچشم پُر آب غفلت پہ تری ہے سینہ کوباں گھڑیال

خدمت میں نہیں ہے تری اب عرض کچھ اور دے دے ہمیں تُو تو پیالہ کسی طور
جاتے ہیں اپنے گھر تجھے کر کے دعا جم جم رہے ساقی ترا قایم یہ دَور

حکما و خدا رسیدہ جتنے اب ہیں دیکھا تو رضائے حق کے تابع سب ہیں
چاہیں کہ مٹاسکیں لکھا قسمت اس بات کا اختیار رکھتے کب ہیں

ہوتی ہی نہیں دیکھنے سے سیری حیران ہے اب عقل نہایت میری
لازم ہے کہ چوم لیجے دست قدرت جس نے کہ یہ شکل ہے بنائی تیری

جی باغ میں جا کے ہوگیا آج اداس نیرنگیاں دیکھ گم ہوئے ہوش و حواس
کیا جانے پھری ہے کیا زمانے کی ہوا غنچوں میں وہ رنگ ہے نہ پھولوں میں ہے باس

جو شخص ہو خوب اس کا کیا ہے کہنا یکساں ہے وہ پہنے یا نہ پہنے گہنا
ہر چند پھرے ہے سر برہنہ خورشید پر دیتا ہے زیب اس کو عریاں رہنا

کل نزع کے وقت آ جو نکلا گل رو پوچھا یہ ذکاؔ سے اب ہے کس حال میں تو
ازبس کے پھرے تھے اس کے جی میں ارماں چپ ہورہا سن کے اور بہائے آنسو

مے پی کی خوشی سے گھر بلایا کس کو ساتھ اپنے تمام شب سلایا کس کو
کملا گیا ہار کس لیے پھولوں کا سچ کہہ پیارے گلے لگایا کس کو

کہتا ہے ذکاؔ سے یوں دل اہل شعور فوارہ نمط نہ سر اٹھا اے مغرور
آخر دیکھا ہے سرنگوں ہی اس کو کرتا ہے بہت جو آج دولت پہ غرور

چھائی ہوئی آج کس قدر بدلی ہے جس سمت کو دیکھیے اودھر بدلی ہے
ساقی سے کہو کہ آ پیارے جلدی اس وقت میں تو نے کیوں نظر بدلی ہے

ممکن ہے کہ دیکھ سکے دلبر کا جمال ہے اس کی ترقی، اور اپنا ہے زوال
جوں شعلہ وخس ہے میری اس کی صحبت کیا تاب کسی کی ہے نہایت اشکال

بادیدۂ دل یہی نظر آیا ہے کچھ ظلم کیا ہے جس نے، پچھتایا ہے
قمری کو جو سرو نے ستایا تھا ذکاؔ ہے راستی یوں کہ پھل نہیں پایا ہے

بن یار کے شغل جام وینا کس کام تنہا بیٹھے شراب پینا کس کام
ہے زندگی اپنی جس کے باعث سے ذکاؔ جب وہ نہ ہو تو اپنا جینا کس کام

ساقی سے زبس کہ ہے بہت یارانا ہم دور سے آئے تاک کر میخانا
ہرچند کہ مینہ نے آلیا ہے لیکن جس طرح بنے ہمیں وہاں تک جانا

تجھ بن نہیں دل کو شادمانی، پھر آ ہے تلخ تمام زندگانی، پھر آ

پیری نے کیا ہے مجھ کو جی سے عاجز　　اک بار کہیں تو اے جوانی پھر آ

مدت میں جمال ان نے دکھلایا ہے　　یہ نخل مراد اپنا پھل لایا ہے
پیراہنِ سبز اس کے قامت پہ نہیں　　سرسبزی کا طور کچھ نظر آیا ہے

یاں اس کی طلب میں ہر کوئی مرتا ہے　　کیا جانیے دیر کس لیے کرتا ہے
ساقی سے کہو اٹھا ہے اب ابرِ سیاہ　　جامِ مے سرخ کیوں نہیں بھرتا ہے

ہرچند جہاں میں ہیں ہزاروں دلبر　　کیا تاب ذرا ہو کوئی تیرا ہم سر
خورشید جو حسن کا کرے تھا دعویٰ　　روشن ہے سبھوں پہ، ہوگیا شہر بدر

اب عشق سے طبع بخت گھبرائی ہے　　لاچار یہ بات جی میں ٹھہرائی ہے
دل دیجے نہ زلف اور ذقن کو ہرگز　　دیکھا تو اُدھر کنواں اِدھر کھائی ہے

مقدور کہاں جو لیجیے عشق کا نام　　دیکھاتو نہیں ہے مفلسوں کا یہ کام
ان سیمبروں کو منہ لگاوے وہ شخص　　جوں زلف بتاں گرہ میں ہو جس کی دام

تحقیق یہ بات ہم نے اب جانی ہے　　اس قد سے قیامت ایک دن آنی ہے
کی عمر ہے صرف شاعروں نے لیکن　　سوجھا نہ کسی کو مصرعِ ثانی ہے

جیوں شمع تمام رات روتے گذری　　یہ داغِ جگری مجھ کو دھوتے گزری
آیا نہ نظر تیرا جمالِ روشن　　القصہ جو گذری صبح ہوتے گزری

اس دل سے تو اپنا جی بھی دکھ پاتا ہے   کیا کہیے کہ جس قدر یہ گھبراتا ہے
دلواتا ہے یاد خال و بینی اس کا   کیا ناک چنے یہ ہم کو چبواتا ہے

آتش ہے وہ شے کہ جس سے سب کو ہے خطر   ہر اہل سخا کو کچھ نہیں اس سے ضرر
ہرچند مقام ایک جا ہے لیکن   کب ابرِ کرم کو برقِ سوزاں کا ہے ڈر

دنیا کو جو ترک کر ہوئے خانہ نشیں   کچھ کام پھر ان کو ہرزہ گردی سے نہیں
مطلق نہیں کرتے نام کو بھی جنبش   بیٹھے ہیں قدم جمائے مانند نگیں

ہرچند لکھا ہوا ہو گر قسمت میں   گردش نہیں ٹلتی، ہو اگر قسمت میں
پھرتی ہی رہے ہے مردمِ چشم سدا   از بس کہ ازل سے ہے سفر قسمت میں

پہچان صدا کو اس کی واقف ہے اگر   ہے نغمہ سرا وہی سبھوں میں یکسر
کر چنگ و رباب دین و بربط پہ خیال   کس کس پردے میں بولتا ہے آکر

برسوں میں ملا سفر سے آکر جو صنم   بھر لائی ہے اشکؔ میری چشم پُرنم
آنسو نہ سمجھ یہ ابرِ رحمت ہے ذکاؔ   مدت میں ہوا جناب باری کا کرم

تہ کر کے بساط درد و غم کو دھر رکھ   اسباب خوشی کا سب میسر کر رکھ
برسات کا موسم آلگا ہے ساقی   خالی ہیں جو شیشے ان کو مے سے بھر رکھ

اشفاق وکرم سے دل لبھانا کیسا   اخلاص کی راہ آنا جانا کیسا
جورو میں حیا رہی نہ یاروں میں وفا   آیا ہے ذکاؔ کچھ اب زمانا کیسا

ہے عیش میں جان سے گذرنا مشکل　　اس دشت بلا میں پاؤں دھرنا مشکل
کچھ سہل نہیں ہے جی کا دینا یارو　　کہنا آساں ہے اور کرنا مشکل

ہے پیری میں جی ہی سے گزرنا بہتر　　ہر روز نہیں ہے دکھ کا بھرنا بہتر
باقی نہ رہا ہو جس کا مطلق کچھ لطف　　ایسے جینے سے آہ مرنا بہتر

یارب یہ غبار جی سے دھووے گا کبھو　　افسردہ دلوں کا درد کھووے گا کبھو
ہو جس سے شگفتہ غنچۂ دل اپنا　　ایسے بھی ہوا کو حکم ہووے گا کبھو

تکلیف و فراغ کس کو رہتی ہے مدام　　دیکھا تو نہیں جہاں میں دونوں کو قیام
ہر حال میں شکر اس کا واجب ہے ذکاؔ　　شکوے کو عبث زبان پہ لانا کس کام

ثمرہ جو بھی کانا کہتے ہیں اے یار　　کرتے ہی نہیں ہیں سرکشی وے زنہار
گلشن میں جہاں کے سب کے آگے گردن　　رہتے ہیں جھکائے مثل شاخ پُر بار

مقطعات

جاتی نہیں پیش کچھ کسی کی　　انسان کرے ہزار تدبیر
دیکھا جو بچشم غور ہم نے　　سب بات ہے اختیار تقدیر

کھول کر شب وہ مانگ کو اپنی　　ہنس کے بولا کہ یاں سے اب مت گل
اے ذکاؔ سب جہان ہے تاریک　　اس گھڑی آدھی رات کا ہے عمل

نہیں تدبیر کام آتی کسی کے　　خلق ہی دل پہ وقت جاں کنی ہے
خبر لے میری اے مشکل کشا جلد　　کہ مجھ پر سخت مشکل آبنی ہے

افتادگی اختیار کی ہے جس نے　　دیکھا تو ذکاؔ بہت ہے ہے دانا
ہوگا وہی آخرش کو سرسبز　　اول ملے خاک میں جو دانا

دل ٹھکانے نہ ہو تو اے ہمدم　　وہیں صبر و قرار ہووے پست
ہے مثل فوج بھاگ جاتی ہے　　جبکہ بخشی کو فوج میں ہو شکست

چہرے پہ خط سبز کی جب سے ہوئی نمود　　ملنے لگا ہے ہم سے وہ نخل امید کم
ہے سچ مثل بہار جب آتی ہے ختم پر　　تو میوہ ان دنوں میں گراں پہنچے ہے بہم

دل نے ذکاؔ سے پوچھا افسوس ہے پیارے　　عقبٰی سے باز رہنا غفلت میں عمر کھوئی
کہنے لگا وہ اس سے آنکھوں میں بھر کے آنسو　　کچھ بس نہیں ہے اپنا کیا کیجے، آہ، ہوئی

پوچھا ٹک ہم نفس نے کیوں تجھ کو　　شغل حقہ کشی ہے ہر اوقات
بولا میں دودِ آہ دل سے نکال　　منہ لگاؤں نہ کیوں اسے دن رات
ہم نشین و رفیقِ تنہائی　　پانی مشکل ہیں اور میں یہ صفات
نہیں چھٹنے کا جیتے جی مجھ سے　　ہے یہ دل سوز اپنے دم کے سات
میں نے پوچھا کہ ہو اگر مرضی　　تو رخ و زلف کو لگاؤں ہات
ہنس کے کہنے لگا نہ کر جلدی　　اے ذکاؔ دن گئے ابھی یا رات

سحر یہ کہتی تھی بلبل کہ اب خزاں آئی　　نہیں رہا ہے مجھے عیشِ زندگی بالکل

جہاں کے باغ میں ہے عیش زندگی کا یہ — کہ ایک رنگ میں گزرے بسانِ غنچہ وگل

ہوگیا آپ سے جو شخص جدا — اس کا کرنا عبث ہے پھر مذکور
یعنی مشہور ہے مثل یہ ذکاؔ — ''ہر کہ از دیدہ دور، از دل دور''

معتقد ہم نہیں ہیں اس کے ذکاؔ — کپڑے جو رنگ کر فقیر ہوا
اپنے نزدیک ہے وہی درویش — چھوڑ دنیا کو گوشہ گیر ہوا

جان و دل سے فدا ہوا ہے ذکاؔ — جب سے دیکھی ہے مانگ کی تصویر
سر دھنوں ہوں میں اس کی شامت پر — ہوگیا کیا لکیر پر ہی فقیر
دل سے نکلا کریں ہیں آہ و فغاں — ان کی ہوتی ہے کیا غضب تاثیر
سب کو واجب ہے الحذر کرنا — ایک ترکش کے ہیں یہ دونوں تیر

عید کا اک برس پڑا ہے ذکاؔ — کون دیکھے ہے انتظار شدید
جب میسر ہو ماہرو کا ملاپ — ہو اسی دن ہمارے گھر میں عید

اعمال تو کچھ میرے نہیں ہیں بہتر — دیکھا جو بغور
اب اس کے سوائے ہو گذارا کیونکر — کب فکر ہے اور
باچشمِ پُر آب عرض کرتا ہے ذکاؔ — یا ربِّ غفور
ہوجائیں معاف جرم میرے یکسر — کچھ ایسا ہو طور

ردیف الراء المہملہ

راقمؔ، خلیفہ غلام محمد

خلیفہ غلام محمد راقمؔ ساکن دہلی، اکتساب فن شریف طبابت از حکیم مرزا محمد عشق میکند و بسر برد اوقات بہ پیشۂ معلّمی می نماید۔ از علوم عربیہ بسیار باخبر و خط نستعلیق و نسخ و شفیعائی و ثلث و شکستہ ہمہ خوب می نویسد و در انشا پردازی ہم مہارتی دارد چندی سخن خود را بسمع حکیم قدرت اللہ خاں قاسمؔ رسانیدہ، حاصل اینکہ مرد قابل و مستعد و درست اتحاد نیک نہاد واقع شدہ، از بس مغتنمات است:

جو کوئی تجھ سے دل لگاوے گا آپ اپنے کیے کو پاوے گا
روٹھنا بات بات پر تیرا ہم کو کیا جانے کیا دکھاوے گا
فرقت میں تری جو مر گئے ہم عشاق میں نام کر گئے ہم
بس کر چکے عاشقی مری جاں غصہ سے ترے جو ڈر گئے ہم
جب میں نے کہا تم نے ملاقات اڑادی تو اس نے ہنسی میں یہ مری بات اڑادی
آج دل بے قرار ہے، کیا ہے مرگ ہے، ہجر یار ہے، کیا ہے
ہاتھ میں اس کے کچھ تو چمکے ہے تیغ ہے یا کٹار ہے کیا ہے

رباعی

نے دہر میں کچھ ہے نہ حرم میں کچھ ہے ہستی ہی میں کچھ ہے نہ عدم میں کچھ ہے
دنیا میں ملے طلسمات عجایب راقمؔ دم میں کچھ ہے اور ایک دم میں کچھ ہے

رافتؔ

رافتؔ تخلص از ساکنین لکھنؤ، شاگرد قلندر بخش جرات است فکر خوش میکند و سخن او ناخن بدل

می زند، ایں مطلع برجستہ از تلاشش رقم زدۂ کلک محبت نگارمی گردد:

یہ کسکی مژگاں کے آہ یارب بھری ہیں دلمیں ہمارے پرتیں ‖ کہ شکل غربال پڑگئے ہیں ہزاروں رخنے دل وجگر میں

راقم بندرابن

بندرابن راقم از ساکنین شاہ جہاں آباد، شاگرد مرزا رفیع سودا، بہر حال فکر خوش دارد۔ دیوانی مختصر و مردف بہ قید تنظیم درآوردہ۔ اکثر در مشاعرہ غزل طرحی می خواند، چندے می گذرد کہ از بود و باش وے آگاہی ندارم واللہ اعلم حالا کجا استقامت پذیر است و چگونہ اوقات گزاری دارد:

یاں تک قبول خاطر کیجیے تیری جفا کو ‖ تا، سب کہیں کہ راقم رحمت تری وفا کو

دیکھا نہ ہو جسے میں، کوئی سرزمیں نہیں ‖ ہر تخم دل ہو سبز جہاں، سو کہیں نہیں

نامہ کا میرے لے کر اس سے جواب پھرنا ‖ ٹک واسطے خدا کے قاصد شتاب پھرنا

اک وے بھی دن تھے یارب جو تھا ہمیں میسر ‖ گلشن میں ساتھ اس کے پیتے شراب پھرنا

میرے اعضا میں تجھ کمر سے میاں ‖ فرق ہرگز نہیں سرمو کا

ابر تر سے چشم گریاں کم نہیں ‖ موج دریا ہے شکنج آستیں

کس کی گلی میں قطرۂ خوں ہے تہِ زمیں ‖ جوں تکمہ اگتے ہیں گل اورنگ اب تلک

پہنچا نہ آہ درد کو میرے کوئی طبیب ‖ یارب عجب طرح کا کچھ آزار ہے مجھے

سنتے تھے ہم جہان میں اہل کرم کا ہاتھ ‖ آیا جو دید میں تو کم از آستیں نہیں

مری بدشرابیوں سے کریں توبہ مے گساراں ‖ زہے وہ عمل کہ ہووے سبب نجات یاراں

سنا کن نے حال میرا کہ جوں ابر وہ نہ رویا ‖ رکھے ہے مگر یہ قصہ اثر دعائے باراں

عاشق کا کام کچھ تجھے منظور ہی نہیں ‖ کہیے تو ہے یہ بات کہ مقدور ہی نہیں

کہتا تھا کون یہ کہ خوشی ہے جہاں کے بیچ ‖ اس بات کا تو یاں کہیں مذکور ہی نہیں

معصیت[1] میری بہت ہے کہ تری بخشش بیش ‖ اپنی رحمت پہ نظر کر مرے عصیان کو دیکھ

رونے میں اس قدر تو جگر اے جگر نہ کر ‖ دیکھا نہ تو نے کچھ کہ دل و دیدہ کیا ہوئے

1۔ گناہ میرے زیادہ ہیں یا تیری رحمت ‖ رحیم تو ہی بتادے حساب کرکے مجھے

کہے کیا دردِ دل بلبل گلوں سے — اڑا دیتے ہیں اس کی بات ہنس کر
جو چاہے گوہر مقصود اے دل — صدف کی طرح تو پاس نفس کر
نہ ترے عشق سے بلبل ہی کو نالاں دیکھا — چاک ہر گل کا گلستاں میں گریباں دیکھا

قطعہ

اے باغباں نہیں ترے گلشن سے کچھ غرض — مجھ کو قسم ہے چھیڑوں اگر برگ و بر کہیں[1]
اتنا ہی چاہتا ہوں کہ میں اور عندلیب — آپس میں درد دل کہیں[2] ٹک بیٹھ کر کہیں

دیگر

مژگاں سے دل بچے تو ٹکڑے کریں ہیں ابرو — یہ کہہ کے میں نے اس سے جب دل کی داد چاہی
کہنے لگا کہ ترکش جس وقت ہوئے ہوں خالی — تلوار پھر نہ کھینچے تو کیا کرے سپاہی

ہے نہ تنہا تری زلفوں سے مجھی کو سودا — چاک صد جا سے ہے شانہ کا گریباں دیکھا
پریشاں ہی نظر آتا ہے دل ذرات کا عالم — صبا کیا کھل گیا ہے پیچ اس کی زلفِ پُرخم کا
جو کہ مایل ہے تیغ[3] ابرو کا — تشنہ لب ہے وہ اپنے لوہو کا
نہیں ہوتا ہے یار ہم آغوش — کیوں کہ ہو دور درد پہلو کا
کرتا تھا کل گلی میں وہ اپنی خرام ناز — رکھتا تھا جو قدم، سو قیامت بدوش تھا
ترے پیچھے مرا دل اشک کی طرح — گیا ایسا کہ پھر ڈھونڈا، نہ پایا
دل کنج قفس میں کر، فریاد بہت رویا — ہستی کے تئیں گل کی کر، یاد بہت رویا
ہردم زبان شمع پہ جاری ہے یہ سخن — دیتی ہے دل جلوں کو اجل کا پیام صبح
جوں نقش پا پڑے ہیں تری رہ میں ضعف سے — آئی ادھر نسیم، ادھر ہم ہوا ہوئے

مخمس[4] تضمین غزل مرزا سودا چنیں گفتہ

---

1. ل: کمیں، 2. اصل: کہون، 3. ل: تیری، 4. اصل: مخمسات

نشو و نمائے باغ جہاں سے رسیدہ ہوں فکر و غم خزاں سے بہت آرمیدہ ہوں
شادابی ریاض سے دور آفریدہ ہوں نے بلبل چمن نہ گل نو دمیدہ ہوں
میں موسم بہار میں شاخ بریدہ ہوں

یارب مری کٹی ہے عجب طرح صبح و شام حیرت ہی میں گزرتی ہے میرے تئیں مدام
مطلب نہ غم سے مجھ کو نہ کچھ خرمی سے کام گریاں بشکل شیشہ و خنداں بطرز جام
اس میکدہ کے بیچ عبث آفریدہ ہوں

جتنے ہیں اس زمانے میں محبوب دلربا ان میں تو میں کسی سے نہیں صورت آشنا
ہوں اب غرض میں طرفہ مصیبت میں مبتلا کس سے کروں میں دعویٰ دل جا کے اے خدا
دل دادۂ کف [1] رخ دلبر ندیدہ ہوں

آیا نہ رحم تجھ کو مرے حال پر کبھو پوچھا نہ تو نے آکے مرے جسم سے لہو
دیوے گا کیا جواب خدا کے تو رو برو کرتا ہے جا کے گل کی تسلی چمن میں تو
خون جگر میں، میں بھی تو [2] دامن کشیدہ ہوں

بسمل صفت نہیں مجھے آرام ایک پل ہے مرگ میرے دم سے نہایت ہی منفعل
ملنا اگر ہے مجھ سے تو ظالم شتاب مل غافل ہے کیوں ترا مری وحشت سے گوش دل
اے بے خبر میں نالۂ حلق بریدہ ہوں

پوچھے ہے تو کبھی کہ ترا [3] اشک کیوں ہے زرد کہتا ہے گاہ یوں تو مجھے بھر کے آہ سرد
تو کون ہے جو ملتا ہے چہرے سے اپنے گرد میں کیا کہوں کہ کون میں، سوؔدا بقول درد
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

رافتؔ، رؤف احمد

رؤف [4] احمد رافت تخلص۔ وے در رام پور استقامت دارد و سدر مق بجا صل وجہ قدیم کہ

1۔ اضافۂ قیاسی، 2۔ کذا در اصل، 3۔ اصل: شک تصحیح قیاس، 4۔ ایک رافت کا ذکر پہلے گذرا۔ مصنف نے اس رافت کو از شاگردانِ قلندر بخش عبرت لکھ کر کاٹ دیا اور حاشیے پر وہ پوری عبارت جو پچھلے رافت کے ترجمے میں لکھی ہے، لکھ کر کاٹ دی۔ ممکن ہے مصنف نے ایک ہی کو دو سمجھ لیا ہو۔

بنام بزرگان اواز سرکار رئیساں آنجا مقرر و عمل در آمد است، میگذراند۔ گاہ گاہ میل بشعر ریختہ دارد خیلی خوش فکر و خلیق و آشنا پرست محقق شد، ایں ابیات از و بمن رسید۔

ادا و انداز و ناز و عشوا جو کچھ ہمارے ہے فتنہ گر میں
نہ وہ پری میں نہ حور میں ہے نہ ہے وہ غلماں میں نے بشر میں

غضب تو یہ ہے سنو تو یارو ٹک آنکھ اٹھا کر جو دیکھیں اس کو
تو ہائے چتون میں یوں کہے ہے بھلا ہماری ہے تو نظر میں

جو کچھ ہے اس میں ادا و شوخی، سو کب ہے حور و پری میں ایسی
خدا ہی جانے یہ کون مخفی ہوا ہے آ، قالب بشر میں

گرمی رخساروں کی دیکھے گر وہ یار آئینہ میں
جوہر آئینہ ہوجائے شرار آئینہ میں

رافتؔ، اچپل وہ بھلا کب مرے گھر ٹھہرے کہ آہ
عکس کو جس کے نہ آتا ہو قرار آئینہ میں

راغبؔ، مرزا اسجان قلی بیگ

مرزا اسجان قلی بیگ راغب[1] نیا کانش متوطن سرزمین ایران[2] و مسقط الراس او خاک پاک ہند۔ مرد سپاہی پیشہ، عمدہ زادہ، شاعر فارسی و ہندی است۔ در فارسی نسبت تلمذ بہ یکے از شاعران ایران دیار دارد و در ہندی از حکیم میر انشاء اللہ خاں انشاء۔[3] فکر سخن فارسی بطور ولایتیاں می کند و گوی فصاحت از میدان می رباید۔ چوں خدای کریم ذہن فہیم و طبع مستقیم بوی ارزانی داشتہ، بہر دو زبان بوجہ نیک سخن طراز است و کلامے کہ از جودت طبع او می تراود سراسر بوے متانت و فصاحت می دہد شعر فارسی بسیار خوب می فرماید گاہے بفکر ریختہ ہم می پردازد:

رشک چمن جو اٹھ گیا آج ہمارے پاس سے
اپنے، برنگ بوئے گل اڑ گئے کچھ حواس سے

منہ دوپٹے میں چھپایا اس نے
دل کو پردے میں لبھایا اس نے

رازؔ، مرزا یعقوب بیگ

مرزا یعقوب بیگ رازؔ از شاگرداں میاں نصیر الدین نصیر بود طبع رسا داشت در عنفوان شباب شوق ریختہ گوئی بہم رسانیدہ بود و با دوستان سلوک و مدارا و رفق و اخلاص مرعی میداشت۔

---

1. اصل/خ: متوطن نیا کانِ خجستہ نیانش۔ 2. سرور: مولود ار المقدمہ۔ 3. شیفتہ لکھتے ہیں کہ انشا سے کنارہ کیا اور ہجویں لکھیں۔

مرگش نگذاشت ایزدغفار زحمتش گرداناد و بزرگان او متوطن توران وخودش درخطۂ پاک ہندوستان تولد یافتہ بود فی الجملہ سرِ سخن داشت:

آہ میرا دامن تر اس لیے گلریز ہے — اشک گلگوں میں مرے لختِ جگر آمیز ہے
شب بے کلی سے دل ترے عاشق کا شق ہوا — لے تیرا نام صبح کے ہوتے وہ حق ہوا

رجبؔ، مرزا رجب علی بیگ

مرزا رجب علی بیگ رجبؔ تخلص مغل بچہ، ہندوستاں زاست۔ اصلش دہلی ومسکن او در بلدۂ فرخ آباد صورت بستہ۔ نہایت شوخ طبع، رند وضع تحقیق شد۔ گویند کہ در مجلسے بر قاصہ زنے از زبان خود حرف درشت و نا ملایم برآوردہ بود۔ او دلاوری را کار کردہ شمشیر کسے دیگر از نیام برکشیدہ برچہرہ اش حوالہ نمود۔ چنانچہ تالیوم زخمش برچہرۂ او نمایاں وآشکارا است۔ گاہ گاہے در حالت نشۂ شراب اشعار متفرقہ از آوند طبع او می تراود:

دنیا میں زندگی کا کوئی دم ہے واہ واہ — جو دم خوشی سے گذرے وہی دم ہے واہ واہ
پی پی کے خونِ دل ہی، بشر کی ہے زندگی — ساقی جو دے شراب یہی دم ہے واہ واہ

رسواؔ، آفتاب رائے

آفتاب رائے رسواؔ[1] جوہری پسرے، بلا قید مذہب دایم الخمر وارستہ مزاج بود۔ غالب[2] اوقات صراحی سے در دست داشت ونوشاں نوشاں بہ بازار می گشت واشعار موزوں وغیر موزوں آنچہ برزبانش می گذشت طرح می داد و در حالت نشہ اکثر حرکات ناشایستہ از و بوقوع می آمد۔ روزے وقت مرگ وصیت داد کہ بعد رحلت مرا بشراب غسل باید داد۔ مردماں وصیتش بجا آوردند واللہ اعلم کدام اسرار رو نمود کہ اصلاً بوی شراب از کفنش برنخاست وچندانکہ قصداً[3] بشمیدند، بالکل نامحسوس بود۔ بیشتر اشعار وے ناخن بدل است:

رسواؔ ہوا، خراب ہوا، در بدر ہوا — اس عاشقی کی راہ میں جس کا گذر ہوا

---

1. اصل/ خ: بعضی ہندو وبعضی مسلمان گویند۔ 2. اصل/ ق: اکثر اوقات۔ 3. ل: بہ قصد۔

مست ہوکر گر پڑے ہیں ہر طرف دیوار و در
ابر رحمت ہے برستا[1] یا برتی ہے شراب

کوئی جانہیں زمیں پہ جو آنسو سے نم نہیں
رسوا بھی اپنے وقت میں مجنوں سے کم نہیں

قفس سے دوں گئے ہم اور چمن میں جائے نہیں
اڑیں تو پر نہیں رکھتے، چلیں تو پائے نہیں

وصل میں بےخود رہے اور ہجر میں بےتاب ہو
اس دوانے دل کو رسوا کس طرح سمجھایئے

آرام تو کہاں کہ تنک سو کے چپ رہیں
آنسو بھی نہیں رہے کہ بھلا رو کے چپ رہیں

اب کہیں فرہاد و مجنوں کا نہیں یار و نشاں
☆ مر گئے ہیں عشق میں دیکھو تو کیا کیا آشنا

گو ہوا شیریں تجھے خسرو کی دولت جاہ و مال
☆ پر کہیں ہوتا ہے پیدا کوہکن سا آشنا

روشن، روشن شاہ

روشن شاہ روشن ساکن قصبۂ میرٹھ، قوم کایتھ سری[2] باستب۔ در حالت جذبہ ترک اسباب تعلقات دنیوی کردہ واز خانماں دل برداشتہ بجرگۂ اہل اسلام درآمد و بمسند توکل تمکن گزید۔ شاعر فارسی وہندیست طبعش بجواب گوئی غزلیات شاذ و آسان بسیار مایل ومتوجہ است۔ از بریلی برخاستہ در قصبۂ میرٹھ قیام پذیر گشتہ درویشانہ میگذارند۔ از وست:

وہ شخص اور ہے جس کو ہم دیکھتے ہیں
ان آئینہ رویوں کو کم دیکھتے ہیں

قاصد[3] اس یار کے جواب کا لانا کاغذ
ہم نے خوش ہو کے وہ آنکھوں سے لگانا کاغذ

رباعی

کس کو کہیں درد بھرتے کٹے ہے
کسی کو ترے غم میں مرتے کٹے ہے

ہماری عجب زندگانی ہے روشن
نہ مرتے کٹے ہے نہ بھرتے کٹے ہے

پری ہے، رشک گل ہے نازنیں ہے
وہ اک غارت گر دنیا و دیں ہے

روشن کو تجلی جو ترے نور کی سوجھی
پھر اس کو نہ موسیٰ کی نہ کچھ طور کی سوجھی

---

1 اصل: برست ہے تصحیح قیاسی، ☆ ل میں ندارد، 2 سری واستو، 3 کذا۔

دیکھا ہے کبھی مہر نے اس ماہ جبیں کو تکتا ہے اسی واسطے ہر روز زمیں کو
ستانے سے ترے ظالم نہ میں فریاد کرتا ہوں ترے ڈھب دیکھ کر قسمت کو اپنی یاد کرتا ہوں

رضیؔ، نواب رضی خاں بہادر

نواب سیف الدولہ سید رضی خاں بہادر صلابت جنگ المتخلص بہ رضیؔ، مسند نشین کامرانی، تمکنت آگیں نیک زندگانی۔ بزرگانش بسیار عمدہ و مدام بحشمت و شوکت و شان ظاہر و فلاح باطن معاش بسر نمودند[1] خودش نیز بہ احضار و قرب حضور اقدس اعلیٰ بہ عمدگی و امتیاز میگذراند و حسن خلقش اشتہار تام دارد۔ از طرف[2] صاحبان عالی شان صدر بعلاقۂ وکالت حضور معلیٰ معزز[3] ست۔ از مغتنمات است۔ گوش سخندانی بہ بام فارسی و ہندی می نوازد و بہر دو میدان یکہ بیتاز دو اشعارش منظور خاص و عام و در تلاش مضامین برجستہ و پختہ خوبی و متانت تمام دارد۔ بہر حال ایں اشعار رنگیں از تالیف والالیش بندۂ ہیچمداں ذکاؔ دریں محل مثبت می گرداند:

پھبے ہے اس طرح سینہ پہ یہ زنجیر سونے کی کہ جیسے آرسی کے گرد ہو تحریر سونے کی
رضیؔ سے صنم کیوں برا مانتا ہے یہ تیرا ہے بندہ، خدا جانتا ہے
دیکھ ٹک شمع کو عاشق کے ستانے والے کس طرح جلتے ہیں اوروں کے جلانے والے
بن عشق آدمی کی ذرا شان ہی نہیں جس کو نہ ہووے عشق وہ انسان ہی نہیں
ناصح سے کیا کہے کوئی کچھ بات واقعی غیر از یہی کہ ''قبلہ حاجات واقعی''
سوئے پلنگ پر واں وے لوخوشی کی دھن میں یاں ہم نے رات کاٹی ساری ادھیڑ بن میں

رضاؔ، مرزا محمد رضا

مرزا محمد رضا لکھنوی رضاؔ تخلص۔ شاگرد مرزا محمد رفیع سوداؔ، مرد خوش خلق بظاہر وارد، درست آشنا مسموعہ شد۔ از گفتہائش دو ابیات بایں عاصی دست داد۔ گویند دیوانے مختصر فراہم ساختہ و فکر تازہ دارد و اکثر خود را در مشاعرہ می رساند:

---

1 ل: 'نیز' ندارد۔ 2 اضافہ از حاشیہ۔ 3 اصل/ق: شرف امتیاز دارد۔

یارب یہ آرزو کہیں مٹی میں مل نہ جائے جب تک کہ یار آئے کہیں دم نکل نہ جائے

یہ یقیں ہے کہ اس کی موت آئی [1] جس کو ملتا ہے یار ہرجائی

ہجر کی رات کیونکہ گزرے گی یہ تو ساتھ اپنے آفتیں لائی

قطعہ

کیا کہوں میں رضاؔ بقولِ میرؔ دل سے شوق رخ نکو نہ گیا

عشق چھوڑا، پہ دل کے ہاتھوں سے جھانکنا تاکنا کبھو نہ گیا

رضاؔ، مرزا علی رضا

مرزا علی [2] رضا بیگ رضاؔ از ساکنین اکبرآباد شاگرد میاں ولی محمد نظیر۔ شعر ہذا از وست:

رخنہ انداز اگر کوئی نہیں ہے تو کہو [3] کیوں جواب خطِ عاصی قلم انداز ہوئے

رضاؔ، شیخ علی رضا

شیخ علی رضا رضاؔ تخلص ساکن لکھنؤ، چندے بہ علاقۂ نظارت عدالت ضلع علی گڈھ مامور ماند، از اتفاقات زمانہ بدہلی وارد شد۔ بندہ ہم بملا قاتش ذخائر اندوز سرور وشادمانی ہاگشت۔ یک نسخۂ مثنوی واکثر غزلیات از وسرانجام یافتہ۔ بہرحال آدم خوب است:

گر سیل اشک اپنا دلِ آتشیں سے نکلے گرمی فلک کو پہنچے طوفاں زمیں سے نکلے

اترے ملک فلک سے، یوسف زمیں سے نکلے ممکن نہیں کہ تم سا کوئی کہیں سے نکلے

رضاؔ، مرزا جیون رضا

مرزا جیون [4] رضاؔ تخلص ابن [5] مرزا محمد خاں مرحوم قوربیگی [6] ساکن دہلی کہ بہ اہل دلی وحسن

---

1 'ل' میں ندارد۔ 2 اصل: کبھو کہیو۔ 3 ''ل'' سے اضافہ۔ 4 اصل/ق: مرزا محمد جیون خاں دہلوی رضا تخلص خلف، ل ''رضا'' ندارد۔ 5 محمد مرزا محمد۔ 6 ل سے اضافہ۔

سلوک وخوش منشی اشتہار اتم داشت از شاگردان محمد نصیرالدین نصیؔر است۔ طبع رنگین دارد وفکر موزوں۔ از علو بزرگ زادگی ووالا نژادی بحال دوستدار ہم مصروف است بہ تنظیم دیوان وفراہمی ارشاد[1] استاد خود سعی بلیغ بکار بردہ ونسخۂ عدیم النظیر کہ فی الحقیقت کارنامہ ارباب سخن است، ترتیب دادہ۔ بہر کیف شاگردی کہ برای نام وری استاد چنیں محنت وتلاش بگرد آوری تصنیفات جزوکل بظہور آرد غنیمت است۔ ایں ابیات[2] مربوط از خوش گفتہ ہای آں مرحوم است:

جو تار زلف ہر اک اس کے زیب شانہ ہوا — تو صبح پنجۂ خورشید دست شانہ ہوا

تمھارے وصف دنداں میں یہ ہم سے شعر ہوتے ہیں — کہ گویا رشتۂ مضمون میں موتی پروتے ہیں

اے شمع بس، پتنگ کو اتنا جلا نہیں — بن اس کے تیرے رشتہ میں کوئی رہا نہیں

آغاز خط کا کیا ترے رخ پر ہجوم ہے — گھیرا سپاہِ شام نے یہ ملکِ روم ہے

کب سپاہی ڈھونڈتے پھرتے ہیں دیواروں کی چھاؤں — ہے ہر اک موج ہوا سے سر پہ تلواروں کی چھاؤں

شامیانہ ہے کہاں پھولوں کا، مرقد پر مرے — عشق میں اس شعلہ رو کے ہے یہ انگاروں کی چھاؤں

برق ساں ہے یہ تری تابش رخسار آتش — خرمن دل کو مرے لگ گئی یک بار آتش

سوزش داغ جگر گریہ سے کیا کم ہو رضؔا — بجھتی پانی سے نہیں عشق کی اے یار، آتش

عیسیٰ زماں دور سے دیکھے جو ادھر، تو — گر نزع کی حالت ہو تو اٹھ بیٹھیں وہیں ہم

لگا رہے گا جو منہ سے ساغر اِدھر ہمارے اُدھر تمھارے — تو ہوں گے حاسد کباب جل کر اِدھر ہمارے اُدھر تمھارے

رضؔا، میر رضا علی

میر رضا علی رضؔا تخلص طغرانویس ساکن لکھنؤ خیلے وارستہ مزاج وآزاد وضع تحقیق شد[3] شعرش بکیفیت آشنا است وبرجستگی دارد:

ہدف یار جو کل سینہ کا صندوق ہوا — تیر جو دل میں لگا سو لب معشوق ہوا

بہ دام سبز رنگ اس مرغ دل کو آہ پھنسوایا — سیہ بختی نے کیسا[4] مجھ کو باغ سبز[5] دکھلایا

---

1 اصل/ق: غزلیاتِ ارشاد۔ 2 اصل/ق: موزوں کردہ وخوش گفتۂ آں مہربان اشفاق نشان است۔
3 اصل ندارد، اضافۂ قیاسی، 4 اصل: کیا؛ تصحیح قیاسی، 5 اصل: سبز ب۔

رباعی

جس دل کو قلق نے آہ گھیرا ہوگا آنکھوں میں پھر اس کی اک اندھیرا ہوگا
کیوں گرد سے آپ کو بچاتا ہے رضاؔ اس خاک پہ عاقبت بسیرا ہوگا

رضاؔ گوالیاری

رضاؔ تخلص باشندۂ گوالیار، صاحب تصانیف ریختہ است۔ شعر برجستہ میگوید:
تنہا نہ جلوہ گر ہے انساں میں نور تیرا سب صورتوں میں ظاہر، یاں ہے ظہور تیرا

رضاؔ، میر علی رضا

میر علی رضا رضاؔ متوطن کٹرہ مانک پور، سوای شاعری درفن شریف طبابت ہم مہارتی دارد، گاہ گاہے شعر ریختہ از زبان آں شیریں کلام سری زند۔ ایں فرد از وست:
خود نمائی کا اگر شوق ہے تجھ کو پیارے بس رضاؔ اپنے کو دکھلادے بہار دامن

رضاؔ میر محمد رضا

میر محمد رضاؔ شیوسیری المعروف بمیر محمدی ٹپوی، رضاؔ تخلص، سید نسبت ساکن لکھنؤ، زاد و بومش عظیم آباد، شاگرد میر ضیاء الدین ضیاء۔ درفنون پہلوانی و شمشیر بازی خیلے واقفیت دارد و عالم و فاضل و شاعر فارسی و ہندی۔ و تحصیل علم عروض و قوافی بوجہ احسن نمودہ و تایکا بیدرا بزبان اہل ہند خوب خواندہ آدم مستثنا است:

تم وعدہ کرکے رات کا پیارے چلے گئے جب تک کہ دن ڈھلے یہاں آنسو ڈھلے گئے
سینہ مرا برنگ گل افگار رہ گیا تم تو صبا کی طرح سے آئے چلے گئے
عرض ہے وقتِ سفر یہ اس بت بیداد سے ٹک اتر یےگا پرے بے طاقتوں کی یاد سے
نقش شیریں کا مٹے پتھر سے، پر اس کا خیال یہ نہیں ممکن کہ جاوے خاطر فرہاد سے

رضا، میرزا تقی

میرزا تقی رضا امیر زادۂ لکھنؤ از اقربایان نواب وزیر الممالک بہادر است قصہ لیلی مجنوں بزبان ریختہ بہ آب وتاب کمال ترتیب دادہ، مرد قدر شناس، عمدہ معاش وقابل دوست بسمع نیاز رسید۔

اس کی طلب ہے اور تمنا ہے جان کی — یہ ہم پہ مہربانی ہے اس مہربان کی
بیتابیٔ دل تو یاں نہیں ہے — جو میں ہوں، کہیں، تو دل کہیں ہے

رنج، میر محمد نصیر

میر محمد نصیر رنج تخلص نبیسۂ حضرت خواجہ میر درد علیہ الرحمہ، بسیار پُر تپاک وخوش ارتباط، متواضع وخلیق وآشنا پرست است۔ از موزونی طبع گاہ گاہی میل بریختہ گوئی می فرماید:

زندگی تلخ و ناگوار ہوئی — آنکھ سے آنکھ جب دُچار ہوئی
تیرے بن جب تک کہ میرا دم رہا — آہ اور نالہ ہی بس ہمدم رہا
کان کا موتی نہیں عاشق کا اشک — سرد مہری سے[1] تری یوں جم رہا
ہجر میں اس گل بدن کے صبح تک — اشک سے تکیہ مرا سب[2] نم رہا
خط[3] دیکھ کر اِدھر تو مرا دم الٹ گیا — قاصد اِدھر یہ دیدۂ پُرنم الٹ گیا

رغبت، میر ابوالمعالی

میر ابوالمعالی رغبت از ساکنین لکھنؤ شعر بطرز آنجامی گوید از کلام اوست:

یاد ہے راتوں کو چھپ چھپ کے وہ آنا اپنا — چٹکیاں میرے وہ لے لے کے جگانا اپنا

رفاقت، مرزا لکھن بیگ

مرزا لکھن بیگ رفاقت جوانی با تمکنت وخوش تقریر، ساکن لکھنؤ از شاگردان قلندر بخش

---

1 ل: شب۔ 2 ل سے اضافہ

جراتؔ:

خوف سے تیرے نہیں بولتے اغیار سے ہم
ورنہ بھڑ جانے کو موجود ہیں دو چار سے ہم

کہتے ہو تم نہ گھر مرے آیا کرے کوئی
گر دل نہ رہ سکے تو بھلا کیا کرے کوئی

لے فرشِ گل پہ غیر کو بیٹھے وہ اپنے پاس
منظور ہے کہ خاک پہ لوٹا کرے کوئی

برسوں کی ایک دم میں رفاقت کری جو ترک
کیا ایسی زندگی پہ بھروسہ کرے کوئی

رفیقؔ، مرزا اسد بیگ

مرزا اسد بیگ رفیقؔ مردیست مغل زا، ساکن شاہ جہاں آباد، از خواصاں با اختصاص شاہزادہ والا اقتدار مرزا ابوظفر بہادر دام اقبالہ و شاگرد ثناء اللہ خاں فراقؔ، از چندی طرح مشاعرہ انداختہ طبع درست دارد، از بس شرافت جبلی و صلاحیت فطری با ہمہ کس طریق سلامت روی می پیماید چنانچہ بمخلص ہم نرد صداقت باختہ و بہ گرمجوشی مرہون ساختہ:

کیا ظلم و ستم یارو ہوا اب کے برس میں
دیکھا نہ چمن پھنس گئے صیاد کے بس میں

یار سب منزل گئے اور تھک گئے ہیں اپنے پاؤں
اب پہنچنا دیکھیے ہوگا ہمارا کس طرح

دل دھڑکے ہے اپنا تو سرِ شام سے یارو
کس طرح سے اب دیکھیے ہوتی ہے بسر رات

ہیہات کرکے ہم نہ اٹھے پھر زمین سے
مانند نقش پا ترے کوچے میں مر مٹے

اب عشق میں تمھارے ہم دل تو کھو چکے ہیں
پر جان سے بھی پیارے ہم ہاتھ دھو چکے ہیں

حضرت دل زکریا کے طور پر بارے چلے
منہ سے دم مارا نہ، سر پر سینکڑوں آرے چلے

روشن رہے گا داغِ دلِ عاشقاں مدام
ہوگا نہ حشر تک یہ چراغِ مزار گل

رندؔ، نواب مہربان خاں

نواب مہربان خاں بہادر رندؔ تخلص چیلۂ نواب احمد خاں بنگش فرخ آبادی، بمساعدت زمانہ بشاہجہاں آباد رسیدہ در سرکار نواب ذوالفقار الدولہ بہادر بامتیاز ماند، بعد رحلت نواب موصوف برفاقت نواب اشرف الدولہ افراسیاب خاں بہادر مغفور نقد زندگی در باخت۔ تلاش ہندی بجہت

فارسی و ریختہ می کرد۔ چنانچہ کلامش آویزہ گوش روزگار است۔ اکثری از شعرای ذوالاحترام[1] مثل مرزا محمد رفیع سوداؔ و محمد میر سوزؔ، ملازم سرکار او بودند و شعرش را با اصلاح می رسانیدند۔ ایں ابیات از کلام خوب[2] اوست:

یارب کہیں سے گرمی بازار بھیج دے	دل بیچتے ہیں، کوئی خریدار بھیج دے
دیتے ہیں عقد حسن میں عاشق عروس جاں	آتا نہیں تو آپ، تو تلوار بھیج دے
جب ملنے کا مجھ ساتھ تو پیغام کرے گا	تب لاکھ طرح سے مجھے بدنام کرے گا
جس کا تجھ سا حبیب ہووے گا	اس[3] کا عالم رقیب ہووے گا
بے وطن بے رفیق بے اسباب	کون ہم سا غریب ہووے گا
کس لیے تلوار خریدی میاں	باندھنے کو بھی تو کمر چاہیے
مسّی پہ سرخیٔ پان جب جھلک دکھاتی ہے	حیا سے برق بھی منہ ابر میں چھپاتی ہے
ہم کو نہ کچھ سیم نہ زر چاہیے	لطف کی اک تیرے نظر چاہیے
دل[4] کا گھبرانا کہوں یا کہ نفس کی تنگی	دیکھیے کیا کرے صیاد قفس کی تنگی

رحمتؔ، رحمت اللہ خاں

قاضی القضاۃ رحمت اللہ خاں رحمتؔ بر خدمت موروثی قضای دار الخلافۂ شاہ[5] جہاں آباد مقرر است، بسیار متورع، بزہد و تقویٰ آراستہ و بہ حلیہ وفا و حیا پیراستہ، آشنای یک رنگ خوش کردار نیک آہنگ است۔ دیوان فارسی منظوم نمودہ و ہم باجتماع[6] غزلیات ریختہ از چندے مایل و متوجہ شدہ بخوش خلقی و حسن نیتی در عوام الناس اشتہار دارد۔ بندہ[7] ذکا ایں اشعار از نتایج طبع او بسلک تحریر در آورد:

نہ دیر سے ہے کام نہ مسجد سے تعلق	ہے خوب مرے حق میں جو کچھ اس کی رضا ہو

---

1 ل: ذی احترام۔ 2 ل: خوب ندارد۔ 3 اصل/ق: کون اس کا۔ 4 'ل' سے اضافہ۔ 5 سرور: اصلش از خطۂ کشمیر...... مولدش شاہ جہاں آباد۔ 6 اصل/ق: گیردآوری۔ 7 اصل/ق: از ریختۂ طبع آں والا نہاد اشعار ہذا ایں نحیف

رغبتؔ مرادآبادی

رغبتؔ تخلص شخصی ساکن مرادآباد است از چندی شوق سخن گوئی بدر دلش جا گرفته، گاہ گاہی بقدر فکر خود کلام موزوں می کند:

کب تلک خونِ دل آنکھوں سے بہاتے پھریے	اپنے اس رونے پہ لوگوں کو ہنساتے پھریے
جس کو اپنی نہیں پروائے جگر سوزی کچھ	اس کی ہر بات پہ کیوں جی کو جلائے پھریے

رساؔ، علیم اللہ

مولوی علیم اللہ رساؔ تخلص۔ شخصی بضلع مشرق شنیدہ کہ دیگر از صفاتش کما حقہ مطلع و آگاہ نیستم فردے از نتائج طبعش بمن درخورد:

کب حوصلہ تھا دل کو ستمگر کی چاہ کا	خانہ خراب ہو نگہ رو سیاہ کا

رضاؔ، حافظ محمد محسن

حافظ محمد محسن رضاؔ تخلص قوم شیخ[1] اصلش لاہور از چندی در فرخ آباد توطن اختیار کردہ[2] ایں شعر از تالیف آں واجب التوصیف صاحب تصانیف مرقوم گشت:

کس چشمِ سرمہ گیں پہ، دل خستہ چور ہے	آہ شرارہ زن، شجر کوہ طور ہے

رنگینؔ

رنگینؔ تخلص شاعرے قدیم صاحب دیوان مترادف بسیار خوش طبع ستودہ وضع پاکیزہ[3] اطوار خجستہ کردار بود[4] بیشتر اشعار رنگینش بزبان سرودسرایان ہند جاری است مگر[5] بسبب انقضائے مدت مدید حالا رواج آں کمتر است۔ از طبع رسای او ایں اشعار رنگیں نوشتہ می آید:

---

1 سرور: از رفقائے نواب عماد الملک۔ 2 اصل/ق: ایں شعر از دست۔ 3 ل: ''پاکیزہ'' ندارد۔
4 اصل/خ: حالا۔ 5 اصل میں برحاشیہ۔

دیکھ دستار بسنتی ساقیِ سرشار کی | کھل گئیں آنکھیں چمن میں نرگسِ بیمار کی
بات رہ جاوے گی قاصد وقت رہنے کا نہیں | دل تڑپتا ہے شتابی لا خبر دلدار کی
پھر کہیو کہ رنگیںؔ کو نہیں قتل کیا ہے | رنگیں کے لہو سے تری تلورا بھری ہے

رنگیںؔ، پورن لعل

پورن لعل رنگیںؔ قوم کایتھ ماتھر متصدی پیشہ، ساکن دہلی گاہ گاہے فکر ریختہ می سازد و بقدر استعداو، کلام رنگیں می گوید:

فیض دم صبا سے ہے عالی دماغ گل | روشن ہوا ہے آب مے یعنی چراغ گل
رنگیں نہیں ہیں قطرۂ شبنم یہ باغ میں | بادِ صبا نے مے سے بھرا ہے ایاغ گل

رنگیںؔ، سعادت یار خاں

سعادت یار خاں رنگیںؔ خلف الصدق نواب محکم الدولہ طہماس بیگ خاں اعتقاد جنگ بہادر رومی کہ اول در دار السلطنت لاہور بہ سلک ملازمان خاص نواب عالی جناب معین الملک بہادر عرف میر منو پسر وزیر الممالک اعتماد الدولہ بہادر انتظام داشت و بعد بجمعیت چند صد سوار بعلاقۂ رسالہ داری در سرکار دولت مدار امیر الامرائے نواب نجیب الدولہ بہادر و نواب ذوالفقار الدولہ بہادر بہ ثروت و تمکنت تمام بسر برد[1] خودش نیز بعزت تمام و امتیاز مالا کلام ملازم شاہزادہ ہائے عالی اقتدار ماندہ، نہایت خوش خلق و یار باش پاکیزہ سیرت خجستہ معاش واقع شدہ۔ ظاہر ہر حالش بصلاح آراستہ و باطنش بہ فلاح پیراستہ۔ طبع رنگیں دارد و سخن ہر اقسام از و بخوبی انصرام یافتہ۔ اشعار ندرت طراز خود را بنظر استادان وقت مثل شیخ ظہور الدین[2] حاتم و محمد امان خاں نثارؔ شاگرد رشید شاہ حاتمؔ گذرانیدہ و مدام با فضلا و حکما و سخنوران کامل فن صحبت داشتہ۔ چہار دیوان مردف۔ یکے بقید غزل در غزل و دویمی بزبان ہزل و ضحک با قصاید چند کہ بیشتر از گفتگوی نسواں بمناسب

---

1. ابن امین اللہ طوفان: دریں عہد نا قدر دان و آوان نا پرساں بہ چابک سواری ملازم نواب باندہ است (بحوالہ سرور)۔ 2. مصحفی اطلاع دیتے ہیں کہ حاتم کی وفات کے بعد نثار کے شاگرد ہوئے۔

داردطرح دادہ۔ دو دیوان از غزلیات طرحی وطبعی و رباعی ومخمسات وقطعات ومستزاد وغیرہ تالیف فرمودہ۔ سوای ایں، رسالۂ نیز کہ بمجالس رنگین موسوم است از طبع اوتراویدہ۔ مناسبت[1] کلی از شاعری وسخن پردازی دارد۔ بسا مغتنم است۔ از چندی دامن حال از تلاش معاش واکشیدہ زاویہ نشین گوشۂ فقر است و بہ ترک لباس ظاہر دنیا پرداختہ، بیاد ایزد غفار مصروف گشتۂ اشعاری چند از ریختۂ طبع دریا بار او ایں بندہ خاکپاۓ کادریں جامی نویسد:

مگر گلشن سے گذرا تھا صبا وہ گلبدن اپنا | دکھاتا تھا سحر بلبل کو غنچہ پیرہن اپنا
ہمارا شیشۂ دل یار نے پتھر پہ کیوں پٹکا | خدا جانے[2] کہ اس کے جی میں یار و خار کیا کھٹکا
جنوں ہے مجھ کو یارو دل مرا بیتاب ہوتا ہے | خدا کے واسطے ہرگز نہ دو زنجیر کو جھٹکا
جو دیکھا ہاتھ خالی راہ میں رنگیں نے قاصد کو | بھری اک آہ سرد اور سر در و دیوار سے پٹکا
عالم مستی میں یہ سوجھ پڑی اور بھی | ہے تو پلا ساقیا اس سے کڑی اور بھی
جانے کا مت نام لے جان ابھی[3] جاۓ گی | اتنا تو بیٹھا ہے یار، ایک گھڑی اور بھی
ناز سے بسمل ہوۓ قتل ادا نے کیا | غمزۂ خونخوار نے تیغ جڑی اور بھی
دل ہو خون اور حنا کو بھاگ لگے | اس تری منصفی کو آگ لگے
جب جی سے ترے اتر گئے ہم | بھر کر دمِ سرد مرگئے ہم
آپ بھی دیکھ کے تادیر وہ حیران رہا | ان کی جب صانع قدرت نے بنائیں آنکھیں
جو پوچھتے ہیں وہ کیا حال ہے ترے دل کا | تو پھول توڑ کے لالے کا میں دکھاتا ہوں

قطعہ

جو درد عشق کے آتے ہیں مجھ کو یاد کبھی | تو جی ہی جی میں یہ باتیں پڑا بناتا ہوں
اگر چہ عشق نے یہ حال کردیا میرا | بلا سے شہر میں رنگیں تو میں کہاتا ہوں

---

1 اصل/ق: مناسب کلّی از شعر و شاعری دارد بلیار غنیمت است۔ خداش سلامت دارد۔ 2 ل: کہ یارو اس کے دل میں۔ 3 ل: ابھی جائیں گے۔

گلگشت کی دے پھر کبھو رخصت ہمیں صیاد　　رہ جائے نہ دل میں گل گلزار کی حسرت

قطعہ

جو پوچھا زخم جگر ہوگا کب تلک چنگا　　تو دیکھ کر مجھے جراح کر کے چشم کو نم
لگا یہ کہنے کہ رنگیں سوائے داروے وصل　　جگر کے زخم کو کیا فائدہ کرے مرہم

قطعہ

رات کا ذکر ہے میاں رنگیں　　میں نے لی ان کی ران میں چٹکی
ہاتھ ماتھے پہ مار کر بولے　　پڑیو اس اختلاط پر پٹکی

کھلایا پان تم نے غیر کو کل اپنے ہاتھوں سے　　جو غیرت کھا کے ہم کچھ کھا کے مرجاتے تو کیا ہوتا
خواب میں بھی خیال ہے تیرا　　ہجر میں بھی وصال ہے تیرا
خال ابرو کو ترے دیکھ کے کہتی ہے خلق　　ہے یہ مست پڑا گوشۂ محراب کے بیچ
ہمیں وہ دیکھ ہردم ہاتھ میں شمشیر کہہ کہہ کر　　کسی کی اب اجل آئی ہے یہ کہتا ہے رہ رہ کر
اب سیر میں گلشن کی تا سرو کو میں کاٹوں　　کھنچوا دو مجھے اپنی تصویر کھڑے ہوکر
بن سکا جب دُرنہ اس کے گوش کا بہزاد سے　　رہ گیا تب پاس مہ کے ایک تارا کھینچ کر
مدام اپنی رہے محفل میں یوں ہی جام کی گردش　　الٰہی مت دکھانا گردش ایام کی گردش
دیوانہ ترا دونوں عالم سے نہیں واقف　　شادی سے نہیں محرم، ماتم سے نہیں واقف
پوچھتا آکر اگر کوئی زباں کی اس کی بات　　تو یہ رنگین توڑ کر اس کو دکھاتا برگ گل
ہرگز[1] نہیں کسی کا نام ونشاں زمیں پر　　منعم بنا گئے ہیں کیا کیا مکاں زمیں پر
ادھر وے ہات میں کھینچے ہوئے تلوار بیٹھے ہیں　　ادھر مرنے پر اپنے ہم یہاں تیار بیٹھے ہیں
آستانے کا ترے سنگ ہے سر کا تکیہ　　گھر سوا تیرے مجھے کس کے ہو در کا تکیہ

---

[1] یہاں سے آٹھ شعر ل سے اضافہ۔

ہے مری نام خدا تیری سجاوٹ خاصی
قہر چھب، تس پہ یہ انگیا کی کساوٹ خاصی

شہر میں ملنے کی ہم سے اب دہائی پھر گئی
تیرے پھر جاتے ہی بس ساری خدائی پھر گئی

نشۂ حسن سے جس وقت وہ مغرور ہوئے
ہاتھ سے ان کے کئی شیشۂ دل چور ہوئے

جی بیچ کے یہ عشق کا جنجال خریدا
اس جنس کو کھو بیٹھے عجب مال خریدا

ٹیس پیڑھو میں اٹھی لو وہ مری جان گئی
بس زیادہ نہ ستا اے ترے قربان گئی

مت چوک ادھر دیکھ یہ ہے مفت کا سودا
اک بوسے پہ دین و دل و ایمان چکے ہیں

یک بیک چونک کے وے بولے کہ اب رات نہیں
روک مت، جانے دے گھر ہم کو کہ کچھ بات نہیں

تجھ سے جس روز کہ خالی یہ مکاں رہتا ہے
مجھ کو تنہائی میں پہروں خفقاں رہتا ہے

تم کب تک اپنے دیدۂ پرنم کو دیکھیے
اب اس ستم کو دیکھیے اور ہم کو دیکھیے

جو کوچے میں اس نازنین کے نہ ٹھیرے
تو پھر یہ کہو ہم کہیں کے نہ ٹھیرے

آ تجھ بغیر مملکت دل اجاڑ ہے
چھاتی پہ رات ہجر کی، کالا پہاڑ ہے

چشمۂ [1] چشم سے اک پل نہیں ٹھیرا پانی
یاں تلک روئے کہ سر پر گیا لہرا پانی

نہیں ہے دل مرا سیر گل گلزار کے قابل
جو گذرے ہے مرے دل پر نہیں اظہار کے قابل

شب فرقت میں ظالم نالہ وزاری ہے اور میں ہوں
نہیں اک پل جھپکتی آنکھ بیداری ہے اور میں ہوں

ادھر اک آئینہ اور تو، ادھر سامان ہے اتنا
جنوں ہے، غم ہے، وحشت ہے گرفتاری ہے، اور میں ہوں

طرب ہے، عیش ہے، اغیار ہے، گلشن ہے اور تو ہے
تعب ہے تپ ہے درد دل ہے بیماری ہے اور میں ہوں

وفا ہے، مہر ہے، الفت ہے، غیروں سے تجھے ظالم [2]
فغاں ہے، آہ ہے، حسرت ہے، ناچاری ہے اور میں ہوں

ادا ہے، ناز ہے، غمزہ ہے، اور عشوہ ہے اور تو ہے
طپش ہے، سوز ہے، فریاد ہے، زاری ہے اور میں ہوں

چمن ہے، آب ہے، سبزہ ہے اور وہ گل ہے اے رنگیں
الم ہے، رنج ہے، رقت ہے، خوں باری ہے اور میں ہوں

لگ جا گلے سے آ کے میاں روز عید ہے
روٹھا پھرے ہے مجھ سے، یہ تجھ سے بعید ہے

قطعہ

گدگدی کرتے ہیں رنگیں رات کو
چس گئی انگیا انھوں کی جب تداں

---

1. اصل: برحاشیہ۔ 2. ل: ہر دم

ہو کے وہ بیزار یوں کہنے لگے   پھٹ پڑے سونا وہ جس سے ٹوٹے کان

قطعہ

غیر کو وصل سے. کیا خورسند   ہم کو دکھلائے دن جدائی کے
اور تو کچھ کہا نہیں جاتا   واہ صدقے تری خدائی کے

مستزاد

زاہد کہتا ہے بت پرستی کو چھوڑ — اے بندۂ حق
راہب کہتا ہے دل سے مستی کو چھوڑ — لے مجھ سے سبق
رنگیں کہتا ہے تو نہ دونوں کی سن — عاقل[1] ہے گر
تجھ سے جو ہو سکے تو ہستی کو چھوڑ — الٹا دے ورق

رباعی

اس راہ سے دیکھتے جو اس کو آتے   یہ کہیے ہم اس کی گالیاں ہی کھاتے
رنگیں کی طرف بھی ہو کے جایا کیجی   اس راہ سے مہربان آتے جاتے

ریختی بابزبان نسواں

کیا بری طرح سے ملتا ہے تو اے رنگیں جان   ہر ملاقات میں کہہ کب تئیں میں تجھ سے لڑوں
رحم آتا نہیں کچھ تجھ کو بدن چھلتا ہے   سخت مت ہاتھ لگا مجھ کو ترے پاؤں پڑوں

دیگر

تونے ڈہکا کے جو رنگیں مجھے کل   لب کا بوسہ نہ دیا جانی ایک

---

1 ل: گر عاقل ہے۔

میں نے اس سر کی قسم ہے اپنا   کیا رو رو کے لہو پانی ایک

ولہ

کہا رنگیں نے جب ''آؤ گی تم کب''   تب اس نے دیکھ چھب اور اپنی تختی
کہا چل دور ہو اپنی خبر لے   ہم اس لائق ہوئے لو نیک بختی

تاحشر رہے یہ داغ دل کا   یارب نہ بجھے چراغ دل کا
اے دستِ جنوں چل تو گریباں کی طرف بھی   اور جی میں ترے آوے تو داماں کی طرف بھی
کب آپ ہوئے آن کے مہمان ہمارے   کب تم نے نکالے، کہو ارمان ہمارے
ہجر کی اندھیری شب کیا بلا ڈراتی ہے   آج ان کا یاں آنا عین مہربانی ہے
ہاتھ میں ہاتھ ہے پر بوسہ نہیں لے سکتے   دسترس اتنی بھی ہرگز ہمیں ہیہات نہیں
عشق میں ترے میرا رنگ زعفرانی ہے   ضعف ہے رفیق اپنا یار ناتوانی ہے
دیکھ تو یہ قامت ہے یا بلا ہے آفت ہے   قد نہیں قیامت ہے قہر آسمانی ہے

قطعہٴ رنگیں

اک غرفہ نشیں دیکھ کہا دل نے یہ رنگیں   کیا خوب ہو گر اس سے اشارات کی ٹھیرے
نوبت جو اشارات تلک پہنچی تو ووں ہی   اس نے یہ کہا حرف وحکایات کی ٹھیرے
جب حرف وحکایات بہم ہونے لگے خوب   بولا کہ کسی طرح ملاقات کی ٹھیرے
مدت میں ملاقات میسر جو ہوئی ہے   اب دل یہی کہتا ہے کہ اُس بات کی ٹھیرے

قطعہ

جب میں نے کہا کہ مجھ کو تم سے   ملنے کا ہے اشتیاق بے حد
یکبار وے کھل کھلا کے رنگیں   بولے کہ چہ خوش چرا نباشد

رونق، میر غلام حیدر خاں

میر غلام حیدر خاں عظیم آبادی رونق تخلص انسان ستودہ اطوار حمیدہ کردار ماہر علوم متعارفہ

شعرش باصلاح استاد رونق یافتہ۔ ایں ابیات از کلام مرغوب او بایں نحیف رسیدہ:

رحم کر اے دوست گاہے خاکساری پر مری — نقش پا کی طرح تیری راہ میں افتادہ ہوں

کس شراب آشام نے یارب کیا مجھ کو خراب — مدتیں گذریں کہ میں شیدائے نُقل[1] وبادہ ہوں

رقتؔ، مرزا قاسم علی

مرزا قاسم علی رقتؔ اصل وی مشہد مقدس وبعضی از بزرگانش در کشمیر سکونت پذیرفتہ وخود تولد یافتۂ حضرت دہلی است۔ از چند مدت بود و باش لکھنؤ اختیار کردہ وسخن خود را باصلاح میاں قلندر بخش جراتؔ رسانیدہ۔ کلامش بہ سوز و رقت آشنا است:

ہمارے سامنے مت ابر بار بار برس — جو ہم سے ہو سکے، تجھ سے نہ ہو ہزار برس

نہ کر گھمنڈ رقیب اس سے گر ہوا اخلاص — کسی زمانہ میں ہم سے بھی یوں ہی تھا اخلاص

چھٹ جائے کسو سے نہ ملاقات کسو کی — اللہ بگاڑے نہ بنی بات کسو کی

دیوار گل رخاں کا سایہ مگر پڑا ہے — زاہد بتا تو مجھ کو طوبیٰ میں شاخ کیا ہے

خط وہ بھیجے رقیب کا لکھا — یہ ہے اپنے نصیب کا لکھا

مطلع[2] غزل قلندر بخش جراتؔ استاد خود را در قطعہ تضمین ساختہ

قطعہ

اگر وہ اس مریضِ عشق کی پوچھے خبر قاصد — برقت شعر یہ پڑھ دیجو جرات سے غزلخواں[3] کا

ہوا ہے اب تو یہ نقشا ترے بیمار ہجراں کا — کہ جس نے کھول کر منہ اس کا دیکھا بس وہیں ڈھانکا

مثلث

واں آنے میں ان نے دیر کی ہے — یاں آہ یہ حالت اب مری ہے

دم آنکھوں میں اور لبوں پہ جی ہے

---

1 ل: جام وبادہ۔ 2 اصل/ق: قطعہ.....نمودہ۔ 3 ل: سخنداں

سر پر مرے روتے ہیں سب آکر　　کہتا نہیں کوئی اس سے جاکر
دم آنکھوں میں اور لبوں پہ جی ہے

رجاؔ

رجاؔ تخلص احوالش بآئین بہتر[1] محقق نگر دید مگر ایں اشعار وے بتوسل شخصی دوستدار بعاصی[2] رسیدہ:

چنچل نچلا رہتا ہی نہیں اچپل اٹھکیلی بغل میں ہے　　ہر بار جھجک، چھاتی سے لگے بوسہ پہ اٹک پھر ویسے ہی ویسی ہے
کوا جو چلے گا ہنس کی چال وہ اپنی چال بھی بھولے گا　　اب دیکھیں رجاؔ کوئی کھوے تو ہر سمت مکمل ایسی ہے

رحماںؔ

رحماںؔ تخلص وی از سخن سنجان قدیم معاصر ولی شاعر ریختہ بودہ است۔ غزل بحسب رواج آں وقت سرانجام می داد۔ ایں چہار بیت از گفتہایش دریں جا نگاشتہ می آید:

نازک لطافت نازنیں نازک مرا دلدار ہے　　نازک دہاں نازک زباں نازک عجب گفتار ہے
نازک ہی رو نازک ہی مو نازک ہی بینی اور گلو　　نازک بھنویں، نازک مژہ، نازک عجائب یار ہے
نازک مصفّٰی سیم تن، نازک ہے سینہ جوں سمن　　گل سے بھی ہے نازک شکم نازک گلے کا ہار ہے
نازک پیارے کا دہن رحماںؔ کرنا اک نظر　　از بسکہ نازک گل ہے وہ نازک نظر درکار ہے

رحیمؔ

رحیمؔ تخلص ایں ہم ازہمیں قبیل است کہ بصدر بیان نمودہ شد مکرر نویسی را احتیاج نیست:

ارے ناداں میں اپنے سجن کو کیوں رُٹھایا تھا　　رُٹھا کر نیو کو جگ میں کسو نے ذوق پایا تھا

رسواؔ

رسواؔ تخلص از اسمش آگہی ندارم مگر ایں قدر تحقیق نمودہ ام کہ ایں شخص غیر از آفتاب رای

---

1. ل: مبہین۔ 2. ل: معاصی ذکا رسیدہ۔

رسواست کہ ذکرش بصدر قلمی یافتہ، درعہد ثروت وشوکت نواب امیرالامرا نجیب الدولہ بہادر مغفور شاعری بود بہرکیف خوش میگفت ایں ابیات [1] از تصنیف آں است:

کفن میرے پہ یارو یہ لکھانا کسو سے کوئی دل کو مت لگانا
ایسے ظالم سے محبت کے مزے کیا پاؤں گا یوں نظر آتا ہے مجھ کو رو ہی رو مرجاؤں گا
اشک رہتے ہیں بھرے دیدۂ گریان کے بیچ آنکھ لاگی ہے مگر چاہ زنخدان کے بیچ

رسا، مرزا بلخی

مرزا بلخی رسا فرزند دل پسند مرزا عید و بہادر کہ از زمرۂ سلاطینان والا شان خاندان عالیہ حضرت شاہ تیمور است۔ ایں اشعار رنگیں از تالیف شریف آں مسند نشیں وسادۂ حشمت واقبال بایں مستمند دست دادہ:

مثل سیماب ہوگیا تجھ بن اس دل بے قرار کا عالم
ہم بھی ہیں رسا وقت کے یاں اپنے سلیماں ہے قید میں ہر ایک پری زاد ہماری

رضا، محمد رضا دکھنی

محمد رضا دکھنی رضا تخلص از شاعران دکن است۔ قصیدہ کہ درتعریف کسی از ناظمان آں ضلع [2] گفتہ بود از اں [3] ایں اشعار انتخاب کردہ می نویسد من کلامہ:

فیض بخش جہاں کرم تخمیر ہے بجا وصف جو کروں تحریر
ہیں کہاں ایسے بے عدیل و نظیر رائے جن کی موافق تقدیر
سیکھ جاوے یہاں ارسطو بھی علم و حکمت فراست وتدبیر

روشن

روشن تخلص ساکن دہلی مرد [4] قابل فہمیدہ وسنجیدہ مسموعہ شعرا اکثر بکلام ریختہ رغبت داشت

---

1 ل: از دست۔ 2 اصل/ خ: ضلع دکن۔ 3 ل: از دست۔ 4 اصل/ ق: مرد مستقل مزاج بسیار عاقل

باصلاح استاداں معاصر خود سخن را آب وتاب دادہ ورونق بخشیدہ۔ من کلامہ:

کس طرف جاتے ہو صاحب ٹک تو ادھر آیئے — حال دل اس خستۂ مجروح کا سن جایئے
گالیاں دیتے ہو اور کہتے ہو کہہ بیٹھوں گا کچھ — ہم تو کچھ کہتے نہیں کچھ اور بھی کہہ جایئے

روشن

روشن از احوال ایں شخص خوب اطلاع ندارم کہ کجا استقامت دارد[1] و چگونہ بسر می برد۔ مگر ایں شعر را خود تحقیق کردہ[2] ام کہ از وست:

جی میں یہ تھا کہ جان کیجیے نثار — ایک دم بھی وہ بے وفا نہ رہا

رضا، ضیاء الدین تھانیسری

مولوی ضیاء الدین تھانیسری رضا تخلص از قصبۂ تھانیسر است۔ وی دست بیعت بدست ایزد برست مولوی شاہ امام بخش تھانیسری دارد— انساں عالم و فاضل و فہمیدہ و سنجیدہ و دانائے زمانہ واز معاصرین مرزا محمد رفیع سودا است— چوں مدتی بشعر گوئی بسر بردہ چند نسخہ نظم ریختی[3] از گفتۂ خود فراہم آوردہ بہر حال غنیمت است ایں افراد از تصنیفش بہم رسانده دریں جا مذکور شد:

پاوے نہ تری وضع کو عالم دو جہاں کا — آپ ہی کی بناوٹ ہے خیال آئے جہاں کا
کس رنگ ہوئی صورت گل بوی معانی — واعظ ہوا دل بلبل ہر غنچہ وہاں کا
خاک قدم قاصد کوچہ کی ترے یار — سرمہ کریں ہیں اہل نظر دیدۂ جاں کا
بے مہر درخشاں ہیں اک ذرہ جہاں میں — یوں دید ہے منظور ہمیں ماہ رخاں کا
قرباں ہوں دم ذبح تو وار کھنا ٹک اک چشم — مشتاق ہے دل جان ترے دشنہ رواں کا
یہ گلزار مکھڑے کا بھایا تو دیکھا — دل آئینہ روشن بنایا تو دیکھا
ہم جگہ جن کی دل میں صاف کریں — ہائے وے ہم سے اختلاف کریں
آدمی بلبلا ہے پانی کا — کیا بھروسہ ہے زندگانی کا

---

1. ل: می دارد۔ 2. ل: کردم۔ 3. ل: نسر۔

کبھو ہنسنا کبھو دکھانا آنکھ یہی شیوہ ہے دلستانی کا
اب تو تھانیسری رضا کو شاہ دیجیے حکم کامرانی کا[1]

رند، گنگا پرشاد

گنگا پرشاد رند تخلص خلف بشن چند کشمیری پنڈت خوش باش بلدۂ لکھنؤ از قلندر بخش جرات اصلاح گرفت و در بریلی از محمد بدرالدین حسن سابق سرہندی مشق سخن صاف ساخت و در رفاقت حافظ محمد یار خاں بہادر پسر نواب حافظ رحمت خان مرحوم بصیغۂ نوکری اوقات بخوبی و عزت بسر برد و محاورۂ اردوے معلیٰ خیلے درست دارد۔ و بعضے اشعار، از ہم جلیساں و واقفانش بتلاش بہم رسانیدہ می نویسد:

سو بار میں اس کوچے میں جا شور کر آیا — یہ بھی نہ کہا ان نے کہاں تھا، کدھر آیا
کیا خاک توقع ہو بھلا زیست کی یارو — جب اشک کے ساتھ آنکھوں سے لخت جگر آیا
بے ہوش ہو کیوں رند اٹھو آنکھ تو کھولو — خط یار کا لو اور پڑھو نامہ بر آیا
آہ کس سے کیجیے فریاد تیرے ہات سے — مٹ گئی ظالم مری بنیاد ترے ہات سے
آپ غیروں ساتھ یوں ہردم ہنسا بولا کریں — اور ہم لوٹا کریں تڑپا کریں، رویا کریں

رنگیں، کنور بلاس رائے

کنور بلاس رائے رنگیں تخلص از اقربایان راجہ کاتھ مل قوم کاتھ ساکن مراد آباد مستعد بسیار ثقہ و فہمیدہ و سنجیدہ و قابل دوست مسموعہ شد، ایں ابیات از و بمن رسید:

دل ہمارا ہات لے گر تجھ کو ہے منہدی کا شوق — جس سے چاہے پوچھ لے رنگیں ہمارا نام ہے
شہرہ تجھ حسن کا گر عالم بالا پہ نہیں — مہر و مہ جھانکیں ہیں کیوں پردۂ زنگاری سے

---

[1] اصل: حاشیے پر لکھ کر ''لا'' لکھ دیا: قبل مصراع مطلع ایں غزل یا شعر ایں بندہ ذکا کہ غزل طرحی مشاعرہ حافظ عبدالرحمٰن خاں احسان است نوارد شدہ و آں ایں طرز است۔

ہے خیال ایک دم کا مثل حباب — آدمی بلبلا ہے پانی کا

رضاؔ، حمید الدین خاں

حمید الدین خاں رضاؔ، ساکن اعظم پور بالسٹر خلف مولوی کلو کہ در چاند پور طبیب مشہور است:

آہ کیا دن تھے کہ ہم دست ترے اے گلرو دو قدم صحن خیاباں میں چلے، بیٹھ گئے

اب یہ حالت ہے کہیں جم کے ترے کوچے میں ہیں گنہگار جو دیوار تلے بیٹھ گئے

رفیعؔ، رفیع الدین خاں

رفیع الدین خاں قوم افغان ساکن مرادآباد از اقربائے نواب دوندے خان بہادر از زیارت مکہ معظمہ مشرف گشتہ، مرد باخدا و اہل و قدر شناس سخن است۔ شعر دردمندانہ می گوید:

ناتوانوں کے ستانے سے حذر کر ظالم عرش بھی آہ سے مظلوم کی ہل جاتا ہے

رنؔ، ذکاء اللہ

حکیم ذکاء اللہ خاں بہادر دام اقبالہ، از حکمائے عالی وقار و روسائے بلدۂ شاہ جہاں آباد عالم فاضل طبیب کامل قدر شناس، مودت اساس، باحلیۂ صدق و صفا آراستہ و پیراستہ است۔ اگر چہ از جودت طبع بہر دو زبان سخن سرامی گردد والا بہ نسبت فارسی متوجہ بہ ریختہ گوئی کمتر می شود۔ گاہ گاہے کہ اشعار متفرقہ تالیف فرمودہ۔ بندۂ ذکاؔ یک مطلع ازاں دریں کتاب می نگارد:

ترے بیمار فرقت کو یہ اوج ناتوانی ہے کہ گھر سے گور تک جانا بھی عمر جاودانی ہے

رضاؔ گوالیاری

رضاؔ تخلص باشندۂ گوالیار صاحب تصانیف ریختہ است، شعر برجستہ می گوید:

تنہا نہ جلوہ گر ہے انساں میں نور تیرا سب صورتوں میں ظاہر پنہاں ہے نور تیرا

ردیف الزاء المعجمہ

زارؔ، برہان الدین خاں

برہان الدین خاں زارؔ تخلص ساکن شاہ جہاں آباد، از خاصان حضور والا است بمدعا نویسی امتیاز دارد و شاعر فارسی و ہندی است، اکثری از رسایل عربی ہم بمطالعہ در آوردہ بسیار مرد معقول و مقطع وضع و خوش خلق و متواضع۔ شعر فارسی را پایہ رسانیدہ۔ در ہندی شاگرد محمد نصیر الدین نصیر سلمہ[1] است۔ سخنش خالی از تلاش و کیفیت نیست:

رہ بار دنیوی سے سبک دوش اے سروش
جیسے گذر ہو آبِ رواں پر حباب کا

جو ساتھ غیر کے دیکھی شب اس کی مے خواری
تو کیا ہی آتش غیرت سے دل کباب ہوا

ہوں شہید چشم قاتل میں زبس روزِ جزا
باغِ رضواں سے ملیں گے مجھ کو دو نرگس کے پھول

گردشِ چشم سے اس کی ہے جہاں کو گردش
ایسی گردش کو میں کیوں گردشِ ایام لکھوں

کیونکہ اس بت کو یہ خیال دل ناکام لکھوں
کب وہ دیکھے ہے، خدا کا بھی اگر نام لکھوں

کون صورت ہے کہ حرف آرزو ہو لب سے وا
اس دہان بے زباں سے کردۂ تصویر ہوں

چرخ کیا تیرے انقلاب ہوئے
پر کبھو ہم نہ کامیاب ہوئے

تیرے رخسارے کے پینے سے
ماہ بن جیسے آفتاب ہوئے

غرور حسن دلا ختم ان بتاں پر ہے
قدم زمیں پہ نہیں ان کا[2] آسماں پر ہے

چشم طوفاں خیز پھر اب گریہ پر تیار ہے
جس کے آگے اے سیہ رو ابر تو بیکار ہے

داغ دل کا ترے جس دم کہ جلاتا ہے مجھے
شعلے کی طرح اٹھاتا ہے بٹھاتا ہے مجھے

بسان سرمہ چڑھا ہے نظر میں اس کی رقیب
مثال اشک کے کب دیکھیے گرائے خدا

ہے وصف میں اس رخ کے بیاں شعلۂ آتش
ہے[3] ڈر کہ نہ بن جائے زباں شعلۂ آتش

---

1. ل: ''سلمہ'' خارج۔ 2. اضافہ تصحیح قیاسی 3. ل: ڈر ہے۔

زورؔ، مرزا داؤد بیگ

زورؔ تخلص مرزا داؤد بیگ نومشق است متولد دہلی، برادر صغیر مرزا ملہو[1] بیگ سوزؔ، اصلش از ایران زمیں، سخن خود را بگوش برادر کلاں مذکور رسانیدہ۔ ایں شعر از وست:

ہوتے ہیںگے سیاہ خانۂ خلق سرمہ آنکھوں میں مت لگایا کر

زارؔ، میر مظہر علی

میر مظہر علی زارؔ تخلص از خاندان لایق احترام[2] ساکن لکھنؤ است۔ بسیار نیک خو، خوش اختلاط، یار باش، نیک ارتباط، پاکیزہ معاش۔ شعرش کیفیت آمیز است۔ ایں ہفت افراد از فکر خوب او بزبان قلم دادہ:

ہمیں تو فرش سے اور بالش مخمل سے بہتر ہے گلی میں اس کی پڑ رہنا سرہانے ہاتھ کو دھر[3] کر

ایک دن آگے ہی دنیا سے اٹھانا ہم کو یا الٰہی شب ہجراں نہ دکھانا ہم کو

تیری ہی قسم تجھ بن کچھ اور جو بھاتا ہو کافر ہو، اگر اس میں کچھ بات بناتا ہو

اب رہائی نے کیا اور پریشاں مجھ کو خوب تھا اس سے وہی گوشۂ زنداں مجھ کو

یہ وہ ہے عشق لامذہب کہ جس کے دیں نہ ایماں ہے نہیں پوچھے ہے اتنا بھی، تو کافر یا مسلماں ہے

لے جاؤ گے تم اس کی گلی سے جہاں مجھے آرام جو یہاں ہے نہ ہوگا وہاں مجھے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں[4] خاک ایسی زندگی، پر تم کہیں اور ہم کہیں

وہ وعدہ، وہ تپاک، وہ اقرار ہو چکے بس دو ہی دن کے، دیکھ لیا پیار ہو چکے

زارؔ

زارؔ تخلص سید زادۂ صاحب سخن مسمی بمیر جیون، نیاکانش از خطۂ کشمیر جنت نظیر و مسقط الراسش خاک پاک ہندوستان بہشت نشان۔ دست بیعت و استفادۂ سخن بخدمت محمد امان خاں

---

1 سرور: اصلاح شعر از برادرِ بزرگِ خود محمود بیگ شورؔ تخلص گرفت۔ 2 ل: ملازم سرکار نواب احمد علی خاں بہادر شوکت جنگ۔ 3 ل: رکھ کر۔ 4 ل سے اضافہ۔

نثار دارد[1] و اشعار متفرقہ از وی بر صفحۂ روزگار مثبت افتادہ۔ ایں سہ[2] شعر اوراست:

شب جھڑے آنسو میں یوں لختِ جگر بھیگے ہوئے گل جھڑیں شبنم سے جوں وقت سحر بھیگے ہوئے

موسم برسات ہے ساقی شتابی دے شراب مینہ میں آنکلے ہیں ہم بھی تیرے[3] گھر بھیگے ہوئے

زماںؔ، سید محمد زماں

سید محمد زماں زماںؔ ساکن امروہہ چندے جہان فانی را خیر باد گفتہ برحمت حق پیوستہ۔ ایں مطلع آں مرحوم کہ بمن رسیدہ، برشتۂ تحریر کشیدہ، از کلامش دریافتہ می شود کہ از زمرۂ پیشیناں است من کلام:

عارض ہے گل کا صاف ولیکن جھلک نہیں نرگس کو چشم ہے پہ نکیلی پلک نہیں

زماںؔ

زماںؔ تخلص، ساکن بلدۂ فرخ آباد۔ از غزلیاتش چیزی بدست نیامد۔ قطعہ در تعریف خدا بندہ خان افغاں کہ در سرکار نواب احمد خاں بنگش اختیار کلی داشت چنیں گفتہ:

باشان باشکوہ وہ عالی مقام ہے جس شخص کا خدا کی خدائی میں نام ہے

لاکھوں ہی جس کے سایہ میں پاتے ہیں تربیت تابع ہیں اس کے سب، وہ مدار المہام ہے

زندہ دلؔ، مصر ہر سہائے

مصر ہر سہائے المتخلص بہ زندہ دلؔ، نبیرۂ ہر بھجن مصر ساکن قصبہ سکندر آباد، بہ پیشہ حکمت بسر برداوقات می نماید۔ گاہ گاہے بقدر استعداد خود بسخن طرازی ہا می پردازد۔ ایں افراد از وست[4]۔

چاندنی میں جو گذر آپ کا ہوجائے کبھو اپنے ہالہ کو کرے ماہ نثار دامن

---

[1] ل: بعضے غزلیات و اشعار متفرقہ از دے بر صفحۂ روزگار ثبت افتادہ۔ [2] اگر چہ سہ شعر نوشتہ اشت ولی تنہا دو شعر از زار نوشتہ است۔ [3] اصل/ق: سر بسر۔ [4] اصل/خ: رشتۂ جاں بھی اگر ہوتر اتارِ دامن — آہ تس پر بھی سمجھتا ہے تو بارِ دامن

گرد دامن کے سلاسل یہ نہیں موتی کی — اشک عاشق کے لگے جا کے کنارِ دامن

سرخ سنجاں کو کیا جلوہ گری ہو ایسی — ہاں مگر خوں ہو، کئی دل کا بہار دامن

تڑپھے ہے مرا یہ دل غمگین بغل میں — اب آ کہیں اے باعثِ تسکین بغل میں

ہیں لختِ جگر یا کسی یاقوت کے ٹکڑے — اے اشک یہ کیا ہیں تیری رنگین بغل میں

اک غم ہوا، اک یاس ہوا، اِک دلِ ناداں — ہیں دشمن جانی یہی دو تین بغل میں

دل کو اک مدت بہر تقدیر بہلاتا رہا — اب خدا جانے خفا ہوکر کہاں جاتا رہا

پوچھ مت ایام ہجراں میں تھا کیا اسباب زیست — اپنا خون پیتا رہا اور غم تیرا کھاتا رہا

یار کے میں گھر گیا اور یار آیا میرے گھر — پھر جو نہیں واں سے پھرا، اتنے میں وہ جاتا رہا

ردیف السین المہملہ

سلیماںؔ، سلیمان شکوہ

مرشدزادۂ آدمیان [1] مرزا سلیمان شکوہ بہادر دام ظلہٗ المتخلص بہ سلیماںؔ شکوہ سلیمانی دارد، از دیر باز شاہنشۂ سخن را بر سریر طبیعت نشاندہ تاج از سر معنی بیگانہ می ستاند۔ باج از مضامین برجستہ می خواہد۔ از چندی گلگشت گل زمین لکھنؤ خوش گاہ اوست۔ ایں مور ضعیف اگر چہ ذلّہ از خوان نعمتش نہ بردہ، اما چاشنی از کلام نمکینش برداشتہ، صرف نمکدان بیان می سازد۔

گھر سے بے پردہ [2] جو شب وہ مہ تاباں نکلا
چونک اٹھی خلق کہ ہے مہر درخشاں نکلا

رہ گئے ہوش و حواس [3] و خرد و طاقت سب
یوں ترے کوچے سے میں بے سروساماں نکلا

شب اس کے حسن پر جو پری کی نظر پڑی
بے اختیار تختِ ہوا سے اتر پڑی

ہوا کچھ بھی نہ حاصل آہ اس دل کے لگانے سے
پھرے دل ہے ہمارا، گذرے ہم عاشق کہانے سے

ہمیں جو اس نے سونپی رات کو زنجیر سونے کی
تو اس کے تھے یہ معنی یعنی کر تدبیر سونے کی

دیکھنے سے جس کے حالت دل کی اب تغئیر ہے
آپ کیسا ہوئے گا وہ جس کی یہ تصویر ہے

جب دیکھوں ہوں میں زلف گرہ گر کسو کی
آنکھوں تلے پھر جائے ہے تصویر کسو کی

برقع نہ اٹھا منہ سے تو مجلس میں وگرنہ
حالت ابھی ہوجائے گی تغئیر کسو کی

اس کماندار سے کہیو کہ کھٹکتے ہیں مدام
رہ گئے ہیں مرے سینہ میں جو کچھ تیر کے پر

شہیدان وفا کا خوں قیامت تک نہ چھوٹے گا
اگر صد سال اے صیقل گرو، تلوار کو ملیے

نرگستان میں تو سیر کناں پھرتا ہے
ہوگئے آج ترے کشتۂ دیدار کے پھول

خوش نما جیسے ہیں کانوں میں مرے یار کے پھول
اس نمایش پہ نہیں، صفحۂ گلزار کے پھول

بولے تو آئیو شب کو تجھے دیدوں کی قسم
ایک نرگس کا مری آنکھوں پہ دے [4] مار کے پھول

---

1 ل: مرشدزادۂ آفاق۔ 2 ل: جو وہ شب۔ 3 ل: خواص۔ 4 ل: دد

آہ کی دھونی سے ہردم جوش خاکستر رہا
اخگر داغ جگر روپوش خاکستر رہا

کون کہتا ہے یہ ہے عقد ثریا،مہہ نے
نقرئی پھینکے ہیں تجھ پر سے، کئی وار کے پھول

گالیاں سیکڑوں ہربات پہ اب دینے لگا
دیکھو جھڑتے ہیں کیا منہ سے مرے یار کے پھول

مجھ پہ غصہ ہوئے وہ موتیوں کے ہار کو توڑ کر
❖ بولے لے اب تو کہیں آنسوؤں کے تار کو توڑ

کل لگے کہنے وہ اک ہار پہن نرگس کا
مجھ کو بھاتا[1] ہے یہ بیساختہ پن نرگس کا

جان دی راہ محبت میں الٰہی صد شکر
بات جو میں نے کہی تھی وہ نباہی صد شکر

لبوں پہ آکے جو نالہ نہ ہٹ گیا ہوتا
تو آسمان[2] و زمین سب الٹ گیا ہوتا

باقی ہے رات تھوڑی، ہے صحن باغ ٹھنڈا
آ،گھات کی جگہ ہے کردے چراغ ٹھنڈا

جنازا تیرے دیوانے کا اس توقیر سے اٹھا
کہ شور نالہ ہر اک خانۂ زنجیر سے اٹھا

یوں بھنویں ہم سے آپ تان پھرے
جیسے رخ سے کڑی کمان پھرے

ادا تیری تو ہر اک،قہر ہے،فتنہ ہے آفت ہے
وہ لے ٹھکرا کے چلنا، دور داماں کا قیامت ہے

رقم گر ایک شمہ اس کو اپنا درد وغم کیجیے
تو پھر یہ چاہیے سارے نیستاں کو قلم کیجیے

اے سلیماں میں کروں کیونکہ زباں خلق کی بند
مفت بدنام کیا مجھ کو وہ آئے نہ گئے

کاش وہ کھینچ[3] کے تیغا دم رفتن مارے
نام جانے کا نہ لے اور مجھے گردن مارے

خون عشاق سر چڑھا یاں تک
اوڑھنی بھی گل انار ہوئی

ہاتھ جب چھاتی پہ رکھ کر میں نے اس کی یوں کہا
(ق) بُوجھ میرے ہاتھ میں یہ جفت ہے یا طاق ہے

تب کہا ہنس کر یہ ان نے راہ شوخی سے مجھے
''اے سلیماں تو بھی اپنے کام کا اک طاق ہے''

لے جلد خبر آن کے اے صاحب محمل
صحرا میں ترے بادیہ پیما کو غش آیا

یہ کونسی وادی ہے خدا جانے کہ یاں کی
محمل میں ہوا لگتے ہی لیلیٰ کو غش آیا

جبہ سائی کا نشاں جائے جبیں سے کیوں کر
کوئی تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتا ہے؟

یاد کر دشت میں کل آبلہ پائی اپنی
خوب رویا میں ہر اک خار بیاباں سے لپٹ

اپنا جو صبحدم ہو فشار سرشک چشم
نرگس کی ہو بہار، نثار سرشک چشم

---

1 ل: بھایا۔ 2 ل: زمین وآسماں سب پلٹ۔ ❖ یہ شعر ''ل'' سے اضافہ ہے۔ 3 ل: تیغ کی

نہ فقط نعرہ سے ہے اپنے، زمیں کو جنبش ... بلکہ اس صدمہ سے ہے عرش بریں کو جنبش
دل کے لینے کی ہمارے اسے خوش حالی ہے ... للہ الحمد کہ یہ جنس بھی ارسالی ہے
اپنے مکھڑے پہ دوشالہ وہ رکھیں گے تاچند ... کوئی خورشید کو پردے[1] میں چھپا سکتے ہیں
ہم تو کب آپ تلک، آپ سے آسکتے ہیں ... آپ چاہیں تو ہمیں پل میں بلا سکتے ہیں
یاد جب ہم کو تری زلف گرہ گیر آئی ... موج کی لے کے صبا سامنے زنجیر آئی
جس کو مار سیۂ زلف چلیپا مارے ... اس کو پھر کیوں نہ بھلا جوشش سودا مارے
تیری ہی دست درازی ہے وگرنہ اے عشق ... ہاتھ پیراہن یوسف پہ زلیخا مارے!
گئے جو روتے ہی ہم اس نمط زمیں کے تلے ... تو چاہیے کئی جاری ہوں شط زمیں کے تلے
نہ تو سیر ہی کو دماغ ہے، نہ جہاں میں ہم کو فراغ ہے ... ٭ یہ جو اپنے سینہ کا داغ ہے یہی گل ہے اور یہی باغ ہے

سلطاںؔ، ایزد بخش

مرزا محمد ایزد بخش بہادر متخلص بہ سلطاںؔ المعروف بہ مرزا نیلے صاحب ادام اللہ اقبالہٗ شاہزادۂ عالی مقدار است۔ طبقہ نام آوریٔ او باکناف عالم رفتہ، وغلغلۂ سخندانیش ہاطراف ربع مسکون اشتہار وانتشار یافتہ۔ از طبع آن بخت[2] بلند ہمیں یک شعر بسمع ایں مستمند رسیدہ، تبرکاً صورت ارتسام وزینت[3] ارقام یافت:

دور رکھ دوران سر سے گردشِ دوراں مجھے ... مت رکھ اے دیر خراب آباد سرگرداں مجھے

سلطاںؔ، نصر اللہ خاں

نواب نصر اللہ خاں بہادر متخلص بہ سلطاںؔ سلمہ بن نواب عبداللہ خاں ولد محمد علی خان افغانی۔ برادر زادۂ محمد یار خاں نظم ونسق ضلع رامپور تا الی الیوم متعلق باوست۔ سردار فیاض وقدر شناس عالی ہمت شجاعت اساس واقع شدہ۔ گاہ گاہی بسخن گوئی متوجہ می شود۔ از مذاق کلامش دریافت شد کہ مرد قابل است وفکر خوب دارد:

---

1. ل: ''میں'' ندارد۔ 2. ل: بلند بخت۔ 3. ل: ''زینت ارقام'' محذوف۔ ٭ ل سے اضافہ

اس لب سے کیا لعل کا جب رنگ برابر ہو دیکھا تو نہیں اس کی یہ پاسنگ برابر

سودا، مرزا محمد رفیع

مرزا محمد رفیع سودا (اصلش [1] کابل متولد) دہلی شاگرد شاہ حاتم، شاعر مستغنی الاوصاف بود۔ سخنش از پایہ در گذشتہ شہرۂ آفاق است۔ احتیاج نگارش این ہیچمداں نیست، در خطۂ (پاک [2]) حضرت دہلی عدیل اوشاعری ہندی گو برنخاستہ۔ اکثری از شاگردان رشیدش باستادی برآوردند وخود یگانۂ زماں ووحید الدوراں بودہ۔ زبان ریختہ را آب وتاب دادہ ومحاورہ اردوی معلیٰ را خوب رونق بخشیدہ بلکہ بمنزلۂ فارسی رساندہ، خصوصاً در ہجو وقصیدہ گوئی ید طولیٰ [3] داشت۔ قصیدہ در مناجات [4] حضرت مرتضیٰ علیہ السلام گفتہ وصنعت [5] وتلاش دانی بکار بردہ، مطلعش این است:

بساں دانۂ روئیدہ ایک بار گرہ	کھلے جو کام سے میرے [6] پڑیں ہزار گرہ
کعبہ جاوے پوچھتا کب ہے چلن آگاہ کا	اٹھ [7] گیا جیدھر قدم رستا ہے بیت اللہ کا

قطعہ

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن	بازی اگر چہ پا نہ سکا، سر تو کھو سکا
کس منہ سے پھر [8] تو آپ کو کہتا ہے عشق باز	اے رو سیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا
ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں	تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں
ہمسا تجھے ہے ایک ہمیں تجھ سے ہیں کئی	باور [9] نہ ہو تو دیکھ تو آئینہ خانہ میں
دست گرہ کشا کو نہ تزئین کرے فلک	منہدی بندھی [10] نہ دیکھی میں انگشت شانہ میں
ہو یہ دیوانہ مرید اس زلف [11] چھٹ کس پیر کا	سلسلا بہتر ہے سودا کے لیے زنجیر کا

---

1 اصل/ق: متوطن (بجائے اصلش کابل متولد)۔ 2 اضافۂ مؤلف: پاک۔ 3 اصل/ق: زور طبع بدرجۂ اعلیٰ داشت، بجائے ید طولیٰ داشت۔ 4 ل: مناقب بجائے مناجات۔ 5 تلاش وصنعت؛ اصل میں پہلے صرف ''صنعت'' تھا ''وتلاش'' کا اضافہ بعد کا ہے۔ 6 ل: اپنے۔ 7 ل: جس طرف اٹھا قدم۔ 8 ل: ''تو'' محذوف۔ 9 ل: باور نہیں تو دیکھ لو۔ 10 ل: لگی۔ 11 ل: زلف ندارد۔

ساقی چمن میں چھوڑ کے تنہا کدھر چلا — پیمانہ میری عمر کا ظالم تو بھر چلا

مطلع ثانی

اعمال سے میں اپنے بہت بے خبر چلا — آیا تھا آہ کس لیے اور کیا میں کر چلا

سوؔدا کہے تھا یار سے یک مونہیں غرض — اودھر کھلی وہ زلف ادھر دل بکھر چلا

ٹوٹے تری نگاہ سے اگر دل حباب کا — پانی بھی پھر پییں تو مزا ہو شراب کا

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا — پہنچے کب اس[1] کو ہاتھ ہمارے غبار کا

موج نسیم گرد سے آلودہ ہے نپٹ — دل خاک ہوگیا ہے کسی بیقرار کا

نہ پھول اے آرسی گر یار سے تجھ کو محبت ہے — بھروسا کچھ نہیں دم کا یہ منہ دیکھے کی الفت ۔ ہے

نسیم ہے ترے کوچہ میں اور صبا بھی ہے — ہماری خاک سے پوچھو تو کچھ رہا بھی ہے

سمجھ کے رکھیو قدم دشت خار پر مجنوں — کہ اس نواح میں سوؔدا برہنہ پا بھی ہے

بیکس کوئی مرے، تو جلے اس پہ دل مرا — گویا[2] ہے یہ چراغ غریبوں کی گور کا

آہ کس طرح تری راہ میں گھیروں کہ کوئی — سدّ رہ ہو نہ سکے عمر چلی جاتی کا[3]

قابو میں ہوں میں تیرے گو اب جیا تو پھر کیا — خنجر تلے کسو نے ٹک دم لیا تو پھر کیا

سوؔدا ہوئے جو عاشق کیا پاس آبرو کا — سنتا ہے اے دوانے جب دل دیا تو پھر کیا

جو گذری مجھ پہ مت اس سے کہو، ہوا سو ہوا — بلاکشانِ محبت پہ، جو ہوا سو ہوا

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر — مرے لہو[4] کو تو دامن سے دھو، ہوا سو ہوا

کیا جانیے کہ کس کے دل کا لہو پیا ہے — شانہ نے آڑے ہاتھوں جو زلف کو لیا ہے

ہاں چشم سرمہ سا کا مارا کوئی گرا ہے — ہر سرو اس چمن کا ایک آہ بے صدا ہے

خشک رہنے سے ہمارا دیدۂ تر پاک ہے — جوں حباب اس گھر میں جب دیکھو ہوا نمناک ہے

قطعہ

صبح دم آج چمن میں بلبل جو سوؔدا — بیٹھا اک شعر یہ پڑھتا تھا بہت درد کے ساتھ

---

1 ل: اس پہ۔ 2 ل: گویا یہ ہے چراغ غریباں کی گور کا۔ 3 ل: گا ہے۔ 4 ل: لہو سے تو دامن کو دھو۔

دل کو چاہا تھا کہ خالی کریں مانند حباب
ہوگئی جان ہوا، اک نفس سرد کے ساتھ

کرتی ہے مرے دل میں تری جلوہ گری رنگ
اس شیشہ سے ہر آن دکھاتی ہے پری رنگ

سوؔدا جو سنا ہے کسی نے، نام یہی ہے
آوارۂ صد زلف سیہ فام یہی ہے

قاصد کے تئیں میں اپنے جو کچھ کہ دوں بجا ہے ❖
جیتا پھرا تو اجرت ورنہ یہ خوں بہا ہے

خاک پر بھی تیرے دیوانے کی یہ تدبیر[1] ہے
ہر بگولا طوق، ہر موجِ ہوا زنجیر ہے

بھر نظر تجھ کو نہ دیکھا کبھو ڈرتے ڈرتے
حسرتیں جی کی رہیں جی ہی میں مرتے مرتے

کیا ہمیں فائدہ آنکھوں سے بقول سوؔدا
بھر نظر تجھ کو نہ دیکھا کبھو[2] ڈرتے ڈرتے

فصل گل کے کچھ گئے دن، کچھ چلے جاتے ہیں یہ
آ پہنچ ساقی کہ پھر ایام کب آتے ہیں یہ

پونچھے نہ کبھو اشک وہ مغرور کسو کے
پڑجائیں اگر آنکھوں میں ناسور کسو کے

تصور میں ترے کہیو صبا! اس لاابالی سے
گلے لگ لگ میں رویا رات تصویر نہالی سے

یار آزردہ ہوا رات جو مے نوشی میں
کیا ہوا مجھ سے خدا جانیے بیہوشی میں

آلودہ ز قطرات عراق دیکھ جبیں کو
اختر پڑے جھانکیں ہیں فلک پر سے زمیں کو

اب درد دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو
قسمت میں جو لکھا ہے الٰہی شتاب ہو

جو طبیب اپنا تھا دل[3] اس کا کسی پر زار ہے
مژدہ باد اے مرگ، عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے

ساقی گئی بہار، رہی دل[4] میں یہ ہوس
تو منتوں سے جام دے، اور میں کہوں کہ بس

نہ اپنا سوز ہم تجھ سے بیاں جوں شمع کرتے ہیں
جو دل خالی کیا چاہیں تو آہ سرد بھرتے ہیں

نہ غنچے گل کے کھلتے ہیں، نہ نرگس کی کھلیں کلیاں
چمن میں لے کے خمیازہ کسی نے انکھڑیاں ملیاں

گتھی نکلیں ہیں لخت دل کی تار اشک سے لڑیاں
یہ آنکھیں کیوں مرے جی کے گلے کا ہار ہو پڑیاں

تسلی اس دوانے کی نہیں جھولی کے پتھروں سے
اگر سودا کو چھیڑا ہے تو لڑکو مول لو پھڑیاں

قاتل کے دل کی آہ، نہ نکلی ہوس تمام
ذرا بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام

تو نے سوؔدا کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے تو ظالم، اسے کیا کہتے ہیں

یاں پھر اس شرم سے عیسیٰ نے گزارا نہ کیا
چشم خوباں کی جو بیماری کا چارا نہ کیا

---

1 اصل: زنجیر۔ 2 ل: گا ہے۔ 3 ل: اس کا دل۔ 4 ل: جی میں۔ ❖: ل سے اضافہ

تیرے ہی دیکھنے کے، نہ آوے جو کام چشم
اک زخم ہے وہ چہرہ پہ، جس کا ہے نام چشم

نہ جانے یاد کر روتا ہے کس کے دل کے صدمے کو
کہیں ٹکڑا جو سودا کو نظر آتا ہے شیشے کا

تو سن پہ تجھے دیکھ کہیں مانی و بہزاد
اللہ نے کھینچی ہے یہ تصویر ہوا پر

نہ جانے حال کس ساقی کو یاد آتا ہے شیشے کا
کہ لے لے ہچکیاں جیوڑا نکل جاتا ہے شیشے کا

نہ کھینچ[1] اے شانے ان زلفوں، کویاں سودا کا دل اٹکا
اسیر ناتواں ہے یہ نہ دے زنجیر کو جھٹکا

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مِل، بنا
کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا

پونچھ کر چشم کریں ہم جو فشار دامن
باج خواہاں ہو رگ ابر سے تار دامن

بلبل چمن میں کس کی ہیں یہ[2] بدشرابیاں
ٹوٹی پڑی ہیں غنچوں[3] کی ساری گلابیاں

امید وصل جز طمع خام کچھ نہیں
ہر صبح ہے قسم پہ قسم شام کچھ نہیں

لہو اس چشم کا پونچھے سے ناصح بند کیونکر ہو
جو دل ٹوٹے کسی کے ہاتھ سے، پیوند کیونکر ہو

ہمارے کفر کے پہلو سے دیں کی راہ یاد آوے[4]
وہ بت[5] رکھے ہیں جس کو دیکھ کر اللہ یاد آوے

گھڑی گھڑیال کی سن سن کے میراجی دہلتا ہے
چلی آتی ہے وہ ہیں رات جوں جوں دن یہ ڈھلتا ہے

عیاں ہے شوق ملنے کا مرے نامے کے کاغذ سے
کہ جب کھولے ہے تو اس کو تو وہ لپٹا ہی جاتا ہے

خواہ کعبہ میں تجھے، خواہ میں بت خانے میں
اتنا سمجھوں ہوں مرے یار، کہیں دیکھا ہے

گل پھینکے ہے اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ برانداز چمن، کچھ تو ادھر بھی

دیکھ[6] لے اے باغباں اپنا چمن، ہم گھر چلے
آگئے تھے مثل شبنم، سیر گلشن کر چلے

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے
تو بھی کسی کا شیفتہ ہووے، خدا کرے

کل جو بیٹھا پاس جا میں اک ترے ہمنام کے
رہ گیا بس نام سنتے ہی کلیجا تھام کے

نہ پہنچا مرے اشک گرم سے آشوب[7] مژگاں کو
بہا خاشاک کے سایے تلے سیلاب آتش کا

کہیں ہیں زلف کو سب دیکھ اس روئے مخطط پر
یہ لام افزود کیوں قرآن کی تفسیر پر لکھا

ہے سخت بے مروت وہ بت وفا کرے کیا
پر اب تو لگ گیا دل، دیکھیں خدا کرے کیا

---

1 ل: یہ ہیں۔ 2 ل: غنچے۔ 3، 4 ل: آئے۔ 5 ل: رکھتے۔ 6 ل: میں مصرعے منقلب۔ 7 ل: آسیب

تبسم دیکھ تیرا کیوں نہ دل بیتاب ہو جاوے
☆ اگر بجلی اسے دیکھے تو زہرا آب ہو جائے

لے دیدۂ تر جدھر گئے ہم
☆ ڈیرے جو تھے خشک، بھر گئے ہم

دل کے تئیں اک عالم کہتا ہے خدا کا گھر
☆ اے عشق اسے آتش دے ہے تو سنبھل کر دے

کھلنے تو لگا ہے دل جوں غنچہ ہمارا بھی
☆ لیکن یہ صبا تجھ سے گا ہے بدم سرد ے

سینے کو رستموں کے نگہ تیری توڑ دے
آنکھوں کی ہر پلک صف محشر کو موڑ دے

مرجاں کا نخل ہوں نہ پھلوں برگ و بار سے
☆ ٹپکے ہمیشہ خون مری شاخسار سے

دولاب کی ہے حق بطرف مستی سے فریاد
پیمانہ کسی کے گلے کا ہار نہ ہوئے

کر ذبح شتابی مجھے صیاد کہ یہ صید
☆ ہاتھوں ہی میں تیرے کہیں مردار نہ ہوئے

میں کہتا ہوں دل اپنے سے کہ ننگ و نام سے گذرے
نہ ہوں گر اس میں یہ باتیں تو کیا آرام سے گذرے

رباعی

مومن نہیں زنار سے میری آگاہ
اس رشتہ کو ہے سبحۂ اسلام میں راہ
اس بت کا ہوں برہمن کہ صوفی یا شیخ
کہتے ہیں جسے دیکھ کے اللہ اللہ

کہتا ہے بنا گوش ترا زلف کے آگے
میں صبح قیامت ہوں مری شام یہی ہے

عشرت سے دو جہاں کی یہ دل ہاتھ دھو سکے
تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے

جس سرزمین میں جا کے تیری یاد میں رووَں[1]
دہقاں کچھ اس زمیں میں، بجز دل نہ بو سکے

ساق سیمیں کو تری دیکھ کے گوری گوری
شمع محفل میں ہوئی جاتی ہے تھوری تھوری

نیشکر نے کہیں اس لب کا کیا تھا دعویٰ
آج تک اس کی جدا کرتے ہیں پوری پوری

آ گیا رات میں جو وزد حنا تیرے ہاتھ
ورنہ جا پاؤں کو لا[2] گا ہی تھا چوری چوری

تجھ تیغ تلے، کہہ تو رستم سے کہ سر دھر دے
پیارے یہ ہمیں سے ہو "ہر کارے و ہر مردے"

گلشن میں تجھ بنا مجھے شرب مدام میں
مانند لالہ خوں ہوا لبریز جام میں

ترا دل مجھ سے نہیں ملتا مرا جی رہ نہیں سکتا
غرض ایسی مصیبت ہے کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا

---

1 اصل: رووَں تیری یاد میں: متن تصحیح قیاسی۔ 2 ل: میں "کو" محذوف۔ ☆ ل: میں یہ اشعار ندارد۔

ترے آگے مری آنکھوں سے آنسو کیونکہ چلتے ہیں
جو تو[1] دریا پہ گذرے ہے تو پانی بہہ نہیں سکتا

جو گرد ہوں تو رہوں خاکپائے دشمن و دوست
نہ ہووے یہ تو دل مور کا غبار ہوں میں

خواہی رہ صد سالہ[2] تو ہو خواہ یہیں ہو
نزدیک بدل ہے تو مری جان کہیں ہو

بلبل نے جسے جا چمنستان میں دیکھا
میں[3] نے اسے ہر خارِ بیابان میں دیکھا

برہم کرے جمعیت کونین جو پل میں
لٹکا وہ تری زلف پریشان میں دیکھا

نہیں بے وجہ کوچے سے ترا اٹھنا بگولے کا
ہماری خاک بھی جاتی ہے تیری راہ کے صدقے

تجھ بن عجب معاش ہے سودا کا ان دنوں
تو بھی ٹک اس کو جا کے ستم گار دیکھنا

قطعہ

نے حرف و نے حکایت و نے شعر و نے سخن
نے سبز باغ و نے گل گلزار دیکھنا

خاموش اپنے کلبۂ احزاں میں[4] روز و شب
تنہا پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا

یا جا کے اس گلی میں جہاں، تھا ترا گذر
لے صبح تا بشام کئی بار دیکھنا

تسکین دل نہ اس میں بھی پائی، تو بہر شغل
پڑھنا یہ شعر گر کبھی اشعار دیکھنا

کہتے[5] تھے ہم نہ دیکھ سکیں تجھ کو غیر پاس
پر جو خدا دکھاوے سو ناچار دیکھنا

ترے خط آنے سے دل کو مرے آرام کیا ہوگا
خدا جانے کہ اس آغاز کا انجام کیا ہوگا

کسی دیندار و کافر کو خیال اتنا نہیں آتا
سحر کیا ہو چکا سودا کے جی پر، شام کیا ہوگا

سودا سے یہ کہا میں، دل اس طرح سے کھونا
کہنے لگا کہ ناداں کیا پوچھتا ہے، ہونا

گل مرے مشہد پہ کب بھیجے ہے وہ ابرو کماں
طرح غنچہ کی کھلے جب تک نہ پیکاں تیر کا

ہندو ہیں بت پرست، مسلماں خدا پرست
میں[6] پوجتا ہوں اس کو جو ہو آشنا پرست

دل کو سودا تو سوئے زلف سیہ فام نہ بھیج
رہ زنوں میں تو مسافر کو سر شام نہ بھیج

صورت میں تو کہتا نہیں ایسا کوئی کب ہے
اک دھج ہے کہ آفت ہے، قیامت ہے، غضب ہے

---

1 ل: میں 'تو' محذوف۔ 2 ل: ہو تو خواہ نہیں ہو۔ 3 ل: میں نے۔ 4 ل: رات دن۔ 5 ل: ہم چاہتے تھے تجھ کو نہ دیکھیں گے غیر پاس۔ 6 ل: میں اس کو پوجتا ہوں۔

ہووے نہ ملک عشق سے کم رسم داغ دل ۔ روشن رہے الٰہی ہمیشہ چراغ دل

عاشق تو نامراد ہیں پر اس قدر کہ ہم ☆ دل کو گنوا کے بیٹھ رہے صبر کر کے ہم

موسم گل ہے و لے کچھ یہ دل اب شاد نہیں ۔ تاب پرواز نہیں طاقت فریاد نہیں

گلشن میں تم روش پر جو کل کی شب کھڑے تھے ۔ مہتاب زیر پا تھا گل پاؤں میں پڑے تھے

یا تبسم یا نگہ یا وعدہ یا، گاہے پیام ۔ کچھ بھی اے خانہ خراب اس دل کو سمجھانے کی طرح

قطعہ

عقل نے ایک دن آ کر یہ کہا سودا سے ○ خواہ نزدیک ہمارے رہو خواہ ہم سے دور

لیکن اتنا ہے کہ وہ کام نہ کریو پیارے ○ جس کا ثمرہ تمہیں رکھے دل عالم سے دور

ظاہر میں دیکھنے کا کچھ اسباب ہی نہیں ۔ آوے مگر تو خواب میں، سو خواب ہی نہیں

نہ پوج سنگ و گل اے شیخ، اس صدا کو مان ۔ مرے صنم کی پرستش کر، آ، خدا کو مان

عاشق کی بھی کٹتی ہیں کیا خوب طرح راتیں ۔ دو چار گھڑی رونا دو چار گھڑی باتیں

بلبل خاموش ہوں جوں نقشِ دیوار چمن ۔ نہ قفس کے کام کا ہرگز، نہ در کارِ چمن

نوک سے کانٹوں کے ٹپکے ہے لہو اے باغباں ۔ کس دل آزردہ کے دامن کش ہیں یہ خارِ چمن

جی تنگ تو دے کے لوں جو تو ہو کارگر کہیں ۔ اے آہ کیا کروں نہیں بکتا اثر کہیں

ہوتی نہیں ہے صبح، نہ آتی ہے مجھ کو نیند ۔ جس کو پکارتا ہوں سو کہتا ہے، مر کہیں

جادو بھری ہیں چشم، مت آئینہ کو دیکھ تو ۔ دھڑکے ہے دل مرا کہ نہ پلٹے نظر کہیں

غیر کے پاس یہ اپنا ہی گماں ہے کہ نہیں ۔ جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہے کہ نہیں

خریدی کچھ نہ جنس آ کر ہم [1] اس بازار میں سودا ۔ بغل میں لے چلے ہیں دل، سو اک آفت [2] کا پرکالا

مری آنکھوں میں تو بستا ہے، مجھ کو کیوں رلاتا ہے ۔ سمجھ کر دیکھ تو اپنا کوئی بھی گھر [3] ڈباتا ہے

تری آنکھوں نے نرگس سے چمن میں یار ایسی کی ۔ کہ بچتی ہی نظر آئی نہیں بیمار ایسی کی

---

1 ل: اب اس بازار سے سودا۔ 2 ل: آتش۔ 3 ل: 'گھر' محذوف ☆ یہ اشعار 'ل' میں ندارد۔ ○ ل: میں یہ اشعار مکرر

غنچے سے مسکرا کے اسے زار کر چلے　　نرگس کو آنکھ مار کے بیمار کر چلے

آ پہنچ ساقی کہ پھر ایام کب آتے ہیں یہ　❖　فصل گل کے کچھ گئے دن، کچھ چلے جاتے ہیں یہ

سودا یہ کیا کرے گا نت اس طرح کا رونا　　عالم کو اے دوانے مت ساتھ لے ڈبونا

کہا میں ''داغ مرے دل کا جوں چراغ جلے''　　دیا جواب، مجھے ترک شوخ نے ''کہ بلے''

کون کہتا ہے نہ اوروں سے ملا کر، مجھ سے مل　　جس کے ملنے میں خوشی تیری ہو مل، پر مجھ سے مل

تو ٹک جگر تو مرے مرغ نامہ بر کا دیکھ　　کہ واں اڑے ہے جہاں پر جلیں فرشتے کے

سن کے یہ کہتا ہے میرے نالۂ جانکاہ کو　　کیوں مجھے ایسا بنایا، کیا کہوں اللہ کو

نگاہ مست نے ساقی کی عالم کو چھکا ڈالا　　کہیں بیہوش ہے شیشا، کہیں پتھر ہے متوالا

بہار باغ ہو، مینا ہو، جام صہبا ہو　　ہوائے ابر ہو، ساقی ہو اور دنیا ہو

سودا جہاں میں آ کے کوئی کچھ نہ لے گیا　❖　جاتا ہوں ایک میں دل پُر آرزو لیے

کس قدر اب کے ہوا مست ہے ویرانہ کی　　کسی لڑکے کو نہیں سدھ کسی دیوانے کی

اس چمن کی سیر میں آیار پیویں مِل کے مُل　　کیا بنائے صانع قدرت نے رنگیں گلِ کے گُل

حلِ مشکل کس سے ہو سودا کی، تجھ بن یا علی　　کھول[1] دو مشکل کشا عقدے مری مشکل کے کُل

گر کیجیے انصاف تو کی زور وفا میں　　خط آتے ہی سب جل گئے اب آپ ہیں یا میں

کیفیت چشم اس کی مجھے[2] یاد ہے سودا　　ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا، کہ چلا میں

ڈرتے ڈرتے جو ترے کوچے میں آجاتا ہوں　　صیدِ خائف کی طرح رو بقفا جاتا ہوں

تو ہی نہ اپنے سر پہ یہاں خاک کر گئی　　شبنم بھی اس چمن سے صبا چشم تر گئی

دیوانا کون گل[3] ہے ترا جس کو باغ میں　　زنجیر کرنے موجِ نسیم سحر گئی

مارے کو تیری زلف کے لاکھوں جتن کیے　　لیکن ڈسا ہو کالے نے، جس کو، سو کیا جیے

جوں غنچہ تو چمن میں بند قبا کو کھولے　　پھر گل سے اے پیارے بلبل کبھو نہ بولے

کون اب کہے یہ سودا اس شوخ کی گلی میں　　آ تجھ کو لے چلیں ہم دل کھول کر کے رو لے[4]

---

1 ل: کھول دے۔ 2 ل: تجھے۔ 3 ل: میں 'گل' محذوف۔ 4 ل: تو رو لے۔ ❖ یہ اشعار 'ل' میں ندارد

عشرت سے دو جہاں کی یہ دل ہاتھ دھو سکے — تیرے قدم کو چھوڑ سکے، یہ نہ ہو سکے

کہوں میں کس سے کہ مطلب مرا روا کیجے — بھلا ہے ترک تعلق کا مدعا کیجے

کہے ہے شمع سے پروانہ رات جلتے وقت — کہ حق بندگی اس طرح سے ادا کیجے

کہا طبیب نے احوال دیکھ کر میرا — کہ سخت جانی پہ[1] سودا کی، آہ کیا کیجے

زخم دل کا کہ تروتازہ ہے یہ انگور سدا — جاری رہتا ہے[2] مری چشم کا ناسور سدا

جس کی ہم تیغ جفا سے ہوئے گھایل پیارے — چشم زخم اس سے زمانہ کار ہے دور سدا

حکاک کا پسر بھی مسیحا سے کم نہیں — فیروزہ ہووے مردہ تو دیتا ہے وہ جلا

رنگ گل کچھ بے طرح دیکھے ہے اے ابر بہار — آشیاں میرا چھڑک لگتی ہے اب گلشن میں آب

سودا جوں شمع نہیں گرمی بازار مجھے — ہوں میں وہ جنس کہ آتش دے خریدار مجھے[3]

منہ لگاوے کون مجھ کو گر نہ پوچھے تو مجھے — عکس بھی دیتا نہیں اب آئینہ میں رو مجھے

ناتوانی بھی عجب کچھ ہے کہ گلشن میں نسیم — نت لیے پھرتی ہے گلشن میں برنگ بو مجھے

افعی کو یہ طاقت ہے کہ اس سے بسر آوے — وہ زلف سیہ اپنی اگر لہر پر آوے

برہمن بتکدے کے شیخ بیت اللہ کے صدقے — کہیں[4] ہیں جس کو سودا وہ دل آگاہ کے صدقے

نوید مُغبچگاں موسم بہار آیا — ہر ایک تاک کا گلشن میں برگ و بار آیا

مطلع ثانی

سحر جو باغ میں دلدار ایک بار آیا — نثار میوہ سے ہر نخل زیر بار آیا

برنگ آئینہ ہم اور سینہ صاف ہوئے — جو اپنے دل پہ کسی شکل سے غبار آیا

ہماری خاک پہ گو چشم تر کسو نے نہ کی — ہمیشہ گریہ کناں ابر زار زار آیا

خبر لے وادی میں سودا کی، یوں سنا ہے گا — کہ ایک شوخ کسی بے گنہ کو مار آیا

سیہ کاری ہے مانند نگیں ہر چند کام اپنا — نکالا روسفید آخر میں اس صفحے سے نام اپنا

اگر سمجھے تو خاکستر صبا کے ہاتھ بھیجوں میں — نہیں گویا زبان شعلہ، دوں کس کو پیام اپنا

---

1 اصل: ہے (پے؟)۔ 2 ل: 'ہے' محذوف۔ 3 اصل/خ: نہ پھرا ملک عدم سے کوئی یار اے سودا جاناب ان کی خبر لینے کو ناچار مجھے۔ 4 'ل': کرو سودا کو سے جا کر دل آگاہ کے صدقے۔

تیرے کوچے سے جو میں آپ کو چلتے دیکھا — جی کسی تن سے نہ اس طرح نکلتے دیکھا

استقامت ہے عجب شے،نہیں جس میں لغزش — نخل کا پاؤں زمیں پر، نہ پھسلتے دیکھا

خاتم کی جوں نگیں، ہمیں کس کام کے لیے — گھر میں کوئی جگہ دی مگر نام کے لیے

سوداؔ ہزار حیف کہ آ کر جہاں میں ہم — کیا کر چلے اور آئے تھے کس کام کے لیے

لینا جو شیشۂ دل منظور ہے تو یہ ہے — ثابت جو ہے تو یہ ہے اور چور ہے تو یہ ہے

سمندر کر دیا نام اس کا ناحق، سب نے کہہ کہہ کر — ہوئے تھے جمع[1] کچھ آنسو، مری آنکھوں سے بہہ بہہ کر

ناصح کو جیب سینے سے فرصت کبھو نہ ہو — دل یار سے پھٹے تو کسی سے رفو نہ ہو

جب خوش ہو تو دے گالی، اک بار سو یہ تحفہ — رنجش تو کہوں کس سے، ہے پیار، سو یہ تحفہ

صبر و دل و دیں، طاقت دیکھا اسے اور سٹکے — ہیں جگ میں رفیق اپنے دو چار، سو یہ تحفہ

میکدے ہی میں نہ اے بادہ کشاں ہے شیشا — ہم نے جس سنگ میں دیکھا تو نہاں ہے شیشا

نظر آتی ہیں بن ساقی چمن میں تاک کی چھائیں — روئیں، آ، باغیاں باہم گلے میں ڈال کر بائیں

گذرا ہے آب چشم مرے سر سے بارہا — لیکن نہ وہ مٹا کہ جو تھا سرنوشت میں

نالہ سینے سے کرے عزم سفر آخر شب — راہ رو چلنے پہ باندھے ہے کمر آخر شب

رسائی گر سر مو بھی نہیں طالع میں گو، مت ہو — پریشانی میں ہمسر ہے مرا بخت اس کے کاکل سے

میکشاں روح ہماری بھی کبھی شاد کرو — ٹوٹے گر بزم میں شیشا تو ہمیں یاد کرو

فائدہ کیا خط تجھے لکھ لکھ کے گر[2] روتا ہوں میں — نامۂ اعمال دل لکھتا ہوں اور روتا ہوں میں

رباعی

افسوس یہ عمر یوں ہی روتے گذری — نت[3] دل سے غبار غم ہی دھوتے گذری

دیکھا نہ کبھو خواب میں اپنا یوسف — ہر چند تمام عمر سوتے گذری

ہمیشہ ہے مری چشم پُر آب در تہ آب — سوائے اس کے نہ دیکھا حباب در تہ آب

---

1 ل: میں 'جمع' محذوف۔ ٭ ل میں نہیں۔ 2 اصل لکھ لکھ کر اگر، متن تصحیح قیاسی۔ 3 اصل: نت نئے، متن تصحیح قیاسی۔

چھٹنا ضرور رخ پہ ہے زلف سیاہ کا — روشن بغیر شام نہ چہرہ ہو ماہ کا
سودا کی مرے جس کو تدبیر نظر آئی — شمشیر کے جوہر سے زنجیر نظر آئی
ہے زلف میں دل میرا مت کیجیو تو شانا — زنجیر نہ کھل جاوے یہ[1] سخت ہے دیوانا
تغافل سے ترے اب بے وفا کب تک جفا دیکھوں — خدا وہ دن کرے تجھ کو کسی پر مبتلا دیکھوں[2]

رباعیات

افسوس کریموں میں نہیں یہ دستور
جھکتا ہے اگر شاخ ثمر دار کا ہاتھ
مفلس پہ کرم کرکے نہ ہوویں مغرور
پھل دے کے وُہیں آپ کو کھینچے ہے دور

سودائی دنیا تو بہر سو کب تک
حاصل ہوئی ہے کس کو دولتِ دنیا
آوارہ پھرا کرے گا کو بہ کو، کب تک
بالفرض ہوا یوں بھی تو پھر تو کب تک

ایوان عدالت میں تمھارے یا شاہ[3]
شیشے کا جو واں طاق سے رپٹے ہے پاؤں
کیا ظلم کو ہے دخل عیاذاً باللہ
پتھر سے نکلتی ہے صدا بسم اللہ

کوتاہ نہ عمر [illegible] مے پرستی کیجے
ساقی جو نہ ہوئے مے تو ہے آج وہ ابر
زلفوں سے تری دراز دستی کیجے
پانی پی پی کے فاقہ مستی کیجے

عاجز آیا ہوں دور رہتے رہتے
روتا ہوں کہ سیل اشک جاری ہووے
لوگوں سے، تھکا، پیام کہتے کہتے
پہنچوں میں گلی میں اس کی بہتے بہتے

جہاں کے بحر میں آکر تو اے دل اتنا چاہ
تو کس تلاش میں سر مارتا پھرے ہے کہ عمر
کہ جوں حباب وہی[4] پیرہن وہی ہو کلاہ
برنگ رشتۂ سوزن ہے ہر قدم کوتاہ

اکثر[5] ہجویات از و بخوبی سرانجام یافتہ لیکن ایں کمترین تحریر ہیچگی ازاں مناسب ندانست الا ایں قطعہ کہ از ہجو است، برنگاشتم[6]:

قطعات

کم رو وہ اس قدر ہے اگر اسکے نعل کا — لوہا گلا کے تیغ بناوے کوئی لوہار

---

1 ل: ہے سخت یہ۔ 2 حاشیہ پر مؤلف کا نوٹ: ختم شد، اشعار مرزا رفیع سودا۔ ذکا۔ 3 ل: اے شاہ۔
4 ل: وہی سر ہو اور وہی ہو کلاہ۔ 5 ل: یہ عبارت محذوف۔ 6 ل: در ہجو اسپ گوید۔

ہے مجھ کو یہ یقیں کہ وہ تیغ، روز جنگ
رستم کے ہاتھ بھی[1] نہ چلے وقت کارزار

ایک غماز نے اس ترک پسر سے یہ کہا
ہے جو سوداؔ کوئی شاعر وہ ترا مفتوں ہے
سن کے بولا یہ کہو میری طرف سے اس کو
باندھنا خوں پہ کمر اپنی نیا مضموں ہے

سوداؔ جنھیں خدا نے دیا کچھ ہے عقل وفہم
ان کا جہاں کے عیش پہ دل کیونکہ چل سکے
عرصہ تو زندگی کا نہیں اس قدر بھی یاں
افسوس میں کسی کے کوئی ہاتھ مل سکے

عجب احوال کو سوداؔ ستم تیرے سے پہنچا ہے
کوئی معشوق بھی عاشق پہ یہ بیداد کرتا ہے
بسانِ نے ترے ہاتھوں سے نالا اس کو دیکھا ہے
کوئی ٹک منہ لگاتا ہے تو وہ فریاد کرتا ہے

شبنم سے بھرے ہے ساغر گل
گردوں تو خراب و خوار ہووے
پانی نہیں اس کو دیتے ظالم
جو زخمیٔ بے شمار ہووے

رباعیات

جب سے چمن حسن میں اے گل تو در آیا ✤ عصمت نے تری خلق میں شہرا پایا
مخفی میں کیا داغ کو اور لالے نے
چھاتی کو کہ و مہ کے تئیں دکھلایا
سوداؔ دہن یار کے ہوتے، رکھ گوش ✤ تعریف نہ کر غنچۂ گل کی، خاموش
وہ بد دہن اتنا ہے، دوانے، جس کا
ہنستے میں ہوجائے ہے گوش

دنیا مجھے کہتی ہے کہ منہ مجھ سے موڑ
مت فاحشہ پر اتنا تو جی جامہ توڑ
سودا تری سیاہی پہ سفیدی آئی
بس رات[2] گئی صبح ہوئی اب تو چھوڑ

---

1. ل: سے۔ 2. ل: رات ہوئی صبح گئی۔

مستزاد

دنیا سے کیا کسی نے کہا یوں جا کر — سن اے بیدرد
اب[1] ایک کی ہی ہو رہ نہ پھرا کر گھر گھر — تو صورت[2] گرد
بولی جو کوئی ہے مرد سو تو مجھ کو — رکھتا ہی نہیں
باندھی ہے جنھوں نے میرے رکھنے پہ کمر — سو ہیں نامرد

سیّد، غالب علی

سید الشعراء امیر غالب علی خاں سیّد، مرد بزرگی است سیّد خوش خلق متواضع، دوست آشنا عالم فاضل میر منشی حضرت اقدس اعلیٰ فکر فارسی و ہندی می کند و تلاش کامل دارد بیشتر غزلیات طویل بہر دو زبان بکمال خوبی و متانت سرانجام می فرماید۔ و در مشاعرہ ہا تشریف[3] آوردہ بہ حسن خلق واشفاق بر فع کدورت و دل گرفتگیہا توجہ می گرداند، در پختگی نثر نویسی و خط نستعلیق و شکستہ۔ عدیل خود کم تر دارد و اکثر اشعار شاگردان خود را بخوبی اصلاح[4] رونق بخشیدہ از جملہ مغتنمات است خداش سلامت دارد بہ سبب سیر مشقی از تصانیف شریف ذخیرہ دارد۔ طول نویسی معیوب دانستہ برسم تذکرہ اشعاری چند منتخب از تالیف آن صاحب عالی وقار[5] بزبان خامۂ نیاز فرسودہ من کلامہ:

ابرو کے اشارے ترے لڑتے ہیں سبھی سے
تلوار ابھی[6] بزم میں چلتی ہے کسی سے

بنائے[7] کفر و دیں اک تار سے ہے
کہ سبحہ منعقد زنار سے ہے

بھاتا ہے مجھ کو یار کا دُزدیدہ دیکھنا
اغیار کی نگاہ سے پوشیدہ دیکھنا

نہ وے ابرو ہی تیغ اینچے[8] ہوئے پیوستہ لڑتے ہیں
کہ اس کے چشم بھی جوں ترک ترکش بستہ لڑتے ہیں *

نہ ہیں گردوں نہ سنگ آسیا ہم
و لے رہتے ہیں گردش میں سدا ہم

ہیں صبا گلشن میں کس خوں ریز[9] کی نیرنگیاں
لالہ و گل نے قبائیں اب جو خوں میں رنگیاں

شراب سرخ سے وہ چشم سرمہ سا رنگیں
یہاں تلک ہے کہ ہے رنگِ توتیا، رنگیں

---

1 ل: تو۔ 2 ل: جیوں۔ 3 ل: ''تشریف آوردہ'' محذوف۔ 4 ل: اصل/ق: اصلاح خود رونق کلی بخشیدہ۔ 5 ل: صاحب طرح عالی وقار؛ اصل: 'عالی وقار' اضافۂ مؤلف۔ 6 ل: بہم۔ 7 ل: بنایا۔ 8 ل: اینچا: کھینچنا۔ 9 ل: سرہنگ کی خوں ریزیاں۔ * اصل: کی؛ متن تصحیح قیاسی۔

چڑھ آئی میکشی کی وہیں میرے جی پہ لہر
دیکھا جو دستِ موج پہ ساغر حباب کا

ساقی تو صبح دے مجھے ساغر شراب کا
ٹک ذرّہ جلوہ دیکھوں میں اس آفتاب کا

یارب نصیب کیجیو سیّد کی خاک کو
گھر، آستانۂ نجف بوتراب کا

حمد اس کی ادا[1] ہو سکے مجھ سے نہ سرمو
ہر بال، بدن پر کرے گر کام زبان کا

روکش اندوہ ہجراں، شب دل بیتاب تھا
تاب کا پانی جگر طاقت کا زہرا آب تھا

اس کا ہر ٹکڑا تھا حالِ دوستاں کا اک ورق
یہ دل صد پارہ گویا روضۃ الاحباب تھا

سبب کیا پوچھتے ہو مجھ سے میرے زار رونے کا
کسی کو کچھ مرض ہے مجھ کو ہے آزار رونے کا

☆ جب ناز سے وہ خانہ برانداز گھر چلا
میں گھر گیا اس آن جہاں سے گذر چلا

کان کا موتی ترے ہلتا جو اے مہ پارہ تھا
مشتری اس کا فلک یا سبعۂ سیارہ تھا

☆ کریں ہیں سرمہ مری خاک کو اولی الابصار
غبار کس کے نہ جانوں ہوں آشیانے کا

سبوے بادہ کروں وقف میکشاں سیّد
جو جامدار ہوں ٹک میں شراب خانے کا

☆ جز آہ و نالہ ہو سیّد سے اور کیا موزوں
دل و دماغ کہاں اس کو شعر خوانی کا

ساتھ آہ کے ہر اک مژہ میں اشک بھر آیا
زور ابر دھواندھار برستا نظر آیا

جملہ تن آب آئینہ ہے برتری سے پاک ہے
صاف طینت کو ترا دامن کہیں، کیا باک ہے

☆ میں انھیں کونسی صورت سے نہ چاہا پر آہ
مجھ کو چاہیں نہ بتاں، یوں ہی خدا نے چاہا

☆ زلف و کاکل، خط و خال، ابرو و چشم و گیسو
اک دل زار کو کس کس نہ بلانے چاہا

☆ سماؤں گا پھولا بدن میں نہ سیّد
ہم آغوش جب وہ گل اندام ہوگا

☆ تا وہ مہ بے مہر سر بام نہ آیا
ذرہ دل بیتاب کو آرام نہ آیا

☆ نے غازہ نہ گلگو نہ ہے نہ رنگ حنا تو
اے خوں شدہ دل تو بھی کسی کام نہ آیا

تری یہ کم نگاہی ہم کو بس ہے
نگاہِ گاہ گاہی ہم کو بس ہے

ہو کے نہ برہم کہیں جھاڑیو دامان زلف
یہ دل آشفتہ ہے رات سے مہمان زلف

آہ و نالا تو مرے سینہ سے تھا ہی نکلا
دل بھی ہو قافلۂ اشک میں راہی نکلا

---

1. ل: ہو نہ سکے مجھ سے سرمو۔ ☆ ل سے اضافہ

آرام زندگی ترے جانے سے اٹھ گیا
جی دلبروں کے پاس بٹھانے سے اٹھ گیا

آہ کیا آتش تھی جس سے گھر جلا آنگن جلا
شمع محفل کا گریباں، برق کا دامن جلا

ہوتی نہ بند تھی کسی صورت سے اس کی آنکھ
آئینہ کس کا محوِ رخِ بے مثال تھا

تو ہم کنار ہونے ہم سے کبھو نہ آیا ❖
ہم گور کے کنارے پہنچے، پہ تو نہ آیا

دکھ مداوا کا مرض سے بیشتر پیدا ہوا
مجھ کو صندل گھستے گھستے درد سر پیدا ہوا

کیا خبر پرواز کی مجھ کو کہ میں جس روز سے
دام میں پیدا ہوا، بے بال و پر پیدا ہوا

داد جو کی داد دیوے گا نہ داور بھی اگر
عرصۂ محشر میں وہ بیداد گر پیدا ہوا

گرم بازاری مری جوں شمع تھی یک شب کہ صبح
پاؤں پایا، یاں، نہ میرا پھر نہ سر پیدا ہوا

غش بہت آتا ہے مر جیئے تو کیا جانیں گے لوگ
ان دنوں میں مجھ کو سید ہے یہ ڈر پیدا ہوا

اپنے حیرت گشتگاں کی گور پر نرگس کے پھول ❖
تو نہ اے آئینہ رو رکھتا تو رکھتا کس کے پھول

تازہ تر دیکھے گل احمر سے رنگینی میں صبح ❖
اس کے بستر کے جو شب مرجھا رہے تھے دس کے پھول

گل پڑے جس سرزمیں پر اس کا تھا نقشِ قدم ❖
آج سب گل رو وہاں رکھتے ہیں ماتھا گھس کے پھول

جنوں نے کچھ نہیں چھوڑا مرے گریباں میں
نفس کا سینہ میں باقی یہ[1] تار رکھتا ہوں

کر گنہ، رویا ہوں رکھ بیہات منہ پر، آستیں
ہوں جو تر دامن، رہے ہے نت مری تر، آستیں

جو دیکھے گا وہ ترے رنگ مسکرانے کا
تو غنچہ منہ تجھے گل رو نہیں دکھانے کا

جو دل سے نکلے ہے آہ و فغاں مرے اس کو ❖
نہ شعر پہنچے ہے آہی کا، نہ فغانی کا

خون دل، بے مے گل رنگ پلائی مجھ کو ❖
سر باراں مژۂ تر نے دکھائی مجھ کو

ہے جو باریک رگ جاں سے بھی وہ موے میاں
دل کے داغوں ہی کی عینک سے بجھائی مجھ کو

ڈبڈبا آئی مثال آئینہ کے اشک سے آنکھ ❖
آگئی یاد یہ کس رخ کی صفائی مجھ کو

دیکھ کس رنگ سے لیتا ہوں میں اے شوخ اٹھا
گر لگے ہاتھ ترے پائے حنائی مجھ کو

میں ہم آغوش نہ ہوں اور وہ بغل میں کھینچے
تنگ لائی یہ تری تنگ قبائی مجھ کو

بس کہ ہوں بیمار چشم نیم خواب نرگسی
ہے عذاب نان بادام وکباب نرگسی

---

1 ل: نہ۔ ❖ ل میں ندارد

مانگے سیدؔ، جو ترے لب کا پری رو بوسہ | نہ برا مانیو تو بات کا دیوانے کی
موکمر کو تری سب ہیچمداں کہتے ہیں | تو بھی کہہ منہ[1] سے کہ کیا اس کو میاں کہتے ہیں
رنگ سرخ اپنے کو دیکھ اور، رخ زرد عاشق ☆ | اس کو کہتے ہیں بہار، اس کو خزاں کہتے ہیں
دل وہ آفاق میں سیدؔ ہے مرا بھی جس کو ☆ | سیکڑوں تیر حوادث کا نشاں کہتے ہیں
پر پروانہ برنگ پر بلبل کترے | شعلۂ شمع کی مقراض نے کیا گل کترے
یارو مری بالیں سے[2] نہ اٹھو نہ جدا ہو | حالت مری اچھی نہیں کیا جانیے کیا ہو

سوزؔ، محمد میر

محمد میر المتخلص بہ سوزؔ، مردی سید ساکن شاہجہاں آباد از چندے بہ لکھنؤ استقامت ورزیدہ۔ دراسپ[3] دوانی و تیراندازی مہارت و دسترس خوب دارد۔ بہ نظر عمدہ ہائے قدر شناس خیلے معزز و محترم است۔ آں جا بحرمت میگذراند۔ از علم مجلس بسیار ماہر است۔ شعر بوضعے می خواند کہ فتح و کسر وغیرہ[4] از زبان فصاحت بیانش سر مو فک نمی شود۔ از آنجا کہ طبع عالی دارد و مشاق قدیم است سخنش سوزی دارد۔ بیشتری[5] از نومشقاں نسبت تلمذ بخدمت آن بزرگ دارند و شعر خود را باصلاح استاد زیب و زینت دادہ نام بہ رشیدگی برآوردہ۔[6] وسوای کمال شاعری خط نستعلیق و شفیعا درست می نویسد۔ ابیاتے چند از کلام فصاحت التیامش ایں ہیچمداں و خاک پای سخنوراں جہان بندہ ذکاؔ دریں محل مثبت می گرداند:

شہرۂ حسن سے از بس کہ وہ محبوب ہوا | اپنے مکھڑے سے جھگڑتا ہے[7] کہ کیوں خوب ہوا
مکر جانے کا قاتل نے نرالا ڈھب نکالا ہے | سبھوں[8] سے پوچھتا ہے کس نے اس کو مار ڈالا ہے
تجھ سیتی تو اے ظالم کوئی بھی ہے گرویدہ | دیدہ ہیں سو ہیں گریاں، دل ہے سو ستم دیدہ
اے آہ ابھی رہ جا، دل چین سے سوتا ہے ✤ | مشکل ہے اگر جاگے یہ فتنۂ خوابیدہ

---

1 ل: ترا۔ 2 ل: 'سے' محذوف۔ یکتا: محمد: وفات بقول جرأت 1213ھ۔ 3 اصل: اضافۂ مؤلف ''در اسپ...... دارد''۔ 4 ل: ضم بجائے وغیر۔ 5 ل: بیشتر از نوسبقاں۔ 6 ل: آوردہ اند: اصل اضافۂ مؤلف ''وسوائے...... می نویسد''۔ 7 ل: تھا۔ 8 ل: کس کو اس نے۔ ☆ ل میں زائد۔ ✤ ل میں ندارد

آنکھیں جو نہ لگ جاتیں تو زار نہ ہوتا میں
پرہیز اگر کرتا، بیمار نہ ہوتا میں

جس دن سے کہ تو جدا ہوا ہے
کیا جانے کہ دل کو کیا ہوا ہے

عاشق ہوا، اسیر ہوا، مبتلا ہوا
کیا جانیے کہ دیکھتے ہی دل کو کیا ہوا

واشد ہے جیسے غنچۂ دل گیر میں چھپی
ہے مغفرت ہماری بھی تقصیر میں چھپی

میں مرگیا ہوں دیکھ لب لعل یار کو
یاقوت چاہیے مری لوحِ مزار کو

سارا دیوان زندگی دیکھا ٭
ایک مصرع نہ انتخاب ہوا

کب تک درازی شب ہجراں بیاں کروں
جو زلف یار عمر کٹی پیچتاب[1] میں

بھلی یک[2] بار ساقی نے مئے وحدت پلائی ہے
ہر اک بندہ کو اپنے جی میں دعوائے[3] خدائی ہے

وہ سرخ پوش پیارا کیا جانیے کدھر ہے
خون جگر سے جس بن دن رات چشم تر ہے

آنکھیں ترس گئی ہیں آنسو کے دیکھنے کو
مژگاں پہ لخت دل ہے[4] یا پارۂ جگر ہے[5]

جھلکتا ہے ہر ایک ذرہ میں خورشید
شناسائی کسی کو پر کہاں ہے

میں مرگیا ہوں دیکھ کے اس سبزہ رنگ کو
کچھ زمردی مری چھاتی[6] کے سنگ کو

پیری میں غیر گریہ بھلا اور کیا ہے سوز
دریا کی سیر ہے تو شب ماہتاب میں

الٰہی دل میں کسی دوست کے صفا نہ رہی
ہمارے عکس کی آئینہ میں بھی جا، نہ رہی

اڑا از بس کہ رخ دوستی سے رنگ وفا
چمن میں نکہت گل کی بھی آشنا نہ رہی

پھر موسم بہار نے نشو و نما کیا
پر تو نے اے صبا نہ دل غنچہ، وا کیا

عرق نہیں ہے سموم ہوا سے چہرے پر
نگاہ آب ہوئی ہے حیا سے چہرے پر

بہت کیا کہ نظر بھر تو دیکھ لوں تجھ کو
نہ ٹھیرا لیک نظارا صفا سے چہرے پر

رات آنکھیں تھیں مندیں پر بخت تک بیدار تھا
تا سحر دل محو دیدار جمال یار تھا

ہے دھوپ کہاں کدھر گیا دن
کیوں شام فراق مرگیا دن

تری بو کے لیے جوں گل تمام آغوش ہو جاؤں
کلیجے سے لگا کر غنچہ ساں خاموش ہو جاؤں

---

1 ل: پیچ وتاب۔ 2 ل: ایک بار۔ 3 ل: دعویٰ ہے خدائی کا۔ 4،5 ل: ہیں۔ 6 ل: تربت۔ ٭ ل میں ندارد

ادھر دیکھوں تو کس نازو ادا سے آج آتا ہے
مسیحا کی موئی امت کو ٹھوکر سے جلاتا ہے

منہ دیکھو آئینہ کا تری تاب لا سکے
خورشید تجھ[1] سے آنکھ تو پہلے ملا سکے

مت ہاتھ لگا سینہ[2] کو، یوں اس میں بھی کچھ ہے
پھڑکا ہے کو، کس واسطے، کیوں، اس میں بھی کچھ ہے

عرق آلودہ رخساروں پہ کیا یہ زلف چھائی ہے
سحر گلشن میں ناگن، چاٹنے کو اوس آئی ہے

مقبروں میں دیکھتے ہیں اپنی ہی آنکھوں سے روز
یے برادر، یے پدر، یے خویش، یے فرزند ہیں[3]

تو بھی رعنائی سے ٹھوکر مار کر چلتے ہیں یار
سوجھتا اتنا نہیں ہم خاک کے پیوند ہیں

زلف میں الجھا ہوں تس پر قتل کی تدبیر ہے
کس طرف جاؤں الٰہی پاؤں میں زنجیر ہے

یہ سب باتیں ہیں قاصد، یار میرے گھر نہیں آتا
نہ دیکھوں جب تلک آنکھوں سے، کچھ باور نہیں آتا

صنم کے جی میں ہے گا سوز مر جاوے تو بہتر ہے
الٰہی میں مروں کیوں کر مجھے تو مر نہیں آیا

سنا نہ سوز زمانا تو ناتواں ہیں ہے
جو ہو نمود کی خواہش تو ناتواں رہیے

ایک دن سرو قد کو دیکھا تھا
اب تلک جان پر قیامت ہے

زانو پہ ترے سر ہو اور جان نکل جاوے
مرنا تو مسلّم ہے ارماں نکل جاوے

قطعہ

سوز سے ایک نے پوچھا کہ صنم سے اپنے
اب بھی ملتے ہو بدستور کہ گاہے گاہے

دیکھ کر منہ کو گھڑی ایک میں بھر کر دمِ سرد
یوں اشارے سے جتایا سر راہے گاہے

غرورِ حسن ہے تجھ کو تو مجھ کو تمکیں ہے
تو سنگ دل ہے تو میری بھی آہ مسکیں ہے[4]

رباعی

جو میرے عدو ہیں ان سے تو پار ہوا
مجھ سے لڑنے کو یوں تو تیار ہوا

رہ رہ کے مرے جی میں یہی آتا ہے
اللہ تو مجھ سے ایسا بیزار ہوا

---

1 ل: پہلے آنکھ تو تجھ سے ملا سکے۔ 2 ل: سینے کو ن۔ 3 ل: ہے۔ 4 ل: تحقیق طلب است کہ ایں شعر از میر سوز است یا از دیگرے۔ راقم ذکا۔

رباعی

جب حضرت دل نے اٹھائے حیلے ساتھی بھاگے سب اپنا اپنا جی لے
کہتی تھی یہ کفش میں نہ چھوڑوں گی قدم ☆ اب اس کے بھی ہوگئے ہیں کتنے ڈھیلے

مستزاد

بس سوز عبث دیکھ کے حیراں ہوگا — خوباں کا جمال
دل زلف میں الجھے گا پریشاں ہوگا — مت لے یہ وبال
یہ چال بری ہے تجھ سے نبھنے کی نہیں — آ، مان، کہا
ہنستا[1] ہے کیا بہت پشیماں ہوگا — مت دانت نکال

بیمار کی آ اپنے سر شام خبر لے ❖ اس رات جدائی ہو جو ظالم وہ سحر ے
جب کہا ایک بوسہ دو صاحب منہ پھرا کر کہا کہ لو صاحب
بتاں گر تم بہار چشم گوہر بار دیکھو گے تو ہر قطرے میں اپنا جلوۂ[2] دیدار دیکھو گے
میں تو غبار دل کا یک بار دھو کے، آیا کوچے میں خوبرو کے کل خوب، رو کے آیا

سرسبز، مرزا مینڈو

مرزا زین العابدین خاں عرف مرزا مینڈو سرسبز[3] خلف نواب سالار جنگ بہادر مرحوم ومغفور عمدہ زادہ ایست باحلم وحیا آراستہ وبحلیۂ جودوسخا پیراستہ۔ بسیار سیر مشق۔ دیوانے مشتمل برانواع سخن ترتیب دادہ۔ کلامش خالی[4] از مزہ وکیفیت نیست۔ از وست:

کرتے ہیں جو خاک قدم یار پہ جادو الٹے وہ الٰہی کہیں اغیار پہ جادو
کیا حال گریہ پوچھے ہے ہمدم سرک کہیں اب تو نچوڑ ہے مژۂ اشک بار پر

---

1 ل: ہنستا کیا ہے۔ 2 ل: جلوہ گر۔ 3 مصحفی (ہندی) بہ سنِ ہفتدہ سالگی رسیدہ، دیوانے ترتیب دادہ۔ 4 ل: خالی از مزہ نیست۔ از وست محذوف۔ ☆ ل سے اضافہ ❖ اضافۂ قیاسی۔

شمع جب چہرۂ پُر نور[1] دکھاتی ہے مجھے
یاد عارض میں تری اور جلاتی ہے مجھے

خندۂ گل میں نکلتا ہے کہاں یہ عالم
ہائے کیا وضع تری ہنسنے کی بھاتی ہے مجھے

اس کے کوچہ کی طرف میں تو نہ جاؤں سرسبز
کشش دل ہے کہ کھینچے لیے جاتی ہے مجھے

شب انتظار گذری ہمیں انتظار کرتے
کبھی دوست دوست کرتے، کبھی یار یار کرتے

منہ موڑ لیا تم نے اگر مہرو وفا سے
ہم ہاتھ اٹھانے[2] کے نہیں دست دعا سے

خبر لائی باد بہاری کسی کی
دوچنداں ہوئی بے قراری کسی کی

ترے ہاتھ سے بوئے مشک آئی شانے
مگر تو نے کاکل سنواری کسی کی

میں روتا ہوں سرسبز آتی ہے جب یاد
وہ صورت مجھے پیاری پیاری کسی کی

کب خوش آوے ہے مجھے سیر گلستاں تجھ بن
نظر آتا ہے چمن خانۂ زنداں تجھ بن

اپنے عاشق کی تو بالیں پہ نہ آیا صد حیف
جان دی ان نے بصد حسرت و حرماں تجھ بن

چل تو سرسبز گلستاں میں غزل خوانی کو
بولتے واں نہیں اب مرغ[3] خوش الحاں تجھ بن

سجاد، میر سجاد

میر سجاد سجاد در مشاعرہ قدم از سر ساختہ می پوید و سخن بطور سرآمدان می گوید۔ زاد بومش خطۂ اکبرآباد و بہ حکمت نیز دل نہاد۔ از شاگردان میاں آبرو است۔ ایں اشعار پاکیزہ گفتار از ریختۂ طبع دریابار اوست:

بتوں کے تئیں کس قدر مانتا ہے
یہ کافر مرا دل، خدا جانتا ہے

بتاں تو چاہتے سجاد تجھ کو
کریں پر کیا، خدا نے جو نہ چاہا

آتش غم نے ہم کو سرد کیا
دل پھپھولا ہوا و درد کیا[4]

جان و دل سب قبول ہے جانا
پر گلی میں تری مجھے آنا

میں نے[5] جانا تھا قلم بند کرے[6] گا دو حرف
شوق کے لکھنے کا سجاد نے دفتر کھولا

---

1 ل: عارض پر نور دکھاتی ہے مجھے۔ 2 ل: اٹھائیں گے نہیں۔ 3 ل: مرغ گلستاں۔ 4 محذوف ''در مشاعرہ...... زاد بومش۔ 5 اصل: اضافۂ مؤلف ''از شاگرداں میاں آبرداست''۔ 6 اصل و ل ندارد: اضافۂ قیاسی۔

کیا کرے پاؤں بھی کہ جنگل میں ۔۔۔ کچھ نہیں آبلوں سے چل سکتا

جلنے سے صدق دل کے سبب بچ گیا خلیل ۔۔۔ ٭ وہ بات ہے کی سانچ کو ہرگز نہیں ہے آنچ

مر گئے پر اگر نہیں آسیب ۔۔۔ کیوں یہ رکھتے ہیں قبر پر تعویذ

مرے دل کو جو وہ جلتا سنے گا ۔۔۔ کباب اس رشک سے کیا کیا بھنے گا

ہم کو مارا ہے زلف نے آخر ۔۔۔ سر ستی ہائے یہ بلا نہ گئی

جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں ۔۔۔ سب مزے درکنار ہوتے ہیں

ناخدائی ٹک ایک کر ساقی ۔۔۔ ایک کشتی میں پار ہوتے ہیں

جو دل ہو گلوں سے اٹکتا ہوا ۔۔۔ وہ کانٹا ہے جی میں کھٹکتا ہوا

کس طرح کوہ کن پہ گذریں گی ۔۔۔ ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں

ایک دل رکھتا ہوں جو چاہے سو لے جائے اسے ۔۔۔ خواہ زلفیں، خواہ ابرو، خواہ مژگاں، خواہ چشم

اب جلالے ٹک آن کر ساقی ۔۔۔ عمر کا بھر چکا ہے پیانا

ہرگز آنے نہ دیں گے غیروں کو ۔۔۔ جان ہر چند ہم گئے ہوں گے

ہر سادہ رو مخطط ہو[1]نے کی دھن رکھے ہے ۔۔۔ لیکن کوئی نکالے تیرا سا خط تو لکھ دوں

لخت جگر ہمارا نالوں کے ساتھ کھا کر ۔۔۔ کرتے ہو[2]ہم سے باتیں اب تم چبا چبا کر

باد صبا سے زلف معطر کی ہم[3] تلک ۔۔۔ مدت ہوئی کہ پہنچی نہیں کچھ خبر عطر

دوانے کا نہیں مطلب دوانا ۔۔۔ تو کیوں نامے پہ ہے سطروں کی زنجیر

میرے تمام حال کی تقریر ہے یہ زلف ۔۔۔ روز سیاہ و نالہ شب گیر ہے یہ زلف

جس خوب رو کے دل میں نہ عاشق سے ہو نفاق ۔۔۔ کہتے ہیں سارے اس کے تئیں حسن و اتفاق

سجاد فکر ہم نہ کریں کیونکہ شعر کی ٭ ۔۔۔ لگتے ہیں جا کے یار کے منہ سے سخن میں ہم

ہیں شبستاں شراب کی پیارے بھری ہوئی ۔۔۔ آنکھیں نشے کے بیچ تمھاری گلابیاں

کب اس کے آگے جانے کی قاصد کو تاب ہے ٭ ۔۔۔ نامے کے اب جواب کا قاصد جواب ہے

---

1 ل: ہوں گے۔ 2 اصل/ق: پھر دیکھتے ہوا یدھر آنکھیں ملا ملا کر۔ 3 اصل: ہم تلک۔

٭ ل میں یہ اشعار ندارد۔

نہیں پہنچتے ہیں جب تئیں اس آستاں تلک ۔۔۔ تب تک ہماری خاک کی مٹی خراب ہے

جب کرے ہے ترے دہن کا بیاں ۔۔۔ منہ سے غنچے کے پھول جھڑتے ہیں

تیری وحشی نگہ سے جنگل میں ۔۔۔ بھاگنے پر غزال بیٹھے ہیں

صیت شعر اب مرا ہوا ہے بلند ۔۔۔ شاعروں کو کہو کہ فکر کریں

دیکھو منہدی لگے ان ہاتھوں کو ٭ پھول آکر لگے ہیں بالوں کو

یہ جوں زلف تیرہ ہے ہر دل کی آہ ۔۔۔ نقیبوں سے ملتے ہیں بخت سیاہ

تو روز وصل کے لے بیٹھے پاس کن کن کو ۔۔۔ یہ راتیں ہجر کی کاٹی تھیں میں اسی دن کو

یار کا جامہ ہمیں ہے گا عزیز ۔۔۔ یوسف اپنا پیرہن طے کر رکھے

رات اس زلف کا وہ افسانہ ۔۔۔ قصہ کوتہ بڑی کہانی ہے

بے تکلف ہو سبھوں سے وہ ملے ہے سجاؔد ۔۔۔ دختر رز بھی عجب طرح کی مستانی ہے

عاشقوں کا میاں لہو پی پی ۔۔۔ دم بہ دم تیری تیغ اگلے ہے

ماہرو بن یہ شمع محفل میں ۔۔۔ جیسے روشن ہے سب پہ روشن ہے

سپر داری اس کی کسی سے نہ ہو ۔۔۔ یہ ابرو تری ننگی شمشیر ہے

اگر وہ صبح کو مجرا کسی کا لینے کو ۔۔۔ نکل کے گھر ستی آوے تو ہم سلام کریں

میرا جلا ہوا دل نہیں اس مژہ کے لایق ٭ اس آبلہ کو ناحق کانٹوں میں کھینچتے ہو

پیارے قسم ہے تم کو رقیبوں کے ہاتھ سے ۔۔۔ کھاؤ کبھو جو پان تو میرا لہو پیو

دل کی جمعیت نہ کبھو لب کھول کر ۔۔۔ ہوتے ہیں غنچے پریشاں بول کر

شعر گر وصف چشم میں وہ لکھے (ق) رہے معنی میں اس کے یہ ابہام

کریو باور کہ جس طرح دو مغز ☆ ہوویں توام میان یک بادام

سروؔر، میر محمد

اعظم الدولہ نواب میر محمد خاں بہادر سلمہ المتخلص بہ سروؔر خلف[1] الرشید نامدار والا اقتدار نواب

1 اصل/ق ''خلف الصدق'' بجائے خلف الرشید نامدار والا اقتدار؛ ل: خلف نامدار...... ٭ ل سے اضافہ

ابوالقاسم خاں بہادر[1] معظم جنگ، برادر زادۂ مختار الملک نواب عبدالاحد خاں بہادر بہرام جنگ، بسیار خلیق وشفیق واہل توفیق وقدر شناس، صاحب مروت، نیک اساس، عمدہ معاش، خجستہ قماش است از[2] چندی اشتیاق فراہمی اشعار سخنوران وتالیف تذکرہ بگوشہ خاطر دریا مقاطرش جا گرفتہ۔ اغلب کہ بہ ظہور آید۔ از[3] جدت ذہن رسا وجودت[4] طبع معنی زا وکثرت محاورہ[5] صدہا اشعار چیدہ ومنتخب از بردارد، دیوانے مردف مملو اقسام سخن بقید[6] درآوردہ واشعار آبدار خود را اکثر بہ نظر فیض مظہر میر فرزند علی موزوںؔ گذرانیدہ۔ سخن بہ تلاش می گوید اشعاری چند کہ بہ حسب استدعائے ایں کمترین بخط مبارک[7] خود نوشتہ دادہ، بہ سلک تحریری کشد[8]:

مفارقت میں کوئی کس طرح گذارے دن
سفر سے یار پھرے تو پھریں ہمارے دن

یاد اس زلف کی مت کر کہیں سودا ہوگا
دل، تجھے تازہ جنوں مفت میں پیدا ہوگا

چلی شب، آہ ہم اس غم سے پیچ و تاب کھاتے ہیں
سیہ روزی یہ دیکھو، وے ابھی زلفیں بناتے ہیں

ہم دیکھتے ہی یار کو بیہوش ہوگئے
شکوے جو یاد تھے سو فراموش ہوگئے

خیال قامت دلدار سے اک دل پہ آفت ہے
شب ہجراں نہیں اے ہم نشیں روز قیامت ہے

کچھ بھی مدد ہوئی اگر اس دود آہ کی
لوں گا بلائیں میں تری زلف سیاہ کی

تا مطلع ہو خون شدہ دل کے رنگ پر
بھیجا ہے اس لیے میں کبوتر کو رنگ پر

پھول لالے کا نہ تربت پہ مری گلفام رکھ
تیری آنکھوں کا ہوں کشتہ، یاں گل بادام رکھ

قبر عاشق پہ جو یک بار گذارا کرتے
کشتۂ ناز کو تم زندہ دوبارا کرتے

چرخ تک ہوتی رسائی تو ستاروں کو اتار
مہ جبیں اس ترے منہ پر سے اتارا کرتے

نہ ہو مانع مرے[9] گریہ کا تو اے شعلہ خو ہر دم
بہ رنگ شمع سر کے ساتھ ہے آزار رونے کا

---

1 اصل/ق: ''مرحوم ومغفور'' بجائے معظم جنگ۔ 2 اصل میں ''از چندی......آید'' لکھ کر خارج کو دیا؟ یہ عبارت 'ل' میں بھی نہیں۔ 3 اصل/ق: ''بہ سبب تیزی ذہن'' بجائے از جدت ذہن'' 4 اصل/ق: طبع والا۔ 5 اصل/خ: اصل دُکان علمی ہزار ہا؛ ل: محاورۂ اردوئے معلیٰ۔ 6 اصل/ق: بہ قید نظم۔ 7 اضافۂ مؤلف: مبارک۔ 8 سرور: استفادۂ کتب متداولہ از مرزا جان بیگ سامی مشق سخن از میر فرزند علی موزوں؛ قاسم تذکرہ شعرا بسیار خوب نوشتہ یا شیفتہ: سال وفات 1250ھ۔ 9 ل: مرے رونے پر۔

بس کہ شب گرم طپیدن یہ دل بیتاب تھا — دل نہ تھا میری بغل میں پارۂ سیماب تھا

تھا شب یلدائے ہجراں میں فروزاں شمع ساں — داغ دل کا ہے کو تھا خورشید عالم تاب تھا

جان دی سرورؔ نے کس کے لعل لب کو یاد کر — کھل رہا تربت پہ اس کی لالۂ سیراب تھا

سبزۂ خط گرد لب شاید ہوا اس کے نمود — خود بخود ہمدم جو میرا رنگ کاہی ہوگیا

پھر گئی شام جدائی مری آنکھوں میں آہ ❖ — وصل کی شب میں سحر کا جو اجالا دیکھا

ہووے فلک پہ عقد ثریا نہ جلوہ گر — دیکھے جو تیرے طرۂ دستار کی بہار

کہہ دو[1] یہ اگر ہووے خریدار کوئی شخص — دل بیچنے[2] بیٹھا سر بازار کوئی شخص

یاد اس زلف چلیپا کی سدا رکھتے ہیں ہم — دل کے پیچھے اک بلا ناحق لگا رکھتے ہیں ہم

فرہاد و قیس کیسے یک بار مار ڈالے — اس عشق کینہ خو نے کیا یار مار ڈالے

سحر کو موج سے اپنی بنا صبا زنجیر — چڑھاتے خاک پہ مجنوں کی ہے سدا زنجیر

پھرتی ہے مضطرب سی باد صبا چمن میں — بلبل بتا مجھے بھی کیا گل کھلا چمن میں

ہے مسی کا رنگ یوں ظاہر لب دلبر کے پاس — جیسے نیلوفر کھلا ہو لالۂ احمر کے پاس

عشق میں تنہا نہ آنکھوں ہی کو رو بیٹھے ہیں ہم — زندگی سے اے طبیبو ہاتھ دھو بیٹھے ہیں ہم

باغ میں ہم نے جو دیکھے گل نرگس تجھ بن — زخم دل تازہ ہوا دُکھنے کو آئیں آنکھیں

میں نے سرورؔ کی خبر جا کے جو پوچھی دم نزع — اس نے کچھ بات نہ کی لیک بھر آئیں آنکھیں

کردیا جوں گل قبا پیراہن تدبیر کو — عشق کیا کہیے ترے دست گریباں گیر کو

رقیبوں سے سلجھواتے سدا تم زلف پُرخم ہو — بلا سے آپ کی، درہم ہو کوئی یا کہ برہم ہو

ہم تو ترسیں اور رخ و کاکل کا اپنے غیر کو — ایک بوسہ صبح دو اور ایک بوسہ شام دو

جس دل میں غم عشق بتاں کا نہ اثر ہو — اس دل کو الٰہی تو کبھو[3] شاد نہ کیجو

ناوک ناز کا زخمی ہوں مژہ[4] کا گھایل — کیا عجب ہے جو ہر اک زخم سے پیکاں نکلے

لیلی وشوں کو چاہوں کیونکر نہ میں، خدا نے — مجنوں کو اور مجھ کو دل ایک سا دیا ہے

---

1 اصل میں باقی اشعار بر حاشیہ۔ 2 ل: پیچھے ہے بیٹھا۔ 3 ل: کبھی۔ 4 اصل/ق: نگہ۔

❖ ل میں ندارد۔

قطعہ

بے خطر رکھا تھا دشت عشق میں ہم نے قدم
اے عزیزو دشت وحشت خیز[1] یہ ویرانہ تھا
فکر زادِ راہ بھی مطلق نہ تھی دل میں ہمیں
آبلہ پائی سے اپنی پاس آب و دانہ تھا

رباعی

ہونی تھی اگر اس سے جدائی ہوتی
پر میری اجل بھی ساتھ آئی ہوتی
ڈوبا رہتا ہوں بحرِ غم میں سرورؔ
اے کاش نہ اس سے آشنائی ہوتی

سکندرؔ، خلیفہ محمد علی

خلیفہ محمد علی سکندرؔ اصلش پنجاب ونشو ونما یافتۂ حضرت دہلی۔ شاگرد محمد شاکر ناجی۔ اکثر مرثیہ ہا و مناقبش شہرۂ آفاق است[2] در حیدر آباد رسیدہ بہ رحمت حق پیوست[3] چونکہ بعض ساکنین آں دیار خاکش را بہ کربلائے معلیٰ رسانیدہ اند مرقدش زیارت گاہ مردم آں ضلع است اکثر شراب خواری می نمود چوں او تعالیٰ غفور و رحیم است غالب کہ جرم آں بہ عفو مقرون فرمودہ باشد۔ عکس شاہد کلامش از چہرۂ بیانش آئینہ است و سخن را جامۂ دارائی می پوشاند[4]:

نہ پوچھا اے ماہ رو کیونکر گذاری رات ساون کی
کٹی رو رو برنگ شمع ساری رات ساون کی
عزیزو عیش و عشرت عاشق بیتاب کیا جانے
لگی ہوں جس کی آنکھیں یار سے، سو خواب کیا جانے
عرق آلودہ رخساروں پہ کیا زلف یہ چھائی ہے
سحر گلشن میں ناگن چاٹنے کو اوس آئی ہے
صورت یار تصور میں کوئی لا دیکھے
ہجر میں وصل کو ہر آن مہیا دیکھے
سحر گذرا چمن میں[5] کون سا خورشید رو، یارب
جو شبنم گل کے منہ پر اب تلک پانی چھڑکتی ہے

---

1 ب: اصل/ق: اک۔ 2 ل: ''است'' محذوف۔ 3 اصل: اضافۂ مؤلف ''چونکہ...... باشد''۔ 4 مصحفی (ہندی) در ابتدائے فکرِ شعر بیشتر قصہ خوانی می کرد...... عمرش از پنجاہ متجاوز خواہد بود۔ 5 مصحفی، حیدری: سے؛ ل میں ہر دو ندارد۔

مبادا آگ[1] میرے دل کی تیرے دل کو لگ جاوے
گلے لگنے سے اس دل سوز کے چھاتی دھڑکتی ہے

قیس جنگل میں رہا کوہ میں فرہاد رہا
میں بگولے[2] کی طرح مفت میں برباد رہا

دیکھتے ہی مرے قالب سے گئی روح نکل
تیغ سر پر لیے حیرت زدہ جلاد رہا

نہ سر بر ہوسکی بدلی برس کر کھل گئی آخر
سکندرؔ تیرے رونے سے پھٹی برسات کی چھاتی

بات واعظ کی نہ سن، مدنظر اس کے ہے دور
دختر رز سے لگا تاک نہ رکھ خواہش حور

جاں کنی میں جب نہ مجھ کو بات کی طاقت رہی
تب کہا ناصح نے تو نے ہجر میں کیا کیا سہی

رہ گیا منہ دیکھتے میں[3] اور نہ کچھ منہ سے[4] کہی
اپنے ہاتھوں اور آنکھوں سے اشارے تھے یہی

بشکند دستے کہ خم در گردن یاری نشد
کور بہ چشمے کہ لذت گیر دیداری نشد

ہماری دیکھ لے چشم پُر آب میں دریا
نہ دیکھا ہو جو کسی نے حباب میں دریا

گرا ہے مانگ میں دل میرا آہ ڈھونڈوں کدھر
کہ آدھی رات ادھر ہے اور آدھی رات اُدھر

رباعی

اب[5] زاہدوں سے کیا جھگڑا کروں میں
غصہ سے دل اپنا کیوں کروں اب خوں میں

گمراہ[6] و بت پرست کہتے ہو مجھے
ہوں میں جو کچھ کہ ہوں میں ہوں میں

سعادتؔ، میر سعادت علی

میر سعادت علی سعادتؔ از سادات[7] امروہہ بود خیلی سیر مشق معلوم شد شعرش لطفی دارد:

کس سے پوچھوں دل مرا چوری گیا زلفوں میں رات
ایک جو شانہ ہے سو تیل میں ڈالے ہے ہات

ہوش کھو دیتی ہیں میرا اس کی آنکھیں ے پرست
بس کہ ہوں کم ظرف دو[8] پیالوں میں ہو جاتا ہوں مست

یار سے کیا رقیب لڑتے ہیں
یہ ہمارے نصیب لڑتے ہیں

1۔ مصحفی: آگ لگ جاوے مرے دل کی ترے دل کو۔ 2۔ ل: گردباد۔ 3۔ ل: دیکھنا۔ 4۔ اصل/ق: اپنی؛ ل میں بھی اپنی۔ 5۔ ف: سرور، مصحفی: اے زاہدو تم سے۔ 6۔ ل: بیخوار۔ 7۔ ل: ''از فرزندان حضرت شاہ ولایت'' بجائے ''از سادات''۔ 8۔ ل: ہو جاتا ہوں دو پیالوں میں۔

اہل زر کے سیم تن ہوتے ہیں رام — صید ہوویں جس جگہ دیکھے ہیں دام
شیخ[1] تو جاتا ہے کیوں تسبیح کا واں دام لے — وہ صنم کب رام ہوتا ہے خدا کا نام لے
سعادت کو کبھو ہنس کر جو فرماتے ہو رونے کو — تمھارے امر کو پیارے بجا لاتا ہے آنکھوں سے
مثل آئینہ، سادہ رویوں کی — منہ ہی دیکھے کی آشنائی ہے
واللہ جو سر لوح ترا نام نہ ہوتا — ہرگز کسی آغاز کا انجام نہ ہوتا
بے محابا زلف کے کوچے میں جاتا ہے چلا ❖ سر چڑھایا ہے، بہت[2] کیوں جان من شانہ کے تئیں

سراج

سراج شاعر قدیم از بلدۂ خجستہ بنیاد اورنگ آباد شاگرد رشید میر حمزہ، ملکہ سخن گوئی خوب بہم رساندہ۔ شہر استاد است۔ رباعیات وقصاید وغزلیات[3] وغیرہ وبالتخصیص مثنوی مسمی بہ 'بوستان خیال' ہمہ[4] خوب گفتہ۔ شعرش پُر مضمون و بامتانت وکیفیت آشنا است:

شکر لِلّٰہ ان دنوں تیرا کرم ہونے لگا — شیوۂ جور و جفا فی الجملہ کم ہونے لگا
رفو گر کو کہاں طاقت جو زخم عشق کو سیوے — اگر سینا مرا دیکھے رفو چکر میں آجاوے
رات[5] دن رونے سے آنکھوں میں تری رہتی ہے — شاخ نرگس اسی پانی سے ہری رہتی ہے

مصرع دویمی اخیر از شعر نواب وزیر الممالک بہادر توارد گشتہ واللہ اعلم اول کدام گفتہ۔

خبر تحیر عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی[6] — نہ وہ تو رہا نہ وہ میں رہا جو رہی سو بے خبری رہی
شہ بے خودی نے عطا کیا مجھے جب لباس برہنگی — نہ خرد کی بخیہ گری رہی نہ جنوں کی پردہ دری رہی
وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی دیا درس عالم عشق نے — کہ کتاب عقل کی طاق میں جو دھری تھی وہیں دھری رہی
نگہ تغافل یار کا گلا کس زباں سے ادا کروں — کہ شراب صد قدح آرزو خم دل میں تھی سو بھری رہی
کیا راکھ آتش عشق نے دل بے نوائے سراج کو — نہ خطر رہا نہ حذر رہا، جو رہی سو بے خبری رہی

1۔ اصل: یہاں سے چار شعر حاشیے پر۔ 2۔ اصل/ق: ہٹ تم نے بہت۔ 3۔ ل: غزلیات خوب گفتہ شعرش پُر مضمون۔ 4۔ ل: ہمہ با کیفیت است — باقی عبارت محذوف۔ 5۔ اصل: 'ل' لکھ دیا ہے۔
6۔ ل: یہ شعر اور اس سے پہلے کی عبارت محذوف۔ ❖ ل: میں یہ شعر ندارد۔

مثنوی[1] مسمیٰ بہ بوستان خیال از تصنیف آں بزرگ یادگار است۔ ازاں ایں ابیات کہ دربیان ابتدائے عشق واظہار الفت ویک رنگی یار خود گفتہ بقلم می دہد:

جہاں حسن ہے آتش افروز عشق ۔۔۔ وہاں گرم جوشی میں ہے سوز عشق
جہاں حسن کا باغ سیراب ہے ۔۔۔ وہاں بلبل عشق بیتاب ہے
جہاں حسن کی شمع ہے نور بار ۔۔۔ وہاں عشق قرباں ہے پروانہ وار
جہاں حسن کا گرم بازار ہے ۔۔۔ وہاں جوشش دل خریدار ہے
مگر حسن ہے خسروِ محتشم ۔۔۔ کہ ہے عالمی، بندۂ بے درم
جہاں صورت خوب ہے جلوہ گر ۔۔۔ فرشتہ بھی دیکھو تو ہو بے خبر
نہیں خوبصورت کا طالب سو کون ۔۔۔ نہیں جس کو یہ شوق غالب سو کون
غرض میں بھی صورت کا مشتاق تھا ۔۔۔ یہاں تک کہ مشہور آفاق تھا
ولیکن کسی کا نہ تھا بے قرار ۔۔۔ کہ دل جس پہ ہوجائے بے اختیار
بغیر اس کے دل خوش نہ ہو ایک آن ۔۔۔ نہ پاوے کسی وجہ آرامِ جان
یہی محض اک دید کا شوق تھا ۔۔۔ ہر اک مجمعِ حسن کا ذوق تھا
سو اک دن ہوا چوک کا اتفاق ۔۔۔ سبھی تھے مرے ساتھ اہل وفاق
وہی شمع کاشانۂ دلبری ۔۔۔ چراغِ شبستان جادو گری
یکایک ہوا سامنے جلوہ گر ۔۔۔ نگہ تشنۂ خون ہر بے جگر
بدستورِ اول کہ مدت سے تھا ۔۔۔ کیا مجھ کو جھک کر سلامِ ادا
نپٹ مجھ کو پیارا لگا وہ سلام ۔۔۔ مگر رخصتِ ہوش کا تھا پیام
نہ تھا وہ سلام، آفت ہوش تھا ۔۔۔ جو کچھ تھا سو طوفان کا جوش تھا
وہ ناز و تبسم، وہ طرز و نمط ۔۔۔ وہ زلف و نگہ، چشم و لب، خال و خط
مجھے ایک سے ایک مرغوب تھا ۔۔۔ سراپا قیامت کا اسلوب تھا[2]

1۔ اصل میں یہاں 'لا' لکھ دیا ہے اور مثنوی کے اشعار کے سامنے لکھا ہے۔ ''بخیال طوالت نوشتن ضرور نیست''۔ 2۔ اصل میں یہاں 'الی' لکھا ہے گویا یہاں تک لکھے ہوئے اشعار خارج کر دیے گئے ہیں۔

نہیں[1] حقیقت میں حسن و عشق جدا طوق قمری ہے طرۂ شمشاد

تجھ بن مجھ آنسوؤں کے شراروں کی کیا کمی جس رات مہ نہ ہووے ستاروں کی کیا کمی

انھیں کیوں کر نہ اس دل سے بھبھوکے کبھو تھے آشنا ہم بھی کسو کے

رقیب اس طور جلتے ہیں ہمیں دیکھ گویا رشتہ میں ہیں اس شمع رو کے

غزل

چمن میں گل بدن جب قامت رعنا سے آتے ہیں بہشتی چھوڑ جنت سایہ طوبیٰ سے آتے ہیں

مراد خاص اشک و آہ طوف کعبۂ دل ہے کوئی دریا سے آتے ہیں کوئی صحرا سے آتے ہیں

ہجوم داغ کے طرے بنائے غم کے مالی نے عجب پھولوں کے دونے گلشنِ سودا سے آتے ہیں

نہ پوچھو خود بخود کرتا ہوں تعریف اس کی قامت کی یہی مضمون مجھ کو عالمِ بالا سے آتے ہیں

کہو کیوں کر رہے فوج خودی کا مورچا قایم کہ یہ قلقل کے گولے قلعۂ مینا سے آتے ہیں

سراؔج اس ہستی موہوم کا احوال لکھنے کو عدم کے صاف تختے، کشور عنقا سے آتے ہیں

تم پر فدا ہیں سارے حسن و جمال والے کیا خط و خال والے کیا صاف گال والے

نہیں ہے تاب مجھے سامنے ترے جاناں کہاں سراؔج کہاں آفتابِ عالم تاب

عجب وہ سروِ گلزار ادا خوش قد ہوا واقع پر بلبل نہالِ گل کہ دست رد ہوا واقع

ہائے رہ گئی دل میں دامنگیریوں کی آرزو سبزۂ تربت ہے میرا پنجۂ گیرا ہنوز

نہیں ہوا اس شمع رو کے عشق میں داغ اک سراؔج ہیں وہ حسن آتشیں کے ایسے پروانے کئی

سائلؔ، مرزا محمد یار بیگ

مرزا محمد یار بیگ سائلؔ[2] اصلش از ازبکستان و مولدش ہندوستان جنت[3] نشان۔ پیشتر بہ

---

1 حاشیہ مؤلف: ابیات بدستور سوائے مثنوی (یہ چار شعر حاشیے پر ہیں)۔ 2 مصحفی: سپاہی پیشہ......در ابتدا شاگرد شاہ حاتم و بعد ازاں رجوع بہ مرزا محمد رفیع سوداؔ...... 3 اصل: اضافۂ مؤلف: جنت نشاں (ل میں ندارد)

متخلص بود بعد چندی سائل تخلص گردانیده۔ مدتی[1] شاگردی شاہ حاتم نمودہ، طبع عالی داشت۔ متانت افکارش از اشعارش ہویداست:

فرق پر گرچہ بتاں طرۂ زر رکھتے ہیں — ہم بھی مشعل کی نمط[2] شعلہ بسر رکھتے ہیں
نہ دیکھا زندگی بھر اس کو سائل — بھروسا کیا نگاہ واپسیں کا
اٹھ گیا جب کہ تیقن کو جہاں اپنا ہے — جس جگہ بیٹھ گئے پھر وہ مکاں اپنا ہے
شاخ کو کوئی ہلاوے تو ثمر جھڑتا ہے ❊ اپنی ہر جنبش مژگاں سے گہر جھڑتا ہے
وہ حمایل ہوگیا دست شکستہ کی طرح — آہ میں نے جس کو اپنا قوت بازو کیا

سخن، حکیم محمد حسین خاں

حکیم محمد حسین خاں سخن مردیست[3] طبیب اصلش[4] از خطۂ کشمیر جنت نظیر و مولدش دہلی۔ فکر خوب دارد و بہ وسعت اخلاق بہ رفع دل تنگی خویش و بیگانہ می پردازد و از مغتنمات است۔ اکثر فکر فارسی[5] و گاہ گاہی ریختہ ہم موزوں می فرماید:

جوں ہی جان نکلی وو ہیں آن نکلا — بھلا مرتے مرتے تو ارمان نکلا

ساقی

ساقی[6] تخلص شخصی باشندۂ اطراف دکن است۔ بہ ریختہ گوئی زبان می فرساید۔ بیتی از و بہ تلاش کثیر بہ بندہ ذکارسیدہ:

حلقۂ زلف و بنا گوش و رخ اس کا دیکھ لے — جس نے دیکھا ہو نہ یک جا، ہالہ و گرداب و شمع

1۔ اصل: اضافۂ مؤلف ''مدتے...... نمودہ'' ل میں 'مدتی' محذوف۔ 2۔ ل: طرح۔ 3۔ ل میں ''مردیست طبیب'' محذوف''۔ 4۔ اصل/ق: 'در دہلی' بجائے ''اصلش...... دہلی'' ل میں صرف 'از خطۂ محذوف اور 'دہلی' کے بعد'' قوم بدخشی مردے طبیب است''۔ 5۔ اصل/ق: فکر فارسی می سازد و در ریختہ ہم موزوں می فرماید۔ 6۔ اصل: ساقی، سلیمان، سلیمان برحاشیہ۔ ❊ ل میں یہ شعر ندارد۔

سلیماںؔ

میاں[1] سلیمان شخصی از شعرای قدیم بود بہ فکر سخن درمی ساخت این[2] ابیاتش بدست آوردم ازوست:

تجھ انتظار میں پیارے مثال آئینہ　　تمام عمر پلک سے مری پلک نہ لگی

سادہ لوحی میں جو کچھ کہتا تھا سو سنتے تھے ہم　　اب تو خط نکلا ترے اے شوخ منہ اپنا سنبھال

سلیمانؔ

سلیمانؔ پسر خواندۂ مرزا[3] محمد رفیع سودا مغفورست۔ در[4] لکھنؤ می باشد، بیتے از اشعار پاکیزہ تلاشش بمن درخورد:

بس کہ اب خلق کے اوپر تری بیدادی ہے　　جو کوئی ہے سو ترے ہاتھ سے فریادی ہے

سرورؔ، حمایت اللہ خاں

حمایت اللہ خاں سرورؔ ساکن شاہجہاں آباد پسر عالم خاں مغفور کہ بر علاقۂ خدمت داروغگی خاصہ حضور معلیٰ مقرر بود، ایں ہم بر عہدۂ پدر بزرگوار خود قایم مقام گردیدہ و در ہم چشماں وقاری پیدا کردہ، از شاگرداں میاں نصیر است۔ بایں بندہ ذکاؔ ہم اخلاص دارد:

زنجیر کی جو کان میں آتی صدا نہیں　　مجنوں کے سلسلے میں کوئی کیا رہا نہیں

سرشارؔ، تلوک چند

تلوک چند سرشارؔ قوم کھتری ساکن دہلی متصدی پیشہ، معاملہ رس، صاحب شعور، اہل مروت است۔ فکر تازہ دارد، در وادی سخن طرازی مستانہ می رود۔ از اُفت و خیز کلامش می امتحان می جوشد:

---

1 ل: 'میاں' محذوف۔ 2 ل: ''ایں...... آوردم محذوف۔ 3 ل: مرزا رفیع سوداؔ است۔ 4 ل: 'در لکھنؤ' تا آخر ندارد۔

اس سج سے وہ دلبر چلے خوبوں میں اکڑ کے — جوں ماہ ستاروں[1] میں پھرے رات کو اڑ کے
مارا ہوا اس ابروئے خمدار کا سرشار — پانی بھی نہ مانگے کبھو، وو ہیں پڑا پھڑ کے

سپاہی، میر امام بخش

میر امام بخش سپاہی تخلص معلم ساکن دارالخلافہ از[2] شاگردان میاں نصیر است۔ خط نستعلیق درست می نویسد۔ شمشیر سخن دانی در معرکۂ سخنوری عالم کردہ۔ ایں ابیات تالیف کردۂ اوست[3]:

رہے ہے شمع پروانہ کی دامن گیر آتش میں — نہیں ہے موج، دود شعلہ، ہے زنجیر آتش میں
وجود مس پہ میرے چرخ[4] نے کی ہے زر افشانی — مہوس ڈال دے جلدی تو اب اکسیر آتش میں
سپاہی یہ تن سوزاں، ہے میرا اس طرح اب تو — گلے ہے جس طرح سے آہن شمشیر آتش میں

سیفؔ، مرزا سیف علی

مرزا سیف علی سیفؔ[5] تخلص، از رفیقان طالب علی خاں[6] مرحوم کہ بعہدۂ داروغگی پلٹن سرخ[7] امتیاز داشت۔ اکثر[8] مناقب می گفت وکم کم[9] ریختہ می گفت۔ ایں بیت اوراست:

شتاب آ کہ ترا عاشق اب سسکتا ہے[10] — زبان بند ہے آنکھوں سے خوں ٹپکتا ہے

سبقت، مرزا مغل بیگ

مرزا مغل بیگ سبقتؔ اصلش ایران وحالا در لکھنؤ قیام پذیر گشتہ خلف الصدق مرزا اکبر علی[11]

---

1 اصل/ق: ستاروں کو چلے؛ ل: ستاروں میں چلے۔ 2 اصل/ق: آں صاحب فتوت اہل شجاعت است بجائے ''از شاگرداں......می نویسد''۔ 3 ل: 'اوست' محذوف۔ 4 اصل/ق: خاک۔ 5 اصل: اضافۂ مؤلف: سیفؔ تخلص۔ 6 ل: نواب طالب علی خاں۔ 7 اصل/ق: سرخ پلٹن۔ 8 ل: اکثر مناقب وکم کم ریختہ می گفت۔ 9 اصل/ق: ''وگاہے ریختہ ہم گویند کہ سیف تخلص ہیچ می کرد'' بجائے ''وکم کم ریختہ می گفت''۔ 10 اصل/ق: جگر سے آہ اور؛ ل: زباں ہے بند اور۔ 11 مصحفی (ہندی) مرزا علی اکبر۔

اخوند، شاگرد رشید میاں قلندر بخش جرأت، طالب علم جید است بلکہ قریب بہ فضیلت رسیدہ۔ ایں اشعار پاکیزہ گفتار از طبع عالی و خاطر معنی زای اوست:

عشق میں ہم کو خدا نے ہے گرفتار کیا — ورنہ کس واسطے اس بت کو طرح دار کیا

تا بہ کجا یہ اضطراب دل نہ ہوا ستم ہوا — جان لبوں پہ آ گئی تو بھی قلق نہ کم ہوا

میں ہی کچھ تنہا نہ اس کو دیکھ مفتوں ہو گیا — ہر کوئی اس غیرت لیلیٰ کا مجنوں ہو گیا

کل سیر کو وہ آئینہ رو جا بجا پھرا — حیران ہو کہ میری طرف کیوں نہ آ پھرا

دن تو جوں جوں تری فرقت میں گزر جاوے گا — رات آخر کو تڑپ کر کرئی مر جاوے گا

تیرے کوچے سے تو گھر اپنے چلا ہے سبقت — پر یہ معلوم نہیں ہے کہ کدھر جاوے گا

خیال از بس رہا شب خواب میں دامان جاناں کا — نہ دیکھا صبح کو اک تار بھی اپنے گریباں کا

یہ دل پر لے چلے ہیں ہم جو اپنے داغ ہجراں کا — نہیں بہتر چراغ اس سے کوئی گور غریباں کا

جدا ہوتے تھے گر اک دم تو پھر ہم دونوں مرتے تھے — یہی کہتے[1] ہیں اور مرتے ہیں وے دن کیا گزرتے تھے

ناقۂ لیلیٰ جو ٹھیرا وادی مجنوں میں آہ — بولی کیا[2] اے ساربان تیرا یہاں دل لگ گیا

دامن بھرا ہے گرد سے آج اس نگار کا — پامال دل ہوا ہے کسی خاکسار کا

جب سے ترے فراق میں ہوں گرم گریہ میں — ہنگامہ تب سے سرد ہے ابر بہار کا

ہم بھی غلام اپنے بتوں کے ہیں زاہدا — بندا اگر ہے اپنے تو پروردگار کا

کچھ فائدے کی بات دلا اختیار کر — کیا فائدہ ہے گریۂ بے اختیار کا

سبقت سناؤں کیونکہ خبر دل کو یار کی — احوال جانتا ہوں میں امیدوار کا

نام لے سکتا نہیں اس غمزۂ سفاک کا — ڈر سے کہتا ہوں کہ ہوں مارا ہوا افلاک کا

ٹھنی ہے اب یہی دل میں کہ کم کسی سے ملیں — نہ کوئی ہم سے ملے اور نہ ہم کسی سے ملیں

کٹ گئی عمر اسی حیرت و ارمان کے بیچ[3] — آئیں[4] گے کب وہ مرے کلبۂ احزان کے بیچ

ڈھونڈوں کیوں اور کہیں جمع ہے خاطر میری — دل مرا آپ کی ہے زلف پریشان کے بیچ

---

1 ل: یہی کہتے تھے مرتے ہیں عجب دے دن گذرتے تھے۔ 2 ل: ترا یہاں اے ساربان۔ 3 اصل: یہاں سے بقیہ اشعار حاشیہ پر۔ 4 ل: آویں گے۔

عرق شرم رکھے کیونکہ نہ پیشانی شمع — ہے خجل منہ سے ترے چہرۂ نورانی شمع
کچھ بھی پروانہ کے رمز اس سے نہ مفہوم ہوئے — جھوٹ نکلا سبھی دعوایِ زباندانی شمع
تم جو لکھو گے چھپا کر مجھے اغیار سے خط — دیجو قاصد کو مرے رخنۂ دیوار سے خط
وصل کی شب، میں تو کہتا ہوں لپٹ کے سوئیے — اور وے کرتے ہیں ہٹ یعنی کہ ہٹ کے سوئیے
میں بلائیں صبح تک لیتا رہوں گا آپ کی — دیجیے ہاتھوں کو میرے اب نہ جھٹکے، سوئیے

سعید، قاضی سعیدالدین خاں

قاضی سعیدالدین خاں سعید، خلف قاضی نجم الدین خاں ساکن قصبہ کاکوری من مضافات صوبہ اودھ۔ درحضور صاحبان عالیشان صدر دام اقبالہ ارثا[1] بخدمت قضائے دارالامارت کلکتہ ودیگر امکنہ ہاماموراست۔ مردم معزز ومکرم وقابل پرست واز علوم متعارفہ بسیار ماہرو۔ باخبر است در 1822[2] عیسوی بہ شاہجہاں آباد وارد گشتہ برخی از کلام خوبی التیام خود انعام شایقان ایں فن بخشید۔ بندۂ ذکا بعضی ازاں مرقوم می گرداند۔

اپنی خاطر میں کہاں آئے گلستان کی بو — ہم نے سونگھی ترے پاکیزہ گریبان کی بو
جو رمشکیں میں ترے کیا کہوں کیسی ہے مہک — شب کو جوں پچھلے پہر ہو چمنستان کی بو
نکہت زلف کا جھوکا جو کبھی لائی صبا — دب[3] گئی باغ میں بس سنبل وریحان کی بو
بزم میں اپنی مجھے دیکھ وہ گل ناک چڑھا — بولے آتی ہے کہیں سے دل انسان کی بو
ابھی کنگھی نہ کرو اور بھی کھولے رہو سر — جی کو غش کرتی ہے اس موئے پریشان کی بو
بے دماغی ہوا سے کیوں کہ نہ ملنے سے مرے — کہ پری کو نہیں خوش آتی ہے انسان کی بو
ہار سے گل کے وہ چھاتی ہے معطر ایسی — جوں ہوں مطبوع کہیں پھولوں کی دوکان[4] کی بو
ہم تو غش ہو گئے تھے لگتے ہی منہ اس کے سعید — پر معالج ہوئی کچھ سیب زنخدان کی بو

سیادت، میر مجاہدالدین

میر[5] مجاہدالدین سیادت شاگرد میر نظام الدین ممنون سلمہ ساکن لکھنؤ فکر خوب دارد: .

---

1 ل: ''ارثا'' محذوف۔ 2 ل: 1842۔ 3 ل: ڈھل گئی۔ 4 ل: دکان۔ 5 اصل/ق: میر نجم الدین۔

مثل نسیم میں [1] تو پھرا صبح ہر کہیں   پر وہ گل شگفتہ نہ آیا نظر کہیں

سیّد، مرزا قطب علی

مرزا قطب علی معروف بہ قطب عالم المتخلص بہ سیّد متوطن سکندر آباد مردی عالم و دانای جہاں بود با مرزا لطف علی فرزند رشید آں بزرگ [2] در قصبہ اجراڑہ ملاقی شدہ بودم روزی بر سبیل مذکور اشعار والد بزرگوار خود کہ یاد خاطر داشت پیش [3] ایں عاصی ذکا بخوانداز اں ایں ابیات بہ زبان قلم نیاز رقم حوالہ ساختہ۔ گفتگوی او بہ زبان اساتذہ قدیم مطابقت دارد [4]:

تیری نگاہ شوق سے گل لالا ہوگیا ❖ نرگس کا پیالا پیتے ہی متوالا ہوگیا

برسات میں نہ دیکھا صنم کو ہمارے ساتھ ❖ اتنا سحاب رویا ندی نالا ہوگیا

چشم سیاہ شوخ نے کیسی نظر کری ❖ تن میں لگی ہے آگ ہرن کالا ہوگیا

حاجت نہیں کفن کی تمھارے شہید کو ❖ ایسا لگا ہے تیر کہ پر کالا ہوگیا

جادو کرے ہے شہر میں سیّد کا ریختہ ❖ دیکھو سکندرہ سبھی بنگالا ہوگیا

سلاّم، نجم الدین علی خاں

نجم الدین علی خاں [5] سلام مولد اکبر آباد خلف شرف الدین علی خاں پیام کہ ذکرش در ردیف ہای فارسی گذشت کلامش ناخن بدل است وطرز [6] دلپذیر دارد:

حدیث زلف چشم یار سے پوچھ   درازی رات کی بیمار سے پوچھ

سپاہی

سپاہی بود متخلص بہ سپاہی بہ آب چاہ ذقن پسر سقائی گلوتری ساخت روزی از غلبان شوق

---

1 ل: صبح پھرا میں تو۔ 2 ل: بزرگوار۔ 3 اصل/ق: ایں عاصی انواع المعاصی؛ ل میں 'ایں' محذوف۔
4 اصل/ق: مطابق است۔ 5 اصل: ''خاں'' اضافۂ مؤلف۔ 6 اصل/ق: 'وضع' بجائے ''طرز''؛ ل: ''وطرزِ دلپذیر دارد'' محذوف۔ ❖ ل میں یہ اشعار ندارد۔

برزبان آورد کہ از دم خنجرت دم آبی آرزو دارم طفل از شوخی گفت بسم اللہ، جوان خنجری از کمر کشیدہ بہ دستش داد و پیشش بہ خوابید۔ آن مست بادۂ طفولیت بر سینہ اش نشستہ قطرۂ آبی از جوی خنجر بہ حلقش بچکانید و بے نیاز آب کوثر ساخت، چوں ایں قصہ فاش شد مردم از ہر طرف دویدند و اورا بقصاص کشیدند۔ مردانہ جواب داد کہ کار معشوقاں عاشق کشی است۔ ہمہ ہا رحم بر طفلی اش آوردند و گذاشتند:

مسخر ہفت کشور تن میں ہو تک دل سپاہی کر ‏ ‏ ‏ ‏ سر پر اپنا بنا پھر دونوں جگ میں پادشاہی کر

ساؔمی، مرزا محمد جان

مرزا[1] محمد جان بیگ ساؔمی اصلش از دشت قبچاق۔ والدش در خطۂ کشمیر[2] بود۔ بعد چند سال در بلدۂ دہلی آمدہ استقامت ورزید۔ از مریدان حضرت خواجہ میر رحمۃ اللہ علیہ بود تاریخ بسیار خوب وبمضامین برجستہ می گفت۔ گویند قصیدہ در مدح خورم خاں حاکم کشمیر تصنیف کردہ، دراں جودت طبع آزمودہ کہ از ہر مصرعش دو تاریخ سالم بر می آید۔ ہم چنیں در مدح پیر و مرشد خود رباعیات و ترجیع بند وغیرہ بسیار گفتہ وصنایع وانی وبدایع کافی بکار بردہ۔ برائے تفنن طبع وبہ ترغیب[3] بعضی از آشنایاں اشعاری چند بزبان[4] ریختہ کہ از زادہ ہائے طبع والا[5] ی خود بر روی کار آوردہ، دریں کارستان مثبت افتاد:

افسوس کہ اغیار ہوئے یار تمھارے ‏ ‏ ‏ ‏ غماز بنے محرم اسرار تمھارے
مرغان قفس دن کو تڑپتے ہیں ولیکن ‏ ‏ ‏ ‏ دن رات تڑپتے ہیں گرفتار تمھارے
ہم گھر میں تمھارے کہو کس راہ سے پہنچیں ‏ ‏ ‏ ‏ دشمن ہیں ہمارے در و دیوار تمھارے
جب گرم غضب ہوتے ہو تم لیتے میں بوسہ ‏ ‏ ‏ ‏ ڈرتے نہیں آتش سے گنہگار تمھارے
نی شمع نہ مشعل ہیں نہ خورشید ہیں نی ماہ ‏ ‏ ‏ ‏ برق دو جہاں سوز ہیں رخسار تمھارے
چھپ جاتے ہیں اس حسن کی خوبی سے وگرنہ ‏ ‏ ‏ ‏ باللہ کہ بد ہیں سبھی اطوار تمھارے

رباعی

ہندی میں زباں نہیں الٹتی ‏ ‏ ‏ ‏ کہلانے کو گو مغل پسر ہوں

---

1 اصل/ق: مرزا جان۔ 2 اصل/ق: چندے در خطۂ کشمیر۔ 3 اصل/ق: بہ تکلیف۔ 4 اصل: اضافۂ مؤلف: بزبان ریختہ۔ 5 ل: 'طبع والای' محذوف۔

گر سہو بھی ہو تو کیا اچنبھا ☆ بے عیب خدا ہے میں بشر ہوں

سحرؔ، محمد خلیل

محمد خلیل خاں سحرؔ شخصی اہل دول از عمدہ زادہ ہاے دکن شنیدہ می آید۔ گویند کہ سرآمدۂ[1] وقت خود و از مشاہیر سخنوران آں ضلع است۔ ایں حقیر پُر جرم و تقصیر فدوی، ذکاؔ را ہمیں دو شعر[2] از طبع زاد آں بخت بلند دست داد:

گر سامنے میرے[3] وہ مرا حور لقا ہو ☆ پھر دیکھیے اسلوب مرا اُس گھڑی کیا ہو
یارب دے اس کا یوں مجھے بوس و کنار دست ☆ لب[4] لب سے وصل ہووے گلے کا ہو ہار، دست

سخنورؔ رائے دیوالی سنگھ

رای دیوالی سنگھ سخنورؔ قوم کایستھ، مہین پور[5] رای جے سنگھ رای منشی حضور فیض نشور۔ مرد قابل و خوش خلق و متواضع و بسیار معزز و مکرم است۔ شعر خود را بہ اصلاح سید الشعراء میر غالب علی خاں سیدؔ آب و تاب دادہ۔ ایں[6] اشعار گرم گفتار از زادۂ طبع آں اقبال منداست:

گریاں رکھے ہے بن تیرے یہ چشم تر مجھے ☆ طوفان نوح آئے ہے اب پھر نظر مجھے
ہوتی عیاں ہے صورت ہستی و نیستی ☆ جوں نقش پا ہمیشہ سر رہ گذر مجھے[7]
اس رشک گل بغیر سخنور نہیں قرار ☆ یعنی رہے ہے بے کلی دو دو پہر مجھے

سخنؔ

سخنؔ تخلص از معاصران مرزا رفیع سوداؔ و میاں شرف الدین مضمونؔ بود۔ کلام[8] بطور آں وقت

---

1. اصل/ق: ''در بعضے مقام بجائے شاعری ساحری بکار می برد' بجائے ''سرآمدہ......است''۔ 2. ل: دو شعر از دہم رسیدہ۔ 3. ل: میرا۔ 4. اصل/ق: بوسے سے لب پہ لب ہو۔ 5. اصل/خ: صاحب شعور۔ 6. ل: 'از دست' بجائے ''ایں اشعار......است''۔ 7. اصل/خ: اس زلف و رخ کی یاد میں دل بیقرار ہے؛ روتے ہی روتے گذرے ہے دو دو پہر مجھے۔ 8. اصل/ق: کلام۔ ☆ ل سے اضافہ۔

می گفت مگر تلاش آں[1] می کرد[2]:

سمرن کروں ہوں تیرا ہر صبح و شام دل میں   شرمندہ تا نہ ہوؤں میں اپنے من کے آگے

سعدیؔ

سعدیؔ تخلص حضرت شیخ سعدی شیرازی[3] رحمۃ اللہ علیہ از بس کہ جامع الکمالات بود و مردی خدارسیدہ، و نسبت کلی باصل[4] مالک می داشت۔ سخنش مقبول جناب کبریای صمدیت و کلام بے نظیرش مطبوع انواع طریق و ملت۔ بعضی برآنند کہ بہ ہمیں تخلص پیش از ولی شاعر بہ دیار دکن شخصی دیگر بہ شاعری نام برآوردہ بود لیکن عندالتحقیقات[5] معلوم شد کہ ایں گوہر بے بہای از ہماں دریکتای کان بحر خوبی و سخنوری است۔ از آں جا کہ گفتگوی شاعران آں زماں از محاورۂ حال مطابق نیست لہٰذا، بحسب[6] رواج تذکرہ بہ مختصر نویسی پرداختہ ہمیں دو شعر تبرکاً برروی قلم آوردہ:

ہم نے تمن[7] کو دل دیا تم نے لیا اور دکھ دیا   ہم یہ کیا تم وہ کیا ایسی بھلی[8] یہ ریت ہے

قشقہ چو دیدم بررخش گفتم کہ یہ کیا ریت ہے   گفتا کہ ڈر ہو باورے اس شہر کی یہ ریت ہے

سوزاںؔ، شمس الدین

شیخ شمس الدین سوزاںؔ ساکن فرخ آباد، اصلش از دہلی، شاگرد محمد میر سوزؔ، مرد سپاہی و شوخ طبع گستاخانہ گفتگو دارد۔ ایں[9] دو بیت از گفتۂ[10] او دریں نسخہ می نگارد:

ہردم مجھے دھمکاتے ہو تلوار پکڑ کے   جاؤ کہیں گھر سے تو نہیں آئے ہو لڑ کے

---

1 اصل: اضافۂ مؤلف 'آں'۔ 2 ل: ''ومیاں...... میں کرد کے بجائے 'است'۔ 3 دراصل سعدیؔ دکنی کہ دراصل یہی درست ہے۔ سعدی شیرازی ساتویں صدی ہجری کے ایرانی شاعر و ادیب ہیں، اگر ان کا ہندوستان آنا درست بھی ہو، تب بھی اردو زبان یا ہندوی جیسی کے دو شعر مثال میں دیے ہیں، اس وقت کہاں وجود میں آئی تھی، چنانچہ ذکاؔ کی تحقیقات، جن کا دعویٰ ہے، درست نہیں۔ 4 اصل/ق: بخداوند عالی۔ 5 اصل/ق: چوں تحقیق نمودم؛ ل: عندالتحقیق۔ 6 اصل: اضافۂ مؤلف: بحسب رواج تذکرہ۔ 7 ل: ہمن۔ 8 ل: کہاں کی۔ 9 اصل/ق: ایں (لیکن شعر رو ہی)۔ 10 ل: از وست۔

دو چار رفیقوں [1] پہ نہ دھمکائیو ہم کو ٹل جائیں گے دو ہاتھ جو مارے کہیں کڑ کے

سوزاںؔ، احمد علی

مرزا احمد علی سوزاںؔ ساکن لکھنؤ المخاطب بہ شوکت جنگ، خلف رشید مرزا علی خاں انساںؔ با اعزاز و مردی ممتاز، عمدہ معاش خوش خلق فصاحت بیان واقع شدہ۔ اکثر اشعار دلپذیرش ناخن بدل است از [2] تصنیف شریفش ایں ابیات دریں مقام مثبت افتادہ:

مجنونِ شکستہ پا ہے پیچھے کہدیجو پیام سارباں کا

مت دل [3] بتوں سے ملیو کہنے پہ جا کسو کے ہرگز ہوئے نہ ہوں گے یہ آشنا کسو کے

ناحق ہے جان کھونی الفت میں بے وفا کی اس لاابالے کو غم، مرنے سے کیا کسو [4] کے

ستارؔ، عبدالستار

عبدالستار ستارؔ [5] از سکنۂ بلدہ لکھنؤ۔ بیشتر بہ مرثیہ و مناقب گوئی مایل و مصروف است [6]، گاہ گاہی ریختہ ہم می گوید۔ ایں [7] مطلع دل گزیں از وست:

ہے گماں تیرا کدھر کس وہم و نادانی میں ہے پیش آتی ہے وہی جو کچھ کہ پیشانی میں ہے

سلطاںؔ، قلی بیگ

سلطان قلی بیگ سلطان [8] جوانی سپاہی پیشہ نیک اندیشہ است گاہی ماہی بہ سخن گوئی سرخوش دارد و کلام [9] مرغوب می گوید۔

روئے ہیں ہم اس قدر تجھ بن لب دریا کہ اب [10] دیکھیے جا کر جہاں آثار ساحل اٹھ گیا

---

1 ل: رقیبوں۔ 2 ل میں یہ جملہ محذوف۔ 3 ل: دل مت بتوں سے ملیو؛ اصل/ق: مت دل لگا بتوں سے (مصحفی- ہندی- میں بھی اسی طرح)۔ 4 اصل نیز ل: کسی (شاید سہواً)۔ 5 اصل میں حاشیے پر۔ 6 ل: 'است' ندارد۔ 7 ل: یہ عبارت محذوف۔ 8 اصل: حاشیے پر۔ 9 اصل/ق: ''ورطب و یابس'' بجائے ''وکلام مرغوب''؛ ل: وکلام مرغوب می گوید۔'' محذوف۔ 10 ل: آب۔

سیدؔ، میر غلام رسول

میر غلام رسول سیدؔ از پیرزاده ہائے مستقر[1] الخلافہ اکبرآباد مسموعہ می شود۔ گویند کہ خود را از اساتذۂ آں دیار می پندارد۔ بہر حال[2] ایں افراد از گفتہای آن بزرگ است:

شہ خوباں کی تو باتیں ہیں سبھی شان کے ساتھ | غمزہ و ناز و ادا، اس کی ہے اک آن کے ساتھ
خوب رویوں کے تو ملنے سے نہ باز آئے گا دل | یہ تو بدخو نہیں جانے کی، مگر جان کے ساتھ
بالا تو بلا چاند سا مکھڑا ہے بھبوکا | اک بقے کا عالم ہے سراپا ہے بھبوکا
یاد آتا ہے وہ شوخ تو، کیا دل کی طپش سے | سینے میں سے اک آگ کا اٹھتا ہے بھبوکا

سبحانؔ، میر عبدالسبحان

میر[3] عبدالسبحان سبحانؔ تخلص شخصی از شاگردان شاہ مبارک آبرو[4] بودہ است۔ بعضی ایں شعر را بنام میر سجاد سجادؔ مشہور می کنند مگر در اصل از ہمیں شخص است:

جان و دل سب قبول ہے جانا | پر گلی میں تری مجھے آنا

سپاہیؔ، شاہ قلی خاں

شاہ علی خاں سپاہیؔ تخلص[5] مردے اسم با مسمی بود۔ اکثر اوقات بہ تلاش سخن مصروف می شد[6]:

ملنا تمھارا غیر سے کوئی جھٹ کوئی سچ کہے | کس کس کا منہ موندوں میاں کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

سخنؔ

سخنؔ[7] تخلص، وی، سخنؔ، تازہ گو صاحب تلاش است در اضلاع جنوبیہ بیشتر بہ قصیدہ گوئی مایل

---

1 اصل/ ق: ''از ساکنین'' بجاے مستقر الخلافہ؛ ل میں ہر دو محذوف۔ 2 اصل/ ق: ''سیہ بیت'' بجاے بہر حال ایں افراد؛ ل میں پندارد کے بعد حرف از وست۔'' 3 اصل میں پہلے صرف ''سبحان'' تھا۔ ''میر عبدالسبحان...... تخلص'' بعد کا اضافہ ہے۔ 4 اصل: ''بودہ است'' اضافہ۔ 5 ل: 'تخلص' ندارد۔ 6 اصل/ خ: ایں مطلع از گفتۂ اوست۔ 7 ل: 'تخلص' محذوف۔

می گردد وغزلیات ہم از وسرانجام یافتہ۔ این[1] ہشت ابیات من جملہ قصیدہ[2] از حسن تلاش اوست:

جلوہ[3] حسن شقایق کی کہوں کیا میں مثل — آتش طور بھڑکتی ہے بہردشت و جبل
رنگ ہے رنگ چمن پر کہ تماشے کے لیے — شاہد نکہت گل آئے ہے[4] پردہ سے نکل
فیض واشد ہے اس ایام میں علم ایسا کچھ — خود بخود ہووے ہے حل عقدۂ مالا ینحل
اس قدر سبز ہے صحرا بھی کہ اب گلشن سے — سرو اک پاؤں سے ہے سیر کا مشتاق کہ چل
دیکھ کر خوبی شاخ گل شبوۓ چمن — کیا[5] عجب ہے پڑے فوارہ بھی[6] اک بار اچھل
اس لیے تیغ دو دم کھینچے ہے نت صبح بہار — تا خزاں کا چمن دہر سے مٹ جائے خلل
صحت آگیں ہے ہوا بس کہ، تعجب کیا ہے — دور ہوجائے اگر چشم سے نرگس کی کہل
شاہد رنگ گل آغوش میں شاید آجائے — اس لیے قوسِ قزح کھولے[7] ہی رہتی ہے بغل

سفرؔ، سفر شاہ

سفر[8] شاہ سفرؔ سید زادۂ آزاد وضع، مسکینیت مزاج، وارستہ طبع است۔ در[9] دہلی بہ حویلی داراشکوہ بہادر بعنوان بے نوایان در عالم تجرد و بے طمعی بہ ریاضت معبود مطلق بسر می بردو بتوکل قانع بودہ بااہل دنیا غرض[10] و مطلبی ندارد۔ طبعش بدرد آشنا است:

آیا ہے مسافر یہ لیے نام سفر کا — یاں آتے ہی کرتا ہے سر انجام سفر کا
گھبرایا ہوں معمورۂ دنیا سے میں مردم — ہے دھیان مجھے صبح سے تا شام سفر کا

سرورؔ، میر فیض علی

میر فیض علی سرورؔ ساکن قصبہ اجراڑہ از اولاد سید ابراہیم برادر سید شمس الدین قدس سرہ کہ

---

1 اصل/ق: این ہفت۔ 2 اصل/ق: قصیدہ بہار از تلاش؛ ل: از حسن تلاش۔ 3 مصحفی (ہندی) گردمی حسن شقایق۔ 4 ل: ہیں۔ 5، 6 اصل/ق: گر۔ 7 ل: بھولے ہے اپنی ہی۔ 8 اصل میں سفر کا ترجمہ حاشیہ پر۔ 9 اصل: اضافۂ مؤلف ''در دہلی''۔ 10 اصل/ق: مہر سکوت برلب می نہد (می داشتہ) وسوائے اصل مالک بہ کسے از اہل دنیا مطلبے وسروکارے نمی دارد۔ طبعش موزوں و یک گونہ بدرد آشناست۔ بجائے عرض...... طبعش۔''

روضۂ [1] متبرکۂ آن جناب در قصبۂ مذکورہ واقع است۔ اکثر معجزات [2] و خوارق عادات آن بزرگ اظہر من الشّمس و خلقی بہ نیک اعتقادی اوتن در دادہ و بہ مقصد دلی کامیاب شدہ در ہر سال بتاریخ ہفتدہم شہر ذی قعدہ بتقریب عرس انبوہ رقاصہ [3] ہا و قوالاں فراہم می شود، و جمعی غفیر از اکناف و حوالی ایں جا رسیدہ بہ زیارت سراپا افادت [5] مستفیض می گردد۔ بندۂ ذکا ہم [4] بہ نیل ایں دولت عظمیٰ و مواہب کبریٰ معزز و مباہی گشتہ۔ بہ شوق تحصیل علوم از وطن مالوفہ بر [6] خاستہ خود را بہ دہلی افگندہ، گاہ گاہے بہ سخن طرازی ہمت می گمارد و اشعار خود را بہ نظر میر عزت اللہ عشق می در آرد۔ از وست:

نہ قصد کعبہ ہم کو، نی سر بت خانہ رکھتے ہیں ☆ تصور دل میں تیرا رات دن جانانہ رکھتے ہیں
صدف ہم کس لیے منت کش باران نیساں [7] ہوں ☆ کہ چشم تر سے ہر آنسو دُر یک دانہ رکھتے ہیں
نہیں [8] کچھ کام اے ہمدم ہمیں اب شیخ و زاہد سے ☆ کہ ہم بیر طریق اپنا مغ میخانہ رکھتے ہیں

سلیمانؔ

سلیمانؔ تخلص شخصی تازہ مشق است بہ اصلاح کلام و فکر ریختہ گوئی سعی موفور بظہور می رساند بہر حال خوش می گوید ایں [9] بیت مولفۂ اوست:

تجھ سے ظالم سے ملا، دیکھیو طراریٔ دل ☆ کچھ بھی دھڑکا نہ کیا، بل بے جگر داریٔ دل

سہرابؔ، مرزا سہراب بیگ

مرزا سہراب بیگ سہرابؔ قوم مغل مرد شایستہ و قابل [10] باشندہ دار الخلافہ شاہجہاں آباد

---

1 اصل/ق: مرقد۔ 2 اصل/ق: کرامات۔ 3 اصل: ''طوائفان و رفیقان از اطراف میرٹھ و ہاپوڑ وغیرہ آں نواح''؛ ل: رقاصہ ہا و نقالاں۔ 4 اصل/ق: ایں بندۂ ذکا کہ نسبت خویشی بجناب فیض مآب رائے ذوقی رام صاحب مدظلہٗ دارد۔ ازیں جہت اکثر در قصبۂ مذکور وارد شدہ بہ نیل ایں دولت عظمیٰ۔ 5 اصل/خ: مختصر کلام ایں کہ میر فیض علی شاعر ہذا؛ ل: شاعر ہذا بہ تحصیل علوم۔ 6 اصل/خ: خود۔ 7 ل: احسان۔ 8 ل: ہمیں کچھ کام اے ہمدم نہیں۔ 9 اصل/ق: ایں بیت او تالیف کردہ؛ ل میں عبارت ندارد۔ 10 اصل: از باشندہ۔

است تلاش برجستہ دارد و اشعار تصنیف خود را بہ نظر استادان وقت[1] می گذراند۔ بہر کیف ایں ابیات از و نسبت دارند:

الٰہی اس کو رکھوں کس طرح میں داب سینے میں	بسان برق تڑپے ہے دل بیتاب سینے میں
قتل کرتے ہیں ترے دست حنائی مجھ کو	جب سے دیکھی ہے کلائی نہ کل آئی مجھ کو

مطلع ثانی

کاش دم جائے نکل تو ہو رہائی مجھ کو	جاں بلب لائی ہے یہ تیری جدائی مجھ کو
افزود اس سے بھی ہو سینہ کا داغ روشن	یارب رہے ہمیشہ دل کا چراغ روشن
کچھ رتبۂ سخن نہیں جاہل کے سامنے	سہرابؔ شعر پڑھ کسی عاقل کے سامنے
تیرے آواروں کو ذرہ نہیں آرام کہیں	مثل خور پھرتے ہیں ہم صبح کہیں شام کہیں

قطعہ

تو ہی بتلا تو بھلا حرف شکایت سہرابؔ	رہے کس طرح نہ میرے لب اظہار سے مل
یا تو اک دم نہ جدا مجھ سے وہ ہوتا تھا شوخ	یا مرا دشمن جاں بن گیا اغیار سے مل

---

1. ل: وقعت

ردیف الشین المعجمہ

شعاؔع، مرزا محمد اکبر

دوحۂ حدیقۂ سلطنت و بادشاہی، گل گلزار خلافت و شاہنشاہی، تمکن گزین چار بالش شوکت و اقبال، مربع نشین وسادۂ تمکنت و اجلال، حضرت ولی عہد مرزا محمد اکبر شاہ بہادر المتخلص بہ شعاؔع دام ظلہ و افضالہ، مہین پور ظل اللہ گیتی پناہ حضرت شاہ عالم بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہٗ وسلطنتہٗ۔ در عہد حیات مہین پور خلافت شاہزادۂ والا جناب مرزا جہاندار شاہ بہادر بہ منصب وزارت عظمیٰ اعزاز و امتیاز کلی داشت و بعد رحلت آں برگزیدۂ رحمت ایزد غفار، بہ عہدۂ ولی عہدی حضرت شاہنشاہ جم جاہ تفوق جست۔ گردوں اقتدار، کوہ وقار، ستودہ اطوار، پاکیزہ کردار، صاحب عقیدت، نیک دین، ریاضت گذار، اہل یقین، سخاوت شعار، قدر دان، حاتم وقت، فیاض زماں، سرآمد دانایان جہاں، سردفتر عقلای دوران، لایق سلطنت و اورنگ آرائی، قابل خلافت و کشور کشائی۔ ہمگی احترام فیض التیام بہ رفاہیت جمہور انام و پرورش خاص و عام مصروف دارد۔ گاہ گاہی بہ تصنیف اشعار متوجہگی خاطر می فرماید۔ حقیر سراپا تقصیر فدوی ہیچ مداں ذکاؔ ایں لولوی آبدار از معدن دریای آں بحر خوبی و سخنوری بہ سلک تحریر منسلک و منتظم می گرداند:

تجھ زلف کے سودے سے یہ دل کیونکہ بر آوے   تا حشر نہ چھوٹے یہ بلا جس کے سر آوے
واں بار شعاؔع ذرہ نمط ہم کو کہاں ہے   دن رات جہاں مجرے کو شمس و قمر آوے

شگفتہؔ، مرزا بیدار بخت

مرزا بیدار بخت المعروف بہ مرزا حاجی صاحب ادام اللہ تعالیٰ اقبالہٗ شگفتہؔ تخلص، گوہر شب چراغ بزم سلطنت و جہانبانی، خلف الصدق حضرت صاحب عالم و عالمیان، مرزا جہاندار شاہ بہادر انار اللہ برہانہ، بہ محمد آباد بنارس علم کشش است ظل رفاہیت رفا است و شرفا پروری بہ ساکنین آن

اطراف افگندہ وہم چو جناب والا اقتدار[1] والد ماجد خود، داد سخاوت و ناموری درداده۔ چند[2] شعر رنگینش کہ بہ سمع نیاز رسیدہ، مثبت[3] نمودہ:

گر نہ وہ آرام جاں بہر عیادت آئے گا
اے شگفتہ، درد دل تیرا یہ کیوں کر جائے گا

وہ چلا مجھ پاس سے تو بولے یوں مرغان باغ
دل جو اس کا ہے شگفتہ، ہائے اب مرجھائے گا

نہ دن کو چین ہے اور ہے نہ شب کو خواب ہمیں
فراق[4] نے تیرے کیا کیا کیا خراب ہمیں

دکھایا غیر کو واں تونے آتشیں رخسار
کیا اس آتش غیرت نے یاں کباب ہمیں

یہ آرزو ہے شگفتہ کہ اس کی راہ میں چرخ
بٹھاوے نقش قدم کی طرح شتاب ہمیں

کبھو تو گھر سے نکل لے خبر شگفتہ کی
تیری گلی میں کراہا کرے ہے ساری رات

جو جھوٹے وعدے سے بھی ہووے تو تسلی بخش
تو کچھ بھی جینے کا اب مجھ کو آسرا ہووے

شگفتہ بخت ہوں جب[5] اپنے غنچہ ودل کا
جو میرے اس گل خنداں کو کچھ ہوا[6] ہووے

ساقی ہے، سیر باغ ہے، ابر بہار ہے
تیرا ہی رشک گل! فقط اب انتظار ہے

ہد ہد پہ چشم قہر سلیمان کی قہر ہے
صاحب یہ تخت کا ہے تو وہ تاجدار ہے

حاجت ہماری خاک پہ کچھ شمع کی نہیں
روشن دلوں کا دل، تہ لوح مزار ہے

جاگا ہے رات بھر تو کہیں بزم غیر میں
آنکھوں میں نیند کا تری اب تک خمار ہے

مشکل ہے میری اس کی ہو صحبت برار آہ
میں جلد باز ہوں وہ تغافل شعار ہے

شریفؔ، میر محمدی

میر محمدی شریف[7] پسر سید جعفر خاں بہادر[8] ناظم صوبہ مرشد آباد درایام دولت نواب معلی القاب امیر الامراء نجیب[9] الدولہ بہادر عفی اللہ عنہ بخانہ خود مراختہ می نمود۔ کلامش بسیار[10] برجستہ است و کمال متانت و فصاحت دارد۔ ایں ابیات دل آویز کہ[11] نوشتہ شد بہ بندۂ[12] ذکا رسیدہ من

1 اصل/ق: والد والا اقتدار۔ 2 اصل/ق: دو شعر؛ ل: چند اشعار۔ 3 ل: 'مثبت نمودہ' محذوف۔ 4 ل: ترے فراق نے۔ 5 ل: جب ہی۔ 6 ل: خبر۔ 7 ل: شرف۔ 8 اصل/ق: کہ ناظم صوبہ مرشد آباد بود۔ 9 ل: نجیب الدین۔ 10 ل: تلاش و۔ 11 ل: از دوست۔ 12 اصل/ق: بمن بجائے ''بندہ ذکا''۔

کلامہ:

کبھو ادھر جو قدم رنجہ خوش خرام کرے — کرے جو کام[1] ہمارا تمام کام کرے

شرف ہے نام[2] کا بندا، سن اے مرے صاحب — اسے برنگ نگیں منہ لگا کے نام کرے

عکس ہے کس مہ جبیں کا دل نشین آئینہ — ہم تنگِ کبک دری ہے سر زمین آئینہ

صاف دل کا مرتبہ ہے عرش و کرسی سے بلند — جلوہ گر ہے آسماں زیر زمین آئینہ

ظاہرا اہل صفا کو ہے سفر[3] اندر وطن — بے سبب نہیں گرد آلودہ جبین آئینہ

اہل دل صاحب ہنر ہیں پر نہیں کرتے نمود — ہے شرف جوہر نہاں درآستین آئینہ

خاکساری[4] میں تردد، سخت بے تاثیر ہے — پاؤں میں ریگ رواں کے موج ہی زنجیر ہے

توتیائے چشم مردم خاکساراں کیوں نہ ہوں — فی الحقیقت خاکساری نسخۂ اکسیر[5] ہے

مے وحدت سے ہوئی پیری میں کچھ اور سے اور — صبح دم میکشو البتہ ہوا پھرتی[6] ہے

شاہ، سعد اللہ

شاہ سعد اللہ متخلص بہ شاہ مرد درویشی است در عظیم آباد خیلی مرتض[7] و حق شناس اہل تفرس نیک قیاس فکر خوب دارد و کلام دردمندانہ می گوید:

وابستہ ہے تجھ سے اپنی یاں زیست — جب تو ہی نہیں تو پھر کہاں زیست

نہ باغ بھاوے ہے، مجھ کو نہ بھاوے کشت مجھے — جہاں ہو یار مرا، ہے وہیں بہشت مجھے

کھبے ہے اس قدر آنکھوں میں خوبصورت یار — کہ رہ گیا نظر آنے سے خوب وزشت مجھے

کسو کے تکیۂ[8] مخمل سے کام کیا ہے شاہ — بہت ہے سر تلے رکھنے کو ایک خشت مجھے

---

1 ل: 'کام' محذوف۔ 2 ل: کام۔ 3 ل: آئینہ۔ 4 ل: وطن میں بھی سفر۔ 5 ل: خاکساروں۔
6 ل: اکثر۔ 7 اصل/خ: رباعی حسب حال خود چناں گفتہ:۔

قزاق نہیں کہ لوٹ لاتے ہیں ہم — نوکر بھی نہیں کہ روز پاتے ہیں ہم

کیا پوچھتے ہو یارو حقیقت اپنی — اللہ دیتا ہے اور کھاتے ہیں ہم

8 سرور: بالش مخمل۔

شوکتؔ، مرزا علی

مرزا علی شوکتؔ در لکھنؤ است برادر صغیر مرزا مغل سبقتؔ۔ طبع خوش دارد و انسان نیک ذات ستودہ صفات واقع گشتہ۔ دیوانے مختصر از تصنیف خود فراہم آوردہ و مرد پُر فتوت و ذی مروت[1] است از گفتہ اش دو شعر بایں کمترین رسید:

کوئی نہیں کہ یار کی لادے خبر مجھے　　اے سیل اشک تو ہی بہادے ادھر مجھے
غمزہ ہے بلا عشوہ ستم ناز غضب ہے　　آفت ہے کچھ اس حسن کا انداز غضب ہے

شوقؔ، مولوی قدرت اللہ

مولوی قدرت اللہ شوقؔ از رامپور است۔ گویند[2] کہ از علوم رسمیہ خوب بہرہ دارد و خود را بہ ملک الشعرائی آں[3] دیاری نامد واللہ اعلم مگر از فحوای کلامش معلوم می شود کہ تلاشی[4] کامل دارد۔ ایں فرد از وست:

اے خدا یوں بھی کبھی تیری خدائی ہوگی　　کہ مجھے اس کی جدائی سے جدائی ہوگی

شفیقؔ، مرزا مظہر علی خاں

مرزا مظہر علی خاں عرف مرزا بدھن شفیقؔ[5] تخلص۔ از خواصان بادشاہی است، مرد خلیق و نیک سیرت، خوش فکر، پاکیزہ مزاج، ظریف الطبع، باابتہاج واقع شدہ۔ در شاہجہاں آباد قیام دارد۔ سخنش لطافتی پیدا کردہ:

گھونگھٹ کو تمھارے اب منہ پر سے اٹھا لیجے　　آتا ہے یہی جی میں سینے سے اگا لیجے
جاتے ہیں یہاں سے ہم آخر کو تو اے ساقی　　اک ساغر مے ہم کو اب اور پلا لیجے
عشق کے سودے نے آکر آہ پھر گھیرا مجھے　　ہوگیا دشوار یارو ایک دم جینا مجھے

---

1 اصل: اضافۂ مؤلف ''ذی''۔ 2 ل: ''گویند'' محذوف۔ 3 ل: درآں دیاری ماند۔ 4 اصل/ق: سخن بہ می گوید: ''کامل'' اضافۂ مؤلف۔ 5 سرور: شاگرد ثناء اللہ فراق۔

ہجر نے تیرے کیا یاں تک مجھے پیارے تباہ
جس نے دیکھا حال میرا ہاتھ مل کر رہ گیا

چشم پر آب نہیں جام ہے کچھ یار بغیر
دم بہ دم دیکھ بہاتا ہے یہ آنسو شیشا

آگے آنکھوں کے مری ہوگیا عالم تاریک
زلف سرکاوے ذرا مکھڑے سے اے یار شتاب

بے روئے یار کھٹکے ہے مانند خار گل
گو کھل رہے ہیں باغ میں بلبل ہزار گل

آرام زندگی میں تو معلوم اے شفیقؔ
کرنے نہ پائے جا کے عدم میں بھی خواب ہم

شفیق بحر جہاں میں یہ زندگی اپنی
ہے ایک دم میں ہوا جوں حباب پانی میں

ہم ننگ و نام اپنا برباد کررہے ہیں
دشت جنوں کو یعنی آباد کررہے ہیں

گر ہاتھ میں ہے تیرے سر رشتۂ محبت
جوں تار سبحہ دل میں ہر اک کے راہ کیجو

دیکھ اس خورشید رو کو سوکھ جاتے ہیں یہ اشک
آگے سورج کے کہاں رہتی ہے شبنم کی گرہ

شفیقؔ آئینۂ دل کو صفا کیا خاک پتھر ہو
کہ خاطر اس غبار فکر دنیا سے مکدر ہو

شرفؔ، شیخ شرف الدین

شیخ شرف الدین حسین شرف [1] مردیست خلیق، زیر قدم گاہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکن وماوا دارد واوقات در وجہ معاش داروغگی کچہری کروڑ دارالخلافہ شاہجہاں آباد می گذارد۔ بیشتر [2] مرثیہ ومناقب وتواریخ وغیر آں از وسرانجام یافتہ۔ گاہی بہ تصنیف ریختہ ہم می پردازد حسب الاستدعائے ایں عاصی چند اشعار کہ بخط خود نوشتہ دادہ ازاں ایں افراد بقید تحریر [3] درآوردہ:

اب دن پھرے ہمارے یہ ہم پر عیاں ہوا
وہ مہ جبیں جو رات کو پھر مہرباں ہوا

ہمیں اس خاکساری پر بھی تو ناشاد مت کیجو
ہوائے ہجر سے اپنی کہیں برباد مت کیجو

شفیعؔ، محمد شفیع

محمد شفیع شفیعؔ شخصی [4] نیک محضر، پاکیزہ سیر، خوش اطوار، سعادت آثار بضلع شرقیہ است۔

1۔ نام سے پہلے ''شفیق محبت گزیں''۔ 2۔ ل: مناقب ومرثیہ۔ 3۔ ل: 'در' محذوف۔ 4۔ حیدری: میر محمد شفیع؛ عشقی: 1215 کے لگ بھگ لکھنؤ میں مقیم تھے۔

ایں شعراز و نسبت دارد:

رات کیا ہوگیا تھا تجھ کو شفیعؔ جب کھلی آنکھ روتے ہی دیکھا

شوقؔ، حسن علی خاں

حسن علی خاں، شوقؔ مردی سپاسی پیشہ متوطن شاہجہاں آباد، از شاگردان سراج الدین علی خاں آرزو۔ صاحب دیوان فارسی و ریختہ، بسیار خوش فکر بود۔ از تصنیف آں والانژادایں چند اشعار دریں جا مثبت افتادہ:

دکھا دیدار اے پیارے کہ میں فرقت سے مرگزرا مری فردائے محشر آج ہے میں کل سے درگزرا

کسی کو باغ دنیا سے نہ دیکھا ہم نے خوش جائے برنگ شبنم اک عالم یہاں سے چشم تر گزرا

آج آملو تو بہتر وعدا غلط ہے کل کا جوں طفل اشک میں تو مہماں ہوں [1] کوئی پل کا

میں اپنی کم زبانی سے عزیزو گرچہ مرتا ہوں لب زخموں سے قاتل کا ادائے شکر کرتا ہوں

مطلع ثانی

عبور بحر دنیا، میں سبکباری سے کرتا ہوں حباب آسا شمار دم سے بے کشتی گذرتا ہوں

آچکا خط بھی یہ تیرا نت نیا اک ناز ہے ہوچکی آخر بہار اور اب تلک آغاز ہے

سنتے ہی نہیں یہ بت گمراہ کسو کی ان ساتھ کٹے کس طرح اللہ کسو کی

ماتم میں میرے کوئی نہ رویا تو غم نہیں تربت پہ میری شمع کا ہنسنا بھی کم نہیں

سراپا آرسی ہے دیدۂ بیدار پر تو بھی تری اس چشم خواب آلودہ آگے ہو نہیں سکتی

مدت سے یہ بحث درمیاں ہے پر علم نہیں [illegible] کمر۔ کہاں [illegible] ہے

اگر قاصد ترے کوچے سے اب جلدی نہ آوے گا ٭ تو پیارے یہ سمجھ رکھیو کہ میرا جی ہی جاوے گا

رباعی

اس دور میں بدقماش اکثر دیکھے تھے وے جو غلام تاج برسر دیکھے

1۔ ل: ہوں آج کل۔ ٭ ل سے اضافہ

اے گنجفہ باز چرخ تیرے ہاتھوں اوراق جہاں تمام ابتر دیکھے

شرافتؔ، مرزا اشرف علی

مرزا اشرف علی شرافتؔ از لکھنؤ[1] از امرای مشہور است، تلاش[2] خوب دارد۔ مرد صالح و نیک خصلت، ستودہ اطوار، پاکیزہ سیرت، خوش کردار[3] دریافت شد۔ شعر خود باصلاح استاد رونق دادہ و دریں فن کثرت بہم رسانندہ۔ من کلامہ[4]:

چمک کے برق نے کی دل پہ شعلہ باری رات نظر میں پھر گئی دامن کی وہ کناری رات
قبضہ پہ تو نے ہاتھ جب اے فتنہ گر رکھا عیسیٰ نے دونوں ہاتھوں سے دل، تھام کر رکھا
ضد تجھے صید افگنی کی جب صنم چڑھ جائے ہے سیلِ خونِ صید تا بامِ حرم چڑھ جائے ہے
کیا ہی زہریلا ہے اس کا افعی زلف سیاہ ہاتھ میں لیجے اگر اس کو تو سم چڑھ جائے ہے

شوقؔ، روشن لعل

روشن لعل شوقؔ از دہلی خلف لالہ سیوک رام برادر[5] زادہ رای چھتر سنگھ موزوںؔ، قوم کا-تھ سکسینہ، در ستار نوازی و موسیقی مہارتے دارد۔ انسان خلیق و یار باش است۔ چندی بصلاح و مشورت ایں[6] بندہ ذکاؔ سخن می گفت و از میاں نصیر الدین نصیرؔ اصلاح می گرفت حالا ترک نمودہ:

عقدۂ دل نہ کھلا ناخن تدبیر کے ساتھ آخرش کام پڑا پنجۂ تقدیر کے ساتھ
گردش چشم دکھانا نہ گل اندام کہیں یعنی ٹوٹے گی صراحی کہیں اور جام کہیں

شکیباؔ، شیخ غلام حسین

شیخ غلام حسین شکیباؔ ساکن شاہجہاں آباد شاگرد میر[7] محمد تقی میر۔ دیوانی مشتمل بر قصائد و

---

1 اصل/ خ: نبیرۂ میر شرف کہ۔ 2 ل میں ندارد۔ "تلاش...... دارد۔" 3 اصل: اضافۂ مؤلف 'خوش کردار'۔ 4 ل: تندش خوب دارد (سرور نے بھی انھیں میر نظام الدین ممنون کا شاگرد لکھا ہے)۔
5 اصل: کا-یتھ سکینہ۔ 6 اصل: "ایں" اور "ذکا" اضافۂ مؤلف۔ 7 ل: 'میر' محذوف۔

غزل ورباعیات وغیرہ تصنیف نمودہ واکثر مدح وہجویات ہم ازوبخوبی سرانجام یافتہ۔ بسیار سیر مشق وموزوں طبع است۔ سخنش کمال فصاحت ولطافت دارد۔ علاوہ بریں انسان مؤدب ومہذب وبہ حلیۂ صدق ووفا وبخوبی خلق وصفا آراستہ وپیراستہ است[1]۔ ایں اشعار دل آویز از جودت طبع آں خوش گفتار اندراج یافتہ۔

اس چشم سرمہ سا کی نظر کیوں نہ گرم ہو ٭ اتری ابھی ہے سان پہ تلوار گرم ہے
چپکا ہوں میں طبیب، یہ امکان ہی نہیں
تو نبض دیکھتا ہے یہاں جان ہی نہیں
زلف میں الجھے ہیں، گر کاکل کا سلجھایا ہے پیچ
دام میں الفت کے ہم نے پیچ پر کھایا ہے پیچ
فقط جب سے تمھارے ہورہے ہیں
مخالف سب ہمارے ہورہے ہیں
تری چین جبیں ہے موج دریا
اسی سے ہم کنارے ہورہے ہیں
جھلک دیکھی کہیں اس نورتن کی
حجاب آلودہ تارے ہورہے ہیں
نگہ کی جو ہیں بس وُہیں جاں ہوا تھی
نگہ کیا کوئی ناگہانی بلا تھی
کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا
کہ مدنظر ہم کو رسم وفا تھی
یاد اس ساق بلوریں کی دلائی مجھ کو
شمع نے آگ نئے سر سے لگائی مجھ کو
بلوہ میں شکیبا کی ترے لاش پڑی تھی
آ دیکھ لے تو بھی سر میدان تماشا
جستجو اس کی جو کی تجھ کو بھی پایا ہم نے
کی دل گمشدہ نے راہ نمائی مجھ کو
تجھ بن اے یار شکیبا کی بری[2] حالت ہے
زندگی اس کی نہیں دیتی دکھائی مجھ کو
نہ پوچھو ماجرا ہجراں کی شب کا سخت آفت ہے
مہ تاباں بھی سر پر میرے خورشید قیامت ہے
دن نہ تجھ بن چین جی کو، شب نہ دل کو تاب ہے
تابش مہر قیامت جلوۂ مہتاب ہے
لالہ ساں بیٹھ اس چمن میں کون خوش دل اٹھ گیا
داغ بر دل اٹھ گیا جو، پائے در گل اٹھ گیا
تا لب گور آیا جو ہمرہ، سو مثل بدرقہ
آہ پہنچا کر ہمیں نزدیک منزل اٹھ گیا
طالع ناساز سے حیراں نہ ہوں کیونکر کہ آج
آئینہ رو بیٹھ کر میرے مقابل اٹھ گیا
کب دل وحشی زدہ بیٹھے ہے قید زلف میں
توڑ کر آخر وہ دیوار سلاسل اٹھ گیا

1۔ ل: 'است' محذوف۔ 2۔ ل: 'بری ہے حالت'۔ ٭ ل میں ندارد۔

گذرے جب ہستی سے ہم، آیا نکل اس کا جمال
مانع دیدار تھا پردا جو مایل، اٹھ گیا

وائے نادانی کہ ہم یاں رہ گئے بیٹھے ہوئے
دیکھ کر وضع جہاں کو تھا جو عاقل اٹھ گیا

نیم بسمل اس نے گر چھوڑا سکتا، غم نہیں
پر یہ غم ہے، اعتبار دست قاتل اٹھ گیا

شغل مے تم کو تو واں محفل مستاں میں رہا
یاں عجب[1] لخت جگر آہ نمکداں میں رہا

سوز دل، درد جگر، کاوش غم، داغ فراق
ہم پہ کیا کیا نہ ستم دوری جاناں میں رہا

شیدا، خواجہ ہنگا

خواجہ ہنگا شیدا اصلش خطۂ جنت نظیر کشمیر و مولدش خاک پاک دہلی، شاگرد[2] میر محمدی بیدار، علاقہ بند حلل سخن بود۔ سر رشتہ کلام را صاف تاب دادہ:

جانیں مشتاقوں کی لب تک آئیاں
بل بے ظالم تیری بے پروائیاں

آنکھوں میں چھا رہا ہے از بس کہ نور تیرا
ہر گل میں دیکھتا ہوں رنگ ظہور تیرا

وہ صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں
اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں

تو وہ حسن و جمال رکھتا ہے
جس سے مہ انفعال رکھتا ہے

تیرے ابرو کے ہو سکے سمکھ
کب یہ طاقت ہلال رکھتا ہے

تجھ سے شیدا طلب کرے بوسہ
جھوٹ ہے، کیا مجال رکھتا ہے؟

چھوڑتا ہوں دیکھیو صید افگن اس نخچیر کو
ورنہ نام ابرو کماں رکھیں گے تیرے تیر کو

شعلہ خو میرے کو اور آتش کا پر کالا کیا
آگ لگ جاوے مری اس آہ بے تاثیر کو

لے کے دل اے دل ربا، کیوں قسم کھاتے ہو تم
❖ ہم نظر بازوں کے آگے سے کہاں جاتے ہو تم

پرزے ہوئے ہیں تن کے ٹکڑے ہوئے جگر کے
تو بھی گلی سے تیری عاشق کہیں نہ سرکے

آنکھوں نے اور دل نے رسوا کیا ہے ہم کو
کیا کہیے غیر[3] کے تئیں دشمن ہوئے ہیں گھر کے

پیمانہ عمر کا یاں لبریز ہو چکا ہے
تو بھی شتاب ساقی مے دے ایاغ بھر کے

کیا اس فصل گل میں سخت ظلم اے باغباں تو نے
چمن سے عندلیبوں کا اجاڑا آشیاں تو نے

1۔ ل: عبث۔ 2۔ اصل: اضافۂ مؤلف ''شاگرد میر محمدی بیدار''۔ 3۔ ل: کو اب۔ ❖ ل میں ندارد۔

اے نامہ بر زبانی کہنا، جو وقت پائے — صد آفریں ہے تم کو، شاباش، خوب آئے

دوری میں تیری ظالم یہ حال ہے ہمارا — بن آب جیسے ماہی خشکی میں تڑ پھڑائے

مت کرو صید افگنو تم قصد اس نخچیر کا — ہے یہ کشتہ اور اک ابرو کماں کے تیر کا

ہوگیا مجھ سے جدا وہ یار، یہ کیا ہوگیا — یک بہ یک اے چرخ کج رفتار، یہ کیا ہوگیا

صاف کرتے ہی میں آئینۂ دل ٹوٹ گیا — جلوہ گاہ رخ دلدار نہ ہونے پایا

☆ چشم مے گوں دیکھتے ہی ہوگیا یک بار مست — تھا تو شیدؔا تو بڑا ہشیار یہ کیا ہوگیا

❖ شیدؔا سنی اس شوخ کی کچھ تو نے شرارت — دل چھین یہ کہتا ہے دبے پاؤں نکل جا

منہ دیکھی بات میں نہیں کہتا ہوں راست ہے — آئینہ سے ہے صاف رخ دل ربا بہت

جوں ہی اس مہ نے اٹھایا اپنے منہ پر سے نقاب — ہوگیا روشن چراغ حسن سے کل کائنات

آب و دانہ بن قفس میں مرچلے صیاد ہم — گلشن ہستی میں تجھ کو کیا کریں گے یاد ہم

آئی جو موجِ بحرِ حوادث تو پھر کہاں — مہماں ہیں کوئی دم کے یہاں جوں حباب ہم

اس قدر تو دل محزوں پہ نہ بیداد کرو — خانۂ حق ہے، بتاں اس کو نہ برباد کرو

شیدؔا سنبھل کے ابروئے دلدار دیکھیو [1] — منہ پر نہ کھائیو کہیں تلوار دیکھیو [2]

کہتا ہے یہی جب کبھو [3] جاتا ہوں میں اس پاس — کہدو کہ پھر آوے، ابھی آرام کیا ہے

راہ عدم میں راہنما چاہتے، نہیں — اعمال ایک بس ہیں مرے راہبر مجھے

معلوم نہیں آہ کہ وہ کون گھڑی تھی — تجھ شوخ سے جس وقت مری آنکھ لڑی تھی

خط آئے پر بھی وہ طرح دار ہی رہا — ہر طرح مہوشاں [4] میں نمودار ہی رہا

دیکھا جلوہ تیرا کہیں جس نے ایک بار — تاحشر پھر وہ طالب دیدار ہی رہا

نقاب منہ سے اٹھا جب وہ مے گسار آیا — نظر نہ پھر کوئی محفل [5] میں ہوشیار آیا

نہ دیجے دوش کسی لالہ رو کو اے شیدؔا — ازل سے آہ دل اپنا ہی داغدار آیا

انصاف بھی تک ایک تو صیاد کیجیے — جو ہو شکستہ بال اسے آزاد کیجیے

1، 2 ل: دیکھ۔ 3 کبھو محذوف۔ 4 ل: مہوشوں۔ 5 ل: مجلس۔ ☆ ل سے اضافہ۔ ❖ ل میں ندارد۔

شیدا جو اپنے شیشۂ دل میں رہے مدام اب کوئی یار[1] ایسا پری زاد کیجیے

شورؔ، مرزا محمود بیگ

مرزا[2] محمود بیگ عرف مرزا ملھو بیگ شورؔ اصل او ایران و مولدش دہلی است۔ مرد سپاہی پیشہ، نیک اندیشہ۔ شاعر فارسی و ہندی۔ اکثر اوقات غزل در غزل و بعضی ہنگام بر ردیف و قافیہ واحد[3] چند غزل گفتہ در مشاعرہ می خواند۔ آشنای قدیم مخلص است سخن بہ تلاش می گوید و طبع[4] موزوں دارد:

دست مشاطہ سے جوں زلف کو واں شانہ ہوا یاں وہیں درد مرے پہنچے کو تا شانہ ہوا

ڈبڈبا آنکھوں کو کہتا تھا مجھے کل[5] ساقی آج لبریز تری عمر کا پیانہ ہوا

میں نے صورت بھی نہیں رشک پری کی دیکھی ❖ اس کے سایہ کی جھلک دیکھ کے دیوانہ ہوا

شور میں جیب کو کر چاک جو نکلا تو کہیں ہاتھ میرے سے جدا دامن صحرا، نہ ہوا

جو دل پلا تھا سینہ میں ناز و نعم کے ساتھ کھاتا ہے ٹھوکریں ترے ہر ہر قدم کے ساتھ

اک آہ سرد بھرنا اور دل کو تھام لینا ہوتا ہے گاہ گاہے یوں تیرا نام لینا

وے قتل کو ہمارے ارشاد کر رہے ہیں یاں کلمۂ شہادت ہم یاد کر رہے ہیں

آہ کھینچو تو جلے عالم، نہ کھینچو، میں جلوں زندگی اس کشمکش میں اپنی اب بھاری ہوئی

ان نے منہ پر جو دوپٹہ لیا ہمدوشی میں قتل در پردہ کیا بس ہمیں روپوشی میں

پھر گیا مار سیہ چھاتی پہ میری شب کو زلف کچھ اس[6] سے جو کہنے لگی سرگوشی میں

جہاں میں بیٹھا غرور سے جو اس نے جور و ستم اٹھائے ❖ مسافران جہانِ فانی چلے چلو تم قدم اٹھائے

مہمان ہیں بحر دہر میں مثل حباب ہم ❖ مٹ جائیں دم میں ہیں گے وہ نقش بر آب ہم

وہ دُرّ اشک خاک میں غلطاں ہے آج آہ ❖ رکھتے تھے جس کو آنکھوں میں با آب و تاب ہم

کہتا ہے کوئی شورؔ کوئی مست، کوئی رند ❖ پاتے ہیں اس کے کوچے میں کیا کیا خطاب ہم

---

1 ل: ایسا یار۔ 2 اصل: اضافۂ مؤلف ”مرزا محمود بیگ عرف“ و ”اصل او ایران و مولدش“۔ 3 اصل/ق: ”چہار پنج“ بجائے ”چند“۔ 4 ل: ”طبع موزوں دارد، محذوف؛ سرور: در صف جنگ کشتہ شد۔ افسوس کہ در عین شباب جہاں، فانی را پدرود کرد۔ 5 ل: ساقی کل۔ 6 ل: کہنے لگی اس سے جو۔ ❖ ل میں ندارد۔

چشم تر سے آتش دل ہم بجھا سکتے نہیں گو ہے یہ دریا، مگر الٹا بہا سکتے نہیں

غضب آنکھیں، ستم مکھڑا پری منہ کی صفائی ہے خدا نے اپنے ہاتھوں سے تری صورت بنائی ہے

خلق جس شوخ کی مجرائی ہے طبع اپنی بھی ادھر آئی ہے

دنیا نہیں سرائے ہے، آئے چلے گئے سب ہو مسافر، اپنے پرائے چلے گئے

بس ہے یہ سائبان فلک بہر بود و باش سب یہ مکاں جنھوں نے بنائے، چلے گئے

اُن کا مقام خلد بریں ہے جو آ کے یاں آسودگی سے ہاتھ اُٹھائے چلے گئے

قطعہ

پوچھا، کسی کی خواب میں آئے جو تم، نظر تم شور کیا جہان میں آئے چلے گئے

ہم نے کہا عدم کو سبھی جاتے تھے چلے ٭ ساتھ ان کے ہم بھی پاؤں اٹھائے چلے گئے

جو آپ سے تجھے یاں آنے کی امنگ نہیں ٭ تو جان اپنے بھی جینے کا کوئی ڈھنگ نہیں

یہ پھن نکالے ہوئے ناگنی ہے پانی سے ٭ نمود یار مرے سینہ کے خدنگ نہیں

یہ جو کہتا ہے مری جلوہ گری دیکھو تو ہم نشیں حور ہے یا ہے یہ پری دیکھو تو

دہنِ غنچہ دہن، وہم وگماں تینوں ایک زلف اس کی، رگ گل، رشتۂ جاں، تینوں ایک

کیجیے کس کس کا بیاں، ہر ایک بے ڈھب قہر ہے ٭ بال لپٹے، گال اچھے، کان اور چھب قہر ہے

شفا، حکیم یار علی

حکیم یار علی شفا تخلص مردی باشعور، بل یکی از دانایان زمانہ از معاصران سلف بود سخن بہ متانت وتلاش می گفت بعضی از ابیات طبعزادش بہ بندہ ذکا بہم رسید۔ از وست:

جوں ڈانک کے دیے سے دونا کھلے ہے یاقوت چمکا ہے رنگ پاں سے جو ہر ترے لباں کا

شرر، مرزا جعفر

مرزا جعفر شرر، برادر کوچک[1] حکیم مرزا[2] محمد کہ در فارسی عشق تخلص می کند، بہ تلاش روزگار از[3]

---

1 اصل: اضافۂ مؤلف: کوچک۔ 2 سرور: حکیم مرزا محمد عشق...... از چندے طرف حیدر آباد رفتہ۔ ہمانجا ودیعت حیات بہ متقاضیِ اجل سپرد۔ 3 ل: ''از'' محذوف۔ ٭ ل میں ندارد۔

دہلی بہ یونان رفتہ بود آں جا ودیعت حیات مستعار نمود:

اس رند خراباتی سے گر آپ خفا ہیں　　پھر بزم میں مے خواروں کی کیوں جلوہ نما ہیں
اے عشق جگر سوز، شرر کی تجھے سوگند　　اک شعلۂ جاں سوز کہ مشتاق فنا ہیں

شایق، میر حاجی

میر حاجی شایق از شاہجہاں آباد است۔ شاگرد میر ہدایت علی کیفی شاعر[1] فارسی، عمدہ زادہ صاحب شان، لایق احترام، خلت بنیاں، بسیار خلیق و درست[2] آشنا است۔ حرف بصفا می زند وتلاش نیکو دارد۔ ایں ابیات رنگیں از ارشاد کردۂ[3] او بزبان قلم می دہد۔ اکثر فکر ریختہ می سازد، گاہ گاہے بفارسی گوئی ہم متوجہ می گردد:

جب خبر اس کو مری تو نے سنائی ہوگی　　نامہ بر چھاتی تو البتہ بھر آئی ہوگی
نہیں جہاں میں کسی سے غبار رکھتا ہوں　　دل اپنا صاف میں آئینہ وار رکھتا ہوں
میں اس جہاں میں دل داغ دار رکھتا ہوں　　برنگ لالہ عجب اک بہار رکھتا ہوں
جو نامہ بر گیا سو وہیں کا وہ ہو رہا　　آتا جواب خط کسی عنوان ہی نہیں
وے یار جو عدم کو جاتے رہے، نہ آئے　　وضع جہاں سے آیا بیزار ایسے ہی تھے
اس سنگ دل کے دل میں ذرا بھی نہ راہ کی　　تاثیر ہم نے دیکھ لی بس اپنی آہ کی
تم کھینچتے رہا کرو تلوار کو میاں　　اپنا تو کام کرگئی برچھی نگاہ کی
نہ پوچھو یاں کی آسایش کہ ہم اس بحر ہستی میں　　حباب آسا کوئی دم کے یہاں مہمان بیٹھے ہیں

شاد، پرس رام

شاد، تخلص مسمی بہ پرس رام، قوم برہمن ساکن قصبہ سکندر آباد از رفیقان مصر ہر سہائے دل زندہ تخلص مرد متصدی پیشہ نیک[4] اندیشہ است، در ایام شوق طبیعت بالکل دو غزل از و تالیف یافتہ:

1۔ اصل/ق: کہ شاعرِ فارسی است۔ 2۔ اصل/ق: آشنا درست و مجموعۂ خوبی۔ 3۔ اصل/خ: کردہ ہائے او؛ ل میں عبارت کی ترتیب مختلف ہے۔ 4۔ اصل: اضافۂ مؤلف ''نیک اندیشہ''۔

اس رنگ چمپئی کا زمیں پر پڑا ہے عکس ۔ جب سے ہی زعفران سبب ہے بہار کا

شوقؔ، محمد بخش

محمد بخش شوقؔ شخصیت[1] سپاہی ساکن قصبہ کونانہ[2] از برکت اللہ خاں برکتؔ اصلاح ریختہ می گیرد۔ تلاش خوش دارد:

مرجھایا تصور میں ہم آغوشی کے وہ تو ۔ اس گل کی اب اس طور کی نازک بدنی ہے

اے شوقؔ اچھالے ہے وہ شیشہ کو نشے میں ۔ منظور کسی کی تو اسے دل شکنی ہے

شہداؔ

شہداؔ تخلص شاعر قدیم، اکثر اشعارش بزبان ریختہ گویاں جاریست۔ عاصی ذکاؔ از طبعزادش یک مطلع یاد خاطر دارد:

رہے ہے کوہ میں فرہاد، قیس بن میں رہے ۔ فلک یہ شہداؔ بتا کس جلاوطن میں رہے

شاداںؔ، میر رجب علی

میر رجب علی شاداںؔ سید زادہ، ساکن دہلی طبع[3] درست دارد و نسبت تلمذ بہ اعظم الدین خاں عرف بھورے خاں آشفتہ[4] دارد، از بس کہ بیاد خداوند حقیقی مصروف است[5] بر دنیائے دوں چنداں دل نہاد نیست و وضع درویشی اختیار ساختہ۔[6] ایں دو ابیات بنام اوست:

بلبلا پانی کا دیکھا چشم جس دم کھل گئی ۔ ہم نفس آگاہ اپنی[7] ہم نہ تھے بنیاد سے

دل نہ دیجے آہ شاداں طفل ابتر کو کبھو ۔ یاد[8] ہے نکتہ یہ مجھ کو حضرت استاد سے

تیرے سوا صنم گر لاکھوں سے گفتگو ہو ☆ ہر دل سے یہ دعا ہے دنیا ہو اور تو ہو

1۔ ل: شخصے۔ 2 ل: کونانہ است۔ 3 ل: 'طبع درست دارد' محذوف۔ 4 اصل/ق: توسل جستہ۔ 5 ل: مصروفیت دارد۔ 6 اصل/خ: شعر دل چسپ می گوید۔ 7 ل: ہم اپنی۔ 8 ل: یہ نکتہ ہے۔ ☆ ل سے اضافہ۔

خوبی منہدی کی کہاں تک تو کہے گا شاداںؔ ☆ سب نے سن کر یہ کہا خوب بنائی منہدی

شیفتہؔ، عبدالصمد

حافظ عبدالصمد شیفتہؔ، اصلش پنجاب و در دہلی تولد یافتہ، والد بزرگوار او طالب علم جید بودہ است و بہ سبب کساد روزگار حالا بہ سپاہ گری ایام بسری برد۔ ایں مطلع[1] از طبعش چکیدہ:

بے سبب کاکل مشکیں کو یہ شانا کیا تھا ☆ منہ چھپانا تھا اگر تو یہ بہانا کیا تھا

شاغلؔ

شاغلؔ تخلص ساکن دہلی شاگرد میاں بسملؔ۔ ایں مطلع از وبہم رساندم، دیگر اشعارش بدست نیامد و اکنوں از احوال او خوب اطلاع نہ دارم کہ کجا است شاید بطرفی رفتہ باشد:

جاتی نہیں ہے اس سے تری فکر زلف و رخ ☆ شاغلؔ کو روز و شب ہے ترا ذکر زلف و رخ

شوقؔ، غلام رسول

غلام رسول شوقؔ ساکن دہلی، شاگرد میاں نصیرالدین نصیرؔ، تازہ مشق است۔ فکر[2] خوش دارد، شعر بہ تلاش می گوید۔

دیتا ہے جام میں وہ ہمیں کب شراب تلخ ☆ لگتا ہے ترش روئی ساقی سے آب تلخ

اتنا تو لخت دل کو ہمارے بس اب نہ بھون ☆ ہو جائے ہے جلے سے مزے میں کباب تلخ

یارب کدھر کو جائیں جدائی[3] کے ہاتھ سے ☆ مخمل کے فرش پر بھی بن اس کے ہے خواب تلخ

کیونکر شفا نہ ہو عرق روئے یار سے ☆ حق میں مریض دل کے ہے بہتر گلاب تلخ

بوسہ لوں اس کے میں لب شیریں کا کیوں کہ شوقؔ ☆ ہر آن مجھ کو شوخ تو دے ہے جواب تلخ

آپ کو رکھتا تھا جس سے کر کے سو تدبیر کھینچ ☆ لے گئی کوچے میں اس کے پھر مجھے تقدیر کھینچ

صاف، چھٹتے ہی گیا یکسر گذر سینہ کے پار ☆ ان نے مارا بے کماں ایسے نگہ کا تیر کھینچ

---

1. ل: از دست۔ 2. ل: خوش فکر۔ 3. ل: زمانے کے بات سے۔ ☆ل سے اضافہ۔

مار ڈالا اک جہاں کو ان نے کل آنکھیں دکھا
گھر سے نکلا کیا وہ کافر سرمے کی تحریر کھینچ

اے مصور دیکھ ہم نے اب تسلی [1] کے لیے
صفحۂ دل پر رکھی ہے یار کی تصویر کھینچ

تو نہ کہہ قاتل کہ میں بھی صاحب شمشیر ہوں
پاس اپنے میں بھی رکھتا آہ کا ایک تیر ہوں

لکھا ہوا تھا یہ اس مہ جبیں کے پردے پر
نہیں ہے کوئی اب ایسا زمیں کے پردے پر

کھلے کسی پہ بھلا کیونکہ راز پردۂ غیب
کہ عقل گم ہے جہاں آفریں کے پردے پر

مرے مزار کے چوگرد کھینچنا دیوار [2]
موا ہوں میں کسی پردہ نشیں کے پردے پر

شگفتہ، بدھ سنگھ

بدھ سنگھ شگفتہ ساکن دہلی، قوم [3] حداد، از شاگرداں عظیم الدین خاں آشفتہ کہ ذکرش گزشتہ، طبع درست دارد:

ساغر پڑے ہیں ٹکڑے، ٹوٹی گلابیاں ہیں
کس کس چمن میں ساقی یہ بدشرابیاں ہیں

ہجر کی آتش نے جب سے دل میں آ، بستر کیا
شعلہ ہم بستر کیا بستر کو خاکستر کیا

پروانہ وار جل کر گو خاک ہوگئے ہم
پر شمع رو نہ چوکا اپنی شرارتوں سے

شہرت، امیر بخش

امیر بخش خاں شہرت از شاگرداں حکیم ثناءاللہ خان فراق، اصلش خطۂ جنت نظیر کشمیر و مسقط الراسش خاک پاک حضرت دہلی است۔ اکثر در مشاعرہ ہا غزل طرحی گفتہ وارد می شود، شوق [4] تازہ دارد و فکر [5] موزوں:

مکھڑے سے کب اٹھاتے ہیں تیرے نقاب ہم
اے بے حجاب ایسے نہیں بے حجاب ہم

ہماری آنکھوں میں تاریک ہوگیا عالم
بہ وقت شام جو تم گھر سے سر کھلے نکلے

ہیکل [6] سے کیونکہ ہو نہ اسے بے کلی بھلا
جس کی کمر لچکتی ہو پھولوں کے ہار سے

---

1 ل: تصور۔ 2 ل: تلوار۔ 3 ل: لکھ کر خارج ''قوم حداد''۔ 4 اصل/: اضافۂ مؤلف: طبع درست دارد۔ 5 ل: ''فکر موزوں'' ندارد۔ 6 اصل/ق: ہر گل سے کس طرح اسے پھر بے کلی نہ ہو۔

حیرت پڑی ٹپکتی ہے سنگ مزار سے　　آئینہ کو جلا دو ہمارے غبار سے

شورشؔ، خلیفہ نادر حسین

خلیفہ نادر[1] حسین شورش ساکن دہلی از خواجہ زادہ ہائے والا نژاد، حافظ قرآن، شاگرد ثناء اللہ خاں[2] فراق پیش ازیں مروتؔ تخلص می کرد۔ صلاحیت مزاج بسیار دارد و جوانی شگفتہ[3] رو و پاکیزہ خوست فکر بہ دارد:

آرزو دل کی ہو کیا تیری ملاقات سے کم　　جی دھڑکتا ہے گھڑی ہوتی ہے جو رات سے کم

باد صبا چمن میں گر ہو گزار تیرا　　اُس گل بدن سے کہیو ہے انتظار تیرا

شورشؔ بتاں کے عشق میں، ہم آہ تم سے کیا کریں　　❖ رسوا ہوئے ہیں جا بجا دیکھیں خدا کرتا ہے کیا

اس طرف دیکھا اور اودھر مار رکھا آن میں　　دل اڑانے کا پری رو تجھ کو بھی ڈھب قہر ہے

تجھ میں انداز و ادا اور دل رُبائی قہر ہے　　ساری باتیں خوب، پر شب کی لڑائی قہر ہے

سر سے لے پاؤں تلک وہ عالم تصویر ہے　　بانک پن اُس میں قیامت، میرزائی قہر ہے

ناز و انداز و ادا سب خوب ہیں، پر جان من　　دل کو لے کرتے ہو تم پھر بے وفائی، قہر ہے

ہاتھ ملتا پھرتا ہے شورشؔ حنا اور تجھ کو آہ　　ہوئے اس پائے نگاریں تک رسائی قہر ہے

شریفؔ، مرزا شریف

مرزا شریف بیگ شریفؔ بہ لالہ شریف بیگ ہم مشہور، خلف لالہ دولت رام کھتری[4] کہ در عہد ثروت وصوبہ داری شاہجہاں آباد بہ عہدۂ داروغگی دیوان خانہ حضرت شاہ نظام الدین احمد قادری ناظم صوبہ مذکور امتیاز داشت۔ بہرحال مرد خوش خلق و یار باش و ظریف الطبع سپاہی وضع واقع شدہ۔ گاہ گاہے ریختہ ہم برروی کار آرد و مرثیہ خوب می خواند بعضی[5] از اشعار گرم گفتارش دریں محل نگارش یافتہ:

---

1 سرور: قادر حسین۔ 2 ل: 'خاں' محذوف۔ 3 ل: شگفتہ تر۔ 4 ل: قوم کھتری۔ 5 ل: میں یہاں سے عبارت محذوف۔ ❖ ل میں ندارد۔

یہ شہر دل تو نہ تھا قابل ستم ہیہات　　خراب ہوگئی بنیاد ایسی بستی کی
شریفؔ رونے پہ آجائیں گر یہ دیدۂ تر　　تو آبرو نہ رہے کچھ گھٹا برستی کی

شاؔعر، میر کلّو

میر ناصر پرست المعروف بہ میر کلّو شاعر تخلص والد ماجد میر نصیر الدین رنجؔ کہ ذکرش بصدر گذشت۔ باخواجہ میر دردؔ قدس سرہ نسبت خویشی وتلمذ دارد۔ مرد خدا دوست و بسیار محترم ومعزز وصاحب تمکین واہل وقار ودانائے زمانہ وخوش خلق وبانواع خوبی ہای متصف است۔ دیوانی مشتمل برغزلیات ورباعی ہاوغیرہ بکمال فصاحت کلام از وثبت افتادہ۔ خاکسار ذکاؔ از زادہ ہائے طبع آن نیک ذات حمیدہ صفات اشعاری چند مرقوم کلک نیاز مسلک نمودہ:

ٹک بھی گرچیں بہ جبیں کیجیے گا　　پھر نہیں ہم یہ یقیں کیجیے گا
اپنے مطلب کی کہے جائیں گے ہم　　گرچہ سوبار نہیں کیجیے گا
تھا ایک دل بساط میں سو وہ بھی کھودیا　　خانہ خراب آنکھوں نے مجھ کو ڈبودیا
رخصت کے وقت اور تو کچھ ہوسکی نہ بات　　اودھر وہ ہنس دیا اور ادھر میں نے رو دیا
آہ اپنا دل ہی جب جاتا رہا　　زندگانی کا مزا پھر کیا رہا
عشق کے سودائیوں کی کس سے یاں تدبیر ہو　　ہاں مگر زلف چلیپا آن کر زنجیر ہو
جس کے دل میں کچھ نہ ہو مطلق سوا درد والم　　کیوں نہ پھر اس اہل دل کی بات میں تاثیر ہو
جان لے شاؔعر یہ دنیا ہے وہ قحبہ فاحشہ　　جو ملے اس سے اسے جھٹ منصب وجاگیر ہو

رباعیات

اپنے کانوں سے سنا ہے لاکھوں بیری　　کہتی ہے خلق دیکھ صورت میری
تو کس بے درد پر ہوا ہے عاشق　　ہے ہے شاعر یہ نوجوانی تیری

ہرچند تلاش جا بجا کر دیکھا　　پایا نہ اسے کہیں جو جاکر دیکھا
مدت کے بعد آج بارے ہم نے　　اس بت کے تئیں خدا خدا کر دیکھا

غیروں سے خود نمائیاں خوب نہیں — اتنی بھی کج ادائیاں خوب نہیں
ہم اڑتے جانور کو پہچانیں ہیں — ہم سے یہ اڑان گھائیاں خوب نہیں

غمگین ہیں تیری ناخوشی کے باعث — بے چین ہیں دل کی دشمنی کے باعث
پیارے ہم کو یہ آہ نت کا مرنا — ہے اس کم بخت زندگی کے باعث

شہامت، شاہ شہامت علی

شاہ شہامت علی شہامت مرد درویشی است۔ کلامش [1] صوفیانہ و مطبوع سامعاں است۔

از کلام اوست:

عزم ہے بیت الحرم کو زاہدِ نادان کا — خانۂ اللہ ہے دل حضرت انسان کا
اہل صورت بے خبر معنی سے اس آیت کے ہیں — ورنہ ہر صورت یہاں سورہ ہے اک قرآن کا
یادِ حق گر ہو نہ دل میں تو ہو غالب نفس شوم — بوم ہو جاتا ہے وارث خانۂ ویران کا

شایق، مظہرالدین

مظہرالدین شایق، ساکن [2] سرکار بریلی، اصلش از پیرزادہ ہائے صوبہ سرہند۔ کلامش [3] مطبوع و دل چسپ است:

اگر اس طرح سے ہمیشہ کو مری چشم نم میں تری رہی — تو مزارعوں کو یہ مژدہ دو کہ تمھاری کھیتی ہری رہی

شاکر، محمد شاکر

محمد شاکر، شاکر شخصی از سخن گویاں قدیم شنیدہ می آید۔ نسبت تلمذ بہ محمد علی حشمت می داشت، گاہ گاہی فکر سخن می نمود و شاعر [4] کم گو و خوش گو معلوم می شود، ایں قطعہ واجب التحسین از

---

1. اصل/ق: طبعش مایل بکلام صوفیانہ بسیار۔ 2. اصل: 'اصلش' بجائے 'ساکن'۔ 3. اصل/خ: البتہ (سرور نے نظیر الدین نام بتایا ہے)۔ 4. ل سے خارج ''وشاعر'' تا آخر۔

ویادگاراست:

قطعہ

کیا پوچھے ہے، حال بلبلوں کا جو ان پہ گذرنی ہو گذر لے
گلچیں تجھے کیا تری بلا سے گل توڑ کے تو تو گود بھرلے

شاکر، شاہ شاکر علی

شاہ[1] شاکر علی شاکر از بزرگ زادہ ہای خاک پاک دہلی است تحصیل علوم متعارفہ وکتب صوفیہ ومثنویات از شاہ محمد عظیم کہ جامع علم وفضیلت است، می نماید۔ خیال بطرف ریختہ گوئی کمتر دارد مگر بہ تکلیف بعض احباب گاہ گاہ ریختہ[2] ہم از طبعش می تراود:

اس شعلہ خو کے روبرو جو شخص آئے گا لے اپنے جان ودل وہ سلامت نہ جائے گا
اس کی آنکھوں نے نہ اک خلق کو بیمار کیا زلف نے بھی دل عالم کو گرفتار کیا
ہم تمھارے ہیں تمہیں ہم سے یہ شرمانا کیا دور سے شکل دکھا کر ہمیں ترسانا کیا

شاد، مرزا اللہ یار بیگ

مرزا اللہ یار بیگ کیانی شاد تخلص از شاگردان میاں غلام ہمدانی مصحفی، مرد شایستہ وقابل سعادت دثار نیکو شعار است۔ ایں[3] دو بیت از تصنیف اوست:

اگر چاک سینہ کا ہم وا کریں گے تو ہنگامۂ حشر برپا کریں گے
گلعذاروں کی بے وفائی کی داغ دل پر مرے نشانی ہے

شاداں، بساون لال

بساون لال شاداں جوان[4] خلیقی، بحلیہ حلم وحیا آراستہ وپیراستہ است۔ ایں[5] مطلع

---

1 اصل/ق: میر شاکر علی۔ 2 ل: ریختہ ہم می گوید۔ 3 ل میں یہ عبارت محذوف۔ 4 سرور: ساکن دارالخلافہ۔ 5 ل میں یہ عبارت محذوف۔

اوراست:

یوں داغ دل[1] ہیں یہ مرے سینے کے آس پاس — چنّے جڑے ہوں جیسے نگینے کے آس پاس

شیفتہ

شیفتہ اسمش معلوم راقم نیست۔ ایں شخص از دورۂ سابقین است۔ بیتی ازوی نگارد:

عید کے دن بھی نہ دیکھا اس ہلال ابرو کو آہ — چاند دیکھا ہم نے لیکن منہ نہ دیکھا چاند سا

شرف

شرف، تخلص از سکنۂ حیدرآباد محقق گشت۔ غزلی از تالیف شریف او زبان زد اکثر نقالاں واہل نشاط سکنۂ دارالخلافہ است از جملہ آن بعضی افراد مرقوم گشت:۔

شگفتہ

شگفتہ تخلص از جملہ سلاطینان اقتدار[2] است طبع موزوں دارد از اشعار طبع زاد آں والا جاہ عاصی ذکا شعری[3] رنگین مرقوم می گرداند:

یقیں ہے مجھ کو شگفتہ بجز نسیم وصال — اس اپنے غنچۂ دل کو صبا کھلا نہ سکے

شرف، مرزا اشرف الدین

مرزا اشرف الدین شرف از شہدگان لکھنؤ است۔ اکثر بہ شعر گوئی مصروف می باشد بعضی غزلیاتش کہ بہ من درخورد از اں ایں ابیات بقلم نیاز رقم گذاشت:

دردنداں ہیں یہ تیرے لب خنداں کے بیچ — یا کہ الماس کی معدن ہے بدخشاں کے بیچ

دیکھ کر زلف وخط یار گلستان کے بیچ — صبح سرگوشی سی تھی سنبل وریحان کے بیچ

---

1 ل: دل میں ہے۔ 2 اصل/ق: یادگار۔ 3 ل: ایں ابیاتے دل نشیں۔ ل سے یہ عبارت محذوف، اصل میں ذکا کا بعد کا اضافہ ہے۔ اس کے بعد چند شعر لکھے تھے جو سراج کے تھے۔ خود مؤلف نے انھیں یہاں سے سراج کے ترجمہ میں منتقل کر دیا، لیکن ان اشعار کے بجائے شرف کے انتخاب کلام میں سے کچھ نہیں لکھا۔ اردو ترجمہ بے انتخاب رہ گیا۔

شیدا

شیدا تخلص ساکن مراد آباد۔ دوستی از واقفین او، ایں شعرش بخواند:

کرتے ہو کیوں سبک تم در سے مجھے اٹھا کے — کیا میرے بیٹھنے کا خاطر پہ بار گذرا

شایق، میر محمد

میر محمد شایق[1] لکھنوی از شاگردان قلندر بخش جرات است۔ فکر تازہ دارد و اکثر اشعارش ناخن بدل می زند۔ ایں اشعار وی بہ کم ترین ذکار سیدہ:

کہر شیخ اور برہمن دیر اور کعبہ کو کہتے ہیں — رہ دل سے ہیں عاقل، ورنہ اس میں دونوں رہتے ہیں

ظلم کا شیوا کچھ اس ظالم کو ایسا یاد ہے — ہر گھڑی، ہر لحظہ اک تازہ ستم ایجاد ہے

جایئے کعبہ کو یا کیجے صنم خانے کا طوف — حضرت دل آپ کا اب کیا ہمیں ارشاد ہے

قطعہ

اپنا اور اس کا آنا جانا ہوا ہے موقوف — ان روزوں اے عزیز و جاسوسوں کے خطر سے

دیکھا کریں ہیں پہروں ہو کر کھڑے بہ حسرت — ہم اپنے بام پر سے، وہ اپنے بام پر سے

شایق، محمد ہاشم

محمد ہاشم شایق از دہلی، شاگرد میر عزت اللہ عشق، جوانی پاکیزہ رو، خوش خو، نیک نہاد، سعادت آثار، واقع شدہ۔ بالفعل لیل و نہار خود بہ خیاطہ گری می گذارد و ایں چند اشعار از نتایج طبعش بہم رسانیدہ نگارش[2] یافتہ:

حال بھی پوچھا کبھی آہ نہ خوں خوار نے — واہ یہ تاثیر کی آہ شرر بار نے

رات کہاں، دن کدھر، کچھ نہیں مجھ کو خبر — کھو دیے اوسان سب، زلف و رخ یار نے

---

1. مصحفی نے میاں میر محمد نام لکھا ہے اور بتایا ہے کہ پہلے ہاشمی کے شاگرد تھے۔ 2. ل: ''نگارش یافتہ'' محذوف۔

شایقؔ دل خستہ تو آج ہراساں ہے کیوں
چھین لیا دل کہیں کیا کسی عیار نے

سراپا اس پری رو میں لطافت ہے صفائی[1] ہے
تصدق ہیں ہم اس کے جس نے یہ صورت بنائی ہے

دغابازی تو دیکھو اس کی یارو دین و دل لے کر
دیا ہے ایک بوسہ دوسرے پر یہ رکھائی ہے

موسم گل کی خبر سنتے ہی بس آنے کی
ہوگئی اور ہی حالت دل دیوانے کی

ہاتھ سے جس سنگ دل کے رات دن فریاد ہے
یہ ستم دیکھو کہ دل کو پھر اسی کی یاد ہے

یارب اُس کو تا قیامت رکھیو تو شاداب و سبز
رشک فردوس بریں شاہ جہاں آباد ہے

ان دنوں کیونکر نہ شایقؔ شعر اپنا گرم ہو
ہے جنوں ہم دوش اپنا اور عشق استاد ہے

رات ساری مجھے بس[2] روتے ہی روتے گذری
شمع رو جو میں سنی صبح ترے جانے کی

ہر گھڑی کاکل پیچاں سے الجھتا تو ہے
شامت آجائے گی اک روز کہیں شانے کی

شررؔ، مرزا ابرہیم

مرزا ابراہیم بیگ شررؔ، گویند کہ آں روی دریاے اٹک مکانی است کہ اصلش از آں جا است و مولدش لکھنؤ، شاعر مقرری فارسی بود۔ گاہ گاہے بہ موزونی ریختہ ہم میل طبع می فرمود۔ خیلی فصیح و برجستہ[3] گو معلوم می شود:

ساموں کا نہ فقط سنتے[4] ہی دم رکتا ہے
سرگذشت اپنی جو لکھیے تو قلم رکتا ہے

اسیروں کی زبانی اے شرر اس سے یہ کہہ دینا
مگر گردن کا ڈورا کم ہے جو زنجیر پہنی ہے

شریفؔ، مرزا محمد شریف

مرزا محمد شریف شریفؔ خلف مرزا فیض مرحوم در علم تصوف دستی داشت و ہم از علوم متعارفہ بہرہ اندوز بود۔ انسان ظریف الطبع و خوش[5] خلق و فہمیدہ است برای تفنن طبع آنچہ گاہ گاہی می گفت اصلاح از شیخ ولی اللہ محب می گرفت[6]:

---

1 ل: صفا ہے۔ 2 اصل/ق: بس ہجر میں روتے گذری۔ 3 اصل/ق: خوش گفتار۔ 4 ل: سننے سے۔ 5 اصل/ق: خوش طبع۔ 6 انتخاب کلام ندارد۔

شفیع، محمد شفیع

محمد شفیع شخصی[1] از شاعران طبقہ اول بود بہ حسب روبیۂ محاورہ آں وقت کلام می گفت:

شام کو جب یار تیری بات آتی ہے کبھو[2] خواب کس کافر کو ساری رات آتی ہے کبھو

شکوہ، مرزا محمد رضا

مرزا محمد رضا شکوہ تخلص از ساکنین لکھنؤ و تلامذۂ مرزا قتیل، شاعر فارسی گو است۔ گاہ گاہی ریختہ ہم از طبع[3] پاکش تراوش می کند:

تجھ کو دل دار میں سمجھتا ہوں کیا غلط یار میں سمجھتا ہوں

نہ اُس کا وصل ہے ممکن نہ تاب ہے دل کو عجب طرح کا الٰہی عذاب ہے دل کو

تھوڑی بھی[4] نیک و بد کی کوئی تمیز رکھے کافر ہو پھر جو اس سے دل کو عزیز رکھے

شگفتہ، مرزا سیف علی خاں

مرزا سیف علی خاں شگفتہ[5] فرزند دل پذیر[6] مغفرت مآب وزیر الممالک شجاع الدولہ بہادر، جوان قابل و فصیح زبان شیریں بیان نہایت خوش فکر و صاحب طبع واقع شدہ۔ دیوانے با غزلیات و قصائد و رباعی وغیرآں جمع نمودہ بہ تلاش کثیر ہر قدر اشعار کہ[7] از تصنیف شریف آں والا اقتدار بہ بندہ ذکا بہم رسید، در سلک تحریر کشیدہ:

خرام ناز ترا بس مری نظر میں رہا تمام عمر ہی بیٹھا میں رہ گذر میں رہا

آنکھیں چرا کے شب کو بہانے سے اٹھ گیا حرف مروت، آہ زمانے سے اٹھ گیا

---

1 اصل/ق: از شاعران قدیم است۔ نہجی کہ روبیۂ وقت او بود کلام مطابق آسامی گفت؛ ل میں محذوف ''ومحاورۂ......می گفت''۔ 2 اصل/ق: بجن۔ 3 ل میں اس عبارت کے بجائے ''گوید''۔ 4 سرور: ی۔ 5 مصحفی (ہندی) لکھتے ہیں کہ پہلے بیان تخلص کرتے تھے اور کاظم علی جوان کو کلام دکھاتے تھے۔ مصحفی نے انھیں لکھنؤ میں دیکھا تھا۔ 6 ل: دل پسند۔ 7 ل: میں صرف ''بہ تحریر کشید'' باقی عبارت محذوف۔

بوسہ لیتے ہوئے ہم دیکھو ادب کرتے ہیں　　گالیاں دیتے ہیں، یہ آپ غضب کرتے ہیں
دل و جگر نہیں سینے کے داغ کے نیچے　　جلے پڑے ہیں پتنگے چراغ کے نیچے
غم نہ کھا اے دل اگر شب زلف کی تاریک ہے　　پاس رخ اس کا ہے، یعنی صبح بھی نزدیک ہے

شمس، میر شمس الدین علی

میر شمس الدین علی[1] شمس عرف مرزا جُمن نبیرۂ نواب سیف الدولہ سید رضی خاں بہادر صلابت جنگ مدظلہٗ جوان شایستہ بہ حلیۂ علم و ادب آراستہ و پیراستہ است۔ بہ عنوان علو نژادگی و رویۂ بزرگان خود باہمہ[2] ہا بہ حسن سلوک و خوش خلقی پیش می آید۔ گاہ گاہے شعر ریختہ از طبع صافش[3] تراوش می کند:

سج بدل پھرتا جو تنہا وہ بت خوں خوار ہے　　قتل پر یہ آج کس کے پھر سجی تلوار ہے
سن کے رونے کی مرے آواز کہتا ہے وہ شوخ　　یہ وہی کم بخت شاید یاں پس دیوار ہے

شوق، تہمتن جنگ

نواب تہمتن جنگ بہادر شوق تخلص، شخصی است عمدہ معاش[4] بطرف دکن، انسان اہل مروت و باحیا و بسیار صاحب[5] سلوک، اہل صفا۔ از نتایج طبع سامیش ہمیں[6] قطعہ کہ در مبارکباد عید[7] گفتہ بہ نواب سیف الملک بہادر گذرانیدہ بود[8]، بایں دست نحیف داد:

قطعہ

عید روزوں کی مبارک ہووے حضرت کو مدام　　نام آور ہووے سیف الملک کا دنیا میں نام
حق تعالیٰ باخوشی جم جم رکھے باشوق و ذوق　　دولت عیش[9] و ظفر دیویں تجھے بارہ امام

---

1. اصل: 'علی' اضافۂ مؤلف۔ 2. ل: باہمہ ہا کسے بہ سلوک۔ 3. ل: او۔ 4. ل: تلاش۔ 5. ل: صاحب شکوہ اہل سخا۔ 6. ل: ہمیں قطعہ دست داد۔ 7. ل: عید فطر بہ نواب۔ 8. ل: یہاں سے آخر تک عبارت محذوف۔ 9. اصل: عشرت

شیدؔا، میر فتح علی

میر فتح علی شیدا[1] مولدش قصبہ مئو، شاگرد مرزا محمد رفیع السودؔا، در سرکار نواب پایدار معلیٰ القاب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر در سلک ملازمان خاص بہ زر ماہہ پانصد روپیہ نوکر است خیلی صاحب تلاش وخوش گو وقادر سخن معلوم شد:

کیا دل پر اپنے سختی ایام کی کہوں میں ۔۔۔ سمجھا تھا جس کو شیشا وہ سنگ ہو کے نکلا
راہ طلب میں ماندا چل دو قدم ہوا میں ۔۔۔ گویا کہ میں ہزاروں فرسنگ ہو کے نکلا
رکھ دل کو مرے، اے مرے صیاد قفس میں ۔۔۔ ٹھیرے ہے کوئی مرغ ہو اگیر سردست

شہوؔت

شہوؔت [2] تخلص پسر سرمد شاہ معصوم، شخصی بداطوار نکوہیدہ کردار، زشت اعمال، قبیح خصال ازبس کہ بوی نخوت بہ دماغش جا گرفتہ بود۔ انداز ونصائح راخیر بادمی گفت وتمسخر وتضحیک راشعار خود گردانیدہ۔ اوقات بہ حرکات لغوونا شایستہ می گذاشت، از پیش گاہ خلافت بہ تمنای تمام مسخر الدولہ قرمساق خاں بہادر پھکو جنگ خطاب گرفتہ۔ بریں سرہن برخود بالید وخودرا درفرقۂ ہم اطواران خویش معزز انگاشت۔ اگرچہ دریں کتاب ذکر وسخن آں نوشتن نامناسب محض است الاچوں ازیں خیال درگزشتن شعار تذکرہ نویسی نیست ورطب ویابس ہرکدام بنوشتن می آید لہٰذا درج نمودہ شد تقصیر معاف:

جُونے سے پیدا کرنا، تقدیر کیا نکالی ۔۔۔ انسان کے گیر وگُس سے تصویر کیا نکالی

شوق

شوقؔ تخلص سخنوری[3] از شاگردان مرزا محمد رفیع سودا است اکثر[4] تلاش سخن بطور استادی

---

[1] حیدری: میر سوؔز کے متبنّیٰ شاگرد سوؔدا۔ [2] اصل حاشیہ مؤلف ''بہ سبب واہیات موقوف شد'' سُرخ روشنائی سے قلم زد کر دیا۔ [3] اصل/ خ: دے۔ [4] ل: 'اکثر' محذوف۔

کند[1] ایں بیت از وست:

سرشک گرم[2] سے دل ہے کباب در تہ آب ❊ ہوائے چشم کا خانہ خراب در تہ آب
شوق کو عشق میں رسوائے دو عالم ہے ولے ❊ شکر صد شکر ترے پیچھے تو بدنام ہوا[3]

شہید

شہید تخلص سخن طرازی فصیح از معاصران شاہ مبارک آبرو، شعر دردمندانہ می گوید۔ ایں اشعار از طبعش ریختہ:

گئی برباد اپنی نالہ و فریاد یا قسمت ❊ بہار آخر ہوئی تب ہم ہوئے آزاد یا قسمت
شہید آخر مقدر تھا ہمیں حسرت میں جی دینا ❊ ہمارے سر پہ آکر پھر گیا جلاد یا قسمت

شہرت

شہرت، او نکتہ سنجی است در بلدہ لکھنؤ از تلامذۂ میاں قلندر بخش جرأت، بہر حال طبع شاد دارد۔ ایں[4] شعر و قطعہ مولفۂ اوست:

دل ڈھونڈتے ہو یارو، یہاں دل تو کہاں ہے ❊ اک شعلۂ آتش ہے کہ پہلو میں نہاں ہے

قطعہ

دو دن کی ہے یہ بات کہ پھرتے تھے جن کے ساتھ ❊ اب قبر پر ہماری جو ان کا گذار ہے
آپس میں یوں[5] وہ کہتے ہیں اب پڑھ کے فاتحہ ❊ شہرت تھا جس[6] کا نام یہ اس کا مزار ہے

شہرت

شہرت، تخلص شخصی است[7] در ضلع دکن، قصیدۂ کہ از طبع او سرزدہ بود ایں دو بیت من جملہ

---

1. اصل/ق: ایں ابیات او در است۔ 2. اصل/ق: چشم۔ 3. اصل/ق: نہیں۔ 4. ل میں اس عبارت کے بجائے حرف ''از وست''۔ 5. ل: یوں کہے ہیں وہ۔ 6. ل: نام جس کا یہ اس کی۔ 7. سخن سنجی رات۔ ❊ ل میں ندارد۔

آں است:

ہے کج روی پہ ہمیشہ یہ چرخ ناہموار　　کروں[1] میں اس کی جفاؤں کا تا کجا اظہار
ہراک نگاہ میں بدلے[2] ہے سوطرح کے رنگ　　بہ شکل بوقلموں مثل شیشۂ زنگار

شوؔق، فیض علی

فیض علی شوؔق شاعری از معاصر مرزا محمد رفیع سوؔدا بود۔ اکثر استادان وقت را باصلاح شعر متوجہ حال خود گردانیدہ، فارسی و ہندی ہر دو می گفت، کلامش طرز پسندیدہ دارد:

قاصد پھرا نہ واں سے جواب تک نہ آچکا　　القصہ اس گلی میں گیا جو سو جاچکا
کیا کیا ستم نہ تھے جو کیے چشم یار نے　　جو سختیاں تھیں ہم کو، زمانا دکھا چکا
پڑھ[3] مرے خط کو یہ جواب دیا　　نامۂ شوؔق کا جواب نہیں

شفاؔ، محمد حسن

حکیم محمد حسن خاں شفاؔ تخلص از دہلی، خلف الصدق حکیم غلام علی خاں، جوان یار باش وشگفتہ رو، صاحب خلق، پسندیدہ خو، از علوم متعارفہ ماہر و باخبر است۔ بہ معالجہ اکثری از اعلیٰ[4] و ادنیٰ شہر وجہ ہمت می گمارد، و دست شفا دارد گاہی بہ تصنیف اشعار جودت طبع بہ کار می برد و فکر[5] درست دارد من کلامہ:

بجلی[6] کے کڑکنے کا ہے احساں　　شب چھاتی سے آلگا وہ ڈر کر

شاؔہ

شاؔہ تخلص اکثر غزلیاتش کہ بہ بندہ ذکاؔ[7] بہم رسید ازاں ہمیں قطعہ بخیال ناقص گذشت[8] و

---

1 سرور: کروں جفاؤں کا اس کی میں کس سے استفسار۔ 2 سرور: کئی کئی طرح کے بدلے رنگ۔
3 اصل/ق: پڑھ کے مجھ خط۔ 4 اصل/ق: ''شرفامی'' بجائے ''اعلیٰ و ادنیٰ''۔ 5 ل: محذوف۔
6 اصل/ق: ہے چمکنے کا برق کے احساں لگ گیا یار چھاتی سے ڈر کر۔ 7 اصل: 'ذکا' اضافۂ مؤلف۔
8 اصل/ق: در گذشت۔

بہ سلک انتخاب کشید:

قطعہ

کہا میں باغباں سے دیکھ یہ احوال گلشن کا — ہوا کیا اور کہاں ہیں یاں کے جو اہل گلستاں تھے
خزاں کے ہاتھ سے سر کو پٹک کر مجھ سے یہ بولا — یہاں گل تھے یہاں غنچے تھے یاں وہ سرو بستاں[1] تھے

شعوری

شعوری تخلص شخصی[2] بود ساکن جوالا پور از سخن سنجان قدیم، بہرحال فکر بہ می داشت، بیتی ازو بمن درخوردہ:

برسات میں نہ دیکھا نظر بھر کر آفتاب — روشن[3] ہے یہ کہ محو ہوا تجھ پر آفتاب

شاد، پرشادی رام

☆ پرشادی رام شاد ساکن قصبہ سکندر آباد از رفیقان زندہ دل تخلص مصر ہر سہائی متصدی پیشہ نیک اندیشہ است۔ در ایام شوق طبیعت بالکل دو غزل گفتہ:

اس رنگ چمپئی کا زمیں پر پڑا ہے عکس — جب سے ہی زعفراں سبب ہے بہار کا

---

1 سرور: کہا یہ باغباں سے دیکھ کر۔ 2 سرور: یہاں شمشاد و بستاں تھے۔ 3 اصل/ق: روشن ہوا کہ۔
☆ل سے اضافہ۔

ردیف الصاد المہملہ

صاحبؔ، ظفریاب خاں سمرو

مظفرالدولہ مختار الملک نواب ظفریاب خاں بہادر نصرت جنگ المتخلص بہ صاحبؔ خلف سمرو صاحب فرنگی کہ صاحب بٹالین ہا و سپاہی بے نظیر و بسیار سپاہ دوست بود و از جزائر فرنگ بہ ہندوستان آمدہ نامی پیدا کرد و داد شجاعت و جسارت و ناموری داد۔ چشم و چراغش نیز نام جو است بہ ہوائے پیشہ سپاہ گری در فن موسیقی و مصوری ہم مہارت و دسترس دارد۔ از چندی در سردھنہ رونق افروز شدہ، چوں از علوم رسمیہ بہرہ اندوز است، متانت اشعار برجستہ اش ناخن بدل می زند، در شاہجہاں آباد بہ ہنگام تشریف فرمائی خود طرح مشاعرہ و مراختہ انداختہ بود۔ جمیع شعرای دہلی قدم رنجہ می فرمودند۔ ایں بندہ ذکاؔ ہم اکثر باریاب محفل فیض منزلش گردیدہ غزل طرحی می خواند۔ ایں ابیات از تصنیف گرامی آں والا اقتدار عالی مقدار درین نسخہ مثبت افتاد:

شب نظر آیا لب بام پہ پیارا اپنا
بارے اب کچھ ہے بلندی پہ ستارا اپنا

ہے زلف حلقہ زن رُخ دل بر کے آس پاس
یا اژدہا ہے فوج سکندر کے آس پاس

ہے مکان دید یہ بھی، عزم رفتن چھوڑ دے
بیٹھ آنکھوں میں مری پلکوں کی چلمن چھوڑ دے

شمع کے چہرہ پہ یوں پیچاں رہے ہے موج دود
جس طرح منہ پر لٹوں کو کوئی جوگن چھوڑ دے

ہے امام پاک کی تجھ کو قسم مت چھیڑ جان
ٹوٹ ہی جاوے گا ڈیرا دیکھ سمرن چھوڑ دے

ہم سے گر صاحب سلامت رکھنی اب منظور ہے
تو بدلنا ہر گھڑی ہر آن چتون چھوڑ دے

ل میں یوں ہے۔

مظفرالدولہ[1] مختار الملک نواب ظفریاب خاں بہادر نصرت جنگ متخلص بہ صاحبؔ فرنگی

1۔ اصل: ر خ۔

است خلف والا جاہ ظفر یاب خاں سمرو صاحب بہادر کہ محالات سردھنہ[1] وغیرہ در جایداد کنیوی اواز قدیم مقرر است و بعد ممات سمرو صاحب، زیب النساء بیگم والدہ ماجدہ نواب ممدوح براں قابض و متصرف گشت و بمقتضای خوش نیتی و غربا پروری بہ عنوان سمرو صاحب بہادر بہ نیکنامی و آبادی پرورش رعایا و خلایق متوجہ و مصروف است و اوقات خود بہ نظم و نسق کارخانجات قدیم و بیاد ایزد پاک بسرمی برد۔ در ہنگام رونق[2] افروزی شاہجہاں آباد مجلس مشاعرہ بہ[3] دولت خانہ نواب ممدوح حسن انعقادی یافت و تمامی شاعراں مجتمع می شدند، عاصی ذکا[4] نیز حاضر می گشت[5] ذات بابرکاتش مجمع فیوض[6] و قدر شناسی ہابود۔ اکثر بہ تواضع و مدارات حضار مشاعرہ پیش می آمد در فن مصوری و علم موسیقی ید طولیٰ[7] داشت و خط نستعلیق ہم خوب می نوشت در سردھنہ رفتہ سفر[8] گزای منزل آخرت گردید:

شب نظر آیا مجھے لب بام پہ پیارا اپنا   بارے کچھ اب ہے بلندی پہ ستارا اپنا
ہے زلف حلقہ زن خط دل بر کے آس پاس   یا اژدہا ہے فوج سکندر کے آس پاس

صباؔ، شنکر ناتھ

مرزا راجہ شنکر ناتھ بہادر صباؔ تخلص مہین پور مرزا راجہ رام ناتھ بہادر از[9] مقربان و مخصوصان حضور والا است از آبا و اجداد بر عہدۂ پیش کاری نظارت عز و امتیاز و شرف[10] و اعزاز دارد۔ مرد خوش خُلق و صاحب سلوک و قدر شناس و باوصاف حمیدہ و اخلاق پسندیدہ متصف و معروف است۔ اکثر بہ تقریب مشاعرہ[11] ایں کمتریں ہم بہ گوشتہ بساط فیض مناطش جامی یابد۔ توصیف نکتہ دانی و شعر فہمی و سخن گوئی آں والانژاد از احاطۂ تحریر مبر است مرد خوبی است دریں عصر[12] از جملۂ مغتنمات است اشعاری چند از طبع زادش بہ نوک قلم می آرد فی الجملہ تلاشی[13] کردہ:

---

1 اصل/خ: کوتانہ و بزمادہ (سرور کے یہاں بھی موجود)۔ 2 اصل/ق: تشریف داشتن۔ 3 اصل/ق: بہ خانہ۔ 4 اصل: 'ذکا' اضافۂ مؤلف۔ 5 اصل/ق: می شد۔ 6 اصل/ق: فیوض و علوم۔ 7 اصل/ق: تعارف کلی۔ 8 اصل/ق: مسافر۔ 9 ل: 'از' محذوف۔ 10 اصل: ''شرف'' اضافۂ مؤلف۔ 11 اصل/خ: و نیز باخرار قدم بوسی۔ 12 اصل/خ: بودن ہم چنیں انساں؛ ل: عصر لطیفش۔ 13 اصل/ق: تلاش کامل۔

دل جب اس کی نگۂ مست کا مخمور ہوا
سرخوش کیفیت بادۂ انگور ہوا

تم دور رہا چاہو تو کچھ دور نہیں ہے
پر ہم کو جدا رہنے کا مقدور نہیں ہے

گر کیا قصد تو نے جانے کا
مجھ کو جیتا نہیں تو پانے کا

ہوں میں صدقے ترے بہانے کا
روز ڈھب یاد ہے نہ آنے کا

یاں تک آئے جونہیں دیکھ کے تم کالی رات
اس بہانے سے غرض آپ نے یوں ٹالی رات

نظر آتا نہیں کوئی جہاں میں مہرباں اپنا
کہوں میں کس سے جا کر ہائے یہ راز نہاں اپنا

باقی رہا ہے اور بھی کچھ امتحاں ہنوز
جاتا نہیں ہے آپ کے دل سے گماں ہنوز

نہیں یہ گرد قمر رات کو ہالا نکلا ☆
کھو گیا تھا جو ترے کان کا بالا، نکلا

صادق، میر جعفر خاں

میر جعفر خاں صادق امرای[1] عمدہ معاش بود در دہلی آخر ہا بہ طرف مشرق استقامت ورزیدہ ازاں نواح رخت سفر بہ جانب آخرت کشید۔ فارسی و ہندی می گفت۔ کلامش[2] برجستگی دارد:

دل ہے یہ یا کباب ہے کوئی
عاشقی یا عذاب[3] ہے کوئی

شرم سے نام تو نہیں لیتے
پر ہمارا خطاب ہے کوئی

نہ کھوجی ہو ہمارے آنسوؤں کی منزل ورہ کی
خدا جانے کدھر یہ بے سروپا جائے گی بہکی

بتاں[4] کو کیا مزا حقہ پیے سے
کہ منہ میٹھا نہ ہو گڑ گڑ کیے سے

زبس طفلی سے حقہ کی ہوئی خو
لباں[5] سے ان کے آئے دود کی بو

صانع

صانع تخلص اوشخصی بود از سیادات بالگرام و واسطی الاصل، صاحب دیوان فارسی۔ مرزا محمد رفیع سودا[6] چندی اشعار فارسی[7] بہ نظر شاعر ہذا گذرانیدہ بود۔ شاعر مشہور فارسی بود گاہ گاہی ریختہ ہم

---

1 اصل/ق: مردے۔ 2 اصل/خ: ایں ابیات از وست؛ ل میں ہر دو ندارد۔ 3 ل: کیا۔ 4 ل: بتوں۔ 5 ل: لبوں۔ 6 اصل/خ: کہ چندے شوق فارسی گوئی ہم بہم رسانیدہ بود۔ گویند کہ اشعار خود را بہ نظر اصلاح ایں شخص گذرانیدہ۔ 7 ل: 'فارسی' محذوف۔ ☆ ل سے اضافہ۔

از طبع[1] آں بزرگ می ریخت:

کھلایا[2] سب سگِ لیلیٰ کو مشتِ استخواں اپنا
نہ چھوڑا ہائے کچھ مجنوں نے صحرا میں نشاں اپنا

صنم کی اس محبت پر دیا تھا دین و دل صادؔق
نہ تھا معلوم ہو جاوے گا یوں نا مہرباں اپنا

صادؔق، میر صادق علی

میر صادق علی صادؔق خلف فوجداری خاں در لکھنؤ بہ فیل بانی فیل سواری خاص شاہزادہ عالی فرمرزا سلیمان شکوہ بہادر شرف افتخار دارد شعرش بہ اصلاح میر انشاء اللہ خاں انشاء[3] می رسد تلاش خوب دارد و مذاق مرغوب۔

صادؔق اب اور سروکار نہیں اس سے مگر
ایک بوسہ کی رکھے ہے دل غم ناک ہوس

نہ آفتاب سے ہر ذرہ یہ چمکتا ہے
وہ ایک نور ہے جو سب میں آ جھمکتا ہے

جلد آ جلد دم باز پسیں میں میرے
نظر آتا ہے چراغ سحری کا نقشا

جس نے دیکھا ہے تری جلوہ گری کا نقشا
اس کو بھاتا ہے کب اے یار پری کا نقشا

ہو نام خدا کیونکر[4] تجھ میں نہ خود آرائی
انداز سخن یہ کچھ چہرہ کی وہ زیبائی

صادق، صادق علی

صادق علی شاہ صادؔق اصلش پنجاب و حالا در فرخ آباد واقع است قلندرانہ بسر می بردگاہ گاہی اشعار ریختہ بطرز درویشانہ از و سرمی زند بیتی از تصنیف[5] رطب و یابس او نگاشتہ شد:

کسو[6] سے نفع کچھ میں نے نہ پایا
بہت دل ہوگیا ہے اب مرا سرد

1۔ ل: گفتہ۔ 2۔ اصل میں یہ جگہ خالی ہے اور 'ل' میں یہ شعر موجود نہیں۔ سرور سے تصحیح کی گئی۔ 3۔ ل: 'انشا' محذوف۔ 4۔ ل: نیز مصحفی (ہندی): تجھ میں کیونکر۔ 5۔ ل: تالیف۔ 6۔ اصل/خ (اس قطعہ کا پہلا شعر):

غرض کے آشنا ہیں سب زن و مرد
نہ ہو تو جفت ان سے آپ رہ فرد

صادق، میر صادق

میر صادق علی خاں صادق مولدش عظیم آباد گویند کہ درآں دیار بزرگانش بہ عمدگی ایام می گذرانیدند خودش نیز[1] بر فاہیت حال می گذارند۔ انسان ذہین الطبع و خجستہ اطوار و شگفتہ جبیں مروت دثار واقع شدہ۔ کم کم بہ فکر شعری پرداز د بعد سالی و ماہی غزل طرحی مشاعرہ سرانجام می دہد۔ بہر کیف ایں چند[2] ابیات از وست۔ بقدر[3] استعداد تلاشی بکار بردہ:

تصور جب کیا میں نے سبو کا — گلابی کی طرح سے خوں ہلو کا
گریباں چاک پھر ہووے گا ناصح — بھلا کیا فائدہ ایسے رفو کا
آہ سحر نے شورش دل کو مٹا دیا — اس باد نے ہمیں تو دیا سا بجھا دیا
اس جسم نے تو نور کو جاں کے مٹا دیا — فانوس نے چراغ ہمارا بجھا دیا
پیری میں بھی مٹا نہ مرے دل سے داغ عشق — اس گھر میں صبح کو بھی نہ ہرگز بجھا، دیا
مرے رونے سے رونا ابر کا افزوں نہ ہووے گا — کہ جاری آب ہوگا اس سے ہرگز خوں نہ ہووے گا

قطعہ

ہمیں زیر زمیں بھی چین اے گردوں نہ ہووے گا — دل بیتاب گر ہم سے جدا مدفوں نہ ہووے گا
جو میں کہتا ہوں اے ظالم کبھو تو ایک بوسہ دے — خراب اس میں ترا کچھ یہ لب بے گوں نہ ہووے گا
تو کہتا ہے زبردستی کا تو پینڈا نرالا ہے — دلے میں جو خوشی سے تجھ کو بوسہ دوں، نہ ہووے گا
سازش داغ کی میرے جو خبر گرم ہوئی — مہر سر کھولے ہوئے مارے جلن کے نکلا
وہ ہے عرق سے یار کے چاہ ذقن، میں آب — دیکھے تو خضر کے بھی بھر آوے دہن میں آب
آتش کسی کے دل کی بجھا، ہو سکے اگر — دیتا ہے کیا تو ابر، صدف کے دہن میں آب
گریاں ہوئے ہیں دفن ہم اے تشنگان حشر — چاہو تو ڈھونڈھ لیجو ہمارے کفن میں آب
خسرو کو کیوں ڈبا نہ دیا جوئے شیر نے — تیشہ کی پہنچی جب کہ سر کوہ کن میں آب

---

1 اصل: نیز ندارد۔ 2 ل: ''چند'' محذوف۔ 3 ل: یہ عبارت محذوف۔

داغ دل جھمکے ہے یوں صادقؔ کے سینہ میں پڑا — جیسے جلتا ہو کسی گور غریباں میں چراغ

کیا دخل ہم وفا سے پھریں اور جفا سے یار — سو مرتبہ زمانہ میں گر انقلاب ہو

کیا ہوا اس فصل گل میں گر مرے پروانہیں — دل پڑا اڑتا ہے کچھ پرواز کی پروانہیں

بے روئے یار عیش ہو منظور گر ہمیں — جام شراب بزم میں چشم پُر آب ہو

سر ملک عدم کو قافلا یاروں کا جاتا ہے — کسی دن اٹھ چلو صادقؔ اگر عزم سفر ہووے

صبرؔ، مرزا غلام حسین

مرزا غلام حسین بیگ صبرؔ فرزند حکیم بوعلی خاں، اصلش کشمیر از مدتی بزرگانش در دہلی توطن گزیدند، انسان سعادت مند و ذی ہوش است، اشعار خوش گفتۂ خود بہ نظر حافظ میر عزت اللہ عشقؔ گذرانیدہ:

گہے قصد حرم، گاہے سر بت خانہ رکھتے ہیں — غرض ہم بھی عجب ہی مشرب زندانہ رکھتے ہیں

صادقؔ، مرزا احمد صادق

مرزا احمد صادق المتخلص بہ صادق دام ظلہ، بادشاہ زادۂ صاحب جاہ واہل حشمت، بلند اقبال بہ جناب پاک[1] خلافت حضرت خدیو[2] جہاں شاہ عالم گیتی پناہ خلد اللہ ملکہٗ وسلطنۃٗ قرابت خویش دارد ونہایت قدر شناس وکمال سخن رس وشعر فہم ومرد قابل وبسیار ذکی الطبع ستودہ وضع و بہ انواع اخلاق وخوبی ہای موصوف است۔ رخش ہمت را گاہ گاہی بمضمار ریختہ گوئی رخصت جولانگری می فرماید، ایں اشعار ندرت طراز از تالیف عالیہ اوست:

کیوں فلک کچھ سرکشی کب میں نے تجھ سے کی تھی آہ — عرش سے پٹکا جو تو نے خاک پر میرے تئیں

کس طرح ملیے بہم فرصت ہے کب میرے تئیں — دوست دشمن دیکھتے ہیں سب کے سب میرے تئیں

تیرے ہی سر کی قسم میں اپنے سر کو کاٹ دوں — گر کوئی دیوے ترے سر کی قسم میرے تئیں

تو نہ آیا راہ تیری دیکھتے ہی دیکھتے — پیش آئی جان من راہ عدم میرے تئیں

1۔ اصل ''پاک'': اضافۂ مؤلف: ل میں ندارد۔ 2۔ ل: خدیو جہاں شاہ گیتی پناہ۔

ہے دعا صادقؔ کی یہ یارو برائے اہل بیت جز غم شبیر کچھ دیجو نہ غم میرے تئیں

صاحبقراںؔ

صاحبقراںؔ تخلص شخصی اوباش وضع بدزبان وہزل گواست در لکھنؤ۔ دیوانی از فکاہات[1] اقسام ہزلیات جمع نمودہ و بہ خودی ناز دو خود را جعفر زٹلی ثانی می داند۔ از مر محاورہ الفاظ فحش کہ سوائے ازیں چیزی دیگر بزبانش نمی رود، سخنوران[2] آں دیار بہ اصلاح شعر آں کمتر تندہی می فرمایند چنانچہ ایں عاصی ہم بہ اختصار پرداختہ[3] بہ مقتضائے لاچاری کہ شعری خالی ازیں گفتگو نیافت ایں ابیات درج نمود کہ بہر[4] حال خالی نباشد:

مستی کے عالم میں کل اس آلت نے کیا کام کیا ☆ چیچا توڑا کُس کو کھولا آخر کو اغلام کیا

مجھ کو شہوت ہوئی تیمّم سے تھی مقرر کسی چھنال کی خاک

وہ کُس کہاں کہ نفس مرا سارا کھا سکے رڈاں کی جورو ہووے تو مجھ سے چدا سکے

جب اسے صاحبقراں کرنے لگے بولی اے صاحبقراں کرنے لگے

یہ رشتہ ہے محبت کا نہ ٹوٹا ہے نہ ٹوٹے گا ☆ دل اس کے دام گیسو سے نہ چھوٹا ہے نہ چھوٹے گا

شکست دل کی اے صاحبقراںؔ تہمت نہ دے اس کو کسی نے ملک کو اپنے نہ لوٹا ہے نہ لوٹے گا

صباؔ، کانجی مل

لالہ کانجی مل صباؔ تخلص قوم[5] کایتھ ساکن لکھنؤ شاگرد میاں غلام ہمدانی مصحفیؔ شعر بامزہ می گوید:

---

1 اصل/ق: سخناں؛ ل: کلمات۔ 2 ل: سخنوگویاں۔ 3 ل: پرداختہ محذوف۔ 4 ل: میں یہ عبارت محذوف۔ 5 مصحفی (ہندی): قوم کایستھ سکسینہ۔ وطن بزرگانش فیروز آباد و خودش در لکھنؤ نشو و نما یافتہ۔ فقیر در ایامیکہ وارد ایں شہر بود چندے حسب اتفاق بر مکان ایشاں اقامت داشت۔ مشارٌ الیہ دراں ایام بمقتضائے موزونی طبع شوق شعر پیدا کردہ...... بہ عمر بست و پنج سالگی در عین جوانی مدقوق شدہ درگذشت۔

☆ ل سے اضافہ۔

اس خاک سے جھاڑ کے دامن کو جوں صبا ❖ ایسا گیا کہ پھر نہ سراغ صبا ملا

چلے دامن اٹھا کر یہ کہو اُس شوخ قاتل سے
کہ یہ مدفن نظر آتا ہے رنگیں خون بسمل سے

تغیری رنگ میں تاب وتواں نے ہم رہی چھوڑی
رعیت جس طرح پھر جائے ہے معزول عامل سے

بھٹکا پھرے ہے مجنوں لیلیٰ کے قافلے میں
یہ پوچھتا کہ یارو محمل کدھر گیا ہے

کیا تو نے کچھ صبا سے اے تند خو کہا تھا
روتا ہوا ادھر سے باچشم تر گیا ہے

ازل سے شور تیرے عشق کا جو سر میں تھا میرے
گیا میں جی سے اپنے پر نہ وہ سر سے گیا میرے

نہ آیا وہ مسیحادم، دمِ آخر بھی بالیں پر
مرا تو میں ولے ارمان یہ دل میں رہا میرے

عاشق مضطر کا سوز دل نہاں کیونکر رہے
شمع کے شعلہ کی اے یارو زباں کیونکر رہے

ہاتھوں میں ترے پیارے یہ طایر حنا ہے
یا مرغ دل ہے میرا، بسمل اسے کیا ہے

صفدر، میر صفدر علی

میر صفدر علی صفدر شخصی است سید[1] ساکن ضلع جے پور در سرکار نواب اسدالدولہ نجابت علی خاں بہادر ہزبر جنگ[2] نوکر است۔ ایں[3] دو ابیات ریختہ از طبعش ریختہ:

دل کو تو میرے چھیڑیو اے جان سمجھ کر
اخگر کو نہ چھو لعل بدخشان سمجھ کر

اے ساکن اقلیم عدم دم ترے قرباں
کیا لاؤں ضیافت تجھے مہمان سمجھ کر

صفدری، میر صادق علی

میر صادق علی صفدری خلف میر قمر الدین منت برادر[4] صغیر نظام الدین ممنون سلمہ تازہ مشق است، اصلاح شعر از برادر مہین خودمی گیرد طبع موزوں دارد بشرطؔ سیر مشقی اغلب کہ سخن خوب خواہد گفت[5] وحالا ہم بہتری گوید:

آنکھ[6] اپنی یہ کس کے دردنداں پہ پڑی ہے
جو، تار، ہے آنسو کا سو موتی کی لڑی ہے

1 ل: 'سید' محذوف۔ 2 اصل/خ: چندے علاقہ دارد۔ 3 ل میں یہ عبارت محذوف۔ 4 سرور: برادر سیومی۔ 5 اصل: اضافۂ مؤلف۔ 6 اصل/خ: کس کے خوں کا رنگ یہ دامن پہ قاتل رہ گیا۔ قتل سے منکر جو تو ہوتا ہے میرے راست ہے۔ ❖ ل میں یہ اشعار نہیں۔

چیچک کا ستم گر سر ابرو ہے ترے داغ　　یا قبضۂ شمشیر پہ چینی یہ جڑی ہے

قطعہ

جب رخ سے اٹھا اس کے دوپٹہ میں کہوں ہوں　　جاگو کہ رہی صبح میں بھی کوئی گھڑی ہے
لے منہ پہ وہ بت زلف سیہ فام کہے ہے　　مت چھیڑ جگا مت کہ ابھی رات بڑی ہے
مژگاں کے تصور میں غضب رات کھٹک تھی　　اے صفدرؔی اس دل میں عجب پھانس گڑی ہے
یہاں چشم تر و پُر خوں دل مستانہ رکھتے ہیں　　نہ پروائے سبو، نے حاجت پیمانہ رکھتے ہیں

صبؔا

صبؔا تخلص از رشد یافتگان میر ضیاء الدین ضیائے عظیم آبادی، است عاصی پُر معاصی ذکا[1] پنج[2] اشعار آبدار وی برشتۂ مسطری می کشد:

جمع کر کر درد سارے تو نے دل پیدا کیا　　کہہ تو اے دست قضا پھر تو نے کیا حاصل کیا
نہ کر محروم بوسہ سے ہمیں قاتل کہ مرتے ہیں　　جو مانگے، سواسے دیتے ہیں، جس کو قتل کرتے ہیں
یہ ماتم کس دوانے کا ہے یارب آج صحرا میں　　کہ سیلیں روتی پھرتی ہیں بگولے خاک اڑاتے ہیں
بھول کر بھی کبھو نہ یاد کیا　　ہم ترے جی سے ایسے بھول گئے
کیا جور کیا تعدی جو کچھ کرو بجا ہے　　بدلا ہے دل دیے کا اس کی یہی سزا ہے
سب امید اپنی کر حصول گئے　　اک ترے در سے ہم ملول گئے
تربت صبؔا کی دیکھی کل رات دور سے جو　　آئے نظر مجھے واں شمع وچراغ کتنے
جاکر جو آج دن کو دیکھا میں کر تفحص　　اک دل جلے ہے اس میں حسرت کے داغ کتنے

صیؔاد، مرزا غلام حسین

مرزا غلام حسین دہلوی[3] صیاد تخلص، وی جوانی[4] سعادت مند خیلی معزز و مفخر خوش وضع

---

1. اصل/ق: ایں۔ 2. ل: ایں اشعار.........تحریری کشد۔ 3. ل: دہلوی محذوف۔ 4. ل: جوانی محذوف۔

ظریف الطبع شیریں زبان فصیح بیاں بہ فلاح ظاہر و باطن آراستہ و پیراستہ است آبا و اجدادش ایام[1] بکام دل بسر بردہ اند۔ مشق سخن از میر عزت اللہ عشق نمودہ در تحصیل علوم رسمیہ مساعی جمیلہ بکار می برد ایں[2] اشعار از وی است:

ربط و اخلاص وہ ڈوبے تمھیں اپنی ہی قسم ❖ کبھی آیا تو کرو اپنے گنہگار کے پاس

جب تلک ہے دم میں دم تجھ سے نباہیں جان من بے ارادہ یار بد تقدیر سے واقف نہیں

کشتۂ تیر نگہ جس کا ہوں میں اے وائے صبر ❖ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس نخچیر سے واقف نہیں

چلمن سے اس نگہ نے کیا دل شکار حیف یہ مثل وہ ہے ٹٹی کے اوجھل شکار حیف

صدق

صدق زبان دانی ساکن بلدۂ حیدر آباد است فکر تازہ دارد۔ بعضی غزلیاتش کہ بہ دہلی آمدہ بود از اں ایں اشعار انتخابی[3] بقلم دادہ:

کیا سرمہ کو آنکھوں میں نظر بند رکھا مرغ حنا ہاتھوں میں پر بند

رگ گل سے بھی نازک تر ہے پیارے گلابی پیرہن کا تیرے ہر بند

تصور میں ترے اے نور بینش ❖ نہیں ہوتی کبھو یہ چشم تر بند

بہ وقت اشک اب نکلے ہے شاید ہوا آنکھوں میں آ لخت جگر بند

ہوا جو صاف مشرب آئینہ ساں رکھے خلقت کے منہ پر کب وہ در بند

کہاں نکلے ہے تار زلف سے دل کرے پرواز کیونکر مرغ پر بند

دہن سے تیرے سخن جیسے دُر افشاں نکلے صدف سے یوں در شہوار پھر کہاں نکلے

چمن میں یار اگر آوے ہو بسنتی پوش گلوں سے بہہ کے عرق رنگ زعفراں نکلے

جگر کے داغ پہ تب ٹھیرے مرہم کافور بسان پنبہ اگر مغز استخواں نکلے

نکالے بیضۂ خالی حباب کا بلبل کنار بحر جو گلرو ترا اماں نکلے

1۔ ل میں محذوف۔ 2۔ ل میں محذوف۔ 3۔ ل: انتخاب نمودہ

❖ ل میں یہ اشعار ندارد۔

تمھاری مانگ میں تابندہ[1] دیکھ سلک گہر | فلک پہ شب کو نہ خجلت سے کہکشاں نکلے
سخنوروں کو کرے تنگ معنی باریک | جو مو کمر کا مرے ذکر، درمیاں نکلے
چلے جو قافلۂ اشک دل سے نکلے آہ | فغاں کرے ہے جرس جب کہ کارواں نکلے
نگاہ گرم سے دیکھا ہے شمع نے شاید | جو آپ بزم سے برہم[2] عرق فشاں نکلے

صفاؔ

صفاؔ تخلص غزل وقصاید او کہ بعض بہ سمع ایں بندۂ ذکاؔ رسیدہ، از فحوایش در کلام خوبی[3] التیام فصاحت الفاظ و معانی دریافت شد۔ بہر حال ایں مطلع چست و دل نشیں از تصنیف آں شیریں زبان فصاحت[4] اقران دریں جا رقم زدۂ کلک محبت سلک گردیدہ:

محتسب جھوٹ ہے کس نے بھری شیشہ میں | رہ گئی ہے مرے[5] آنسو کی تری شیشہ میں

صفدریؔ

صفدریؔ وی از سخن گویان سلف خیلے معنی یاب وذی تلاش بود[6] ایں ہیچ مداں بیتی از و دریں محل مثبت می گرداند:

خاتم دست سلیماں ہے پری رو کا دہن | لعلِ لب کا جس پہ یاقوتی نگینہ ہے عجب

صاحبؔ

صاحبؔ شاعر قدیم اہل دیوان۔ ایں افراد[7] از طبع زاد اوست بہر حال خوش گفتہ:

کل جو وہ آتے ہوئے جانب گلزار جھکا | سرو بھی واسطے تعظیم کے یک بار جھکا
مجلس مے کو گلستاں میں تماشا کرنے | شیخ جیو[8] کا بھی ادھر گنبد دستار جھکا
زور کیفیت مے ہے کہ سبھی جھکتے ہیں | جام پر شیشہ جھکا، شیشہ پہ میخوار جھکا
دیکھنے کے لیے اس ساقی سرشار کے آج | ایک صاحبؔ نہ جھکا، کوچہ و بازار جھکا

---

1 اصل/ق: تاباں؛ پھر "یہ بندہ"۔ 2 اصل/ق: پیہم۔ 3 ل: التیامش۔ 4 ل: میں اس عبارت کے بجائے "است"۔ 5 اصل/ق: کہیں۔ 6 اصل/ق: معلوم شد۔ 7 ل: از وست۔ 8 ل: شیخ جی۔

ردیف الضاد المعجمہ

ضیاؔ، مرزا ضیا بخت

مرزا ضیا بخت بہادر دام اقبالہ ضیاؔ تخلص چشم و چراغ مرشد زادۂ آفاق مرزا فرخندہ بخت بہادر[1] مغفور۔ از بدو فراست و تمیز شوق شعر گوئی بہم رسانندہ بہ سبب سیر مشقی اکثر غزلیات شاذ[2] بہ آسانی طرح می فرمایند و شبدیز ہمت عالیہ را بہ میدان فصاحت و بلاغت جولاں دادہ شعر را بہ عجلت و خوبی سرانجام می بخشند۔ ایں[3] اشعار از زادہ ہای طبع رساں آں والا گوہر، دُرج خلافت است۔

نہ شب کو خواب نہ دن کو قرار رہتا ہے	مجھے کسی کا مگر انتظار رہتا ہے
متاع صبر گیا کون لوٹ لے کہ یہاں	اب اضطرار سا کچھ اضطرار رہتا ہے
جو یوں جنوں کی ہے پردہ دری تو ایک دم میں	نہ پھر تو جیب نہ دامن میں تار رہتا ہے
چھڑا کے کون گیا ہاتھ سے ضیاؔء دامن	بندھا جو اشک کا تا جیب تار رہتا ہے

ضیاؔء، میر ضیاء الدین

میر ضیاء الدین ضیاؔ متوطن[4] دہلی فکر رسا و طبع معنی زا داشت اکثر سخن سنجان[5] آں دیار فرخندہ آثار نسبت تلمذ بروی داشتند۔ سر آمد وقت خود بود، اصلاح خوب می داد، بہ عظیم آباد رفتہ از آں جا راہی ملک عاقبت گشت خداش بیامرزد۔ سخن دل پذیرش خالی از تلاش نیست و بہ فصاحت و بلاغت آشنا است:

باد بھی کھائی نہ تھی دل نے کہ مرجھانے لگا	آہ یہ غنچہ تو کچھ کھلتے ہی کملانے لگا

---

1 اصل: 'بہادر' اضافۂ مؤلف۔ 2 اصل/ق: کہ زمین شاد بود۔ 3 ل: میں محذوف۔ 4 مصحفی (ہندی) لکھتے ہیں کہ پہلے میرؔ سے اصلاح لیتے تھے۔ 5 ل: سخن طراز انِ ایں دیار فرحت آثار۔

صاف تھے جب تک تو ہم کو بھی جواب صاف تھا　　اب تو خط آنے لگا شاید کہ خط آنے لگا

پلادے آب خنجر ہم کو قاتل، تشنہ جاتے ہیں　　جو مرتا ہے تو اس کے حلق میں پانی چواتے ہیں

چشم گریاں، سینہ بریاں، دل کو جلتا لے چلے　　شمع رومجلس سے تیری ہم بھی کیا کیا لے چلے

تیرے کوچے سے ضیا کو یہ فلک یوں لے چلا　　نیم بسمل کو کوئی جیسے تڑپتا لے چلے

ضیاء مضطر ہے دل اپنا وہاں کیا دیکھو آیا ہے　　جو ہر اک بات کہنے پر یہ قاصد روئے دیتا ہے

ہے طرف[1] باغ کے کیا ابر سیہ کار جھکا　　تو بھی شیشے کا سراے۔ اقی سرشار جھکا

دل مرا لے تو گیا شوق سے مٹھی میں ولے　　ہاتھ اس شوخ کا جوں شاخ ثمردار، جھکا

گھر کو ہے اس کے بھولا یا راہ پھیر کی ہے　　یارب تو خیر کیجو قاصد نے دیر کی ہے

الٰہی جام دے جم کو اور آئینہ سکندر کو　　مجھے وہ چیز دے جس سے کروں تسخیر دل بر کو

ہجر کی رسم تجھ سے چھوٹ پڑے　　یا فلک تجھ پہ عرش ٹوٹ پڑے

جنت کا مت دو مژدا مجھ خاک میں رُلے کو　　آرام واں بھی معلوم ایسے جلے مُلے کو

گریاں و خاک اڑاتا جوں ابر جوں بگولا　　صحرا میں تو نے مجنوں وحشی ضیاء کو دیکھا

جیوں چنار اس جا پہ پھولیں ہیں نہ پھل لاتے ہیں ہم ☆
جب مراد اپنی کو پہنچیں ہیں تو جل جاتے ہیں ہم

ضبط، میر حسن

میر حسن شاہ ضبط از سخنوراں بلدۂ لکھنؤ است فی الجملہ سر بہ سخن دارد، ایں[2] مطلع رنگیں از فکر دل نشین اوست:

نقد دل وحشت میں کھو کر اک جنوں پیدا کیا　　ہم نے بازار محبت میں یہ کیا سودا کیا

ضیاء

ضیاء تخلص از قدیم باشندۂ احمد آباد بہ زبان خود ہر چہ بہتر بتوانست[3]، تالیف می نمود[4] بیتی کہ

---

1 ل: جانب باغ ہے۔ 2 ل میں محذوف۔ 3 ل: می دانست۔ 4 اصل/ خ: روزے بر سبیل مذکور در مجمع دوستاں۔ ☆ل سے اضافہ۔

فی الحقیقت[1] بہ حسب رویۂ زمان درست است از و سر زدہ:

زر سے ہے آشنائی، زر سے ملے ہے بھائی　　زر نہیں تو ہے جدائی، دنیا میں جو ہے زر ہے

ضمیرؔ، لالہ گنگا داس

لالہ گنگا داس ضمیرؔ قوم کایتہ بھٹناگر، ساکن شاہجہاں آباد، سوای فنون متصدی گری در رمل ونجوم وعلم شاستری دستگاہ دارد۔ اصلاح شعر فارسی از حکیم محمد حسین خاں تحسینؔ و مرزا محمد عشقؔ و اصلاح ریختہ از میاں نصیرؔ می گیرد، مرد غریب است و ہم فکر غریب دارد:

روکش ابر بہاری کیا یہ چشم زار ہے　　خندہ زن گل پر بھی زخم سینۂ افگار ہے
دن پھرے جانوں اگر دن میں کرے پھیرا وہ ایک　　خواب میں بھی ان کا آنا دولت بیدار ہے
قیمت بوسہ تھا نقد دل سو وہ تو لے چکے　　پھر یہ کیوں انکار، کیا باقی رہی تکرار ہے
اس بہار باغ دل سے ہے فراغ سیر باغ　　سیر گل بے رشک گل آنکھوں میں اپنی خار ہے
میں بتاتا ہوں ضمیرؔ اب کچھ تجھے بھی ہے خیال،　　چشم خواب آلودہ اس کی فتنۂ بیدار ہے
فلک تلک بھی شرارت کی، ہے تری شہرت　　جو برق آج یہ زیر سحاب کانپے ہے
سپر وہ باندھ کے نکلا ہے آفتابی آج　　ضمیرؔ اس کے حضور آفتاب کانپے ہے
اشک ریزی ہے مری دیکھ گلوگیر صنم　　ان کی گردن میں تو یہ سبحۂ بلور نہیں
سینہ اس ناوک مژگاں سے مشبک ہے ضمیرؔ　　شوق سے ہاتھ لگا خانۂ زنبور نہیں

ضمیرؔ، شیخ مداری

شیخ مداری ضمیرؔ در[2] مستقر الخلافہ اکبر آباد[3] سکونت دارد، از محمد ولی نظیر سلمہ و شاہ محمدی بیدارؔ علیہ الرحمہ استفادہ برداشتہ، ایں شعر اوست:

چشم بد دور جدھر آپ گذر کیجیے گا　　ایک عالم کے تئیں زیر و زبر کیجیے گا
مستوں کو جو اس نرگس مخمور کی سوجھی　　پھر مے کی رہی یاد نہ انگور کی سوجھی
وہ ابھی ہے نوگل آرزو و ہنوز تازہ نہال ہے　　نہ کچھ آئینہ کی اسے خبر نہ حنا سے کچھ سروکار ہے

---

1. ل: درحقیقت۔ 2. ل: ساکن۔ 3. ل: آگرہ۔

ردیف الطاء المہملہ

طِفلؔ، مرزا عبدالمقتدر

مرزا عبدالمقتدر بہادر سلمہ، عرف مرزا طفل، طفل تخلص خلف الصدق مرزا بابر بہادر مرحوم و مبرور، عموی زادۂ حضرت جہاں پناہ ظل اللہ شاہ عالم بادشاہ غازی دام اللہ تعالیٰ ملکہ وسلطنتہ۔ دیوانی وخان سامانی مرشد زادۂ آفاق حضرت ولی عہد مرزا محمد اکبر شاہ بہادر مدظلہٗ، بہ جناب ایشاں متعلق است۔ بسیار صاحب حیا و بامروت و خوش سلوک و نکتہ رس و باتمکین و معزز و محترم، از قدیم الایام رخش ہمت والا نہمت را بہ میدان سخنوری جولان می فرمایند و دیوانے مملو بر قصاید و غزلیات و رباعی[1] وغیر آن مرتب فرمودہ اند متانت و فصاحت کلامش[2] بحدیست کہ خامہ مقطوع اللسان متکفل تحریرش نمی گردد۔ بہر کیف ایں[3] اشعار از طبع زاد آں جناب فیض مآب است:

میل خاطر پھر ذرا خاطر میں کچھ لاتا چلا ۔۔۔ نام کو سنتے ہی میرے ہنس کے شرماتا چلا

بے طرح سینے میں دل کچھ سر پٹک کر رہ گیا ۔۔۔ مثل مرغ نیم بسمل یہ پھڑک کر رہ گیا

آزردہ دلوں کو مت ستانا ۔۔۔ یہ بات مری نہ بھول جانا

ہر گھڑی کی یہ کج ادائی کیا ۔۔۔ دم بہ دم ترک آشنائی کیا

دل جلا کر مرا کباب کیا ۔۔۔ ❖ واہ واہ تم نے کیا ثواب کیا

ہائے اس عشق نے مجھے یارو ۔۔۔ ❖ در بہ در گھر بہ گھر خراب کیا

بتاں کی چاہ پہ ہرگز نہ ہو جیو گمراہ ۔۔۔ ❖ گماں نہ کیجیو ان سے کوئی مروّت کا

اس میں مطلق نہیں وفا اے دل ۔۔۔ تو نہ ہو اس سے آشنا اے دل

تری جدائی سے جان سب گئی ہے تن سے نکل ۔۔۔ امید وصل پہ دم تھم رہا ہے آنکھوں میں

---

1 ل: رباعیات۔ 2 ل: کلام۔ 3 ل: یہاں سے آخر تک عبارت محذوف اور اس کے بجائے ''ازوست''۔ ❖ ل میں ندارد۔

بوسہ دینے سے عار کرتے ہو
دل مرا بے قرار کرتے ہو

جو بعد مرگ پہنچے تو کیا حصول ہوگا
دیدار آخری[1] ہے اے قدردان پہنچو

کسو[2] کی کچھ نہیں تقصیر یارو
برا ہو دیدۂ تر کا برا ہو

واہ کیا خوب لگاوٹ سیکھی
زور ہے تو نے بناوٹ سیکھی

رات دن مونس جاں وحشت وتنہائی ہے
دل ہے میرا کہ کوئی وحشیِ صحرائی ہے

کون سے مذہب میں ہے عاشق کو حیراں کیجیے
پیار سے زلفیں دکھا اس کو پریشاں کیجیے

ہم پہ اتنی بھی نہ کچھ مہربانی، بخشیے
دیکھ لی ہم نے تمھاری قدر دانی بخشیے

ہر طرح مجھ کو یہ ستاتا ہے
دل ہی میرا مجھے جلاتا ہے

کہتے ہیں یار آتا ہے ٹک راہ دیکھ لے
اے دل ابھی نہ جا اثر آہ دیکھ لے

عشق کا کام جی جلانا ہے
عاشقوں کو سدا ستانا ہے

جس قدر ہم نے جفائیں عشق میں تیرے سہیں
ایک بھی گر تو سہے تو تجھ کو جانیں، مرد ہے

ہجر میں تیرے تڑپتا ہوں اکیلا دشت میں
ایک میں ہوں دل ہے میرا اور آہ سرد ہے

کیا کہوں کچھ کہہ نہیں سکتا، طفل میں دل کا حال
بے طرح کچھ آج تو سینے میں میرے درد ہے

طپش، مرزا محمد اسماعیل

مرزا محمد اسماعیل عرف مرزا جان طپش تخلص، فرزند ارجمند مرزا ابو یوسف بیگ خاں، اصلش بخارا و مولدش خاک پاک دہلی، از اولاد حضرت سید جلال بخاری قدس سرہٗ، مرد سپاہی پیشہ از دہلی بہ مرشد آباد رفتہ۔ خط نستعلیق وشکستہ وآمیز درست می نویسد و برخی از عروض وقافیہ ہم خبر دارد شعر خود را بہ اصلاح ہدایت اللہ خاں ہدایت ونظر اکسیر اثر حضرت خواجہ میر درد علیہ الرحمہ والغفران گذرانیدہ۔ مشاق قدیم وقادر سخن است بہ زور طبیعت ریختہ را بہ خوبی سرانجام می دہد اکنوں در آں ضلع ہم چو او شاعر زبردست وصاحب تلاش کمتر بہم می رسد واستاد وقت واقع شدہ خداش سلامت دراد وحی[3] وقایع۔ من کلامہ:

---

1 ل: آخریں۔ 2 ل: کسی۔ 3 ل میں محذوف۔

رقم کرتا ہے فوراً نام رنگیں شاہدِ گل کا
ٹپکتا ہے جہاں قطرا چمن میں خون بلبل کا

اسی امید پر اپنے تئیں آرام آتا ہے
کہ رہ رہ کر یہی کہتا ہوں اب پیغام آتا ہے

ہمیں تو اشک کے قطرے کا بھی ہے تھامنا مشکل
بھلے وے لوگ ہیں جن کے تئیں دل تھام آتا ہے

نہ جلنا تھا یہ کچھ سوزش ہے جام عشق پینے میں
اترتے ہی گلے سے لگ گئی اک آگ سینے میں

جھلک تیری چلمن سے ناگاہ دیکھی
تجلی جو سنتے تھی، واللہ دیکھی

سدا وصل کا دن ہے کم ہوتے دیکھا
ولے ہجر کی شب نہ کوتاہ دیکھی

بیٹھے بیٹھے یوں ہی کچھ جی میں جو آجاتا ہے
خون دو دو پہر آنکھوں سے بہا جاتا ہے

زندگانی کے بھلا اب کون سے آثار ہیں
زندگی جن سے عبارت ہے، وہی بیزار ہیں

خلشِ آہ سے دکھ ہے سحر و شام مجھے
پھانس نکلے یہ جگر سے تو ہو آرام مجھے

کشش میں آن کے دم ایک بار ٹوٹ گیا
ہزار حیف کہ کھنچتے ہی تار، ٹوٹ گیا

اس شمع رو سے دل کو یہ لاگ لگ رہی ہے
سینہ سے لے جگر تک اک آگ لگ رہی ہے

خدنگ یار دل و سینہ میں رہا تو ہے
لہو لگا کے شہیدوں میں اب ملا تو ہے

فغاں سے کنگرا، میں عرش اعظم کا ہلاتا ہوں
قیامت خفتگانِ خاک کے سر پر بھی لاتا ہوں

تو گیا پہلو سے، پہلو متصل دکھتا رہا
رہ گیا دکھنے سے جب پہلو، تو دل دکھتا رہا

آہ سے، فریاد سے، نالے سے، ہوتا کچھ نہیں
کچھ کرو اپنی طرف سے، ان کو پروا کچھ نہیں

تم تو کہتے ہو کہ دم کے بعد آجاتا ہوں میں
پر خدا جانے ہمیں دم کا بھروسا کچھ نہیں

ساقی ہے دور مے ہے شب ماہتاب ہے
لیکن یہی غضب ہے کہ تو مست خواب ہے

خاک سے جام کیا جام سے پھر خاک کیا
تو نے کیا کیا نہ کچھ اے گردش افلاک کیا

کس کی طرف سے آج طپش تجھ کو یاس ہے
سچ ہے ہمارے سر کی قسم کیوں اداس ہے

زاہد نے قیامت کی اک بات بنائی ہے
☆ کہتے ہیں جسے محشر، سو روز جدائی ہے

بل ترے منہ پہ زلف کھاتی ہے
☆ ہم کو اپنا یہ بل دکھاتی ہے

شام کو دیکھ کے اس مہ کی جھلک پانی میں
☆ چھپ گیا شرم سے خورشید فلک، پانی میں

☆ ل سے اضافہ۔

حسرت میں مر گئے ہم ہمدم تلک نہ پہنچے ☆ دم ہم تلک نہ پہنچا، ہم، دم تلک نہ پہنچے

کیوں وصل کی دل سے جائے امید
آخر دنیا ہے جائے امید

ہاتھ پر لایا ہوں رکھ کر دل کو، ارزاں چیز ہے
آئے گی واری سے لے لے، دستگر داں چیز ہے

ہرگز نہ سلاسل سے ہو تسخیر ہماری
جوں زلف بتاں چاہیے زنجیر ہماری

کچھ تیرے سلیقے سے پھنسے ہم نہیں صیاد
لائی ہے ہمیں دام میں تقدیر ہماری

ناز ہے انداز ہے ہر دم نئی اک آن ہے
دل ربائی کا غرض تیار سب سامان ہے

اس گلشن جہاں میں جو آیا سو داغ ہے
گلچین روزگار سے کس کو فراغ ہے

نہ سیر بھائے نہ صحرا لگے بھلا مجھ کو
الٰہی بیٹھے بٹھائے یہ کیا ہوا مجھ کو

کیا جانیے کس نے تجھے محبوب بنایا
پر جس نے بنایا سو بہت خوب بنایا

ترا وہ نامہ جو تھا ہم نے کر رکھا تعویذ
سو بعد مرگ ہوا وہ بھی قبر کا تعویذ

ترے شہید کے اسباب غم نظر آئے
شب فراق کے کالے علم نظر آئے

حیران ہوں بے خود ہوں صورت ہی کو تکتا ہوں
سکتے کی سی حالت ہے کچھ کہہ نہیں سکتا ہوں

قطعات

کہا میں، دل سے چل تجھ کو تماشا ایک دکھلاؤں
نہ کاکل عرق آلودہ وہ گردن جھمکتی ہے
لگا کہنے، طپش اب گھر سے میں کیونکر بھلا نکلوں
اندھیری رات ہے، برسات ہے، بجلی چمکتی ہے

ٹکٹکی میں نہ جھپکوں اس سے پلک
اشک بھی گو کہ اس میں ڈھل جاوے
آرزو ہے کہ جان آنکھوں سے
دیکھتے دیکھتے نکل جاوے

ہے فدا تب سے دیکھ کر یہ طپش
خال کا تیرے گال پر نقطہ
جن دنوں میں کہ تھا ترا یہ سبق
دال خالی ہے ذال پر نقطہ

☆ ل سے اضافہ۔

ہرطرف آج ہے بسنت کی دھوم — شہر میں ہے ہر اک تماشائی
کتنے گل رو جو ہیں بسنتی پوش — جی میں کھٹکے ہے جن کی رعنائی
کہتے ہیں آن کر مجھے ہنس ہنس — دیکھ کر میری نا شکیبائی
ہو مبارک تمھیں جنون، طپش — پھر نئی رت نئی بہار آئی

رباعی

قمری گلشن میں سرو پر مایل ہے — بلبل بے چارہ گل ہی کا بسمل ہے
دیکھا تو نہ گل ہی کچھ برا ہے نہ سرو — لیکن ہر اک کا اپنا اپنا دل ہے

مستزاد

یا دیکھ نہ سکتا تھا مجھے تک دل تنگ —وہ غیرت ماہ
یا قتل کا اب کرنے لگا ہے آہنگ —بے جرم وگناہ
گہ مہرو وفاداری و غمخواری ہے — گہ سنگ دلی
القصہ طپش یار کے ہیں کیا کیا رنگ — اللہ اللہ

جب طپش کو نہ ملی بوسہ کی اس لب سے خبر — تب فقیروں کی طرح شعر یہ پڑھتا وہ چلا
بے نوا ہیں کسی پر زور نہیں یا محبوب — دیوے اس کا بھی بھلا جو نہ دے اس کا بھی بھلا

طوماش، جان

جان طوماش بہادر طوماش تخلص، فرنگی زادۂ[1] عاقل زمان، قدر شناس سخنورانست، مصروفیت مزاجش بطرف سپاہ گری، بیشتر گاہ گاہی متوجہ بہ فن شاعری ہم می گردد:

سودا ہے زلف یوسف ثانی کا اس قدر — روتے ہیں ہم کھڑے سر بازار، زار زار
عکس ابرو آئینہ میں سر بسر دیکھا کرو ☆ ماہ نو کو آب میں رشک قمر دیکھا کرو

---

1 ل: خلف الصدق جورج صاحب عرف جہاز صاحب بہادر۔ ☆ ل سے اضافہ۔

طبیبؔ، ولی محمد

ولی محمد طبیبؔ تخلص، شخصی جراح از ساکنین دارالخلافہ[1] چندی مشق سخن از حکیم ثناء اللہ خاں فراق نمودہ، دراوقات کثرت شعر گوئی بعضی کسانش مانع آمدند کہ گفتن شعر نحوست می آرد، ترک باید کرد، ازاں جاکہ شوق خام داشت ہم چنیں بعمل آورد و زبان سخن گذاری بست۔ شمۂ ہر قدر ازاں کہ موزوں گردیدہ، بہ زبان خامہ می دہد:

زلف کافر اور ہے ابرو کا کچھ خم اور ہے　　اس کے مکھڑے کا جو دیکھا ہم نے عالم اور ہے
اس کو کیا قوسِ قزح سے دوستاں تشبیہ ہے　　ابروئے دلدار میں دیکھا تو کچھ خم اور ہے
لعل لب کو پہنچتی ہرگز نہیں اس کے شراب　　نشۂ جام اور ہے کیفیت جم اور ہے
مرہم کافور مت داغ جگر پر رکھ طبیبؔ　　کب طپش جاتی ہے دل کی، اس کا مرہم اور ہے
ذرا اک قاتلوں کے قتل کے اوپر، نظر کرنا　　کہ جس کو قتل کرنا پھر اسی کے گھر میں گھر کرنا

طالبؔ، عاشور بیگ خاں

عاشور بیگ خاں طالبؔ دہلی پسر دولت بیگ خاں مرحوم کہ درعہد نواب ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خاں بہادر، بہ عمدہ[2] معاشی بسر می برد، اصلش توران ومسقط الراسش ہندوستان جنت نشان، مرد باوقار ومعزز وشگفتہ جبیں ونیک کردار بوقوع آمدہ۔ اشعار خود را بسمع میر محمد تقی میرؔ وحکیم ثناء اللہ خاں فراقؔ رسانیدہ۔ صاحب[3] دیوان است، تلاش سخن دارد۔

رہا تجھ کو تو واں نت کام اپنا　　ہوا یاں کام اے خود کام اپنا
کہاں ملتا ہے طالب ہم سے وہ شوخ　　یوں ہی بدنام ہے گا نام اپنا
رقص بسمل ہے طپش ہائے دل　　تو بھی آ دیکھ تماشائے دل
ایک دم چین نہیں دیتا ہے　　کاش سینے سے نکل جائے دل
اگر طالبؔ، سلامت ہے غم یار　　نہیں رہنے کا خالی خانۂ دل

---

1 ل: شاہجہاں آباد است۔ 2 اصل/ق: بہ معاش عمدہ۔ 3 ل: محذوف۔

طالبؔ، میر طالب علی

میر طالب علی طالبؔ از دہلی، خلف الصدق سید الشعراء امیر غالب علی خاں سلمہ اللہ تعالیٰ ابداً، جوان صالح و مستعد، بسیار مؤدب و معزز و مکرم و متحمل و پُر حیاست۔ اشعار آبدار خود را بہ نظر فیض مظہر والد بزرگوار خود گذرانیدہ این[1] اشعار از ریختہہائے طبع اوست۔

مضطر ہو کب میں اٹھ شب، اے ماہ رو نہ آیا ٭ گھر سے تری گلی میں تا بام تو نہ آیا
جز اشک مردم اس کی آنکھوں کے سامنے سے ٭ میری نظر میں کوئی بے آبرو نہ آیا
طالب رہا میں اس کے دیدار کا نہ طالب مطلوب تھا جو میرا، آئینہ رو، نہ آیا

طالبؔ، طالب حسین

طالب حسین طالبؔ اصلش خطۂ جنت نظیر کشمیر و در دہلی تولد یافتہ۔ والد ماجدش در ایام دولت نواب ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خاں بہادر مرحوم و مغفور عزتی داشت و بہ ترفیۂ حال می گذرانید۔ شاعر خود در لکھنؤ وارد است و بہ داروغگی خاصۂ مرشد زادۂ آفاق مرزا سلیمان شکوہ بہادر دام اقبالہٗ شرف امتیاز دارد و بہ خواہش دوستاں گاہ گاہی اشعار برجستہ برروی کار می آرد:

اشک یوں جم گئے ہیں اپنے مژگاں سے لپٹ اوس جیسے کہ رہے خار مغیلاں سے لپٹ
دشت میں، آہ مرے یار جو طالبؔ نے بھری ایک شعلہ گیا خاشاک بیاباں سے لپٹ

طالبؔ

طالبؔ تخلص شاعر دکھنی معاصر محمد ولی بود ہنگامۂ سخن آرائی گرم داشتہ، ریختہ بہ زبان خود بہ حسب رویۂ زمان پیشین می گفت:

طالبؔ کے خون چشم سے آلودہ کب کرے وہ پگ جسے گرانی ہے رنگ حنا ستی

طبیبؔ، سید شاہ

سید شاہ طبیبؔ تخلص، متوطن دار السلطنت لاہور، در فن طباعت دستگاہ دارد، با ضعیکہ محاورۂ

---

1 ل: میں ندارد۔ ٭ یہ اشعار ل میں نہیں۔ " اصل میں برحاشیہ اور پھر قلم زد "بسبب عدم پسند خاطر موقوف نمود۔"

آنجااست بہ حسب کلام ہندوستانیاں نیست۔ تاہم از الفاظ بندی خوش ترکیبش فرق وتجاوز یافتہ نمی شود بہر حال ایں مطلع اش بدستم افتاد:

نہ پوچھ اس کے لبوں کا قصہ، خموش رہ دل ستانہ ہرگز
برنگ غنچہ لہو بھریں ہیں چھلک پڑیں گے ہلانہ ہرگز

طالبؔ، میر طالب علی

میر طالب علی طالبؔ از ساکنین لکھنؤ، بزرگ زادۂ نامی جوہر صلاحیت از چہرۂ حالش آشکارا وطرز کلامش از اشعار او ہویدا:

ہر گام پائے سعی میں سوخار توڑیے
پر رشتہ جست و جو کا نہ زنہار توڑیے

بحرِ غم[1] میں ہو نہ کیوں دل کا لہو پانی ایک
کہ ڈبا دینے کے ہے کام میں تو پانی ایک

سچ ہے طالبؔ یہ کہ ہے دیدۂ وحدت بیں میں
بلبلا، موج، بھنور، قطرہ و جو، پانی ایک

جو تیرتا ہے مرا گلعذار پانی پر
تو روز ہوتی ہے اس دم بہار پانی پر

دلوں پر مردم آبی کے سانپ سے پھر جائیں
جو اپنی زلفوں کو جھٹکے نگار پانی پر

ثبات خلق ہے نقش بر آب اے طالبؔ
حباب ہے نہیں کچھ مستعار پانی پر

اے کماندار تجھے گرچہ ہے نخچیر سے کام
صید کر طائر دل کو مرے، لے تیر سے کام

نے شکر سے ہمیں مطلب ہے نہ کچھ شیر سے کام
ہاں مگر اس لب شیریں کے ہے تقریر سے کام

تیرہ بختی سے مرا عقدۂ دل کیونکہ کھلے
ہے بلائے سیۂ زلف گرہ گیر سے کام

خاک سے بھی تو سمجھ آپ کو کم اے طالبؔ
ہے اگر روئے زمیں پر تجھے توقیر سے کام

پڑا ہے غم سے دل بے قرار آتش میں
جلوں نہ کیونکہ میں لیل و نہار آتش میں

شب فراق میں یوں بے قرار رہتا ہوں
کہ جیوں سپند کو ہو اضطرار آتش میں

---

[1] پہلے شعر کے علاوہ تمام اشعارل سے اضافہ۔

ردیف الظاء المعجمہ

ظفرؔ، مرزا ابوظفر

مرزا ابوظفر بہادر دام اللہ تعالیٰ اقبالہ وافضالہ ظفرؔ تخلص، گوہری یکتای بحر خلافت و بختیاری کوکب طالع گردون رفعت وشہریاری، زیب سلطنت وکشور کشائی، رونق خلافت وفرمانروائی، قدر شناس سخنوراں، فیض[1] بخشای جہانیاں شاہزادہ والا قدر، خلف الصدق مرشد زادہ ولی عہد، صاحب عالم مرزا محمد اکبر شاہ بہادر دام ظلہٗ وکرمہٗ۔ اوصاف حمیدۂ ذات بابرکات آں منبع حسنات را کتاب نہ آں قدر است کہ بہ احاطۂ تحریر وتقریر درآید، لاجرم عنان اشہب تیز گام مشک فام را از وادی ترجمانی منعطف گردانیدہ بہ ترقیم بعضی اشعار آبدار کہ یکی از اں دُرِ ثمین دریای سخن است، می پردازد اشعار خودش بہ میاں نصیر الدین نصیرؔ و دیگر استادان وقت اشارہ می فرماید۔ طبع دل پذیر دارد و کلام بے نظیر:

دل سوزاں نہ رہا دیدۂ گریاں نہ رہا
عشق کا پاس مرے کچھ سروساماں نہ رہا

پاؤں پھیلائے جنوں نے مرے یاں تک ہیں ظفرؔ
کبھو ثابت مرے ہاتھوں سے گریباں نہ رہا

تو نے گو کوچے میں کرنے گریہ وزاری نہ دی
ہر سر مژگاں سے ہے یاں خون کی جاری ندی

کس روش، کس رنگ سے، کیا کہیے آتی ہے بسنت
اک شگوفہ ہی نیا گلشن سے لاتی ہے بسنت

زرد جوڑا پہن کر کس نے دکھائی ہے بہار
پیرہن میں جو نہیں پھولے سماتی ہے بسنت

دل پہ کیا زلف بلا خیز سے آفت آئی
یاد قامت بھی مرے سر پہ قیامت لائی

مطلع ثانی

ان نے کل خواب میں صورت جو مجھے دکھلائی
کھل گئی آنکھ تو پھر نیند نہ مجھ کو آئی

موج دریا بھی ہوئی شرم سے پانی پانی
صبح دم زلف مسلسل جو تری لہرائی

---

1. ل: فیض بخش۔

مثل سیماب دیا چین نہ اس نے یک جا — دل صد پارہ کے ہاتھوں سے اذیت پائی

ہم نہ کہتے تھے تجھے ہے یہ کوئی آتشِ عشق — تو نے اے دیدۂ تر اور بھی اب بھڑکائی

قاصد اشک چلا لے کے جو دل کا پیغام — کیا ظفر ان نے ملاقات کی پھر ٹھیرائی

نہ کیوں ہو بوسۂ لب سے تیرے میرا دہن ٹھنڈا — کہ پانی چشمۂ حیواں کا ہے اے جان من ٹھنڈا

تو اس دم آ، کہ ہے وقت سحر، اے گلبدن ٹھنڈا — زمیں ٹھنڈی، ہوا ٹھنڈی، مکاں ٹھنڈا، چمن ٹھنڈا

برنگ شمع ہنس ہنس کر وہ شعلہ رو جلاتا ہے — شتاب اب دیدۂ پُر آب، کر میرا بدن ٹھنڈا

ظفر کس شعلہ خو نے تیرے نامہ کے کیے پرزے — چلا آتا ہے دم بھرتا ہوا جو نامہ بر ٹھنڈا

فسانہ گر کروں اظہار اپنی شام غربت کا — گریباں، تابدامن چاک ہو صبح قیامت کا

کہے تھی شب تہ گل گیر شمع رو رو کر — وبال سر یہ مرا تاج زر بنایا تھا

نثار شب کو ثریا تھی تیرے جھمکوں پر — فلک نے اس کا اسے خوشہ چیں بنایا تھا

مجھے تو بوسہ نہ دے تا ہو تلخ کامی دور — اسی لیے تو تجھے لب شکر بنایا تھا

بہار دیکھی نہ تو نے کہ ہم نے اشکوں سے — مژہ کو شاخ گل یاسمیں بنایا تھا

مجھے تو بوسۂ عارض دے اپنی چھوڑ کے زلف — کرے ہے صاحب عصیاں کی پردہ داری رات

کرے تھی ناز عبث تاج زر پہ اپنے شمع — وبال سر ہوئی آخر کو تاجداری رات

نظر پڑا شفق آلودہ پنجۂ خورشید — انھوں نے ہاتھ سے منہدی جوں ہی اتاری رات

دیکھ ٹک غور سے آئینۂ دل کو میرے — اس میں آتا ہے نظر عالم تصویر، نہ توڑ

آبلا نکلا نہیں داغ دل مضطر کے پاس — ہم نے یہ رکھا ہے ساقی شیشہ، لا، ساغر کے پاس

ابر کی کیفیتیں خالی ہمیں بھاتی نہیں — بادۂ گلگوں سے ساقی شیشہ رکھ دے بھر کے پاس

میں تو سایے سے بھی اس کے مانگتا ہوں الحذر — جو ہو دیوانہ سو جاوے اس پری پیکر کے پاس

دیکھے ہے سدا جلوۂ قدرت کا تماشا — جوں آئینہ وا کیوں نہ ہو چشم پر طاؤس

روکش ہے خطر سر سے اس کے دل پر داغ — ہے طوطی خوش رنگ سے جنگ پر طاؤس

نہیں شکوہ کچھ ان سے، ہے یہ اپنے بھاگ کی خوبی — ہمیں جب دیکھتے ہیں وے تو گھر میں بھاگ جاتے ہیں

شرارت کیا کہوں ان کی کہ میرے خرمن دل میں — سدا برق تبسم سے لگا کر آگ جاتے ہیں

رکھے ہے مجھ کو یوں زیر فلک تقدیر چکر میں　　کہ فانوس خیالی میں ہو جوں تصویر چکر میں
بولا یہ نہیں صحرائے وحشت خیز میں یارو ☆　　رکھے ہے خاک میری عشق دامن گیر چکر میں

قاتل سے ہمیں اپنے شہادت طلبی ہے　　واں آب دم تیغ ہے، یاں تشنہ لبی ہے
اس دور میں کیا خاک کوئی عیش کرے آہ　　نہ جام نہ ساقی نہ شراب عنبی ہے

یہ کہہ دے اے صبا، ان سے یہاں آؤ، ہوا کھاؤ　　چمن میں صبح دم تک سیر فرماؤ، ہوا کھاؤ
نہیں کم آہ سرد اپنی نسیم صبح سے پیارے　　چمن میں اس دلِ پُر داغ کے آؤ، ہوا کھاؤ
یہ ہے ہنگام گرمی بے حجابانہ ذرا بیٹھو　　قبا کے کھول دو بند اب نہ شرماؤ، ہوا کھاؤ
جو اس کے گال کو چھیڑا تو گالی دے کے یوں بولا　　چلو بس اب ظفر مت گالیاں کھاؤ، ہوا کھاؤ

فرقت کی رات کاٹی جوں نے تڑپ تڑپ کر　　یارب وصال اس کا روز وصال میں ہو
اٹھو ظفر کہیں اب بیٹھے عبث ہو در پر　　وہ خواب ناز میں ہے، تم کس خیال میں ہو

ہر اک موج سرشک اپنی جو طوفاں خیز ہے مردم　　ہوا ہے چاک شاید ابر دریا بار کا پردا
چمن میں شور سے آواز نالہ مت سنا ہرگز　　بہت نازک ہے بلبل، دیکھ گوش یار کا پردا
مرا منہ، سامنے لوگوں کے کہتا ہوں، نہ کھلواؤ　　ابھی کھل جائے گا جو کچھ کہ ہے سرکار کا پردا

ہم نے اٹھائی جو بت رعنا کے واسطے　　گذری ہے کب وہ قیس پہ لیلیٰ کے واسطے
تیغ نگاہ و تیر مژہ، خنجر ادا　　اتنے سلاح اس تن تنہا کے واسطے
اے عشق، کام تیری کشش کا ہے ورنہ کیوں　　یوسف کو لائے کھینچ زلیخا کے واسطے

عشق سے ہم نے تو یک دم نہ نبھائی توبہ　　کیا ہی لپکا ہے برا یہ کہ الٰہی توبہ

کس کی آہ گرم کی یارب یہ شب تاثیر ہے　　حالت اس آئینہ رُو کی دم بہ دم تغییر ہے
وہ شہید واجب التعظیم ہوں میں، وقت قتل　　واسطے مجرے کے میرے سرخرو شمشیر ہے

قاصد نہ چھپا ہاتھ میں رومال سے خط کو　　لایا ہے یہاں تک مرے اقبال سے خط کو

اب بھی وہ آنکھ تری آئینہ رو ہے کہ نہیں　　اگلے طوروں پہ خدا جانیے تو ہے کہ نہیں

بن ترے رشک چمن، جی پہ بنی باغ میں تھی　　نوک سبزہ مجھے برچھے کی انی باغ میں تھی

☆ل سے اضافہ۔

بوسہ[1] پہ آنکھ مجھ سے چرایا نہ چاہیے   یہ بے مروتی تجھے اصلا نہ چاہیے
دکھلاؤ یہ آن کر قد دل کش کو بام پر   بتلانا روز عالم بالا نہ چاہیے

ظہور، ظہور اللہ بیگ

ظہور اللہ بیگ ظہور نوجوانی مستعد و ذی ہوش است در خوردسالگی حفظ کلام اللہ نمودہ، گاہ گاہی بہ شعر پردازی مشغول[2] می شود:

دل پُر شور رہے کیوں نہ رخِ یار کے پاس   یعنی لازم ہے کہ بلبل رہے گلزار کے پاس

ظہور، ظہور اللہ

ظہور[3] اللہ ظہور، شاعری بود در عہد حضرت فردوس آرام گاہ، ریختہ بہ آئین بہیں می گفت شعرش صفائی و نزاکت دارد:

چشم گریاں حسن سے معمور ہے   چاندنی برسات کی مشہور ہے

ظاہر، میر محمدی

میر محمدی ظاہر اصلش، دہلی است، از چندی بہ مستقر الخلافت اکبر آباد سکونت ورزیدہ،[4] در علم طبابت ہم دستی دارد۔ ایں[5] اشعار از وی بہم رسیدہ:

گلے لگ جاؤ میاں دل کو مرے شاد کرو   خانۂ دل ہے جو ویراں، اسے آباد کرو
یہ تو سب جور و جفا ہوگئی خوگر، ہم کو   چاہیے اب ستم نو کوئی ایجاد کرو

ظریف، خدا بردی خاں

خدا بردی خاں ظریف برادر صغیر سعادت یار خاں رنگین پیشتر بیتاب تخلص می کرد حالا

1۔ ل: ''پہ'' محذوف۔ 2۔ ل: می پردازد۔ 3۔ اصل/خ: محمد شاہ ظہور شاعرے بطرف لکھنؤ شنیدہ می آید۔ گویند کہ طبع موزوں دارد (واکثر) غزلیات از خوب انجام یافتہ۔ 4۔ ل: ''ورزیدہ'' ندارد۔ 5۔ ل: از وست۔

ظریف تخلص نمودہ شعر خود را بہ نظر برادر بزرگوار سلمہ[1] گذرانیدہ، طرز گفتارش خیلی دل پسند:

آہ و زاری ہے آج کچھ بے ڈھب
بے قراری ہے آج کچھ بے ڈھب

آپ کا قصد ہے پھر غیر کے گھر جانے کا
فایدا کیا ہے عبث جھوٹی قسم کھانے کا

ہوا وہ اور بھی بیزار میرے شور و افغاں سے
کری نالے نے اپنے، واہ، کیا تاثیر یا قسمت

مرے قدم کو ہر اک خار سر پہ رکھتا ہے
یہ فخر رکھتی ہے اپنی برہنہ پائی آج

کسی ہی کل سے مجھے ہائے کل نہیں پڑتی
کٹے گی کیونکہ خدایا شب جدائی آج

مجھ سے وہ ہر دم کہے ہے آب خنجر دیکھ کر
قتل کیجے، تجھ کو جی چاہے ہے اکثر دیکھ کر

اپنی آہ بے اثر نے کچھ اثر شاید کیا
وہ بھی مضطر ہو گیا کل مجھ کو مضطر دیکھ کر

وہ گل بدن ہے مرا خواب میں نہ چونک اٹھے
گذر نہ اس کی گلی سے تو اے صبا گستاخ

سیر گل کرنے کہاں پائے بھلا صیاد ہم
موسم گل میں ہوئے زنداں سے کب آزاد ہم

---

1. ل: بزرگ خودمی گذراند۔

ردیف العین المہملہ

عشقؔ، شاہ گھسیٹا

شاہ گھسیٹا مغفور عشقؔ تخلص، نبیرۂ شاہ فرہاد مرحوم کہ درویش کامل درد ہلی بود، او نیز از مشاہیر دار الخلافت شاہجہاں آباد است، ازیں جا برخاستہ بہ عظیم آباد رسیدہ اکثر کساں را دست بیع خود گردانیدہ است ازیں[1] جا اکثری از مریدانش پی بمنزل مقصود بُردند و اعجاز وانمودند۔ بہر حال او[2] شخصی بودہ است روشن ضمیر و در طریق مشاہیران معاصر خود بے نظیر، ایام زندگی بہ حرمت و عزت تمام بسر برد و در نواح عظیم آباد نامی پیدا کردہ ازیں جا[3] بہ جنت الماوا مسکن گزید۔ کلامش تصوف آمیز و[4] درد آگیں و نہایت فصاحت و بلاغت دارد:

کبھو سر کو پٹکتے ہیں کبھو ہم داد کرتے ہیں
کوئی سنتا نہیں اتنا کہ کیا فریاد کرتے ہیں

ہوئے صحرانشیں، تشریف لائے جس کا جی چاہے
در و درباں نہیں رکھتے ہیں، آئے جس کا جی چاہے

جب تلک اشک تھمیں، بیٹھ اگر آیا ہے
تیری صورت نہیں آتی ہے نظر، روتے میں

بات کہنے کی نہیں طاقت، شکایت کیا کروں
عشق رخصت دے تو شور حشر اب برپا کروں

دل سا جگر جو رکھے سو اس سے دو بہ دو ہو
منہ دیکھو آئینہ کا جو اس کے رو بہ رو ہو

حسرت نہ رکھ یہ دل میں تلوار مار پیارے
ہم مرگئے بلا سے دنیا ہو اور تو ہو

اوروں کا جگر یار جو تیروں سے سیے ہے
یہ عاشق جاں سوختہ کس دن کے لیے ہے

نی درد دل ہے باقی، نے آہ، نے فغاں ہے
اے شور عشق سچ کہ تو ان دنوں کہاں ہے

کیا فقیری میں عشق ہیٹا ہے
جس کو پایا اسے گھسیٹا ہے

دید ہے، عشق ہے، نظارا ہے
کشتی چشم پر اتارا ہے

---

1 ل: بیشتر بجائے 'ازیں جا'۔ 2 ل: 'او' محذوف۔ 3 ل: از آں جا۔ 4 ل: نہایت درد آگیں، فصیح و بلیغ است۔

کیا کیا جفائیں ظالم ہم نے تری سہیں ہیں لیکن شکایتوں سے لب آشنا نہیں ہیں

عظیم، مرزا عظیم بیگ

مرزا عظیم بیگ عظیم اصلش کابل و در شاجہاں[1] آباد تولد، یافتہ مرد سپاہی پیشہ، شاگرد رشید[2] شاہ حاتم و در قصاید گوئی بہ منزلۂ استاد خود وحید العصر و یگانۂ دوراں بودہ است۔ در زمرۂ ملازماں عمدۃ الملک راجہ ناگرمل بہادر ہمراہ برادر بزرگوار خود کہ مرزا رحیم بیگ نام داشت و خیلی معزز و مقتدر بود، بعزت و حرمت می گذرانید۔ شاعر زبردست و صاحب طبع عالی فکر و ذکی الذہن و در خیال بندی معنی بے نظیر بود۔ کلامش سراسر[3] فصاحت آگیں متانت قریں۔ دیوانے مختصر در غایت فصاحت و جودت از و بر صفحۂ روزگار ناپایدار ثبت افتادہ۔ فی الحقیقت شاعری نہ کردہ[4] بل ساحری بکار بردہ، ایں اشعار ملزم از وست:

سوز دل سب پر مرا جوں شمع روشن ہوگیا مجھ کو اب جینا بھی اپنا، بار گردن ہوگیا

جور و جفا جو چاہو، از روئے ناز کرنا لیکن شکست دل سے ٹک احتراز کرنا

ہر آن ہم غنی ہیں عریاں تنی کی دولت جامہ رکھے سو جانے، دامن دراز کرنا

جلوہ فرما کل جو مے خانہ میں وہ مے نوش تھا مثل جام و شیشہ، دل بادیدہ ہم آغوش تھا

شب جو بزم خوب رویاں میں چلا اس مہ کا ذکر جوں چراغ خانۂ مفلس، ہر اک خاموش تھا

سوزش آہ جگر تھی یا کہ دل بھڑکا عظیم صبح دم سینے میں کچھ اک آگ کا سا جوش تھا

اپنے ہی دل کا اثر اس کے مگر دم ساز تھا نالۂ نَے کا بھی شب کو اور ہی انداز تھا

نالہ و شعر و فغاں ہے تیری دم سازی سے یار ورنہ جوں نَے دل ہمارا محض بے آواز تھا

کس سے دل خالی کریں جوں شیشۂ ساعت عظیم پُر کدورت ہی رہا اپنا تو جو ہم راز تھا

1۔ مصحفی (ہندی) یک غزل خود را در، آلولہ پیش فقیر خواندہ بود؛ سرور اور کریم الدین نے مرزا مینڈھو کے اس مشاعرے کا ذکر کیا ہے جس میں عظیم نے بحر کی غلطیاں کی تھیں اور انشاء نے اعتراض کیا تھا ''بحر رجز میں ڈال کے بحر رمل چلے''۔ 2۔ اصل/ق: شاگرد مرزا محمد رفیع سودا۔ 3۔ اصل: اضافۂ مؤلف ''سراسر''۔ ل میں ندارد۔ 4۔ ل: نہ کردہ بل ساحری نمودہ۔

جوں شمع سوز دل بھی یہ شب کو فزود تھا
ہر مغز استخوان سے شعلہ نمود تھا

ساقیا مے کی ہوس مدت سے کم رکھتے ہیں ہم
خون دل اپنے سے رغبت دم بہ دم رکھتے ہیں ہم

درد دل کہنے کا از بس ربط کم رکھتے ہیں ہم
شکل خامہ کی زبان گویا قلم رکھتے ہیں ہم

اشک ساں پھر گھر میں آنے کی نہیں رکھتے امید
اے عظیم اس کی گلی میں جب قدم رکھتے ہیں ہم

قطرۂ نیساں کا موتی فی الحقیقت آب ہے
اشک جب آنکھوں سے ٹپکا، گوہرِ نایاب ہے

کس نگاہِ مست کا زخمی ہوں میں یارب کہ اب
جاے خون جو زخم سے جاری شراب ناب ہے

آ کر ہماری خاک پہ کیا یار کر چلے
خواب عدم سے فتنہ کو بیدار کر چلے

جاتے جو ہو بھرے ہوئے گرد و غبار سے
تعمیر کس کے دل کی یہ مسمار کر چلے

خواہی پیالہ خواہ سبو کیجیو کلال
ہم اپنی خاک پر تجھے مختار کر چلے

جوں شمع کب چھپے ہے مرے سوز جاں کی بات
سر کاٹو تو گلے سے ہو روشن زباں کی بات

بیٹھا ہوں سر بکف لیے تقدیر پر عظیم
جوں شمع سر کے ساتھ ہے میری زباں کی بات

کل جسم خوں فشاں سے گلزار پیرہن تھا
دامن کا تھا جو تحفہ، اک تختۂ چمن تھا

اس قدر پتھر نے کب پایا تھا یارو، رنگ سرخ
کوہکن کے خون کی دولت ہوا ہے سنگ سرخ

روشن کرے ہے نام نگیں کر کے رو سیاہ
ہے اس میں بھی ہنر، جو کرے اختیار عیب

فارغ ہیں کشمکش سے جہاں کی شکستہ دل
پہنچے نہ ہاتھ شانہ کا چینی کے بال پر

دل جل کے بجھ گیا ہے کسے شوق باغ و گل
جوں شمع اب نظر میں برابر ہیں داغ و گل

داغ جگر کو مفید، ہووے ہے مرہم کہیں
لالہ صفت تب یہ جائے، جائیں جو مر، ہم کہیں

شراب و خون دل اے یار، یہ نہ ہو وہ ہو
ہمیں ہیں دونوں سزاوار، یہ نہ ہو وہ ہو

حال دل کہنے کی یارب ہم سے کیا تدبیر ہو
جوں قلم پہلے زباں کٹ لے، تو پھر تقریر ہو

اشک بالخت دل آئے ہیں خبر کرنے کو
خانہ بردوش چلے یعنی سفر کرنے کو

گم ہو اس رشتۂ الفت کا سرشتہ یارب
سخت آفت ہے یہ سوراخ جگر کرنے کو

خاکساری پہ سیہ چشموں کی مت جا اے دل
سرمہ ساں پھرتے ہیں یہ آنکھوں میں گھر کرنے کو

پر کدورت ہیں زمانہ کے یہ میخوار عظیم
(ق) میکدے میں نہ انہیں کہیے گذر کرنے کو

خاک دیں منہ میں، جو آ، شیشۂ ساعت کی طرح　　پانی مانگے جو کوئی حلق کے تر کرنے کو
ہے جنوں عشق سے ازبس کہ پُر جوش، آئینہ　　خاک مل منہ پر پھرے ہے خانہ بر دوش، آئینہ
حاجت شرح و بیاں رکھتے نہیں روشن ضمیر　　واقف ہر نیک و بد ہے، گو ہے خاموش آئینہ
لگ کر تری بانہوں سے جو رہتی ہے حنا، بیٹھ　　تیرے بھی میاں ہاتھ ہیں باندھ اس کو، لگا، بیٹھ
فارغ ہیں یار ہم تو حیات و ممات سے　　☆ وابستہ سایہ دار ہیں تیری ہی ذات سے
آباد رہیو، پیر مغاں اب یہ میکدہ　　ہم بھی لبوں کو یاں سے تر، اک بار کر چلے
یاں عذر پذیرا ہو، برے سے، نہ بھلے سے　　جوں غنچہ زباں نکلے ہے، ٹک لب کے ہلے سے
چھپتا ہے کوئی شمع صفت، سوز دل اپنا　　سر کاٹو اگر، تو ہو نمودار گلے سے
پاس سخن پھپے ہے یہاں اس کی شان پر　　مانند خامہ دے جو سر اپنا زبان پر
تقریر سر گذشت نہ پوچھو کہ خامہ وار　　آیا ہے گریہ ہر سر حرف بیان پر
دم لے تنک تو، چشم تر انگشت کے تلے　　آتے ہیں لخت دل نظر انگشت کے تلے
تار شمار بن گئے کثرت سے اے طبیب　　نبض مریض عشق، ہر انگشت کے تلے
نگاہ ناتواں آنکھوں سے نکلی تھی کہ اشک آیا　　ملولا رہ گیا جی میں کہ ایسی نار میں ڈوبے
میں آہ! کیوں کہ کہوں حال دل کہ مثل تفنگ　　صدا نکلنے سے آگے، دہن میں آگ لگے
دیکھے ہے تری چشم، تو کہتا ہے یہ ساغر　　پیمانہ ابھی عمر کا یارب کہیں بھر جائے
پتھر بھی نگیں سے ہے سلیماں تری بہتر　　جو اپنے پس مرگ کوئی، چھاتی پہ دھر جائے
غبار اب دونوں دن کا ہو فرو، جوں شیشۂ ساعت　　جو سر گوشی میں یک ساعت تو ہم سے ہو بہم بیٹھے
جس طرح آتا ہے میم و ہے اُپر ابر سیاہ　　اُس طرح لپٹے ہیں تیرے منہ پہ زے ولام و فے

رباعی در مدح خواجہ میر درد

کی درد کی جو ذات مبارک پہ نظر　　ہے معنی لولاک کا پرتو اس پر
ہووے نہ اگر درد قسم ہے کہ عظیم　　لڑکا نہ تولد ہو ز بطنِ مادر

☆ ل سے اضافہ۔

ولہ

پوشاک پہن کے سج بنائی تو کیا ☆ جوں آئینہ، کی جو خود نمائی تو کیا
موہوم ہے جوں عکس، نظر میں یہ شکل ☆ آئی تو کیا وگر نہ آئی تو کیا
اے عمر دے ثمر نہ کھلا غم وفات سے ☆ منہ دھو رکھا ہے خضر نے آب حیات سے
جلتی ہے شرح سوز سے میرے زبانِ کلک ☆ ہردم ملے ہے لے جو سیاہی دوات سے
اپنا ہنر عظیم نہ ہو مفلسی سے کم ☆ جوہر چنار کا نہ مٹے خالی ہات سے
طور کر دیتا تھا شعلہ، جس کا گر کہسار پر ☆ اب شرر ہے خندہ زن اس آہ آتشبار پر
ابرو ہے حرم زلف ہے اسلام ہمارا ☆ کاکل ہے ترا جامۂ احرام ہمارا

عاکفؔ

عاکفؔ شاعری از یاران مرزا محمد رفیع سودا بود، طبع خوب داشت۔ غزلش [1] را مرزا مرحوم درمخمسات خود تنظیم کردہ۔ ایں شعراز ہماں غزل نگاشتہ می آید:

کہہ باغباں چمن سے ترے کیا چلی بہار ☆ دامان گل پکڑ کے جو اب خار رہ گئے

عارفؔ، محمد عارف

محمد عارف، عارفؔ، [2] اصلش خطۂ جنت نظیر کشمیر و مولدش شاہجہاں آباد، شاگرد شیخ نجم الدین آبروؔ، وی شخص بود رفوگر، چاک گریبان سخن را بہ سوزن زبان رفو می زد و پیچک معنی را بہ پومی پیچید۔ از علم نایکا بید ہم واقف بود و مناسبت کلی از شعر و سخن داشت وہموارہ در بندِ مضامین تازہ وتلاش معنی برجستہ معروف می ماند ایں [3] اشعار اوراست:

اس [4] ابر میں بے ساقی وے جی پہ بنی ہے ☆ ہر بوند کا کھانا مجھے ہیرے کی کنی ہے

---

1 ل: غزل اورا۔ 2 میر حسن ستر سال عمر بتاتے ہیں 1194ھ میں حیات تھے۔ 1209ھ (تذکرہ ہندی کی ترتیب کے وقت) میں وفات پاچکے تھے۔ وفات کے بعد ان کے ایک دوست نے بقول مصحفیؔ دیوان مرتب کیا۔ 3 ل: از ہماں غزل است۔ 4 اصل/ق: بے ساقی وے، جی پہ مرے آن بنی ہے۔
☆ل سے اضافہ۔

ہے زندگی ومرگ، فقیروں کو برابر
جو شکل کفن ہے، وہی شکل کفنی ہے

قمری ہے جھکائے ہوئے سر، سرو کے آگے
یا شیو کی پوجا میں کوئی برہمنی ہے

ملتے ہوئے بلبل سے مگر باد لگی ہے
سرتابہ قدم گل کو جو اعضا شکنی ہے

آساں نہیں دامن کو تیرے ہاتھ لگانا
جو بند ہے جامہ کا ترے ناگ پھنی ہے

نہ ہوئے درد اعضا، تجھ کو بلبل
اگر ملتی رہے تو روغن گل

ہزاروں معنیٔ باریک آویں دل میں اے عارفؔ
اگر زلف سیہ کا پیچ اس کے منہ پہ کھل جاوے

جس نے پن چکی نہ دیکھی ہو، سو دیکھے آکر
پتلیاں پھرتی مرے دیدۂ گریاں کے بیچ

دختر رز کو کہہ، کہ آن ملے
ورنہ عارفؔ افیم کھاتا ہے

خط نے دھونی دی وگرنہ اس طرح اے دل ربا
کب اترتی سر سے تیرے زلف سی کالی بلا

طفل ہولی باز کے ہاتھوں سے بچنا ہے محال
موٹھ سی لگتی ہے جو چلتی ہے یاں مشت گلال

مجھ سوا کون ہے اب عشق کے سرداروں میں
قیسؔ و فرہاد کو گنتا ہوں زمینداروں میں

وہ گیا کھول کے آنکھوں کو مثال نرگس
جی دیا جن نے تری چشم کے بیماروں میں

شمع اس غم اور الم سے کیوں نہ روئے زار زار
پھول تو آیا ہے پر اس کو نہیں آتا ہے پھل

زلف کے شانہ سوا، اوروں سے کب کھلتی ہے گانٹھ
کب کسی سے ہو سکے یہ معنیٔ پیچیدہ حل

آئینہ میں یوں نظر آتی ہیں عارف چشم یار
خوش نما تالاب میں جیسے کہ کھلتے ہیں کنول

ترے بوٹا سے قد آگے، خجل ہیں پھول کی چھڑیاں
ترے دانتوں کو کب پہنچے، ہیں، مروارید کی لڑیاں

اشک کے یوں مری آنکھوں سے گہر جھڑتے ہیں
جیسے شاخوں سے درختوں کی ثمر جھڑتے ہیں

خانہ چشم کو مژگاں سے کیا کیوں جاروب
کس کے آنے کی خبر ہے، کہ یہ گھر جھڑتے ہیں

پڑی ہے کس رخ روشن کی تاب دریا میں
کہ ہر بھنور ہے گل آفتاب دریا میں

جو غرق بحر محبت ہیں ان کو نیند کہاں
کہاں ہے دیدۂ ماہی کو خواب دریا میں

کھبا ہے جب سے خط سبز فام آنکھوں میں
پھرے ہے خضر علیہ السلام آنکھوں میں

دہان یار کی باتیں چمن میں جس گھڑی چلیاں
صبا کے روبرو جتنی تھی سر دھنے لگی کلیاں

بتاں کے ہجر میں بیتابیاں گذری ہیں جو دل پر
نصیب دشمن دشمن نہ ہوں یارب یہ بے کلیاں

گل خورشید ہر حلقہ میں زلف یار کے دیکھے
نہیں دیکھی ہیں شاخ بید، جن نے، پھولی اور پھلیاں

کہوں کیا دل کی جو کچھ بے کلی ہے
برنگ غنچہ اب چُپ ہی بھلی ہے

کرے ہے شیخ کیوں سجدا زمیں پر
گڑی دولت کسی کی اٹکلی ہے

یہ ہے خال سیہ چاہ ذقن میں
کنویں میں یا کبوتر جنگلی ہے

مگر جوگی ہوا ہے اس کے اوپر
کہ آئینہ نے منہ مٹی ملی ہے

یہ کچھ کھلتا نہیں ہے ہم پہ عارفؔ
دہن ہے وہ، کہ منہ مونڈے کلی ہے

تو چاہے دل میں فروکش ہو، چاہے آنکھوں میں
کہ سب یہ تیری ہی خاطر مکان کھول دیے

خمار حسن بتاں زور ہی لگا اڑنے
صبا نے زلف کے جب بادبان کھول دیے

آج کل کوچۂ دل پر سے صبا پھرتی ہے
حق نے چاہا تو زمانے کی ہوا پھرتی ہے

اٹھادیں اپنی مجلس سے، خجل یک دم میں ہو بیٹھے
یہ ممکن ہے کہ سروان، خوش قدوں کے روبہ رو بیٹھے

ہمارے بعد مرنے کے کرو یا مت کرو ماتم
ہم اپنے آپ کو جوں شمع جیتے جی ہی رو بیٹھے

دہان یار سے غنچہ نہ ہرگز ہوسکا سربر
کہو اس شرم سے کیونکر نہ اپنا منہ لکو[1] بیٹھے

سفیدی آنے پر رونا برنگ شمع کیا حاصل
بغیر از یاد حق عارفؔ جب اپنی عمر کھو بیٹھے

ہمیں کے بیر، دو اک دن میں پیارے
اگر ہووے تمھارے گھر میں بیری

مرے دم میں ہے دم زاہد، شراب ارغوانی سے
جہاں میں زندگی ہر ایک کی قایم ہے پانی سے

میں اس نو خط کو خط اس واسطے رو رو کے لکھتا ہوں
اگر دانہ وہاں کھاوے تو یاں آکر پیے پانی

سر تری راہ پر دیے ہی بنی
فرض ہے یہ ادا کیے ہی بنی

چہرۂ رنگیں پہ اس کے زلف پیچاں دیکھیے
سنبل و گل کو بہم دست و گریباں دیکھیے

کوئی دیوانا نظر آتا نہیں
کیا دوانوں کے تئیں پتھر پڑے

دل کے لے جانے میں تل مکھڑے کا تیرے زور ہے
ہے یہی شاید جسے سنتے تھے کالا چور ہے

ان بتوں کے منہ سے لگنا اُس کسی کا کام ہے
زلف پیچاں کی طرح جس کی گرہ میں دام ہے

زلف کے رشتے سے دل اپنے کو تو آرام ہے
☆ چاک سینے کے رفو کرنے میں اس کا کام ہے

---

1. ل (حاشیہ کیول رام کاتب) لکو: بفتح لام وضم کاف بمعنی پوشیدہ۔ ☆ ل سے اضافہ۔

جب سے کہ بیٹھ گھر میں ہم آئینہ ساں رہے
مشتاق دیکھنے کے ہمارے بتاں رہے

نقش پا اپنے کو وہ کرتا ہے اپنا سیس پھول
عشق کے مدھاتیوں میں جس کے ماتھے بھاگ ہے

لگ رہی ہے شمع پروانے سے، قمری سرو سے
عشق تو ہے ایک سا پر اپنی اپنی لاگ ہے

ایک کیا لاکھوں ہی زنجیر بپا پھرتے ہیں
جس کو دیکھوں ہوں تری زلف کا سودائی ہے

سن کے محظوظ ہوئے بلبل وگل باغ کے بیچ
آج کیا باد صبا رام کلی گائی[1] ہے

چھوٹ کر زلف میں دل چاہ ذقن میں ڈوبا
ہے کنواں[2] ایک طرف ایک طرف کھائی ہے

دیکھی ہے کس کی صبح کو دستار لٹ پٹی
جو لگ رہی ہے غنچۂ ہر گل کو چٹ پٹی

شمع کے جب رو بہ رو تیری ثنا خوانی ہوئی
آب گذرا اس کے سر سے یاں تلک پانی ہوئی

عاشق، مولوی جلال الدین

مولوی جلال الدین عاشق، وی از کتب متداولۂ علوم عقلیہ وکسب فنون نقلیہ بہرہ اندوز است واز قاضی مبارک ومولوی عبدالوہاب مرحوم کہ عالمی بذات بابرکات ایں بزرگاں، فیض یاب شدہ، استفادۂ تحصیل علوم مذکور الصدر نمودہ۔ گاہی از نتایج طبع فیض آگینش شعر ریختہ ہم می ریخت۔ از تخنش بوی احدیت می آید:

ہر چند فسق میں ہیں ہزاروں ہی لذتیں
لیکن عجب مزا ہے فقط جی کی چاہ کا

یہ کس کی نوک مژگاں سے پڑا ناسور سینے میں
کہ بندھنے بھی نہ پایا زخم پر انگور سینہ میں

عاشق، مہدی علی خاں

مہدی علی خاں عاشق بزرگ زادہ ایست نامی ساکن شاہجہاں آباد، از نبایر[3] آن خاندان والا شان نواب علی مردان خاں مرحوم۔ وی انسان خلیق وکشادہ رو نہایت مودب ومتواضع ومتصف بہ انواع خوبی ہای ذاتی وصفاتی، صاحب مشاعرہ وبسیار گو۔ اکثر فکر غزلہای طویل می کند، چہ ہندی وچہ فارسی ثلثۂ دیوان ریختہ ودو دیوان فارسی و ''حملۂ حیدری'' و یوسف زلیخا و لیلیٰ مجنوں، وخسرو شیریں، و

---

1 ل: لائی ہے۔ 2 کنوا۔ 3 ل: نبیرہ ہا (کیول رام نے اس لفظ کے نیچے لکھا ہے)۔

مثنوی در تعریف لکھنؤ وغیرہ بہ زبان ریختہ تالیف نمودہ و "تذکرۂ شعرای چند حضار مشاعرہ" بہ عنوان نوشتہ بہ مقتضای علو ہمت دولت مشاہرہ را گاہی از دست نداده این بندہ ذکا ہم بہ تقریب غزل خوانی در مجلس مراختۂ او اکثر حاضر می شود۔ درستی کلامش از شکست وبست بیانش پیدا است:

دن، تو جوں توں کہ کٹا رات پھر آئی سر پر — آفت تازہ جدائی مری لائی سر پر
برق پر برق چمکتی ہے گھر آئے بادل — ساقیا دور قدح کر کہ پھر آئے بادل
یہ برگ گل نہیں ہیں زمیں پر جھڑے ہوئے — بلبل کے لخت دل ہیں، چمن میں پڑے ہوئے
یقیں ہے کب ہمارا لے کے ماتم آپ رو دیں گے — مثال شمع اپنی خاک پر ہم آپ رو دیں گے

قطعہ

ہچکی لگی، دم اکھڑا، پتھرا گئی ہیں آنکھیں — قاصد خبر یہ لے کر جانا قدم اٹھائے
پاؤں پہ اس کے سر رکھ کہنا مری طرف سے — ہم تو چلے جہاں سے افسوس تم نہ آئے

کشتۂ عشق کی کچھ سب سے ہے تصویر جدا — سر جدا ہاتھ جدا پاؤں کی زنجیر جدا
چمن میں کل جو وہ رعنا جواں دوچار ہوا — کہا جو گل اسے میں نے گلے کا ہار ہوا
پوچھ مت کیا تری دوری سے مرا حال ہوا — مختصر قصہ کہ جینا مجھے جنجال ہوا
ابر آیا ہے آفتاب چھپا — ساقیا مت شراب ناب چھپا
گو آہ میں اپنی نہیں تاثیر سر دست — پر ہے یہ بساط اپنی میں اک تیر سر دست
ہو آبرو ہماری جب اہل نظر کے بیچ — جوں مردمک وہ یار رہے چشم تر کے بیچ
کاکل ہے دام زلف بلا یک نہ شد دوشد — پھندے میں جب پھنسے تو دلا یک نہ شد دوشد
دشت جنوں میں مجنوں اب شور ہے ہمارا — پھرنا خراب وخستہ مشہور ہے ہمارا
کاربستہ کو نہیں چاہیے زر کی کنجی — قفل مطلب کو ہے بس آہ سحر کی کنجی

عشق، عزت اللہ

حافظ میر عزت اللہ عشق پسر حکیم میر قدرت اللہ قاسم[1] مرد صالح است تلاش تازہ دارد جو

---

1. سرور"......از نظر والد خود می گذرانند۔

ہر صلاحیت از ناصیۂ حالش پیدا و آثار نجابت از صفحۂ جمالش[1] ہویدا۔ اکثری از نو مشقاں،[2] استفادہ اصلاح از و برداشتہ، سخن خود را زیب و رونق دادہ اند۔ انسان بامروت و پُرحیا و دوست یک رنگ و باوفا بیست۔ بہ عمر شباب لیاقت و شایستگی مزاج بسیار دارد، از مغتنمات است سلمہ اللہ تعالیٰ ابداً، دیوان مردف تصنیف کردۂ آں خجستہ اطوار پسندیدہ کردار کہ بہ دست ایں عاصی آمدہ بود از اں ایں اشعار انتخابی بطور خود برآوردہ بہ نوک قلم انکسار رقم می دہد:

جس کسی نے دل عاشق کو ستایا ہوگا ... ان نے ہمدم کبھو آرام نہ پایا ہوگا

پیارے کھول دو مکھڑا ادھر کی لو ذرا کروٹ ... بھلا جب ساتھ ہی سوئے تو کیا لازم ہے پھر گھونگٹ

تم کو ہونے کی نہیں بزم خرابات سے چھوٹ ... دو مجھے شیشۂ دل جائے نہ یہ ہاتھ سے چھوٹ

ہاتھ سے زلف نہیں اس کے گئی رات سے چھوٹ ... سلسلا عمر ابد کا یہ گیا ہاتھ سے چھوٹ

مجھے خوش آوے نہ کیونکر تری بھلا تصویر ... پری ہے، چہرۂ گلگون و دست و پا تصویر

دل بری کے کام میں کیا کیا نہیں اے یار تم ... جنگ جو تم فتنہ گر تم شوخ تم عیار تم

سدا رہتی ہے پھولی ان دنوں گلزار آنکھوں میں ... پھرے ہے رات دن کیا صورت دلدار آنکھوں میں

کل مرقع میں جو دیکھا عالم تصویر کو ... یاد کر رویا بہت اپنے دل دلگیر کو

کچھ خاک میں خطر نہیں اشک چکیدہ کو ... آرام ہے مسافر منزل رسیدہ کو

روشن ہے سرکشی سے یہ اک شمع ورنہ یاں ... دیکھا نہ پھولتے کسی شاخ بریدہ کو

کٹ جاوے ماہ تو وہیں گردوں پہ اے میاں ... دیکھے جو تیرے ہاتھ میں تیغ خمیدہ کو

نہ دیکھ چہرے کو مست شراب پانی میں ... کہے گی خلق کہ ”ہے آفتاب پانی میں“

آئینہ کی طرح سے ہم اس کو تک رہے ہیں ... حسرت سے جاں بہ لب ہیں آنسو ڈھلک رہے ہیں

کف دست تمنا اس کے دامن تک جو پہنچے ہے ... نزاکت کیا بیاں کیجیے وہیں چولی مسکتی ہے

آبداری نہیں کچھ اشک کی آساں پانی ... ہے صفا دیکھ کے اس کی دُر یکتا پانی

دل عاشق تو کافر دم بہ دم بکھرا ہی جاتا ہے ... تو خاطر جمع سے بیٹھا ہوا زلفیں بناتا ہے

ترے بیمار کو طاقت نہیں تقریر کرنے کی ... کوئی گر بات پوچھے تو اشاروں سے بتاتا ہے

---

1 ل: احوالش۔ 2 ل: نوسبقاں

گلشن میں اس روش سے تم صبح گل کھلائے
لالہ نے منفعل ہو چھاتی پہ داغ کھائے

ہر بُن مو سے مرے شعلۂ آتش ہے نمود
مجھ کو دیکھے تو کوئی سرو چراغاں جانے

اپنے جی میں تو میاں بات یہ میں جانی ہے
جو کوئی دل تجھے دے اس کی ہی نادانی ہے

بارش ابر سے کیا ڈر ہے ترے مستوں کو
دامن ابر ہی ان کے تئیں بارانی ہے

اس خاتم دل کا تو مری جان، نگیں ہے
ہو تیرے سوا کون، نگیں ایسے مکاں کا

جنوں ضرور ہے اب مجھ سے دست برداری
کہ ایک جیب رہا تھا سو تار تار ہوا

ترے گلے سے تو رہتا لگا ہوا، گل رو
مجھے یہ غم ہے کہ پھولوں کا کیوں نہ ہار ہوا

کچھ فقط حیراں نہ تاک بوستاں تک رہ گیا
دیکھ میکش کو مرے پیر مغاں تک رہ گیا

دیکھیے نالا مرا کیا قہر لاتا دوستاں
پر خدا نے خیر کی آکر وہاں تک رہ گیا

تازہ تر ہوویں گے اپنے پھر گل زخم جگر
شوخ ان مہندی بھرے پاؤں سے مت ٹھوکر لگا

دیکھ زلفوں کی کجی، بال آگیا اس دل میں آہ
ہوگیا اے سنگ دل مودار سینا عشق کا

چمن میں جب وہ گل خوش ہوسر کا کل نکالے گا
پریشانی کا طومار اپنی پھر سنبل نکالے گا

چمن میں پھول ہوں گے بلبل مسکیں کے اے شبنم
یہ گلچیں یاں سے گر سیپارہ ہائے گل نکالے گا

ملا کر شیشۂ دل حال لعل یار کے لب سے
خوشی ہو ہو صدائے خندۂ قلقل نکالے گا

غریق بحر صد رنج وتعب ہوں عاقبت لیکن
مجھے اس ورطۂ غم سے شہ دُلدل نکالے گا

خیال گل رخاں، جس دل میں ہوگا ہم نشیں، ہمدم
بجائے اشک، چشم خونفشاں سے گل نکالے گا

دل صد چاک کی میرے اگر تصویر لکھے گا
گل صد برگ کا بہزاد نقشا، گُل نکالے گا

قفس سے تجھ کو، اور زلف بتاں کے دام سے، مجھ کو
خدا کس رنگ سے اب دیکھیے بلبل، نکالے گا

پڑھے گا یہ غزل تو عشق جس دم اس کی تربت پر
نوائے آفریں، واں طالب آمل نکالے گا

دل میں آہو نگہاں پھرنے لگے اب یارو
ہائے اس شہر کو یوں دشت غزالاں دیکھا

پنجۂ خور سے کیا جیب کو ٹکڑے ٹکڑے
صبح نے جو ہیں مرا چاک گریباں دیکھا

یہ قیامت قامت اور تس پر یہ منڈ ناخط کا ہائے
جلوہ گر محشر ہے پر اب تک نہیں قرآں سفید

جرم پر میرے نہ ہنس تو پنبۂ مینا کو دیکھ
مے کشی سے ہووے ہے روئے سیہ کاراں سفید

چشم پُرخوں میں ہے لختِ دل بیتاب ہنوز ایک جا جمع ہیں یاں آتش و سیماب ہنوز
سوزن تدبیر سے کیا ہے امید بخیہ، ہائے تنگ چشموں سے نہ رکھ اے چشم زخم یار، چشم

قطعہ

درد دل جان من کہوں کس سے درد میں کوئی مبتلا ہی نہیں
قیس و فرہاد چل بسے کب کے کوئی ہمدرد اب رہا ہی نہیں

سیہ کاری پہ اپنی دم بہ دم آتا ہے اب رونا بہ رنگ خامہ، پہلے بات سے آنسو نکلتے ہیں
کردیا اشکوں نے دامن تختۂ گلزار، واہ ہیں تو لڑکے پر بڑے استاد گل کاری ہیں
یہ مہر اس مہ جبیں کی دیکھ آب وتاب پانی میں بہ رنگ ماہی بے آب ہے بیتاب پانی میں
نہیں ہے دخت رز پردے میں مینائے بلوریں کے چھپی ہے میکشاں، ہوکر یہ آتش، آب، پانی میں
اس شعلہ خو کو دیکھتے ہی آہ خواب میں آتش سی پھنک گئی دلِ خانہ خراب میں
سبزۂ خط کی دل سے ہم الفت اٹھا سکتے نہیں جو خدا نے لکھ دیا اُس کو مٹا سکتے نہیں

قطعہ

بلبل تو عبث پھولی ہے اس گل پہ کہ جس کو گوش شنوا ہو، نہ ذرا چشم حیا ہو
چل ساتھ مرے تجھ کو دکھاؤں وہ طرح دار آنکھوں سُنے نہ دیکھا ہو نہ کانوں سے سنا ہو

خوش رہو، خفا مت ہو، ہم چلے پر اس دل کو رہنے دو کہ عاشق کی، یہ بھی اک نشانی ہے
یہ جوش گریہ ہردم، چشم پُر آب کیا ہے اتنا بھی پھوٹ بہنا، خانہ خراب کیا ہے
بلوریں آئینہ پر جیسے ہو تحریر سونے کی نمود اس طرح اس سینہ پہ زنجیر طلائی ہے
باایں فروغ دلکش، دیکھ اس کی مانگ شب کو تھی عقل چرخ یارو، گردوں پہ کہکشاں کی
کہاں تک میں رہوں اس حلقۂ زنجیر کا قیدی بہار آئی الٰہی پھر کہیں دیوانہ پن چمکے
دل بیتاب کو اشکوں نے میرے اور بھڑکایا کرے ہے کام آتش کا یہاں سیماب پانی میں
جلا ہی تھا شرر عشق سے بدن سارا بھلے کو لختِ دل آنکھوں سے آب لے نکلے

صبح دم باغ میں آئے جو وہ گل بال کھلے — بلبل شورش وحشت کے پر و بال کھلے

ماہ رو کہتا اسے کوئی، کوئی گلفام ہے — راحت جاں لیکن اس کا، ایک عمدہ نام ہے

ہنس مرے رونے پہ، اچھا تو سہی اتنا ہے میں — تجھ کو گر عاشق رکھوں تو عشق میرا نام ہے

بارے بتاں، بتاؤ کیا فائدہ جفا سے — جیسا کرو گے ہم سے، پاؤ گے تم خدا سے

اللہ رے مو کمر وہ بل کھائے جو صبا سے — بل بے تری نزاکت، لچکے ہے بس ہوا سے

آسایش جہاں ہے اپنے ہی دم قدم سے — جب آپ مر گئے بس پھر کچھ ہوا، بلا سے

وہ شوخ صبر لوٹے آرام دل کا چھوٹے — مینائے دل بھی ٹوٹے ہے کام مدعا سے

خال واں مکھڑے پہ ہر بار بنے بگڑے ہے — یاں سویدائے دل زار بنے بگڑے ہے

آئے ہے آفت نظر ہم کو جدھر جائیے — عشق ترے ہاتھ سے آہ کدھر جائیے

رباعی

یوں تو مدت سے تلملی ہے دل کو — کل سے پر سخت بے کلی ہے دل کو

جلدی سے مدد کرو ملا دو اس سے — جس سے آرام یا علی ہے دل کو

ولہ

ٹھوکر ہردم لگا نہ دل پر باز آ — ایذا دینے سے مرے دلبر، باز آ

یہ گھر ہے خدا کا ڈھا نہ اس کو آ دیکھ — باز آ باز آ اب اس سے کافر، باز آ

کیونکر نہ رہوں یار ترے دھیان میں ڈوبا — ہے عشق کا پیکان دل نالان میں ڈوبا

اپنے دل پر داغ کی دولت سے ہمیشہ — رہتا ہوں یہاں سرو چراغان میں ڈوبا

جو بات ہے پیارے تری سو وہ نمکین ہے ☆ — ہے جو بھی ملاحت کی غرض کان میں ڈوبا

اشک اور لخت جگر کا نہیں انبار لگا — خانۂ چشم میں ہے جوہری بازار لگا

☆ ل سے اضافہ۔

نہ لعل لخت دل نی چشم میں ہیں اشک کے موتی
یہ سونا کیوں پڑا ہے جوہری بازار، کیا باعث
کیونکر آوے نہ مجھے اب کمر یار پسند
فکر باریک ہے اور معنی دشوار، پسند
مہر نے دیکھے ہیں جب سے ترے رخشاں عارض
ہے تپ لرزہ اسی دن سے مری جاں عارض
غنچے کھلے ہزاروں اس باغ میں صبا سے
دل کا کھلا نہ عقدا پر آہ نارسا سے

قطعہ

مطلق خطر نہیں ہمیں روز حساب میں
ہم خاک ہو رہے ہیں رہ بوتراب میں
کل رات جا کے کلبۂ احزاں میں دوستاں
دیکھے جو میں نے حضرت عشق اضطراب میں
میں نے کہا کہ خیر ہے بے چین کیوں ہیں آپ
سن کر پڑھا یہ دردؔ کا مطلع جواب میں
ہستی ہے جب تلک ہیں اسی پیچ و تاب میں
جوں موج آ پھنسے ہیں عجب اضطراب میں

عشقیؔ، میاں رحمت

میاں[1] رحمت اللہ عشقیؔ، از احوالش خوب[2] اطلاع نہ دارم کہ کجاست و چہ حال دارد مگر ایں حقیر سراپا تقصیر بندہ[3] ذکارا کہ مطلعی از گفتہ اش بہم رسیدہ، بہ سلک تحریر کشیدہ لمولفہ[4]:

کہنا تو قصور اس کو ہے اب حور کی گردن
صانع نے بنائی ہے تری نور کی گردن

عشرتؔ، غلام علی

میر غلام علی عشرتؔ[5] شخصی است سید، ساکن بریلی۔ اہل دیوان، صاحب تلاش، ذکی الطبع، قصاید و غزلیات و رباعی و دیگر اشعار متفرقہ وغیرہ بخوبی و فصاحت از و سرانجام می یابد[6] و بعضی از تازہ مشقاں سکنۂ آں دیار را اصلاح[7] سخن می دہد۔ ایں ابیات از و بہ کمتریں رسیدہ:

سرِ دیوار تک تو بھی نہ پہنچی، رات کو چھپ کر
بلند اپنی اچک کر ہم نے تا مقدور کی گردن
بہ سان جام خالی پھوڑ ڈالوں چشم پُر خوں کو
نہ دیکھوں گر صراحی دار اس مخمور کی گردن

1،2،3،4 اصل: اضافۂ مؤلف: میاں، خوب، بندۂ ذکا، لمولفہ (لمولفہ ل میں ندارد) لمولفہ بے محل ہے۔
5 کریم الدین: اس نے مرزا علی لطف سے اصلاحِ شعر کی لی ہے۔ 6 ل: می ماند۔ 7 ل: اصلاح می دہد۔

اس دشت پُر بلا میں ہم آ کے اب ڈٹے ہیں — مجنوں کے لاکھ باری جس جا قدم ہٹے ہیں

دیکھ عالم ترے قد و چھب کا ☆ — سرو حسرت میں ہے گویا کب کا

شیخ جاتا ہے میکدے کی راہ — میں تو قایل ہوں اس کے مذہب کا

رکھیں گے بعد مرگ اگر خاک کے تلے — ساقی تو رکھیو مجھ کو کسی تاک کے تلے

مقابلے میں تری شکل کے کہوں کیا صاف — مہ [illegible] کے منہ پر تو جھائیاں دیکھیں

بہ رب کعبہ بھلا جھوٹ کیوں کہیں قاصد — بتوں کے گھر میں تو ہم نے خدائیاں دیکھیں

منہ نہ دیکھے، جو اسے آنکھ اٹھا منہ دیکھے — پھر ادھر آئے تو میرا بھی موا منہ دیکھے

چھوڑوں میں اگر آنسو دو چار تلے اوپر — ہر گھر کی لگے گرنے دیوار تلے اوپر

چشم و دہن ودنداں کرتے یہ اشارے ہیں — خورشید میں ذرہ ہے ذرے میں ستارے ہیں

شب وصال ہے دل پر قلق ابھی سے ہے — سحر ہے دور، مرا رنگ، فق، ابھی سے ہے

ہنوز دفن ہوا ہی نہیں ترا بسمل — کہ زلزلے میں زمیں کا طبق ابھی سے ہے

چلا نہیں، وہ، ارادہ ہی سیر ماہ کا ہے — یہ ناز کی کہ جبیں پر عرق ابھی سے ہے

کسو نے شام کے آنے کو کیا کہا عشرت — کہ تیرے چہرہ پہ پھولا شفق ابھی سے ہے

گلشن سے جو وہ با قد دل جو نکل آئے — ہر فاختہ کہتی ہوئی کوکو نکل آئے

یاد آئے ہے جس دشت میں وہ چشم تو پھر میں — کہتا ہوں کہ یارب کوئی آہو نکل آئے

عاصمی، برہان الدین

خواجہ برہان الدین عاصمی، وی مردی بود متوطن[1] دہلی از شاعران قدیم، اکثر مرثیہ و مناقب می گفت، گاہی فکر شعر ریختہ ہم می کرد، کلامش خالی از فصاحت نیست، گویند[2] کہ لطیفہ گو ومورخ لاثانی بود:

چمن کے تخت پر جس دن شہ گل کا تجمل تھا — ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا

---

1 سرور: از اولاد حضرت خواجہ عبداللہ احرار۔ 2 اصل/ق: در علم تاریخ ولطیفہ گوئی مہارت کلی داشت۔

☆ یہاں سے 14 اشعار 'ل' سے اضافہ۔

خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں — کہے تھے باغباں رو رو کے، یاں غنچہ تھا، یاں گل تھا
رات کو میں شمع کی مانند رو کر رہ گیا — صبح کو دیکھا تو سب تن اشک ہو کر رہ گیا

عزیز، بھکاری لال

بھکاری لال عزیز[1] قوم کایتہ سری باستب،[2] متوطن جودھپور۔ پدرش بہ علاقۂ دیوانی مرزا رحمان یار خاں کہ داروغۂ موجودات سپاہ بود، عزتی داشت وخود در سرکار مرزا راجہ رام ناتھ بہادر بہ عہدۂ منشی گری مقید بود۔ چند اشعارش بہم رسانیدہ بہ قید قلم می آرد:

ہماری تری پردہ میں گفتگو ہے — جو اٹھ جائے پردا تو پھر تو ہی تو ہے
تیرے کوچے سے اب جو جائے گا — جیتے جی پھر نہ منھ دکھائے گا
آہ مجھ سا عزیز دولت خواہ — ڈھونڈیے گا تو پھر نہ پائیے گا
ایسا ہے لعل لب کا ترے یار رنگ سرخ — یاقوت جس کے آگے لگے ایک سنگ سرخ
آرام وصل وہجر میں ممکن نہیں ہمیں — یونہی ہمیشہ مضطرب اے رشک ماہ تھے
اب ہجر ہے تو حسرت دیدار لے ہے جی — جب وصل تھا تو کشتۂ تیغ نگاہ تھے
ملیں کیونکر بھلا اس شوخ لا اُبالی سے — کہ سوتے سوتے جو چونکے ہے تصویر نہالی سے

مستزاد

آیا نظر اک طفل فرنگی گورا — سنگین نگاہ
پلٹن سے مژہ کی قلب دل توڑا — بے جرم وگناہ
میں نے یہ کہا ظالم خدا سے تو ڈر — اس پہرہ میں
شرما کے لگا کہنے وہ تھوڑا تھوڑا — دل کیا پرواہ

عاجز، زور آور سنگھ

زور آور سنگھ عاجز قوم کھتری نبیرۂ رائے آنند رام مخلص شاگرد شیخ نصیر الدین غریب فارسی

---

1. شاگرد درد۔ تذکرۂ عشقی کی تالیف کیوقت الہ آباد میں مقیم تھے۔ 2. سری واستو۔

گو بہ زور طبیعت در فارسی دستگاہی پیدا کردہ سرِ ہندی گاہ گاہی دارد، از ساکنین شاہجہاں آباد است
با مخلص ہم آشنا است۔ فکر سخن درست دارد:

ایسے کافر سے لگا دل کہ ہوا کام تمام
لے گیا صبر و دل وطاقت وآرام تمام

منظور قتل دل ہے کسی بے گناہ کا
کچھ بے سبب نہیں یہ پلٹنا نگاہ کا

ایسے بیدرد سے کیوں دل کو لگایا ہم نے
عشق میں جس کے کبھو چین نہ پایا ہم نے

شبِ مہتاب کس کمبخت کو ہجراں میں بھاتی ہے
کہ جس سے گرمی روز قیامت یاد آتی ہے

عاشقوں کو ترے یکجا نہیں آرام کہیں
دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں

یہ کس [1] کی نوک مژگاں سے پڑا، ناسور سینے میں
کہ بندھنے ہی نہ پایا زخم پر انگور سینے میں

پھنسا دل کس کی زلفوں میں جو سرگرداں وحیراں ہے
گرفتار بلا ہے، مضطرب ہے اور پریشاں ہے

مریض ہجر کی اپنے عیادت شرط ہے ظالم
چراغ صبح دم سا اب کوئی دم کا یہ مہماں ہے

چلا ہے کاروانِ اشک کس یوسف کی منزل کو
فغاں ونالہ رہبر ہے، دل نالاں حدی خواں ہے

نتیجہ تیری الفت کا جو کچھ کہیے سو بھر پایا
بس اب میں ہوں، درودیوار ہے اور چشم گریاں ہے

یہ کس کی دید کی ہے منتظر چلمن بلب یارب
کشاکش میں اجل سے رات ودن دست وگریباں ہے

عاصؔی، گھنشیام لال

گھنشیام لال عاصؔی تخلص، قوم کایستھ ماتھر، ساکن دہلی، شاگرد میاں نصیؔر بہرحال طبع خوش دارد:

جگر میں آہ سوزاں کا دلا کا شانہ رکھتے ہیں
غضب ہے پاس شیشہ کے ہم آتش خانہ رکھتے ہیں

نہیں ہیں رند مشرب، صحبت مستانہ رکھتے ہیں
ہمیشہ پُر شراب عشق سے، پیمانہ رکھتے ہیں

کرو ٹک رحم بے بال وپری پر ان کی صیادو
اسیران قفس کو بھی کہیں بے دانہ رکھتے ہیں

جگر تڑپے ادھر ہے دل ادھر سر میں سے نکلے ہے
تماشا ہے کہ اک مرتا ہے اک گھر میں سے نکلے ہے

جگر کی پھانس بھی یارو کہیں سر میں سے نکلے ہے
نہ یہ سوزن سے نکلے ہے نہ یہ بر میں سے نکلے ہے

دل کم ظرف میں مضمون رنگیں کب سماتے ہیں
مثل ہے "مے چھلکتی ہے تو ساغر میں سے نکلے ہے"

---

1. اصل حاشیۂ مؤلف: ایں شعر از مولوی جلال الدین عاشق است (چنانچہ وہاں درج ہے)۔

وہی ہے استعارہ میرے دل کا تم سمجھ لینا | سواد نامہ کے جو بل کبوتر میں سے نکلے ہے
زبانِ تیشہ کہتی تھی، شرر یہ کوہکن کب ہیں | شعاع تکمۂ شیریں ہے، پتھر میں سے نکلے ہے
ہوا ہے ربط دل سے یہ تیرے پیکاں کا اے قاتل | تو کھینچے ہے ادھر، وہ تیر کے سر میں سے نکلے ہے
کیا تماشا سیر جھومر کی تیرے مہ پارا ہے | جس کی ہر اک سلک نہر مانگ میں فوارہ ہے
ہو جو عکس انداز خط وہ شوخ پُرفن آب میں ☆ | فلس ماہی ہو پر طاؤسِ گلشن آب میں

عشاقؔ، جیون مل

جیون مل[1] عشاقؔ تخلص، شخصی بود قوم کھتری از ساکنین شاہجہاں آباد، با میر محمدی مائلؔ نسبت شاگردی داشت۔ بہر کیف ایں شعراز و نسبت دارد:

سرسبز خط سے اور ہوا حسن یار کا | آخر خزاں نے کچھ نہ اکھاڑا بہار کا

عیاشؔ، خیالی رام

خیالی رام عیاشؔ، ساکن دہلی، شاگرد میاں نصیر الدین نصیرؔ، از اقربایان لالہ کیشو رائے کہ سرشتۂ ڈاک بادشاہی دارد بہ تالیف ایں ابیات رنگیں زور طبع خود آزمودہ:

صبح لیتے ہو خبر زلف کی زنجیر میں تم | دل دیوانہ ہمارا تو گیا رات سے چھوٹ
جام ہے ہاتھ میں اور شیشۂ مے زیر بغل | نہیں عیاشؔ کو یاں بزم خرابات سے چھوٹ

عاشقؔ، رام سکھ

رام سکھ عاشقؔ، قوم کھتری متوطن دہلی بود شعرش بہ اصلاح دل پذیر[2] میاں نصیر[3] رونق یابند۔ بابندۂ ذکا[4] ہم رسم سلامت درست[5] داشت۔ انسان شگفتہ رو، ستودہ خو، مسکینت وضع، سلیم الطبع، دریافت شد۔ دیوانی مردف از و بر صفحۂ دوراں یادگار است۔ اکثر[6] اشعارش ناخن بدل می خارد:

1، 2 اصل: اضافۂ مؤلف "جیون مل" و "دل پذیر"۔ 3 سرور: اول اصلاح شعر از غلام حسن تجلّی گرفتہ۔ آخر بہ میاں نصیرؔ رجوع نمود۔ 4، 5 اصل: اضافۂ مؤلف "درست" اور "ذکا"۔ 6 ل میں "اکثر" ندارد۔ ☆ ل سے اضافہ۔

خط آئے پر بھی ابھی حسن یار باقی ہے — اتر گیا ہے نشہ، پر خمار باقی ہے
ہنوز حسرت دیدار یار باقی ہے — میں مرچکا ہوں ولے انتظار باقی ہے
نہ تو، دانا ہے قفس میں نہ ذرا پانی ہے — خوب صیاد اسیروں کی یہ مہمانی ہے
وابستہ ہے یہ تار نفس جسم زار میں — آواز دوست آتی ہے کیا اس ستار میں
تو اپنے کام کا ہے ایک، دل ربائی میں — نہ دیکھا تجھ سا صنم دوسرا خدائی میں
کہاں طاقت ہے اس گل کو مری فریاد سننے کی — نہ اتنا شور کر بلبل دماغ یار نازک ہے
نہیں معلوم کیونکر اس میں گنجایش ہے شانہ کی — رگ جاں سے بھی جس کی زلف کا ہر تار نازک ہے
حیرت زدہ میں دیکھوں ہوں یوں اس کو بزم میں — تصویر جیسے دیکھے ہے تصویر کی طرف

عاجز، میر غلام حیدر خاں

میر غلام حیدر خاں دہلوی عاجز تخلص شاگرد شاہ قدرت اللہ قدرت، ہمشیرزادۂ سید جعفر خاں راغب پانی پتی، از مدتی گردش فلک دوار او را بہ عظیم آباد افگندہ۔[1] ایں دو شعر بوی منسوب است۔

سوزش داغ کی میرے جو خبر گرم ہوئی — مہر سر کھولے ہوئے مارے جلن کے نکلا
پھر یہ عاجز نہ گیا دتی میں جوں نکہت گل — ایسا گلزار سے یہ اپنے وطن کے نکلا

عزت، میر عبدالواسع

میر عبدالواسع عزت وی از شاعران لکھنؤ شنیدہ می آید۔ ایں بندۂ راقم را از احوالش کماہی[2] اطلاع نیست، سخنش بہ مذاق آشناست و دردی[3] دارد۔ ایں مطلع از و رسیدہ:

بجز رفاقت تنہائی آسرا نہ رہا — سوائے بیکسی اب کوئی آشنا نہ رہا

عزیز، سمبھو ناتھ

لالہ سمبھو ناتھ عزیز، ساکن دہلی، قوم مہاجن، انسان عمدہ[4] معاش، صاحب سلوک و

---

1. سرور: از ابنائے اعمال مؤلف است...... از چندے عازم دار البقا شد۔ 2. اصل/ق: خوب۔ 3. ل میں ''و دردی'' ندارد۔ 4. ل میں ''عمدہ معاش'' ندارد۔

بامروت است۔ کم کم بہ فکر ریختہ ہم می گمارد و ہر قدر[1] کہ موزوں می شود خالی از تلاش و کیفیت نیست:

لیا دل اک نگہ میں، دل ربائی اس کو کہتے ہیں　　کیا بیگانہ سب سے، آشنائی اس کو کہتے ہیں
طواف کعبۂ دل کو چلے تھے چلتے چلتے ہم　　ترے قدموں تلک پہنچے، رسائی اس کو کہتے ہیں
عزیز اس یار کو ڈھونڈیں ہیں باہر، پیر و مرشد نے　　بتائی منزلِ دل، رہنمائی اس کو کہتے ہیں

عظمتؔ، شیخ عظمت اللہ

شیخ عظمت اللہ عظمتؔ ترک پیشہ، سپاہ گری ساختہ، تحصیل عربی و فارسی نمودہ و معلمی اختیار کردہ۔ خطی خوب دارد و کلام[2] مرغوب:

جو اب ہاتھ سے غم کے جیتے رہیں گے　　مے عیش، بھر عمر پیتے رہیں گے
میاں گر یہی دھاک ہے اس کمر کی　　تو کاہے کو جنگل میں چیتے رہیں گے

عاصیؔ

عاصیؔ تخلص، عزیزیست در رامپور، تلاش سخن[3] دارد۔ ایں اشعار از وست:

کملاوے ہے گرمی سے نگہ کی وہ گل اندام　　اللہ! یہ کیا لطف[4] کی نازک بدنی ہے
سنتے ہی مرا حال کہا، جلدی سے منہ پھیر　　میرا تو میاں کام سدا دل شکنی ہے
کیا تاب کہ اس منہ سے کروں غوث کے اوصاف　　عاصیؔ وہ جگر گوشۂ شاہ مدنی ہے

عشقیؔ

عشقی[5] تخلص، شخصی بود بہ ضلع دکن از کلام پردازان، سلف چونکہ اشعار بسیاری شاعران

---

1. ل میں محذوف ''ہر قدر...... نیست۔'' 2. ل میں 'کلام' محذوف۔ 3. اصل/ق: ''بہر حال بہ گفتہ بجائے'' ''تلاش سخن دارد''۔ 4. اصل/ق: گل۔ 5. ل میں اس سے پہلے عاصم کا صرف اتنا ذکر ہے ''عاصم تخلص، نواب والا القاب امیر الامرا'' اور کیول رام کاتب کا حاشیہ ہے ''زیادہ ازیں در اصل تذکرہ مذکور نبود۔ برناقل خوردہ نگیرند۔''

آں نواح بہ مر[1] عدم مطابقت محاورۂ خود دریں تذکرہ ننوشتہ ام، اشعار ایں ہم کہ خلاف محاورہ یافتہ شد مرفوع القلم کردہ شد[2]۔ بہر حال شعری کہ بطور خود درست یافت۔ بہ زبان[3] خامۂ نیاز سپردہ:

موتی دریا میں عبث چشم کہاں تک دھووے　　کہ تمھارے وہ بنا گوش کے ہم سر ہووے

عاقلؔ، عاقل شاہ

عاقل شاہ، عاقل[4] درویش سیاح بود بیک مکان استقامت[5] نداشت۔ ایں[6] شعر از گفتۂ اوست:

قید بھی یاں تو نہیں اور چھوٹ بھی سکتے نہیں　　واہ واہ اس دام کو اور آفریں صیاد کو

عزیزؔ، شیخ محمد علی

شیخ محمد علی عزیزؔ از دہلی خلف شیخ عاشور علی، از اولاد مجد بنیاد حضرت شیخ سلیم چشتی قدس سرہٗ، مرد معلّی پیشہ خیلی مہذب و مودب، راست کردار[7]، خجستہ اطوار معلوم شد۔ گاگاہ بہ فکر شعری پردازد:

داغوں کا میرے سینہ کے مت پوچھ تو شمار　　گنواؤں تجھ کو عرش کے تارے کہاں کہاں

وہ دن نہ ہو کہ مجھ سے جدا ہو مرا صنم　　اللہ مت مجھے وہ زمانہ دکھائیو

گردش نے جام جم کی بدمست کردیا　　ساقی ہمارے پاس سے مینا اوٹھائیو

عزلتؔ، سید عبدالولی

سید عبدالولی عزلتؔ[8] خلف الصدق سید شاہ سعد اللہ سورتی کہ درویش مرتاض و متبحر و کامل بودہ

---

1 اصل/ق: از مر عدم مطابق بودن محاورہ خود نہ نوشتہ ام۔ غزلیات او نیز کہ سراسر خلاف محاورہ یافتم نہ نگاشتم مگر شعریکہ قدرے گفتگوے محاورہ اش درست یافت برزبان خامہ سپردہ۔ 2 ل: گردانید۔ 3 ل: نوشت۔ 4 سرور: شخصے سپاہی آزادوضع۔ 5 ل: قرار۔ 6 ل میں محذوف۔ 7 ل: و۔ 8 ولادت: سورت 1104ھ؛ 1164ھ میں دہلی اور وہاں سے مرشد آباد پہنچے لیکن علی وردی خاں کی وفات کے بعد دکن چلے گئے جہاں انھوں نے تقریباً بیس سال گذارے۔ وہیں 1189ھ میں وفات پائی (مختار الدین احمد)۔

است چوں از سخن طرازان سلف بود، اشعاریکہ بزبان آن وقت مناسبت داشت، از و سرزدہ من کلامہ:

تم پر فدا ہیں سارے حسن و جمال والے ☆ کیا خط و خال والے کیا صاف گال والے
جاتا ہے منہ چھپائے کیوں دیکھ ٹک ادھر بھی ☆ او زرد شال والے، اودے رومال والے

میں وہ مجنوں کہ نہ آباد نہ اجڑا سمجھوں ☆ مشت خاک اپنی اڑا کر اسے صحرا سمجھوں
چشمک یار ہے مجھ شمع کے حق میں گل گیر ☆ دم صبحی کو میں انفاس مسیحا سمجھوں
گردش چشم صنم نے لیا خاطر سے غبار ☆ اس کو دشت دل عزلت کا بگولا سمجھوں
جس خوش نگہ کو بھیجوں غفلت کی نیند لیوے ☆ میں بخت خفتہ سب کا افسانہ ہو رہا ہوں
اس کو پہنچی خبر کہ جیتا ہوں ☆ کسی دشمن ستی سنا ہوگا
عزلت گمان یوں تھا کہ جل کر ہوا ہے راکھ ☆ پھر دود آہ دل نے مرا دیدہ تر کیا
بندے ہیں تیری چھب کے مہ سے جمال والے ☆ سب گل سے گال والے سنبل سے بال والے
نہ پوچھو یہ بگولا ہے مرا ہم تول صحرا میں ☆ یہ قبر حضرت مجنوں ہے ڈانواڈول صحرا میں
نخل امید بے وفاؤں سے ☆ دل سلامت پھرے تو پھل پایا
کیا گرم ہو، دیتا ہے جواب خنک اے یار ☆ تاب اپنے دم سرد کی نہیں دل کو ہمارے
سدھارے گل کہاں کر کر یہ سونے گلستاں اپنے ☆ گئی ہیں بلبلیں کیدھر جلا کر آشیاں اپنے
چین ابروئے سجن سے مرا جی الجھا ہے ☆ دل کھلے گر کبھی دونوں میں گرہ پڑ جاوے
دل میں رندوں کے پھپھولا ہوا عمامۂ شیخ ☆ یارب اس بزم سے یہ زہر کا ٹکڑ جاوے
نہ پوچھو یہ کہ کیفی چشم یہ سرمہ نے گھیری ہے ☆ گریباں گیر[1] ظالم سے سخن فریاد میری ہے
تجھ قبا پر گلاب کا بوٹا ☆ دل بلبل گویا ابھی ٹوٹا

عسکری، مرزا محمد

مرزا محمد عسکری عسکری تخلص، عزیزی مغل زا، از ساکنین عظیم آباد است۔ نسبت تلمذ با شاہ قدرت اللہ قدرت دارد۔ مرد خوشخو و نیک خلق و صاحب طبع آراستہ وضع مسموعہ شد ایں مطلع اوراست[2]:

---

1 ل: گریباں گر اس ظالم کی یہ فریاد میری ہے۔ 2 ل: از وست۔

کہنے کو تو اِدھر اُدھر گئے ہم　　تھے تیری طرف جدھر گئے ہم

عشقؔ، میر محمد علی

میر محمد علی عشقؔ ساکن حیدرآباد، وی عزیزیست [1] مستعد و ذکی وشایستہ وسلیم الطبع، ایں دو شعر کہ از وی بہم رسید بقلم دردادم [2]:

بسان مردمک چشم جو ہیں اہل نظر　　قدم کو رکھتے ہیں کب اپنے گھر سے وے باہر

جو صاحب طبع ہیں وے ہرزہ گرد کب ہوں گے　　کب اک مکان سے جنبش کرے ہے آب گہر

عطاؔء، محمد عطاء اللہ

محمد عطاء اللہ عطاؔء، او مردی بود [3] درعہد حضرت خلد مکان انار اللہ برہانہٗ، درآن زمان بسر کردگی وہنگا آرائی ومضبوطی نظیر خود نداشت۔ گویند کہ شخصی از طرف جنوب بارادۂ امتحان زور وطاقت ورزم آوری وامتحان شجاعت او برخاستہ خود را بہ دہلی افگند ومقابل شد۔ تیغی برچہرۂ محمد عطاء اللہ عطاؔء علم نمود۔ ایں گفت کہ حالا خبردار باش، من ہم رسیدم۔ جوان سپری کہ باخود داشت برروی آورد تا از زخم محفوظ باشد، آں سرجملۂ دلاورانِ زماں ویگانۂ جواں مردان جہاں باوصف آنکہ زخم کاری از دستش برچہرۂ خوردہ بود، بہ معاینۂ ایں حال ازیں مقام درگذشت وگفت کہ تو پناہ می خواہی ولبطور نسواں نقاب برروی می کشی پس مارا چہ لازم است کہ با مردان زناں سیرت وذکوران ہیز طینت مستعد پرخاش وآمادۂ جنگ باشم۔ بہرکیف بمقتضائے وضع رندانہ خود اکثر اشعار از طبع زاد خود یادگار گذاشتہ۔ دو بیت ازاں بنوک قلم درآمدہ کہ مشتی نمونۂ خروارے از کلام اوست۔

اے در نبرد حسن تو گشتہ پچھاڑ چشم　　زیر مژہ نہفتہ چو آہو پچھاڑ چشم

اٹکم و ہو کلتم کٹہ پچھاڑم بانکہ اندم　　کہ از دھاک من ڈھوکر عدو، رپٹا، گرا، پھسلا

عظیمؔ، مرزا زین العابدین

مرزا زین العابدین عظیمؔ از بلدۂ عظیم آباد است شاعر فصیح وشیریں گفتار معلوم [4] می شود ایں

---

1. ل: بسیار مستعد۔ 2. ل: بقلم آوردم۔ 3. اصل/خ: شجاعت نشاں۔ 4. ل: گفتار اوست۔

مطلع از و تعلق دارد:

زلف نے جس کے تئیں دکھائی شام پھر اسے دوسری نہ آئی شام

عظیمؔ، شاہ محمد عظیم

شاہ محمد عظیم عظیمؔ، وی درویش خدا دوست بود۔ با مردم دنیادار خیال کمتر می داشت و از مر بے غرض و عدم طمّا[1] می انسان تونگر و غریب را بہ چشم توجہ یکساں می دید۔ دعاے خیرش اثری داشت ہر کرا از دل می کرد، فی الفور جلوۂ نمایش می پذیرفت، اکثر اوقات بتالیف مثنویات صرف می نمود چنانچہ قصۂ لیلیٰ و مجنوں بزبان ریختہ طرح دادہ و غزلیات و رباعی و مخمسات وغیرہ کم کم از وسرزد گشتہ بہ مقامی بادشاہ و وزیر برگنبدی طلسمات قفلی بغایت جسیم و متین مشاہدہ فرمودہ دعای کہ از عارف کامل تلقین کردہ یاد خاطر داشتند بر قفل مذکور دم ساختند باذن اللہ تعالیٰ فورآرو بافتتاح آورد و بہ مجرد رونق افزا شدن اندرون گنبد باغی طلسم آمیز دیدند چنانچہ در تعریفش می گوید:

خیابان سب مشک و عنبر کی کھان چمن در چمن زعفراں ارغوان
مہکتی تھی شب بو کے پھولوں کی بو چنبیلی ہے رابیل ہے نازبو
گلاب اپنی باری میں دیتا ہے باس ہزارہ ہے لالہ کے گل آس پاس

درہمیں افسانہ بہ تعریف حسن و جوانی گفتہ:

مجھے جنگل کی خوش آئی بہار بڑی گوری چھاتی پہ پھولوں کا ہار
لہکتی تھی بدھی کمر گاہ پاس مہکتے بدن میں تھی پھولوں کی باس
میں کھولے تھی بال اپنے، بالی تھی میں سج اپنی نرالی نکالی تھی میں
سیہ انکھڑیاں ڈورے چھوٹے تھے لال نشہ چڑھ رہا تھا مجھے دھوندہ کال
گلے میرے پشواز تھی تاش کی مجھے اپنے جوبن پہ تھی عاشقی
لٹکتا تھا دامن قدم گاہ پر کمر کھینچی کھانچی تھی دل خواہ پر
رومالی تھی سر پر زری تار کی تجلی برستی تھی دیدار کی

1۔ اصل/ق: و بے طمعی۔

نہ رہتی تھی کاکل بن آنکھ ایک پل   نہ بن آرسی دیکھے پڑتی تھی کل

ہنگام رحلت بہ پسر خود کہ نشہ نوش نام داشت چنیں وصیت کردہ:

عظیما نے آدھی کہانی کہی   نشہ نوش کہیو جو باقی رہی

فرزند سعادت مند وصیت پدر بزرگوار بجا آورو مثنوی باقی را باختتام رسانید۔

علی، شاہ ناصر علی

شاہ ناصر علی علی تخلص مردی روشن دل بخدا مشتغل[1] عالی ہمت، صاف طبیعت، مولدش خطۂ سرہند و در دہلی پرورش یافتہ۔ عالی حسب، گرامی نسب واقع شدہ بود۔ دیوانی بکمال فصاحت ومضامین برجستہ وبغایت متانت وپختگی وچند مثنویات فارسی از ویادگار وشہرہ آفاق است گاہی میل توجہ بہ تصنیف ریختہ بفرمودہ مگر در جواب شعر ولی شاعر ریختہ کہ ہم عصر او بود چناں گفتہ:

از ولی

اچھل کر جا پڑے جوں مصرع برق   اگر مصرع لکھوں ناصر علی کو

از ناصر علی

باعجاز سخن گو اڑ چلے تو   ولی ہرگز نہ پہنچے گا علی کو

علی، مرزا علی

مرزا علی علی جوانی مغل زا بود در لکھنؤ از فراست وشعور خیلی فایدہ اندوز بود۔ مشق سخن از سرب سکھ دیوانہ نمودہ۔ ایں مطلع[2] از وست:

تجھ سا کوئی دنیا میں ستم گار نہیں ہے   بے رحم وجفا پیشہ وخونخوار نہیں ہے

عمدہ، لالہ سیتارام

لالہ سیتارام عمدہ، برادر راجہ دیارام پنڈت، مرد شیریں زبان وخوش طبع آراستہ وضع نیک

---

1. اصل: مشغل۔ 2. ل: شعر۔

کردار ستودہ اطوار است۔ شعر خود را بہ نظر انعام اللہ خاں یقینؔ گذرانیدہ۔ ایں دو شعر از نتائج طبع وقاد اوست:

مرے تابوت پر حاجت نہیں پھولوں کی چادر کی | کہ میری نعش پر وہ سرو گل رخسار پہنچے گا
نہ اپنے مبتلاؤں پر غضب اے نوجواں رہیے | انھوں کی دل بری کیجیے، انھوں پر مہرباں رہیے

عنایتؔ، شیخ نظام الدین

شیخ نظام الدین عنایتؔ شخصی است از قاضی زادہ ہائے قصبہ رتول، دریں ایام جہت[1] تحصیل علوم بہ حضرت دہلی نازل شدہ بود، از مریدان مولانای مولوی محمد فخر الدین قدس سرہ است، در فارسی مسرورؔ و بہ ہندی عنایتؔ تخلص می کند، مصلح شعرش ہدایت اللہ خاں ہدایتؔ از یک چند بہ ضلع کالپی رفتہ۔ ایں دو شعر ریختہ از و یاد خاطر ماندہ:

بشارت دوست داروں کو علی النار والجنۃ | کہ جس کی شان میں آیا قسیم النار والجنۃ
عنایتؔ دل سے کہتا ہے وایں جا مصطفےٰ حقا | علی ابن ابی طالب امام النار والجنۃ

عیاںؔ، سید غالب علی خاں

سید غالب علی خاں عیاںؔ خلف سید عیوض خاں کہ در عہد حضرت فردوس[2] آرام گاہ بر عہدۂ بخشی گری فوج ظفر موج مامور بود و بثروت و حشمت تمام می گذرانید و از طرف نواب معین الملک المعروف بہ میر منو، بہ علاقۂ نیابت صوبہ دار السلطنت لاہور امتیازی داشت۔ سید شیخ علی خاں حسینی سلمہ الرحمان برادر مہین سید غالب خاں عیاںؔ در دہلی بہ مسند ارشاد متمکن و رونق افروز گردیدہ عالمی را بہ فیض بخشی مشکور گردانیدہ۔ بانواع خوبیہا متصف، از مغتنمات است۔ دریں جزو زماں عنصر لطیف و شریفش حکم کبریت احمر دارد۔ بہرکیف سید غالب علی خاں عیاںؔ مردی بود سپاہی پیشہ، نیک اندیشہ، خوش خلق نیک خصال، پاکیزہ گفتار، شیریں مقال، بہر دو زباں آشنا بود۔ ایں ابیات ریختہ کہ نسبت فارسی کمتر میل خاطر بایں طرف می نمود۔ بندہ ذکا[3] بر رشتۂ تحریر کشیدہ:

---

1 اصل/ق: از جہت۔ 2 اصل/ق: فردوس منزل۔ 3 اصل/ق: 'از و' بجائے ''بندہ ذکا''۔

چمن میں جب کبھو میں نالہ وفریاد کرتا تھا
مری کس کس طرح سے دلبری صیاد کرتا تھا
کیا صبا لاتی ہے یاں پیغام جاناں متصل
پھاڑتے ہیں جو چمن میں گل گریباں متصل
تیری دولت سے اس چمن میں بہار
ہم نے کیا کیا دوانہ پن نہ کیا
اس پہ موقوف کیا ہے شان جنوں
نہ کیا چاک پیرہن نہ کیا

عیشؔ، مرزا حسین رضا

مرزا حسین رضای متخلص بہ عیشؔ سید زادۂ بود در لکھنؤ، با محمد میر سوزؔ نسبت تلمذ داشت ایں سہ شعر متعلق باوست:

وہ اگر آوے پشت بام کہیں
میں بھی کرلوں اسے سلام کہیں
کیا ہے یہ قطرہ قطرہ، دے ساقی
ایک باری تو بھر کے جام کہیں
یہ غزل عیشؔ ہے تصدق سوزؔ
مجھ سے ہوتی ہے انصرام کہیں

عیاشؔ، غلام جیلانی خاں

غلام جیلانی خاں عیاشؔ المعروف بہ میاں بخشو۔ فرزند ارجمند نواب والا جناب وزیر الممالک اعتماد الملک نواب غازی الدین خاں بہادر مغفور ومبرور، بسیار صاحب مروت وبا تمکنت وقدر دان۔ بہ غایت خوش خلق ومتواضع وہمہ دان واقع شدہ، ایں کمترین زلہ ربا خوشہ چین [1] اگر چہ بآں بزرگ ستودہ اطوار بشرف ملازمت عز امتیاز نیندوختہ، الابعضی اشعار کہ بزبان بعضی دوستاں بغایت [2] راست [3] بازاں استماع یافتہ، بہ احاطۂ تحریر درآوردہ:

جی میں آتا ہے کہ اب کیجیے ترک اسباب
بے سروپاؤں کا کیا ہے سروسامان سے کام
خاکساری کا مجھے مرتبہ بس ہے عیاشؔ
نہیں اس عاریتی منزلت وشان سے کام
امڈا ہے ابر اور زمیں سبزہ زار ہے
ساقی جو تو بھی آوے تو کیا ہی بہار ہے
گنتا ہوں دم، فراق میں تیرے مرے لیے
ہر رات تیرے ہجر کی روز شمار ہے

1 اصل/خ: بندۂ ذکا۔ 2 اصل: اضافۂ مؤلف ''بغایت''۔ 3 اصل/ق: ساکن لکھنؤ؛ ل: راست بنیان۔

عیاشؔ پاس کیا ہے جو تیرے کرے نیاز | اک نقد دل ہے سو، تو وہ تجھ پر نثار ہے
کاٹ جو ابروئے خم دار میں تیرے ہے میاں | خنجر و تیغ کا کب اس کے تئیں کاٹ لگے

عاشقؔ، بھولا ناتھ

بھولا ناتھ عاشقؔ ساکن دہلی، خلف گوپی ناتھ پنڈت کہ بدیوانی نواب والا خطاب مجد الدولہ عبدالاحد خاں بہادر بہرام جنگ معزز بود۔ مرد خوش خلق و ذی ہوش و صاحب شعور و بسیار اہل معلوم شد، بہ علاقۂ دیوانی نواب اعظم الدولہ میر محمد علی خاں بہادر سلمہ اوقات بخوبی بسر می برد۔ بایں عاصی ہم دوستی دارد و بزبان فارسی و ہندی سخن طراز است۔ ایں اشعار از طبع زاد اوست:

یہ خاک وفا پیشوں کی برباد نہ کیجو | بندے کو غلامی سے تم آزاد نہ کیجو
جس دل میں نہ ہو عشق بتاں کا تو الٰہی | اس دل کو تو نور اپنے سے آباد نہ کیجو
نام ہر روز ترا ورد زبان رہتا ہے | دیدہ ہر شب ترے در کو نگراں رہتا ہے
عشق[1] میں پیارے ترا عاشق بہت غمناک ہے | جور سے تیرے گریباں تا بدامن چاک ہے
جس شخص نے تیرے گل رخسار کو دیکھا | بھر عمر نہ اس نے گل گلزار کو دیکھا
مت نکالو دل سے میرے ناوک اس بیدرد کا | جی نکل جاوے گا میرا تیر کے پیکاں کے ساتھ
آ دیکھ کبھو تو بھی مری جان تماشا | آنکھوں سے گرے ہے دُر غلطان تماشا
عاشق تری کس چیز کی تعریف کرے جان | رخسار تماشا ہے، زنخدان تماشا
واسطے صید دل کے محبوباں | زلف کو کیا سنوار رکھتے ہیں
قیس نادان سراسر نظر آیا مجھ کو | جایئے دشت میں کیوں کوچۂ دلدار کو چھوڑ

عابدؔ

عابدؔ تخلص شخصی از معاصران ولیؔ شاعر ریختہ بودہ است۔ بموجب محاورۂ آں وقت بہ فکر ریختہ می پرداخت۔ اگرچہ از سخن سنجان ایں عصر اصلاً مطابق نیست الا چوں در تذکرۂ اشعار رطب و

---

1 ل: ہجر

یا بس ہر کدام نوشتن لازم آمدہ لہٰذا بعضی از غزلیاتش کہ بہ تلاش کامل بہم رسید شعری[1] بقید قلم می دہد:

برم ڈوری سے بندا کر رکھا ہے آج عابد کو　　پیا کے مکھ کنول اوپر رکھا مجھ کو بھوَر کر کر

عاشق

عاشق، وی ساکن خجستہ بنیاد حیدر آباد است۔ تلاش رنگین وارد۔ ایں مطلع[2] از تصنیف اونگاشتہ می آید:

لائی ہے اب کے سال عجب کچھ بہار رنگ　　ہر برگ گل میں آئے نظر بے شمار رنگ

عیاش، عباس علی بیگ

عباس علی بیگ عیاش قوم مغل سکنۂ اطراف دکن، گاہ گاہی بہ فکر سخن می پردازد۔ ایں مطلع او گفتہ:

بہار آئی ہے گلشن میں کیا چلی ہے ہوا　　ہر ایک غنچہ نے کھولی زباں ہے بہر دعا

عشقی

عشقی تخلص[3] ساکن مراد آباد ست طبع[4] موزوں دارد۔ یک غزل او کہ حسب الطلب ایں[5] عاصی شخصی دوست دار از آں جا فرستادہ بود، من جملہ آں شعری بطور انتخاب می نویسد:

کوئی تو ہے گل چہرا کوئی سرو رواں ہے　　دیکھا تو یہاں ایک سے اک آفت جاں ہے

عشش، شیخ بدرالدین

شیخ بدرالدین عشش متوطن[6] قصبۂ سکندرہ از مدتی بر خدمت کوتوالی قصبۂ مذکور مامور ومعین است۔ شخصی نیک نام خوبی التیام است۔ در مجلس ارباب دول واہل نعم بہ آب وتاب می رسد بسیار لسان وظرافت بنیان واقع شدہ لطیفہ گو، شگفتہ رو، یار باش، خوش معاش، معلوم شد بہ تکلیف[7]

1، 2 ل میں محذوف۔ 3 مصحفی (ہندی) فقیر او را در آنولہ دیدہ بود۔ 4 ل: عشق موزوں؟ 5 ل: ہمیں یک بیت از و بمن رسید۔ 6 اصل/: اضافۂ مؤلف "متوطن...... معین است"۔ 7 ل: "تکلیف ......فرماید" محذوف

بعضی از محبان یک رنگ و دوستان خوش آہنگ گاہ گاہی اشعار ریختہ موزوں می فرماید:

گیا ہے بحر سے گوہر جو، لے کر تشنہ کام اپنا
کرے گا حسن کے دریا میں وہ لبریز جام اپنا

ہزاروں آہ و نالہ سے ترا مضمون بالا ہے
کیا ہے شعر نے تیرے عشش گردوں پہ نام اپنا

عدم سے لوح پر دیکھی ہے بسم اللہ کی صورت
ہوا دل پرتو سے اس کی بیت اللہ کی صورت

ترے جو عشق میں کشتہ ہے اس کی حشر میں دیکھو
ضعیف اور زار نکلے گا زمیں سے کاہ کی صورت

در گذر تو تو عشش گو کہ ترا محرم ہے
گر چرا کر یہ ترا عرق کدو لے جاوے

عظیم

عظیم مردی بود، پیشۂ سپاہ گری می کرد و در قصبۂ آنولہ سکونت داشت۔ ایں اشعار را از و نسبت می کنند:

کارواں اشک کا ہوتا ہے رواں آنکھوں سے
تم کو بھی آہ و فغاں ہم یہ خبر کرتے ہیں

کوئی گر تم میں سے چلتا ہے، تو آجائے شتاب
ورنہ اب یار تو، کوئی دم میں سفر کرتے ہیں

کچھ نگہ میں نہیں آتا ہے بجز جلوۂ یار
جب کہ ہم دل میں عظیم اپنے نظر کرتے ہیں

علی، علی محمد جان

علی محمد جان علی تخلص، قوم افغان باشندۂ مرادآباد است۔ بیتی از تصانیف آں گوش زد ایں عاصی انواع المعاصی گشتہ:

دھیان میں لاتے ہیں جب ابھری کسی کی گات ہم
مارتے جب وو ہیں چھاتی پر ہیں دونوں ہات ہم

عالی

عالی تخلص، از زمرۂ سلاطینان والا شان، خیلی معنی رس و خوش خو، نکتہ یاب، دقیقہ جو، ذکی الطبع تمکنت وضع، دانائے عصر، عاقل زمان، والا جاہ۔ قدر دان اشعار دلپذیرش برگزیدۂ سخن سنجان۔ کلام آبدارش آویزۂ گوش نکتۂ فہمان است۔ بہ نگارش برخی از اشعار رنگین و ابیات دل نشیں او صحیفہ[1] را

---

1. ل: می نگارد۔

مزین ونورآگیں می گرداند[1]:

صریح اس کو اگر حال دل جتا نہ سکے
تو کیا غزل میں بھی پڑھ پڑھ کے ہم سنا نہ سکے

جو اس کے اودے دوپٹہ کی گوٹ کو دیکھے
تو بادلوں سے کبھی برق منہ دکھا نہ سکے

تمھارا پھولوں کا گہنا جو دیکھا اے گل رو ☆
ہم ایسے پھولے کہ جامہ میں بھی سما نہ سکے

جنھوں کی تیغ چڑھائی تھی ہم نے گردن پر
ہماری قبر پہ دو پھول وے چڑھا نہ سکے

یہ اپنا دامن تر آج وہ ہے اے عاؔلی
کہ آفتاب قیامت جسے سکھا نہ سکے

مت جانیو ڈرتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
کیا جانے مجھے کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

یوں دل مرا لے جائے وہ اور ہو رہوں چپکا
کچھ پڑھ کے ہی پھونکا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

وہ گالیاں دیتا ہے ہمیشہ مجھے عاؔلی
پھر اس پہ یہ کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

پیار اس طرح جو غیروں سے تمھارا ہوگا
تم ہی منصف ہو مرے دل کو گوارا ہوگا

نہ کہو اس رخ تاباں پہ نہیں چاہیے خال
چاند کے پاس، عجب کیا ہے جو تارا ہوگا

واں کے باشندوں کا ہوگا نہ گریباں ثابت
جس طرف باندھ کے دامن وہ سدھارا ہوگا

آج اندھیرا سا چھایا ہے مری آنکھوں میں
اس نے شاید کہیں زلفوں کو سنوارا ہوگا

میرے مرنے کی سنی ان نے تو یوں کہنے لگا
تھا وہ گستاخ مری زلف نے مارا ہوگا

عقیدتؔ

عقیدتؔ، از سکنۂ[2] برہانپور است۔ ایں دو بیت کہ در مدح نواب اعظم خاں بہادر گفتہ، دریں جا ثبت می نماید:

قطعہ

کریں ہم سعی یارو کس لیے اکثیر کی ناحق
کہ وردِ اسم اعظم سے ہے اس کے، فیض، مفلس کو

1۔ حاشیہ مؤلف "اشعار ایں بہ سبب کمی جا بر ورق یک صد و شصت و پنج نگاشتہ شد" اور اس ورق پر "اشعار عاؔلی تخلص کہ بہ سبب کوتاہی جا دریں جا نوشتہ شد"۔ 2۔ اصل/ خ: بندہ را اسم مبارک آں بزرگ معلوم نیست مگر ایں دو بیت...... شنیدہ می آید۔ ☆ل سے اضافہ۔

تہ اقدام والا کی، اٹھا لے خاک کی چٹکی　　اگر تحصیل کرنا کیمیا کا ہو مہوس کو

عارفؔ، شاہ حسین

شاہ عارف حسین عارفؔ، او مرد درویش کریم الخلق در چہار طرق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکن دارد۔ از بس کہ بخوبی واوصاف مشہور است، اکثر شرفای دہلی باو رجوع دارند، مردی عالم وفاضل [1] است وتارک۔ گاہ گاہی بعضی اشعار فارسی وریختہ بطور تصوف تصنیف می فرماید:

اخلاص سب سے کرنا تسخیر ہے تو یہ ہے　　خاک آپ کو بتانا اکسیر ہے تو یہ ہے

سب کام اپنے کرنے تقدیر کے حوالے　　نزدیک عارفوں کے تدبیر ہے تو یہ ہے

عاجزؔ

عاجزؔ تخلص، شاعر خوش فکر ومعنی جو دریافت شد، ایں شعر دل آویز از وست:

یار شیریں لب کے غم میں جاں کنی کرتے ہیں ہم　　کوہ کن، کیدھر، جو دیوے غسل جوئے شیر سے

عاجزؔ، الفت خاں

الفت [2] خاں عاجزؔ متوطن قصبہ چرخہ کہ سی کروہ از [3] دہلی طرف مشرق فاصلہ دارد۔ مربوطی کلام از خوبی الفاظ اشعارش ظاہر:

کیا ہوا گر چشم تر سے خوں ٹپک کر رہ گیا　　بادۂ گلگوں کا ساغر تھا چھلک [4] کر رہ گیا

عارفؔ

عارفؔ تخلص، متوطن مرادآباد است۔ سخن بہ تلاش می گوید:

وہ ہوا گرد سے جب وقت شکار آلودہ　　تیر خاکی بنی مژگانِ غبار آلودہ

عبرتؔ

عبرتؔ تخلص، متوطن [5] رامپور وہم از سکنۂ آں جا است۔ ایں [6] چند اشعارش بتوسل

---

1. ل: تارک است۔ 2. اصل میں عاجز، عارف وعبرت کا ترجمہ حاشیے پر۔ 3. ل: فاصلہ از دہلی دارد۔
4. اصل: جھلک، تصحیح قیاسی۔ 5. اصل/ق: سکنۂ رامپور۔ 6. اصل/ق: ایں دو ابیات او۔

دوست داری طلب داشته بودم، ازاں ایں بیت بخاطر جا گرفت:

طفلی میں تجھے تو فتنہ تک کر دایہ بھی سلاتی تھی تھپک کر

عاشق، کلیان سنگھ

انتظام الدولہ مہاراجہ کلیان سنگھ بہادر المتخلص بہ عاشق، قوم کایتھ[1] خلف مہاراجہ شتاب رائے بہادر ناظم صوبہ عظیم آباد، بسیار صاحب ثروت، اہل حشمت، معزز ومکرم، فیاض وقدر شناس، شعرفہم، نکتہ یاب۔[2] دانائے جہاں، فراست[3] مآب، اہل مروت وباوفا، صاحب سخاوت وپُر حیا، بعنوان والد ماجد خود بخوبی ونیک نامی کمال شہرت دارد۔ خیلی مستعد وبدیہہ گو وصاحب تصنیف فارسی وہندویست۔ بہ تلاش خطیر ایں مطلع رنگیں[4] بہ بندۂ ذکار سید۔ از کلام اوست:

یے زخم دل ہمارے مرہم تلک نہ پہنچے دم ہم تلک نہ پہنچا ہم دم تلک نہ پہنچے

عاجز، عارف علی خاں

عارف علی خاں عاجز[5] از قدما است، چند سال می گذرد کہ بہ برہان پور استقامت داشت حالا از مدت احوالش بہ تحقیق نمی پیوندد۔ حاصل ایں کہ مردی دانا گرم وسرد زمانہ بسیار چشیدہ بود۔ بیشتر ریختہ بزبان گیت می گفت، ہر چند از رویۂ حال اصلاً مطابق نیست الا بہ مقتضائے رسم تذکرہ نویسی نگارش می رود کہ رطب ویابس قسمیکہ ہست از مصنف است:

منہ برسنے کی بات چلی ہے اب آنکھوں سے جان من آنسو چلیں گے
درد کے نیساں کے گوہر غلطاں تو مٹی میں کیکروں سے آہ رلیں گے
بخت جیوے مرا وحشی دیوانوں نے سر پہ اٹھائے سو ہیں رونے سے عاجز
اب میاں مجنوں بیبیوں کے مورچھلوں کو خرابی میں ابھی جھلیں گے

---

1 اصل: اضافۂ مؤلف ''قوم کایتھ''۔ 2 اصل/ق: نکتہ رس۔ 3 اصل/ق: 'ہمہ داں' بجائے 'فراست مآب'۔ 4 اصل/ق: ایں مطلع بمن رسید؛ ل میں ''از کلام اوست'' محذوف۔ 5 وفات 1170ھ (گل عجائب)؛ اصل میں حاشیے پر ''بہ سبب ناپسندیدہ آوردگی موقوف کردہ شد۔

عبداللہ

عبداللہ[1] شاعری از سلف۔ اشعار بحسب رویۂ آں وقت می گفت:

سجن کے ہجر کا تیر آ جگر کے بیچ لاگا ہے   نہ چونکے کیونکہ اب طالع، کہ سوتی نیند جاگا ہے

عبدالرحیم

عبدالرحیم[2] شخصی بہ ضلع دکن بود بموجب محاورۂ آں ملک بہ سخن طرازی مصروف می ماند ازوست:

آیا فراق اب پیو کا، سُدہ بُدہ گنوا مجنوں گیا   جس باٹ وہ لیلیٰ گئی، اُس باٹ مجھ جانا پڑا

عزیز اللہ

عزیز اللہ دکنی بزبان دکن غزلی مشعر مذکور جمیع اولیانان عظام واکابران عالی مقام از تصنیف اومشہور است۔ مقطعش نگاشتہ شد:

مجھ ناتواں میں کیا سکت، بولوں جو ولیاں کی صفت   عاجز عزیز اللہ اُپر، دکھن کے سب پیران بدو

عاجز

عاجز تخلص، شخصی دکھنی بود از اشعار وی یک شعر[3] دل نشین از و دل نشین است:

دل بغل مارے لیے جاتے ہیں یہ مکتب کے طفل   شیخ سعدی تم بھی ٹک لے کر گلستاں دوڑیو[4]

عاشق، محمد جان

محمد جان[5] عاشق، او باشندۂ صوبہ بُروڑا است۔ ایں ابیات از نتائج طبع او بندۂ ذکا برشتۂ

1، 2 اصل: حاشیہ مؤلف: موقوف۔ 3 اصل/ق: ایں مطلع۔ 4 سرور نے یہ شعر عبدالرحیم کے ترجمے میں درج کیا ہے۔ 5 اصل میں حاشیے پر؛ ل میں نہیں۔

تحریردرآوردہ، بہرحال فکری دلکش دارد و تلاش خوش:

گو جنونی ہو کے مجنوں مرگیا عاشقوں میں نام تو وہ کرگیا

فقط تو ہی نہ میرا اے بت خونخوار دشمن ہے ترے کوچے میں تو اپنا در و دیوار دشمن ہے

یار نے قدر نہ جانی افسوس ہوگیا دشمن جانی افسوس

علی جان

علی جان[1] نام و تخلص از دہلی، خلف قاضی بڈھن عرف محمد اسمٰعیل، گاہ گاہی شعر ریختہ می گوید، از کلام اوست:

جہاں چلیے اے دل ٹھکانے بہت ہیں نہ چلنے کے تیرے بہانے بہت ہیں

کہہ[2] اے باغباں بلبلوں کو ہوا کیا کہ خالی پڑے آشیانے بہت ہیں

نہ تفقد نہ تبسم نہ تلطف نہ نگاہ کیا کرے کوئی بھلا صورت دیوار سے مل

اس کے ملنے کو سمجھتا ہے علی جاں ایسا جیسے پردیس میں خوش ہووے کوئی یار سے مل

علی، مرزا علی قلی

مرزا علی قلی کلام گوی شیریں زبان، سخن پرداز نزاکت بیان بود اوقات[3] بخوبی می گذرانید۔ شعرش بدرد آشنائی دارد۔ دیوانی مردفش کہ بذوق خاطر خود مختصر کردہ نوشتہ بود، بہ نظر ایں خاکسار[4] درآمدہ۔ ازاں چند اشعار مفصلۂ ذیل کہ بہ پسند آمد بہ تحریر درکشیدہ:

1۔ ل: مشہور است بہ ہمیں نام؛ اصل/ حاشیہ: علی جان نام و بہ ہمیں نام متخلص گشتہ شخصی یار باش نیک قماش ساکن دہلی است۔ گاہ گاہی ریختہ از طبعش ریختہ بہ نظر نواب وجیہ الدولہ بہادر بریں و میر نظام الدین ممنون گذرانیدہ۔ چوں کار بکثرت است بشرط سیر مشقی از طرز کلامش معلوم می شود کہ سخن خوب خواہد گفت ایں اشعار بہ حسب استدعاے فقیر عطا کردہ۔ 2۔ اصل/ ق: کدھر اٹھ گئیں بلبلیں باغباں؛ ل: کدھر باغباں اٹھ گئیں بلبلیں۔ 3۔ اصل/ ق: اوقات عزیز را۔ 4۔ اصل/ ق: خاکسار ذکا۔

ولہ

کہوں [1] میں کس ستی غم یار کی جدائی کا
دوا پذیر نہیں درد آشنائی کا
نہ کر خلل تو اسیروں کے ذوق میں صیاد
قفس کے پاس نہ کر ذکر تو رہائی کا
جدائی سے تری ہم کیا کہیں کس طرح جلتے ہیں
بجائے مو، بدن سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں
جب تلک ہے دم میں دم، غم دل کا دامن گیر ہے
زندگی کے خواب کی بن مرگ کیا تعبیر [2] ہے
بیقرار عشق کو ہے زندگی نقص کمال
مرچکا سیماب تو کہتے ہیں یہ اکسیر ہے
ہم کو نہیں ہے کام خزان و بہار سے
پھولے نہیں سماتے جو ملتے ہیں یار سے

عشرتؔ

عشرتؔ تخلص، از حسب ونسب ودیگر حالاتش کماھقہٗ واقف نیستم کہ بنویسم مگر ایں قدر البتہ معلوم می شود کہ شاعر ہذا فی الجملہ مناسبت از شعر گوئی می دارد و کلامش باصلاح استادی در آمدہ باشد از نتائج طبع اوست:

اس پری وش نے ہیں جس طرح کے پائے ناخن
حور و غلماں کے بھی ہاتھ ایسے نہ آئے ناخن
ایک ہفتہ میں دکھائے مجھے دس بیس ہلال
ماہ دو ہفتہ نے میرے جو کٹائے ناخن

عیشیؔ، طالب علی خاں

☆ طالب علی خاں عیشیؔ ابن علی بخش خان ساکن لکھنؤ، بسیار مستعد و دانائے زمانہ اہل تفرس، نیک قیاس، ذکی الطبع، فرخندہ اساس۔ دہ ہزار بیت از ہندی وشانزادہ ہزار در فارسی وچند مثنویات فارسی و ہندی تالیف کردۂ اوموجود است۔ اصلاح شعر ہندی از غلام ہمدانی مصحفیؔ یافتہ، مشق فارسی از مرزا قتیلؔ صاف نمودہ، اشعار ہذا از تصنیف عالیش بہ سمع ایں بندہ ذکار سیدہ:

کون پابند جنوں فصل بہاراں میں نہ تھا
اس برس برگ خزانی تھا جو زنداں میں نہ تھا

---

1 ل: میں کس سے یہ دکھ۔ ☆ ل سے اضافہ۔ 2 اصل: اکثیر، تصحیح قیاسی۔

لے چلے ہم بھی کف آبلہ وار آخر کار
خار بھی اپنے نصیبوں کا بیاباں میں نہ تھا

عیشیؔ اس میکدے میں شب ہمیں لائی تقدیر
دُرد بھی جب کہ خم بادہ پرستاں میں نہ تھا

دل گرفتہ ہوں، کروں گا ہو کے میں آزاد کیا
مجھ کو یکساں ہے قفس کیا، خانۂ صیاد کیا

درس جس مکتب میں دیتا ہے مجھے استادِ عشق
طفل ابجد خواں ہیں اس کے، قیس کیا فرہاد کیا

ایک عالم کر دیا برباد جس کے حسن نے
نقش ایسا کھینچتا تھا صانع ایجاد کیا

زخم کاری جسم پر کشتوں کے جان تازہ ہے
آبِ حیواں میں بجھا تھا خنجرِ جلاد کیا

عیشؔ امیر خاں

☆ امیر خاں عیشؔ تخلص باشندۂ دہلی شاگرد میر شجاع علی تسکینؔ۔ از چند ماہ بہ سخن طرازی مصروفیت دارد۔ ایں شعر از وست:

میری طرف سے جا کے کہے کوئی یار سے
اقرار کیا کیا تھا کسی بیقرار سے

عالمؔ

☆ میر عالم علی عالمؔ شخصے پیرزادہ، ساکن قصبہ اجراڑہ است۔ پیشۂ طبابت می کند:

کرے ہے قتل کو میرے وہ اذن عام سو سو کوس
نہ دیوے گا کہیں ظالم مجھے آرام، سو سو کوس

عیاںؔ

☆ عیاںؔ تخلص، جوانے سپاہی پیشہ، پاکیزہ خصائل، نیکو شمائل، از ندیمان و رفیقان نواب اسدالدولہ نجابت علی خاں بہادر است۔ بعضی از اشعارش کہ بمن رسید ازاں ابیات ہذا می نگارد۔ بہر حال خوب اند:

وہ سرخ روئی کی رونق گئی ہے لالے سے
سبب ہے یہ اسے صحبت ہے داغ والے سے

دن تو کٹا ہجر میں رات پڑی اور بھی
کیونکہ کٹے یہ تو ہے اس سے کڑی اور بھی

☆ ل سے اضافہ۔

عمدۃ الملک

☆عمدۃ الملک خلف الصدق نواب محمد علی خاں بہادر ناظم صوبۂ آب کاٹ (ارکاٹ):

ہے ان دنوں دلِ ناداں فرنگ کی گھڑیال　　　رہے رہے کبھی آپ ہی پکار اُٹھتا ہے

عارف، عارف شاہ

☆عارف شاہ عارف، مردی اسم با مسمیٰ، درعصر سلطنت محمد شاہ بادشاہ بود، با ہنود و مسلمیں ہنگامۂ موافقت گرم می داشت وقابل ومعتقد فریقین بود دوئی را دوی دانست۔ صومعہ و دیر را واحد انگاشتہ، ہردو جا گزری کرد و مالک حقیقی را حاضر وموجد می پنداشت چنانچہ خمسۂ غزلش مصداق تحریر حال است۔

مدت تلک پڑھتے رہے ہم درس یاں قرآن کا　　　اشلوک ہم کو یاد ہے پوتھی کا اور سب گیان کا

یاں نیم ہے اور دھرم ہے، مذکور واں ایمان کا　　　منظور کر ٹک دیکھیے تحقیق اس پہچان کا

گر یوں ہوا تو کیا ہوا گر ووں ہوا تو کیا ہوا

اب جھاڑ دامن چل نکل، الجھاؤ نے سے کام کیا　　　فرعون اور ہاموں نہ ہو، اس کام میں آرام کیا

دل سے دوئی جب دور ہو پھر کفر اور اسلام کیا　　　عارف پہ ثابت جب ہوا، اللہ پھر اور رام کیا

گر یوں ہوا تو کیا ہوا گر ووں ہوا تو کیا ہوا

☆ ل سے اضافہ۔

ردیف الغین المعجمہ

غلاؔم، گوپال ناتھ

مرزا راجہ گوپال ناتھ بہادر المتخلص بہ غلاؔم، فرزند دل بند مرزا راجہ رام ناتھ بہادر کہ ذرّہ تخلص می فرمود۔ برادر صغیر مرزا راجہ شنکر ناتھ بہادر کہ ذکر[1] خیر ہر دو بزرگان بصدر گذشت۔ چوں حسب الارشاد حضور فیض نشور، فکر سخن می ساخت ازیں جہت غلاؔم تخلص قرار دادہ بودند۔ از مقربان بارگاہ خلافت و مرد بسیار دانا و فیاض و فہمیدہ و سنجیدہ بودند۔ بہ دستیاری استعداد سخن را بہ رتبہ رسانده۔ این اشعار دل نشیں و ابیات رنگین از فکر رسامی اوست[2]:

زور یہ بات مجھے دل نے تو سمجھائی ہے	عشق مت کیجو تو، باعث رسوائی ہے
جب تو ہو، مجھ کو کیا ہی خوش آتی ہے چاندنی	سو سو طرح کے روپ دکھاتی ہے چاندنی
ناصح خدا کے واسطے ٹک منصفی سے بول	بے روئے یار کس کو خوش آتی ہے چاندنی
تم اس طرح جو ہمیں دل سے جان بھول گئے	ہمارے دل سے بھی دونوں جہان بھول گئے
یہ دل میں تھی کہ ملیں گے تو کچھ کہیں گے حال	جو اَب ملے ہیں، تو کرنا بیان بھول گئے
کیا پوچھتے ہو جور و جفا مجھ سے یار کا	دیکھو نہ حال میرے دل بے قرار کا
جو ہم بستر کبھو ہم ہوں غلاؔم اس ماہ طلعت کے[3]	نہ لیں واللہ تا روز قیامت دوسری کروٹ
خط دے کہ نہ دے، گوش بر آواز ہیں، قاصد	مژدہ تو ہمیں یار کے آنے کا سنا دے
تو نے تو غلام اس سے غرض خوب نباہی	اللہ اسے بھی کہیں توفیق وفا دے

قطعہ

ابتدائے محبتِ معشوق کیا بیاں تم سے کیجے احباب

---

1. ل: ذکر خیرش۔ 2. سرور: مدتے ست کہ مسافر راہ عدم گشتہ؛ ل: ایں اشعار از وست۔ 3. ل: طلعت سے۔

دل تو ویراں سرا ہوا، دیکھیں کیا کرے آگے عشق خانہ خراب

غالبؔ، مکرم الدولہ

نواب مکرم الدولہ، بہادر بیگ، خاں بہادر، طالب[1] جنگ المتخلص بہ غالبؔ[2]، فرزند ارجمند نواب نیاز بیگ خاں بہادر، غالب جنگ کہ از امرایان توران بود و در عہد ریاست امیر الامراء نواب ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خاں بہادر غفر اللہ[3] ذنوبہ، بہ عزت وشوکت تمام می[4] گذرانید۔ ایں ہم از حضور معلی بہ خطاب مستطاب سرفرازی یافتہ۔ اما بہ سبب گردش دوراں کہ اوقات زمانہ مدام نیک وطیرہ نمی باشد، حالا بہ بے استعدادی می گذراند و در وجہ معینِ مشاہرہ کہ از پیش گاہِ خلافت قرار یافتہ، دران لیل ونہار بسر می برد۔ شاعر فارسی و ہندیست، چندے بہ خانۂ خود مجلس مشاعرہ گرم ساختہ بود و بہ تواضع شعرای حضارِ مشاعرہ پیش می آمد[5]۔ امروز ہنگامۂ رقاصاں گرم می ماند، لکھا روپیہ در عیاشی صرف نمودہ ذوق مہوسی ہم می داشت۔ شعر فارسی بہ نظر میر فرزند علی موزوںؔ گذرانیدہ واصلاح شعر ریختہ از ہدایت اللہ خاں ہدایتؔ وحکیم ثناء اللہ خاں فراقؔ گرفتہ و نیز بہ میر نصیر الدین سلمہٗ، توسل جستہ۔ خاصۂ کلام ایں کہ مرد خوب واز مغتنمات جہاں است[6]۔ بہ زور طبیعت برہم چشماں غالب آمدہ و بہ اسباب ظاہر در نظر مردم مکرم گردیدہ:

مت ہو خفا بغل میں گر تجھ کو یار کھینچا ۔۔۔ مجبور تھا، نشے میں، بے اختیار کھینچا

زلفوں کے بال اس کے منہ پر بکھر رہے ہیں ۔۔۔ کیا کیا خیال جی میں ہم اپنے کر رہے ہیں

فرقت سے تیری شب کو زبس دل میں، تھا ۔۔۔ گہہ چہرا سرخ، گاہ مرا رنگ زرد تھا

قصۂ درد و غم اپنا جو سنایا ہم نے ۔۔۔ یاں تلک روئے کہ اس کو بھی رلایا ہم نے

---

1 ل: طالب محذوف۔ 2 نام اسد اللہ خاں لقب سید الملک، علی وردی خاں کے عہد میں بنگال گئے اور وہیں انھوں نے سکونت اختیار کر لی (مختار الدین احمد)۔ 3 ل میں محذوف ''غفر اللہ ذنوبہ''۔ 4 ل: مقتضی می ساخت۔ 5 اصل/ق: وصحبت رقص طوائفاں وتواضع ومدارات گرم می ماند۔ بہر دو زبان سخن پردازی ہا بہ کار می برد۔ 6 سرور: در سنہ یک ہزار و دو صد و ہژدہ ہجری (1218ھ) بہ آواز......در گذشت؛ کریم الدین: 1218 میں اس نے وفات پائی۔

کبھو تو زرد ہے چہرا، کبھو ہے لال اپنا
دکھائی دے ہے عجب دم بہ دم میں حال اپنا

اگرچہ دل میں تو رہتے ہو پر بظاہر بھی
کبھو کبھو تو دکھایا کرو جمال اپنا.

دل میں اپنے نہ کرو سوچ کہ کیا ہووے گا
وہ ہی ہووے گا جو قسمت کا لکھا ہووے گا

دل تو دیتے ہوئے دے بیٹھے ہم اس کو لیکن
سوچ رہتا ہے یہی جی میں کہ کیا ہووے گا

قاصد اُسے آتا ہوں کبھی میں بھی بھلا، یاد
اب جس کی مجھے یاد میں یاں، کچھ نہ رہا یاد

اے آہ ذرا خدا سے ڈر کر
اس شوخ کے دل میں کچھ اثر کر

بجلی کے کڑکنے کا ہوں قرباں
شب چھاتی سے آلگے وہ ڈر کر

ہم نے لکھ کر اسے حال سحر و شام تمام
اپنے ہاتھوں سے خراب اپنا کیا کام تمام

دل ساتھ بتوں کے نہ پھر اپنا تو لگا بیٹھ +
گر ہو سکے، کوئی روز کر اب یاد خدا بیٹھ

ساقی ترے اس جام مے صاف کی دولت +
جوں دردِ غبار اپنے تو سب دل کا گیا بیٹھ

ہے مجھ کو یہی سوچ کہ اس بزم میں آکر
جو اٹھ گئے، کیا کر گئے، کیا ہم نے کیا، بیٹھ

یک جا کوئی دو شخص فلک دیکھ سکے ہے
پیارے جو تو آیا ہے تو ٹک مجھ سے جدا بیٹھ

ہوتی ہے کوئی جینے کی بے عشق بھی لذت
چاہے ہے جو مزا اس کا کہیں دل کو لگا بیٹھ

منزل کو جو پہنچے ہیں یہ کہہ دیجیو ان سے
اک یار کوئی راہ میں ہے تھک کے رہا بیٹھ

دیتے ترے کوچہ میں کوئی غیر ٹھہرنے
پر یار میں جوں نقش قدم اٹھ نہ سکا، بیٹھ

گرچہ اپنا نہ رہا ہوش مجھے
پر ہوا تو، نہ فراموش مجھے

رہتے ہیں آئینہ سے ہمیشہ دو چار اب
تنہا ہی لوٹتے ہیں یہ ساری بہار اب

زلفوں میں کھینچ کر یہ دل مستمند باندھ
تا پھر نہ کوئی دل کو پھنساوے، یہ بند باندھ

خوش قامتوں کی یاد میں ہم بھی فقیر ہو
بیٹھیں گے اک چبوترہ، یارو، بلند باندھ

غافلؔ، میر احمد علی

میر احمد علی غافلؔ متوطن سبت بندر رامیشر کہ اقصیٰ ولایت دکن است۔ مولدش رام نگر

+ اصل میں بر حاشیہ۔

بنارس مسکنش مرشد آباد، بنگالہ۔ شاگرد شاہ قدرت اللہ قدرتؔ طبع[1] خوب دارد و مرغوب:

کسے ہوس ہے جو گلشن کی سیر خوش آوے　　بہشت ہو تو نہ تیرے بغیر خوش آوے

نہ جی میں صبر کہ دل بے وصال یار جیے　　بھلا بتا تو ہی کیونکر یہ بے قرار جیے

چشم کو تجھ بن عجب کچھ رات بے خوابی رہی　　اک قلق جی پر رہا اور دل کو بیتابی رہی

جب تلک جیتے رہے جاری رہا آنکھوں سے اشک　　بعد مرنے کے بھی مدت تک یہ سیرابی[2] رہی

غربتؔ، محمد تقی

میر محمد تقی غربتؔ۔ وی در لکھنؤ است۔ انسان دوست و بسیار اہل دل معلوم شد، فکر رنگیں دارد و کلام دل نشیں، ایں مطلع از و دست دادہ:

الٰہی مت کسی کے پیش درد انتظار آوے　　ہمارا دیکھیے کیا حال ہو جب تک بہار آوے

غلامیؔ، شاہ غلام محمد

شاہ[3] شاہ غلام محمد غلامیؔ بہ دہلی در تکیۂ شاہ تسلیم مسکین گزیں بود۔ حظ شعر داشت۔ اکثر مخمسات می گفت و بہ اصلاح شیخ ظہور الدین حاتمؔ می رسانید:

کل جس کی نظر تیری گذری مرے دل سے　　پھر آج وہی دور سے قاتل نظر آیا[4]

غافلؔ، رام سنگھ

لالہ رام سنگھ غافلؔ شخصی متصدی روزگار پیشہ در علم سیاق و خط نویسی و انشا پردازی خوب مہارت داشت۔ اکثری تلقین سیاق از ذات با برکات او نمودہ اند۔ انسان پاکیزہ وضع، دانای جہاں، سلیم الطبع، ہمہ دان، بودہ است۔ گاہی بہ کلام ریختہ سرخوش داشت[5]:

1۔ ل میں محذوف۔ 2۔ ل: سیلابی۔ 3۔ اصل/ق: میاں غلامی فقیرے روزینہ دار بود در دہلی۔ 4۔ اس کے بعد ایک مخمس ''غزل انعام اللہ خاں یقیںؔ تضمین کردہ و بر آں مخمسات (؟) گفتہ'' پانچ بند نقل کر کے اس پر ''لا'' لکھ دیا ہے۔ 5۔ اصل/ق: می داشت۔

جب وہ کرتا ہے ان لبوں کا وصف غافلؔ اس وقت لعل اگلتا ہے
سخت مشکل ہے میاں تیری کمر کا جھگڑا دل ہوا آنکھوں سے اب دست وگریباں میرا

غریبؔ، میر عبدالولی

میر عبدالولی غریبؔ شخصی از شعرای قدیم بود۔ بیشتر میل طبیعت خود بہ ایہام می گذاشت و شعر بہ عنوان می گفت:

اگر فریاد میری جاں کنی سنتا تو رو دیتا یہ سارا کھودنا پتھر کا اپنے دل سے کھو دیتا
میں احساں مند ہوں زنجیر کا اس واسطے اتنا کہ دیوانہ ہوئے پر دست گیری سب کی کرتی ہے

غریبؔ، شیخ نصیرالدین احمد

شیخ نصیرالدین احمد غریبؔ۔ اصلش کشمیر و در شاہجہاں آباد تولد یافتہ، شاعر فارسی و ہند یست واز علوم ضرور یہ بہرہ اندوز و مرد مستعد و صاحب وتلاش۔ اہل دیوان مصلح اشعار اکثر شایقان است اکثری را بہ فیض اصلاح خود کامل گردانیدہ۔ ایں اشعار آب دار از تصنیف آں استاد والا نژاد دریں محل نوشتہ می آید:

جس کا کہ قدم رکھنے میں سرتن سے جدا ہو جاتے ہیں اسی کوچے میں ہم دیکھیے کیا ہو
مت چھیڑ تو اس زلف سیہ فام کو ناداں دیکھا نہیں کاٹا کوئی کاٹے کا جیا ہو
بن نرگس شہلا نہیں اس باغ میں اگتی یاں چشم سیہ کا کوئی مارا نہ گڑا ہو
زلفوں سے تری دل ہیں جو برہم کیے اپنے مشاطہ کا شانہ سے خدا ہاتھ جدا ہو
اس عارض گلفام پہ آیا ہے خط سبز زنگی نے لیا روم کو اب دیکھیے کیا ہو
حال دل شوریدہ کہوں کس سے غریبؔ آہ وہ درد نہیں جس سے طبیبوں کی دوا ہو

غضنفرؔ، غضنفر علی

غضنفر علی خاں غضنفرؔ نبیرۂ غلام حسین خاں کڑوڑہ، شاگرد رشید قلندر بخش جرأتؔ است در لکھنؤ

قیام دارد:

تصور میں ہو اس سے دو بہ دو ہم — کیا کرتے ہیں پہروں گفتگو ہم

کفن دے ہم کو دو آنسو بہانا — کہ بعد از مرگ پاویں آبرو ہم

سادگی میں منتخب اس صفحۂ رو کو کیا — مطلع دیوان خوبی بیت ابرو کو کیا

کہتا تھا اس مریض کو کل وہ سنا سنا — کردے کوئی معاف کسی کا کہا سنا

لایا، یوسف کا، مصور جو دکھانے، نقشا — لگے اُس نقشہ سے اپنا[1] وہ ملانے نقشا

غمگین، میر سید علی

میر سید علی غمگین خلف ارجمند سید محمد مرحوم برادر زادۂ سید[2] نظام الدین احمد قادری مدظلہٗ ناظم صوبہ دارالخلافہ شاہجہاں آباد۔ جوان گرم اختلاط، خوش خلق و شگفتہ پیشانی سعادت آثار، ستودہ اطوار، یار باش، پُرحلم وحیا معلوم شد۔ بہ اصلاح سعادت یار خاں رنگیں گلہای اشعار آبدار خود را، رنگ و بوی تازہ بخشیدہ ہمگی دیوان مردف او بہ نظر ایں عاصی انواع المعاصی بندہ ذکا در آمدہ ایں اشعار ندرت طراز ارشاد فرمودۂ اوست:

تونے صیاد نیا ظلم یہ ایجاد کیا — بال و پر توڑ قفس سے مجھے آزاد کیا

بلبل ہے اگر بہار سے خوش — ہم اپنے ہیں گلعزار سے خوش

اس ابر میں مے پینا مستوں کو جواز آیا — ساقی معہ مے آیا، مطرب معہ ساز آیا

عشق میں رو رو کے جو یہ داغ دل دھوتی ہے شمع — رشتۂ الفت کو پروانہ سے کیوں کھوتی ہے شمع

مجھ کو تا مرگ یہ افسوس رہے گا ظالم — اپنے غمگیں کا نہ دل تونے کبھو شاد کیا

دل اس کو دیا، کیا اب، تدبیر سے ہوتا ہے — جو کام کہ ہوتا ہے، تقدیر سے ..تا ہے

مہرباں کوئی مرا جز غم دلدار نہیں — جس کا شعلے کے سوا اور[3] خریدار نہیں

یہ داغ عشق نہ ہو دور اپنے سینے سے — کہیں مٹا ہے کھدا حرف بھی نگینے سے

مرا اس عشق کی دولت سے چہرہ ارغوانی ہے — نکلتا اشک جو آنکھوں سے ہے وہ ارغوانی ہے

---

1 ل: وے اپنا ملانے۔ 2 ل: شاہ نظام الدین؛ سرور: سید شاہ نظام الدین۔ 3 ل: کوئی۔

گو سیہ بخت ہوں پر سرمۂ بینائی ہوں
جو کہ دیکھے ہے سو آنکھوں سے لگاتا ہے مجھے

غم اس کے ہجر کا مرے یوں دل نشیں رہا
خاتم کے بیچ وصل ہو جیسے نگیں رہا

کوچہ سے اس کے جب میں چلا، دل نے یوں کہا
اب آپ جائیں، آگے کو عاصی یہیں رہا

مثال نقش قدم کے یہ دل مرا ہمدم
بس اس کے کوچے میں جا کر نہیں پھر آنے کا

وہ تلخ جام دے ساقی کہ جس کے پینے سے
رہے نہ فکر مجھے گردش زمانے کا

ہجراں کے غم سے دم میں مرے دم نہیں رہا
کس سے کہوں ک اب کوئی ہمدم نہیں رہا

دایم ہمارے یار کا ہے حسن بر قرار
ورنہ کسو پر ایک سا عالم نہیں رہا

یہ طفل اشک ہمارا تھا نور عین اے چشم
بڑا ستم کیا گھر سے اسے نکال دیا

خط کے آنے سے ہم نے یہ جانا
صاف اب حسن کو جواب ہوا

یہ حسن[1] وہ ہے کہ محمود بادشاہ سا شخص
ایاز تھا جو غلام، اس کا وہ غلام ہوا

ہوا یہ فایدہ بس تم سے دل لگانے کا
کہ میں رہا کہیں آنے[2] کا اور نہ جانے کا

طرہ کو موتیا کے ترے دیکھ کان پر
عقد ثریا ہووے خجل آسمان پر

عاشق ہوا ہے میرا یہ دل اُس کی آن پر
اللہ کیسی آن بنی میری جان پر

بغیر تیرے نہیں کوئی یار آنکھوں میں
پھرے ہے تو ہی تو لیل و نہار آنکھوں میں

مژگاں کہے ہے اس کی، گر تیر ہوں تو میں ہوں
اور دل کہے ہے میرا، نخچیر ہوں تو میں ہوں

عالم خدا کا خوش ہے یہ کیا ستم ہے یارو
غمگین ہوں تو میں ہوں، دلگیر ہوں تو میں ہوں

ناز و ادا و غمزہ ہے یوں تو ہر پری میں
اس کی سی آن لیکن ہرگز نہیں کسی میں

اب سامنے میں کس کے زاری کروں بتاؤ
دل میرا لے گیا وہ، یارو ہنسی ہنسی میں

اس واسطے ہیں باندھی قاتل نے میری آنکھیں
تا دیکھنے کی حسرت رہ جائے اس کے جی میں

اس کے دہن کی ثانی، اے باغباں یقیں کر
تنگی نہ ہم نے دیکھی ہرگز کسی کلی میں

پہنچانا خاک میری باد صبا وہاں تک
تیرا اگر گذر ہو اس شوخ کی گلی میں

یوں عشق میں تمھارے کہتے ہیں مجھ کو ہمدم
غمگیں تجھے نہ دیکھا ہم نے کبھی خوشی میں

---

1 ل: عشق۔ 2 ل: جانے کا نہ آنے کا۔

ترا ثانی کبھی کوئی بشر ہووے تو میں جانوں ‌ ‌ بشر تو کیا اگر شمس وقمر ہووے تو میں جانوں

سیہ بختی سے اپنی مجھ کو یہ معلوم ہوتا ہے ‌ ‌ اگر اس ہجر کی شب کی سحر ہووے تو میں جانوں

سبک روحی مگر ہے بار جسم زار پر میرے ‌ ‌ کہ دم لینا مجھے ہمدم گراں معلوم ہوتا ہے

نزاکت، پرتری اے غنچہ لب، شیدا جو ہے بلبل ‌ ‌ رگ گل اس کو خار آشیاں معلوم ہوتا ہے

اس شعلہ رو سے جب سے مری آنکھ جا لگی ‌ ‌ کیا جانے تب سے سینے میں کیا آگ جا لگی

گر یہی دل کو بے قراری ہے ‌ ‌ تو مجھے آج رات بھاری ہے

ہجر میں اس کے یہ دل جینے سے میرا سیر ہے ‌ ‌ اے اجل بہر خدا آ جلد، اب کیا دیر ہے

کچھ بس نہ چل سکا وہیں ناچار ہو گئے ‌ ‌ زلفوں کو دیکھ اس کی گرفتار ہو گئے

جلد آ قاتل کہ لب پر جان ہے ‌ ‌ اپنا دم اب کوئی دم مہمان ہے

غنیؔ، شیخ عبدالغنی

شیخ عبدالغنی غنیؔ، شیخ زادہ ساکن قصبہ تھانہ من مضافات سرکار سہارن پور است۔ مرد قابل و رسا است، فصاحت [1] ریختہ گوئی از کلامش واضح وخوبی تلاش معانیش، از فکرش لائح:

پڑتی ہے نظر خس پہ دم چشم پریدن ‌ ‌ یاں ہم نے پر کاہ بھی بیکار نہ پایا

غافلؔ، محمد مسعود خاں

محمد مسعود خاں غافلؔ، متوطن قصبہ میہم متعلقہ صوبہ شاہجہاں آباد است انسان قابل و ذی فطرت و پاکیزہ معاش دریافت شد۔ از کلام اوست:

خندہ نرگس پہ کرے دیدۂ حیراں میرا ‌ ‌ نام لالہ پہ رکھے، یہ دل سوزاں میرا

گر اپنے دل کو نگہ پر دیا دیا نہ دیا ‌ ‌ خوشی کا سودا ہے چاہا کیا، کیا نہ کیا

غالبؔ، محمد غالب خاں

غالب خاں غالبؔ تخلص، نبیرۂ دوندے خاں افغان کہ سرداری نامی و ذی حشمت از فریق

1. ل میں اس کے بجائے ''از کلامش واضح است کہ تلاش خوب دارد۔

افاغنہ است، بہ تلاش کلام گاہ گاہ مصروفیت می فرماید۔ من کلامہ:[1]

جاں بلب ہیں تری اس چشم کے بیمار بہت　　تیر مژگاں سے ہوئے ہیں جگر افگار بہت

غربت

غربت تخلص، زسکنای مرادآباد است، زیادہ از صفاتش معلوم راقم نیست۔ بہر حال بیتی از گفتار دردمندانہ اش نوک ریز خامۂ نیازی می گردد:

گھر چھٹا، شہر چھٹا، لیک نہ چھوٹا غمِ عشق　　ہم تو غربت ہیں اسی بات پہ دیوانہ دل

غمخوار

غمخوار تخلص، سید زادۂ، ساکن دہلی، سپاہی پیشہ، زیبا خصلت، پاکیزہ طلعت، شاگرد شیخ غلام حسین شکیبا است۔ نومشق معلوم می شود۔ این[2] اشعار سوزانگیز و ابیات طرب آمیز از گفتۂ آں جوان شجاعت دثار اوست:

آنسوؤں کے ساتھ آکر چشم میں دل رہ گیا　　بہ چکا یہ قافلہ جب، میر منزل رہ گیا

کام آخر ہوگیا میرا بس اک تلوار میں　　مرتے مرتے دل میں شوقِ، رقصِ بسمل رہ گیا

اٹھ سکا کوہ غمِ شیریں نہ جب فریاد سے　　مار تیشہ سر پہ، رکھ چھاتی پہ اک سل رہ گیا

میں ہی حیرانِ جمال یار کچھ تنہا نہیں　　محو حیرت آئینہ بھی ہو مقابل رہ گیا

غازی

غازی تخلص، وی مردی سخنور از بلاد[3] دکھن است۔ شعر بامزہ می گوید و طرز کلام خوبی التیامش کیفیتی دارد۔ از وست[4]:

تمھیں مژدہ ہو دیوانو، مقرر، پھر بہار آئی　　کہ بوئے گل سحر دوش ہوا پر ہو سوار آئی

---

1. ل: کلام۔ 2. ل میں یہاں سے آخر تک کی عبارت ندارد۔ 3. اصل/ق: ضلع دکھن؛ ل: بلادِ دکن۔
4. ل سے اضافہ۔

غیرتؔ

غیرتؔ، شاگرد میاں قلندر بخش جرأت، ساکن لکھنؤ است۔ عزیزی ذکی الطبع و صاحب فراست، آراستہ وضع، صاحب طینت[1] مسموع شد ایں اشعار نسبت بآں دارند بطور محاورۂ خود گفتہ:

یا کسی ڈھب سے آپ آؤ جی یا ہمیں کو کہیں بلاؤ جی
جان آنکھوں میں آرہی ہے جاں اب تو صورت کہیں دکھاؤ جی
وہ بگاڑے ہزار، تم غیرتؔ اب اسی سے نباہے جاؤ جی

غیرتؔ

غیرتؔ تخلص، از باشندگان خطۂ لکھنؤ است۔ بہرحال شعر بامزہ از وی تراود، ایں شعر ریختہ از طبعش ریختہ:

اس[2] غم سے اپنا اب یہ تنِ زار گرم ہے اس بے وفا سے صحبتِ اغیار گرم ہے

غیرتؔ

غیرتؔ طرز[3] کلام شاعر ہذا بیشتر بہ زبان سخنوران امصار جنوبیہ مناسبت دارد۔ ازیں جہت ظن غالب دارم کہ از ہماں نواح باشد، قصیدۂ کہ در مدح کسی گفتہ بود، ایں مطلع از و بہ رشتۂ تحریر کشیدہ:

مجھ سے چھوڑ اب سپہر زنگاری ایں روش کج روی و عیاری[4]

غریبؔ، کانجی مل

لالہ کانجی مل غریبؔ، مولدش قصبہ بہادر گڑھ، قوم کاستھ، خلف والا قدر لالہ خوب چند، قوم کاستھ ماتھر، برادر زادۂ لالہ ذوقی رام، ساکن قصبۂ اجراڑہ کہ بدیوانی امیر الامراء نواب ضابطہ خاں

1۔ 'ل' میں 'ایں شعر از وست'۔ 2۔ اصل/ق: اس غم سے اب یہ آہ دل زار گرم ہے — غیروں سے جو طبیعت سرکار گرم ہے۔ 3۔ اصل/ق: طرز اشعار ایں شخص بیشتر۔ 4۔ اصل/ق: مکاری۔

بہادر عز امتیاز داشتند۔ مولدش قصبۂ بہادر گڑھ، در صغر سن از انجا بر خاستہ و چندی در شاہجہاں آباد ہم سکونت داشت۔ بعد ازاں بہ قصبۂ مذکور مسکنت گزید۔ متصدی پیشہ نیک اندیشہ، سوائے ایں در انشاء پردازی و شکستہ و نستعلیق نویسی ہم مہارتے دارد۔ جوانے سلیم الطبع، شایستہ وضع، بہ حسب رویۂ خاندان عالی خود بہ انواع خوبی ہا متصف و بہ اقسام حسن سلوک و مروت مشتہر است و معروف۔ تحصیل علوم متعارفہ از مرزا ارجمند نزہت نمودہ۔ سلیقۂ سخن گوئی و شعر فہمی درست دارد۔ برخی از اشعار نزہت آثارش بزبان قلم نیاز رقم حوالہ ساختہ:

کس سے اب حال کہوں آنکھ کے لگ جانے کا — آنکھ کے لگتے ہی، اس دل پہ بلا آنے کا
ہم کہاں، دام کہاں، خانۂ صیاد کہاں — الفت گل نے چکھایا ہے مزا، دانے کا
کچھ تو جذبہ ہے محبت کو کہ روتی ہے شمع — اس کو افسوس ہے پروانہ کے جل جانے کا
وہ حسن لا اُبالی جب بے نقاب نکلے — کیا تاب اس چمک سے جو آفتاب نکلے
غیروں سے اپنے آگے کرتا ہے گرم جوشی — کیونکر نہ میرے دل سے بوئے کباب نکلے
نہ سرو پر، نہ صنوبر، نہ گلستاں پر ہے — یہ تیرے حسن کا عالم تو ایک جہاں پر ہے
مجھے تو دیر و حرم سے غرض نہیں ظالم — ہمیشہ سر مرا تیرے ہی آستاں پر ہے

غریبؔ، محمد امانت

محمد امانت غریبؔ شخصی بود الکن یعنی لکنت زبان بسیار داشت۔ غریبؔ و الکنؔ ہر دو تخلص می کرد بہ طرف بنگالہ رفتہ[1] بجوار رحمت حق پیوست۔ ایں شعر از فکر رطب و یابس اوست:

میری بغل ہی میں دل پر داغ ہے غریبؔ — حسرت چمن کی کاہے کو، یہ باغ ہے قریب

غواصیؔ

غواصیؔ از شاعران معاصر دکن۔ طرز کلام بہ حسب رویۂ آں زماں می داشت۔ ایں مطلع ازو یافتہ:

---

[1] اصل/ق: ازاں جا راہی ملک بقا شد؛ ل: راہی ملک بقا شد۔

جو کوئی مزرعۂ دل میں برہ کا بیج بوتا ہے ٭ تو ہرگز اس کے بستاں میں گل امید ہوتا ہے

غالبؔ، موہن لال

لالہ موہن لال غالبؔ تخلص، قوم کایتھ، ساکن اکبرآباد۔ شاعر فارسی و ہندی است۔ چند غزلیات خود کہ بہ من فرستادہ بود، ازاں ایں اشعار بقلم آید:

سخن میں، دل مرا گر خوں نہ ہوتا ٭ تو رنگیں، اس قدر مضموں نہ ہوتا
لڑاتا دو بہ دو آنکھ اس سے غالبؔ ٭ نظر میں اس کی گر جادو نہ ہوتا
پرکار کی روش سے بہت ہم رواں چلے ٭ پر گردشِ فلک سے نہ نکلے، جہاں چلے
اے بلبلو گلوں سے یہاں اپنے خوش رہو ٭ ہم طوطی چمن تھے جہاں کے، وہاں چلے
چمن لالے سے خوں ہوتا ہے صحرا خاک اڑاتا ہے ٭ جنوں سے جس گھڑی سینہ ہم اپنا چاک کرتے ہیں
شانے سے ملا، زلف گرہ گیر، کسی نے ٭ پہنائی پھر آخر مجھے زنجیر کسی نے
کیونکر نہ پیے خون جگر اشک ہمارا ٭ اس طفل کو اب تک نہ دیا شیر کسی نے
آج آیا ہے گلشن میں کوئی خون کا پیاسا ٭ غنچوں کے رکھے لخت جگر، چیر کسی نے
تو خاک ہوا ہے جو رہِ عشق میں غالبؔ ٭ بتلائی ہے نادر تجھے اکسیر کسی نے
تجسس میں بت نا آشنا کی ٭ عجب آئی نظر قدرت خدا کی
چشم نم، آہ بہ لب، چاک گریبان سے ہم ٭ اے جنوں خوب چلے سیر بیابان سے ہم
گو خط سبز ہے اس رخ کا غبار اے غالبؔ ٭ پر لکھیں گے صفت اس کی، خط ریحان سے ہم
گر نہ دیکھے تو اسے، جرم ترا ہے غالبؔ ٭ ورنہ اس کی تو کبھی جلوہ نمائی نہ گئی
شعلہ رو باغ کو جس وقت نکل جاتے ہیں ٭ دیکھ کر لالہ و گل رشک سے جل جاتے ہیں
دعوی خون کا ان کو جو نہیں ہے سرد برگ ٭ کس لیے برگ حنا ہاتھ سے مل جاتے ہیں
اے نظر سیل سرشک آج بہانے دے مجھے ٭ مردم چشم کو دریا میں بہانے دے مجھے
اس کی زلفوں سے ہوا دیکھ کے سودا برباد ٭ اے جنوں وقت ہے زنجیر ہلانے دے مجھے

٭ اصل میں: اس مزرعۂ دل، متن تصحیح قیاسی۔

گلشن حسن میں دو پھل ہیں ترے سینے پر — پر یہ پھل ہے جوتک اک ہات لگانے دے مجھے
اے دل اب جوش جنوں نے تو گریباں پکڑا — دھجیاں چاک گریباں کی اڑانے دے مجھے
کچھ خبر کوچۂ دلدار کی پائی نہ گئی — جو گیا اس کی طرف، پھر خبر آئی نہ گئی
گو عزیزوں نے قسم مجھ کو دلائیں لاکھوں — پر قسم ہے کہ قسم آپ کی کھائی نہ گئی

غافلؔ، بختاور سنگھ

بختاور سنگھ غافلؔ، قوم کا یتھ متوطن مراد آباد، خیلے ذہین و مستعد است:

بیمار عشق کی نہ دوا ہو طبیب سے — مرجائے یا جیے کوئی اپنے نصیب سے
پوچھوں گا اتنی بات میں اس کج کلاہ سے — دیکھا کرے ہے کیوں مجھے ترچھی نگاہ سے
سیہ بختی سے اپنی مجھ کو یہ معلوم ہوتا ہے — اگر اس ہجر کی شب کی سحر ہووے تو میں جانوں

غافلؔ، رائے سنگھ

رائے سنگھ غافلؔ، شخصی متصدی، روزگار پیشہ۔ در علم سیاق و خوش نویسی و انشا پردازی مہارت داشت۔ اکثرے تلقین از ذات بابرکات او نمودہ اند۔ انسان پاکیزہ وضع، دانائے جہاں، سلیم الطبع، ہمہ داں بودہ است۔ گاہ گاہے ریختہ می گفت:

جب وہ کرتا ہے ان لبوں کا وصف — غافلؔ اس وقت لعل اگلتا ہے
سخت مشکل ہے میاں تیری کمر کا جھگڑا — دل ہوا آنکھوں سے اب دست و گریباں میرا

غالبؔ، اسد اللہ

مرزا اسد اللہ خاں عرف مرزا نوشہ المتخلص بہ غالبؔ ولد مرزا عبد اللہ خاں عرف مرزا دولھا، نبیرۂ مرزا غلام حسین خاں کمیدان ساکن بلدۂ اکبر آباد، شاگرد مولوی محمد معظم شاعر فارسی و ہندی است از وست:

نہ بھولا اضطراب دم شماری انتظار اپنا — کہ آخر شیشۂ ساعت کے کام آیا غبار اپنا

گل کھلے، غنچے چٹکنے لگے اور صبح ہوئی
سرخوش خواب ہے وہ نرگس مخمور ہنوز

باغ تجھ بن گل نرگس سے ڈراتا ہے مجھے
چاہوں گر سیر چمن، آنکھ دکھاتا ہے مجھے

صبا لگا وہ طمانچے، طرف سے بلبل کی
کہ روئے غنچہ وگل سوئے آشیاں پھر جائے

زخم دل تم نے دکھایا ہے کہ جی جانے ہے
ایسے ہنستے کو رلایا ہے کہ جی جانے ہے

حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا، میرے بعد
بارے آرام سے ہیں اہل جفا، میرے بعد

منصب شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا
ہوئی معزولیِ انداز و ادا میرے بعد

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

تھا میں گلدستۂ احباب کی بندش کی گیاہ
متفرق ہوئے میرے رفقا میرے بعد

غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی
کہ کرے تعزیت مہر و وفا میرے بعد

ردیف الفاء

فقیؔر، میر شمس الدین

میر شمس الدین فقیؔر تخلص، عباسی صحیح النسب ☆ ساکن دالخلافہ شاہجہاں آباد، استاد کامل فارسی بودہ است۔ تصانیفش [1] شہرۂ آفاق از بس کہ اشتہار تمام دارد احتیاج نگارش نیست [2] سہ شعر ریختہ بنامش مسموعہ شد:

زندگی موج آب ہے گویا دم کا آنا حباب ہے گویا

خال اس کی بیاض گردن کا نقطۂ انتخاب ہے گویا

ترا منہ دیکھ بلبل، گل ستی بیزار ہو جاوے اگر گل تجھ تلک پہنچے، گلے کا ہار ہو جاوے

فغاںؔ، اشرف علی خاں

اشرف علی خاں فغاںؔ کوکلتاش، بادشاہ جم جاہ احمد شاہ نوراللہ مرقدہٗ، فرزندارجمند حضرت فردوس آرام گاہ، طاب [3] اللہ ثراہ۔ مرد عمدہ روزگار، خوش معاش و باحیا و صاحب شخصیت بود۔ در ہنگامۂ افاغنۂ ابدالی از دہلی برخاستہ بہ دیار شرقیہ سکونت ورزید وزاں [4] نواح باسر آمدان وقت موافق گشتہ بہ خوبی و کامرانی ایام نیک فرجام بسر برد۔ دیوانی بہ کمال جودت طبع و متانت مضامین از و برصفحۂ ایام بی قیام مثبت افتادہ۔ شاعر مسلم الثبوت معلوم افتاد۔ بہر دو زبان سخن می ساخت۔ از شاگردان قزلباش خاں امیدؔ بود: [5]

☆ سرور: از میر نظام الدین علی خاں ممنون کہ از ابنائے اعمام میر موصوف است، بہ ثبوت رسیدہ کہ الحاق میری اسمش از روئے فضیلت است نہ سبب سیادت...... مدتے شد کہ برائے زیارت عتبات عالیات از دارالخلافہ رفتہ بود...... مع جہاز غرق شدہ۔ [1] اصل/خ: بسیار شہرۂ آفاق است۔ [2] اصل/خ: بندۂ ذکاؔ نیازمند این دو؛ ل: نگارش این بندۂ ذکا...... [3] ل: طالب اللہ۔ [4] ل: دراں۔ [5] سرور: شاگرد شیخ علی قلی خاں ندیم کوکۂ مرزا احمد شاہ بادشاہ...... در عظیم آباد مسکن گزید۔

فغاں ہم نے سنا ہے یوں، کہیں مایل مرا دل ہے
خدا آساں کرے، بندے، محبت سخت مشکل ہے

یہ خاک وہ ہے تیمّم کریں ملک جس سے
مرے مزار سے شبنم بھی بے وضو نہ گئی

ملا ہے خاک میں تن، دل کی آرزو نہ گئی
عجب یہ گل ہے کہ مرجھائے پر بھی بو نہ گئی

ساقی نہ میں یاں آپ سے کچھ چشم تر آیا
دل دیکھتے ہی ابر کو ناچار بھر آیا

آوارہ، پریشان و شکستہ دل و بدنام
سنتے تھے فغاں جس کو، سو ہم کو نظر آیا

شکوا کرے ہے کیوں تو مرے اشک سرخ کا
کب آستیں تری مرے لوہو سے بھر گئی

مت قصد کر صبا تو دل داغدار کا
ظالم یہ ہے چراغ کسی کے مزار کا

عالم کو جلاتی ہے تری گرمیِ بازار
مرتے ہم، اگر سایۂ دیوار نہ ہوتا

مجھ سا گرفتہ دل بھی کبھو شاد ہوئے گا
یہ خانماں خراب بھی آباد ہوئے گا

اس سال مرے ہم قفس آزاد ہوگئے
مجھ پر بھی مہرباں کبھی صیاد ہوئے گا

ایسی نگاہ کی کہ مرا جی نکل گیا
قصہ مٹا، عذاب سے چھوٹے، خلل گیا

تجھ کو روزی ہو مری جان، دعائیں لینا
مجھ کو ہر شب تری زلفوں کی بلائیں لینا

اگر عاشق کوئی پیدا نہ ہوتا
تو معشوقوں کا یہ چرچا نہ ہوتا

گریباں چاک کر روتے کہاں ہم
اگر یہ دامنِ صحرا نہ ہوتا

جز اشک و آہ و سوختگی عاشقی کے بیچ
تو نے ہمیں، بتا تو، فلک اور کیا دیا

رات جو غیر تری بزم میں اے یار رہا
یہ فغاں سر کو پٹکتا سرِ دیوار رہا

نہ اٹھا پردۂ غفلت نہ تجلی دیکھی
دل مرا منتظرِ جلوۂ دیدار رہا

مسکرانا ترا کیا کم ہے، میاں تیغ نہ کھینچ
کیا مرا جی نہ نکل جائے گا اس آن کے بیچ

یاد کر گوشۂ داماں کو اس ظالم کے
سخت الجھا ہے مرا ہاتھ گریبان کے بیچ

لکھ دیجو نامہ بر درو دیوار یار پر
گذرا جو کچھ الم دل امیدوار پر

ممکن نہیں کہ غیر نہ ہو ویں رکاب میں
تجھ کو خدا نہ لائے ہمارے مزار پر

عاجز ہوں، ترے ہاتھ سے، کیا کام کروں میں
کر چاک گریباں تجھے بدنام کروں میں

گر روز جزا داغ شب ہجر دکھاؤں
تو صبح قیامت کے تئیں شام کروں میں

تا حشر بھی کم ہوگی نہ ظالم طپش دل
کافر ہوں اگر گور میں آرام کروں میں

جاتا ہے فغاں قافلۂ ہم نفساں کل
کچھ راہ کے چلنے کا سر انجام کروں میں

مبتلائے عشق کو اے ہمدمو، شادی کہاں
آ گئی اب گرفتاری میں آزادی کہاں

میں منتظر جلوۂ دیدار کھڑا ہوں
پردہ سے نکل آ پس دیوار کھڑا ہوں

تقویت ہے داغ سے میرے دل بیمار کو
اے فلاطوں کیا مرض کہتے ہیں اس آزار کو

اس مبتلا کی چشم کہاں تک پُر آب ہو
اے دل خدا کرے ترا خانہ خراب ہو

مفت سودا ہے پھر آ یار کہاں جاتا ہے
اے مرے دل کے خریدار کہاں جاتا ہے

کج کلہ، تیغ بکف، چیں بہ ابرو، بیباک
یا الٰہی یہ ستم گار کہاں جاتا ہے

بھول کر پاؤں فغاںؔ گل پہ نہ رکھیو زنہار
ان پھپھولوں کا مزا، خار بیاباں جانے

نہ کھولیے ترا بند قبا تو کیا کیجے
دل گرفتہ کو ظالم کبھو تو وا کیجے

تنہا اگر میں یار کو پاؤں تو یہ کہوں
☆ انصاف کو نہ چھوڑ، محبت اگر گئی

مجھ سے جو پوچھتے ہو بہر حال شکر ہے
☆ یوں بھی گذر گئی مری ووں بھی گذر گئی

آخر فغاںؔ وہی ہے اسے کیوں بھلا دیا
وے کیا ہوئے تپاک، وہ الفت کدھر گئی

دل زلف میں الجھے مجھے آرام یہی ہے
میں صید بلاکش ہوں، مرا دام یہی ہے

نہ ہمیں گل سے غرض ہے نہ تمنائے چمن
کیا اسیران قفس کے لیے پروائے چمن

پھر لیجیو دامن میں فغاں لخت جگر تو
ہم خانہ بدوشوں کا سر انجام یہی ہے

ترے فراق میں کیونکر یہ درد ناک جیے
مرے تو مر نہیں سکتا، جیے تو خاک جیے

وہ چاہے یا نہ چاہے فغاں اس کو چاہیے
اپنے کیے کو اے مرے صاحب نباہیے

یہ فن کسے نہیں آتا کہ دل میں راہ کرے
میاں میں اس کے تصدق ہوں جو، نباہ کرے

کون کہتا ہے کہ جلا دوں کا یہ دستور ہے
کلمۂ حق جو کوئی بولے وہی منصور ہے

شیریں نہ آزماؤ تو خسرو کو عشق میں
وہ ایک سر چڑھا ترا فرہاد ہوگیا

خط دیجیو چھپا کے، ملے وہ اگر کہیں
لینا نہ میرے نام کو اے نامہ بر کہیں

☆ ل سے اضافہ۔

شانہ کی کشمکش سے گئے دل میں ٹوٹتے — اک عمر چاہیے تری زلفوں سے چھوٹتے
پاتے قفس سے رخصت پرواز ہم اگر — کیا کیا چمن میں جا کے مزے گل کے لوٹتے
کٹیں تجھ یاد میں اس طرح راتیں ہجر کی بڑیاں — لکیریں انگلیوں کی مٹ گئیں گنتے ہوئے گھڑیاں
صبا ہر ایک گل سے پوچھو گلشن میں تو جا کر — گریباں چاک رہتا ہے فغاں اس کا سبب کیا ہے
نہ اے قاصد میں رورو، یار کی فریاد کرتا ہوں — ترا منہ دیکھ کر اپنے لکھے کو یاد کرتا ہوں
یاروں سے سن لیا ہے اسیری کے نام کو — پہچانتے ہیں یہ نہ قفس کو نہ دام کو
ادب ضرور ہے اس گل کے آستانے کا — تڑپ تو اس طرح بلبل کہ بال و پر نہ لگیں
تحمل آتش غم میں دل بیتاب کیا جانے — ٹھہرنا ایک دم بھی آگ پر سیماب کیا جانے
ظالم کروں میں ظلم سے فریاد کب تلک — ٹک رحم بھی ضرور ہے، بیداد کب تلک

رباعی

دل میں کیا درد ہے واللہ اعلم — آہ کیوں سرد ہے واللہ اعلم
چشم کیوں نم ہے خدا ہی جانے — رنگ کیوں زرد ہے واللہ اعلم

رفتہ رفتہ بت خوش قد مرا آفت ہوگا — ٹک قدم آگے دھرے گا تو قیامت ہوگا

قطعہ

تنہا اگر میں یار کو پاؤں یہ کہوں — انصاف کو نہ چھوڑ محبت اگر گئی
مجھ سے جو پوچھتے ہو بہرحال شکریہ — یوں بھی گذر گئی مری، ووں بھی گذر گئی
آخر فغاں وہی ہے اسے کیوں بھلا دیا — وے کیا ہوئے تپاک، وہ الفت کدھر گئی

قطعہ

کیا حال پوچھتے ہو فغاں کا سنا نہیں — خانہ خراب عشق نے دنیا سے کھو دیا
اس کی وصال و ہجر میں یونہی گذر گئی — دیکھا تو ہنس دیا، جو نہ دیکھا تو رو دیا

تنہا نہ دُر کو دیکھ کے گرتے ہیں اشک چشم — سوراخ دل میں کرتی ہیں کانوں کی بالیاں

ہم نے شب فراق میں سنتا ہے اے فغاںؔ — کیا خاک سو کے حسرتیں دل کی نکالیاں
یہ تھا خیال خواب میں دیکھیں گے روز وصل — آنکھیں جو کھل گئیں وہی راتیں ہیں کالیاں

فضلیؔ، افضل خاں

افضل خان متخلص بہ فضلیؔ، شاعر قدیم فارسی بود۔ گاہ گاہے ریختہ ہم می گفت تلاشے داشت مگر از محاورۂ زبان ہندی خوب ماہر نبود۔ بہر حال بیتی ازو۔ قلم نیاز رقم سپارد:

عرق منہ پہ جوں آرسی میں حباب — تبسم لباں پر جوں موجِ شراب

فرحتؔ، فرحت اللہ

میاں فرحت اللہ فرحتؔ او یکی از زمرۂ اہل علم وسخن گویان صاحب تلاش بودہ است تقریر کلام بہ صفائے تمام می کرد اکثری بفیض اصلاحش بہرہ برداشتہ۔ از دیوان مختصر او احقر العبادذکاؔ چند ابیات می نویسد:

مری لوح مزار اوپر لکھانا — کوئی دل کو کسی سے مت لگانا
یار اُٹھ گئے جہان سے اغیار رہ گئے — جاتے رہے چمن سے گل، خار رہ گئے
نہیں ہے قدر تری دو جہاں میں اے فرحتؔ — کسو کی چشم سے جوں اشک تو گرا تو نہیں
نہ شبنم اس چمن میں نہ ابر چکیدہ ہوں — مانند اشک بر سر مژگاں رسیدہ ہوں
ترا گناہ میاں ہم نے کیا کیا ہوگا — یہی مگر کہ دل اپنا تجھے دیا ہوگا
ٹک دیکھنے کی اس کے ہے دل کو اضطرابی — اے جاں رسیدہ برلب کرتی ہے کیوں شتابی
میں نے پوچھا کہ "میاں تیرے دہاں ہے کہ نہیں" — کہا "منہ مارنا اس کا" کوئی یاں ہے کہ نہیں
دیکھا تھا رات زلف میں پھر مجھے خبر نہیں — میں دل کی اپنے ہائے کہاں جستجو کروں

فدویؔ

مرزا فدوی فدویؔ متوطن دار السلطنت لاہور مرد صاحب استعداد بود بہرہ از علم می داشت با

مرزا محمد رفیع سودا رنجشی بہ میان آمدہ بود تا حدے کہ از طرفین نوبت بہ ہجو رسید در سرکار دولت مدار نواب نامدار امیر الامرا ضابطہ خاں بہادر نوکر شدہ بود و بہ سبب شاعری خیلے عزت و امتیاز داشت حسب الحکم ایں مغفور نسخۂ یوسف زلیخا تصنیف استاد زماں مولانائے جامی را بہ زبان ہندی در آوردہ بہ سلک تنظیم منسلک گردانید او در اصل بقال پسری بود در صحبت اسلامیاں می نشست بہ حکم آں کہ از صحبت تاثیر است سودای خام بہ دماغش بہ پیچیدہ و رشتۂ جاں را بہ نفوق اطاعت اسلام مستحکم بست و بہ شاگردی صابر علی شاہ صابر میل نمود و بہ مرزا فدوی موسوم گردید زخمی ہم شدہ بود بہر کیف مناسبت کلی در فن شریف سخن طرازی می داشت:

بوتا ہوں تخم اشک مرا دل زمین ہے
الفت کی کشت کار کے قابل زمین ہے

مردم دیدہ تمھیں مد نظر ہے کہ نہیں
☆ دل کے شیشے میں پری زاد کا گھر ہے کہ نہیں

تو صورت کھینچ کر نقاش خوش رہ
یہ سرّ حق ہے، مت کر فاش چپ رہ

تہی دستوں سے کب ملتے ہیں خوباں
نہ ہووے زر تو اے قلاش چپ رہ

تجھے نسبت ہے کیا خورشید رو سے
نہ بڑھ کر بول اے خفاش چپ رہ

آوارہ و سرگشتہ نہ دیوار نہ در کے
سایے کی طرح ہم نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے

چشم پُر آب ہے اور تس پہ جگر جلتا ہے
کیا قیامت ہے کہ برسات میں گھر جلتا ہے

کچو زمردی مری چھاتی کے سنگ کو
میں مرگیا ہوں دیکھ کسی سبزہ رنگ کو

نہ اے قاصد میں رورو یار کی فریاد کرتا ہوں
ترا منہ دیکھ کر اپنے لکھے کو یاد کرتا ہوں

شرم نے اس کو لب بام تک آنے نہ دیا
ہائے اس چاند سے مکھڑے کو دکھانے نہ دیا

آنسو نہیں ہیں دیدہ تر میں بھرے ہوئے
موتی ہیں آب دار صدف میں دھرے ہوئے

ابرو کی تیغ تیز سے سورج ڈرے ہوئے
پھرتا ہے اپنے منہ پہ سپر کو دھرے ہوئے

خالی کر ان کو دل کے نشانہ پر ایک بار
ترکش تری نگہ کے ہیں دونوں بھرے ہوئے

مژہ کو نوک سینے میں نگاہِ یار لے ڈوبی
کہ جوں پیکان تودہ میں سری ایک بار لے ڈوبی

گرمی سے عرق ہوگیا آتے ہوئے اے اشک
آ سایۂ مژگاں میں ذرا بیٹھ کے دم لے

☆ یہاں سے نو اشعار 'ل' سے اضافہ۔

ناحق کی یہ تہمت ہے کہ غیروں پہ ہے عاشق — گر تیرے سوا اور کو چاہیں تو قسم لے
مکھڑے سے گر اٹھاؤ تم شال ارغوانی — ڈوبا ہوا شفق سے پھر آفتاب نکلے
میں معتقد ہوں یارو حقہ کی خاصیت کا — ہرگز نہ بن لائے اس سے جواب نکلے
فدوی[1] کی خاک جس دن پیوند ہوز میں کی — مرتے ہوئے زباں سے یا بوتراب نکلے
منتظر چشم پسندیدہ اگر اس کا ہے — آوے وہ مثل نگیں بیٹھے یہ گھر اس کا ہے

رباعی

بلبل کو نہ ساری رات سوتے گزری — کہتے ہی یہ اور اس کو روتے گزری
خوں کس کا لگا ہے اس کے دامن کو آہ — شبنم کو جو ساری رات دھوتے گزری

گر تیغ نگہ سے تو کرے وار فلک پر — چل جائے فرشتوں میں بھی تلوار فلک پر
کھولی ہے کہیں زلف سیہ فام کسو نے — آتی ہے نظر ہم کو شب تار فلک پر
یہ سرو نہیں باغ میں ہے آہ کسو کی — نرگس نہیں، تکتا ہے چمن راہ کسو کی
نہ ہمیں تاب خموشی ہے نہ یارائے سخن — بات بھی تجھ سے جو کہتے ہیں تو ڈرتے ڈرتے
کس کو جینے کی توقع ہے بھلا اے فدوی — عمر آخر ہوئی پیمانہ ہی بھرتے بھرتے
ٹلتے ہیں کوئی، ہاتھ چلے یا زباں چلے — ہم دادخواہ ساتھ ہیں اس کے جہاں چلے
قامت کو تری دیکھ مصور ہیں بہ افسوس — کھینچے قلم آہ سے تصویر ہوا پر

فراق، ثناء اللہ خاں

حکیم ثناء اللہ خاں فراق قوم[2] افغاں متوطن دہلی برادر زادۂ ہدایت اللہ خاں ہدایت مرید[3] حضرت خواجہ میر درد رحمتہ[4] اللہ علیہ در فن طبابت دستگاہ[5] کلی دارد وطبیبے، حاذق است۔ قطع نظر مرد صالح وخلیق است بل سرگروہ اہل توفیق۔ مزاج آشنای سخن است، فکر رنگینش چاشنی دارد اشعار

---

1. ہو خاکسار فدوی جس وقت جاں کنی میں۔ 2. اصل/ خ: باب حکمت خواندہ دریں کار دستگاہے فراواں بہم رسانیدہ۔ 3. سرور: اصلاح اشعار ہم از جناب ایشاں گرفتہ۔ 4. ل: علیہ الرحمہ۔ 5. ل: دستگاہے۔

گوہر بار خود را بہ اصلاح مرزا محمد رفیع سودا و ہدایت اللہ ہدایت عمومی بزرگوار خود رونق و زینت بخشیدہ ازبس کہ سیر مشق و مشاق قدیم است در دہلی بہ استادی نام برآوردہ اکثری از تازہ گویان ایں دیار جنت آثار استفادۂ اصلاح از و برمی دارند۔ تخلص کلام این کہ از مغتنمات است خداش سلامت دارد:

کسی سے تم کو لگ چلنا کسی سے یار ہو جانا
ستم ہے یہ کہ ہم چھیڑیں تو پھر بیزار ہو جانا

پچھلی باتوں پہ نہ جاؤ نہ مجھے ترساؤ
عید ہے آج تو ٹک آؤ گلے مل جاؤ

داغ دل رکھتے ہیں گو ہووے نہ پر کا تکیا
یعنی کافی ہے سپاہی کو سپر کا تکیا

نظر آوے اگر اس زلف کی تصویر پانی میں
بنے ہر موج وہیں حلقۂ زنجیر پانی میں

صفا بنیاد جو ہیں ان کو کچھ مطلق نہیں لغزش
کھڑی ہے آئینہ کی دیکھ لو دیوار پانی میں

وہ آیا اور اپنے روتے روتے لگ گئیں آنکھیں
ہمارے سو گئے یہ طالع بیدار پانی میں

الم سے ٹکڑے ہو یا خون ہو آنکھوں سے جاری ہو
ہیولیٰ ہے یہ دل کیا دیکھیں صورت اس پہ طاری ہو

خوشا وے دن کہ ادھر روٹھنا غفلت شعاری ہو
ادھر عرض تمنا، عاجزی منت گذاری ہو

خنجر لو ہاتھ میں نہ میاں تم کٹار لو
اس صید ناتواں کو نگاہوں مار لو

بوسہ دو مرے آن کے ٹک نقش قدم کو
کہیو یہ صبا خاک نشینان عدم کو

کیا آگاہ ناز حسن سے اے باوفا تجھ کو
قیامت کی، جنھوں نے آئینہ دکھلا دیا تجھ کو

نہ دندان سپید اس کے مسی و پان میں دیکھو
کھلا ہے موتیا لالہ و نافرمان میں دیکھو

وہی اصلاً ہیولیٰ ہے ہر اک افراد عالم کا
بہر صورت اسی کو صورت انسان میں دیکھو

گریباں چاک چاک اور آستیں کو نم کیا ہم نے
غرض اس دل کے جانے کا نہایت غم کیا ہم نے

چمن میں یاں تلک صحبت تھی باہم بلبل و گل کی
کہ ہر گل کے ورق پر تھی لکھی تصویر بلبل کی

درد دل ہوتا ہے پیہم دیکھیے کیسے بنے
جی رہے، یا جائے، ہمدم دیکھیے کیسے بنے

یاں کے کچھ مٹنے بگڑنے کا نہیں دھڑکا فراق
بعد مرنے کے، ہے یہ غم دیکھیے کیسے بنے

جس کو شوق یار ہے اور کچھ صفائے سینہ ہے
اس کا جو ٹکڑا ہے دل کا، تختۂ آئینہ ہے

یوں دل اس گوشۂ ابرو میں سدا پھرتا ہے
جیسے قبلہ کی طرف قبلہ نما پھرتا ہے

تو جاوے اور ترا دل میں پیار رہ جاوے
ہزار حیف کہ گل جاوے خار رہ جاوے

برنگ موج اپنے جی میں کیا کیا پیچ تاب آیا
لب دریا پہ اس نے بال جس دم کھول کر باندھے

مکھڑے پہ اس کے شب کو جو آتی ہے چاندنی
کس کس طرح کے روپ دکھاتی ہے چاندنی

نہ بیگانہ پھرا واں سے، نہ کوئی آشنا آیا
عدم کو جانے والوں کو دلا، در پیش کیا آیا

کمر اس نازنیں کی بار ہیکل سے لچکتی ہے
کہیں بیکل نہ ہو جاوے مری چھاتی دھڑکتی ہے

کناری باندھ کر جوڑے سے مت نکلا کرو گھر سے
اندھیری رات ہے سر پر بڑی بجلی چمکتی ہے

کروں کیا وصف میں صیاد تیری خوش نگاہی کا
ہر ایک دام نگہ میں جال ہے بس پشت ماہی کا

ہر ذرہ میں جلوہ ہے تری جلوہ گری کا
ہر شیشہ میں یاں رنگ جھلکتا ہے پری کا

متاع دل فراقؔ ارزاں ہے یوں بازار خوباں میں
کہ جیسے مال بکتا ہو کسی مفلس سپاہی کا

دست رنگیں میں ترے وہ خنجر خون ریز تھا
جس کا دستہ دستہائے گل سے رنگ آمیز تھا

ہم سے، مکھڑے کو، نہ زلفوں میں ہر اک آن چھپا
مہر کو ابر سیہ میں، نہ مری جان چھپا

قتل کا انکار گر تو نے کیا تو کیا ہوا
نہ ترا دست نگاریں ہم کو دست آویز تھا

ہم کو بت خانہ، تمھیں کعبہ مبارک ہو شیخ
ہم اُدھر جائیں گے اور آپ اِدھر جائیے گا

گلزار کہاں کے، یہ چمن زار کدھر کا
دیکھوں ہوں تماشا میں گل زخم جگر کا

فراقؔ اپنا ارادہ قصر دل کے ہے بنانے کا
محل کی فکر ہے ہم کو، نہ غم دیوان خانے کا

دل غرق ہوا لخت جگر بہہ گئے سارے
اک قافلہ اس اشک کے طوفان میں ڈوبا

اس لعل کے ہونٹوں پہ پسینہ جو بہے ہے
آیا ہے مگر شہر بدخشان میں ڈوبا

یہ شیشۂ دل تجھ کو نہ دینا تھا ستم گر
پھوٹے مرے طالع کہ تری شان میں ڈوبا[1]

دل کے ٹکڑوں کا پری وش نہیں انبار لگا
تیرے کوچے میں یہ ہے آئینہ بازار لگا

ہاتھ سے عشق کے میں سخت اذیت کش ہوں
دل میں ہے تیر لگا، پاؤں میں ہے خار لگا

خونچکاں نخچیر کب تڑپے ہے اس انداز سے
پاس سے ٹک دیکھ تو ظالم مرا دل ہوئے گا

کیف سے آنکھوں کے تیرے چور میخانہ ہوا
جام کیا ٹوٹے کہ شیشہ دیکھ مستانہ ہوا

---

1. اصل/رخ: زانوے یار پہ سر یوں ہی مرا رہنے دے — ہم نشیں میں نہیں گر سر سے یہ سر کا تکیہ۔ (شعر کے سامنے حاشیے پر لکھا ہوا ہے)۔

تجھ سے برابری ہے غلط آفتاب کو
میزان حسن میں اسے تولا تھا، کم ہوا

چین دن کو نہ رات کو ہے قرار
اس دل بے قرار نے مارا

اے کاش یہ بلا میں سر اپنے سے ٹالتا
زنجیر زلف کو نہ گلے بیچ ڈالتا

دل تھامتا کہ چشم پہ کرتا تری نگاہ
ساغر کو دیکھتا کہ میں شیشہ سنبھالتا

داغ ہجراں جو دیا مجھ کو سپہر بے مہر
اس سے تو شمع شبستاں ہی بنایا ہوتا

کشتۂ ناز کو تابوت لیے جاتے ہیں
تو نے بھی اٹھ کے ذرا ہاتھ لگایا ہوتا

قدر منزل نہیں یاں دل کی تجھے خانہ خراب
واں جو ہوتا تو یہی عرش کا پایا ہوتا

خبر دیتا تھا کس کے وصل سے شوق ہم آغوشی
کہ میرا رات کو کچھ خود بخود باز و پھڑکتا تھا

اللہ ری نزاکت، چولی مسک گئی سب
دستِ خیال نے جوں، دامانِ یار کھینچا

کون سا معشوق ہے جس کو نہیں عاشق کا غم
خیمۂ لیلیٰ سدا مجنوں کے ماتم میں رہا

فکر میں تعمیر کی منعم نہ مر تو رات دن
گھر کسو کے دل میں کر یا عاقبت خانہ، بنا

کفن میں پھولے نہیں سماتے ادا کے کشتے ترے پیارے
☆ جو آج ہنستا تو پھول لے کر برائے طوف مزار آتا

مدام خوباں کے داغ کھائے سرِ مژہ سے آنسو سدا بہائے
☆ نصیب و قسمت کہ نخلِ الفت یہ پھول لایا یہ بار لایا

یہ خوب دیکھا تو حسن و الفت میں یار و نسبت ہے اتحادی
☆ کہ درد سر بھی ہوا جو اس کو تو پہلے مجھ کو بخار آیا

فراق کرتا ہے اشکباری لبوں پہ اس کے ہے آہ جاری
یہ ساری جاتی ہے بے قراری کوئی یہ کہہ دے کہ یار آیا

دل اس سے جو میں مانگا، آئینہ اٹھا لایا
دیدے کی صفائی سے کیا بات بنا لایا

اسباب سفر میرا ٹک دوش پہ لے چلنا
رہ جا، تو نہ کر جلدی اے بادِ صبا، لایا

جذبۂ الفت کا بندا ہوں کہ مجنوں تھا جہاں
آن کر واں ناقۂ لیلیٰ کا محمل رہ گیا

دل رہا، طاقت رہی، صبر و توانائی رہی
کارخانہ جا بہ جا منزل بہ منزل رہ گیا

رنگ گل ہے باعث نشو و نمائے عندلیب
واشد ہر غنچہ ہے مشکل کشائے عندلیب

شوخ کو تیرے گیا رنگ حنا ہاتھ سے چھوٹ
دعویٰ خون نہ جاوے گا پر اس بات سے چھوٹ

سینہ سے کل نکل ہی چلا تھا شتاب سے
پر ہاتھ رکھ لیا میں دل بے قرار پر

☆ ل سے اضافہ۔

نہیں چھٹنے کی بعد از مرگ بھی پابند الفت کے
سواد زلف لیلیٰ سے یہ کہدو خاک مجنوں پر

کمیت فکر کمری ہو گیا یاں تک تگا پو کی
نہ آیا زینہار اس کی کمر کا ہاتھ مضموں پر

ہماری طرح تجھ کو بھی سدا بے چین رکھے گا
کرے گا کیا مرے دل کو تو اے آرام جاں لے کر

جفا کے پردہ میں یک گو نہ پیار ہے آخر
برا بھلا ہے پھر اپنا وہ یار ہے آخر

آرام دل جلوں کو محبت کے ہے کہاں
شاداب پھلجھڑی ہے نہ شاخِ انار سبز

☆ کیا کروں جوش جنوں سے ہم نشیں لاچار ہوں
خود بخود دیکھ دل کھنچا جاتا ہے ویرانی کی طرف

فراقؔ ناتواں کو، کوچۂ دلدار تک لے چل
بٹھا کر دوش پر اس کو، صبا گلزار تک لے چل

فراقؔ خستہ جاں، حامی کوئی اتنی نہیں بھرتا
کہ لے چلتے ہیں ہم تجھ کو تیرے دلدار تک، لے چل

تری نظروں سے اے پیارے اگر ہم دور رہتے ہیں
ولیکن دل کے آئینہ میں تجھ کو گھور رہتے ہیں

گاہ اشک آنکھوں سے، گہ لخت جگر جھڑتے ہیں
واہ کیا نخل محبت کے ثمر جھڑتے ہیں

تیرے مکھڑے کی جھلک دیکھیں اگر پانی میں
شرم سے ڈوب مریں شمس و قمر پانی میں

یاد کر اس کی کمر رات میں یاں تک رویا
صبح دیکھوں تو میں ہوں تا بہ کمر پانی میں

قطعہ

صحبت فراقؔ، اس سے میسر ہو کس طرح
دن کو تو وہ کہے ہے کہ ملنے کا ڈھب نہیں

اور رات کو جو کہیے تو پھر وہ بہانہ جو
زلفیں اٹھا کر منہ سے یہ کہتا ہے ''شب نہیں''

اس کے دہن کا وصف، میں کیونکر لکھوں فراقؔ
رکھتا ہوں عذر قافیۂ تنگ درمیاں

ہزاروں گل کھلے اس باغ میں اور سیکڑوں کلیاں
کھلا اک دم نہ دل اپنا، گئیں سب جی سے بے کلیاں

یاران عدم کو کوئی کہدو کہ سدھاریں
آہستہ چلے آتے ہیں، ہم کو نہ پکاریں

میں ترے پاؤں پڑوں، زنجیر تو پاؤں نہ پڑ
جانے دے، لے جائے یہ وحشت جدھر، میرے تئیں

کیا ہے لشکر غم نے گداز اب کشور دل پر
کوئی ساقی سے کہہ دینا کہ ہاں اب جان داری ہے

تکلیف کیوں کرے ہے چاک جگر یہ ناصح
میں ہاتھ کاٹ ڈالوں تجھ سے اگر رفو ہو

☆ ل سے اضافہ۔

اُس مہ جبیں کے رو برو آئینے، تو نہ ہو
ہم صاف منہ پہ کہتے ہیں بے آبرو، نہ ہو

رہنے دے کوئی دم تو ہمیں کوئے یار میں
مت چھیڑ اے صبا مری مشت غبار کو

بحر سر شک چشم کا طوفاں دم بہ دم
مارے ہے آنکھ گریۂ ابر بہار کو

☆ کچھ ہم میں نہیں ہے جان باقی
واں اب بھی ہے امتحان باقی

کہے ہے شوخ، دکھلاؤں جو ناز دلربائی کو
ابھی آدھی نگہ پر مول لوں ساری خدائی کو

دوش ہوا پہ بار نگہ اس کی چشم کا
کرتا ہے صید طائر رنگ پریدہ کو

مزے جس رنگ سے چاہے تو لے اس دست رنگیں کے
لگی گر ہاتھ، مل ڈالوں گا پاؤں سے حنا تجھ کو

جی نکلے عشق میں دل، تو بھی نہ آہ کچھ
اُس پر نظر نہ کچھ، مجھ پر نگاہ کچھ

تجھ سوا غیر کو ہم چاہیں گے؟ امکان ہے یہ؟
افترا، محض غلط جھوٹ ہے بہتان ہے یہ

جہاں تک صاف طینت ہیں اسیر زلف خوباں میں
نمایاں موج دریا سے بھی ہے زنجیر کا نقشہ

اے چشم تجھ سے آگے ہی تھا نام نم کے ساتھ
سو بات ہی گئی وہ کیا جام جم کے ساتھ

سن مرا حال یہ کہتا ہے، نہ بک، سونے دے
نیند تو اڑ گئی کمبخت سرک، سونے دے

سنتے ہی مرا قصۂ جاں سوز، ہاں چلے
کیا ایسی نیند آئی ہے، بیٹھو کہاں چلے؟

ساتھ اپنے آہ و نالہ و درد و فغاں چلے
ہم بھی عدم کو لے کے بڑا کارواں چلے

تم گالیاں دو مجھ کو، تو میں چٹکیاں نہ لوں
پیارے کسو کا ہاتھ، کسو کی زباں چلے

آبلے دکھلائے جب اس دلِ رنجور نے
دانت میں تنکا لیا خوشۂ انگور نے

نہیں کرتا کوئی بیدرد علاج گریہ
حضرت درد سے پوچھوں گا دوا رونے کی

شعلۂ برق اس کا سایہ ہے
دل تڑپنے ہی کو بنایا ہے

قیمت بوسہ میں دل لے چکے پھر جھگڑا کیا
ہو چکا یارو جو سودا وہ بھلا پھرتا ہے

شاید کہ کسی زلف میں ہوں گا میں گرفتار
اے خواب پریشاں کیا، تری تعبیر یہی ہے

کیوں خاک سے ہماری کاوش صبا کرے ہے
رہنے بھی دے چمن میں مت چھیڑ کیا کرے ہے

دہن کا فکر اس سے ہو جسے شوق عدم ہووے
وہ مضمون کمر باندھے جو مرنے پہ کمر باندھے

☆ ل سے اضافہ۔

بعینہ اشک کی یوں بوند مژگاں پر جھمکتی ہے ❁ کہ جیسے تار میں قندیل شیشے کی لٹکتی ہے
فصل گل آئی نہیں خانۂ زنجیر کے بیچ ❁ اپنے دیوانے کو کہدو ابھی آرام کرے

رباعی

ہردم تو فراقؔ کیا پڑا روتا ہے ❁ خوباں کے الم میں جان کیا کھوتا ہے
نت قافلۂ عمر چلا جاتا ہے ❁ بیدار ہو، کس نیند پڑا سوتا ہے

دیگر

مت کر تو فراقؔ آہ و زاری ہر دم ❁ گریہ سے نہ آستین و داماں کر نم
لکھ صفحۂ سینہ پہ محمد کی ثناء ❁ پتلی کو بنا دوات، مژگاں کو قلم

دیگر

کہتے ہیں لوگ جی سنبھل جاوے گا ❁ اسلوب، محبت کا بدل جاوے گا
پر ہم کو ہجر میں تو، سوجھے ہے فراقؔ ❁ روتے روتے ہی جی نکل جاوے گا

دیگر

کہتا تھا میں جان سے کہ اے جان حزیں ❁ محبوب کے غم سے تو بہت ہے غمگیں
اللہ کرے کہ وہ شتابی آ جائے ❁ دل بول اٹھا ووہیں کہ آمیں آمیں

دیگر

بیتابی دل ہے، کیا بلا لائی ہے ❁ لوگوں نے جُدی جان مری کھائی ہے
گراس سے نہ ملیے، تو ستم ہے جی پر ❁ ملیے، تو غم و درد ہے، رسوائی ہے

دیگر

پہلے تو وہ ربط و آشنائی کیجے ❁ باتوں باتوں میں دلرُبائی کیجے
پھر آخر کار اے ستم گر، بے رحم ❁ یوں چھین کے دل کو بے وفائی کیجے

دیگر

نت آنکھ مری اس سے لڑی رہتی ہے پہروں بندھی آنسو کی جھڑی رہتی ہے
گھڑیال کی چشم بھی کٹوری ہے مگر دن رات جو پانی میں پڑی رہتی ہے

مستزاد

شبنم گلے لگتی ہے گلوں کے باہم — با دیدۂ نم
بلبل کہتی ہے ہو کے نالاں ہر دم — با درد و الم
شبنم یہ مزے لوٹے، اُڑاوے یہ بہار — اپنے یہ نصیب
ہم جور و جفا اٹھاویں اور کھائیں غم — وائے وائے ستم

قطعہ

ہردم [1] کمر کسے ہے وہ خون ہزار پر گل رو کو اکتفا نہیں دو، تین، چار پر
آواز ناگہاں یہ مجھے آگئی فراق گذرا جو ایک شخص کے مشتِ غبار پر
یعنی قدم سنبھال کے رکھ مرد با تمیز آگاہ ہو، نہ بھول تو اس روز گار پر
ہم بھی کبھو تھے رشک گل گلستان دہر ہنستی تھی بلکہ جان مری لالہ زار پر
طاقت نہیں کسی کی جو ہو کوئی سامنے تھی ان دنوں میں یار قیامت بہار پر
گل کھاتے تھے تمام پڑے ہم پہ گل رخاں اب پھول بھی کوئی نہیں رکھتا، مزار پر

جو عہد و قول کیا تم نے سو تمام غلط قرار صبح غلط وعدہ ہائے شام غلط
داغوں سے نہیں سینہ سوزاں ہمہ تن چشم ہے تیرے تماشا کو چراغاں ہمہ تن چشم
غربال مری آہ جگر سے یہ فلک ہے انجم سے نہیں شب کو نمایاں ہمہ تن چشم
میں وہ ہوں کہ منت کش افلاک نہیں ہوں مرہم طلب سینۂ صد چاک نہیں ہوں

---

[1] اصل: برحاشیہ۔

میں یک.. دل پُر آبلہ ہوں یا مژۂ تر
کچھ خوشۂ انگور و رگ تاک نہیں ہوں

ہر آشنا مخالف ہر مہربان دشمن
تیرے لیے ہوا ہے، سارا جہاں دشمن

تیرے ہونٹوں کا ہے خیال نہیں
مے گلگوں بھی ہے، حلال نہیں

بغیر از جان کچھ رکھتا نہیں، میں تحفہ کیا بھیجوں
دل پُر داغ کا کہیے تو گلدستا بنا بھیجوں

طپش ہے، درد ہے، زاری ہے، بیتابی ہے اور میں ہوں
شکست رنگ ہے، حیرت ہے، بے خوابی ہے اور میں ہوں

نسیم صبح و باد صبا سے آہ کہدینا
لگے جب تک ہماری آنکھ پنکھا باری باری ہو

ایک دل، مژگاں مقابل میں تیرے یہ یار سو
کیا سپاہی کا چلے جس پر پڑیں تلوار سو

کھول دے برقع سے ٹک رُخسار آتش ناک ہو
گلشن دل سے جلادیں تا خس و خاشاک کو

تم ایک جفا جو ستم ایجاد ہو کوئی
اچھے ہو، غرض خوب ہو، استاد ہو، کوئی

ٹھوکر کے سوا چلتے نہیں، ابر رس کی بلا سے
پامال کوئی شخص ہو، برباد ہو کوئی

گل چاک، جگر، باد صبا خاک بسر ہے
ماتم کدۂ دہر میں کیا شاد ہو کوئی

ہم تیرے سوا اور کو چاہیں تو قسم ہے
انسان کو کیا، گرچہ پری زاد ہو کوئی

لوگ سب جانیں گے خورشید قیامت نکلا
آفتابی پہ نہ بیٹھو شب مہتاب کے بیچ

کچھ ہم میں نہیں ہے جان باقی
واں اب بھی ہے امتحان باقی

دشنام یوں تو دیتے ہو ہر بار ایک دو
ہم کو کبھو تو بوسۂ رخسار ایک دو

ربط کدھر وے گئے، مہر و وفا کیا ہوئی
ہم سے خفا کیوں ہو تم، کہیے خطا کیا ہوئی

کیا خوب عجب تم نے یہ وضع نکالی ہے
ہر آن کئی جھڑکی، ہر بات میں گالی ہے

دوریٔ عزیزاں ...
راہ یک گام نظر آتی ہے سو کو...

سینہ داغوں سے مرا رشک چراغاں ہے فراق
شمع درکار ہے تربت پہ نہ فانوس مجھے

سوز بیتابی دل شب جو سنایا ہم نے[1]
شمع ساں خوب ہی مجلس کو رلایا ہم نے

خط کے پہنچے سے خفا اس کو جو ... ہم نے
یک قلم لکھنے ہی سے ہاتھ اٹھایا ہم نے

دل کے ہر ٹکڑے پہ تصویر ... ہے
دیکھ تو کیا ہے مرقع یہ بنایا ہم...

1 ل: ہے مجھے۔

تجھ بن کسے خوش آئے ہے یہ بادۂ گلگوں — پانی بھی جو اترے ہے تو دشوار گلے سے

تیری فرقت میں وہی ہے بے قراری ایک سی — بے خودی، بے طاقتی، بے اختیاری[1] ایک سی

شعلہ رو، غم میں ترے، ہے آہ وزاری ایک سی — شعلہ ریزی ایک سی، اور اشکباری ایک سی

وہ تو حیرت آشنا ہے، ہم بھی ہیں حیرت نصیب — آئینہ کی اور صورت ہے، ہماری ایک سی

زلف کے ہر تار میں کب مشک کی آتی ہے بو — عنبر سارا ہے اس کی زلف ساری ایک سی

آئینہ لے کے مقابل لب خنداں کیجے — جان من، شہر حلب، رشک بدخشاں کیجے

یاد میں دست نگاریں کے ترے رو رو کر — جی میں ہے نخل مژہ پنجۂ مژگاں کیجے

گلریز اشک و داغ جگر، ماہتاب ہے — عاشق کی رات کم نہیں کچھ شب برات سے

نہ گل ہی میرے ہنسنے پر فقط اے یار ہنستا ہے — خرابی پر مری ہر رخنۂ دیوار ہنستا ہے

اس دل میں کر گذر جو، یہ تیر آہ اُلٹے — اک پل میں سب فلک کی یہ بارگاہ الٹے

مفتی و شحنہ، قاضی ہیں کشتہ اس نگہ کے — پھرتے ہیں اس کے ہاتھوں یہ دادخواہ الٹے

تم انکھڑیوں کو ہر دم آئینہ میں نہ دیکھو ☆ — ڈر ہے نصیب اعدا تیر نگاہ الٹے

عشاق کے دلوں کو ٹک میں الٹ پلٹ دے — مکھڑے سے گر دوپٹا، وہ رشک ماہ الٹے

پھرتی ہیں یوں نگاہیں اس شوخ جنگجو کی — پامال کر کے جیسے کوئی سپاہ الٹے

کچھ ہم بھی نہیں کشتے ابرو کے اشاروں کے — گل رو تری چشمک نے جی کھوئے ہزاروں کے

کیا دھوم ہے کیا چرچا کیا طرفہ تماشا ہے — اک رات کو آ دیکھو، تم گھر میں بھی یاروں کے

ہر آہ ہوائی ہے، ہر داغ ہے لالہ سا — ہر اشک سے چھپتے ہیں سو گنج ستاروں کے

نہ مکھڑا یار کا سا، ہم نے نہ ویسی جبیں دیکھی — بہر صورت وہ صورت تو نہیں دیکھی، نہیں دیکھی

کیا بے مہر، کافر، شعلہ خو کو رام اک پل میں — یہ تو نے ہم نشیں! تاثیر آہ آتشیں دیکھی

وفور گریہ سے اپنے نظر فردوس کے کوچے — گیا ہے بھول دامن کو جو اپنی آستیں دیکھی

قلم سے کھینچتے جی میں جبین یار میں مانی — تری صنعت گری ہم نے بھی نقاش صمیں دیکھی

ہمراہ اگرچہ دیتے ہیں اب داد آبلے — پر سدرہ پہنچتے نہیں ناداد آبلے

---

1 ل: اشکباری۔ ☆ یہاں سے 'ل' میں ندارد۔

ڈھونڈا یہاں تلک تجھے شہر و دیار میں
پاؤں میں پڑ گئے مرے بیداد آبلے

صحرا تمام تختۂ صد رنگ ہوگیا
پھوٹے ہیں کس کے پاؤں کے آزاد آبلے

دیکھ کر بحر گنہ کیوں نہ ہو زہرا پانی
آشنا کوئی نہیں اور ہے گہرا پانی

برق کی یہ نہیں تحریر، چھڑاپا ہے دیکھ
وصلی نیلی گردوں پہ سنہرا پانی

دریافت اس سے ہو دہن یار کی خوبی
سمجھے جو کوئی عقدۂ دشوار کی خوبی

قیمت بوسہ میں دل لے چکے، پھر جھگڑا کیا
ہو چکا یار جو سودا، وہ بھلا پھرتا ہے

دلا[1] تجھ کو عبث اپنی جواں مردی پہ غرّا ہے
ادھر ہے توپ کا گولا ادھر پلٹن کا چھرّا ہے

قطعہ

گھر سے کل نکلا جو وہ مست خرام ناز حُسن
دیکھ کر اس کا بسنتی جامہ و دستار زرد

خلق کی نظروں میں بس اڑنے لگیں مہتابیاں
ہوگیا[2] رستا، مکان، کوچہ، در و دیوار زرد

فخر

فخر[3] تخلص شاعر قدیم وخوش گو دیوانے مختصر بہ قید غزلیات ورباعیات ومخمسات وغیرہ ازو ترتیب یافتہ۔ بیشتر مخمسات بہ نسبت غزلیات[4] خوب می گفت، عاصی بمر طوالت ازاں دست کشید وبہ اختصار پرداختہ بعضے از اشعارش درنوشت ونیز[5] بعضے مخمسات بہ قلم دادہ:

سرخ سنجاف نہیں تیرے کنار دامن
خون عاشق ہے کہ ہوتا ہے نثار دامن

رشک سے جھڑ گئے گل سارے گلستان کے بیچ
تختہ تختہ تری دیکھی جو بہار دامن

نہ لیتے دیر ہوئی نام آشنائی کا
یکا یک آہی گیا سر پہ دن جدائی کا

شفق میں ڈوبے ہے ہر روز رشک سے خورشید
جمال دیکھ کے اس پنجۂ حنائی کا

ہجر کا دن نہیں ہے روز قیامت جس میں
وصل کی رات جو ڈھونڈی کہیں پائی نہ گئی

---

1. ل سے اضافہ۔ 2. ہوگئے راہ ومکان وکوچہ ودیوار زرد۔ 3. سرور: شاعرے بود از دورۂ سابقین۔
4. اصل/ق: غزل وغیرہ۔ 5. بہ نسبت بیشتر مخمسات خوب می گفت۔

آنکھوں کا اب رواں ہے دریائے آب تجھ بن بنیاد صبر کا ہے خانہ خراب تجھ بن
سبزا لہکے ہے زمیں پر اور پڑتی ہے پھوار مے پلا ساقی کہ یہ ابر بہاری پھر کہاں
ہے جمال شمع روشن دیکھ پروانے شتاب اب تصدق ہو کے جل جا، جاں نثاری پھر کہاں
نوبت شور جنوں بختی ہے میری اے صنم اب گلے سے لگ، کہ ہے شادی ہماری پھر کہاں
سینہ، پُر غم دیدہ، پُر نم فخر تیرا آج ہے بھر کے دل اب رو لے یہ بے اختیاری پھر کہاں

آنکھوں سے ناز جس گھڑی جادو نگار ہو ڈورے چھٹتے ہوں اور نشے کا خمار ہو
گلزار کھل رہا ہو رواں جوئبار ہو میں ہوں اکیلا یا وہ مرا گلعزار ہو
جب دیکھیے بہار تو کیسی بہار ہو

یہ زور ہے مزا ہے بغل بیچ یار ہو ساون کے بادلوں کی گھٹا بے شمار ہو
برسات کی بہار میں پڑتی پھوار ہو سبزہ لچک رہا ہو، گلابی کا تار ہو
جب دیکھیے بہار تو کیسی بہار ہو

نشو و نما ہو ایک طرف سبزۂ بہار کویل ہو مست، مور، پپیہے کی ہو پکار
اور ایک طرف رباب کہے ہو کے تار تار ساقی بیا کہ موسم گل، فرصت بہار
جب دیکھیے بہار تو کیسی بہار ہو

یہ اول سیتے اے دل تجھ کو ہمدم ہم نہ کہتے تھے نہ ملیو گل رخاں سے جب تئیں ہمدم نہ کہتے تھے
ملاقات صنم سے کیجیو تو رم، نہ کہتے تھے پری رو کی محبت کا برا ہے غم، نہ کہتے تھے
سزا پائی نہ اس ملنے کی آخر ہم، نہ کہتے تھے

ہزاروں بار اس دل کے تئیں اے فخر سمجھایا ولیکن تو بھی اپنے کام سے ہرگز نہ باز آیا
پھر آخر طبل رسوائی کا اپنے سر پہ بجوایا دوانا باولا وحشی جہاں میں اب یہ کہلایا
سزا پائی نہ اس ملنے کی آخر ہم نہ کہتے تھے

جب سنی بلبل نے گلشن میں صبا سے یہ خبر گل چنے گا باغباں بے رحم کل وقت سحر
یک بیک اس وقت میں وہ آہ بھر، ہو چشم تر یہ صدا دلکش پکاری ہائے صد افسوس کر
من شنیدم یار من فردا رود راہ شتاب

یا الٰہی تا قیامت برنیاید آفتاب

رات وقت خواب پروانہ کا دیکھا تھا یہ حال	رو برو اس کے تھا یاروشمع روشن کا جمال

صبح جب ہونے لگی اور وصل نے پایا کمال	یہ سخن جل کر کہاں ہیہات کیا آیا زوال

من شنیدم یار من فردا رود راہ شتاب

یا الٰہی تا قیامت برنیاید آفتاب

کاش کے اب آج کی یہ رات ہو جاوے بڑی	جس سے [illegible] ے روز روشن کی گھڑی

صبح کا ہو منہ سر پر جدائی ہے کھڑی	دل م[illegible] ے ہے آنکھوں [illegible] ے لگائی ہے جھڑی

من شنیدم یار من فردا [illegible] راہ شتاب

یا الٰہی تا قیامت برنیاید آفتاب

جب سنی اس فخر بیدل نے یہ پایا استماع	یعنی وہ مہرو کہ جس سے عمر کا تھا ارتفاع

کل لیے جاتا ہے لوٹے صبر کی ساری متاع	رورو یہ کہتا ہے، کہ میرے یار کی ہے الوداع

من شنیدم یار من فردا رود راہ شتاب

یا الٰہی تا قیامت برنیاید آفتاب

فراقؔ، مرتضیٰ علی

مرتضیٰ علی فراقؔ[1] عمدہ زادہ ٔ باشان، رنگیں تلاش، صاحب دیوان۔ باشندہ خاک پاک حضرت دہلی۔ بعضے از اشعارش ایں است:

تماشا اس چمن کا کس کے دل کو شاد کرتا ہے	کہ یاں تک لب تبسم غنچہ کو برباد کرتا ہے

اسیروں کی قسم ہے اے صبا سچ کہہ کہ گلشن میں	کوئی ان ہم نواؤں سے ہمیں بھی یاد کرتا ہے

فراقیؔ، کنور پریم کشور

کنور پریم کشور فراقیؔ نبیرہ ٔ راجہ جگل کشور بادفروش کہ از طرف ناظم صوبہ مرشد آباد بنگالہ

---

[1] سرور: میرزا مرتضیٰ قلی......امیرزادہ۔

بحضور حضرت فردوس آرام گاہ طاب اللہ برہانہ، وکالتاً حاضری ماند و بجناب [1] اقدس اعلی تقرب تمام داشت و ثروتے کثیر بہم رسانیدہ۔ در اکثر امصار و بلاد عمدہ عمارات عالیشان از و پایدار و یادگار است، در جشن طوے کنور آنند کشور والد ماجد ایں شخص زر خطیر و جمع کثیر صرف نمود و ایں قدر تجمل و مدارات و مہمانداری از اقسام اطعمہ لذیذ و انواع اغذیہ نفیس برروی کار آورد [2] کہ شمہٗ ازاں تا حال [3] تحریر در بلدہٗ شاہجہاں آباد از ہیچکی سرانجام نیافتہ۔ اکثری از صاحب دول آں زماں و اہل حشم والا شان، ارادہ نمودند کہ ہم چو او جشنے طوے سرانجام دہند، باوصفی کہ اقتدار و اختیار بہ نسبت آں زیادہ ترمی داشتند، عدیلش جلوہ استحسان نہ پذیرفت زیرا کہ مرد [4] موصوف از راہ سادگی و غربت بہ عجز و الحاح تمام پیش آمدہ خود را بخانہٗ ہر کہ [5] ومہ رسانیدہ و بہ منت و چاپلوسی و تملق ہمراہ آوردہ بہ خاطرداری و مداراتش آں چنانچہ کہ باید، پرداخت واز دیگراں کہ بہ عز و جاہ و حشم نگاہ بر عظم شان خود می داشتند جمع [6] شدن نہ توانست۔ ملخص کلام راجہ مذکور بسیار نیک نام و در قوم خود عدیل نداشت و ذکر ایں جشن طوی تا الیوم بزبان خاص و عام در اکناف جہاں جاری است۔ روزی ہنگام شب از عشرت کدہٗ خاص برآمدہ در استنجا مشغول شد چوں قضا در رسید فیل سواری خاصش کہ خیلی بدمست و مردم آزار و کشندہٗ [7] اجل گرفتگاں بود بلا تامل او را بخرطوم کشید و بہ شگافت۔ کنور پریم کشور فراقی مردی سیاح، وارستہ مزاج لاوبالی طبع، سراسر ابتہاج، واقع شدہ۔ چند مرتبہ سیر لکھنؤ و عظیم آباد و مرشد آباد و محمد آباد و کلکتہ وغیرہ نمودہ و ہمہ جا بخدمت فضلا [8] و علما و سخن پردازاں مستعد شدہ اشعار [9] ہر کدام نوشتہ پیش خود نگاہ داشت چہ ہندی و چہ فارسی چنانچہ کمترین بے ریب و ریا ایں بندہٗ ذکا اشعار بسیاری سخن گویاں بہ یمن توجہٗ آن بزرگ مدست افتاد چند دیوانی فارسی بہ کمال متانت و جودت طبع از و بر صفحہٗ روزگار مثبت افتادہ و در کبت و دوہرہ وغیر آں مہارتی دارد و شکستہ نویس ثانی او کمتر بہم می رسد۔ اصلاح خط از راجہ پریم چند ناتھ آرام گرفتہ۔ مرد قابل دوست و زیبا طلعت و خوش سلوک و یار باش است۔ از یک چندے نزد والد بزرگوار خود بہ مومن آباد بندرابن وارد شدہ قلندرانہ گذران دارد۔

---

1 اصل/خ: و در مقربان خلافت امتیاز و اعزاز۔ 2 آوردہ۔ 3 حالت۔ 4 ل: راجہٗ موصوف؛ اصل/ق: ایں شخص۔ 5 اصل/ق: اعلیٰ و ادنیٰ۔ 6 ایں معنی شدن نتوانست۔ 7 ل: ''و کشندہٗ...... گرفتگاں'' ندارد۔ 8 اصل/ق: حکما۔ 9 ل: اشعار بقدر پسند خاطر خود نوشتہ نگاہ داشت۔

روزی بہ تکلیف ایں عاصی شعری طرح فرمود و گفت کہ من فارسی گو ہستم مگر بپاس خاطر شما ہیچ ہندی گفتہ ام در تذکرۂ خود داخل نمائید و آں اینست:

ہوئیں آنکھیں گلابی روتے روتے　　گلابی کی نہ دیکھی شکل افسوس

فیضؔ، میر فیض علی

میر فیض علی فیضؔ [1] در لکھنؤ است پسر محمد تقی میرؔ جوان اہل طبع و ذی شعور صاحب تلاش است اشعار خود را بہ نظر والد بزرگوار خود می گذراند و شوق شاعری در سر دارد و مرد خوب است۔ ایں اشعار منسوب بوی گردیدہ:

گل کھا موے جنھوں کے لیے جسم زار پر　　دو پھول بھی نہ لائے کبھو وے مزار پر

دور میں ساقی ترے آ نکلے ہیں مے نوش ہم　　جام خالی دے ہے کیا، اتنے نہیں بیہوش ہم

شوق میں تیرے کنار و بوس کے اے بحر حسن　　موج کے مانند ہو جاتے ہیں سب آغوش ہم

روش بھائی ہے کیا ان خوب صورت گلعزاروں کو　　لیے آئینہ دیکھا کرتے ہیں اپنی بہاروں کو

نہیں معلوم کس رشک قمر کی راہ تکتے ہیں　　کہ ساری رات آنکھوں میں کٹا کرتی ہے تاروں کو

خدا جانے کہ مجھ سے فیضؔ کیا ہے ان کو بیزاری　　جہاں دیکھا مجھے اس نے پکارا اپنے یاروں کو

یہ ترک چشم تری مست ہیں جواں دونوں　　کہ سو رہے ہیں تلے سر کے رکھ کماں دونوں

نہ مانی تو نے میری، اپنی ضد اے بے وفا رکھی　　کہیں ہم کس سے جا کر، اب ہماری تو نے کیا رکھی

شب وصل آئی تھی یاروسو، اس بے لطفی سے کاٹی　　ہمارے اپنے ان نے درمیاں تلوار لا رکھی

مستزاد

اس کاکل پیچاں سے پریشان ہوئے کیا کیا— ساری گئی عزت

ہم کو بھی سر زلف کا اب تیری ہے سودا— بل اتنے تو کھا مت

جاں بخش مرے یار نے مردے کیے احیا— جنبش سے لبوں کی

اک طرف دھرا ہی رہا اعجاز مسیحا— اللہ ری قدرت

1۔ سرور: سید فیض علی...... در سرکار نواب وزیر الممالک آصف از ... پدر بزرگوار خود ملازم بود۔۔

فگاؔر، مرزا قطب علی بیگ

مرزا قطب علی بیگ فگاؔر شخصی بود سپاہی مغل ہندوستان زا، در دہلی بسیار زبان داں و ہوشیار و ذکی الطبع۔ اشعار چیدہ چیدہ و برجستہ یاد خاطر دارد و وضع شعر خوانی او بسیار درست است کہ فتح و کسرہ وضمہ بالکل فک نمی گردد۔ از زبان خجستہ بیانش الفاظ بخوبی و فصاحت تمام می بر آید۔

از وست:

اڑتی سی خبر یار کے آنے کی سنی ہے
ہو جائے اگر راست، تو اللہ غنی ہے

کوکب یہ نہیں چرخ پہ سوفار سمجھنا
یہ سقف بھی آہ کے تیروں سے چھنی ہے

مت پوچھ فگاؔر اب تو مرا مسکن و ماوا
مانند بگولے کے، سدا بے وطنی ہے

فرصتؔ

فرصتؔ۔ وی از شاعران الہ آباد است، در آن دیار بہ استادی نام بر آوردہ وسخن بہ تلاش می گوید:

رشتہ جان بھی اگر ہو ترا تار دامن
آہ تسپر بھی سمجھتا ہے تو بار دامن

اشک آنکھوں سے مری پوچھے ہے یارا اے فرصتؔ
ہو ویں مژگاں یہ مبادا کہیں خار دامن

فدویؔ، میر فضل علی

میر فضل علی فدویؔ از دہلی است۔ بہ کشش آب و دانہ در مرشد آباد رسیدہ۔ سخنش فصاحتے دارد:

دل جو کہتا ہے تری خوب ادا لگتی ہے
کیوں برا مانے ہے، یہ بات خدا لگتی ہے

آگ تلووں سے مرے لگتی ہے اس رشک سے آہ
جب کف پا کو ترے حنا لگتی ہے

رہتے [illegible] ہیں سدا، خدا رسیدہ
مانند حباب آب [illegible] دیدہ

دل چھین کے پوچھو ہو کیا کس کے حوالے
اچھے ہو مری جان، خدا کام نہ ڈالے

یار سے ہے لطف مے کا، آہ یہ ہو وہ نہ ہو　　یہ کوئی مجلس ہے ساقی واہ یہ ہو وہ نہ ہو

قطعہ

ابر میں روئے یہاں تک جام کو　　نم نہیں آنکھوں میں باقی نام کو
زلف و رخ کا فدوؔی گر مشتاق ہے　　دور کر اب بھی تو ننگ و نام کو
اس کو بھولا پھر نہیں کہتے ہیں جو　　صبح کا بھٹکا گر آوے شام کو

فدؔا، مولوی محمد اسمٰعیل

صدر الصدور مولوی محمد اسمٰعیل فدؔا المخاطب بہ عاقبت محمود خاں اصلش خطۂ کشمیر و در دہلی تولد یافتہ از حضور اشرف اقدس اعلیٰ بخدمت صدارت العالیہ معزز است او مردی[1] خوش خلق و پاکیزہ دین نیک[2] نہاد صاحب یقیں، تحصیل علوم متداولہ از مولوی خواجہ احمد خاں نمودہ، اکثر بہ تلاش ریختہ می پردازد:

یہ کس کے بال دیکھے تھے کمر تک　　کہ روتے ہم رہے شب کو سحر تک
ذرا پھر دیکھ لوں صیاد گل کو　　قفس لے چل مرا گلشن کے در تک
بنے ہوتے فلک ہم گل کا طرّا　　پہنچتے تا کسو کے ہم بھی سر تک
قاصد کہیں شتاب پھرے کوئے یار سے　　آیا ہے جی لبوں پہ مرا انتظار سے
مانند خار خشک ہمیں اس چمن میں آہ　　نہ کام کچھ خزاں سے، نہ مطلب بہار سے
سیر چمن میں بے مژۂ سرمہ سا مجھے　　موج نسیم کم نہیں خنجر کی دھار سے
جوں شمع ضبط نالہ تو میں نے کیا فدؔا　　پر بس چلا نہ گریۂ بے اختیار سے

فراؔغ مولوی محمد فراغ

مولوی محمد فراغ متخلص بہ فراؔغ شخصی بود معلم ساکن دہلی، تلاش شعر فارسی و ہندی می کرد۔ در عہد ثروت نواب امرلامرا نجیب الدولہ بہادر استفادۂ کتب فارسی و ہندی کہ از موزوں می شد بہ نظر

---

[1] اصل/ق: جوانے۔ [2] ل: نہاد نیک دارد۔

آں بزرگ می گذرانید، طالب علم جید بود و فکر خوبی داشت۔ ایں چند ابیات از یادگار او ثبت افتاد[1]:

کرتا جو نہ میں دل کو گرفتار کسی کا — کیوں کھینچتا اتنا یہ دل آزار کسی کا
آتی ہے مرے اشک سے بوئے عرق گل — ہے بس کہ نظر میں گل رخسار کسی کا
کب چشمۂ کوثر سے مرا کام بر آوے — مدت ہے کہ ہوں تشنۂ دیدار کسی کا
اتنا بھی نہ ہو حسن پہ مغرور تو اپنے — رہتا ہے سدا گرم یہ بازار کسی کا
روتا تھا فراغ آج ترے کوچہ میں پیارے — دل توڑیے اس طرح نہ زنہار کسی کا
بدن میں تب تئیں اٹکا رہے یہ تار نفس — بھلا ہے ذکر جو زلفوں کا دم بہ دم کیجے
یہی ہے جی میں کہ گر ہو سکے تو تا دم مرگ — کبھی نہ اس کی محبت کو دل سے کم کیجے
حقیقت آئینۂ دل میں اور ہی دیکھی — کہاں دماغ کہ اب سیر جام جم کیجے
فراغ اس مرے نازک کی کب کھنچے تصویر — مگر ہر ایک رگ گل سے موقلم کیجے

فدا، میر عبدالصمد

میر[2] عبدالصمد فدا مردیست سپاہی وضع، در دورۂ نواب ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خاں مرحوم بہ عنوان سپاہیان اعزاز پیشہ بہ حرمت می گذرانید و بر علاقۂ اتالیقی یکے از یگانہائے نواب کامگار خاں وغیرہ بلوچاں کہ در قصبۂ فرخ نگر بہ عمدگی و حشمت بسر می بردند، نیز بخوبی اوقات گذار یہا نمود۔ اکنوں در قصبۂ فرید آباد از وجہ ائمہ املاک اوقات می گذراند، طالب علمیست و در آں جا بہ استادی شہرت دارد۔ اکثر از ساکنین آں مکان نسبت تلمذ بوی دارند۔ خط نستعلیق و شکستہ درست می نویسد و شعر فارسی و ریختہ بخوبی از و سر انجام می یابد دو دیوان مردف از یادگار خود بر صفحۂ گیتی مثبت نمودہ و سوای ازیں مرثیہ و سلام دریں مدت شاعری بسیار گفتہ و نسخہ دہ مجلس را بزبان ریختہ خوب تنظیم ساختہ۔ ایں اشعار دل چسپ از تالیف فکر عالی آں[3] استاد بایں نحیف ذکا رسیدہ:

جو درد دل کا لکھوں یار کو میں لے کاغذ — تو اشک یاں تلک اُمڈے کہ بہہ چلے کاغذ
زلف جوں ابر نہیں ماہ مبیں کا پردا — ہے سیہ جامہ رُخ کعبۂ دیں کا پردا

---

1 ل: اوست۔ 2 اصل/ق: شیخ۔ 3 ل: آں است۔

توسن یار کے جولاں سے جو سرمہ ہو گرد چشم نظارہ کروں خانۂ زیں کا پردا
بے غبار آئینۂ دل سے نمودار ہو مہر سینۂ خلق سے جو دور ہو کیں کا پردا
جلوۂ حسن اسکا آئینہ میں یوں محسوس ہے شعلۂ شمع فروزاں جوں تہ فانوس ہے
ہو نہ تسخیر پری رویاں کہ ہے آسیب سخت گو عزیمت بھی حصار فوج یکتا نوس ہے
رشتۂ تسبیح زاہد ہے یہ زنار مغاں شورش ذکر ریائی نالۂ ناقوس ہے

فدوی، مرزا ابجو

مرزا ابجو فدوی شخصی است در مرشدآباد از مریدان و شاگردان شاہ گھسیٹا مغفور عشق کہ ذکر خیرش بحرف العین گزشت۔ در ہنگامہ شاہ درانی کہ تفرقۂ تمام بہ جہانیاں رو دادہ بود، از دہلی برخاستہ درآں دیار رحل اقامت افگند و ہماں جا توطن گزید۔[1] برہنمونی پیر کامل تدبیر خود وضع آزادانہ اختیار کردہ اکثر در مجالس سماع بہ رقص و وجد صوفیانہ می پرداز دو کلامش دردے دارد:

جوں شمع گو کہ سر سے بلا رات ٹل گئی دیوانہ فکر آج کا کر کل کی کل گئی
گلا آپس میں ایسا بھی کبھو تھا تکلف بر طرف ایسا ہی تو تھا
دل میں کس بات کا ملال گیا یار تیرا کدھر خیال گیا
رفتہ رفتہ اپنے جوہر یار دکھلانے لگا آستیں کا سانپ نکلا یہ تو جی کھانے لگا
کیا تسلی کر گیا تھا یار اس دل کو مرے یہ تو کچھ جاتے ہی تیرے اور گھبرانے لگا

ملے وہ غیروں سے مہروش کو ہمیں کب آتا ہے رشک اس کا
یہ ڈھلتی پھرتی ہے چھاؤنی فدوی کبھی ادھر ہے کبھی ادھر ہے

تجھ سے ہوتے ہیں درد مند جدا گو کرے کوئی بند بند جدا
کون اس سے یوں کہے کیوں قتل عالم کو کیا کیا کسو کا ڈر پڑا ہے جی میں آیا سو کیا
گالیاں کیونکر نہ دیوے بولے فدوی چھیڑ چھیڑ ایک تو وہ تھا ہی، اس کو اور بھی بدخو کیا
وہ کافر ہماری شب تار ہے جسے دیکھنا صبح کا عار ہے

[1] سرور: درسرکار بادشاہ احمد شاہ ملازم بود۔

ساتھ پھرتے ہیں بہت مایل لگے　　دیکھتا کیا ہے انھیں قاتل لگے
چل ساتھ کہ حسرت دلِ محروم سے نکلے　　عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

قطعہ

شب ہجراں کی اور تو فدوؔی　　ہم کو تقریر کر نہیں آتی
پر یہ وہ رات ہے کہ جس کی ہمیں　　صبح ہوتی نظر نہیں آتی

رباعی

یارو ملے اب کوئی کسی کے کس طور　　منصف ہو ذرا دل میں کرو اپنے غور
جوں آئینہ کس کام یہ خاطر داری　　منہ پر کچھ اور پیٹھ پیچھے کچھ اور

ولہ

دل ہے اپنا نہ جسم و جاں ہے اپنا　　اپنا کسے سمجھیے کہاں ہے اپنا
اپنی تو نظر میں فدوؔی اللہ سوا　　یاں ہے اپنا، نہ کوئی واں ہے اپنا

ولہ

دل مجھ کو لیے لیے کدھر آیاتو　　آخر اس سنگ دل کے گھر آیا تو
کہتے ہیں مجھے ناتواں بیں سارے　　اے خانہ خراب پھر نظر آیا تو

رباعی

وہ کوئی نہیں، نہیں ہے جس کا کوئی　　لیکن نہ کرے خیال اس کا کوئی
وابستگی ساری اپنے ہی دم سے ہے　　جب آنکھ مندی جہاں میں کس کا کوئی

ولہ

کیا ملیے یہ آشنا گھڑی کے ہوں گے　　آخر دشمن پھر اپنے جی کے ہوں گے
ان سنگ دلوں سے کیا توقع فدوؔی　　یہ کس کے ہوئے ہیں، جو کسی کے ہوں گے

دیگر

گلشن میں کہاں یار، جسے دیکھیں گے　　بن اس کے تو ہرگز نہ اسے دیکھیں گے
قاصد نے تو ملنے کی توقع کھودی　　کیوں پھڑکے ہے آنکھ[1] اب کسے دیکھیں گے

دیگر

کل تجھ کو تو ساری رات سوتے گزری　　ہم کو تیرے پاس بیٹھے روتے گزری
القصہ نہ پوچھ جی ہی جانے ہے مرا　　جوں شمع جو کچھ کہ صبح ہوتے گزری

فخر، مرزا فخر الدین حسین خاں

فخر مرزا فخر الدین حسین خاں پسر مرزا فتح علی خاں بہادر بایں[1] بندۂ ذکا اخلاص والفت بسیار دارد۔ گاہ گاہی شغل شعر گوئی بطور خودی نماید۔ جوانے شایستہ وسلیم الطبع معلوم شد۔ ایں بیت تالیف کردۂ از وست:

وقت رخصت کے جو میں اس کی نشانی مانگی　　کھول جھونکوں کاؤ ہیں ان نے در باب دیا

فرخ، میر فرخ علی

فرخ میر فرخ علی سید زادہ، صاحب علم اہل تلاش بود برخی از غزلیاتش کہ در[2] ابتدائے شاعری گفتہ بود، بمن درخورد، ازاں ایں ابیات بہ نوک قلم گذاشت[3]:

جور و بیداد وستم تو نے کیا کیا کیا کچھ　　کیا کہوں میں کہ مرے دل پہ ہوا کیا کیا کچھ

---

1 اصل/خ: بہ سرکار نواب معتقد الدولہ اللہ وردی خاں مرحوم کہ بہ علاقۂ دیوانی آں جا مامور بودم دراں اوقات بہ سبب اخلاص ونسبت آں مکاں اکثر باہم ملاقات می شد۔ چند روز شغل شعر گوئی بطور خود اختیار [illegible] ک کرد۔ بہر حال جوان شایستہ سلیم الطبع وحلیم الوضع معلوم شد۔ خداش خوش دارد۔ ایں بیت ست۔ 2 اصل/خ: کہ تصنیف ابتدائے شاعری او بود۔ 3 چھپے۔

چشم سے نور گیا، تن سے تواں، دل سے صبر ☆ عشق میں تیرے ہوا مجھ سے جدا کیا کیا کچھ
اس قدر مجھ سے ہو کیوں اے مہ وشاں نا آشنا ☆ میں بھی تو آخر کسی دن تھا تمھارا آشنا
گر ہوا شیریں تجھے خسرو کی دولت جاہ وی ☆ پر کہیں ہوتا ہے پیدا کوہ کن سا آشنا

فدؔا، میر امام الدین

میر امام الدین فدؔا شخصی باشندۂ لکھنؤ است۔ شعر بہ اندازی می گوید۔ ایں ابیات او در دہلی بمن رسیدہ:

یہ جانتے ہیں کہ لیں دل مرا تری باتیں ☆ مری نظر میں ہیں سب بے وفا تری باتیں
تو بات بات پہ ہوتا ہے مجھ سے آزردہ ☆ یہی تو کچھ نہیں اے دل رُبا تری باتیں
کہو اس بے وفا سے یہ تو تم سے دوستاں ہوگا ☆ کہ اے نا مہرباں پھر بھی کسو پر مہرباں ہوگا
بہار آئی ہے اب کے خوب سا دیوانہ پن کر لیں ☆ کہ یہ شور جنوں اور موسم گل، پھر کہاں ہوگا
چلوں کیا بہر طوف کعبہ باندھ احرام اے زاہد ☆ یہ کافر دل مرا واں بھی پرستار بتاں ہوگا
اگر چھوٹے جنوں میں اب کے ہم تو اشک خونی سے ☆ ہر اک جنگل فدؔا رو رو کے مثل گلستاں ہوگا
کیا کروں جاؤں کہاں اب اے بت خودکام، میں ☆ عشق میں تیرے ہوا ہوں جا بجا بدنام میں

فارغؔ، لالہ مکند سنگھ

لالہ مکند سنگھ فارغؔ قوم کھتری شاگرد شیخ ظہور الدین حاتم۔ چندی بہ عہدۂ متصدی گری در دہلی خوش می گذرانید۔ از چندی در بریلی اوقات گذار است۔ انسان قابل و خوش خلق و شیریں گفتار معلوم شد۔ دیوانے مردف و مکمل او بہ نظر ایں عاصی درآمدہ۔ تلاشی کامل دارد۔ ایں اشعار از گفتہ ہائے او بقلم دادہ:

ابروئے یار یہ کس پر ہے چڑھائی تیری ☆ قتل کو بس ہے مرے، چشم نمائی تیری
دور سے دیکھ مجھے چیں بہ جبیں ہو جانا ☆ تا کہ کچھ کہہ نہ سکوں، بل بہ رکھائی تیری

☆ ل سے اضافہ۔

حسرتیں دل کی بڑھا نیند مری تلخ کی، آہ
رات کو خواب میں کل شکل جو آئی تیری

دیکھ مکھڑے کو ترے گل نے گریباں پھاڑا
آئینہ آب ہوا دیکھ صفائی تیری

بے طرح دام میں زلفوں کے پھنسا تو فارغؔ
نہیں آتی نظر اب ہم کو رہائی تیری

آئی لپٹ جو زلف کی تیری چلی چلی
گلشن میں باغ باغ ہوئی ہے کلی کلی

ہم دل جلوں کی بزم میں گر آئی شمع بھی
سن آہ شعلہ بار پکاری جلی جلی

اے مایۂ نشاط ترے غم میں خورمی
بزم دل حزیں سے پھرے ہے ٹلی ٹلی

مدت سے جستجو میں تری مثل گرد باد
اڑتی پھرے ہے خاک ہماری گلی گلی

فارغؔ بھی اب محبّ بامید نجات حشر
ورد زبان ہمیشہ رکھے ہے علی علی

جلا ہے سینے میں دل شمع وار، ساری رات
رہا ہے آنکھوں سے اشکوں کا تار، ساری رات

دم غنیمت ہے جو بچ جائے یہ جاں آج کی رات
شمع ساں سر پہ ہمارے ہے گراں آج کی رات

ہو سکے دیوانگی میں کون ہمسر ہم سے آج
پھر سے آباداں ہوا زنجیر کا گھر ہم سے آج

گل پہ کیا گذرے چمن میں دیکھیے گل چیں کے ہاتھ
یوں کہا وقت سحر شبنم نے رو کر ہم سے آج

خط باندھنا ہی بال کبوتر سے تھا غضب
اس روز سے پھرے ہے مرا دل اڑا اڑا

جو کچھ کہ اپنے دل پہ یہ رنج و بلا ہوا
خانہ خراب چشم کا سب ہے کیا ہوا

کشتوں[1] کی اپنے مجھ سے خبر کچھ نہ پوچھ تو
ملک عدم سے کوئی پھرا ہے، گیا ہوا

ناصح، ہم اس کے کوچے میں نہ جاویں کس طرح
باعث آرام جاں سے دل اٹھاویں کس طرح

یار کا غم زندگی تک اپنے دم کے ساتھ ہے
عمر کا ساتھی جو ہو اس کو بھلادیں کس طرح

فدؔا، مرزا فدا حسین

مرزا فدا حسین خاں فدؔا بعضی بہ آغا حسین خاں ہم می نامند، بن نواب ضیاء الدین حسین خاں عرف آقا مرزا مرحوم۔ نبیرۂ نواب اللہ وردی خاں جہانگیری برائے[2] ملاقات برادران عمو

---

1 اصل: مستوں۔ 2 ل: ''برائے ملاقات نواب سجان الدولہ و دلیل الدولہ بہادر برادران عموی زاد خود کہ ہر دو بحالت سودا......''۔

زاد ہای خود کہ بہ نواب سبحان الدولہ ودلیل الدولہ بہادر موسوم و بہ حالت سودا گرفتار اند در دہلی آمدہ بود باز بہ لکھنؤ رفت۔ بعاصی[1] طرح دوستی افتاد۔ نیا کانش در رمل ونجوم وقرعہ اندازی دستگاہ کلی می داشتند۔ خویش بہ شاگردی میر نظام الدین ممنونؔ سلمہ چند مدت صرف کردہ۔ از بس کہ لکنت زبان وارد در مشاعرہ از خواندن غزل طرحی طرف این جا عاری است مگر بہ دیگری ایما می[2] فرماید۔ بہ تکلیف ایں خیر طلب غزلیات چند واشعار منتخب از دیوان مردف بخط خود نوشتہ لطف فرمود۔ خیلے صاحب تلاش وسیر مشق وفصیح زباں وملیح بیاں معلوم شد۔ ایں ابیات رنگیں روئیدہ از چمنستاں طبع آں گل گلزار حدیقۂ یک رنگی واتحاد است[3]:

ناکام کیا رہیں گے کچھ کام کر رہیں گے
بدنام ہوں گے تو بھی، ایک کام کر رہیں گے

دل تو دیا ہے جاں بھی دیں گے فداؔ ہم آخر
آغاز عشق کا کچھ انجام کر رہیں گے

دو گرہ دل کو مرے زلف گرہ گیر کے ساتھ
میں دوانہ ہوں مجھے ربط ہے زنجیر کے ساتھ

قتل ہوتے ہیں تو ہم وصل کے مشتاقوں کا
خون جاتا ہے لپٹ جو ہر شمشیر کے ساتھ

ہر سحر ہوتے ہیں برعکس ارادے شب کے
روز تدبیر مری لڑتی ہے تقدیر کے ساتھ

تسکین عاشقوں کی بظاہر تو کر بھلا
الفت کسو کی خواہ نہیں تجھ کو خواہ ہے

ہے آئینہ میں اپنا ہی تو محو خال و خط
احوال پر کسو کی تجھے کب نگاہ ہے

تیروں کا ان بتوں کی دل آماج گاہ ہے
یاں آہ آہ کرتے ہیں واں واہ واہ ہے

واں ہم کنار غیر سے وہ رشک ماہ ہے
یاں کنج غم میں شکوۂ بخت سیاہ ہے

نہیں ہے باقی کوئی تمنا ہمیں تو ہر طور یاس ہے گی
نہ اپنے جینے کا ہے بھروسا نہ اسکے ملنے کی آس ہے گی

عبث ہے ہمدم گلا یہ ہم سے کہ بولیے یا ہنسیں کسو سے
کہ یار جب سے جدا ہوا ہے کچھ اپنی خاطر اداس ہے گی

خفا ہوئے جو فدا سے اس پر کہ اس نے شکوا کیا تمھارا
فدا تمھارا کرے گا شکوا یہ بات دور از قیاس ہے گی

زبس مضمون باندھا ہے قد موزون جاناں کا
بلندی زور ہی رکھتا ہے مطلع اپنے دیواں کا

گستہ ہو گیا شیرازۂ جمعیت خاطر
ہوا ہے پنجہ کس کا شانہ اس زلف پریشاں کا

---

1. ل: ایں بندۂ ذکا طرح دوستی انداختہ بود۔ 2. ل: نماید۔ 3. سرور: از سکنائے لکھنؤ، قوم مغل، شاگرد ممنونؔ۔

وہ مہ گر شام کو رخ سے الٹ دیوے نقاب اپنا
چھپاوے دامن شب میں وہیں منہ آفتاب اپنا

ذرا تو گر مجوشی غیر سے اے شعلہ رو کم کر
کہ دل یاں آتش غیرت سے ہوتا ہے کباب اپنا

کب تک میں بھلا نالۂ شب گیر کروں گا
اس دل ہی کو اک دن ہدف تیر کروں گا

اب تک بھی فدؔا یار تو آیا نہ سفر سے
اب اپنے ہی میں کوچ کی تدبیر کروں گا

طپش نے عشق کی آخر ہمارا کام کیا
جو مثل شمع جلا کر ہمیں تمام کیا

باعث وحشت مجھے گلشن کا جانا ہوگیا
دیکھ کر اک گل کی صورت میں دوانا ہوگیا

لے تو ہی کچھ عزیز نہیں تجھ سے یار، دل
قربان تیری جان پہ ایسے ہزار دل

یہ مرض قابل شفا ہی نہیں
درد میرے کی کچھ دوا ہی نہیں

داغ میرے جگر کے کیونکہ مٹیں
تو گلے سے کبھو لگا ہی نہیں

کیا کوئی سر جھکا کے ہووے ذلیل
ہاتھ تیرا کبھو اٹھا ہی نہیں

خون دل اب تو بیٹھے پیتے ہیں
زندگانی کا کچھ مزا ہی نہیں

اور ہی اس کی ہوگئی ہیئت
کل جو دیکھا تو وہ فدؔا ہی نہیں

کیا تجھ سے نہاں ہو کے کوئی کر سکے کچھ کام
تجھ سے تو کوئی کام یہاں ہو نہیں سکتا

نہیں کھاتا وہ قسم غیر کے گھر جانے کی
سچ جو پوچھو تو یہی بات ہے مرجانے کی

کس طرح عمر بسر کیجیے دلدار بغیر
زندگانی نظر آتی ہی نہیں یار بغیر

طاقت کہاں جو سیر گلستاں کو ہم چلیں
اے آہ تو عصا ہو تو کوئی قدم چلیں

کروں اس دشت میں کیا قتل سے بچنے کی تدبیریں
کہ مجھ پر برگہائے کاہ تک کھینچے ہیں شمشیریں

نظارے سے جنھوں کے دل کو اک آرام حاصل تھا
الٰہی کیا ہوئیں آنکھوں کے آگے سے وہ تصویریں

نہ دے تکلیف مجھ کو سیر سنبل کی، کہ ڈالی ہیں
خیال کاکل جاناں نے پائے دل میں زنجیریں

قسم ہے تجھ کو اے سیلاب گریہ، سوئے دل مت جا
بنی ہیں مسکن خوباں کی خاطر اس میں تعمیریں

فدؔا بے کان زر ہرگز یہ شیریں لب نہیں ملتے
طرح فرہاد کی کیا فایدا گر ہم بھی سر چیریں

کل جو دمِ غسل کی، اس نے درنگ آب میں
کیا ہی ہوئے موجزن حسن کے رنگ آب میں

مردم آبی نہ کر خنجر ابرو سے ذبح
لگتا ہے اے جنگ جو تیغ کو زنگ آب میں

پھر نظر آتے ہیں دن آہ ہمیں وحشت کے — کچھ خبر دے گئی ہے یاد تمھاری ہم کو

تو ہی اے مرگ اب آسان کر ایام فراق — زندگی ہوگئی دشوار ہماری ہم کو

خوباں کی کوئی زلفِ گرہ گیر دکھاؤ — دیوانہ ہوا ہوں مجھے زنجیر دکھاؤ

بیتاب ہوں، بے صبر ہوں بے ہوش ہوں یارو — یک لحظہ مجھے یار کی تصویر دکھاؤ

تا دل کو فدا کے نہ ہو پھر زخم کی خواہش — اب اس کو کوئی صید سر تیر دکھاؤ

شیشے شراب جرم کے یک بار توڑیے — وہ تو بہ کیجیے کہ نہ زنہار توڑیے

کس طرح اس جہان میں ہمت نہ ہاریے — اپنا تو کوئی بھی نہیں کس کو پکاریے

راضی رضائے یار پہ رہیے یہی ہے خوب — کیسی ہی جی پہ گذرے کبھی دم نہ ماریے

وہ جن یہ عشق ہے کہ نہ سر سے اتر سکے — گر آسماں سے تخت سلیماں اتاریے

باغ جہاں میں غنچۂ تصویر کی طرح — آگے نسیم کے بھی نہ دامن پساریے

اے دل نہ صرف زاری و غم عمر کیجیے — اک دم کی زندگی ہے اسے خوش گذاریے

اک سانس جوں حباب تن ناتواں میں ہے — تس پر بھی درد عشق مرے امتحاں میں ہے

نہ پوچھو کچھ خبر دل کی، گیا تھا ساتھ قاصد کے — نہ پھر دل ہم تلک پہنچا نہ، ہم ہی دل تلک پہنچے

ہوں اسیر گیسوئے پُر پیچ میں آشفتہ سر — خواہ دیوانہ کہے تو، خواہ سودائی مجھے

فراقی

فراقی تخلص، از سخنوران قدیم بودہ است۔ دیوان مختصر او[1] بعاصی رسید۔ دلہٗ:

فراقی کشتہ ہوں اس آن کا جس دم کہ وہ ظالم — کمر سے کھینچتا خنجر چڑھاتا آستیں آوے

فدا، لچھمی رام پنڈت

لچھمی رام پنڈت فدا تخلص، ساکن دہلی از چندی بہ تلاش روزگار بہ لکھنؤ رسیدہ[2] بر عہدۂ

---

1 اصل/خ...... وصحت بہ نظر ایں عاصی ورزیدہ۔ دراں یک شعر بزبان حال مطابق یافتہ بہ تحریر آوردم...... کہ بہ طرز منتخب نوشتہ بود...... کہ غزلیاتش بطورِ انتخاب خود نوشتہ بود بہ عاصی رسید از یں جانب او ہمیں یک شعر بزبان خود مطابق یافتم۔ بہر حال می گفت۔ 2 اصل/ق: رفتہ۔

وکالت رسالۂ عبدالرحمٰن خاں قندھاری کہ در سرکار والا جناب وزیر الممالک نواب آصف الدولہ بہادر نوکر است، مقرر شد۔ حالا در بریلی وارد بخوبی وفراغت ایام زندگانی می گذراند۔ مرد قابل و زیرک است۔ اشعار خوش گفتار خود را بہ نظر مرزا محمد رفیع سوؔدا گذرانیدہ۔ عاصی[1] ذکا را اتفاق ملاقاتش نیفتادہ، مگر از کلام خوبی التیامش البتہ واقف است:

گذشتہ حسن کا اب تک نشان باقی ہے — نہ ہوں فریفتہ کیونکر کہ آن باقی ہے

ہوا ہے قصۂ مجنوں اگرچہ شہر آشوب — ہمارے عشق کی بھی داستان باقی ہے

بہار حسن کی جاتی رہی اگر پیارے — تری بلا سے کہ یہ عظم و شان باقی ہے

کہا جو، ان سے کہ میں دل تو کر چکا ہوں فدا — یہ بولے ہنس کے ابھی تجھ میں جان باقی ہے

فدوؔی، میر محمد حسین

میر محمد[2] حسین فدوؔی قوم سید حسینی، اصلش دارالسلطنت لاہور، ازاں جا بہ دہلی آمدہ استقامت ورزیدہ بود۔ گویند کہ دراں زماں بستار نوازی ہجو او در شاہجہاں آباد عدیلی نہ داشت[3] و بیشتری از ساکنین دہلی میل بہ شاگردی او می نمودند شاگرد میر شاکر ناجؔی بود۔ آخر[4] بپادشاہ مبارک توسل جست۔ چندے اشعار از گفتہایش ایں حقیر سراپا تقصیر دریں جا می نگارد:

غیر سے جامہ زیب ملتا ہے — کیوں نہ اپنا کروں گریباں چاک

جو چل کر یار گھر آوے مجھے ہرگز نہ پاوے وہ — تو گھر آئی، گئی دولت، خسارت اس کو کہتے ہیں

یار جو ہم سے سدا چیں بہ جبیں رہتا ہے — نہیں معلوم بلا کونسی پیش آتی ہے

فدوؔی، مرزا اعظیم بیگ

مرزا اعظیم بیگ فدوؔی ساکن خاک پاک حضرت دہلی، مردی تجارت پیشہ بود در عہد آسودہ مہد حضرت فردوس آرام گاہ، گاہ گاہی بہ فکر کلام سرخوش داشت:

---

1. اصل/ق: بندہ۔ 2. اصل/ق: شاہ محسن۔ 3. اصل/ق: کمیاب بود۔ 4. اصل میں حاشیے پر ’ل‘ میں ’توسل‘ ندارد۔

یار پردے میں ہے اور عیش سے مایوسی ہے　　نقش پا تک بھی مرے در پے جاسوسی ہے

فروغ، میر ثناء اللہ

میر ثناء اللہ حسین خاں فروغ، وی مرد ستودہ اطوار والا تبار خجستہ خصال است در بلدۂ[1] حیدرآباد قیام دارد، شخصی دوستدار اکثر اشعار منتخب و چیدہ چیدۂ او نوشتہ از آں جا بمن[2] فرستادہ بود بہ حسب اتفاق و کثرت فراہمی اشعار شعراء از نظر گم شد۔ من جملہ آں ہمیں یک قطعہ کہ میر مذکور در تعریف مشیر الملک بہادر گفتہ بود دستیاب[3] گشت:

قبلۂ فیض ہے مشیر الملک　　دل ہے خوش جس سے سب خلایق کا
ہے بہار کرم وہ دریا دل　　جس سے تازہ ہے رو حدایق کا

فروغ، میر روشن علی خاں

میر روشن علی خاں فروغ ساکن حضرت دہلی شاگرد میر نظام الدین ممنون۔ بزرگان او بہ قدامت و تقرب حضور معلیٰ عز امتیازی داشتند۔ خودش ہم اوقات بعزت و خوش دلی می گذراند۔ ایں سہ شعر بوے نسبت[4] دارد:

بن تیرے ہوش ہم کو پیارے کبھو نہ آیا　　ہم آپ میں نہ آئے جب تک کہ تو نہ آیا
تاریک کلبہ اپنا کیا ہو فروغ روشن　　گھر میں کبھو ہمارے وہ شمع رو نہ آیا

فرحت، میر امیر علی

میر امیر علی فرحت[5] سید زادہ ایست ساکن دہلی، اوقات بہ سپاہ گری بسری کند۔ نو مشق است۔ اصلاح سخن از میر عزت اللہ عشق یافتہ:

---

1 اصل/خ: بلدۂ خیر بنیاد۔ 2 اصل/ق: ترسیل داشتہ۔ 3 اصل/ق: بدست افتاد؛ ل: دستیاب شد۔
4 ل: نسبت بوے دارند، اگر چہ مؤلف در متن واضحاً 3 شعر نوشہ است ولی در انتخاب صرف دو شعر وجود دارد۔ 5 سرور: میر فرحت علی فرحت۔

نہ جب تک صبا نامہ بر تھی کسو کی — کسو کو نہ ہرگز خبر تھی کسو کی
لچک دیکھ کر شاخ گل کی چمن میں — مجھے یاد آئے کمر تھی کسو کی
ملا جس کو تلووں سے نرگس سمجھ کر — سنا تم نے وہ چشم تر تھی کسو کی
نہ پنپا دل اپنا پہ فرحت نہ پنپا — لگی کیا ہی کافر نظر تھی کسو کی

اشک آنکھوں سے مری گرنے لگے تارے سے — شب زنخداں کا ترے یاد جو وہ خال کیا

دیکھیے کب تک حضرت دل اس دشمن جاں کی فرقت میں — شور و فغاں اور واویلا اور گریہ وزاری کیجیے گا
اب تو ذرا بھی قدر نہیں بندے کی تم کو صاحب من — یاد رہے پھر بعد ہمارے، یاد ہماری کیجیے گا

ہجر جاں کاہ سے ہو یا تو رہائی یارب — یا سما جاؤں میں پھٹ جائے زمیں کا پردا
تو نے فرحت کو قضا کیوں نہ بنایا شبنم — تا یہ ہوتا کسی گل رو کی جبیں کا پردا

توڑ کر لے جانہ مرقد پر مرے جس تس کے پھول — واں اگے ہیں انتظاری میں تری نرگس کے پھول

بستر گل ہے نہ درکار نہ پوشاک ہمیں — آپ ہم خاک ہیں، کیا چاہیے ہے خاک ہمیں

سوتے ہو کس نیند تم کہتے ہیں کل کوکوچ ہے — حضرت دل اب تلک تم بے سرو سامان ہو

کل مری تربت پہ تم غیروں کو مت بجوائیو — فاتحہ پڑھنے کو میری جان آپ ہی آئیو
ہے یہی میری دعا ہو وصل میں میرا وصال — یا الٰہی ہجر کا پھر داغ مت دکھلائیو

نہ کیجیے آشنائی بے وفا سے — اگر کیجے تو ثابت آشنا سے
لگا اب تیغ بسم اللہ کہہ کر — اگر میں مرگیا تیری بلا سے

نہ تنہا کان کا بالا بلا ہے — قیامت تیری قامت سے بپا ہے
نہ دن کو چین ہے نہ شب کو آرام — خدا جانے کہ دل کو کیا ہوا ہے

جس طرح خوش ہوئے ہم اس بت عیار سے مل — یا خدا شاد ہر اک اپنے ہو دلدار سے مل

سوز دل شمع رخاں کو جو سنایا ہم نے — آپ بھی روئے اور ان کو بھی رلایا ہم نے

فرحت، عطاء اللہ خاں

عطاء اللہ خاں فرحت برادر زادہ محمد یعقوب خاں عرف میاں کلو در سلک خواصان حضور فیض

نشور منسلک۔ مرد فہمیدہ و جوان فتوت نشان خجستہ اطوار مسموعہ شد۔ حالا در کالپی است و بہ رفاقت یکی از اخلاف نواب غفران مآب وزیرالممالک عمادالملک نواب غازی الدین خاں بہادر ایام زندگی بسر می برد:

مرے گھر کے پاس آکر جو وہ بدگمان الٹا
تو ادھر زمین الٹی، ادھر آسمان الٹا

شعلۂ آہ کا کس کی ہے اثر پتھر میں
ہے جو اس طرح سے پوشیدہ شرر پتھر میں

چشم بد دور نہ بن ٹھن کے پھرا کیجیے یوں
کام کر جائے ہے اے جان، نظر پتھر میں

سنگ دل کہنے سے کیوں مانو ہو تم اتنا بُرا
کیا گنا جاتا نہیں لعل، مگر پتھر میں

ایک دل ہے یہ اسی کا کہ نہیں اس کو خبر
ورنہ آہ اپنے کا ہوتا ہے اثر پتھر میں

حیف وہ دل کہ نہ ہو عشق کی گرمی جس میں
اور یوں ہائے نہاں ہو وے شرر پتھر میں

تو نے پتھر کی زمیں زور نکالی فرآقؔ
تیشۂ کلک سے دکھلائے ہنر پتھر میں

شعلہ ہمارا آہ کا کس دن علَم نہیں
آتش کدہ سے آہ یہ دل اپنا کم نہیں

ہاتھ دل پہ رکھے سے کیا ہو وے
دل ہی جب ہاتھ سے گیا ہو وے

جی دھڑکتا ہے بات بھی کرتے
کہ مبادا کہیں خفا ہو وے

فرآق، مرزا کیقباد بیگ

مرزا کیقباد بیگ المعروف بہ مرزا کیقباد جنگ بہادر فرآق تخلص۔ وی مرد یست در[1] حیدرآباد و از اقربایان نواب نظام الملک بہادر بہ کمال شوکت و حشمت اوقات گرامی خود را در آں ضلع بسر می برد۔ علاوۂ آں بہ سخاوت و شجاعت و خوبی اوصاف و نیک نامی اشتہار دارد۔ از متانت سخنش قوت شاعری پیدا، و از[2] فصاحت کلامش زور سخنوری ہویدا:

ہیں داغ مرے سینے کے نتگ پر طاؤس
ہیں بلکہ یہ سب باعث رنگ پر طاؤس

ہم خاک پہ لوٹیں، ہو رقیبوں کو میسر
مخمل کی وہ تو شک، وہ پلنگ پر طاؤس

ہے چشم ہر ایک داغ کی دل کے مرے روشن
کیا ہوئے طرف دیدۂ تنگ پر طاؤس

1۔ اصل/ق: بہ طرف جنوب از نزدیکاں۔ 2۔ ل میں یہ جملہ ندارد۔

اس شوخ رنگیلے کو کماں قوس و قزح سے　　ہو بو قلموں تیر برنگ پر طاؤس
گر سینۂ پُر داغ فراق اپنا دکھاؤں　　ہوں شیفتہ اس کے جو ہیں دنگ پر طاؤس

فقیر، مولوی فقیر اللہ

مولوی فقیر اللہ فقیر تخلص از قصبۂ گلاؤٹھی بہ شاہجہاں آباد آمدہ بود معلمی می کرد۔ اشعار متفرق باغزل گاہ گاہی از و انصرام می یافت۔ بہ نظر میر قمر الدین منت می گذرانید۔ ایں شعر از وست:

روتے روتے یہ مرے دیدۂ تر بیٹھ گئے　　ایسی برسات ہوئی آہ کہ گھر بیٹھ گئے

فقیر، فقیر اللہ

میر فقیر اللہ المتخلص بہ فقیر ساکن شاہجہاں آباد، از شعرائے پایۂ تخت بادشاہ جم جاہ در ہندوی بھاکا دسترس دارد و مہارت کلی بہم رسانیدہ گاہ گاہ بہ اشارتِ دوستاں، متحرک سلسلۂ سخنگوئی می گردد:

وہ رنگ صندلی اگر آوے[1] نظر مجھے　　دونوں جہاں کا پھر نہ رہے درد سر مجھے
صافی دلوں کی دید کو مانع نہیں حجاب　　عینک سے ہے دو چند فروغ بصر مجھے
بیٹھے ہی بیٹھے ہستی کو اپنی کیا فنا　　جوں شمع ہے ہمیشہ وطن میں سفر مجھے
جو وصف تیرا کیجیے، شک درمیاں نہیں　　تجھ سا کوئی جہاں میں میاں تو، میاں نہیں
میرے سحاب چشم کو نیساں پہ ہے شرف　　ہے کونسی گھڑی کہ یہ گوہر فشاں نہیں
کیا ان سیاہ چشموں سے چشم امید ہے　　بے دید ایسا کوئی بھی اے مرد ماں نہیں

فیاض، عبدالرزاق

عبدالرزاق فیاض بیگ تخلص فیاض، ساکن بلدۂ حیدر آباد۔ قطعہ ای کہ در مدح نواب نظام الملک بہادر گفتہ بود بہ رشتۂ تحریر کشید۔ قطعہ:

بعد آداب و نیاز اے قبلہ گاہ　　عرض[2] رکھتا ہے یہ فدوی بے درنگ

---

1 ل: نظر آوے اگر۔ 2 اصل/ق: عرض یہ فدوی کی ہے اب۔

اک دکن تو کیا کہ ہند و سند تک ہو قلمرو میں تری تا روم و زنگ

فتح، مرزا فتح علی خاں

مرزا فتح علی خاں بہادر مدظلہٗ خلف والا قدر نواب فیض اللہ خاں بہادر مغفور و مبرور، برادر نواب بسنت خاں بود، محلی در ہنگام ثروت و حشمت خود کہ بعہد محمد شاہ بادشاہ دست داد خزاین و جواہر و قلعہ اجارہ و مختاری[1] کل کارخانجات بنام نامی نواب فیض اللہ خاں بخشید۔ بعد واقعہ اش مرزا فتح علی خاں بہ حکم الارث دخیل کل امور گردیدند و چند سال در قلعہ مذکور کہ متصل قصبہ ہاپوڑ بہ ضلع میان دوآب واقع است بہ عظم و شان و ترقی و ثروت امرایانہ بہ بیغمی و شادکامی ہا بسر برد۔ مادھوراؤ بھالکیہ[2] یکی از سرداران دکن کہ با خانمعز[3] الیہ سلسلۂ دوستی مضبوط و مستحکم داشت و برادر دستار بدل بود بہ اشارۂ مہاراجہ دھراج سوائے مادھوراؤ سندھیہ بہادر اول[4] در قلعہ مذکور و متعلقہ جات انظم و نسق خود کرد[5] از باطن و مناسبت تالیف یک دانہ بہ ظاہر داری پیش آمدہ نظر بند کرد و بعد ازاں بہ تصرف خود درآورد و بعد چندی برائے مدد معاش دو[6] مواضع از سرکار مہاراجہ عالی جاہ بہادر مقرر شد۔ بہر[7] کیف انسان صاحب سطوت والا شوکت قابل دوست قدرشناس نیک[8] اساس است۔ اکثر اوقات رخش ہمت را بہ مناقب گوئی و ریختہ پردازی رخصت جولاں می دہد و فکر سخن بطور خود می فرماید:

کونین میں مریض کا تیرے نہیں علاج گر آکے لاکھ بار مسیحا دوا کرے

جا کر طبیب سیتی پوچھا تو وہ یہ بولا خون جگر ہے بہتر عاشق کے ما حضر کو

عاشق کے حال دل کا کیا میں بتاؤں تجھ کو جانے تو وہ کوئی ہے جس کے لگے جگر کو

آہ میری نے کیا نوح سے مجھ کو خجل گرد اڑنے لگی ہر موج سے طوفان کے بیچ

---

1 ل: مختاری کُل۔ 2 ل: خان معزالیہ؛ اصل/ق: بھالکیہ بہادر۔ 3 اصل/ق: سلمہٗ۔ 4 ل: اول بہ ظاہر داری پیش آمدہ؛ نظر بند ساخت۔ 5 ل میں ندارد؛ اصل/ق: گردانیدہ و میلان اسپ و تمامی حال و اشیائے توپ خانہ و نقدی و جواہرات وغیرہ۔ 6 اصل/خ: موضع ستھری عملہ پرگنہ کھاتولی و موضع مدھولی متعلقہ اجارہ در وجہ انعام آلتمغائی...... 7 اصل/خ: اگرچہ حالا او حشمت و ثروت کجاست۔ الا بہر حال بخوبی می گذراند۔ 8 اصل/خ: فیاض و نیک نام است۔

مرتے مرتے نہ کیا ان نے کبھو پورا سوال — دل تڑپتا ہی رہا بوسہ کے ارمان کے بیچ
شانہ گو ان نے کیا دل تو نہ چھوڑا ہرگز — وہ تو الجھا ہی رہا زلف پریشان کے بیچ
دم عیسیٰ سے زیادہ ہے ترا جنبشِ لب — جان عاشق کی ترے ہے لبِ خندان کے بیچ
نور واحد ہے نبی اور علی کا بے شک — دو نظر آتا ہے احول کو تو ہر آن کے بیچ
کشتی امت رسول پہ آج — شاہ مرداں کو ناخدا دیکھا

فراقیؔ

فراقی شاعری قدیم از یاران معاصران محمد ولی ولیؔ بودہ است۔ بہ حسب رواج آں زماں بہ سخن طرازی سرخوش داشت۔ ایں مطلع کہ بہ تلاش رسیدہ ازاں مرحوم ومغفور است:

دھمکا کے دل کو جس دم تم لے چلے پیارے — منہ تکتے رہ گئے بس ہمدم سبھی بچارے

فطرتؔ، مرزا معز

مرزا معز فطرتؔ نواب موسوی خاں خطاب داشت ومعز وفطرت وموسوی ہرسہ تخلص می نمود سرداری باشان فتوت نشان شجاعت آثار سخاوت کردار بود۔ طبعش بہ انجام[1] امور خیر مصروف واکثر اوقات بیاد الٰہی مشغول ومشغوف می ماند۔ دیوانے مردف فارسی ازآں مردِ نیک نام فرخندہ انجام بر صفحۂ گیتی یادگار است۔ گاہے ماہے بہ طرف ریختہ گوئی ہم میل توجہ می فرمود۔ بہ زبان فارسی آمیز ایں مطلع را ارشاد فرمودہ:

از زلف سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے — در خانۂ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

فضلؔ، میر فضل مولیٰ

افضل الشعراء میر فضل مولیٰ المتخلص بہ فضلؔ شخصی سید از رفقائے راجہ پیارے لال بہادر است۔ تحصیل علوم متعارفہ نمودہ از حضور اقدس بخطاب افضل الشعرائی ممتاز گشت چندی در دہلی[2]

---

1. ل: بانجاح۔ 2. سرور: اصلش از عرب۔

طرح مشاعرہ انداختہ بہ اشعار خوانی ہا ارتیاح خاطر دوستاں می افزود کلامش مطبوع و برجستہ است
من تالیفہ[1]:

ہردم خیال یار جو دل میں رہا کیا
حیرت نے مجھ کو آئینہ رونما کیا

اودی مسی وہ اس کی کہ مینے پہ حرف ہے
لب وے کہ لعل کے بھی نگینے پہ حرف ہے

لعل جاں بخش جو ہیں عکس فگن آئینہ میں
نظر آتا ہے بدخشان و یمن آئینہ میں

گل بشگفتہ سا آتا ہے نظر بر سر آب
پان کھا کر جو وہ دیکھے ہیں دہن آئینہ میں

دل خیال زلف سے اس کی زبس معمور ہے
صبح محشر بھی مجھے شام شب دیجور ہے

جو چمن میں جائے تو اے صبا، تو یہ کہیو بلبل زار سے
کہ خزاں کے دن بھی اب آ لگے، تو اٹھا دل اپنا بہار سے

فدوی، سمن لعل

سمن لعل متخلص بہ فدوی قوم کایتھ ماتھر خلف مول چند منشی تخلص از سکنہ دہلی است۔ تو مشق معلوم شد۔ اصلاح سخن از والد خود یافتہ۔ بہر حال بہ می گوید:

دیکھے اگر وہ ایک بار اس بت بے حجاب کو
تاب سخن نہ زینہار پھر رہے شیخ و شاب کو

بر سر جلوہ آ ذرا دور کر اس حجاب کو
رخ[2] سے ذرا اٹھا دے تو اے مری جاں، نقاب کو

یار و کسی کی جستجو اس کو نہیں ہے گر، تو کیوں
کوچہ بہ کوچہ پھرنے کا شوق ہے آفتاب کو

مشک کو منفعل کیا کاکل عنبریں نے کیا
اس کے عرق نے یک قلم آب کیا، گلاب کو

فدوی اگر وہ دلربا بر میں نہ ہو تو پھر بھلا
دل میں ہو کس طرح سے آہ صبر و قرار تاب کو

1۔ ل میں 'من تالیفہ' ندارد۔ 2۔ ل: منتظر جمال ہوں رخ سے اٹھا نقاب کو۔

ردیف القاف

قایم، قیام الدین علی

قیام[1] الدین علی المتخلص بہ قایم متوطن چاند پور، ساکن دہلی بعد از مدت برخاستہ بہ عہدۂ قضاۃ در قصبہ امروہہ مسکن گزیں گردید و ہماں جا بہ جوار عنایت ایزدی در پیوست در ابتدا از ہدایت[2] اللہ خاں ہدایت وچندی از خواجہ میر درد و در آخر ہا از مرزا محمد رفیع سودا اصلاح سخن یافتہ۔ فی الجملہ شاعر خوش فکر ومتین، بسیار ذہین، روشن طبع، شریف الوضع فصیح زباں، شیریں بیان، بود دیوانی مختصر در غایت لطافت وصفا از و برصفحۂ ایام یادگار افتادۂ کلام استادانہ می گفت وتلاش کامل داشت۔ اشعاری چند کہ معنی برجستہ دارد بقلم دادہ:

دریا ہے پھر تو نام ہی ہر ایک حباب کا — اٹھ جائے گر یہ بیچ سے پردہ حجاب کا
کیوں چھوڑتے ہو درد تہ جام میکشو — ذرہ ہے یہ بھی آخر اسی آفتاب کا

بھلا اے ابر مژگاں اب تو بس کر — ابھی تو کھل گیا تھا تو برس کر
بہار عمر ہے قایم کوئی دن — اسی جوں گل پیارے کاٹ ہنس کر

نہ دل بھرا ہے نہ اب نم رہا ہے آنکھوں میں — کبھی جو روئے تھے خوں جم رہا ہے آنکھوں میں
موافقت کی بہت شیریوں سے میں لیکن — وہی غزال ابھی رم رہا ہے آنکھوں میں
وہ محو ہوں کہ مثال حباب آئینہ — جگر سے اشک نکل تھم رہا ہے آنکھوں میں

جی میں جو کچھ تھی خوشی سو تو گئی یار کے ساتھ — سر پٹکنا ہی پڑا، اب درو دیوار کے ساتھ

---

1 ل: شیخ قیام الدین علی قایم۔ نام کے سلسلے میں تذکرہ نویس مختلف الرائے ہیں۔ گلزار، حسن: شیخ محمد قایم؛ میر، گردیزی: محمد قایم: یکتا شیخ قیام الدین علی۔ نساخ: محمد قیام الدین؛ قاسم نے دونوں اور خود انھوں نے قیام الدین لکھا ہے۔ 2 آزاد کی روایت کے مطابق بعد میں ان سے بگاڑ ہو گیا، آخر سودا سے بھی برگشتہ ہوئے مگر انھوں نے سیدھا کرلیا۔ رامپور (مصحفی) میں 1210 (گلزار، شیفتہ) میں انتقال کیا۔

میں ہوں دیوانہ سدا کا مجھے مت قید کرو
جی نکل جائے گا زنجیر کی جھنکار کے ساتھ

اک ہمیں خار تھے آنکھوں میں سبھی کی سو چلے
بلبلو خوش رہو تم اب گل وگلزار کے ساتھ

صبر وقرار و ہوش و دل و دیں تو واں رہے
اے ہم نشیں یہ کہہ تو بھلا ہم کہاں رہے

رباعی

کیا پشم ہے دنیا کی تو اے اہل نعیم
بے قدر کرے جو ہم کو دے کر زر و سیم

مسجد میں خدا کو بھی نہ کیجئے سجدا
محراب جو خم نہ ہو برائے تعظیم

آتش تب نے کی ہے تاب شروع
تو بھی کر دیدۂ پُر آب شروع

کیوں نہ اب تر ہو آنسوؤں سے چشم
کی ہے لڑکوں نے یہ کتاب شروع

ناز و کرشمہ عشوہ و انداز اور ادا
میں یک طرف ہوں، اتنے ستم گار یک طرف

ہر پردۂ زمین میں طوفان ہے زیر خاک
کیا جانیے کہ کون یہ گریاں ہے زیر خاک

روئیدگی سے نرگس شہلا کی ہے عیاں
دیدار کا ترے کوئی حیراں ہے زیر خاک

پڑھ کے قاصد خط مرا اس بدزبان نے کیا کہا
کیا کہا، پھر کہہ، بت نامہرباں نے کیا کہا

غیر سے ملنا تمھارا سن کے گو ہم چپ رہے
پر، سنا ہوگا کہ ہم کو اک جہاں نے کیا کہا

صحن صحرا کو سدا اشک سے کرنا چھڑکاؤ
بس دوانہ ہوں میں قاسم تری مرزائی کا

یہ کہیو تو قاصد کہ ہے پیغام کسی کا
پر دیکھیو لیتا ہو جو تو نام کسی کا

جو کوہ کن تجھے قوت ہی آزمانا تھا
عوض پہاڑ کے شیریں سے دل اٹھانا تھا

فہرست میں خوبان وفادار کی پیارے
دیکھا تو کہیں اس میں، ترا نام نہ پایا

بے دماغی سے نہ اس تک دل رنجور گیا
مرتبہ عشق کا یاں حسن سے بھی دور گیا

ہو، گر ایسے ہی مری شکل سے بیزار بہت
تم سلامت رہو، بندے کے خریدار بہت

قایم آتا ہے مجھے رحم جوانی پہ تری
مر چکے ہیں اسی آزار کے بیمار بہت

سینہ کاوی ہے کام ہی کچھ اور
کوہ کن بود مرد سنگ تراش

جوں شمع دم صبح کو یاں سے سفری ہوں
تک منتظر جنبش باد سحری ہوں

مجھے اس اپنی مصیبت سے ہے فراغ کہاں
کسی سے چاہوں جو صحبت، رکھوں دماغ کہاں

شمع ساں جلنے کو صانع نے بنایا مجھ کو
جس کے میں ہاتھ لگا، ان نے جلایا مجھ کو

راہ پند سے میں جو رکھتا ہوں اسے گھیر کبھو
ہنس کے کہتا ہے کہ اب جانے دے چل پھیر کبھو

سنتا ہی نہیں وہ بت گمراہ کسو کی
گو آ کے سفارش کرے اللہ کسو کی

توفیق جو بوسے کی نہیں گالی ہی دے تو
کیا خوب ہے رکھ چھوڑیے تنخواہ کسو کی

پھولوں کی چھڑی ہے یہ ترے ہاتھ میں گل رو
یا لخت جگر سے ہے گتھی آہ کسو کی

صبر و قرار و ہوش و دل و دین تو واں رہے
اے ہم نشیں یہ کہہ تو بھلا ہم کہاں رہے

گہہ پیر و شیخ و گاہ مرید مغاں رہے
اب تک تو آبرو سے نبھی ہے جہاں رہے

مسجد سے شیخ تو نے نکالا ہمیں تو کیا
قائم وہ مے فروش کی اپنے دوکاں رہے

صیاد شور نوحہ جو آنے لگا ہے کم
یاروں کے دور ہم سے مگر آشیاں رہے

تو تو چلی بہار پر، ان کی بھی کچھ خبر
جو سر بہ جیب غنچہ نشگفتہ ساں رہے

قائم کو اپنی بزم سے جانے نہ دے کہ یار
کیا ہے برا کہ مفت میں اک شعر خواں رہے

یوں ہی جو یہ چشم تر رہے گی
آخر کو خراب کر رہے گی

نیا ہر لحظہ ہر داغ کہن ہے
بہار سینہ صد رشک چمن ہے

وہ گویا زخم ہے چہرے کے اوپر
جو بے لطف سخن گوئی دہن ہے

دہن کو تیرے پایا بات کہیے
ہماری جز رسی میں کیا سخن ہے

نہ ہم فلک کے کبھو ریو ورنگ سے چھوٹے
پڑے بھنور میں جو کام نہنگ سے چھوٹے

نہ اس کی زلف سے چھٹنے کا قصد کر قائم
کوئی سنا ہے کہ قید فرنگ سے چھوٹے

خوگر درد ہوں میں کرتے ہیں درماں میرے
آہ کیوں درپے جاں ہیں یہ عزیزاں میرے

یارب کوئی اس چشم کا بیمار نہ ہووے
دشمن کے بھی دشمن کو یہ آزار نہ ہووے

صورت میں تری گر نظر آوے ملک الموت
پھر مرگ کسی طرح سے دشوار نہ ہووے

وے بھی کیا دن تھے کہ جی کو لاگ اس کے سات تھی
میں تھا اور کوچہ تھا اس کا اور اندھیری رات تھی

شکوا نہ غیر سے نہ یار کی بیزاری سے
جو ہوا ہم پہ سو اس کی گرفتاری سے

مردن دشوار میں یہ جان بے تقصیر ہے
حسرت دل سوطرف سے اس کی دامن گیر ہے

گرم رفتن ہو کے شعلا قید میں آتا نہیں
موج آتش گو سراسر صورت زنجیر ہے

روز و شب ہے حالت انجام مے نوشی مجھے
کس کی آنکھوں نے دیا پیغام بے ہوشی مجھے

گو بظاہر تو گلے لگتا نہیں میرے تو کیا
ہے تصور سے ترے ہر دم ہم آغوشی مجھے

منحصر ہے شرح سوز دل پہ میری زندگی
شمع ساں مرتا ہوں گر یک دم ہو خاموشی مجھے

پھرے زمانہ جہاں تک ہے ہم سے یا نہ پھرے
کسی کے پھرنے نہ پھرنے سے کیا خدا نہ پھرے

شب تن زار بلا آہ کے سر رشتے میں
سوزن گم شدہ جوں آئے نظر رشتے میں

گریہ گو قائم تھا مژگاں ابھی ہوں گے نہ خشک
دیر تک ٹپکے ہیں باراں کے شجر بھیگے ہوئے

دل ڈھونڈنا سینے میں مرے بوالعجبی ہے
اک ڈھیر ہے یاں راکھ کا اور آگ دبی ہے

کیا پوچھتے ہو موجب آزردگیٔ یار
دل لے چکے مدت ہوئی اب جاں طلبی ہے

شب غم سے مری جان اُپر آن بنی تھی
جو بال بدن پر تھا سو برچھی کی انی تھی

شب گریہ سے وابستہ مری دل شکنی تھی
جو بوند تھی آنسو کی سو ہیرے کی کنی تھی

بیداد ہے فرہاد سے نسبت مجھے کرنا ☆
آخر یہ جگر کاوی ہے وہ کوہ کنی تھی

در تعریف پالکی نواب نامدار

نواب پالکی میں تری ہے وہ زرق برق
چشم ستارہ خیرہ ہوں جس کے خیال سے

اس لطف سے غلافوں کا ہے بانس پر کٹاؤ
طرّے ٹکے ہیں مہر کے گویا ہلال سے

در تعریف خاصہ

نواب! جہاں طعام پکتا ہو ترا
چاول ہے نچوڑنے کی گردوں صافی

مطبخ ہے ترا یہ اس قدر کم جس کی
تحصیل ہو سانبھر کی نمک کو کافی

در مدح باغ

کب باغ ارم ہے اس مکاں سے بہتر
جس کی ہے ہر اک سمت، جناں سے بہتر

☆ ل سے اضافہ۔

جو پھانک ہے رنگترے کی یاں کے قائم   ہے وہ لب شیرین بتاں سے بہتر

رباعیات

روٹی کے لیے کھایئے تم میر جی میر   کہیے تو بجا ہے آپ کو میر خمیر
پر میر ہوئے تم اس طرح کہ جیسے   ساگوں میں کوتھمیر، راگوں میں حمیر

نواب [illegible]سنا تیرا جو لشکر آیا   صد قافلۂ عیش دل کے اندر آیا
کیا کل سی ایک آگئی ہے دل کو گویا   اک عضو گیا ہوا جگہ پر آیا

میں نے نواب اپنا گھر ڈھنڈوایا   پر قابل نذر کچھ نہ تیرے پایا
یاں خوبیِ دہر سب مہیا ہے مگر   اک میں ہی نہ تھا سو آج میں بھی آیا

کیا کہیے کہ گرمی کے یہ دن کیسے ہیں   مفلس کی تسلی کو تو ہیں جیسے ہیں
گر بھول کے جا پڑے ہے خصیوں پر ہاتھ   دارائی کے دُلمیان میں دو پیسے ہیں

عہدہ سے ترنے ہم کو بر آیا نہ جائے گا   یہ ہار ہے تو ہم سے اٹھایا نہ جائے گا
ٹوٹا جو کعبہ کونسی یہ جائے غم ہے شیخ   کچھ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا

دل پا کے اس کی زلف میں آرام رہ گیا   درویش جس جگہ کہ ہوئی شام رہ گیا
قسمت تو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند   دو چار ہاتھ جب کہ سرِ بام رہ گیا

مارے ہیں ہم نگین سلیمان پہ پشت دست   جب مٹ گیا نشان تو گو نام رہ گیا
بے کسی اپنی کسے سونپ مروں   میں تو رکھتا تھا اس کو جاں کی طرح
رو سے نقاب کس کے اٹھا یہ کہ تا ہنوز   حیرت سے پشت آئینہ دیوار سات ہے

خدا کسی سے کسی دل کو آشنا نہ کرے   اگر کرے تو دم مرگ لگ جدا نہ کرے
بتوں کی دید کو جاتا ہوں دیر میں قائم   مجھے کچھ اور ارادا نہیں خدا نہ کرے
کسی بلا میں پھنسے، قید ہوئے، جان سے جائے   پر آدمی کو خدا تجھ میں مبتلا نہ کرے
یارب وہ دل نصیب بھی ہوگا کبھی مجھے ☆   مدت سے اس کی وصل کی ہے آرزو مجھے

☆ل سے اضافہ۔

ظالم میں چھپ کے جاؤں کہاں تیری قید سے
زنجیر پا ہے زلف کا ہر ایک مو مجھے

موقوف شغل گریہ مری چشم اگر کرے
اتنا رہے نہ پانی، کوئی چشم تر کرے

پہلے ہی سوجھتی تھی ہمیں اپنے شب فراق
یہ رات بے طرح ہے خدا ہی سحر کرے

جوں شاخ گل فکر میں میرے شکیب کے
میرا اگر اس چمن میں ہوا دار ہے کوئی

گو ہم سے تم ملے نہ تو ہم بھی نہ مر گئے
کہنے کو رہ گیا یہ سخن، دن گزر گئے

بھٹکا پھروں ہوں یاں میں اکیلا ہر ایک سمت
اے ہم رہان پیش قدم، تم کدھر گئے

درد دل کچھ کہا نہیں جاتا
آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا

ہر دم آنے سے میں بھی نادم ہوں
کیا کروں پر رہا نہیں جاتا

الٰہی واقعی اتنا ہی بد ہے فسق و فجور
پر اس مزہ کو سمجھتا جو تو بشر ہوتا

بناوے کوئی عمارت تو کس توقع پر
پڑا ہے قصر فریدوں بن آدمی سونا

یہ تیغ تیری اگر کاش مجھ پہ چل جاوے
میں زندگی سے چھٹوں اور ترا خلل جاوے

نیک و بد جو تجھے کرنا ہے سو کر لے قایم
پھر یہ امید نہیں ہے کہ جواں ہووے گا

گو نوحہ گر کہ خاک پہ میری ہو گرم شور
تھا اک چراغ گور سو وہ بھی خموش تھا

ہمارے درد دل کو آہ کب بیدرد بوجھیں ہیں
ہم اپنے جی سے عاجز ہیں، انھوں کو عیش سوجھے ہیں

روکے ہیں کون تیغ مری عشق نے کہا
بولا ادھر سے داغ جگر بے سپر، کہ ہم

صحرا یہ گر جنوں مجھے لاوے عتاب میں
کھینچوں ہر ایک خار کو پائے حساب میں

آوے خزاں چمن کی طرف گر میں رو کروں
غنچہ کرے گلوں کا صبا گر میں بو کروں

کھولے تھے چشم دید کو تیری، پہ جوں حباب
اپنے تئیں میں آپ نہ آیا نظر کہیں

رہنے دو میری نعش کو ہو جائے تا غبار
لے جائے گی اڑا کے نسیم سحر کہیں

اے دل برنگ غنچہ نہ مل گل رخوں سے تو
اپنی گرہ میں ان کے کھلانے کو زر نہیں

دل تو کہے سنے سے سمجھتا بھی ہے کوئی
جو کچھ کہو سو دیدۂ خانہ خراب کو

یار کیوں بکتے ہو بے فائدہ مجھ سے، جاؤ
اتنی کہتے ہو مجھے اتنی اسے سمجھاؤ

تجھ سے لگیں تھیں آنکھیں پھنسا مفت میں یہ دل
تقصیر تھی کسو کی، گرفتار ہے کوئی

نہ لگا دل کو اس کی مژگاں سے
اپنے حق میں تو کانٹے مت بووے

اٹھاوے ستم یا جفا، کیا کرے
بچارا یہ دل ایک، کیا کیا کرے

میں جاتا ہوں کعبہ سے اب دیر کو
بھلا یہ بھی دیکھوں خدا کیا کرے

نہ مرنے دیتے ہم قائم کو لیکن
خداوندی سے کچھ چارا نہیں ہے

یہ دل وہ جنس ہے کہ دیا گر کہیں اسے
دھڑکا یہی رہا کہ نہ دے باز پس مجھے

مرا کوئی احوال کیا جانتا ہے
جو گذرے ہے مجھ پر، خدا جانتا ہے

افغان و آہ کشتۂ بیداد کیا کرے
جو قتل ہو چکا ہو، سو فریاد کیا کرے

دل دے کے دیا میں تجھ کو جاں تک
کوئی اور جگر کرے کہاں تک

آمادۂ سوختن ہوں یک بار
اے برق مرے بھی آشیاں تک

کہدو مرے مزار پہ کوئی نہ لائے گل
ہیں داغ بے کسی کے جگر پر بجائے گل

نالوں سے عندلیب کے آیا۔ہے جی بہ تنگ
کن نے مرے مزار پر آ کر چڑھائے گل

جوں اشک ہر اک کے آگے رو کر
نظروں سے مجھے گرا گئیں چشم

میرا سالب و لہجہ کہاں مرغ چمن میں
گل کتروں ہوں سو رنگ سے میں طرز سخن میں

نگاہوں سے نگاہیں سامنے ہوتے ہی جب لڑیاں
یکا یک کھل گئی دونوں طرف سے دل کی گل چھڑیاں

کہتا ہے اس چمن میں لب جو پہ یوں حباب
کچھ یاں کی سیر اپنی تو خاطر نشیں نہیں

خوش رہ اے دل اگر تو شاد نہیں
یاں کی شادی پہ اعتماد نہیں

میں کہا عہد کیا ہمارا ہے
ہنس کے کہنے لگا کہ یاد نہیں

آ طفل سر شک مل کے رو دیں
میں بھی تری طرح بے پدر ہوں

چل دامن و آستیں تجھے کیا
لب خشک ہوں یا میں چشم تر ہوں

بیٹھیں پس کار خویش کیوں کر
جو ناز ترے اٹھا رہے ہیں

ظالم تو یہ نہ جان کہ تجھ سے خفا ہوں میں
ویسا ہی جاں نثار وہی آشنا ہوں میں

جور سپہر و دوری یاراں و روئے غیر
جو کچھ نہ دیکھنا تھا سو اب دیکھتا ہوں میں

آہ کیا کہیے ترے غم میں
آہ کیا کہیے ترے غم میں

کس دل نے مضطرب نہ کیا اضطراب کو
کس دن نہ پیچ و تاب دیا پیچ و تاب کو

اہل کرم کو آتش سوزاں سے ڈر نہیں
خطرا نہیں ہے برق سے ہرگز سحاب کو

تو اپنے واسطے اے باغباں نہ کاوش کر
بہت ہے سایۂ دیوار گلستاں مجھ کو

رہنے دے شب اپنے پاس مجھ کو
اوروں سا نہ کر قیاس مجھ کو

دل نازک و کار عشق در پیش
اپنا ہے نپٹ ہراس مجھ کو

حیرت نے کیا ہے اک جہاں کا
جوں آئینہ روشناس مجھ کو

عاشق نہ تھا میں بلبل، کچھ گل کے رنگ و بو کا
اک اُنس ہو گیا تھا اس گلستاں سے مجھ کو

جاتے ہو گر خواہ مخواہ
فبہا، بہتر، بسم اللہ

یک شب دیکھی جس نے وہ زلف
لاکھوں دیکھے روز سیاہ

جوں موج مرا قافلہ غافل ہے سفر سے
کیا جانے کہاں جائے گا آیا ہے کدھر سے

کس رات میں جوں گل نہ ہوا غرق لہو میں
کس دن نہ مری گود بھری لخت جگر سے

مر جایئے، کسی سے پر الفت نہ کیجیے
جی دیجیے تو دیجیے، پر دل نہ دیجیے

بیدادی ہے فرہاد سے نسبت مجھے کرنا
آخر یہ جگر کاوی ہے، وہ کوہ کنی تھی

کیا کیا عدم میں ہم پر ظلم و ستم نہ ہوں گے
چرچے یہی رہیں گے اور ہائے ہم نہ ہوں گے

یارب وہ دن نصیب بھی ہوگا کبھو مجھے
مدت سے اس کے وصل کی ہے آرزو مجھے

کیا دلِ غمزدہ ہوگا تو جسے شاد کرے
☆ یوں تری بندہ نوازی جو کبھو یاد کرے

کسے گل گشت گلشن کی ہوس ہے
اسیری کا جگر پر داغ بس ہے

سب ہست و نیست یاں کا دیکھا تو واہما ہے
جب تھا کبھو تو کیا تھا اور اب نہیں تو کیا ہے

کیا جانے ہم کہاں ہیں اور دین و دل کدھر ہے
عالم میں تفرقہ کی کس کے، کسے خبر ہے

مرا پیغامبر طرز ادائے راز کیا سمجھے
خدا جانے وہ جا کر کیا کہے، طناز کیا سمجھے

آج اے گریہ خبر لے مرے دیوانے کی
کچھ رکا جائے ہے جی گرد سے ویرانے کی

رات لیتا ہے زباں شمع کے منہ میں گل گیر
کیوں نہ پروانہ جلے بات ہے جل جانے کی

☆ یہاں سے 14 اشعار ل سے اضافہ۔

آج کی رات جو اس گل کا میسر ہو وصال
شمع روشن میں کروں خاک پہ پروانے کی

ساقی اب اور سے کر خرچ یہ انداز و مزاج
میں سمجھتا ہوں اشارت ترے پیمانے کی

شیخ! ڈھونڈے ہے جو تو حضرت قآیم کو تو دیکھ
اینڈتے ہوں گے کہیں کنج میں مے خانے کی

دل مرا چھین کے کہتا ہے وہ دلبر قآیم
جی جہاں چاہے تمھارا مری فریاد کرو

جیوں شاخ گل کمر میں ہے میرے پتنگ کی
میرا اگر اس چمن میں ہوادار ہو کوئی

جی تلک آتش ہجراں میں سنبھالا نہ گیا
گھر میں سب کچھ تھا ولے ہم سے نکالا نہ گیا

نہیں گر خاک وری دہر میں پیشہ بزرگوں کا
تو کیوں ڈالے ہے بیل اپنی؟

جوں موج مرا قافلہ غافل ہے سفر سے
کیا جانے کہاں جائے گا، آیا ہے کدھر سے

ہاتھوں سے زبس مردم بدبیں کے ہوا داغ
جوں تیلی میں چھپتا ہوں اب اپنی ہی نظر سے

تا شوخی نگاہ تری گرم ناز ہے
میران سینہ پیشکش ترکتاز ہے

معنی نہ درک میں ہو بغیر از وجود لفظ
آرے دلیل راہ حقیقت مجاز ہے

بوسہ دیا تو غیر کے دھوکے میں شب مجھے
لیکن ہر اک کسی کا خدا کارساز ہے

لب پہ خوارے کی جاری ہے یہ مصرع دم بدم
دے اگر خالق بلندی لیل پستی کیجیے

ناصحا کر نہ اسے سی کے پشیماں مجھ کو
کتنے کرنے ہیں ابھی چاک گریباں مجھ کو

اہل مسجد نے جو کافر مجھے سمجھا تو کیا
ساکن دیر تو جانیں ہیں مسلماں مجھ کو

نہ ہم کو غم نہ شادی کی ہی ہم امید کرتے ہیں
قلندر ہیں جو پیش آجائے سب کی دید کرتے ہیں

کہاں کا غرہ شوال و کیسا غرہ ذی الحجہ کا
نہیں ہاتھ آتی ہے جس دن ہم اس دن عید کرتے ہیں

رباعی دربارۂ استعانت خرچ گذرانیدہ

بس قبلہ نہ پیچ و تاب دیجے مجھ کو
دینا ہے جو کچھ شتاب دیجے مجھ کو
کچھ اور نہیں جو پاس دینے کو ترے
ہے منہ میں زباں جواب دیجے مجھ کو

نواب جو دعائیں کرتا ہوں حق میں تیرے
عشر عشیر ہو وے کاش اپنے وہ دعا گو
لیکن یہ اولاً ہے خیال مری یارب
صحت ہو تجھ کو صدقہ بیمار کربلا کا

قیسؔ، مرزا احمد بیگ

مرزا احمد بیگ[1] عرف مدارا بیگ قیسؔ تخلص، اصلش مشہد معلٰی و در لکھنؤ تولد یافتہ۔ شعرش بہ اصلاح میر جعفر علی حسرتؔ رسیدہ خالی از تلاش استادانہ نیست والد ماجدش پیشہ تجارت می کرد و جد بزرگوار متولی روضۂ مقدسہ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام بود و عزتی داشت:

دل مضطرب کا دیکھا عجب اضطراب الٹا
ہوا اور مضطرب تر جو ذرا نقاب الٹا

سننے بیٹھے ہو کہانی تو یہ کہدو مجھ سے
قصہ غیر کہوں یا کہ فسانا اپنا

رفتہ رفتہ اسے مغرور کرے گا آخر
دو قدم جا کے یہ اے قیسؔ پھر آنا تیرا

خواہش وصل میں وصال ہوا
لو یہ جھگڑا بھی انفصال ہوا

اس کے آتے ہی سب لگے کہنے
اب تو چہرا ترا بحال ہوا

دیکھنے کی بھر نظر ہے کس کو طاقت ہے غضب
رخ ہے اس کا یا کہ ہے صبح قیامت ہے غضب

پھول سا کملائے مکھڑا گرمیِ نظارہ سے
ہاتھ لگتے میلے ہو جانا لطافت ہے غضب

بار گیسو سے لچکتی ہے کمر ہر ہر قدم
دل تو پتھر اور بدن میں یہ نزاکت ہے غضب

سنگ جفا سے شیشۂ دل توڑ تاڑ کر
بس اٹھ گئے نہ کھیل کو پیارے بگاڑ کر

بستا ہوا مکاں مرے دل کا اجاڑ کر
کیا اٹھ گیا وہ ناز سے دامن کو جھاڑ کر

اٹھنا مرا محال ہے دست فنا بغیر
بیٹھا ہوں اس گلی میں قدم اب تو گاڑ کر

گر تجھے خاطر اغیار ہے اے جان عزیز
پھیر دے دل کو مرے مجھ کو بھی ہے جان عزیز

جب سے لگی اس بت کافر سے آنکھ
نیند تو کیا موت بھی آئی نہیں

لے کے ہم دل سے تو کیا جانے چلا جائے کہاں
تجھ سے عیار کو دل ہم سے دیا جائے کہاں

آتا ہے وہ، نہ آتی ہے مجھ کو بھی کل کہیں
یارو دعا کرو کہ اب آوے اجل کہیں

ہے ہم کو تم سے الفت اب تم سے کیا کہیں ہم
اور تم ہو بے مروت اب تم سے کیا کہیں ہم

کھڑا ہے وہ بت دلبر نظر بچائے چلو
خدا کے واسطے دل عاشقو چھپائے چلو

---

[1] ل: مرزا۔

جب سے سمند ناز پہ وہ شہسوار ہے — آوارہ و خراب یہ مشت غبار ہے
میں کہوں کچھ اور تیری گفتگو کچھ اور ہے — ہو گیا کچھ اور میں یا آج تو کچھ اور ہے
شاید اس گل سے کیا ہے تونے شب بوس و کنار — آج تو اے قیس تیرا رنگ رو کچھ اور ہے
ایک دن اس دل کے ہاتھوں آ بنے گی جان پر — واں ارادہ اور کچھ یاں آرزو کچھ اور ہے
تن پر مرے زخموں سے جا گہ نہیں خالی ہے — اور ہائے ستم اس نے پھر تیغ سنبھالی ہے
واں وہی یار کی اک آن چلی جاتی ہے — شدت شوق سے یاں جان چلی جاتی ہے
اس ستم دیدہ کے دن جب کہ بھلے آویں گے — بن بلائے مرے گھر آپ چلے آویں گے
وصیت ہے کہ میرا حال جب نوع دگر ہووے — تو مجھ کو دفن واں کیجو جہاں اس کا گزر ہووے
اک زلف پریشاں تھی پھر مانگ سنواری ہے — بیمار محبت پر کیا رات یہ بھاری ہے
کچھ دل کے اضطراب نے رسوا کیا مجھے — کچھ دیدۂ پُر آب نے رسوا کیا مجھے
آئینہ دیکھ دیکھ کے کہتا تھا کل وہ شوخ — اس عالم شباب نے رسوا کیا مجھے
پھرتا ہوں ہر کسی سے میں القاب پوچھتا — خط کے ترے جواب نے رسوا کیا مجھے
کل سبحہ، آج میں نے مصلیٰ کیا گرو — کیفیت شراب نے رسوا کیا مجھے
کہتے تھے قیسؔ یا لگے مجنوں پکارنے — اب اس نئے خطاب نے رسوا کیا مجھے

قدرتؔ، قدرت اللہ

شاہ قدرت اللہ قدرتؔ شاعری[1] شیریں کلام خوبی التیام از نسل شاہ عبدالعزیز شکر بار قدس سرہٗ برادر زادۂ میر شمس الدین فقیرؔ کہ ذکر خیرش در ردیف الفاء گذشت۔ در ہنگامۂ افاغنۂ ابدالی از دہلی رخت سفر بر بستہ بہ مرشد آباد بنگالہ استقامت گزید از آں جا بہ جوار رحمت کردگار پیوست بسیار عالی طبع فصیح بیان بغایت تیز ذہن بلاغت نشان بود۔ دست قدرتش از بازوے شعرش پیدا و زور طبعش از لب سخنش ہویدا:

ہنگامۂ پرہیز و ورع اب بسر آیا — اے بادہ کشاں مژدہ کہ پھر ابر تر آیا

---

1. اصل/ق: شاعریست۔

ہوا ہے عشق سے آکر مقابلا دل کا
بھڑا پہاڑ سے جا، بل بے حوصلا دل کا

سرشک و آہ ہے، شور جنوں ہے، وحشت ہے
عجب شکوہ سے جاتا ہے قافلا دل کا

کہاں ہے شیشۂ مے محتسب خدا سے تو ڈر
مری بغل میں جھلکتا ہے آبلا دل کا

سینہ اس کا ہے دل اس کا ہے جگر اس کا ہے
تیر بیداد جدھر منہ کرے گھر اس کا ہے

دل پر داغ ہے اور حسرت پابوسی ہے
دست امید ہے اور دامن مایوسی ہے

سرمہ آلود نگاہوں نے کیا دل ٹکڑے
اشک خونیں سر مژگاں پہ مرے طوسی ہے

شب تو جو گذری سو وہ یہ کچھ بلا انگیز ہے
روز بھی تجھ بن پیارے روز رستا خیز ہے

آہ اس کم فرصتی پر ہو نشہ سے کیا سرور
شیشہ تا خالی ہو جام زندگی لبریز ہے

مرکب تن کو گراں جانی نے یاں بھٹکا رکھا
جنبش ہر دم وگر نہ اس کو اک مہمیز ہے

جرم پر اپنی سیہ بختی کے روز حشر کو
ہاتھ میں قدرت کے تیرے زلف دست آویز ہے

دم تیغ کاہوں میں تشنہ لب مجھے مرگ سے سروکار ہے
اسے آب خضر نصیب ہو جسے زندگی پہ مدار ہے

حسرت اے صبح چمن ہم سے چمن چھوٹے ہے
مژدہ اے شام غریبی کہ وطن چھوٹے ہے

نوح کشتی سے خبردار کہ یاں سینہ سے
مرہم تازۂ ناسور کہن چھوٹے ہے

شب ہجراں کی مصیبت کو کہوں کیا قدرتؔ
تن سے جاں چھوٹے ہے اور جان سے تن چھوٹے ہے

کھٹکتا ہے سدا کچھ روز و شب خوں خار پہلو میں
ہوا اس دل کے ہاتھوں اک نیا آزار پہلو میں

سنا ہوگا وہ نام بے کسی سو اس کو کہتے ہیں
کہ نہ دل ہی رہا سینہ میں نہ دلدار پہلو میں

تسلی کب ہو دل کی ڈوبنے میں صرف پیکاں کے
مزا تب ہے کہ بیٹھے تا لب سوفار پہلو میں

اگر جلتا رہا اب کے میں اس کے ہاتھ سے قدرتؔ
نہ دوں گا ایسے دل کو پھر جگہ زنہار پہلو میں

ہم پر ایام مصیبت آج پھر آنے لگے
یار گھر جانے لگا اے وائے گھر جانے لگا

کس کی نیرنگ برق خاطر مایوس ہے
جو شرر دل سے اٹھا سو جلوۂ طاؤس ہے

حسن کو اپنے ہواداروں سے کاوش ہے مدام
پر طپش یاں شمع کی برق دل فانوس ہے

صبر و طاقت تو کبھی کے کوچ یاں سے کر گئے
اب وداع ننگ ہے اور رخصت ناموس ہے

قطعہ

کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
کیا ہے ملک روم وکیا ہی سرزمین طوس ہے

صبح سے تا شام ہوتا ہوے گلگوں کا دور
رات ہو تو ماہ رویوں سے کنار و بوس ہے

گر میسر ہو تو کس عشرت سے کیجے زندگی
اس طرف آواز طبل، اودھر سدائے کوس ہے

سنتے ہی غیرت یہ بولی اک تماشا ہے تجھے
چل دکھاؤں تو کہ قید آز کا محبوس ہے

لے گئی یک بارگی گور غریباں کی طرف
جس جگہ جان تمنا سو طرح مایوس ہے

مرقدیں دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے
یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے

پوچھو تو ان سے کہ جاہ ومکنت دنیا سے آج
کچھ بھی ان کے پاس غیراز حسرت وافسوس ہے

کل تو قدرتؔ پائے خم رکھتے تھے تسبیح ریا
آج رہن جام مے یہ خرقۂ سالوس ہے

قتیلؔ

قتیل [1] تخلص اوشاعر غراء فارسی مشہور ومعروف است درانشاء پردازی ہم مہارت کلی دارد قوم کھتری است بہ جرگۂ اسلامیاں درآمدہ از دہلی دربلدۂ جانفزای لکھنؤ رسیدہ [2] طریق تجرد پیمودہ فیض اصلاح سخن بہ شایقان این فن بخشیدہ بالفعل درفارسی گوئی عدیل خود کم تر دارد بہ تصنیف شعر ریختہ کہ بہ نظرش چنداں قدر نہ دارد متوجہ نمی گردد مگر گاہ گاہی۔ بہ ترغیب دوستاں زبانی بعض شاگردانش کہ بیتی از وشنیدہ بود مثبت گردانیدہ بالتحقیق ازوست:

جب [3] سے نظر جا پڑی اس ماہ جبیں پر
خورشید گرا شرم سے ہو زرد زمیں پر

قربانؔ، میر قربان علی

میر قربان علی قربانؔ سیدزادہ ایست از سکنہ ہائے عظیم آباد صاحب طبع شیریں گفتار سلیم الطبع

1 سرور: قتل تخلص المعروف (بہ) میرزا قتیل۔ زادو بوش پنجاب۔ 2 اصل/خ: اکثرش بہ فیض اصلاحش شاعرنامی گردیدند۔ 3 سرور: جب سے کہ۔

نیک کردار طبع خوش دارد:

نکالوں دل سے کیونکر اس کماں ابرو کے پیکاں کو
کہ آزردہ نہیں کرتا ہے کوئی اپنے مہماں کو

کب اس تیر نگہ کے روبرو کوئی بشر ہووے
اگر کچھ سامنے ہووے تو میرا ہی جگر ہووے

قاسم، قدرت اللہ خاں

حکیم میر قدرت اللہ خاں قاسم متوطن[1] دہلی مرید جناب مخدومی مولوی محمد فخر الدین رحمتہ اللہ علیہ از مقربان راجہ اجیت سنگھ بہادر است۔ در فن طبابت دستی دارد۔ از ہم دستاں پنجہ ربودہ و بہ وسعت اخلاق بہ ہر کہ ومہ ساختہ بلکہ قرعۂ تالف انداختہ اکثر بحال ایں[2] بندۂ ذکا ہم می پردازد۔ از جودت طبع دیوانی ضخیم باغزلیات ورباعی ومخمسات واقسام کلام جمع نمودہ مثنوی در بحر مثنوی[3] مولوی معنوی علیہ الرحمتہ ومثنوی دویم در بحر بوستاں تصنیف شیخ شیراز مرتب ساختہ بسیار مرد قابل است سر رشتۂ متانت کلام از دست نمی[4] دہد و تلاشے کامل بہ کاری بردورای[5] آن دیگر تصانیف اورا بے شمار وبالفعل در فن شاعری من جملۂ[6] استادان ایں عصر است[7]:

جہاں میں آن کر یا روز مین وآسماں دیکھا
وہی آیا نظر ہم کو، غرض ہم نے جہاں دیکھا

نظر آیا نہ جس کا پرتوا آفاق میں اس کا
یہاں اس بے بصیرت نے عدم سے آکے کیا دیکھا

رفتہ رفتہ داغ دل بھی نقش کاشانہ بنا
میہماں سمجھے تھے جس کو صاحب خانہ بنا

ہے جگر کاوی نصیب عاشقاں یاں تک کہ ہائے
استخواں اپنی سے بعد از مرگ بھی شانہ بنا

ہو گزر تیرا صبا گر کوئے قاتل کی طرف
صرصری کچھو نظر اک میرے بھی دل کی طرف

گئے وے دن کہ دو دو پہر تک مجھ ساتھ باتیں ہیں
بس اب خاموش گریاں میں ہوں اور ساون کی راتیں ہیں

کون کہتا ہے اسے دیدۂ گریاں ہے یہ
معدن لخت دل و منبع طوفاں ہے یہ

---

1 اصل/ق: ساکن دہلی۔ 2 اصل/ق: عاصی۔ 3 ل: مثنوی مولوی روم۔ 4 اصل/ق: ندادہ۔ 5 اصل/ق: سوائے ایں۔ 6 اصل/ق: یکے از۔ 7 سرور نے لکھا ہے کہ ان کے تذکرے کا مطالعہ کرنے سے خود تذکرہ مرتب کرنے کا شوق پیدا ہوا ان سے تذکرے کا مسودہ لے کر انتخاب کیا اور 1219 میں اپنا تذکرہ مرتب کیا۔ اپنے مکان پر مجلس مشاعرہ منعقد کرنے لگے۔

وہ رشک پری مجھ کو جس دم نظر آتا ہے
شیشہ میں میرے دل کے سو رنگ دکھاتا ہے

ہے کل کو سفر قاسم در پیش، نہ ہو غافل
تدبیر معیشت میں کیوں عمر گنواتا ہے

اللہ رے ناز تیرا، لیتا ہوں جبکہ چٹکی
کس کس ادا سے کافر کہتا ہے، کیا کرے ہے

ابر اس چشم سے چھینٹے جو لڑے پانی کے
ہم پھر اس وقت بھریں کچے گھڑے پانی کے

غرق ہو آئینہ میں عکس نہ کیونکر قاسم
بیشتر ڈوبے ہیں تیراک کھڑے پانی کے

شعلہ خو وہ، تر زباں ہم، دیکھیے کیسے بنے
آب و آتش یاں ہیں باہم دیکھیے کیسے بنے

نیاز اس کے بھلا کیا یہ مستمند کرے
دل شکستہ مگر ہے جو وہ پسند کرے

رفتہ رفتہ بت خوش قد ترا آفت ہوگا
ٹک قدم آگے دھرے گا تو قیامت ہوگا

ہائے رے شوخی جانا نہ کہ دل کو ٹھکرا
ایک انداز سے کہنا کہ اٹھانا کیا ہے

حرف مطلب کو لب شوق پر آنے نہ دیا
ضعف نے ہونٹ بھی مجھ کو تو ہلانے نہ دیا

صرصر آہ سے قاسم نہ بجھے گی ہرگز
آتش داغ جگر ہے یہ دوانے، نہ دیا

خط پشت لب جاناں کو دیکھا تو نے اے قاسم
سواد چشمۂ حیواں سے کیا سبزا لہکتا تھا

حقیقت زخم دل میرے کی اس مژگاں سے مت پوچھو
جو گذری جی پہ گھایل کے اسے پیکاں سے مت پوچھو

نہ استفسار ذوق عشق کیجئے اس کی آنکھوں سے
مزا خون جگر خواری کا مے خواراں سے مت پوچھو

کہیں جلدی قبول اب یہ دعا یارب ہماری ہو
کہ ہم ہوں، یار ہو، مینا ہو، مے ہو، آب جاری ہو

ہیں روسیہ و خستہ جگر مثل نگیں ہم
اے وائے کہ تس پر بھی نہیں خانہ نشیں ہم

پاؤں تلک جو پہنچا تصویر لکھتے لکھتے
مانی نے ہاتھ اپنا بے اختیار کھینچا

ہے تپ الفت نہایت اس کو مزمن باغباں
بلبل بیدل کو ظالم جلد قرص گل کھلا

گل کرے کا حُسن ہر اک سے بہ انداز دگر
طفل غنچوں کو ذرا دل دے کے اے بلبل کھلا

بوسۂ خال لب لعل بتاں نے دوستاں
کر رکھا ہے دل کو بندا اپنے کالے تل کھلا

دل نہیں یہ کہ مل اشکوں سے ہوا ہی نکلا
ساتھ مانڈا لیے اپنے ہی لگا ہی نکلا

یاد میں اس قد موزوں کی ہر اک نالہ و آہ
دل پُر درد سے ہو مصرع آہی نکلا

جب تجھے جانیں ہم اے دل کہ تو ہو یار پسند
ہے وہی جنس، کرے جس کو خریدار پسند

نہ کچھ فرہاد سے وابستہ، نہ موقوف مجنوں پر ۔۔۔ یہ عشق اے شفاں عاشقاں ہے بس دلہائے مجنوں پر

داغوں سے لالہ رو ہے یہ دل جس بہار پر ☆ ۔۔۔ ہوتی ہے یہ بہار کہاں لالہ زار پر

خوناب دل ہے یوں مژۂ اشکبار پر ۔۔۔ بیٹھا ہو سرخ جیسے شاخسار پر

پاؤں مشتِ غبار پر رکھیو ۔۔۔ گل نہ میرے مزار پر رکھیو

کشتۂ زلف ہوں جو مر جاؤں ۔۔۔ سنگ موسیٰ مزار پر رکھیو

کچھ تو پرواز کی رہے طاقت ۔۔۔ ایک دو تین چار پر رکھیو

پر پرواز تو کرتے ہو ۔۔۔ پر نظر اس شکار پر رکھیو

نہ ہونا مبتلا زنہار کوئی چشم میگوں پر ۔۔۔ سواد مردمک سے لکھ رکھو یہ خاک مجنوں پر

چھٹیں جب لعل ڈورے ان سیہ چشموں کی آنکھوں سے ۔۔۔ بہار شام غربت کیوں نہ پھولے اشک گلگوں پر

عاشق نہ ہوجیو کوئی روئے نگار پر ۔۔۔ لکھ دیجو دوستاں مرے لوح مزار پر

یہ تیرہ بختی اپنی غنیمت سمجھ دلا ۔۔۔ خال سیہ کو دیکھ لب لعل یار پر

سر بسر قول ترے اے بت خود کام غلط ۔۔۔ دن غلط، رات غلط، صبح غلط شام غلط

دیکھے ہے زلف چہرۂ گلفام کی طرف ۔۔۔ یاں کفر کو بھی میل ہے اسلام کی طرف

اللہ رے فرہاد، تری گرمی عشق آہ ۔۔۔ اٹھتا ہے دھنواں سا سر کہسار سے اب تک

ہمدم لب جاناں سے ہے دیکھو، نئے قلیاں ۔۔۔ ہم تکتے ہیں منہ بیٹھے گنہگار سے اب تک

شعلہ سے کوہ طور کے روشن ہے داغ دل ۔۔۔ شمع حرم سے کم نہیں اپنا چراغ دل

ہیں اشک جگرگوں سے یہ مژگاں پہ بہاریں ۔۔۔ جیسے لب دریا ہوں چراغاں کی قطاریں

جوں کاکل آشفتہ پریشاں ہوں ہم اے وائے ۔۔۔ جمعیت خاطر سے وہ زلفوں کو سنواریں

ہے قہر کہ حیرت زدۂ حسن تو ہم ہوں ۔۔۔ اور آئینہ لوٹے ترے مکھڑے کی بہاریں

بوسہ کے اشارے پہ وہ کچھ ہونٹوں میں کہہ کر ۔۔۔ منہ پھیر کے بولے انھیں کہہ دو کہ سدھاریں

گال رومال سے پونچھے ہے وہ مہ رو دیکھو ۔۔۔ ہے یہ مضمون نیا شمس و قمر جھڑتے ہیں

دشنام دے مناتے ہو روٹھے کو آن میں ۔۔۔ کیا جانے کیا فسوں ہے تمھاری زبان میں

☆ چھ شعر ل سے اضافہ۔

نہ ہنس بولو چمن میں تم کسی سے آہ جانے دو ذرا غنچوں کو کھلنے دو، گلوں کو کھلکھلانے دو

لگاتی ہیں یہ آنکھیں آگ، اشکِ تر بجھاتا ہے ہماری خوش گذرتی ہے، لگانے دو بجھانے دو

ہمارا دل گھر اس کا ہے وہ جو چاہے کرے اس کو بناوے تو بنانے دو اگر ڈھاوے تو ڈھانے دو

جوانی ہے، جنوں ہے، جوشِ گل ہے، وحشتِ دل ہے خدا کے واسطے مانع نہ ہو دھو میں مچانے دو

کھلا جس وقت یاں زلف و رخِ دلدار کا پردا وہیں اٹھ جائے گا ہر کافر و دیندار کا پردا

دور بھی کیجے کہیں روئے حسیں کا پردا یہ نکالا ہے بھلا تم نے کہیں کا پردا

مژہ اس ترک کافر کیش کی آفت سراسر ہے یہ ناوک ہے، سناں ہے خنجر برّاں ہے، جمدھر ہے

یہ بت گر سر عزم تسخیر ہوں گے تو باللہ اکبر جہانگیر ہوں گے

کہا مان قاسم نہ روک آنسوؤں کو یہ لڑکے ہیں ناحق گلو گیر ہوں گے

تو نے کیوں کان میں ڈالے ہیں یہ دو دو بالے ٹک ادھر دیکھیو او زرد دوپٹہ والے

میں جو ہیں زلف کو چھیڑا تو وہ اک کھا کے بل بولا یہ باتیں کرتے ہو تم دیکھو مار کھانے کی

تو نے یوں ہم سے سر رشتۂ الفت توڑا جیسے تار نفس باز پسیں ٹوٹے ہے

اُدھر بدن میں لگی آگ، آبلے نکلے ادھر یہ لختِ دل آنکھوں سے آب لے نکلے

کون سا دل آج کل اس کا نہیں مشتاق ہے ان دنوں وہ ماہ رو اک شہرۂ آفاق ہے

دل ہے اور ہجومِ گل، چشم واشکباری ہے سیر باغِ رضواں ہے، لطف آب جاری ہے

اس آہ نارسا کو عرشِ اعظم تک رسائی ہے پر اس دل تک پہنچتی ہے تو یہ باد ہوائی ہے

شب تاریک میں جیسے کوئی تارا چمکتا ہو نمود اس طرح اس جوڑے پہ تعویذ طلائی ہے

دم بہ دم آئینہ دل کو صفا ہے اپنے کس کی آمد ہے الٰہی کہ یہ گھر جھڑتا ہے

خالِ مشکیں ترے چہرے پہ بنایا کس نے چاند سے مکھڑے کو یہ داغ لگایا کس نے

ٹوٹا یہ شیشۂ دل، میں نے کہا تو بولے ٹوٹا تو کیا کروں میں، ٹوٹو مری بلا سے

اب نہیں ہے مطلق امید شفایابی مجھے بے طرح دینے لگی دکھ دل کی بیتابی مجھے

کوئی دھنتا ہے سر، کوئی، کفِ افسوس ملتا ہے جنازہ تیرے کشتہ کا جدھر ہو کر نکلتا ہے

میں کرتا ضبطِ گریہ، بس اگر چلتا کچھ آنسو سے نہیں تھمتا وہ لڑکا جو نکل جاتا ہے قابو سے

گردوں پہ تیرے دل کو جو ہے عاج کی سوجھی
تشبیہ قدیمی ہے، نہیں آج کی سوجھی

صبر و دل و دیں تاب و تواں دیکھتے ہی ہائے
اس ترک ستم گار کو تاراج کی سوجھی

قطعہ

سیر چمنستاں کو گیا صبح جو قاسم
اے یار زر گل پہ مجھے تاج کی سوجھی

نرگس کے کٹورے پہ نظر جو ہیں پڑی بس
بے ساختہ پھر ساغر پکھراج کی سوجھی

رباعی

یہ کہنہ رواق میں نے سارا دیکھا
سب میں جلوا غرض تمھارا دیکھا

مطلق [1] نہیں کوئی شے بھی تم سے خالی
پنہاں دیکھا اور آشکارا دیکھا

ولہ

بے طرح ورق ہو اپنے برہم دل کا
کوئی نہیں یار دوستِ محرم دل کا

تجھ بن کیا کہتے آہ اے راحت جاں
کچھ اور ہی ان دنوں ہے عالم دل کا

ولہ

احوال کہوں میں آہ کیا آنکھوں کا
گھر ہجر میں تاراج ہوا آنکھوں کا

اب [2] دیکھنے کو نہیں در اشک اے وائے
سب جوہری بازار لٹا آنکھوں کا

ولہ

جی آٹھ پہر ہے یوں تو مضطر میرا
پر رات کو تڑپے ہے دل اکثر میرا

اے زلف دراز یار قصہ کوتاہ
تجھ بن ہے حال سخت ابتر میرا

---

[1] اصل/ق: مطلق نہیں کوئی تم سے خالی پیارے۔ [2] ل میں ندارد۔

ولہ

لکھیے جو سوز جاں منگا کر کاغذ
ہوتا ہے راکھ جل کر سراسر کاغذ

ایسی تحریر کو نہیں ہے قاسمؔ
دل کے پرزوں سے اور بہتر کاغذ

شیدا[1] تری صورت کا میاں دل ہے ہمارا
فرہاد تو کیا قیس بھی قایل ہے ہمارا

تا دشت قیس یارو مذکور ہے ہمارا
آوارگی کا قصہ مشہور ہے ہمارا

مقابل کون اس سج دھج میں ہے اے گل بدن تیرا
بہ ایں آزادگی بندا ہے شمشاد چمن تیرا

گریباں پھاڑ، سر کو پھوڑ، نعرہ مارتا قاسمؔ
چلا دشت جنوں کو، واہ رے دیوانہ پن تیرا

نہیں میں چھیڑ سے خوباں کی باز آنے کا
مزا پڑا ہے مجھے گالیاں ہی کھانے کا

کریں جو چشم کو ہم نم، تو ہو جہاں تہ آب
زمیں تمام تہ آب و آسماں تہ آب

نخل ایمن، شمع کعبہ، سرو گلزار ارم
ہے وہ شمشاد رواں ان سب سے کچھ بالا نصیب

جی سے اس دل کو ہے وہ ابروئے خمدار پسند
یعنی جانباز سپاہی کو ہے تلوار پسند

اے بتاں کیجے قبول ان زلف کے ماروں کی عرض
کافرو مانو کبھو تو ہم سیہ کاروں کی عرض

خورم وہ شب کہ دلبر ہو غم گسار عاشق
پوچھے خوشی سے سن سن سب حال زار عاشق

خوناب دل ہے یوں مژۂ اشکبار پر
ہوتی ہے یہ بہار کہاں لالہ زار پر

کیوں سیر چمن کیجے برائے گل صد برگ
ہے یاں دل صد پارہ بجائے گل صد برگ

بوسہ بھی جو لب سے ترے پانے کے نہیں ہم
بے فائدہ یوں گالیاں کھانے کے نہیں ہم

مینا بغل میں ہے نہ مے غم تراش ہے
خوناب دل ہے یا یہ دل پاش پاش ہے

بل بے شکوہ گرمیٔ حسنِ بتاں جہاں
خورشید محشری علم دور باش ہے

قدرتؔ، قدرت اللہ

شیخ قدرت اللہ قدرتؔ وی از ساکنین دار الخلافت شاہجہاں آباد از یاران وشاگردان محمد

---

1. اصل میں یہاں سے حاشیہ پر۔

عارف کہ ذکرش بصدر گذشت:

قاصد شتاب جا کے خبر لا تو یار کی
حالت نپٹ بری ہے دل بیقرار کی

ہماری خاک پر کہتی یہ بلبل بیقرار آئی
ارے کس نیند سوتا ہے دیوانے، اٹھ بہار آئی

وہ دن آیا ہے، کسی کو نہ کوئی یاد رہے
نامِ مجنوں رہے نہ شہرت فرہاد رہے

قربآں، میر محمدی

میر محمدی قربآں از دہلی پسر مولانا امام الدین عرف میر کلو فقیر، جوان نیک نہاد خوش اختلاط پاکیزہ وضع مستحکم ارتباط، سخاوت و مروت آئین وفتوت آگین از ملازمان نواب ظفر یار خاں بہادر است۔ شعرش بہ اصلاح حکیم ثناء اللہ خاں فراؔق رسیدہ۔ بہر حال حافظہ نیکو دارد و تلاش درست:

ہم بھی اپنے دور میں سرکش بہت تھے میکشو
کاسۂ سر کو نہ ٹھکراؤ خدا کے واسطے

آگے ایسا تو ترا گرم یہ بازار نہ تھا
دوسرا میرے سوا کوئی خریدار نہ تھا

منہ سے پردا اٹھائے گا کب
اپنی صورت دکھائے گا کب

اب تو جاتے ہوجایئے بارے
سچ کہو آپ آئے گا کب

نیند آتی نہیں ہے اب ہم کو
ساتھ ہارے سلائے گا کب

کوئی دم میں یہ جان جاتی ہے
اب نہ آئے تو آئے گا کب

وعدہ کرتے ہی رہے آئے نہ پر رات کی رات
دیکھیے کب ہے نصیبوں میں ملاقات کی رات

شب فرقت میں روتا ہوں نہیں کچھ معلوم
ہجر کی رات ہے یارب کہ ہے برسات کی رات

بیماری دل سے تو مسیحا نہیں واقف
بچنے کا نہیں مجھ کو ہے آزار ہی کچھ اور

ہجر میں خواب ہے کہاں قربآں
نیند آوے اگر تو سو دیکھو

چار دن کی نہ تو اس گرمی بازار کو دیکھ
اور سے کام نہ رکھ اپنے خریدار کو دیکھ

بال و پر ٹوٹ گئے کنج قفس میں صیاد
جان بر لب ہے ذرا صید گرفتار کو دیکھ

تلواروں میں ہے مغربی تلوار ہی کچھ اور
پر تیری بھی ہے ابروئے خمدار ہی کچھ اور

قدرؔ

قدرؔ تخلص شخصی بود در دہلی، وارستہ مزاج بہ حدے کہ قید مذہب نہ داشت و آزادانہ بسر می برد
ایں شعر کہ بہ وضع شاعران[1] ہم عصر اوست مشہور:

آئے ہو آج تو رہ جاؤ یہاں[2] رات کی رات — لیلۃ القدر سے بہتر ہے ملاقات کی رات

قاصرؔ، مرزا ابر علی

مرزا ابر علی بیگ قاصرؔ، وی جوانی مغل زائے است از ساکنین شاہجہاں آباد۔ حکیم ثناء اللہ خاں فراقؔ و میاں غلام ہمدانی مصحفی شعرش را بہ اصلاح کامل خود رونق بخشیدہ۔ مرد سپاہی منش، پاکیزہ روش پاکیزہ خصایل، نیکو شمایل است از چندی پیشۂ بہبود تجارت اختیار کردہ:

طاش کی اوڑھی جو ہے ان نے رضائی سر پر — برق صدقہ وہیں ہوتی نظر آئی سر پر
کیوں نہ عاشق کے رہے روز لڑائی سر پر — توپ کی آپ نے اوڑھی ہے رضائی سر پر
مغتنم جان کوئی دم تو ہماری صحبت — آخرالامر کھڑی ہے یہ جدائی سر پر
شب خیال زلف مشکیں مجھ کو کس کا آگیا — سربسر جو میری آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا
میرے آگے نہ کبھو غیر کا تو دل رکھنا — سنگ اچھا نہیں شیشے کے مقابل رکھنا
سخت جانی ہے گلوگیر ترے بسمل کی — ہاتھ تھا تجھ کو دم ذبح نہ قاتل رکھنا
تیرے ابرو سے مہ عید نے سیکھے ہیں یہ طرز — نیم نظارہ پہ ایک خلق کو مایل رکھنا
دل میں اس بت کے مرے نالے اثر کیونکر کریں — یہ برنگ شعلہ اس پتھر میں گھر کیونکر کریں
کیا سوز جگر اپنے کو تحریر کروں میں — جل جائے زباں میری جو تقریر کروں میں
ہے جی میں کہ ہو جس میں رقم حسن کی قیمت — اس فرد کو سر دفتر تقدیر کروں میں
اس رشک پری کا جو ملے ہاتھ کا توڑا — اپنے دل دیوانہ کو زنجیر کروں میں
کس رنگ سے گلشن میں کروں گل پہ نظر میں — اب غنچہ صفت باندھ چکا رخت سفر میں

1 اصل/ق: بوضع زباندانان۔ 2 اصل/ق: بجن۔

کیوں نہ رکھوائیں جنازہ پہ اب آئینہ کو ہم	دل میں جاتے ہیں لیے حسرت دیدار چلے
میں وہ میکش ہوں چاہیے چالیس قدم	ساتھ لاشے کے مرے خانۂ خمار چلے
ظلمت زلف بتاں میں نہ گذر پیک نگاہ	اس مسافر کو خطر ہے جو شب تار چلے
اس[1] کا شمیم کا کل گذرے اگر چمن سے	بہر ثنا نکالے[2] سنبل زباں دہن سے
وہ ہوش رُبا جس دم وا کردہ نقاب آوے	موسیٰ کا تو کیا منہ ہے، یوسف کو نہ تاب آوے
خداجانے تمھیں کیا ننگ ہے لب یاں کے آنے سے	وگرنہ مجھ تک آسکتے ہو پیارے ہر بہانے سے
اپنے داغ دل سے خورشید قیامت سرد ہے	روبرو میری فغاں کے شور محشر گرد ہے
مری ہمدم یہ صورت ہے، اِدھر ہنسنا اُدھر رونا	گل و شبنم کی خصلت ہے ادھر ہنسنا اُدھر رونا
گر درد نہاں مجھ سے عیاں ہو نہیں سکتا	تم سے بھی تو کچھ چارہ گراں ہو نہیں سکتا
خط دے کے تمھیں میں نہ چلوں ساتھ تمھارے	مجھ سے تو یہ اے نامہ براں ہو نہیں سکتا
اس زار سے ہے تجھ کو عزم مجادلہ کیا	شعلہ کا اور خس کا ظالم مقابلہ کیا
کیوں نہ ایک ٹھوکر واں احیائے صد جاں دادہ ہو	دست بستہ معجز عیسیٰ جہاں استادہ ہو
گاہے گلا، تغافلِ دلبر سے ہے مجھے	گہ شکوہ اس کی چشمِ فسوں گر سے ہے مجھے
کل اس بہار سے وہ گل بدن نظر آیا	کہ وقف دے ہمیں رنگ چمن نظر آیا
نالہ کیجے جو کبھو سوز نہاں سے پیدا	شمع ساں چاہیے ہو شعلہ زباں سے پیدا
تیرے عاشق کی شب قدر یہ تقدیر الٹی	کہ لگائی ملک الموت نے شمشیر الٹی
کس کی برگشتہ نگاہوں کا ہوں بیمار کہ آہ	یاں مسیحا کی ہوئی جاتی ہے تدبیر الٹی

قایمؔ، شیخ قایم علی

شیخ قایم علی قایمؔ ساکن قصبہ اٹاوہ، در ابتدا امیدوارؔ تخلص می کرد۔ بعد چندی قایمؔ تخلص نمود شعرش اگر چہ بہ اصلاح ہیچ یکے از استاد وقت نہ رسیدہ الا بہر کیف بہتر است وطرز خوش دارد:

جس زمیں پر کہ وہ گل پوش نگار آجاوے	گر خزاں کا بھی ہو موسم، تو بہار آجاوے

1۔ اصل/ق: اس گل کی بوے کاکل۔ 2۔ اصل/ق: نکالیں غنچے۔

روز و شب پھرتے ہیں کوچہ میں ترے دلدار ہم　　　ہو کہیں قسمت کہ پاویں اک نظر دیدار ہم

قاضی، عبدالفتاح

قاضی عبدالفتاح قاضی تخلص شخصی است از سیادات ضلع سنبھل و مراد آباد وغیرہ کہ احوال بود و باش او بہ ایں حقیر سراپا تقصیر بندۂ ذکا خوب معلوم نیست۔ اکثر فکر فارسی می کند گاہی ریختہ ہم بر روی کار آرد۔ ایں [1] رباعی منسوب بہ اوست:

دنیا میں تو ہم نے کچھ نہ حاصل دیکھا　　　دیکھا جو نہ دیکھنے کے قابل، دیکھا
جب چشم کھلی تو چشمۂ خضر کو بھی　　　مانند سراب عین ساحل دیکھا

قدرت، مولوی قدرت اللہ

مولوی قدرت اللہ قدرت ساکن رامپور مرد صاحب علم و سخن فہم و خوش و آشنا پرست و خدا دوست واقع شدہ۔ از چند ماہ طرح مراختہ بہ خانۂ خود انداختہ و تذکرۂ شاعران ریختہ گو بہ سلک تحریر در آوردہ۔ ایں خوشہ چین خوان فیض سخنوراں [2] از طبع زاد آں استاد زماں دو [3] شعر بہ تلاش بہم رسانید:

ولہ

لاکھوں جلاوے مردۂ صد سالہ آن میں　　　فیض دم مسیح ہے اس کی زبان میں
نکلی تھی رات دل سے مرے بے دریغ آہ　　　ہنگامہ ایک پڑ گیا ہفت آسمان میں
انصاف بھی ضرور ہے یہ ظلم تا کجا　　　کتنوں کے گھر تو جاتے رہے امتحان میں

قرار، میر حسن علی

میر حسن علی قرار سید صحیح النسب از دہلی است۔ بزرگانش عمدہ معاش بودہ اند۔ وے جوان چسپاں اختلاط مستحکم ارتباط صاحب طبع پاکیزہ وضع بہ نظر آمد۔ شعرش را میر نصیر الدین رنج اصلاح

---

1. ل میں یہ جملہ نہیں۔ 2. اصل/خ: یعنی بندۂ ذکا۔ 3. کذا در اصل؛ ولی در حقیقت سہ شعر درج کردہ شدہ است۔

فرمود۔

کب سے آنکھیں نہیں لگیں ذوق جراحت میں ادھر — ہائے حسرت، اٹھتے اٹھتے دست قاتل رہ گیا

کیا روانہ ہوگئی کشتی رفیقوں کی قرار — پہنچ کر اسباب اپنا تا بہ ساحل رہ گیا

لیتا وہ خبر اے دل رنجور کسو کی — گر زندگی ہوتی اسے منظور کسو کی

آیا نہ دم نزع بھی میرے سر بالیں — از بس کہ بہت وضع سے تھا دور کسو کی

ٹک بھر کے نظر دیکھنے کی آہ تمنا — دل میں ہی رہی تا بہ لب گور کسو کی

مدہوش سمجھ ہر گھڑی کرتی ہے تغافل — دل لے کے مرا نرگس مخمور کسو کی

کس طرح قرار اس سے کروں درد دل اظہار — سنتا ہی نہیں وہ بت مغرور کسو کی

قرین

قرین تخلص از ساکنین لکھنؤ[1] است شاگرد میر جعفر علی حسرت فکر درست دارد۔ بیتی کہ از وبہم رسیدہ بود بر رشتۂ تحریر کشید:

ولہ

پیارے بے وفا یا با وفا ہو — غرض تم دل کے لینے کی بلا ہو

قسمت، شمس الدولہ

نواب شمس الدولہ بہادر قسمت تخلص، عمدہ زادۂ مہین پور صاحب فراست وشعور نواب یادگار قلی خاں مرحوم است۔ بہ عمدہ معاشی وثروت وشوکت تمام در اضلاع مشرق اوقات عمر گرامی خود بسر می برد۔ درفن لطیف ریختہ گوئی نسبت تلمذ بہ میر جعفر علی حسرت دارد ودر مناقب ومرثیہ گوئی مہارت کلی بہم رسانیدہ۔ اشعاری چند کہ بہ ایں عاصی انواع المعاصی دست دادہ دریں جاثبت افتادہ:

مژگان تر ہیں تیرے ابر بہار قسمت — دامان کوہ و صحرا یک بار تر تو کرجا

بے مہر مرا گر شب مہ بام پر آوے — اک ماہ دویم ماہ فلک کو نظر آوے

---

[1] اصل/خ: لکھنوی یعنی۔

جوں ماہ منور ہو شب تار ہماری — قسمت وہ اگر چاند سی صورت نظر آوے

امیدوار بوسۂ لب ہے کھڑا کوئی — دیتا ہے تجھ کو دیر سے پیارے دعا کوئی

تو ہے وہ اے صنم کہ تری چھب کو دیکھ کر — کہتا ہے کوئی تو نام خدا کوئی

قاصد اگر گذر ہو ترا کوئے یار میں — کہیو کہ آرزو میں تری مرگیا کوئی

پھر مجھ کو کیا جو غیر کے تم جا کے گھر رہے — میرے تو ساتھ وعدۂ شام و سحر رہے

آتی نہیں کسو کی جو اب تک صدائے پا — واماندگان قافلہ یارب کدھر رہے

جو دل لے کر ہمارا دشمن جاں یار جانی ہے — تو اس سے موت ہے بہتر کہ پھر کیا زندگانی ہے

نہیں کوئی زیست کی صورت بقول مصحفی قسمت — نہ نامہ ہے نہ قاصد ہے نہ پیغام زبانی ہے

دیکھا کہ جنس دل کے طلب گار تم نہیں — پھرتے ہو بوالہوس سے، خریدار تم نہیں

الٰہی یا تو میرے دامن دلدار ہاتھ آوے — نہیں تو ہاتھ کی اس کے کہیں تلوار ہاتھ آوے

اِدھر سے میں کھڑا ہوں کھینچ لینے کی تمنا پر — اُدھر سے کاش کے تیرا بھی تا دیوار ہاتھ آوے

قلندر: شاہ قلندر

شاہ قلندر قلندر، او درویش بود از تلامذۂ مرزا جانجان مظہر۔ آزادانہ اوقات زندگانی بسر می برد:

اس زمانہ میں ہے کہاں اخلاص — مثل عنقا ہے بے نشاں اخلاص

اس بنستی پوش کو گر پایئے — آرزو دل کی جو ہے بھر لایئے

جی کو سر زندگی نہیں ہے — کیا جی کے کروں کہ جی نہیں ہے

تھمتے ہی تھمے گا اشک ناصح — رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے

قبولؔ

قبولؔ تخلص۔ شاعری از دیار شرقیہ است۔ سخن[1] بہ تلاش می گوید۔ ایں شعر برجستہ از تالیف

1۔ ل میں یہ جملہ ندارد۔

اوست:

دل یوں خیال زلف میں پھرتا ہے نعرہ زن   تاریک شب میں جیسے کوئی پاسباں پھرے

قلق

قلق تخلص از دہلی است۔ خلف الرشید نواب قلندر علی خاں بہادر۔ جوانی شایستہ بسیار خوش خلق و پُرحیا اہل مودت باوفا، طریق مروت باخویش و بیگانہ مرعی و مسلوک می دارد و بخوبی پیش می آید۔ در مرثیہ خوانی کمالے بہم رسانیدہ۔ ایں مطلع غریب از فکر خوب اوست:

گر رخش یار خاک پہ اپنی پھرا کرے   پھر کون جا کے منتِ باد صبا کرے

قلندر، قلندر بخش

قلندر بخش زبان دانی شیریں کلام خوش تلاش بہ اقسام اوصاف متصف و انواع خوبی مشتہر است۔ شعری از تالیف ساختۂ اوایں کمتریں می نگارد:

نہ جھاڑ زلف کو اپنی غضب کے شانے سے   کہ جان لپٹتی ہے اس کی ہر اک شکن کے ساتھ

قاسم، مرزا

قاسم[1] مرزا شخصی از سخن گویان اسلاف بود۔ کلام بہ حسب رویۂ وقت طرح می داد۔ ایں بیتی از و نوشتہ شد:

گلی میں سر کے لب سی لے سوال ہے خال کا دانا   ہوئے جوگی تو کیا یاں، واں جدھر نکلے تدھر نکلے

قرار، جان محمد

جان محمد قرار متوطن لکھنؤ شاگرد شاہ ملول از چوبداران ملازم سرکار فیض نواب وزیر الممالک بہادر است۔ فکر درست دارد:

1۔ قاسم کا ذکر لکھ کر خارج کر دیا اور لکھا کہ "بسبب عدم پسند خاطر موقوف کردہ شد۔"

کر قتل مجھے اس نے کیا نام قضا کا — وہ کام کیا جوکہ نہ تھا کام قضا کا

ہے ناز سے اس کے یہی پیغام قضا کا — کیوں نام کیا آپ نے بدنام قضا کا

جس وقت سے تو اٹھ گیا اُس وقت سے ظالم — ہے منتظر اب یہ دل ناکام قضا کا

اس دل کو مرے حلقۂ کاکل میں پھنسایا — معلوم ہوا یہ بھی تھا اک دام قضا کا

یاد قرار آوے ہے وہ ہجر میں ظالم — غم دے ہے مجھے ہجر میں پیغام قضا کا

کہتی ہے قضا یوں ترے نخچیر کے منہ پر — اے مرگ رسیدہ تو نہ جا تیر کے منہ پر

اپنا ہی جگر ہے کہ یہ جھیلے ہے سدا زخم — رستم بھی نہ آوے تری شمشیر کے منہ پر

تصویر مری اس کی، تو یوں کھینچیو مانی — تصویر کا منہ جیسے ہو تصویر کے منہ پر

عالم کو گرفتار کیا دام بلا میں — حلقے کو دکھا زلف گرہ گیر کے منہ پر

جا سکتے نہ تھے جس کی چپر کھٹ کے برابر — شب اس نے سلایا ہمیں کروٹ کے برابر

گھر اس کے شب و روز رہے کیونکہ نہ برسات — یہ دیدۂ گریاں ہے مہاوٹ[1] کے برابر

---

[1] ل: برحاشیہ "نام موسمی کہ دراں ہم باراں می بارد"۔

ردیف الکاف

کوچکؔ، مرزا وجیہ الدین

مرشدزادۂ عالمیان مرزا وجیہ الدین بہادر عرف مرزا کوچک غفراللہ ذنوبہ متخلص بہ کوچک[1] از چندی عنان یکران عزیمت بہ لکھنؤ منعطف ساختہ بودند۔ ازاں جا بہ فردوس بریں مسکن فرمووند[2] اشعاری کہ از طبع زاد آں بخت بلند بہ سمع ایں مستہام رسید بہ احاطۂ تحریر درآوردہ:

درویش کو تو خوش رکھ، خوش تجھ سے خدا ہوگا　　اک بوسہ ہمیں دیجا، جا تیرا بھلا ہوگا

یاں تلک پاؤں میں پھپھولے ہیں　　کہ قدم بھر چلا نہیں جاتا

دل بھی دوں اور جان بھی کوچکؔ، پر اپنا دیں نہ دوں　　آخر اپنے نام کو مرزا وجیہ الدین ہوں میں

کلیمؔ، میر محمد حسین

میر محمد حسین شاہجہاں آبادی کلیم تخلص، والد میر حسن تجلی سید صحیح النسب[3]، شاعر مضبوط فارسی و ہندوی بود۔ فکر رسا و طبع معنی زا، داشت۔ چونکہ ہم عصر مرزا محمد رفیع سوداؔ و میر محمد تقی میرؔ استادان نامی آں زماں بود، اکثر غزل ہای در بحور طویل بہ مقابل مرزا عبدالقادر بیدلؔ می گفت و بخوبی سر انجام می داد۔ دیوانی فارسی مملو بر انواع سخن و اقسام کلام از وشہرۂ آفاق است۔ اکثر بہ میدان ریختہ گوئی ہم رخش[4] ہمت خود در ارخصت جولاں می داد۔ حاصل ایں کہ از جملہ مغتنمات بودہ است:

ولہ

آتی ہے دل پہ قلقل مینا سے اب شکست　　وے دن گئے کلیمؔ کہ یہ شیشہ سنگ تھا

1۔ اصل/خ: فرزند کوچک حضرت شاہ عالم بادشاہ غازی خلداللہ ملکہ وسلطنتہ۔ 2۔ سرور: جنازہ اش را از لکھنو بہ دار الخلافہ آوردہ نعش را بہ درگاہ...... حضرت نظام الدین...... مدفن ساختند۔ 3۔ سرور: نبیرۂ میر۔ 4۔ ل: رخش ہمت تازد۔

نقاب اپنے رخ سے جو تو باز کرتا — تو گل اپنی خوبی پہ کب ناز کرتا
وفا کا ہوں پر بستہ، نہیں توڑا پنجرا — چلاجاتا جنگل کو پرواز کرتا

لغزش مستی سے گرائے بے خبر، اور سجدہ کر — یا برنگ شیشہ ہوجا چشم تر، اور سجدہ کر

درازی شب ہجراں زلف یار کلیم — مجھی سے پوچھ کہ کاٹی ہے رات آنکھوں میں

نیرنگی جمال سے حیرت نشا نہ ہوں — طاؤس جلوہ زار ہوں، آئینہ خانہ ہوں
مانند پہلہ گو نہیں گیرائی مجھ کو لیک — اُس ترک مومیان کی کمر کا میں شانہ ہوں

قافلے کتنے گئے کوئی نہ سمجھا کیا ہے — شور کر کہتی رہی بانگ درا کیا کیا کچھ

اس کے ابرو کی اگر تصویر کھینچا چاہیے — اول اپنے قتل پر شمشیر کھینچا چاہیے

تاب اس کی زبان پر آئے — پھر خرابی جہان پر آئے

عرق نہیں، ترے رو سے، گلاب ٹپکے ہے — عجب یہ بات ہے، شعلے سے آب ٹپکے ہے
مری مژہ کو ہے تاک بریدہ سے نسبت — لہو[1] کہ جس سے کہ ہردم شراب ٹپکے ہے
رکھوں میں آنکھوں میں کیونکر تجھے کہ ہے برسات — یہ ایک گھر ہے سو خانہ خراب، ٹپکے ہے

تا صبح تجھ بغیر عجب میرا رنگ تھا — روشن تھی شمع، آہ دل اس پر پتنگ تھا

چھپا ہے آ،مرے چشم پُر آب میں دریا — کسی نے دیکھا ہے اب تک حباب میں دریا

قطعہ

جمعہ کو کہتا تھا واعظ سے کھڑا رند مست — کچھ نظر میں تجھے بھی سود و زیاں ہے کہ نہیں
یہ سخن ہے نہ پیے مے، سو وہاں پیوے گا — یاں تو پی لیجے خداجانے[2] وہاں ہے کہ نہیں

ہو چکے حشر کئی جنت و دوزخ میں خلق — رہ گیا میں ترے کوچہ میں گرفتار ہنوز

ہر تار پیچ زلف کے عالم کی جان ہے — گویا یہ اژدھا تھا کہ سب کو نگل گیا
قربان اس اکڑ کے، عجب یہ مروڑ ہے — آشفتہ ہوگئیں پہ نہ زلفوں سے بل گیا

کیا رقیب پردہ در کی آج میں ماری ہے میخ — خلقہ در کی نمط گھر سے اسے بیرون کیا

---

1 اصل رق: لہو کہ چشم سے۔ 2 اصل/ق: کیا جاییے۔

نشاں مجھ دل کا مت پوچھو، یہ مجنوں
کہیں اس طرف دیوانہ بن کے ہوگا

لگا جب غیر سینے ہم طبق ہونے وہ مہماں کش
وہ اپنے ہاتھ دھوتا تھا میں اپنے ہاتھ ملتا تھا

کیا ہوا زلف سے گرہ کھولی
میرے سر کا تو یہ گرہ نہ گیا

قبر میں بھی لیے ہمراہ گیا اپنے کلیم
آہ کیوں درد دل اپنا نہ کسو کو سونپا

وہی اک ہے جوان دونوں گھروں میں خلق ڈھونڈے ہے
بس اے زاہد اگر مسجد سے بت خانہ ہوا تو کیا

سر بھی ہے تیغ بھی ہے، لگاتا ہے تو لگا
کہیو نہ جان پھر کے کہ یہ جی چھپا گیا

زبان موج سے یوں بحر کہتا تھا حبابوں سے
کہ اپنا سر ہی کھایا ہے جہاں میں، جس نے سر کھینچا

اے شمع تیری باری ہے شب کو، کہ شام تک
اپنے دنوں کو جتنا میں رونا تھا، رو چکا

عمر رفتہ کا نہ پایا کھوج ہرگز اے کلیم
آپ کو جوں شمع میں ہر انجمن میں گم کیا

تو نہ آیا باغ میں شمشاد غم سے خم ہوا
طوق قمری کا فغاں سے حلقۂ ماتم ہوا

کس پریشاں نے قدم رکھا ہے پیچ و تاب سے
جادہ آتا ہے نظر جوں زلف کچھ برہم ہوا

ہمیں تو پاؤں پر بھی سر کے رکھنے کو نہ فرمایا
ملیں ہم خاک میں اور لیں مزا داماں، یا قسمت

لالہ و گل سے ہے کیا کام کہ میری وحشت
مجھ اُپر لاتی ہے اک رنگ سے رنگ دیگر

زلف کو خواب میں دیکھا تھا جنوں سے، شب کو
صبح بیدار ہوا، دیکھی گلے میں زنجیر پڑی

جو صدا آتی ہے اس وادی سے، ہے سینہ خراش
یہ کوئی دل روتا جاتا ہے، نہیں بانگ جرس

ہم گم ہوئے ہیں ضعف سے جوں بو میان باغ
پھرتا ہے رنگ گل کہ ہمارا کرے سراغ

جوں کعبتین گھر میں مرے کُل یہ ہے بساط
یک مشت استخوان ہوں اور شش جہت سے داغ

پوچھ مت غم کی داستاں اے دل
کہ پڑا ٹوٹ آسماں، اے دل

تم جام دو پیارے کیونکر کریں نہیں ہم
خون جگر تھا تو بھی پی ہی گئے ڈ ہیں ہم

تو یار مل کے ہم سے جب ایک ہوگیا ہو
کس کو بعید جانیں کس کو کہیں قریں ہم

تم ہو تو ہم کہاں ہیں ہم ہیں تو تم کہاں ہو
یا تم ہی سب ہو ہم میں، یا ہیں گے سب ہمیں ہم

طریق عشق میں مجنوں و کوہ کن کی نہ کہہ
ہزاروں ہوگئے غارت سو ایک دو، معلوم

مانند سرو ہوں کہ نہ گل ہے نہ بر مجھے
بیکار باغ ہوں نہ سزاوار باغ ہوں

رنگ اڑا، مرجھا گیا اور چہرہ شرمندہ ہوا — تجھ ستے گل پر ہوئی کیا کیا خرابی باغ میں

نَے وطنبور میں یہ شورش تو ہے معلوم اے مطرب — کسی کا دل ہوا ہے شاید اس پردہ میں آ، نالاں

کسی سے بھی نہ ملیے ایک گوشہ میں پڑے رہیے — یہ فرصت یاں نہیں ملتی ہے مرجانے میں ہو تو ہو

دیوانہ ترا واری پہ اتنی اگر آوے — منہ دیکھو فلاطوں کا جو عہدے سے بر آوے

تری جناب میں آیا ہوں یا اللہ نہ پوچھ — یہی کہ بخش دے اور مجھ سے کچھ گناہ نہ پوچھ

اب دم شمردگی سے مجھے کاروبار ہے — ہر دم مرے حساب میں روز شمار ہے

غرور حسن کیا ممکن کسی کی داد کو پہنچے — غرض تم سن چکے احوال، ہم فریاد کو پہنچے

جہاں میں یہ میں نہیں جانتا، کہاں تو ہے — پر اتنا جانوں ہوں سب تو ہی ہے، جہاں تو ہے

رباعی

گل رو تو چمن میں اچپلی سے نہ گیا — یہ دل بھی گلی سے بے کلی سے نہ گیا

جو کوئی گیا چھوڑ گیا دل کو یہاں — کوئی دل سے تری گلی سے نہ گیا

رباعی

ہر چند لگاتے ہیں بتاں گل منہدی — تیرے ہی قدم تلے گئی رُل منہدی

ہیہات ہیہات کیا وہ ہو وے گا ہاتھ — جس ہاتھ ستی داغ ہوئی گل منہدی

رکھے ہے انتظار دیدۂ یعقوب ہر مُو سے — ہر اک مرا گویا خمیر خاک کنعاں ہے

دانہ اشک سے دن ہجر کے گنتے گنتے — چھالے پڑ گئے ہیں پنجۂ مژگان کے بیچ

کریمؔ، کریم اللہ خاں

کریم اللہ خاں کریمؔ تخلص قوم افاغنہ از چندی ذوق سخن گوئی در خاطرش جا گرفتہ، طرز سخن طرازی او دردمندانہ[1] مفہوم می شود:

---

1 اصل/ ق: عاشقانہ معلوم۔

نہ تھی قدرت تجھے گر رو برو جانے کی کریمؔ　　زیرِ دیوار ہی جا نالہ سنایا ہوتا

کلامیؔ، غلام نبی خاں

غلام نبی خان کلامیؔ از[1] ہمدان، واعزہ[2] ہائے نواب عمادالملک غازی الدین خاں مرحوم است۔ بہ سبب اعتماد در سرکا نواب صاحب ممدوح تقرب تمام وعزت مالا کلام می داشت۔ از چندی ریختہ گوئی شعار[3] وعادت افتادہ[4] طرز گفتار خوب دارد:

خیال رو کا ترے اس قدر ہے آنکھوں میں　　مژہ نچوڑوں تو اس سے گلاب ٹپکے ہے

کاملؔ، مرزا کامل بیگ

مرزا کامل بیگ کاملؔ قوم مغل سپاہی پیشہ۔ ایں قطعہ بنام[5] آں شنیدہ می آید:

مژگاں سے گر بچے دل ابرو کرے ہے ٹکڑے　　یہ بات میں نے کہہ کر جب اس سے داد چاہی
کہنے لگا کہ ترکش جس وقت ہووے خالی　　تروار پھر نہ کھینچے تو کیا کرے سپاہی

کمترؔ، کمتر شاہ

کمتر شاہ کمترؔ درویش، ساکن لکھنؤ است۔ طبع موزوں دارد۔ ایں قطعہ از تصانیفش مرقوم گشت[6]

طفل اشک آنکھوں میں جس کو میں نے پالا تھا　　دیکھتے ہو اے مردم لوٹنے کی جا ہے یہ
سو وہ آبرو میری خاک میں ملانے کو　　منہ پہ گرم ہو، آیا زور ماجرا ہے یہ

کلوؔ، میر کلو

میر کلو ساکن دہلی از اقربایان خواجہ میر دردؔ۔ ایں شعر از طبع زادش بہم رسیدہ[7]:

صدا فقیروں کی تم گر سنو گے کیا ہوگا　　ذرا ادھر بھی نظر پھینکنا، بھلا ہوگا

1۔ از سکنائے دہلی۔ 2۔ اصل/ق: مصاحبین وتربیت یافتگاں۔ 3۔ اصل: برحاشیہ۔ 4۔ اصل/ق: اوست۔ 5۔ ل: بنام اوست۔ 6۔ ل سے اضافہ: این قطعہ از وست۔ 7۔ ل: رسیدہ بود۔

کافر، میر نقی

میر نقی متخلص بہ کافر از شاعران سلف شخصی بود، سید پیشہ سپاہ گری می کرد و در عہد آسودہ مہد حضرت فردوس آرام گاہ اوقات زمانہ بہ او مساعد بود۔ بہ خوشی و عمدہ معاشی می گذرانید:

کس کس طرح بتوں کی صورت نے رنگ پکڑے — کافران انکھڑیوں نے دیکھے ہیں کیا جھکڑے

کمتر

کمتر تخلص، وی از فرخ آباد است۔ اگر چہ ایں خاک پا[1] اتفاق ملاقاتش نہ یافتہ، الا زبانی خوارج معلوم شد کہ از چند سال شغل شعر گوئی اختیار نمودہ از علوم متعارفہ بہرہ اندوز و باخبر است و تلاش تازہ دارد:

دل مبتلا ہے ابروئے مشکیں کمند پر — شیشہ رکھا ہے ہم نے یہ طاق بلند پر
رہتا ہے جس جگہ پہ وہ صید افگن جہاں — کیا دخل اس جگہ کو، جو مارے پرند، پر

کاظم

کاظم تخلص، از ساکنین دہلی است۔ نسبت تلمذ بہ محمد نصیر الدین نصیر دارد۔ تازہ گو است:

ہے دل میں مرے آہ تمنائے شہادت — یارب کہیں پھوٹے کف قاتل کا پھپھولا
شبنم رخ گل پر نہیں کاظم یہ سحر کو — پھوٹا ہے کہیں پائے عنادل کا پھپھولا

کبیر، حکیم کبیر علی

حکیم[2] کبیر علی کبیر ساکن قصبہ سنبھل و از شیخ زادہ ہائے انصاری است۔ مرد صاحب علم پاکیزہ معاش خوش خلق یار باش دریافت شد۔ گاہ گاہی بہ سخن سرائی می پردازد۔ ایں شعر از وست:

ایک ہی یار سے جی ناک میں آیا ہے کبیر — زیست معلوم اگر ایسے ہی دو چار ملے

1۔ اصل خاک پارا۔ متن تصحیح قیاسی۔ 2۔ حکیم کبیر خاں علی......در فن طبابت مہارتے دارد۔

کرامتؔ، میر کرامت علی

میر کرامت علی کرامتؔ ساکن قصبہ شکار پور خلف میر امانت علی نبیرۂ سید مراد علی بخاری اورنگ آبادی است۔ بہ وضع خاندان ستودہ عنوان خود وارستانہ و آزادانہ بہ درویشی بسری برد۔ از وست[1]:

کوئی لے تو میں حق کا گھر بیچتا ہوں	درخت جگر کا ثمر بیچتا ہوں
ملے گر مجھے عشق کی بیقراری	دو عالم کے سارے ہنر بیچتا ہوں

کاملؔ، لالہ ٹھاکر داس

لالہ ٹھاکر داس المتخلص بہ کاملؔ خلف راجہ رام، قوم کشمیری پنڈت ہمراہ[2] رکاب نواب ناظم الدولہ ارجیلڈ مسٹر سیٹھن صاحب بہادر از قصبۂ بریلی بہ بلدۂ شاہجہاں آباد وارد گشتہ بہ علاقۂ وکالت عدالت دہلی[3] مامور شد۔ انسان ظریف و معاملہ فہم و رمز شناس دانای زباں و اہل تفرس نیک قیاس بہ نظر افتاد۔ چند[4] اشعار منتخب او عاصی ذکاؔ بریں کارستان نگاشتہ۔ بہر حال[5] سلیقۂ ریختہ گوئی درست دارد و کلام مربوط می گوید:

پلٹ کر جو دیکھا سر راہ اس نے	لگا تیر اک باز گشتی جگر پر
پوچھیو شیریں سے کچھ بھی تلخ کامی ہے تجھے	مفت جو مارا گیا فرہاد تیرے ہاتھ سے
بلبلیں سب اس چمن کی کر رہی ہیں اے خزاں	شور و غوغا نالہ و فریاد تیرے ہاتھ سے
خون عاشق سے رنگے جب ہاتھ، کاملؔ نے کہا	رنگ اب تو یہ ہوا ایجاد تیرے ہاتھ سے
میوہ و آب و ہوا جوں جنت الماوا میں ہیں	کوئی ملک ایسا نہیں سنتے مگر کشمیر ہے
جو عشق میں تیرے ہو گرفتار، کیا کرے	پتھر پہ سر نہ مارے تو لاچار، کیا کرے
کہتا ہوں میں سرک مری بالیں سے اے طبیب	تیری دوا کو عشق کا بیمار، کیا کرے

1۔ ل سے اضافہ۔ 2۔ ل: ہمرکاب۔ 3۔ اصل/خ: ضلع دہلی۔ 4۔ اصل/خ: چوں بہ علت ہم پیشگی مدام یا مخلص اتفاق بودن یک مکان وہم کلامی ماند چند اشعار منتخب از و نویسانیدہ۔ 5۔ ل میں ندارد۔

گھایل ہوا ہو جو کہ ترے خط سبز کا ۔۔۔ آرام اس کو مرہم زنگار کیا کرے
روز جزا ہر ایک کے اعمال پیش ہیں ۔۔۔ ثمرا ہمارا دیکھیں یہ کردار کیا کرے

کمالؔ، شاہ کمال الدین حسین

شاہ کمال الدین حسین[1] کمالؔ ساکن قصبہ مانک پور، بزرگانش بہ منصب داری حضور معلیٰ سرفراز بودند۔ از شاگردان رشید میاں قلندر بخش جراتؔ است در لکھنؤ قیام دارد از تعلقات دنیوی در گزشتہ و بہ زہد و ورع اوقات[2] خود بسر می برد:

کیوں تو پھرتا ہے دلا گرد اس کے سودائی ہوا ۔۔۔ لطف کیا ملنے کا ہے اس سے، جو ہر جائی ہوا
جز شکست شیشۂ دل کچھ نہ دیکھا اس کا کام ۔۔۔ مرتفع جس دن سے یاں، یہ چرخ مینائی ہوا
دین و دل عشق بتاں سرو قد میں لٹ گیا ۔۔۔ تھا جو سرمایا مرا سب خرچ بالائی ہوا
قیس کو الفت میں مت میری برابر تو سمجھ ۔۔۔ عشق کو کیا خاک سمجھے گا، جو صحرائی ہوا
غنچۂ دل کو دم سرد سے جیسے ہے شگفت ۔۔۔ یوں صبا سے نہ کبھو غنچۂ تصویر کھلا
تیر سا ایک کلیجے میں مرے آن لگا ۔۔۔ اس کی مژگاں کا تصور جو کیا دھان لگا
شہرت لعل لب یار جو ہے شہر بہ شہر ۔۔۔ چھپنے اب سنگ میں بس لعل بدخشان لگا
بوسہ لبوں کا مجھ کو ملے گا کہ گال کا ۔۔۔ کچھ تو جواب دیجیے مرے سوال کا
پھرا نامہ بر جو واں سے بصد اضطراب الٹا ۔۔۔ دیا شاید ان نے خط کا، میرے جواب الٹا
دل کے ہر داغ کا ہے رنگ کچھ اے یار، نیا ۔۔۔ سیر کر تو بھی کہ پھولا ہے یہ گلزار نیا
کس طرح کہیے نہ پھر بوقلموں جلوہ اسے ۔۔۔ رنگ ہر لحظہ دکھاتا ہے وہ دلدار نیا

1۔ مصحفی (ہندی) معروف بہ شاہ کمال چشتیہ ولد قادر نواز خاں ...... از چندے والد ایشاں در موضع محی الدین پور کہ متصل صوبہ بہار است کہ بطریق ایمہ و خارج جمع بنام ایشاں مقرر است توطن گزیدہ۔ چنانچہ تولدِ شاہ مذکور در ہماں موضع واقع شدہ لیکن نشو و نما در عظیم آباد یافتہ ...... بہ لکھنؤ وارد شدہ ...... پیشتر شعر خود از نظر محمد قایم می گذرانید حالا از چندے رجوع ایں امر بہ قلندر بخش جراتؔ دارد ...... عمرش از سی سال متجاوز خواہد بود (نسخۂ رامپور)۔ 2۔ ل: اوقات می گذارد۔

اعتماد اس کے ہو پھر قول پہ کیونکر جن کی
دم بہ دم بات نئی، ہر گھڑی اقرار نیا

اوجھل نظر سے ہووے کیوں کر خیال اس کا
آنکھوں میں اس کی صورت، دل میں خیال اس کا

زلف کے کوچہ میں جو آیا دل اپنا، کھو گیا
عقل سے جاتا رہا، مایل بہ سودا ہو گیا

غم نے آتے ہی مری تاب و تواں کو لوٹا
کُھد گیا مفت میں جو کچھ تھا دفینا میرا

یہ بھی کوئی بیٹھنے کا بزم میں اسلوب ہے
جوں جوں ہم آگے بڑھیں، آپ سرکتے جاویں

پاس اپنے کل جو گلشن میں بٹھایا آپ نے
چٹکیوں میں غنچہ ساں کیا کیا اُڑایا آپ نے

شوق سے کر سر، مے خواروں کے یکدست قلم
پر، سر شیشہ نہ کر اے بت بدمست قلم

پی کے مے تاک کے مجھ کو ہے ستاتا وہ مست
ہو الٰہی شجر تاک در و بست قلم

چشم کیفی کا کروں اس کی جو کچھ وصف رقم
چلے کاغذ پہ ابھی شکل سیہ مست قلم

کیوں کہ بیتابی دل اس کو لکھوں اپنی کماؔل
وقت تحریر جو کاغذ پہ کرے جست قلم

کاش دل سوزِ غم سے جل جاوے
کہیں قصہ مٹے، خلل جاوے

ساقیا جام میں لایا ہے تو پھر آتش و آب
مے نہیں، مجھ کو تو آتی ہے نظر آتش و آب

کمترؔین، پیر خاں

پیر خان[1] کمترؔین شاعری بود در دہلی قوم افغان، ہم عصر شاہ مبارک آبرؔو۔ وضع رندانہ داشت و اشعار مضحکانہ می گفت، وقت شام در چوک نواب سعد اللہ خاں مرحوم آمدہ پرچہ ہائے کاغذ کہ اشعار تصنیف خود براں نوشتہ موجود داشت، می فروخت۔ چونکہ شہرت داشت شایقانِ[2] اشعار وی بہ قیمت می خریدند و جہت تفنن طبع بیشتر اشعار ایہام ہجو آمیز طرح می داد۔ اگرچہ ایں عاصی دریں نسخہ ہجو ہیچ کسے نہ نوشتہ الا بہ مقتضائے ضرورت[3] ولاچاری کہ از شاعر ہذا ایں قسم اشعار برروئے کار آمدہ، بایں امر مبادرت نمودہ اول ہجو متصدیاں کہ حامل پیشۂ ایں بندۂ راقم است بقلم دادہ:

1۔ سرور نے ان کا نام پیر خاں لکھا ہے۔ دوسرے تذکروں سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ غلط ہے۔
2۔ اصل/ق: اکثر کساں؛ ل: اکثر شایقاں۔ 3۔ اصل/ق: بمقتضائے لاچاری کہ ایں شخص سوائے ہجویات اشعارے دیگر بروئے کار نیامدہ بایں امر مبادرت نمود۔

نداف کا جو لڑکا بیٹھا دوکان اوپر / گالوں کو صاف کر کے بیچے ہے خوب روئی

کل ہم سے اس طرح سے باورچی قبولی / قلیہ پکا کھلاؤں میں تم کو اپنے خوش کا

اگر بھانڈوں سے متصدی نہیں ملتے ہیں ذاتوں میں / تو پیسے کیوں کماتے ہیں یہ نقلیں کر، براتوں میں

اگر چہ چڑوہ بھڑ بھوجے مگر گھر گھر کہاتے ہیں / بھڑیوں کی کمائی سے دوکان پر قل کہاتے ہیں

پلاکر مست لفرا نیکو تاڑی / اگاڑی اصطبل کے جا بچھاڑی

لگا پت جھڑ مرے اس نیم جاں کو / کبھو کر دے مزے میٹھی نبولی

نو خصم گن کر مشلچن نے کیے / تو بھی نہیں رہتی دو شاخہ بن دیے

دیکھو پکوان والی کی مزاخیں / خصم کے روبرو دیتی ہے شاخیں

کیفی، میر ہدایت علی

میر ہدایت علی کیفی شخصی[1] سید از سیادات بارہ، شاعر فارسی است۔ گاہ گاہی ریختہ ہم از طبعش می چکد:

دل جا پھنسا جو زلف میں اس کی تو کیا کروں / دام بلا میں آپ گرفتار ہوگیا

دوراں میں اس قدر ہے جو آشوب ان دنوں / کیا فتنہ اس کی چشم کا بیدار ہوگیا

اے دل جو ضعف سے تجھے آزار ہوگیا / کس کی نظر لگی کہ تو بیمار ہوگیا

تیغ میں تیری میاں کیا آب ہے / دیکھ اسے دل تشنہ ہے، بیتاب ہے

بے قراری سے ٹھہرتا ہی نہیں / دوستاں یہ دل ہے یا سیماب ہے

کم گو، مرزا حبیب اللہ بیگ

مرزا حبیب اللہ بیگ کم گو، ساکن بلدۂ خیرآباد مضاف[2] صوبہ اودھ۔ تلاش پاکیزہ دارد۔ ایں اشعار فصاحت شعار از تالیف او بہ بندۂ ذکا رسیدہ:

مجھے یہ سبزۂ نو خیز خط حیرت میں لایا ہے / کہ چار ابرو ہے جاناں یا خم ابرو کا سایہ ہے

---

1. اصل رق: شخصی است۔ 2. اصل/: حاشیے سے اضافہ۔

کمال الدینؔ

کمال الدینؔ شاعری قدیم۔ ہمگی الفاظ اسم مبارک خود در مقطع غزل می دارد و طرز سخنش از زباں دان اسلاف مطابق است۔ ایں فرد[1] نسبت بہ وی دارد:

اے صنم تجھ عشق میں جی کو گنواؤں تو سہی — عاشقی کے پنتھ میں عاشق کہاؤں تو سہی

کاشی ناتھؔ

کاشی[2] کاشی ناتھ پسر لالہ بوندہ رائے، پیشکار دفتریں متوطن قصبہ بیانہ۔ طبع خوش دارد۔ ایں دو شعر از وست:

اس دل کا اے طبیب سمجھ کر علاج کر — مدت سے ہے یہ عشق کا بیمار، دیکھنا

کٹاری آب دار اس شوخ کی، منصور جانے ہے — انا الحق بولنے لاگے ہے اس کے زخم کا بسمل

1. اصل/ق: ابیات۔ 2. ل سے اضافہ۔

ردیف الکاف الفارسی

گریاںؔ، میر امجد علی

میر امجد علی گریاںؔ از لکھنؤ است۔ انسان خوش اختلاط، مستحکم ارتباط، مسموع شد۔ فکر بدیع دارد دو شعر از تصنیف او کہ بہ ایں ہیچمداں بہم رسید بقلم سپرد:

سنے قصہ اب اک دم جو، مرے درد و مصیبت کا ✿ نہ لیوے زندگی بھر نام پھر ہرگز محبت کا

مجھے جب دیکھنا تب ہاتھ سے مکھڑا چھپا لینا ✿ نکالا طور اس نے زور یہ صاحب سلامت کا

گمانؔ

گمانؔ تخلص، شاگرد اشرف علی خاں فغاںؔ ساکن دہلی، از چند سال بہ تلاش روزگار برخاستہ رفتہ دیگر[1] از احوالش کماہی آگہی نیست مگر شاعر[2] صاف گو معلوم می شود:

تری[3] یہ تیغ میاں کاش مجھ پہ چل جاوے ✿ چھٹوں عذاب سے، جھگڑا مٹے، خلل جاوے

واسطے جس کے سبھی مجھ کو بُرا کہتے ہیں ✿ وہ جو سنتا ہے تو کہتا ہے بھلا کہتے ہیں

گریاںؔ، غلام محی الدین خاں

غلام محی الدین خاں گریاںؔ، ساکن قصبہ جھنجھانہ، خلف مولوی ساجد کہ جامع علوم بود اکثر فارسی و گاہی ہندی ہم می گفت زبانی پسرش کہ برائے تلاش روزگار بہ دہلی بود ایں شعر مسموع نمودہ و تحقیق ساختہ برنگاشتہ:

گریاں کرور کوس ہے عنقا سے میرا یار ✿ معشوق کا مکان ہے وہ لامکاں کہ بس

گریاںؔ، حسام الدین ہجو

میر حُسام الدین عرف میر ہجو متخلص بہ گریاںؔ از دہلی بہ ضلع مرشد آباد رفتہ بود از آں جا بہ

1۔ ل: دیگر حال او معلوم نیست۔ 2۔ اصل/ق: شاعر تازہ۔ 3۔ ل: تری یہ کاش میاں تیغ۔

جوار رحمت کردگار[1] رسید۔ بیشتر بہ مناقب[2] و مرثیہ گوئی طبع مصروف می داشت۔ گاہی غزل ہم از و سرمی زد:

اے وائے ہم نے آنکھیں تھیں کس گھڑی لڑائیں
جو ایسی اب جفائیں ظالم تری اٹھائیں

دن وصل کا دکھا کر افسوس کج روی سے
راتیں ہمیں فلک نے پھر ہجر کی دکھائیں

کیا آنے کی صنم کے گریاںؔ خبر سنی ہے
جو بے قرار دل ہے پھڑکے ہے آنکھ بائیں

گرفتاؔ، مرزا سنگی بیگ

مرزا سنگی بیگ متخلص بہ گرفتاؔ ابن رحیم یار خاں مرحوم، قوم مغل ساکن دہلی از شاگردان شیخ ظہور الدین حاتمؔ اکثر اشعارش[3] بسیار گرم و دلچسپ است۔ نہایت خوش فکر بود و محاورۂ زبان بطور استاد خود می داشت:

ساقی یہ غنیمت ہے جو دم جام سے گذرے
اس عالم فانی میں بھروسا نہیں دم کا

فایدا ہے کیا قفس میں نالہ و فریاد کا
نرم کب ہوتا ہے بلبل سنگ دل صیاد کا

جستجو دنیا کی مت کر، اے گرفتار اس قدر
کیا بھروسا ہے جہاں میں عمر بے بنیاد کا

جور و جفا جو دل نہ سہے آہ کیا کرے
دیوانہ ہو رہا ہے ستم گر کی آن کا

مکھڑے سے اس صنم نے جو پردا اٹھادیا
واللہ کیا کہوں کہ اک عالم دکھا دیا

خانہ خراب عشق کا ہو اور کیا کہوں
خواب عدم سے سوتوں کو ناحق جگادیا

ہے کشمکش میں آج گرفتار کیا سبب
دام بلا میں پھر کہیں دل کو پھنسا دیا

دوپٹہ کی کناری اس قدر چمکے ہے مکھڑے پر
پڑا مہتاب کے ہے گرد گویا ہالہ آتش کا

آج وہ دن ہے کہ دشمن سے بھی مل جاتے ہیں
عید کو بھی نہ گلے ہم کو لگانا، کیا خوب

اس طرف گذرے اگر، اس شہسوار حسن کو
اے صبا کہیو ہماری خاکساری کی خبر

لطف سے تیرے تو کچھ دور نہیں، پر ہم کو
ناتوانی سے ہے ہر ایک قدم کی منزل

خدا کے واسطے کوئی کہو میرے مسیحا کو
جو آنا ہے تو آ کوئی رمق ہے جان آنکھوں میں

---

1 ل: پروردگار۔ 2 ل: مناقب می گفت (آگے ندارد)۔ 3 ل: اشعارش دلچسپ اند۔

شکایت ترے جور کی کیا کریں ہم　　خدا جو دکھاتا ہے ہم دیکھتے ہیں
جھجک کر ترا منہ چھپانا غضب ہے　　میاں چشم بد دور، ہم دیکھتے ہیں
جگر جل گیا آتش غم سے اپنا　　تعجب ہے آنکھوں کو نم دیکھتے ہیں
جلتا ہے جگر جا کے کہو دیدۂ تر کو　　اے خانہ خراب آگ لگے ہے ترے گھر کو
ہم جاویں کہاں کہہ تو، ترے چھوڑ کے در کو　　لے کر دل غمگین کو، اور دیدۂ تر کو
او قاتل بے رحم لگا اور بھی اک وار　　بسمل ہے سسکتا، تو چلا چھوڑ کدھر کو
کیا گھٹا اُمڈی ہے ساقی چرخ نیلی فام سے　　بادہ نوشوں کو چھکا جلدی لبا لب جام سے
وصف میں آنکھوں کی، حیراں ہوں کہ نسبت کس سے دوں　　چشم آہو سے، گل نرگس سے، یا بادام سے
آتش غم سے شب ہجراں میں با سوز و گداز　　شمع کی مانند جلتا ہوں سحر تک شام سے
شب ہجراں میں تیری کیا کہوں جو کچھ کہ گذرے ہے　　کٹے ہے دن تو جوں توں پر قیامت رات بھاری ہے
خبر لے اپنے بسمل کی وہ، اے قاتل، تڑپتا ہے　　گرفتار محبت کے جگر میں زخم کاری ہے
درد ہو جس کے، کچھ دوا کیجے　　جی ہی بے چین ہو تو کیا کیجے
رسم عالم ہے اے مرے صاحب　　عید کو تو گلے لگا لیجے
اس بُت کے دل میں آہ نے تاثیر کچھ نہ کی　　صد حیف تو نے نالۂ شب گیر کچھ نہ کی
موج گل حلقۂ زنجیر ہوئی ہے بلبل　　پھنس گئے ہم تو، کہیں تو نہ، خبردار پھنسے
دل جو ہے بے قرار کیا جانے　　کس کا ہے انتظار کیا جانے
دردمندوں میں دیکھیے وہ شوخ　　کس کا ہو غم گسار کیا جانے
گوشۂ چشم کے اشاروں سے　　دل لبھانا ترا قیامت ہے
مست، بے خود نشہ کے عالم میں　　لڑ کھڑانا ترا قیامت ہے
آہ ہنگام وصل میں پیارے　　روٹھ جانا ترا قیامت ہے
اچپلاہٹ سے آ کے، چھاتی پر　　لوٹ جانا ترا قیامت ہے
کام ہے اس گھڑی تو جانے دو　　یہ بہانا ترا قیامت ہے
کیا کہوں اور تو، بغل کے بیچ　　کُلبلانا ترا قیامت ہے

گرمؔ

گرمؔ تخلص [1] مولدش دہلی و مسکن او لکھنؤ، شاگرد میاں غلام ہمدانی مصحفیؔ۔ از اند کے بہ بلدۂ حیدرآباد وطن اختیار کردہ۔ ایں اشعار آبدار از تصنیف اوست:

شب رخصت ہے، رہو تم مرے گھر آج کی رات
جاں بہ لب چھوڑ کے جاتے ہو کدھر آج کی رات

آگے آنکھوں کے اندھیرا ہی سر شام سے ہے
دیکھیے ہوتی ہے کس وقت سحر آج کی رات

تصویر کا عالم ہے ترے روئے حسیں پر
تجھ سا تو پری چہرہ نہیں روئے زمیں پر

اخلاص اُسے غیر سے ہے واسطے جس کے
☆ کھدوائی ہے، یاں سورۂ اخلاص نگیں پر

ہم جن کی محبت میں لہو پیتے ہیں اپنا
وے باندھے ہوئے پھرتے ہیں تلوار ہمیں پر

رہتا تو ہوں گلشن میں و لے رہتی ہے آفت
فریاد سے بلبل کی، مری جان حزیں پر

نالوں [2] کی گرمیوں سے جلتے دل و جگر ہیں
لب خشک ہو رہے ہیں، کانٹے زبان پر ہیں

تیغ نگاہ کس کی دیکھی ہے ہم نے یارب
جو زندگی سے اپنی بیزار اس قدر ہیں

یاران رفتگاں کا مت پوچھ مجھ سے قصہ
اے ہم نشین میں بھی حیراں ہوں، وے [3] کدھر ہیں

سینے کے داغِ سوزاں آنکھوں کے اشکِ خونیں
اس نخل عاشقی کے وے [4] گل ہیں یہ ثمر ہیں

کس شعلہ رو کے غم میں رویا ہے اس قدر تو
جو گرمؔ اشک تیرے سوزندہ جیوں [5] شرر ہیں

گرمؔ کل آئے جو سنتے وے مرا احوال دل
سوچ کر کچھ جی میں اپنے مسکرا کر پھر گئے

سیل گریہ میں نہ ہم تا بہ کمر ڈوب گئے
اس قدر روئے کہ ہمسایوں کے گھر ڈوب گئے

گلدستہ لادیا جو کل اس کو رقیب نے
ہم نے بھی گرمؔ رشک سے ہاتھوں پہ کھائے گل

گلشنؔ، امیر سنگھ

امیر سنگھ گلشنؔ قوم کھتری ساکن دارالخلافت است۔ با بندہ مولف تعارف نیست الا

---

1. مصحفی (ہندی) مرزا حیدر علی گرمؔ تخلص ولد نیاز علی بیگ۔ 2. مصحفی: نالہ؛ بھنتے۔ 3. مصحفی: وہ۔
4. مصحفی: یہ گل ہیں وہ۔ 5. مصحفی: اس قدر۔ ☆ مصحفی: میں۔

از کلامش مفہوم می گردد کہ طرز عاشقانہ دارد:

رات کو ہم سے ملاقات کہاں کیجیے گا　　ہووے منظور جہاں، اس کو بیاں کیجیے گا

گمانؔ، نظر علی خاں

نظر علی خاں گمانؔ ساکن نواح اکبرآباد۔ گاہ گاہی فکرِ سخن می کند و بہ اصلاح استادانِ آں دیار می رساند[1]۔ از وست:

ترے جو آنے کا شب مجھ کو انتظار رہا　　سحر تلک میں نہایت ہی بے قرار رہا

گوہرؔی

گوہرؔی تخلص در قصبۂ بداؤں کہ مکانی معروف است، سکونت دارد۔ بعضی گویند کہ اوا شعار متفرقہ بیشتری گوید و ایں شعراز طبع زاد آں سخن پرداز است کہ بقدر استعداد و فراست خود گفتہ:

روبرو پلکوں کے مت جا، بس کے کانوں کو نہ چھیڑ　　آفت آوے گی تو ان زنبور خانوں کو نہ چھیڑ

آخرش مارا گیا ہاتھوں سے ان کے گوہرؔی　　ہم نہ کہتے تھے تو ان بانکے پٹھانوں کو نہ چھیڑ

گھاسیؔ

میر[2] گھاسیؔ ساکن مغل پورہ دہلی، گاہ گاہی بزباں خجستہ بیانش کلام ہر قسم کہ می گذرد، می گوید۔ از وست:

تو ہو اور باغ ہو اور زمزمہ کرنا بلبل　　تیری آواز پہ جیتا ہوں نہ مرنا بلبل

گرامیؔ

مرزا گرامی خلف مرزا غنی بیگ قبولؔ کہ مرد اہل خطہ بود و ذکرش مفصل در تذکرۂ سراج الدین علی خاں آرزوؔ مرقوم است، بر سبیل مذکور شعری گفتہ:

1۔ اصل/ق: می آرد۔ 2۔ اصل (برحاشیہ) میر گھاسی بہ سبب عدم پسند موقوف گردید۔

حاضری بن محل نہیں کھاتا بیگمی ہے پنیر منعم کا

گستاخ، مرزا علی بیگ

مرزا علی بیگ گستاخ از سکنائے لکھنؤ است۔ رطب و یابس بقدر استعداد می گوید:

جی لگایا تھا سمجھ، ہوئے گی فرحت حاصل یہ نہ جانا تھا کہ آوے گی قیامت لازم

ردیف اللام

لطفؔ، مرزا علی

مرزا[1] علی لطف، وی شخصی مغل زاست، ساکن بلدۂ لکھنؤ، از مرزا محمد رفیع سوداؔ اصلاح یافتہ، طبع خوب دارد:

آپ تو بات میں بگڑتے ہیں
واہ کیا منہ سے پھول جھڑتے ہیں

کھل گئی اب یہ، کہ وصل اس کا خیال خام ہے
آج امیدوں کا دن ہے دل میں قتل عام ہے

وہ[2] زلف ہے یا قہر کہ شب، کچھ نہیں معلوم
مکھڑا ہے الٰہی کہ غضب، کچھ نہیں معلوم

یہ بھی ہے نئی چھیڑ، کہ اٹھ وصل میں سو بار
پوچھے ہے کہ کتنی رہی شب، کچھ نہیں معلوم

خاموشی ہماری کے تئیں سحر ہی جانو
گو ہم کو لگا لینے کا ڈھب، کچھ نہیں معلوم

رباعی

جو کوئی کہ آفت نہانی مانگے
یا ملک عدم کی کچھ نشانی مانگے

دکھلا دے اُسے تو اپنی یہ تیغ نگاہ
جس کا مارا کبھو[3] نہ پانی مانگے

لطیفؔ، میر لطیف علی

میر لطیف علی لطیفؔ مرد[4] بزرگیست ساکن دہلی، از مریدان وشاگردان خواجہ دردؔ قدس[5] سرہٗ۔ در شناخت یاقوت وزمرد والماس ومروارید واقسام جواہر نظر دارد، وبپیشۂ آں وجہ کفاف بہم

---

1. سرور: میرزا علی لطف ...... شاگرد شاہ ملول۔ 2. مصحفی (ہندی) ہے زلف یا کہ قہر۔ 3. مصحفی (ہندی): کبھی۔ 4. ل: مردے است بزرگ۔ 5. 'ل' میں ''قدس سرہ'' ندارد۔ اور اس کے بجائے: رسانیدہ عمر عزیز در شاعری می گزراند۔

رسانده اوقات عمر عزیز بسر می برد۔ مرد خوب است۔ تلاش شعر فارسی و ہندی می کند[1]:

ہوگیا بیگانہ ایسا، آشنا گویا نہ تھا   اے وفا بیگانہ، ہم سے بھی کبھو یارانہ تھا

اک عمر سے تلاش میں تھے درد سر کی ہم   پہنچے مراد اپنی کو اب عشق کر کے ہم

شبنم کی طرح میں ہمہ تن آب دیدہ ہوں   مثل سحر تمام گریباں دریدہ ہوں

رہتا ہے درد روز دل ناتوان میں   کیونکر اثر نہ ہووے ہماری زبان میں

جس جا سے کل ملا تھا یارو جواب ہم کو   پھر آج لے چلا ہے واں اضطراب ہم کو

دامن کشاں جو جاتے ہو میرے غبار سے   تقصیر ایسی کیا ہوئی اس خاکسار سے

شان تغافل تری ان دنوں افزود ہے   مہر و وفا یک طرف، ظلم بھی مفقود ہے

میں گِلا کیونکر کروں تیری پریشانی کا   زلف کا حال بھی دیکھا تو پریشاں نکلا

گریہ آور ہوں نہ کیوں شعر لطیفؔ اب تیرے   دل کہے تھا جسے تو درد کا دیواں نکلا

رسم گر ظلم کی کم کیجیے گا   یہ بڑا ایک ستم کیجیے گا

تک جلوۂ برق کر گئے ہم   آتے ہی ادھر اُدھر گئے ہم

کیا ہے یہ لطیفؔ زندگانی   دم میں جیے، دم میں مرگئے ہم

لطیفؔ، میر شمس الدین

میر شمس الدین لطیفؔ سید صحیح[2] النسب، متوطن[3] بلدۂ سورت کہ مکانی معروف است۔ از چندی در لکھنؤ رخت اقامت افگندہ و اشعار خود را بہ نظر سخنوران آں دیار گذرانیدہ، گویند کہ شاگردی چندکس نمودہ است۔ انسان ہوشیار و خوش فکر و بسیار متحمل و خوش وضع واقع گردیدہ، بہ تلاش نمایاں ایں عاصی پُر معاصی ذکا را ہمیں[4] اشعار از تصنیف آں والا خرد بہم رسید[5]:

مژدۂ وصل ترا[6] جو کہ سناتا ہے مجھے   میں یہ سمجھوں ہوں نئے سر[7] سے جلاتا ہے مجھے

---

1. سرور: در سنہ یک ہزار و دوصد و چہاردہ ہجری ارتحال نمود۔ 2. اصل: اضافۂ مولف؛ خ: قوم سید۔ 3. اصل/ق: ساکن بلدہ۔ 4. اصل/ق: ثلث شعر۔ 5. مصحفی (ہندی) عمرش تا الی الیوم سی و دو سالہ خواہد بود۔ 6. اصل/ق: اگر کوئی سناتا ہے مجھے۔ 7. اصل/ق: جی دان۔

ایسی الفت کو لگے آگ، پڑے چولھے میں | جو ہے دل سوز مرا، وہی جلاتا ہے مجھے
گھر میں جا بیٹھ رہا اس سے خفا ہو تو لطیف | کیا ہی غصہ تری اس بات پہ آتا ہے مجھے

لطفی

لطفی، وی از شعرای قدیم بود، از چند مدت مفقود الخبر است۔ بزبان ملک خود[1] آنچہ موزوں کردن توانست سرانجام می داد بہ کمال تلاش کہ مصنف تذکرہ را لازم و واجب است ایں اشعار بہ کمترین بہم رسید و از رطب و یابس[2] قسمیکہ بود، نوشتہ شد:

تجھ عشق کی لگن سے شعلہ ہو جل اٹھا جی | دل موم کے نمونے گھل گھل پگھل گیا ہے
میں عشق کی گلی میں گھایل پڑا تھا جس پر | جو بن کا ماتا آکر مجھ کو کھنڈل گیا ہے
دیکھوں میں جب تجھے، تو چکا چوند لگ رہے | کب[3] دیکھا جائے مجھ سے نظر بھر کر آفتاب

لایق، میر لایق علی

میر لایق علی لایق تخلص از ساکن ضلع لکھنؤ است۔ در سنہ یک ہزار و دوصدی و ہشت ہجری جہت طالب علمی بہ شاہجہاں آباد وارد شدہ۔ بندۂ ذکا ہم بہ ملا قاتش ذخایر اندوز سرور و شادمانی گشتہ۔ مردے قابل و خلیق است۔ نسبت تلمذ بخدمتِ شیخ امام بخش ناسخ دارد۔ ایں اشعار خوب از طبع مرغوب اوست:

قطرۂ اشک اپنا گو، گوہر بنے اور ٹوٹ جائے | وائے خوں مژگاں پہ تڑپے اور ٹوٹ جائے
گر گرے قطرہ عرق کا اس رخ پُر نور سے | آتے آتے نازنین اختر بنے اور ٹوٹ جائے
کیوں سحر نالاں نہ ہو بلبل، کہ گل کے کان میں | قطرۂ شبنم سے یوں گوہر بنے اور ٹوٹ جائے
زیور ساعد کو گر دیکھے تری، تو شرم سے | دست شاخ گل میں کل زیور بنے اور ٹوٹ جائے
مر گیا ہوں میں شکستہ دل، نہیں اس کا عجب | خاک سے میری اگر ساغر بنے اور ٹوٹ جائے

1۔ اصل/ خ: خود بقدر فہم و استعداد۔ 2۔ ل: بس او۔ 3۔ اصل/ ق: ہرگز کبھی دیکھا ہے؛ مصحفی (ہندی)
دیکھوں ہوں جب تجھے تو ٹھہرتی نہیں ہے آنکھ دیکھے ہے کون یار نظر بھر کر آفتاب۔

ردیف المیم

مائلؔ، شاہ محمدی

شاہ محمدی مائلؔ۔ او مردے بزرگ و معروف بود، از اساتذۂ نامی متوطن[1] دارالخلافت[2] سید صحیح النسب۔ عالم و فاضل، بسیار باحیا و اہل مروت و صاحب سلوک و عالی فکر و خوش مزاج۔ وضع درویشانہ داشت۔ اشعارِ بے نظیر خود را از نظر قیام الدین قائمؔ[3] گذرانیدہ بود پس از چندے خود استادِ وقت گردید باصلاح بیشتری از تازہ ہمت می گماشت و بتوجہ او اکثرے بہ فیض رسیدند و نامی پیدا کردند۔ ایں اشعار خوش فکر اور افدوی خاکپاے ذکا برشتۂ ترقیم می آرد:

جیا جو ہجر میں سو وصلِ یار دیکھے گا
جو اس خزاں سے بچے گا، بہار دیکھے گا

بتوں سے مل کے گنواتا ہے دین و دل مائلؔ
یہ کافر آہ خدا کا بھی ڈر نہیں کرتا

دل لیتے ہی وہ شوخ دل آزار بس چلا
پھر اس کے آگے کوئی[4] نہ زنہار بس چلا

سب یار ہیں تمھارے اغیار ہیں تو ہم ہیں
آنکھوں میں یاں سبھوں کی اک خار ہیں تو ہم ہیں

پیا پے ساقیا دے مجھ کو بھر کر جام گلشن میں
کہ دونا لطف رکھتی ہے مئے گلفام، گلشن میں

مجھے آہ و فغاں ان ہم صفیروں کا خوش آتا ہے
وگرنہ مجھ سے دیوانے کا ہے کیا کام، گلشن میں

نالے میں شب کے، فرض کیا میں، اثر نہیں
اے آہِ صبح، تو بھی تو کچھ کارگر نہیں

نہیں، پہنچتی ہے تجھ تلک فریاد
ناتوانی سے، آہ کیا کیجیے

اتنا میں مر کے دل سے ترے دور ہو گیا
اک دن بھی آکے تو نہ سر گور ہو گیا

معلوم کچھ نہیں دل بیمار کی خبر
کیا جانیے کہ کیا ہے مرے یار کی خبر

---

1 اصل/ق: حضرت دہلی۔ 2 مصحفی (ہندی) متصل جامع فتح پوری قیام دارد؛ سرور: باشندۂ لکھنؤ دارالخلافہ شاہجہاں آباد (؟) 3 شاگرد قائم وقدرت، وفات قبل از۔ 1231 (ڈاکٹر مختار الدین احمد)

4 اصل/ق: نہ مرا یار۔ (نوٹ) سرور نے میر مہدی نام لکھا ہے جو صریحاً غلط ہے۔

بازاریوں نے گو مجھے کچھ کچھ کہا تو کیا
کب معتبر ہے کوچہ و بازار کی خبر

کیا کیا کہوں میں تجھ سے دلِ زار کی ہوس
مشہور ہے جہان میں بیمار کی ہوس

کہتا نہ تھا کہ باز آ ہردم کی اس ہنسی سے
آخر گیا نہ ظالم، اک بے گناہ جی سے

کٹا کے سر کو کس کی جان بے تقصیر ہنستی ہے
مگر اک شمع کو دیکھا نہٗ گلگیر ہنستی ہے

نہیں چمکے ہیں تارے خندۂ دنداں نما ہے یہ
کہ شب سن کر ہمارے نالۂ شب گیر، ہنستی ہے

خراب آباد دل کی ہو سکے تعمیر گر منعم
پتھورا مرگیا پر اب تلک تعمیر ہنستی ہے

اے چشم مرے موتیوں کا ہار نہ ٹوٹے[1]
یہ اشک مسلسل ہی رہے، تار نہ ٹوٹے

نظر پڑا تو ہی جس سمت آنکھ اٹھا دیکھا
ظہور تیرا ہی دیکھا جدھر کو جا دیکھا

قائم رکھے خدا مجھے اور حسن یار کا
محتاج میں نہیں ہوں خزاں و بہار کا

جلوہ فرما مدر سے ہی میں تو اے جاناں! نہ تھا
دیر بھی دیکھا تو تیرا صاف خلوت خانہ تھا

حال کہنے کی نہ دی گریہ نے فرصت رات کو
آج پھر کہیو اسے مائلؔ وہ کیا افسانہ تھا

جز بیکسی نہیں دلِ ناشاد کی طرف
جو کوئی ہے سو اس ستم ایجاد کی طرف

اشک کی طرح گرا جب میں پھر اٹھنا معلوم
میں وہ افتادہ نہیں ہوں کہ سنبھل جاؤں گا

گر یہی گریہ ہے مائل شبِ ہجراں میں تو خیر
سر سے پاؤں تئیں جوں شمع پگھل جاؤں گا

مائلؔ، محمد یار بیگ

مرزا محمد یار بیگ مائلؔ جوا[2] نے مغل زا، در لکھنؤ است۔ شاگرد[3] قلندر بخش جرأت، بہ حلیۂ حلم وحیا آراستہ و بزیورِ صدق وصفا پیراستہ۔ فتوت دثار، مروت آئیں، سخاوت شعار، شجاعت آگین۔ شعرش بامزہ آشناست:

پیتا ہوں جامِ مے کے عوض کاسہ بنگ کا
مائل ہوا ہوں جب سے میں اک سبزہ رنگ کا

کیا جانیے ہے راہ کدھر ملکِ عدم کی
یارب نہ رہے قافلے سے کوئی بچھڑ کر

آنکھوں کے سامنے نہ ہو وہ گل عذار حیف
اور اس بغیر میں رہوں جیتا، ہزار حیف

1۔ ل میں مصرعوں کی ترتیب الٹی۔ 2۔ اصل/ق: جوان۔ 3۔ اصل/ق: شاگرد میاں......۔

مائل تجھے اضطرار کیوں ہے اتنا بھی تو بیقرار کیوں ہے
اختر سے ہیں گر موتی اس کان کے بالے کے اک چاند بھی جھمکے ہے جھرمٹ میں دوشالے کے

ماہر، میر فخر الدین

میر فخر الدین ماہر پسر والا قدر میر اشرف علی خاں فغاں[1]۔ بزرگانش منصبدار پادشاہی بودند و بحرمت واعزاز بسرمی بردند، از شاگردانِ مرزا محمد رفیع[2] سودا بود۔ از راہِ شفقتِ استادانہ شصت روپیہ در ماہہ را مرزا موصوف در سرکار نواب والا خطاب شجاع الدولہ بہادر بہ سفارش خود متعلق کنانیدہ بود۔ حالا در بلدۂ لکھنؤ اقامت پذیر است۔ شاعرِ فصاحت قرین و بلاغت آگین معلوم شد۔ این اشعار اوراست:

جو اس کے در پہ بیٹھے ہیں سمجھتے ہیں وہ در کس کا ہوئے جو اس کے آوارہ سو کہتے ہیں کہ گھر، کس کا
ملی اتنی نہ فرصت بھی کہ اٹھ کر مانگتے پانی ہوا تیر نگہ یوں آہ دل میں کارگر، کس کا
جلا ہے سینے میں دل شمع وار ساری رات رہا ہے آنکھوں سے اشکوں کا تار ساری رات
بات کیجے غیر سے اور ہم سے منہ کو موڑیے اب خدا سے ڈریے، ان وضعوں کو اپنی چھوڑیے
منہ نہ موڑے گا یہ عاصی گر یہی منظور ہے ☆ لیجیے سنگِ جفا اور شیشۂ دل پھوڑیے

مبتہج، ملوک چند

ملوک چند مبتہج متوطن[3] شاہجہاں پور قوم کا۔تھ متصدی پیشہ۔ خیلے محترم و معزز، صاحبِ فراست و ذی شعور بود۔ فکرِ اموراتِ دنیوی بگوشۂ خاطر او کمتر جامی گرفت و باستغنائے مزاج اوقات خوش می گزرانیدہ، شعر[4] بتلاش می گفت:

سفر کے چلنے کا اب دل نے اضطراب کیا نکل کے چشم سے مژگاں پہ پاتراب کیا

1۔ اصل۔ اضافۂ مولف ''فغاں'' 2۔ مصحفی (ہندی) مدتے بخدمتِ مرزا رفیع سودا اوقات عزیز خود رابہ کتابت دیوانش صرف ساختہ۔ 3۔ اصل۔ اضافہ ''مولف'' متوطن شاہجہاں پور''۔ 4۔ اصل۔ اضافہ مولف۔ ☆ل میں یہ شعر ندارد۔

چلتا ہے جب تو، قاصد رو رو کے میں بچارا — دانوں پہ آنسوؤں کے دیکھوں ہوں استخارا

متقی، میر متقی

میر متقی متخلص بہ متقی، خلف میر جواد علی خاں ہادی ساکن شاہجہاں آباد، از مریدانِ [1] شاہ غلام علی کہ یکے از مشائخانِ کبار حضرتِ دہلی است۔ در تیر اندازی و شناوری دستگاہے دارد۔ ظاہرا از خدمتِ بابرکت شاہ غلام علی شاہ ممدوح لباسِ خود را بفقر آراستہ۔ اکثر بنا بر امتحان طبع غزل ہندوی از ریختہ ہائے طبعش می ریزد و از والد ماجدِ خود افادۂ اصلاح برداشتہ و تحصیلِ علومِ متعارفہ بواقعی نمودہ:

کیوں نہ جوں زلف رہے حال پریشاں میرا — دل ہے سودا میں ترے بے سر و ساماں میرا

کس طرح اس کو کرے گا تو رفو، اے ناصح — چاک پر چاک ہوا اب تو گریباں میرا

متقی خوبی شمشاد ابھی ہو پامال — آن نکلے جو کبھو سرو خراماں میرا

نعش ہماری پہ مجمعِ یاراں ہوا — پر دلِ پُر درد کا کوئی نہ درماں ہوا

مجذوب، مرزا حیدر بیگ

مرزا حیدر بیگ مجذوب تخلص، خلف متبنّائے مرزا محمد رفیع سودا مغفور است۔ از ہنگامِ رحلتِ والد بزرگوارِ خود در لکھنؤ اوقات بسر می برد۔ تلاشِ سخن دارد۔ بقولِ شیخ (مصرع) پدر نا مجوو پسر نامدار:

ہے سخت بے مروّت ہم سے وفا کرے کیا — پر اب تو لگ گیا دل دیکھیں خدا کرے کیا

جور و جفا پہ یار کی دل، مت نگاہ کر — اپنی طرف سے ہووے جہاں تک، نباہ کر

خاک وخوں میں صورتیں کیا کیا نہ رلیاں دیکھیاں — اے فلک، باتیں تری کوئی نہ بھلیاں دیکھیاں

آہ میں اپنی اثر ڈھونڈے ہے اے مجذوب تو — بیدِ مجنوں کی نہ شاخیں ہم نے پھلیاں دیکھیاں

عداوت سے تمھاری کچھ اگر ہووے تو میں جانوں — بھلا تم زہر دے دیکھو اثر ہووے تو میں جانوں

---

1. اصل۔ اضافۂ مولف۔

تمھارا ہم سے جو عہدِ وفا ہو اس کو تم جانو مرے پیماں میں کچھ نوعِ دگر ہووے تو میں جانوں

بس اب تیری تاثیر اے آہ، دیکھی نہ آیا وہ کافر بہت راہ دیکھی

خاموش جو رہتا ہوں مجھے گنگ نہ سمجھو اک عرض تمنا ہے کہ آ، منہ پہ اڑی ہے

غفلت میں بسر کر نہ شبِ وصل کو مجذوبؔ ایام جدائی کی گھڑی سر پہ کھڑی ہے

چاہوں مدد کسی سے نہ اغیار کے لیے میں بھی تو یار، کم نہیں دو چار کے لیے

ہے دردِ سر ہی بلبل آزاد کی صفیر موزوں ہے نالہ مرغِ گرفتار کے لیے

طوبیٰ کے نیچے بیٹھ کے روؤں گا زار زار جنت میں تیرے سایۂ دیوار کے لیے

اب میر سمجھیو مت مجذوبؔ کو اوروں سا ہے وہ خلفِ سودا اور اہل ہنر بھی ہے

افسوس کہوں میں کس سے اپنے گھٹ کی قالب سے پھرے ہے روح بھٹکی بھٹکی

اس آنکھ نے جیسے چین کھویا مجذوبؔ یہ خانہ خراب جس سے اٹکی، اٹکی

زلفوں کی سیہ میں کچھ اک دام تھے اپنے قسمت کہ ہوئے رات سے تن خواہ کسو کے

رکھیے لگائے اس کو گر بس چلے ہمیشہ دینے پہ دل کے کچھے آرے، بلے ہمیشہ

چشم دوری میں تری یار یہ گریان تھی رات تھی شبِ ہجر مرے سر پہ کہ طوفان تھی رات

ناز اختر کو مرے تھا فلکِ ہفتم پر زلف سرکش جو تری تابعِ فرمان تھی رات

ایک تو دل مرا پہلے ہی سے سودائی ہے ٭ تس پہ کس دھوم سے پھر اب کے بہار آئی ہے

زلف کے بیچ میں مجذوبؔ کب آتا لیکن ٭ پاؤں پڑ پڑ کے یہ زنجیر اسے لائی ہے

مجنوںؔ، درویش

مجنوں[1] المعروف بہ درویشِ سر برہنہ کہ اسم با مسمّٰی معلوم شد۔ بزرگانِ او نو مسلم[2]، عمدہ معاش بودند و باقتدار بسری بردند۔ برہنمونی خرد والا و ہدایتِ ہوش افزا تارک دنیا گشتہ، کسوتِ

٭ ل سے اضافہ۔ 1 مصحفی (ہندی) از اولا درائے پیم ناتھ بنسی نبیرۂ رائے بشن ناتھ [دیوانِ محمد شاہ]؛ بقول میر حسن مجنوں سے پہلے جامی اور اس سے پہلے حسرت تخلص کرتے تھے۔ مجموعۂ نغز کی تالیف (1221) سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ 2 ل میں اس جگہ سے ''نو مسلم'' محذوف اور شروع میں تخلص کے بعد درج۔

درویشی راست کردہ، آزادنہ وقلندرانہ اوقات عمرِ شریف بسر می برد۔ شاگرد محمد تقی میر است[1]۔ خیلے[2] سیر مشق وصاحب طبع مفہوم افتاد۔ این اشعار از تصنیفِ اوست[3]:

پھر اب یہ جو چلا ہے کل وہ قرار ٹھہرا | کہتا ہے مجھ سے چل بے تو کب کا یار ٹھہرا

بیٹھا تھا، تجھ کو دیکھ بہانے سے اٹھ گیا | حسنِ سلوک آہ زمانے سے اٹھ گیا

پیا نہیں قدحِ[4] بادہ بھی کبھو تجھ بن | رہا مدام مرے جام میں لہو تجھ بن

نہ پوچھ حال تو مجنوں کا اے بتِ کافر | خراب و خوار وہ پھرتا ہے کو بہ کو تجھ بن

سجدوں نے میرے قدرت اپنی دکھائی اب تو | پوجے ہے تجھ کو اے بت ساری خدائی اب تو

جس سے دل چاہے ملو تم، نہ کسی سے پوچھو | مجھ سے کیا پوچھتے ہو، اپنے ہی جی سے پوچھو

چڑھا کر ساغرِ لبریز جس دم تو نکلتا ہے | ترا انداز ہنسنے کا گلوں کا ہونٹ ملتا ہے

سر کٹا دیں گے ہم اپنا اس تری شمشیر سے | لڑ گئی تدبیر اپنی گر کہیں تقدیر سے

مجرم، میر فتح علی

میر فتح علی مجرم۔ مردے سپاہی پیشہ بود۔ مدتے بگذرد کہ بتلاش شخصے کیمیا گر از دہلی بر خاستہ آوارۂ دشتِ ناکامی گشتہ[5]۔ بر آرندۂ حاجات اورا بہ نیلِ مقصود فائز گرداند۔ ایں دو شعر از وست:

ہو تری فرقت میں کیا حالت ہماری دیکھیے | کیا دکھاوے گی یہ دل کی بیقراری دیکھیے

اپنی خواہش پوچھتے ہو تو یہی چاہے ہے دل | چپکے بیٹھے سامنے صورت تمھاری دیکھیے

مجرم، شیخ رحمت اللہ

شیخ رحمت اللہ اکبرآبادی مجرم تخلص۔ پیشہ[6] کندلہ کشی می کند۔ مرد[7] فصیح زبان ملیح بیان،

1۔ اصل/ق: ''بود'' بجائے ''است'' 2۔ اصل/ق ''خیلی......اوست۔'' کے بجائے ''آں مرحوم'' 3۔ اصل اضافۂ مولف ''اوست۔'' 4۔ اصل/ق: بھی گو میں۔ ☆ ل میں ندارد۔ 5۔ ل میں نہیں۔ 6۔ اصل۔ اضافۂ مولف ''پیشہ......کند''۔ 7۔ اصل/ق: خوش گو، شیریں زباں بسیار......۔

گرم ارتباط[1] سراسر اختلاط شاگرد[2] میر امانی اسدؔ و شاہ محمدی بیدارؔ است۔ بوضعِ درویشانہ در[3] دہلی وارو شدہ بود۔ بعضے از شایقانِ این دیار باو ملاقی شدہ، اکثر اشعار آبدارش برشتۂ[4] تحریر کشیدند۔ این حقیر سراپا[5] تقصیر را از کلامِ خوبیِ التیامش چند[6] اشعار دل آویز کہ بہم رسید، بقلم گذاشت:

خواب میں آئی نظر شمشیرِ جوہر دار رات
دھیان میں جوا بروے خمدار کا تل رہ گیا

کردیا سینے سے چل[7] کر چشم میں دل نے مقام
یہ مسافر ضعف سے چل، ایک منزل رہ گیا

دیکھ کر مجلس میں تیری دلربائی کی ادا
ہاتھ اپنے دل پہ رکھ، ہر اہل محفل رہ گیا

ہر زخم ترے تیر کا اب دل کی غذا ہے
یاقوتِ جگر ہے، ترے پیکان کا لوہا

کرتا ہے جدا سبزۂ بیگانہ کو ہر دم
یاں باعثِ رونق ہے گلستاں کا لوہا

ہو زیبِ کمر بن کے ترا خنجر و جمدھر
گلتا ہے اسی شوق میں ہر کان کا لوہا

جن نے پوچھا مجھ کو، بولا ہنس کے یار
وہ تو مدت سے دوانا ہوگیا

اٹھ گئے سب یار مجرمؔ تو بھی چل
قافلہ کب کا روانہ ہوگیا

مشغول ہو تو گنجفہ بازی میں جس گھڑی
سر اپنا پہلے نذر تری لاوے آفتاب

نہ پوچھو سوزِ غم سے اس دلِ بیتاب کی حالت
کہ ہے معلوم سب پر ماہیِ بے آب کی حالت

آج گلشن میں پڑا بلبل قدم سے کس کے پھول
داغ و شعلے کی طرح جو جل اٹھے جس تس کے پھول

میں دعا کرتا ہوں تو دیتا ہے ہر دم گالیاں
دیکھ اے گل رو! جھڑیں ہیں اب دہن سے کس کے پھول

باغ میں مذکور اس رخسار کا آتے ہی بس
☆ رنگ و بو اپنی بغل میں مار کے سب کھسکے پھول

یار کے بندِ قبا کیونکر نہ مجرمؔ وا کرے
☆ یہ کھلیں اس سے نصیبوں کے کھلے ہوں، جس کے پھول

غرض اپنی کے آشنا ہو تم
مطلب اے جان، بے وفا ہو تم

وہ کلائی جو نظر آہ، کل آئی مجھ کو
کل سے بیکل ہوں کسی کل نہ کل آئی مجھ کو

نیند آنکھوں سے اڑی بسترِ گل خار ہوا
ساتھ سونے کی ترے یاد جو آئی مجھ کو

1۔ اصل۔ اضافۂ مولف ''ارتباط سراسر''؛ اصل/ خ: ۔۔۔ ارتباط دانائے جہاں خیلے قدرداں، شاگرد رشید۔
2۔ اصل میں اضافۂ مولف۔ ل میں ندارد۔ 3۔ اصل/ خ: بتلاش روزگار۔ 4۔ اصل/ خ: و بعض از بر نمود چنانچہ۔ 5۔ تقصیر۔ 6۔ اصل/ ق: ایں۔ 7۔ ل: جا کر۔ ☆ ل میں ندارد۔

جب سے چسکے ہیں مرے ہونٹ لبوں سے تیرے | بس خوش آتی ہی نہیں کوئی مٹھائی مجھ کو

مجھ میں اور غیر میں کیا فرق ہے، اے چرخِ کہن | لذتِ وصل اسے، داغِ جدائی مجھ کو

شکوہ جو کیا میں نے تو بولا یہ خفا ہو | گر ہم میں جفا ہے تو کسی اور کو چاہو

ہر سانس میں چبھتا ہے ذرا دیکھیو یارو | دل میں کوئی مژگان، نگہ کا نہ رہا ہو

مسکی ہوئی چولی کہیں دیکھی ہے تمھاری | نکلا ہے جو گل باغ سے اب چاک قبا ہو

غضب ہے جان مری ہاتھ کے پڑتے سمٹ جانا | جھجکنا، مسکرانا، دور رہنا، پھر لپٹ جانا

ملے گر راہ میں ظالم تو بس دھمکی سے اے مجرم | نہ ڈرنا، پاؤں پڑنا، کھینچ لینا اور چمٹ جانا

سن کے بیان بزم میں اس مہِ دلنواز کا | رشک سے جل اٹھا جگر، شمع زباں دراز کا

دلِ افگار دیا، دیدۂ خونبار دیا | چرخِ نا ساز نے کیسا مجھے آزار دیا

بھول کر زاہد نہ ہرگز قصدِ بیت اللہ کر [1] | ہو سکے تو اس بتِ کافر کے دل میں راہ کر

قاصد بتا کہ اس مہِ تاباں نے کیا کہا | ذرے کے حق میں مہرِ درخشاں نے کیا کہا

رات کرتے تھے ترے کوچے میں فریاد کئی | کشتۂ ناز کئی، زخمیِ بیداد کئی

جو مانگوں مے سے تو جام خالی، سوال دیگر جواب دیگر | تری ہے ساقی ادا نرالی، سوال دیگر جواب دیگر

کیونکہ مایوس نہ ہو یہ دل بیمار اپنا | نہ گیا ہائے مسیحا سے یہ آزار اپنا

غنچے کو، نے حواس تھے، نے گل کو ہوش تھا | کل یار باغ میں جو تبسم فروش تھا

دیکھا جہاں کو خوب کہ رنگیں چمن ہے ایک | سب گل رخوں میں پردہ، مرا گلبدن ہے ایک

ہے تصور یار کا پھر دل کے کاشانے میں آج | صورتِ بستی نظر آتی ہے ویرانے میں آج

لختِ دل اشک میں بیباک چلے آتے ہیں | جس طرح پانی میں تیراک چلے آتے ہیں

میں ہوں وہ مجروحِ شمشیر نگاہِ آتشیں | جائے خوں نکلے ہے زخمِ دل سے آہِ آتشیں

میں کہاں اور عشق کی منزل کا طے کرنا کہاں | پائے چوبیں قطع کر رکھتا ہے راہِ آتشیں

یار کو مستِ خواب دیکھا تھا | خواب میں آفتاب دیکھا تھا

روز پیری میں یہ ہوا معلوم | کہ جوانی بھی خواب دیکھا تھا

---

1 ل میں مصرع منقلب۔

رخ پہ اس بے وفا کے خال سیہ — نقطۂ انتخاب دیکھا تھا
جس کو کہتے تھے لوگ زاہد ہے — ہم نے پیتے شراب دیکھا تھا
گردشِ چشمِ یار میں مجرم — چرخ کا انقلاب دیکھا تھا
جو کچھ کہ تمھیں کہیے صنم نامِ خدا ہو — آفت ہو، قیامت ہو، بھبھوکا ہو، بلا ہو

مجبور، حق رسا

میاں حق رسا مجبور باشندۂ[1] شاہجہاں آباد ذلہ بر خوان طبعِ میاں نصیر است۔ مرات کلامش آب و تاب دارد۔ بہ فیض توجہ استاد سخن را بپایہ می رساند و در مشاعرہ ہا موردِ تحسین و آفرین می گردد۔ بخلص دعوی خواجہ تاشی دارد۔ مرد خوب است:[2]

شب خوشی سے پاؤں پھیلا گھر میں تم سویا کیے — ہم پس دیوار بیٹھے صبح تک رویا کیے
ہو غنچہ دہن! جس کو سدا یاد تمھاری — کس منہ سے کرے[3] آہ وہ، فریاد تمھاری
جیسے مری وفا میں نہ ہرگز قصور تھا — ویسے نباہ تجھ کو بھی ظالم ضرور تھا
کیا کھنچتا ہے آپ کو ہم سے تو دور یار — دل کی کشش کا ہم کو بھی کافر غرور تھا
ٹھوکر لگا کے ناز کو بدنام کیوں کیا — سنگِ جفا سے شیشۂ دل آپ چور تھا
بیقراری میں خجالت جس سے ہے سیماب کو — تاب دے یارب کہیں تو اس دل بیتاب کو
شرم سے جا کر چھپے یاقوت جس کی، کان میں — ان لبوں سے دوں بھلا تشبیہ میں عناب کو
حق نے جن پر خاکساری قطع کی ہے جامہ وار — مارتے ہیں پشم پر وہ مخمل و کمخواب کو
اُس ذقن کی یاد میں مجبور ہے یہ حال دل — ہے سدا جس طرح گردش آب میں گرداب کو
ہو چلے بے بال و پَر پھڑکا نہ اے صیاد! تو — اب ترا احسان ہوگا کر ہمیں آزاد تو
نیم جاں کیوں چھوڑتا ہے، ایک دم کے واسطے — جنبشِ ابرو کا صرفہ کر نہ اے جلاد تو

---

1 اصل: اضافۂ مؤلف "باشندۂ...... آباد"۔ 2 اصل/خ: سلمہٗ اللہ تعالیٰ۔ 3 اصل/ق: کہے۔

محبتؔ، محبت خاں

نواب محبت خاں بہادر محبتؔ[1] خلف حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں بہادر مغفور، حالا[2] از مدت در لکھنؤ رونق افزاست۔ بحاصلِ نقدی کہ از سرکار صاحبانِ عالی شان مقرر است، آنجا بعمدگی و بہ عزت می گزراند۔ عالی خاندان و بسیار صاحبِ حشمت و شوکت و اہلِ سخاوت و بامروت[3] و نیکنام، فرخندہ ایام مسموعہ شد[4]۔ در فارسی اصلاحِ سخن از مرزا فاخر مکینؔ گرفتہ و در ہندی از میر جعفر علی حسرتؔ صاحبِ دیوانِ ریختہ و مثنوی، و بہر دو زبان سخن طراز است:

آپ کچھ غیروں کو چھپ چھپ کے رقم کرتے ہیں — یہ جو ہو جھوٹ تو ہم ہاتھ قلم کرتے ہیں
اس کے کوچے کی طرف با چشمِ تر جو جائے گا — پہلے اپنی جان سے وہ ہاتھ کو دھو جائے گا
زخمِ دل کو مرے یوں دیکھ کے بولا جراح — ہائے افسوس یہ ناسور نہیں جائے گا
ہم سے فرقت، اسے کیا کہتے ہیں — اتنی وحشت، اسے کیا کہتے ہیں
اس قدر یار سے گرمی کرنی — کیوں محبت! اسے کیا کہتے ہیں
فتنہ گر تو نے جو تک ہم سے چھپائیں آنکھیں — ایسے ہم روئے کہ آشوب کر آئیں آنکھیں
ترے بغیر تھی مجھ کو یہ بیقراری رات ❖ کہ کل پڑی کسی کروٹ نہ مجھ کو ساری رات
جب کہ اس شوخ نے سمکھ ہو لڑائیں آنکھیں ❖ برق نے ابر کی چادر میں چھپائی آنکھیں
شوخ چشمی پہ گھمنڈ اپنی نہ کیجو نرگس ❖ آنکھیں کھل جائیں گی جب اس نے دکھائیں آنکھیں
منظور تجھ کو شوق ہے گر لالہ زار کا ❖ تختہ اٹھا کے دیکھ ہمارے مزار کا
اٹھے ہے دل سے فغاں اور نالہ سینے سے ❖ طناب آہ کی کھینچی فلک کے زینے سے
الفت میں جس کو اشک بہانے کی خو نہ ہو — اس کو خدا کرے کہ کہیں آبرو نہ ہو

1۔ اصل: قومِ افغان (اضافہ کر کے قلم زد کر دیا)۔ 2۔ اصل (اضافہ بر حاشیہ) حالا...... گزراند"۔ یہ عبارت ل میں بھی موجود اور اس کے بعد یہ عبارت "بعمدگی و اعزاز می گزراند۔ خاندانِ عالی دارد و بسیار صاحبِ حشمت۔ 3۔ اصل/ ق: بسیار۔ 4۔ اصل/ خ: بحاصل جزوی کہ از سرکارِ صاحبانِ عالی شان فرنگ مقرر است در لکھنؤ دفع الوقتی می سازد۔ سالِ وفات 1222 (کلیاتِ جرأتؔ)۔ ❖ ل سے اضافہ۔

جس کو تری آنکھوں سے سروکار رہے گا — بالفرض جیا بھی تو وہ بیمار رہے گا
مجھ سے خفا ہے وہ بتِ خود کام اب تلک — جھڑکی وہی ہے اور وہی دشنام اب تلک
مجھ کو کہتا ہے کہ کرتا ہے تو بدنام صریح — لکھ کے بھیجے ہے جو یوں نامہ و پیغام صریح
رکھتا ہے حلاوت تو لبِ یار کا بوسہ — پر ہے نمکین زور ہی رخسار کا بوسہ
ہے جی میں تمنا کہ لبِ زخم سے لیجے — اس اپنے ستمگار کی تلوار کا بوسہ
ڈرتا جو نہ اس ظالمِ مظلوم نما سے — لیتا میں تری نرگسِ بیمار کا بوسہ

محبتؔ، میر بہادر علی

میر بہادر علی محبتؔ دہلوی، شاگرد ثناء اللہ خاں فراقؔ۔ اصلاح اکثرے[1] تازہ گویان می کند۔ بیشتر[2] اشعار برجستہ دارد۔ چون از خاندان نجابت و دودمان شرافت است، بسیار خوش خلق و متواضع و اہل حیا و معزز و مکرم واقع شدہ۔ از وفور اخلاق منت بچشم مشتاق می گذارد۔ اسمِ با مسمیٰ است[3] کہ بہمہ ہا محبت دارد:

خالِ رخ جب کہ پسینے میں تمھارا ڈوبا — ماہ رو جگ میں ہوئی دھوم، کہ تارا ڈوبا
سادہ رو صاف بھی اب ہم سے ملاقات نہیں — ناز و انداز و ادا، غمزہ اشارا ڈوبا
بحرِ الفت کی لگی تھاہ نہ کچھ دل کے ہاتھ — غرق ہوتے مگر اتنا ہی پکارا، ''ڈوبا''
کون واقف تھا تری چاہِ ذقن سے اے شوخ — اب تو طوفان مچا، دل جو ہمارا ڈوبا
چشم نرگس، زلف سنبل، غنچہ لب، رخسار گل — گلشنِ حسن بتاں میں ہیں نمایاں چار گل
دارِ مژہ پہ اشک کو منصور کی سوجھی — حق یوں ہے کہ اس کو بھی بہت دور کی سوجھی
دل کا آئینہ بایں شکلی پری خانہ ہوا — دیکھ حیراں جسے عکسِ رخِ جانانہ ہوا
اگر حنا! ترے ہاتھوں سے خوں، بہا دِل کا — تولوں گا دستِ نگاریں سے خونبہا دل کا
ہم کو مرض ہے عشق کا دیکھیں خدا کرتا ہے کیا — اس درد کی کم ہے دوا، دیکھیں خدا کرتا کیا
دل کے ٹکڑوں کو سوے زلفِ سیہ فام نہ بھیج — قافلہ اہلِ حرم کا ہے اسے شام نہ بھیج

1۔ اصل: ''آخری'' اضافۂ مؤلف۔ 2۔ اصل/ق: اکثر۔ 3۔ اصل: اضافۂ مؤلف۔

خالِ لب کا غنچہ لب اپنے تماشا دیکھنا
برگِ گل پر آن کر بیٹھا ہے بھونرا دیکھنا

گریں جو چند آنسو یادِ مہرویاں میں جیحوں پر
حباب آسا نظر آویں ستارے پھر تو گردوں پر

کاش ہو جائے ہمارا شب فرقت میں وصال
دن جدائی کا الٰہی نہ دکھانا ہم کو

صبح جب باغ میں وہ رشکِ قمر پھرتا ہے
آفتابے لیے خورشید سحر پھرتا ہے

سر کو پٹک کر لگا من ہی میں من مارنے
شب کو جو دیکھی تری زلفِ سیہ، مارنے

کچھ تو یہاں بھید ہی محرمِ چسپیدہ ہے
ہاتھ جو اپنے ملے محرم اسرار نے

گر ترے ابرو کی تیغِ اصفہانی دیکھیے
جنگجو ہرگز نہ پھر شمشیر خانی دیکھیے

ترے مکھڑے پہ خالِ رخ بایں صورت چمکتا
سحر کے وقت جیسے صبح کا تارا چمکتا ہے

چمن میں اس قدر اب کے بہارِ جوش سودا ہے
رگِ گل کے لیے خارِ جنوں نشتر نکالے ہے

متصل رہنے نہیں دیتا جو ہمسایہ مجھے
کس پری پیکر کا یارب ہوگیا سایہ مجھے

مہر۔ مہر چند

مہر چند مہر تخلص ساکن بریلی است۔ دیگر احوالِ او ہیچ بتحقیق نہ پیوست:

ان دنوں جو مہر تو رسوا ہوا، اچھا ہوا
پھر جنوں کا سلسلہ برپا ہوا، اچھا ہوا

تا ابد مرہونِ منت مجھ کو کر رکھا طبیب
عشق سے، تپ سے، نہیں اچھا ہوا، اچھا ہوا

ہو خبر دل کو نہ اس کی آہ یونہی چاہیے
بس اثر اے نالۂ جانکاہ یونہی چاہیے

صبحِ ہجراں جو نمودار ہوئی رات سے چھوٹ
دامنِ وصل گیا ووں ہی مرے ہات سے چھوٹ

محبّ، شیخ ولی اللہ

شیخ ولی اللہ محبّ شاہ افضل خدا نما، مردے عارف معروف و مشہور بود۔ این کس از اولادِ آن بزرگ است۔ در سرکار شاہزادہ جمشید فر مرزا سلیمان شکوہ بہادر[1] در زمرۂ شاعراں نوکری می نمود و

[1] مصحفی (ہندی) از چند سال بصیغۂ شاعری در حضورِ مرشد زادۂ آفاق مرزا سلیمان شکوہ بہادر امتیاز تمام داشت: دو سال است کہ بمرضِ مزمن ناسور پا وداعِ جہانِ فانی کرد۔ مرقدش در پیر جلیل است۔

گاہ گاہے غزل ارشاد جنابعالی متعالی را باصلاح می رسانید۔ شاگرد ارشد مرزا محمد رفیع سودا بود۔ ملکۂ قصیدہ گوئی بسیار داشت۔ دیوانے غزلیات وقصائد ازو بطریقِ یادگار برجستہ ثبت افتادہ۔ جو ہر استعدادش از کلامش آئینہ است۔ ایں اشعار از تالیفِ آن استاد صاحبِ تلاش برنگاشتہ:

روز مرّہ عاشقوں سے ہے جوابِ صاف کا
مٹ گیا ان نو خطوں کے دل سے حرف انصاف کا

یہ رگِ جاں ہے کسی مقتول عاشق کی، میاں
یا کہ جوڑے پر نمایاں رشتہ ہے موباف کا

وہیں جی اٹھتے ہیں مردے، یہ کیا ٹھوکر سے چھونا ہے
وہ رفتار اور وہ قامت، قیامت کا نمونا ہے

مبصر جو ہر خط سے کہیں ہیں اس کے ابرو کو
سرو ہی تھی کوئی بجلی کی جس کا اب یہ اونا ہے

یوں تیرے حسن سے رنگِ رخِ مہتاب اڑے
آگ کے شعلے سے جوں قطرۂ سیماب اڑے

کیا ہے جن نے دنیا چھوڑ سطحِ خاک پر بستر
بچھا اس کے مسیحا سے میرے افلاک پر بستر

قرار اس باغ میں جوں شبنم وگل کس کو ہے یکجا
کبھو ہے سیج پھولوں کی کبھو خاشاک پر بستر

ہے زردیِ رنگِ رخِ عشاق سے ظاہر
بے زر، نہ سمجھے عشق کبھی سیمبراں کا

خود آرائی سے ہووے دل شکن ہم جنس بھی اپنا
بھلا دیکھو تو دشمن کس قدر ہے رنگ شیشے کا

شب جہاں رقاص وہ زہرہ جبیں تھا ہم نہ تھے
ہے بجا شکوہ اس اپنے طالعِ ناساز کا

کاٹی شبِ فراق تو آنکھوں میں تا بصبح
اب آ پہنچ کہ روز ہے پیارے وصال کا

شکستِ دل کی ہوتی ہے درستی بات، کہتے میں
اثر اس سنگ دل کی ہے زباں میں مومیائی کا

شۂ خوباں نے پروانہ لکھا جوں شمع عاشق کو
جلانے کا جگر کے سر کٹانے کا، رُلانے کا

مری دیوانگی کو دیکھ یار آپس میں کہتے ہیں
کہ جانے دو میاں کیا لطف سودائی سے ملنے کا

دل تو پہلے لے چکے اب کیا ہے مطلب آپ کا
بے تکلف وہ بھی کہہ دیجے کہ، ہے سب آپ کا

مستوں کو غسل مے سے ہے واجب کہ بعدِ مرگ
ایذا نہ دیوے دردِ سر ان کو خمار کا

میں معتقد ہوں اپنے اس عشق کی کشش کا
پھیرا مزاج آخر اس میرزا منش کا

صحرا میں خار، باغ میں گل، گل میں بو، ہوا
جس رنگ میں نمود ہوا یار، تو ہوا

اس بزم میں کسی کو ملا غم کسی کو عیش
ساغر کو خندہ گریہ نصیبِ سبو، ہوا

کچھ بات تو بتاؤں گو تنگ حوصلہ ہوں
گر مجھ کو مجھ میں چھوڑے فکر دہان تیرا

تو اور تری چاہ، پوچھنا کیا
صدقے ترے واہ، پوچھنا کیا

صورتِ ہر نقشِ قدم پر ہے بہار
ہے خرامِ ناز میں اس گل کے گلشن زیرِ پا

وہ شعلہ خو لبِ دریا کرے جو بادہ کشی
تو ہووے عکس سے ماہی کباب درتۂ آب

اے گل خنداں ثباتِ عمر ہے شبنم سے کم
یاں بہارِ رنگ پر ہنسنا ہنسانا ہے عبث

کہیں پرویں کو منتشر نہ کریں
جھوم جھوم اس پری کے جھمکے آج

صبح طرب کو شامِ غم اے مہروش نہ کر
مکھڑے پہ اپنے کھول نہ کاکل علی الصباح

زمیں میں گڑ گئے دیکھ اس قدِ رعنا کو خجلت سے
لبِ جو پر اکڑتے تھے کھڑے کیا سرو سر کر

اب اشک کو دیں ہر مژۂ چشم کو لیکن
یہ نخل نہ لاویں گے بجز لختِ جگر بار

نگاہِ شوق ہے غارت گر ہوش
ہجومِ خواب ہے صبح بنا گوش

وہ سجیں کہاں، وہ دھجیں کدھر وہ اکڑ کہاں وہ پھبن غلط
ترے قد سے دعویٰ ہمسری جو رکھے ہے سروِ چمن، غلط

دین و دل سب لوٹ لیتے ہیں کہاں کا اختلاط
ہے خدا کا قہر، ان کافر بتاں کا اختلاط

اے بندہ پرور! اتنا لازم ہے کیا تکلف
اٹھیے، غریب خانے، چلیے، بلا تکلف

مدفن سے عاشقوں کے وہ گلگوں سوار حیف
قدرے عناں کشیدہ نہ گذرا ہزار حیف

لرزاں ہے مرے نالے سے جان و جگر برق
جلتے ہیں مری آہ کے شعلے سے پر برق

مائل کب استخواں سے ہو جز روئے عاشقاں
ہے یہ خورش پسند ہمائے شکستہ رنگ

بیشتر ابرو ہوا میں خوشنما ہے رنگِ گل
نشۂ مل سے مگر مل کر بنا ہے رنگِ گل

اس گل عارض کو جوں خورشیدِ تاباں دیکھ کر
شبنم بیتاب ہو کر اڑ چلا ہے رنگِ گل

عکس چشم مستِ ساقی سے چمن میں بزم کے
مے نہیں، جامِ بلوریں میں بھرا ہے رنگ گل

ابرو باراں کو نہ لوں دیدۂ نمناک کے مول
صد چمن گل نہ خریدوں دلِ صد چاک کے مول

پھونک دے رشک سے گو اس کو فلک پر نہ بکے
برقِ رخشندہ، ترے غمزۂ چالاک کے مول

خنداں لب اس کے رو سے قدح اور قدح سے ہم
بوسے کی مست بو سے قدح اور قدح سے ہم

ہم ہیں کدھر، کہاں ہیں جو ہم میں تمھیں نہیں
سب میں تمھیں تمھیں ہو، نہیں سو ہمیں نہیں

خار ہے گلشن میں اس گل بن ہمیں گل چشم میں
اس کی فرقت میں جو گل دیکھے پڑے گل چشم میں

بہت تھیں کبک کی رفتار کی دھومیں سواب تیری
ان اچپلیوں کی چالوں نے وہ سب پاؤں تلے ملیاں

ساقی کو لے بغل میں ہم توبہ توڑتے ہیں
زاہد کے سر سے شیشۂ تقویٰ کا پھوڑتے ہیں

جنوں کے پڑا ہاتھ کار گریبان
پھٹا اڑ گیا تار تار گریباں

درد اس بیدرد کے آگے کہا جاتا نہیں
بن کہے بھی تو مشکل ہے رہا جاتا نہیں

میں ہی تم سب کا بنا تیرِ ملامت کا نشاں
اس بتِ سرکش کو یارو کوئی سمجھاتا نہیں

ہماری چاہ، صاحب جانتے ہیں
کہوں کیا آہ صاحب جانتے ہیں

اس صندلی قبا نے کیا نقشِ پا کو آج
تو دہ عبیر کا، مری خاکِ مزار کو

محبت سے، طریق دوستی سے، چاہ سے، مانگو
مرا، صاحب! کسی سے دل جو مانگو، راہ سے مانگو

بڑھ کچھ تو ایک بوسے پہ اے یار اور بھی
ہیں جنسِ دل کے ورنہ خریدار اور بھی

بتانِ سنگدل بے رحم ہیں سخت
ملو مت ان سے اے بندو خدا کے

تیرے جو یہی ستم رہیں گے
تو کاہیکو جیتے ہم رہیں گے

دیکھوں میں نظر بھر تجھے اک آن تو دم لے
یہ اشک مرے دیدۂ خونبار سے تھم لے

کینچلی ڈالے ہوئے ہر ایک کالا ناگ ہے
تیل میں، دیکھے جو تیرے موئے سر بھیگے ہوئے

کس کی ہنسی کی دھوم یہ آئی چلی چلی
گل گل شگفتہ ہے جو چمن کی کلی کلی

وام گل مانگے ہے رنگ و بو صبا کی معرفت
گلشن ہستی میں اس کے چہرۂ گلفام سے

گل اندا موں سے مل کر آپ کو رسوا کیا ہم نے
بہت چَو کے ہزار افسوس ہے یہ کیا کیا ہم نے

جس طرف تشنۂ دیدار ترا جا نکلے
اودھر آنکھوں سے بہاتے ہوئے دریا نکلے

قافلہ پہلی ہی منزل میں دیا ہم نے چھوڑ
سفرِ ملکِ عدم کو تنِ تنہا نکلے

ہمرنگِ غنچہ، خامش و دلگیر، بے صدا
ہوں اس چمن میں بلبلِ تصویر بے صدا

سُرمے کو دیکھ کر تری تیغِ نگاہ کے
صیاد وقتِ نزع ہے نخچیر بے صدا

چشمِ پر آب میں جلوہ ہے قدِ دلجو کا
دید کرتا ہوں عجب سروِ کنارِ جو کا

ہاتھ تب عشق کے میں سنگِ گراں پر ڈالا
زور فرہاد کے جب تول لیا بازو کا

خط کی ترے چہرے پر تحریر نظر آئی
پھر سورۂ یوسف کی تفسیر نظر آئی

رکھتے ہیں عینِ وصل سے باہم قریں مجھے
عینک تصور اس کے کی ہے دور بیں مجھے

خانۂ دل کہ نہ ہو عشق کا آئیں جس میں
ہے وہ قرآں کہ نہ ہو سورۂ یسٰیں جس میں

باغ میں جب وہ گلِ تازہ بہار آتا ہے
بوے گل پھر تو ہوا ہی پہ دھری رہتی ہے

اس بت نے گلابی جو اڑا منہ سے لگائی
شیشے میں عجب رنگ سے جھلکے تھی خدائی

ہم جھوٹ کہیں تو نہ ہو دیدار خدا کا
ہے روز قیامت تری اک شب کی جدائی

واللہ ہمیں عشق کی بھولی تھی وہ سب چال
کافر تری رفتار نے پھر یاد دلائی

کی چشم کی سیاہی سفید انتظار نے
تس پر بھی آہ خط نہ لکھا مجھ کو یار نے

جو خواہشِ دل تھی سو وہ ہیہات نہ نکلی
گالی کے سوا منہ سے ترے بات نہ نکلی

محنتؔ، مرزا حسین بیگ

مرزا[1] حسین بیگ محنتؔ، نیاکانش از قدیم الایام باشندۂ مغل پورۂ دہلی بودند۔ ایں مرد از عہدِ طفولیت[2] در لکھنؤ اقامت ورزیدہ، مردِ سپاہی پیشہ است۔ سخنِ خود را از نظر قلندر بخش جراتؔ می گذراند:

آمد نہ فصلِ گل کی نسیمِ سحر سنا
مرجاؤں گا قفس میں نہ ایسی خبر سنا

ناصح یہ نصیحت نہ سنا، میں نہیں سنتا
بک بک کے مرا مغز نہ کھا، میں نہیں سنتا

احوال مرا دھیان سے سنتا تھا ولیکن
کچھ بات جو سمجھا تو کہا میں نہیں سنتا

اس بت نے جو غیروں پہ کیا لطف تو یارو
مجھ سے نہ کہو بہر خدا، میں نہیں سنتا

محنتؔ کو ہے یہ ضعف کہ کچھ اپنی حقیقت
کہتا ہے وہ مجھ سے تو ذرا میں نہیں سنتا

رحم آوے ہے نہ کچھ اس بتِ خونخوار کے دل میں
جب تک کہ اٹھے درد نہ دو چار کے دل میں

کل شبِ وصل میں کیا جلد بجائیں گھڑیاں
آج کیا مر گئے گھڑیال بجانے والے

ہو رقیبوں سے ملاقات اس بت گمراہ کی
اور ترستے ہم رہیں قدرت ہے یہ اللہ کی

---

1. عشقی: تحسین بیگ (تذکرے کی ترتیب کے وقت یعنی تقریباً 1215ھ میں دہلی میں رہتے تھے۔
2. مصحفی (ہندی) بعمر پنج سالگی بطرف پورب رسیدہ۔

الفت ہوئی ہے اس بتِ مغرور سے مجھے　　پھیرے ہے منہ جو دیکھتے ہی دور سے مجھے
قبر پر اس کی چڑھا اپنے ہی دو ہار کے پھول　　٭　آج اے رشکِ پری ہیں ترے بیمار کے پھول
آ گیا غش میں وہ گل ہائے نزاکت کے سبب　　٭　سخت محجوب ہوئے ہم تو اسے مار کے پھول

محمودؔ، حافظ محمود خاں

حافظ محمود خاں محمودؔ قوم افغان ساکن سرہند۔ والد ماجدش بہ وقائع نگاری آن نواح بحرمت وعزت بسر می برد۔ انسان زیرک و عاقل و خوش ارتباط است۔ گاہ گاہے بفکر اشعار متفرقہ می پردازد:

اسے یہ لختِ جگر جا کے دیجیو قاصد　　جو پوچھے خط ہے کہاں آہ کچیو قاصد
نہ لیجے نام کبھو میوہ ہائے کابل کا　　جہان آباد میں گر خشک نان ہو پیدا
دیکھ گل تکیے کو تیرے رشک سے، اے مہ جبیں　　آسماں پر ہوگیا شب یہ مہٗ تاباں سفید
چشمِ خوں آلود کی دولت سے اے محمود خاںؔ　　ایک دن ہم نے نہ دیکھا جیب اور داماں سفید
نسیم چاہیے مرغِ چمن کو کیا زنجیر　　کہ رشتۂ رگ گل ہے اسی پہ پا زنجیر

محسنؔ، محمد محسن

محمد محسن متخلص بہ محسنؔ، از اقربایان قریبۂ سراج الدین علی خاں آرزوؔ و برادرزادۂ محمد تقی میرؔ شنیدہ می شود۔ از علومِ متعارفہ بہرہ اندوز و جوانِ شایستہ و سلیم الطبع و عاقل و صاحبِ دیوانِ ریختہ و فارسی است۔ چند اشعارش بہم رساندہ، بندۂ ذکا درین مقام می نگارد:

ٹک آ کے دیکھ نہیں کچھ بھی حال آنکھوں میں　　پھرے ہے تس پہ بھی تیرا خیال آنکھوں میں
جس دن تری گلی سے میں عزمِ سفر کیا　　ہر اک قدم پہ راہ میں پتھر جگر کیا
حرف تیرے عقیقِ لب کا شوخ　　زندہ کرتا ہے نامِ عیسیٰ کو
یوسفِ مصر پہنچتا ہے کوئی　　تجھ سے دلبر عزیز دلہا کو
مرا رنگِ رو اس قدر زرد ہے　　کہ یاں زعفران زار بھی گرد ہے

٭ ل سے اضافہ۔

اگر شیخ دوزخ میں گرمی ہے زور — مرے پاس بھی اک دمِ زرد ہے
دورے گئے وہ کوہکن و قیس کی جو تھے — میرے جنوں کا اب تو زمانے میں شور ہے
محسنؔ تمام عمر مجھے روتے ہوئے کٹی — اس حمکدے میں آہ کہیں بھی سرور ہے
بہتوں کا عاشقی میں یاں کال ہوگیا ہے — اے دل ابھی سے تیرا یہ حال ہوگیا ہے
ٹک راہ پر تو آؤ اب سیر کو کہ محسنؔ — مانند نقشِ پا کے پامال ہوگیا ہے
تعزیت دار حسرتِ دل ہے — یہ جو گریے کا جامہ آبی ہے
دلِ پر آبلہ مرا محسنؔ — رشک آئینۂ حبابی ہے
جاں بلب ہوں میں نکل جاوے نہ یہ جان کہیں — دل میں حسرت ہی رہی جاتی ہے آمان کہیں
کب تلک نزع کی حالت میں رہوں میں تجھ بن — ہو بھی اے مردنِ دشوار اب آسان کہیں
کیا جانیے وہ شوخ کدھر ہے کدھر نہیں — مجھ کو تو تن بدن کی بھی اپنے خبر نہیں
اس دشتِ پُر خطر کا میں باشندہ ہوں جہاں — آدم کا ذکر کیا ہے ملک کا گزر نہیں
دل مرا وابستۂ ہر تار زلفِ یار ہے — ہے تو دیوانہ پر اپنے کام کا ہشیار ہے
اور یہ عاجز تمھارا کچھ نہیں رکھتا مگر — جانِ برلب آمدہ حاضر ہے، گر درکار ہے

محزوںؔ، غلام شاہ

غلام شاہ متخلص بہ محزوںؔ از[1] پیر زادہ ہائے قصبۂ امروہہ مصلحِ اشعارِ اکثر سخن سنجان آن جا است و علم استادی برافراشتہ بتلاشِ نمایاں خیر خواہِ خلایق۔ این بندۂ ذکارا ہمیں دو شعر از گفتہایش بہم رسیدہ:

بے محابا چاک کرتا ہے گریباں کے تئیں — کس کے آنے سے چمن میں گل کو سودا ہوگیا
اہلِ دنیا تو نہیں دیتے ہیں میرے غم کی داد — کوہکن کو خوابِ شیریں سے جگاؤں تو سہی
روٹھ کر اس دل مجروح سے، دلدار! نہ جا ❖ اے مسیحاے زماں چھوڑ کے بیمار نہ جا
تم نہ فریاد کسی کی نہ فغاں سنتے ہو ❖ اپنے مطلب ہی کی سنتے ہو جہاں سنتے ہو

---

1. اصل/ق: ''ساکن'' بجائے ''از پیرزادہ ہاے''۔ ❖ یہ اشعار ''ل'' سے اضافہ۔

اسیر مرتے ہیں حسرت میں قتل کی، سچ کہہ ٭ خدا کے واسطے کس دن عتاب ہووے گا

محشؔر، مرزا علی تقی

مرزا علی تقی محشؔر تخلص، وے کشمیری الاصل در لکھنؤ تولد یافتہ، بہر دو زباں سخن می گفت۔ چندے در دہلی ہم وارد شدہ۔ اشعارِ خود را بہ نظرِ خواجہ میر دردؔ گذرانیدہ۔ از آنجا کہ شخصے خانہ جنگ و ہنگامہ پرداز بود یک کس ساکنِ دہلی را بہ طمع زر از جاں کشت و بہماں علت خود ہم بہ قصاص رسید[1]۔ آری (مصرع) ہر کسے آن درود عاقبت کار کہ کشت:

جاں منتظر ہے آنکھوں میں وقتِ رحیل ہے ۔ جلدی پہنچ کہ تیرے ہی آنے کی ڈھیل ہے

دور میں اس چشم کے گردوں کو آسایش نہیں ۔ کس گھڑی، کس دم نئی قسموں کی فرمایش نہیں

گفتگو اردو زباں کی کوئی ہم سے سیکھ جائے ۔ کیا ہوا دہلی میں محشر اپنی پیدائش نہیں

شب، سوز اشتیاق سے کچھ اضطرار تھا ٭ سینہ تھا مثلِ شعلہ، نفس بیقرار تھا

محترؔم، خواجہ محترم علی خاں

خواجہ محترم علی خاں محترؔم از عمدہ زادہ ہائے عظیم آباد۔ شاگردِ شاہ گھسیٹا مغفور است[2] کہ عشق تخلص می فرمود۔ از مدتے دران نواح بہ ثروت و شادکامی بسر بُردِ اوقات[3] خوش نمودہ۔ مردِ مستعد و قابل دوست و خیلے قدر شناس و صاحب سلوک و پُر مروت معلوم شد۔ ایں چند اشعار از طبع دریا بارِ اوست:

جو دل سے گرے اہلِ دلوں کے، وہ کدھر کا ۔ دنیا کا، نہ دین کا، نہ اِدھر کا، نہ اُدھر کا

سو بار گر لبوں پر آ، میری جان پہنچے ۔ تو بھی نہ دیکھنے کو وہ بدگمان پہنچے

---

1. مصحفی (ہندی) در سنہ یک ہزار و دو صد و ہشت در عشرۂ ماہِ محرم قابوے وقت یافتہ او را بہ بے کسی کشتند...... عمرش تخمیناً قریب سی رسیدہ باشد۔ 2. شورش لکھتے ہیں کہ وطن دہلی تھا مگر عالمگیر ثانی کے عہد حکومت میں بہار میں آ کر بس گئے تھے۔ وفات تقریباً 1231ھ (تذکرۂ مسرت افزا) 3. اصل: خوش اوقات: تصحیح از روی ل۔ ٭ یہ اشعار "ل" سے اضافہ۔

پیغام اب جنوں کے آنے لگے ہیں مجھ تک　　شاید بہار کے دن نزدیک آن پہنچے

قطعہ

اے محترم! اتنی اشکباری　　کھل جائے ہے ابر بھی برس کر
رونا ہے ترا یہ کیا کہ جس سے　　بدنام ہوا میں، اب تو، بس کر

دیگر

ہاے ہم سیر کو کہاں جائیں　　یار بن سونی ہے سبھی جائیں
خانۂ چشم میں نہیں رہتے　　طفل اشکوں کو کیونکہ بہلائیں
مشفقوں نے مرے کہا ان سے　　محترم کو کہو تو یاں، لاویں
لگے کہنے یہ شرط کر لو تم　　ہم جو مجلس میں اپنی بلواویں
رو نہ دیوے کہ جس کے رونے سے　　ساری مجلس کے چھپے جاویں

مخلص، آنندرام

راے آنندرام مخلص قوم کھتری ساکن دہلی۔ مردے متمول وصاحبِ طالع بعلاقۂ دیوانی سرکار دولت مدار نواب اعتمادالدولہ قمرالدین خاں بہادر، بہ ثروت وحشمت برد، وچندے بعہدۂ وکالت حضوری نواب زکریا خان[1] کہ بخان بہادر مشتہر بودند، اشتغال داشت۔ حاصل این کہ بانواع خوبی ہا واقسام مروت ونیکنہامی[2] شہرۂ آفاق بودہ است۔ شاعرِ پُر زور فارسی بود واشعارِ خود را بہ اصلاح مرزا عبدالقادر بیدل[3] کہ استاد آن زمان بودند، می رساند۔ بہ استعداد ذاتی وجوہر باطنی سخن را بمرتبۂ رسانده ودر شاعرانِ ہم عصر خود نامے پیدا کردہ،[4] این شعر از طبعزادِ او شنیدہ می

---

1. اصل: ذکرایا؛ متن تصحیح قیاسی؛ اصل: نیکیہای؛ متن مطابق ل۔ 2. اصل/ق: اشتہار داشت۔ 3. بیدل وخانِ آرزو کے شاگرد تھے۔ 1164ھ میں وفات پائی (مختارالدین احمد)۔ 4. ل میں یہاں سے آخر تک ندارد۔

آید۔شاید بپاس[1] خاطر احبا کہ پاسِ ایں مراتب بدرجۂ اتم داشت، ارشاد کردہ باشد:

آنے کی دھوم کس کے گلشن میں اب پڑی ہے　　ہاتھ ار گجے کا پیالہ نرگس لیے کھڑی ہے

مخلصؔ، مخلص علی خاں

نواب مخلص علی خاں مخلصؔ ساکن مرشد آباد بسیار اہل چشم و بامروت وخوش سلوک بود، اکثر حرکاتِ[2] شجاعت وتہوری ازو بخوبی جلوۂ نمایش یافتہ۔ زبانی بعضی رفقا کہ از آنجا بہ حضرتِ دہلی تشریف آوردند، اوصاف[3] آں بزرگوار گوش زدِ ایں عاصی پر معاصی ذکاؔ گردید۔ بہر حال ایں شعر ازو تحقیق شدہ:

بہت اپنوں پہ تو کرتا ہے جفا، کہتے ہیں　　بے وفا! لوگ تجھے دیکھ یہ کیا، کہتے ہیں

مختارؔ، غلام نبی خاں

حافظ غلام نبی خاں مختارؔ استادزادۂ نواب وزیر الممالک عماد الملک نواب غازی الدین خاں بہادر رحمہم اللہ عنہ[4] شعر فارسی و ہندی ازو سر می زد کلامی تخلص می نمود۔ بعد چندے مختارؔ تخلص ساختہ۔ ایں[5] مطلعِ دلاویز ازوست:

میں اپنے دل کے صدقے اور اپنی چاہ کے صدقے　　ملایا جس نے تجھ سا یار، اس اللہ کے صدقے

مریدؔ، مرید حسین خاں

مرید حسین خاں مریدؔ، مہین[6] پور انعام اللہ خاں یقینؔ بود۔ بسپاہ گری بسر برد۔ اشعار متفرقہ بر صفحۂ گیتی[7] ازو یادگار افتادہ۔ تلاشی داشت:

درد اور غم میں مبتلا ہیں ہم　　درد مندوں کے مقتدا ہیں ہم

---

1 اصل/ق: بپاسِ خاطر برادری یا دوستداری۔ 2 اصل/ق: جوانمردانہ و دلیرانہ ازو بخوبی تمام۔ 3 ل: آوردہ بوند؛ اصل۔ اضافۂ مولف: اوصاف۔ 4 ل میں یہاں سے نہیں۔ 5 کذا در اصل۔ 6 اصل /ق: پسر کلاں۔ 7 ل: گذاشت۔

کس طرح غرق ہو سفینۂ درد — کشتیِ غم کے نا خدا ہیں ہم
مثلِ سیماب کیوں نہ دل تڑپے — آئنہ رو سے اب جدا ہیں ہم
شاید یہ تیغ تیری سیماب میں بجھی ہے — کشتہ تری نگہ کا مضطر ہے اب کفن میں
تھا وعدہ سر شام کا پھر اب ہے سحر کا — ڈرتا ہوں کہیں صبح سے پھر شام نہ ہووے
وفا کا حق ادا کرنے کو ہم ارمان سے گزرے — نہ گزرا ظلم سے ظالم، ہم اپنی جان سے گزرے
واقف اگر نہیں تو نہ ہو ہم سے، ہم صفیر — اک مدت اس قفس میں ہیں ہم بھی رہا کیے

مرہونؔ، رضا علی

میر علی رضا مرہونؔ [1] اصل او مشہد مقدس و مولدش شاہجہاں آباد۔ دریں ولا از لکھنؤ بحیدرآباد رفتہ و درسلکِ ملازمان معززۂ مشیر الملک نواب نظام علی خاں بہادر منتظم گردیدہ۔ و در ہمچشماں معزز گشتہ۔ مصلح اشعارش میر نظام الدین ممنونؔ، سلّمہٗ [2] است۔ اکثر اشعار رنگینش پہلو بہ استادا وی زند و خالی از تلاش و کیفیت نیست:

جز یک نگاہِ خشم ادھر اس کی خو نہیں — قسمت تو دیکھ وہ بھی کبھو ہے، کبھو نہیں
کیا سودا اپنے سر میں، اب دل کی جستجو کا — یاں آتش دروں سے وہ جل چکا کبھو کا
ہر آرزوے دل کو حرماں نے خوں کیا ہے — گردن پہ یاس کی ہے خوں اپنی آرزو کا
عرق اس لطف سے ہے زیرِ زلف اس روے تاباں پر — شب مہتاب میں جلوہ ہو جوں عقدِ ثریا کا
سراپا ہوگیا آئینہ ساں جو محوِ حیرانی — دل مرہوں ہوا ہے محو اس کے روے زیبا کا
جہاں رکھتا ہو حکمِ نیشتر ہر خار صحرا کا — وہاں کیا کیا مزہ دے آبلہ میرے تہِ پا کا
پڑا ہے شور جب سے دل میں اس کانِ ملاحت کا — یہاں ہر زخم روکش [3] ہے نمکدانِ قیامت کا
برہنہ پائی لے چل مجھ کو اس خارِ مغیلاں تک — جہاں ہر خار کو دعویٰ ہے نشتر کی نیابت کا
نہیں ہے ملتفت مدت سے یاں وہ دشنۂ مژگاں — لبِ ہر زخمِ دل سے خوں ٹپکتا ہے شکایت کا
یہاں گو حوصلہ طاقت کا برگِ کاہ سے کم ہے — ولے روکش سدا رہتا ہوں صد کوہِ محبت کا

---

[1] مصحفی (ہندی) کہ پیشتر مضمونؔ تخلص می کرد۔ [2] ل ''سلّمہٗ'' ندارد۔ [3] اصل/ق: ہے مہماں۔

شہیدِ لطفِ قاتل ہوں کہ بعد از قتل کل اس نے   کیا مجرم لبِ افسوس انگشتِ ندامت کا

*مستزاد:

ہے مطرب و ساقی و مے و ساغر و مینا   اور بزمِ مسرت
زندان ہی تجھ بن نہیں اے انجمن آرا   یہ محفلِ عشرت
کس طرح سے ہوتا ہے شبِ وصل میں یارب   یہ خاطرِ دلگیر
ہے دل میں گرہ اپنے یہاں لاکھ تمنا   اور تھوڑی سی فرصت
یارانِ سفر منزلِ مقصود کو پہنچے   اور ضعف سے مرہون
تنہا رہے اس دشت میں ہم آبلہ فرسا   اے وائے مصیبت

مرزا، صادق علی خاں

مرزا صادق علی خاں مرزا تخلص، ساکن حضرتِ دہلی۔ در فنِ نقاشی دستی داشت و در علم موسیقی مہارتِ کلّی بہم رسانیدہ بود۔ از شاگردانِ رشید میاں نعمت اللہ خان کہ شخصے سرود پرداز، استاد کار خود بودہ است۔ خیلے خوش معاش، نیک زندگانی، یار باش، کشادہ پیشانی تحقیق[1] شد۔ خداش بیامرزد۔ اشعارش این است:

دل ہاتھ سے، اشک آنکھ سے، جی تن سے، چلا جائے   اے وائے مصیبت کوئی کس کس کو سنبھالے
اس کی خو سے نہیں واقف، انھیں رونے سے ہے کام   کیا کیا چاہتے ہیں دیدۂ گریاں مجھ سے

مرزا، مرزا محمد

مرزا محمد المتخلص بہ مرزا، اصلش توران واز سالہا سال بحیدر آباد سکونت داشتہ۔ ہمانجا بسپاہگری بسر برد۔ این[2] دو بیت منجملہ قصیدۂ کہ[3] در توصیف نواب نظام الملک بہادر گفتہ بود، باین حقیر سراپا تقصیر بہم رسید:

---

1 ل: متحقق شد۔ 2 اصل/ق: ہمیں۔ 3 اصل/ق: در شانِ اعظم الامرا۔ * ل سے اضافہ۔

قطعہ

عجب ہے تجھ پہ اگر ہوں نہ جن و انس فدا | کہ نام نامی ہے تیرا تو اعظم الامرا
سوار ہووے تو جب پالکی میں اے نواب | نگاہ روبرو اقبال بولے، آگے آ

مرزاؔ، حکیم فضل اللہ

حکیم فضل اللہ مرزاؔ تخلص ساکن پانی پت، بعضی بمرزا اینا ہم نامزد کردہ اند۔ مرد طبیبے است بمعالجۂ اکثرے از ساکنانِ آندیار بہمت وتوجہ می گمارد و دستِ شفا دارد۔ مرد خوب است۔ بہر دو زبان شعر [1] پیرا و سخن سرا است۔ از گفتہایش این بندۂ ذکاؔ چند ابیات درین محل رقم می گرداند:

اس طرف یار کا گزار نہیں | دلِ بیتاب کو قرار نہیں
سخت مشکل ہے ہجر میں جینا | زندگی اپنے اختیار نہیں
خالی اس سے نہیں ہے کعبہ و دیر | کون سے سنگ میں شرار نہیں

رباعی

جس جا یہ غرور دل ربائی دیکھا | واں مظہر کامل خدائی دیکھا
اعجاز میں جو یدِ بیضا سے دو چند | دیکھا تو پنجۂ حنائی دیکھا

اے چرخ تری ہزار بازی دیکھی | ہر لحظہ نئی ہی ترکتازی دیکھی
آخر کو کرے تو داغِ دل کو ناسور | دیکھی تری یہ چارہ سازی دیکھی

مروتؔ، صغیر علی

شیخ صغیر علی مروتؔ خلف حکیم کبیر ساکن سنبھل قوم شیخ [2] جوان طالب علم است درفن شریف

---

[1] ل: سخن پیراست (اس کے بعد انتخاب کلام)۔ [2] اصل۔ اضافۂ مولف ''قوم شیخ'' ل: قوم انصاری (تخلص کے بعد)۔

طبابت مہارتے دارد۔ بدستیاریِ استعداد مثنوی در جواب مثنوی[1] بدرِ منیر تصنیف میر حسن[2] گفتہ پر زور برشتۂ تنظیم منسلک گردانیدہ۔ از شاگردانِ مرزا محمد رفیع[3] سودا است و بعدِ وفات مرزا مرحوم بشاگردیِ قلندر بخش جرأت میل نمودہ۔ شعر پر کیفیت می گوید:

غیروں پہ دیکھ دیکھ کرم اس نگار کا — چیں بر جبیں ہے نقش ہمارے مزار کا
گو مثلِ گردباد ہوں، گردش نصیب میں — پر ہے دماغ عرش پہ اس خاکسار کا
کیوں تونے وا کیا تھا بندِ قبا چمن میں — اڑتی پھرے ہے بلبل گل سے خفا چمن میں
حسنِ چشم آہ، یہ کس گل کا مجھے بھاتا ہے — خواب میں تختۂ نرگس ہی نظر آتا ہے

قطعہ

مہروش یہ ترے گیسوے سیہ کے نیچے — خالِ مشکیں مجھے اس طرح نظر آتا ہے
جس طرح وقتِ سحر موسمِ سرما میں غزال — شاخِ سنبل کے تلے دھوپ کھڑا، کھاتا ہے
ہے حسن کی اک موج سر ماہِ مبیں پر — قطرے یہ عرق کے نہیں اس چینِ جبیں پر
کیا صدف ہوں میں جو رکھوں ہر گھڑی جوہر بدست — جوہر شمشیر ہوں، رہتا ہوں نت خنجر بدست
اپنی صیادی پہ وہ صیاد کیا نازاں ہے واہ — آ گیا ہے اک جو مجھ سا طائرے بے پر بدست

مزمّل، شاہ مزمل

شاہ مزمل، مزمّل تخلص درویشے بود در دہلی۔ اکثر اشعار بموجب رویۂ عہدِ خود می گفت۔ الا کلامش خالی از تلاش و نزاکت نیست۔ خاکپاے بندۂ ذکا ایں ابیاتِ دلاویزش بنوکِ قلم عجز رقم می دہد:

من ہرن میرا مزمّل رَم گیا — دشمنوں کے من کی چھپی ہو گئی
آنکھ لاگی، سوگیا، سونا نہ تھا — ہوگیا وہ کام جو ہونا نہ تھا

---

1 اصل/ ق: قصیدہ۔ 2 ل: میر حسن بزور گفتہ و برشتہ۔ 3 مصحفی (ہندی) در آغاز شباب اول چندے بہ ترغیب میر حسن فکرِ شعر کردہ و از نظر ایشاں گزرانیدہ و بعد ازاں...... اقرار شاگردیش بہ یک کس نیست۔

میں نہ کہتا تھا مزّلؔ دل نہ دے　　نقد ایسا رایگاں کھونا نہ تھا

مسافرؔ، میر پائندہ

میر پائندہ مسافرؔ تخلص شخصے بود از باشندگان شہر قدیم کہ معروف بہ چورغام[1] است۔ در ہنگامۂ شاہ ابدالی کہ صدمۂ شدید بر ساکنان این مکانی جنت نشاں گذشت و[2] عالمے چوں بنات النعش متفرق و پریشاں گردیدند، از مسکن قدیم برخاستہ در بلدۂ بریلی رحل اقامت افگند و ہمانجا ایام[3] حیات مستعار بسر بُرد:

مار دنیا پہ لات بیٹھے ہیں　　دھو کے عقبیٰ سے ہات بیٹھے ہیں

مسرتؔ، وزیر علی

شیخ وزیر علی مسرتؔ ساکن دہلی شاگرد میر عزت اللہ عشق۔ از چندے شغل شریف سخن[4] گوئی اختیار نمودہ۔[5] تازہ گواست۔ بہر حال بہ می گوید:

ہاتھ آجائے نصیبوں سے تو پھر آٹھ پہر　　رکھوں چھاتی سے میں اس شوخ کی تصویر لگا

کیا گرم وہ بولا مجھے کل تیر لگا کر　　یہ سرد ہوا، کیا کروں شمشیر لگا کر

کر یاد بہت میں دلِ دلگیر کو رویا　　کل غنچے کو لے چھاتی سے تا دیر لگا کر

تقریر کی مسرتؔ رکھتا نہیں میں طاقت　　بے درد کو سناؤں غم کی کتاب کیونکر

تار تار اس دلِ بے جاں کو کرے ہے ہر دم　　تیرے اے یار یہ اس طرّۂ دستار کی رمز

آنکھوں کو ہی رونے سے فقط کام نہیں ہے　　دل کو بھی کسی طرح کا آرام نہیں ہے

جس دم جھڑی لگے مری اس چشمِ زار کی　　پھٹ جائے چھاتی دیکھ کے ابر بہار کی

قطعہ

کوئی غمخوار جہاں میں نہیں ایسا اے وائے　　جس سے دو چار گھڑی دل کو بھلایا کیجے

---

1. کذاست در اصل؛ ل: جورانت۔ 2. اصل۔ اضافۂ مولف ''و عالمی ...... گردند''۔ 3. ل: مُرد۔
4. ل: شاعری اختیار نمودہ۔ 5. ل: ''تازہ گواست'' ندارد۔

اس سے بہتر ہے یہی بیٹھ کے اک کونے میں
حضرتِ دل کو یہ افسانہ سنایا کیجے

دل میں کہتا ہوں، نہ اس شوخِ جفا کار سے مل
بے خبر مل، تو کسی یارِ وفادار سے، مل

مسرؔت

مسرؔت تخلص قوم کایتھ ساکن دہلی از تلامذۂ محمد نصیرالدین نصیؔر۔ ایں ابیات از تالیفِ او عاصی ذکؔا در ینجا می نگارد:

کھلی واں زلف کیا چہرے پہ یارو بھر نظر دیکھو
کہ رات آئی ہے مایوسی کو مہ کی دوڑ کر دیکھو

قرار و صبر دل سے ہے رواں اور آہ سینے سے
کدھر یہ قافلہ جاتا ہے یارو سوچ کر دیکھو

ہوا ہے پاٹ دریا کا یہ میرا تختۂ دامن
عجب صورت سے طوفاں خیز ہے یہ چشمِ تر دیکھو

کہے ہے خضر اس کی پشت لب پر یوں مرے دل سے
یہ چشمہ آبِ حیواں کا ہے اس کو آن کر دیکھو

سراسر مانگ کی جانب یہ کہہ کر زلف کھینچے ہے
کدھر جاتے ہو راہِ عشق تو ہے یہ، اِدھر دیکھو

نہیں قطرے عرق کے یہ نمایاں اس کے کاکل میں
چمکتے ہیں شبِ یلدا میں اختر سر بسر دیکھو

مستمنؔد، یار علی بیگ

یار علی بیگ مستمنؔد ساکن عظیم آباد۔ شاگرد مرزا ابجو بیگ فدوؔی ایں مطلعِ دل پسند از وست:

نزع تک وصل کی ہے، یار! امید
ہے مثل، ایک دم ہزار امید

مسیؔح، مسیح اللہ

مرزا مسیح اللہ بیگ عرف مرزا حاجی متخلص بہ مسیؔح، مردے بود سپاہی ساکن حضرتِ دہلی بسیار جواں مرد و شجاعت کیش، از خدمتِ سراپا برکت میر فتح علی خاں حسیؔنی مدظلہ استفادہ نمودہ۔ از چندے این جہانِ فانی را پدرود کردہ، در جوارِ رحمت آمرزگار پیوستہ:

برہم نہ کیجو کاکلِ دلدار دیکھنا
اس میں نسیمِ دل ہے، گرفتار، دیکھنا

فریاد و آہ و نالہ نہ واں کیجیو کبھی
نازک بہت ہے خاطرِ دلدار دیکھنا

ہجر میں یاں تلک خراب ہوئے — مرگئے، جل گئے، کباب ہوئے
دل میں مسکن تھا اس پری رو کا — ہم عبث در بدر خراب ہوئے
خانہ آباد تیرے ظلموں سے — کتنے عالم کے گھر خراب ہوئے
کیا عدم میں، مسیح تھا آرام — یاں عبث آن کر خراب ہوئے
کیا کیا مزوں سے سیرِ چمن کی ہے عندلیب — کیونکر نہ آوئے یاد بھلا گلستاں مجھے
بر گشتہ طالعی کا کروں کیا بیاں مسیح — آزارِ جاں ہوا ہے، وہ آرام جاں مجھے

مسیح، مسیح اللہ خاں

مسیح اللہ خاں مسیح از دہلی است۔ جوانِ شگفتہ جبیں و پسندیدہ آئیں۔ خلیے خوش مزاج سراپا سرور و ابتہاج۔ شاعر فارسی و ہندی۔ طبع[1] ذہین دارد و کلام متین:

لگتے ہی ہوگیا جگر کے پار — تیرِ مژگاں نے زور کام کیا
ترک آرام و خواب و صبر و قرار — عشق میں تیرے ہم نے کیا، نہ کیا
ہماری چشمِ دریا بار نے اک آن مین یارو — دوبارہ پھر دکھائی خلق کو طوفان کی صورت
اٹھادے یار حالِ دل کو میرے وائے کیا کاغذ — کہ سنتے ہی ہوا جاتا ہے خود پشتِ دوتا کاغذ
کیجیے تو کیجیے کسی کامل سے اختلاط — ہے ورنہ خوب اپنے ہی پھر دل سے اختلاط
آیا نہ آہ وہ بتِ خود کام اب تلک — پایا نہ انتظار نے انجام اب تلک
خالی ظہور اس کے سے کوئی مکاں نہیں — وہ یار سب جگہ ہے، بتاؤ کہاں نہیں
جب کہی بات اس نے جانے کی — اڑ گئی روح اِس دوانے کی

مسیح، مرزا باقی

مرزا باقی مسیح تخلص مردیست تجارت پیشہ کشمیری الاصل ساکن حضرتِ دہلی ہمشیرہ زادۂ نواب وجیہ الدولہ خاں بہادر وجیہ سلمہٗ۔ ایشاں دانشمند و فہمیدہ و صاحب سلیقہ و باحلم و مودت بنظر

1۔ ل میں یہ جملہ ندارد۔

افتاد۔ گاہ گاہ بہ تصنیفِ اشعارِ[1] متفرقہ اوقاتِ شریف صرف می نماید۔ ایں اشعار مستلزم بآں بزرگ است:

شاید کہ موے زلف کا شانہ تھا دستِ غیر	بے ڈھب رہا تھا جی کو مرے پیچ و تاب رات
یہ آخر دل ہے انساں کا نہ ساغر ہے نہ شیشہ ہے	کہاں پاؤ گے، پھر کیوں خاک میں اس کو ملاتے ہو

مسکیںؔ، مرزا اکلو بیگ

مرزا اکلو بیگ مسکیںؔ قوم مغل سپاہی بے نظیر از ساکنین شاہجہاں آباد۔ مدتے است کہ از او ہوس دنیا دست کش بودہ، بگوشۂ[2] قناعت نشستہ، قلندرانہ و درویشانہ می گذارد[3]۔ از گفتۂ اوست:

اشک کہتے ہیں صبا سے دور ہو آئے ہیں ہم	دار پر مژگاں کی چڑھ، منصور ہو آئے ہیں ہم

رباعی

دنیا میں اسی کو بادشاہی بھی ملے	عقبیٰ میں اسی کو روشنائی بھی ملے
جو دل سے کرے رجوع سوے حسنین	شاہی بھی ملے و دلکشائی بھی ملے

مشتاقؔ، مشتاق علی خاں

مشتاق[4] علی خاں مشتاقؔ[5] قوم افاغنہ اصلش ایران و مولدش دہلی، اول بہ عبداللہ خاں موسوم بود۔ در جرگۂ[6] شعراے حضور فیض ظہور منتظم شدہ بہ عزت و وقار و تمکنت و شخصیت و اعتبار بسر بُرد و بخطاب مشتاق علی خاں سرفراز گشت[7]۔ در قرعہ اندازی و نوشتن خطِ نستعلیق و ثلث و نسخ و شفیعائی دستگاہے داشت و از بسکہ شوق اکسیر سازی بدماغش مزمن گشتہ بود، جہت تلاش اکسیر گیاہ ہاے کہ

---

1. ل: ترین سلمہ؛ وجیہ درست امت زیرا کہ ذکاؔ خود در ذیل داد ترجمہ نواب وجیہ الدین خاں تحت تخلص وجیہ آوردہ است۔ 2. ل میں یہاں سے آخر تک ندارد اور اس کی جگہ "بسر می برد"۔ 3. اصل/ق: از کلام اوست؛ خ: از اشعار متفرقہ اش فردے و یک رباعی می نویسد۔ 4. ل: متاں۔ 5. اصل/خ: از الہ آباد بدہلی آمدہ۔ 6. اصل/ق: بجرگۂ خواصاں۔ 7. ل: و بعزت و وقار و تمکنت و اعتبار بسر برد۔

ازاں اکسیری می سازد[1] بیشتر اوقات از شہر بدر رفتہ بسیرِ صحرا و تماشاے کوہ و ہامون می پرداخت اگرچہ ہمعصر بود الا اتفاقِ[2] دیدنش نیفتادہ۔ بہرحال شاعرِ خوب و مربوط[3] گو بود۔ زبانِ فصیح داشت۔ از بعضے اشعارش بوے دردی آید۔ ایں ابیات ازاں مغفور و مرحوم است:

آہ لاحق عشق کی کیسی یہ بیماری ہوئی — بارہا نبضیں چھٹیں، اکثر غشی طاری ہوئی
دل سنبھل، چل دزدیِ بوسہ شبِ دیگر پہ رکھ — یار چونکا، پاسبانوں میں خبرداری ہوئی
کیوں نہ تو بھٹکی پھرے اے خواہشِ دل میرے بعد — کر چکے ہم عاشقی گر زندگی پیاری ہوئی

قطعہ

تو نہ آیا دیر تک چھاتی پہ دم اٹکا رہا — جان عاشق کی رہاتن سے بدشواری ہوئی
اب تو آ ظالم جنازے پر بہ تقریبِ نماز — جانبِ گورِ غریباں اس کی تیاری ہوئی

شخصے دوستدار بمن می گفت کہ ہنگامِ نزع پیشِ مشتاق علی خاں مشتاق موجود بودم۔ حسبِ حال ایں مطلع ازو سرزدہ:

سبھی دوستوں سے ہے رخصت ہماری — دمِ واپسیں سے ہے صحبت ہماری
ہونٹ کے ہلتے ہی قاصد کا کیا کام تمام — سن تو لیتا ارے ظالم! مرا پیغام تمام
لاحق ہی رہا کرتی ہے اکثر طپشِ دل — جی لے ہی کے جائے گی مقرر طپشِ دل
طاق سے شیشے گرے اور اس کے دل سے ہم گرے — اک شکستن کی صدا تھی اس سرے سے اس سرے
ہم نے قشقہ بھی دیا ترک مسلمانی بھی کی — چین[4] کافر نہ صنم کی گئی پیشانی کی
یار الا آن کما کان میں دُر دانی کی — جی لرزتا ہے کہ یہ فوج ہے درّانی کی
ہنسے ہے دمبدم پاں فصل کی تدبیر کا نقشا — دکھائی دے ہے کچھ بے ڈھب ہمیں تقدیر کا نقشا
ہم غریبوں کی نہ کی تم نے کبھو غمخوارگی — جو رضا تیری، پیارے بندگی بیچارگی
گلی میں تری جستجو تھی کسو کی — ملی خاک میں آرزو بھی کسو کی
دمِ مرگ لکنت کا مت پوچھ باعث — زباں پر گرہ گفتگو تھی کسو کی

---

1 اصل/ق: اکثر اوقات۔ 2 ل: شرفِ دیدنش۔ 3 اصل/ق: مضبوط۔ 4 ل: چینِ ابرو نہ گئی یار کی۔

کبھو اشک بھر آئے تو پی گئے ہم — کہ مدِّ نظر آبرو تھی کسو کی

اپنی ہم بندگی پہ بھولے تھے — پھر جو دیکھا تو واں خدا ہی ہے

کی یک نگاہِ یاس جو مژگانِ یار پر — سو برچھیاں چلیں دلِ امیدوار پر

جی بند ہو نکل بھی گیا تو کُھلی رہی — اے چشم! آفریں ہے ترے انتظار پر

مشتاق تیرا کشتۂ تیغِ فراق ہے — تقریبِ فاتحہ سے چل اس کے مزار پر

خرد کو روؤں یا اس دلِ رئیسِ ناز پرور کو — کیا اک تُرک نے غارت مرے لشکر کو

مکدر ناقۂ لیلیٰ چلا آتا ہے صحرا سے — صبا کس نے ستایا آج قیسِ خاک بر سر کو

مسی آلودہ وہ دنداں تبسم میں تماشا کر — نہ دیکھا ہو چمکتے گر شبِ یلدا میں اختر کو

تجھ بن بتا تو کس کو خوش آتی ہے چاندنی — ہم دل جلوں کو اور جلاتی ہے چاندنی

رنگ کیوں سبز ہے چہرے کا ترے اے مشتاق — کن نے دیکھا ہے تجھے زہر بھری آنکھوں سے

نے لطف، نہ کچھ مہر نہ کچھ پیار ہی دیکھا — ظالم سے جو دیکھا سو میں آزار ہی دیکھا

مشتاق کو کیا غم ہے خدا جانیے یارو — دیکھا اُسے جب ہم نے تو بیمار ہی دیکھا

مشتاق، عنایت اللہ

میر عنایت اللہ مشتاق، مولدش[1] شاہجہاں آباد قوم سید پیرزادۂ سرہند از اولاد امجاد حضرت سید جلال بخاری قدس سرہٗ، درویش وضع، سلیم الطبع چسپاں اختلاط مستحکم ارتباط از دہلی[2] بہ قصبۂ رامپور رفتہ بجوار رحمت الٰہی متوطن گشت:

اے باغباں نہ جائیو بلبل کے متصل — بیٹھی ہے کس خوشی سے وہ ٹک[3] گل کے متصل

الجھے ہوئے ہیں سیکڑوں دل اس کے پیچ میں — اے شانہ تو نہ جائیو کاکل کے متصل

بیٹھ اپنے ایک بار تو گھائل کے متصل — کھایا ہے ان نے زخمِ جگر دل کے متصل

---

1 اصل/ق: قوم سید از پیرزادہائے سرہند۔ 2 اصل/ق: بہ قصبۂ رامپور؛ سرور: قریب بست سال شدہ کہ طرف رامپور رفتہ بود۔ 3 ل: بلبل کے متصل۔

خونخوار سج بنا کے وہ بیٹھا ہے اس گھڑی　　یارو سنبھل کے جائیو قاتل کے متصل
کیا جانے کیا کہے گا خبر آگے شوخ کے　　قاصد کو دیکھ دور سے چھاتی دھڑک گئی

مصدؔر، میر ماشاء اللہ

حکیم میر ماشاء اللہ خاں مرحوم مصدؔر تخلص، والد بزرگوار حکیم انشاء اللہ خاں انؔشا۔ وے یکے از دانایان زمانہ بسیار خوش معاش عمدہ تلاش اہل حشمت و صاحب علم با تمکنت، سراسر علم شاعر بدیہہ گوے فارسی۔ اشعار ہندوی [1] از تصنیف آن عالی خاندان کمتر [2] بہ سمع ذکاے ہیچمداں رسیدہ۔ برخی کہ دست داد ازاں [3] دو مطلع دریں جا ثبت می گرداند:

خدا کرے کہ مرا مجھ سے مہرباں نہ پھرے　　پھرے جہاں تو پھرے پر وہ جانِ جاں نہ پھرے
کافر [4] ہو سوا تیرے کرے چاہ کسو کی　　صورت نہ دکھاوے مجھے اللہ کسو کی

مصحفؔی، غلام ہمدانی

میاں غلام ہمدانی مصحفؔی سلمہٗ، اصلش [5] امروہہ۔ شاعریست دیرینہ، از دہلی بہ لکھنؤ رفتہ۔ در آنجا ساز و برگے بہم رساندہ وگلہاے سخن از شاخسارِ طبیعت بہ گل زمین حال افشاندہ۔ یک دیوان و تذکرۂ فارسی و سہ دیوانِ مردف و تذکرۂ ہندوی برروے کار آوردہ و قصیدۂ چند بکمال خوبی و متانت کلام در مدح شاہزادۂ عالی مقدار مرزا سلیماں شکوہ بہادر از و سرانجام یافتہ و دراں [6] سرکار بہ تصحیح شاعری نوکر است۔ در اطراف و جوانب لکھنؤ نام بہ استادی برآوردہ و [7] شاگردان جمع نمودہ۔ در اوقاتِ بودن شاہجہاں آباد مجلس مشاعرہ بخانۂ آں بزرگ حسنِ انعقادی یافت و تمامی سخنورانِ آں دیار جنت آثار فراہم می آمدند۔ شاعر مسلم الثبوت است، تصانیفِ بسیار دارد و باایں ہمہ صحتِ محاورہ

---

1. اصل/خ: بکتر۔ 2. اصل/ق: ایں ذکا۔ 3. اصل/ق: ازاں انتخاب؛ ل: دو مطلع از دست۔ 4. اصل/ق: کافر ہو وہ تجھ بن جو۔ 5. اصل۔ اضافۂ مولف: اصلش از امروہہ۔ 6. اصل۔ اضافۂ مولف ''و دراں......است''؛ ل: و دراں سرکار بہ صیغۂ شاعری؛ اصل/ق: تلامذہ جمع کردہ۔ 7. اصل/اضافہ مولف۔ ''جنت آثار'' نیز ''شاعر......دارد''۔

واستخواں بندی الفاظ کما حقہ دراں یافتہ می شود۔ از کلامش بوے متانت بمشامِ جاں می رسد و ہوائے سخنش بے اختیار دامنِ دل می کشد:

یا آوے مرا دل کسی عنوان ٹھکانے
یا اس غمِ فرقت میں لگے جان ٹھکانے

وہ بت نظر آتا ہے مجھے نامِ خدا ہاے
دیکھے سے رہے جس کے نہ ایمان ٹھکانے

اٹھتے ہی ترے ہوش وحواس اپنے ہوئے گم
تو بیٹھے تو آویں مرے اوسان، ٹھکانے

آویزہ بنا محملِ لیلیٰ کے جرس کا
صد شکر لگا اب دلِ نالان ٹھکانے

نومید پھرا واں سے جو قاصد تو کہا، لو
یہ خط نہیں لگتا کسی عنوان ٹھکانے

او دامن اٹھا کے جانے والے
ٹک خاک سے ہم کو بھی اٹھالے

نزدیک زبس اُن سے ہیں رخسار تمھارے
حظ لوٹیں ہیں زلفوں کے گرفتار تمھارے

ایک دو گالیاں اس شوخ کی کھا، رہتے ہیں
اپنا جو روز مقرر ہے سو، پا رہتے ہیں

وہ ہی اک ضد کی تری بات چلی جاتی ہے
تو سمجھتا نہیں اور رات چلی جاتی ہے

آہ کیا کیجیے اس جامۂ عریانی کا
شوق دل ہی میں رہا چاک گریبانی کا

رباعی

وہ شوخ ابھی و تو مجھ سے رم کرتا ہے
جوں چاہیے اختلاط کم کرتا ہے

اتنا تو نہیں ستم نہ ملنا اس کا
غیروں سے ملے ہے یہ ستم کرتا ہے

شوخی تو دیکھو تیر کو سینے سے کھینچ کر
کہتا ہے میرے تیر کا پیکان رہ گیا

چین سے کیونکہ میں سوؤں کہ شبِ ہجر مجھے
یاد آتا ہے وہ راتوں کا جگانا تیرا

دستِ جنوں سے جبکہ لگیں اڑنے دھجیاں
ہم نے بھی اپنا جیب سلانا اڑادیا

کچھ تڑپھنے کا مجھ کو مزہ ہی نہیں اٹھتا
جب تک کہ ترے شانے سے شانہ نہیں ملتا

آوے جو بہانے سے چلا شب مرے گھر تو
ایسا تجھے کیا کوئی بہانہ نہیں ملتا

قصد کرتا ہوں جو اُس در سے کہیں جانے کا
دل یہ کہتا ہے تو جا، میں تو نہیں جانے کا

کھڑا نہ سن کے صدا میری ایک یار رہا
میں رہروانِ عدم کو بہت پکار رہا

تمھارے[1] ڈر سے نہ دیکھا اُدھر، بہت شبِ وصل
ستارۂ سحری مجھ کو آنکھ مار رہا

نہ پوچھ عشق کے صدمے اٹھائے ہیں کیا کیا
شبِ فراق میں ہم تلملائے ہیں کیا کیا

ذرا تو دیکھ تو گھر سے نکل کے او بے مہر!
کہ دیکھنے کو ترے لوگ آئے ہیں کیا کیا

انگڑائی لے کے مجھ پر اپنا خمار ڈالا
کافر کی اس ادا نے بس مجھ کو مار ڈالا

شب آسماں سے تارے آنکھیں لگے لڑانے
نرگس کا جب گلے میں اس مہ نے ہار ڈالا

قاتل کی تیغِ ابرو دمتی ہے سو ادا سے
بجلی کا جم طپانچہ اس پر سے وار ڈالا

جب چل سکا نہ ہم سے بارِ گران ہستی
یہ بوجھ اپنے سر سے ہم نے اتار ڈالا

اے مصحفی نہ آیا میں ان لگاوٹوں میں
اس کی نگہ نے مجھ پر جادو ہزار ڈالا

تو ملے یا نہ ملے اس سے تو کچھ کام نہیں
مجھ کو کوچے میں ترے روز میاں ہو جانا

کیا بُری خو ہے تمھاری کہ مہِ عید کی طرح
منہ دکھانا بھی تو پھر واں ہی نہاں ہوجانا

سی رکھے کیا کوئی منہ اپنا عجب مشکل ہے
بات کہنے میں وہیں دشمنِ جاں ہوجانا

ہے تماشا کدۂ خلق مری خاک مزار
جی میں آوے تو کبھی آپ بھی یاں ہوجانا

افتادگانِ وادیِ غربت کی سر گذشت
کرتا ہے خود بیاں لبِ خاموش نقشِ پا

میں ناتواں زمیں پہ قدم کیا دھروں کہ ہے
ہستی مری گراں بسرِ دوش نقشِ پا

میں بگولے کی طرح پھرنے لگوں ہوں اس کے گرد
جو کوئی پوچھے ہے تو اس پر فدا کیونکر ہوا

میں تو دل سے لب تلک لایا نہ تھا خواہش کا حرف
چاہنے میرے کا چرچا جابجا کیونکر ہوا

رنجشِ خوباں کو یارو کیا سبب درکار ہے
پوچھتے کیا ہو کہ وہ مجھ سے خفا کیونکر ہوا

آرسی میں رو ندیتا تھا جو اپنے عکس کو
مصحفی ایسے سے تیرا مدعا کیونکر ہوا

چھپ چھپ کے وہ گھر غیر کے مہمان گیا تھا
چوری کی نظر میں، وہیں پہچان گیا تھا

دیکھ آئینے میں اک مہِ تاباں ہے دوسرا
تجھ سا ہی تیری شکل کا حیراں ہے دوسرا

اک ہاتھ صَرف سینہ زنی جس طرح ہوا
ماتم میں دل کے وقف گریباں ہے دوسرا

---

1. اصل/ق، نیز "ل" و دیوانِ مصحفی: میں ترے۔

ہے جو گم دریاے الفت کا کنارا دوسرا
ایک ڈوبے ہے تو کرتا ہے نظارا دوسرا

مصحفی قاتل کا اپنے کشتۂ احساں ہوں میں
قتل کو میرے نہ دیکھا استخارہ دوسرا

کیا یار کے دامن کی خبر پوچھو ہو ہم سے
یاں ہاتھ سے اپنا ہی گریبان گیا تھا

آئنے میں دیکھ کہتا ہے وہ اپنے عکس کو
تو نے کیونکر ٹھیک یہ نقشا اتارا دوسرا

تلوار کو کھینچ ہنس پڑے واہ
ہے مصحفی کشتہ اس ادا کا

دردِ سر ہووے ہے یاں میرے تئیں
سر کو صندل نہ ملا کیجیے آپ

اس گل کی باغ میں جو صبا نے چلائی بات
غنچوں نے مسکرا کے کہا ہم نے پائی بات

کہتا تھا یہ کہ دل نہ کسی سے لگایئے
مرغِ چمن کی رات مجھے کیا خوش آئی بات

آنے کی تیرے کہہ کے مرا دل تو خوش کیا
قاصد نے گو کہ اپنی طرف سے بنائی بات

آگے کسی کے بات نہ کہیے کہ ہے مثل
ہوجائے ہے نکلتے ہی منہ سے پرائی بات

جاوے جو کوئی اس بتِ پُرفن کے برابر
اس دوست کو ہم سمجھیں ہیں دشمن کے برابر

میں کشتۂ رنگ مسی و پانِ بتاں ہوں
رکھیو مجھے یارو گل و سوسن کے برابر

دل کی بیتابی کہے ہے در پر اس کے جا کے گر
کر بہانا شب کا اور سر دل سے سر ٹکرا کے گر

اس کے کوچے میں جو جاؤں ہوں کہے ہے مجھ کو غش
ہے یہ گرنے کی جگہ دانستہ ٹھوکر کھا کے گر

یاد آتا ہے مجھے اس مہ کا جب چاہِ ذقن
دل یہی کہتا ہے بس اب تو کنویں میں جا کے گر

ہم کو ترساتے ہو تم کیوں یہ ادا دکھلا کر
منہ چھپایا نہ کرو بہرِ خدا دکھلا کر

دل کو ہاتھ اس کے جو بیچوں ہوں تو کہتے ہیں رقیب
لیجو بازار میں تم اس کو ذرا دکھلا کر

قفل دروازے کو دلوائے تھے ہم نے شبِ وصل
یا الٰہی گئی یہ رات کدھر سے باہر

لعل کا تکمہ ترا دیکھے تو خورشید کبھی
سر نکالے نہ گریبانِ سحر سے باہر

تیرے دل سوختہ جس دشت میں مدفوں ہیں میاں
شعلہ ٹپکے جو کوئی واں کے نچوڑے پتھر

اپنے تو شب و روز کٹے عشق میں یوں ہی
کی شام گھر اپنے تو سحر اس کی گلی میں

اپنے عاشق کی چشمِ تر کو دیکھ
صدقے تیرے میں ٹک ادھر کو دیکھ

دیکھتا کیا ہے عقدِ پرویں کو
اپنے آویزۂ گہر کو دیکھ

میرے آگے نہ دیکھ آئینہ
میرے حیرت بھرے جگر کو دیکھ

تھی شبِ وصل کھل گئی جوں آنکھ
رنگ فق ہوگیا سحر کو دیکھ

دیکھنے والوں کو آجاتی ہے بیہوشی سی
منہ سے یکبارگی پردا نہ اٹھایا کیجیے

ہوچکا مصحفی خستہ کا گو کام تمام
آپ اب بیٹھے ہوئے باتیں بنایا کیجیے

یاد اس کو دیدہ بازی کے ہیں فن نئے نئے
نت ہر طرف کو نکلے ہیں روزن نئے نئے

خط نیا، خال نیا، زلف کی تحریر نئی
ان دنوں مجھ کو نظر آتی ہے تصویر نئی

کردیا اور خفا ملنے سے میرے اس کو
دیکھی کیا آہِ سحر تجھ میں یہ تاثیر نئی

خانۂ دل کے تو نقشے پہ ذرا غور کرو
دستِ صانع نے بنائی ہے یہ تصویر نئی

چھوٹے کیونکر کوئی طالع کی گرفتاری سے
دمبدم پاؤں میں یاں پڑتی ہے زنجیر نئی

مصحفی شب میں لیا اس کے کفک کا بوسہ
جائے خوں ہے کہ ہوئی مجھ سے یہ تقصیر نئی

معلوم نہیں مجھ سے غرض کیا ہے صبا کو
کیوں میرے کفِ خاک کو برباد دیا ہے

اے دستِ جنوں کیجو ذرا ٹک تو توقف
ناصح نے ابھی میرے گریباں کو سیا ہے

تیرہ بختی کا اثر دیکھیو اُن نے ہے ہے
بالوں میں چاند سے مکھڑے کو چھپا رکھا ہے

شور و بیداد ہے ہر کوچہ و بازار کے بیچ
اس کی رفتار نے فتنے کو جگا رکھا ہے

کس کا وعدہ ہے میاں مصحفی ہم سے بھی کہو
آج دروازے کو تم نے جو کھلا رکھا ہے

نہ قاصد ہے، نہ نامہ ہے، نہ پیغامِ زبانی ہے
کئی دن سے ہمارے حال پر نامہربانی ہے

نہ وہ راتیں نہ وہ باتیں نہ وہ قصہ کہانی ہے
فقط اک ہم ہیں بستر پر پڑے اور ناتوانی ہے

اگر ہے دشمنِ جاں تو بھی اپنا یار جانی ہے
تغافل پر بھی اس کے اک طرح کی مہربانی ہے

مجھے وحشت سی اک ہوتی ہے پیدا آہ کیا کہیے
کہ اُس بن کیا اندھیری رات ساون کی ڈرانی ہے

لیا چلتے ہی چلتے جو اٹھا ہاتھوں سے دامن کو
خدا جانے اسے منظور کیا آفت اٹھانی ہے

خدا کے واسطے بل دے کر اس کو باندھ لے کافر
کہ اب موئے کمر پر تیری زلفوں سے گرانی ہے

اٹھیں کیونکر نہ مردے گور سے وقتِ خرام اس کے
کہ یہ بوٹا سا قد اُس کا قیامت کی نشانی ہے

زلف سے اس کی پیشتر عارضِ رشکِ ماہ ہے
پیک نگہ جو جائے تو رات بسے کی راہ ہے

نظر آتے ہیں پردے تیری آنکھوں کے گلابی سے
کہیں مے پی ہے تو نے یا اٹھا ہے نیم خوابی سے

نزاکت پر نظر کیجو کہ کل ان نے شب مہ میں
چھپایا چاند سے مکھڑے کو اپنی آفتابی سے

چل دلا وہ پتنگ اُڑاتا ہے
ابھی آنے میں اس کے ڈھیل سی ہے

کس کی مژگاں نے یہ کیا جادو
میرے دل میں گڑی جو کیل سی ہے

شکل ایسی دیکھ بھولے کیوں نہ بات آئی ہوئی
سرو ساقد، چاند سامنہ، گات گدرائی ہوئی

ایک تو بالی بلا تھی، اب ہوا بالا بلا
یہ بلا نازل ہمارے سر پہ بالائی ہوئی

میں وہ نہیں ہوں کہ اس بت سے دل مرا پھر جائے
پھروں میں اس سے تو مجھ سے مرا خدا پھر جائے

بکھیر دے جو وہ زلفوں کو اپنے مکھڑے پر
تو مارے شرم کے آئی ہوئی گھٹا پھر جائے

تم جیتے رہو اور خریدار تمھارے
گو ہم نہ ہوئے اور تو ہیں یار تمھارے

جب ہم نے لیے بوسۂ رخسار تمھارے
چاہو سو کرو ہیں تو گنہگار تمھارے

یوسف نہیں کچھ تم کہ جو بازار میں جاؤ
آ رہتے ہیں گھر بیٹھے خریدار تمھارے

ہے یہ وہ درد کہ جس درد کا چارا ہی نہیں
واں لڑی آنکھ جہاں اپنا گزارا ہی نہیں

وعدۂ وصل زبانی ہے میں کیونکر مانوں
ہاتھ سے ہاتھ تو اس شوخ نے مارا ہی نہیں

جس نے کل دی تھی مجھے یاد در گوش اس کی
آج کی رات فلک پر وہ ستارا ہی نہیں

دست و پا کیا کوئی جاں باختہ مارے اس میں
بحر الفت کا جو دیکھا تو کنارا ہی نہیں

مصحفی کیونکہ سبکسار کہوں اپنے تئیں
بار ہستی تو میں سر پر سے اتارا ہی نہیں

شوق سے لکھیے اگر جانبِ جاناں کاغذ
ہو کبوتر کی طرح آپ پر افشاں کاغذ

قدغن ہے کہ در تک کوئی یاں آنے نہ پاوے
اور بے خبر آجائے تو پھر جانے نہ پاوے

شب کہ دل درد والم سے سر بسر لبریز تھا
شورِ محشر کی طرح ہر نالہ شور انگیز تھا

نو بہاراں میں جو کرتے ہم بھی دعواے جنوں
مثلِ گل چاکِ گریباں ہم کو دست آویز تھا

کی ٹک اک آبِ دمِ شمشیرِ قاتل نے کمی
ورنہ پیمانہ ہماری عمر کا لبریز تھا

صانع نے جو خم ابروئے خمدار میں رکھا
سالح[1] نے بھلا کون سی تلوار میں رکھا

1. اصل: صالح۔

گو کہ مخل ہمدمی چرخ جفا طراز ہے
ہم کو تو اب تلک وہی بندگی و نیاز ہے

بھیگنے سے ترا رنگِ حنا اور بھی چمکا
پانی میں نگاریں کفِ پا اور بھی چمکا

جوں جوں کہ گریں[1] منہ پہ ترے مینہ کی بوندیں
جوں لالۂ تر حسن ترا اور بھی چمکا

دھویا نہ گیا خون مرا تیغ سے تیری
کمبخت پہ پانی جو پڑا اور بھی چمکا

مرا معبود تھا وہ نازنیں رات
رہی تا صبح سجدے میں جبیں رات

سوگیا تھا رات وہ رکھ کر جبیں پر پشتِ دست
دیکھ اسے خورشید نے رکھ دی زمیں پر پشتِ دست

روز و شب مولا کے آگے ہاتھ ہیں جن کے دراز
مارتے ہیں حشمتِ خاقانِ چیں پر پشتِ دست

اور بھی رنگِ حنا میں اس کے سرخی آگئی
اس نے جب رکھی عذارِ آتشیں پر پشتِ دست

اپنی مژگانِ رخنہ گر کو دیکھ
بعد ظالم مرے جگر کو دیکھ

سر نوشت اپنی کا کھلا مضموں
دور سے روئے نامہ بر کو دیکھ

گئے ہیں لوگ اپنے اپنے گھر دالان خالی ہے
اگر اس وقت تم بھی آملو میدان خالی ہے

سرِ شام ان نے منہ سے جو ذرا نقاب الٹا
نہ غروب ہونے پایا وہیں آفتاب الٹا

یوں ہے یہ نقاب اس بُتِ بے پیر کے منہ پر
جیسے ورقِ سادہ ہو تصویر کے منہ پر

مت چشمِ حقارت سے مرا زخمِ جگر دیکھ
بوسے دیے ہیں ان نے ترے تیر کے منہ پر

ہم کو دینے لگے تم چھیڑ کے گالی کیا خوب
اب کے ہم سے یہ نئی چھیڑ نکالی کیا خوب

باندھی ہے میں نے از بس جوں نے، کمر فغاں پر
نالوں سے میرے وقت ہر دم ہے آسماں پر

لے گیا پروانہ دل میں حسرتِ دیدارِ شمع
سرد ہو جاوے الٰہی گرمیِ بازارِ شمع

دکھلاؤں اگر اس بتِ خود کام کی آنکھیں
کھل جائیں ابھی غنچۂ بادام کی آنکھیں

آ تو بھی تو دوری سے ذرا جھانک کہ کیونکر
نکلیں ہیں تیرے عاشقِ ناکام کی آنکھیں

یار بن زیست کا کچھ لطف جوانی میں نہیں
زندگانی کا مزہ عالمِ فانی میں نہیں

پیکاں ترا جگر کے اگر متصل نہ ہو
اغلب کہ بعدِ مرگ بھی تسکینِ دل نہ ہو

پہلو سے مرے یار کا پیکاں نہ نکالو
میں جاں بہ لب آچکی ہوں، مری جاں نہ نکالو

---

1. دیوانِ مصحفی: پڑیں۔

دل نہیں سینے میں، اک دشمنِ جانکاہ ہے یہ / جس طرف جاؤں ہوں میں اٹھ کے، مری راہ ہے یہ
کہے لے جاکے کوئی مجھ کو بتاں کے آگے / اس پہ تم رحم کرو بندۂ اللہ ہے یہ

پاس اپنے نہ ہر اک کو، مری جان بٹھاؤ / دروازے پہ تم اپنے نگہبان بٹھاؤ
خط تھوڑا ہی لکھنا مجھے اب باقی ہے یارو / قاصد کو کوئی دم کسی عنوان بٹھاؤ
یہ کس نے کہا تھا مجھے تم قلزم خوں میں / اے دیدۂ تر تا بہ گریبان بٹھاؤ
معزول ہوا حاکمِ نیساں تو زمیں پر / تم اپنا عمل دیدۂ گریان بٹھاؤ
اے قافلے والو یہ ہے مجنوں کی زیارت / یاں ناقۂ لیلیٰ کو کوئی آن بٹھاؤ

کیا فکر کروں چڑھتی ہی جاتی ہے سیاہی / دن رات مرے نامۂ اعمال کے اوپر
کس کس کی اجل آئی ہے اس بزم میں دیکھیں / خوں کتنوں کا ہو اس شفقی شال کے اوپر
گل کھانے کا مضمون میں جس خط میں لکھا تھا / باندھا اسے بازوے گلی خال کے اوپر

مجتمع تھے جو مری خاک پہ تھوڑے پتھر / وہ بھی اس فصل میں لڑکوں نے نہ چھوڑے پتھر
سجدہ گاہ اپنی کیے راہ کے روڑے پتھر / کعبہ و دیر کے سب چوم کے چھوڑے پتھر

نہ زیرِ تیغ کرو اس کی مصحفی کی تلاش / کب ایسی کھائی کا ڈوبا ہوا اچھلتا ہے

عیسیٰ کو ان لبوں کی گفتار مار ڈالے / رستم کو ابروؤں کی تلوار مار ڈالے
ہونے سے جس کے ہم کو اک زیست کا مزہ تھا / سو گردش فلک نے وہ یار مار ڈالے

آنکھوں میں اس کی میں نے جو تصویر کھینچ لی / سرمے نے اس کی چشم کی شمشیر کھینچ لی
زندانیانِ عشق کو یارب ہوا ہے کیا / پاؤں کی ان کے کس نے یہ زنجیر کھینچ لی

تھی کل گلاب کی جو ترے ہات میں چھڑی / کرتی تھی کارِ تیغ، اشارات میں چھڑی
لختِ جگر سے گوندھے ہے گر اپنی آہ کو / تیار ہو سکے ہے یہ اک رات میں چھڑی
اے مصحفی نہ تجھ سے ڈریں کیونکہ نیک و بد / حاکم کی ہے قلم یہ ترے ہات میں چھڑی

ہاتھ اپنے نہ کبھی دامنِ دلدار لگا / پھر رہے کیونکہ گریباں میں بھلا تار لگا
خاکِ رہ ہیں جو ترے رحم کر ان پر ظالم / یوں تو دامن کو نہ ٹھوکر دمِ رفتار لگا
ہائے عارض پہ ترے جلد اُگ آنا خط کا / بے طرح آئنہ حسن کو زنگار لگا

جس جگہ بیٹھ گیا کھول کے زلفیں وہ صنم ۔ سودے والوں کا دو رستہ وہیں بازار لگا

ابر تر کو ہے اگر رونے پہ اپنے دعوا ۔ تو بھی ساون کی جھڑی دیدۂ خونبار لگا

اک نگہ ہی میں ٹھکانے ترا بیمار لگا ۔ خواہ اب تیر لگا، خواہ تو تلوار لگا

رنگ اور خون میں ٹک فرق کر اے مرغِ چمن ۔ گل سمجھ کر نہ مرے زخم پہ منقار لگا

چلتے چلتے جو تری راہ میں آجاتے ہیں ۔ مہ و خورشید منہ اپنے کو چھپا جاتے ہیں

جب بتاں زلف کی زنجیر دکھا جاتے ہیں ۔ خون سودائیوں کے جوش میں آجاتے ہیں

دیکھیے کیونکہ طرف اس کی کہ نظارہ پرست ۔ طرزِ نظارہ کو آنکھوں میں اڑا جاتے ہیں

زور عالم ہے تری زلف کے دیوانوں کا ۔ جب بہار آتی ہے زنجیر تڑا جاتے ہیں

بیٹھے بیٹھے جو کبھی رونے پہ آ جاتے ہیں ۔ خوں کے نالے ترے کوچے میں بہا جاتے ہیں

ملکِ ہستی سے جو جاتے ہیں جریدہ ہو کر ۔ راہ میں اپنا سب اسباب لٹا جاتے ہیں

یہ وہ صحرا ہے جہاں راہوں کے چلنے والے ۔ چلتے چلتے ہی زمیں بیچ سما جاتے ہیں

مل گیا خاک میں جب اشک تو آئی یہ صدا ۔ یعنی جاتے ہیں تو یوں اہلِ صفا جاتے ہیں

اتنے مشتاقِ تماشا ہیں کہ کوچے سے ترے ۔ ماہ و خورشید بھی اب رو بقفا جاتے ہیں

عمرِ پس ماندہ کچھ ذلیل سی ہے ۔ زندگانی بھی اب قلیل سی ہے

بندے کی اب ہے،ہم کو، نے کچھ خدا کی چوری ۔ جب دل دیا تو پھر کیا یار آشنا کی چوری

پاؤں کی اس کے نکہت گلشن کو لے چلی تھی ۔ رستے میں ہم نے پکڑی بادِ صبا کی چوری

غم کھانے سے ہرگز میری نیت نہیں بھرتی ۔ کیا غم ہے مزے کا کہ طبیعت نہیں بھرتی

عاشق ترا کس دن نہیں مرتا کہ گھر اس کے ۔ رونے کے لیے آن کے خلقت نہیں بھرتی

کس روز مرے دیدۂ خونبار کے آگے ۔ پانی تری شمشیرِ سیاست نہیں بھرتی

ہم دیکھیں ہیں ہر چند اسے لاکھ طرح سے ۔ پر اپنی طبیعت کسی صورت نہیں بھرتی

ہیں رام تری چشم کے عالم سے رمیدہ ۔ یاں چوکڑی آہو کی بھی وحشت نہیں بھرتی

یا اس نفسِ گرم سے تھی سینے میں جا گرم ۔ یا لب سے نکلتے ہی گیا روے ہوا گرم

جب با رخِ افروختہ وہ بام پر آیا ۔ خورشیدِ قیامت سرِ یک نیزہ ہوا گرم

عارض نے ترے حسن کی چوری جو لگائی
خورشید نے کھانے کو قسم گولہ کیا گرم

لے قیس خبر محمل لیلیٰ تو نہ ہووے
اس دشت کی آتی ہے کچھ آواز ذرا گرم

اٹھیں مردے نہ کیونکر گور سے وقتِ خرام اس کے
کہ بوٹا سا قد اس کا اک قیامت کی نشانی ہے

کناری گردِ دامن برق سی چمکے ہے اے ظالم
یہ جوڑا آسمانی بھی، بلائے آسمانی ہے

قدم آگے اٹھا سکتے نہیں ہم اس کے کوچے سے
کہ پاؤں پر ہمارے سر جھکائے ناتوانی ہے

لیا ہے چلتے چلتے جو اٹھا دامن کو ہاتھوں سے
خدا جانے اسے منظور کیا آفت اٹھانی ہے

یہ دل کہ آتشِ غم پر سپند رہتا ہے
نت اس کی آگ سے شعلہ بلند رہتا ہے

صبح کی شام ہوئی، شام کی پھر رات ہوئی
ہیں یہی وعدے تو کب اس سے ملاقات ہوئی

گر چشم تر سے ہم نے ٹک آستیں اٹھائی
تو دل نے کھینچ نالہ سر پر زمیں اٹھائی

دور رہنا ہی بھلا ہے ہمیں محبوبوں سے
رنگی خوب نہیں اتنی خوش اسلوبوں سے

وے اگر چاہیں تو پھر ہم کو بلا سکتے ہیں
نہ بلا سکتے ہیں ہم اور نہ جا سکتے ہیں

حوصلہ مقتضی اس کا نہیں ورنہ ہم لوگ
سیلِ خوں چاہیں تو آنکھوں سے بہا سکتے ہیں

فتنے دنیا میں اٹھائے ہیں جنھوں نے، وے لوگ
سر نہیں گور کی بالیں سے اٹھا سکتے ہیں

آگے پھر فصلِ بہار آتی ہے یاروں سے کہو
اب سلالیویں گریباں جو سلا سکتے ہیں

قتل کرنے میں مرے اتنی شتابی کیا ہے
ٹھہر اے بت میں ذرا نام خدا کا لے لوں

ضعفِ اتنا ہے کہ پہنچوں نہ میں گلزار تلک
ہاتھ میں ہاتھ نہ تا بادِ صبا کا لے لوں

بالوں کا رات کس کے جوڑا کھلا چمن میں
جو مشکبو ہے اب تک موج ہوا چمن میں

شلوار گلبدن پر غنچوں کے پس گئے جی
وے دو قدم چلے تھے دامن اٹھا چمن میں

لاکھوں قفس دھرے ہیں ان گلشنوں کے نیچے
صیاد کی بندھی ہے اب تو ہوا چمن میں

سیرابیِ گلوں سے آتی ہے بوئے وحشت
پاؤں کا کس کے پھوٹا یہ آبلا چمن میں

کفک کے گرد اس کے یہ جو ہے تحریرِ مہندی کی
کھنچی ہے خامۂ قدرت سے یہ تصویرِ مہندی کی

حنا کی دی تھی اس نے نہ ملا گہری دوپٹے میں
کہ تا عاشق کا جی ٹھنڈا کرے تاثیرِ مہندی کی

ہوا ٹھوکر سے اس کی سرنگوں جب کاسۂ مہندی
صدا آئی کہ الٹی ہوگئی تقدیرِ مہندی کی

جب ساری سری خوں میں ترے تیر کی بھرتی
تب زخم سے نیت ترے نخچیر کی بھرتی

کرتے نہ ورم پاؤں جو دیوانے کے تیرے
آغوش نہ یوں حلقۂ زنجیر کی بھرتی

جاتا ہے تجارت کے لیے آہ کا تاجر
ساتھ اپنے لیے نالۂ شب گیر کی بھرتی

فرش مخمل پر بھلا کس طرح آوے اس کو خواب
خود رکھیں بیکل جسے اپنے بدن کے رونگٹے

یاں ضعف سے اب گردن زنہار نہیں اٹھتی
واں مارے نزاکت کے تلوار نہیں اٹھتی

رباعیات

نزدیک جو اس کی زلف کے میں نہ گیا
شانے کی عداوت سے تو محفوظ رہا
پرہیز کیا میں نے اس سے اچھا سمجھا
سچ ہے کہ سمجھنے والے کی دور بلا

دن جوانی کے گئے موسمِ پیری آیا
انزوا خوب ہے اب، وقتِ حقیری آیا
تاب وطاقت رہے کیا خاک کہ اعضا کے تئیں
حاکمِ ضعف سے فرمانِ تغیری آیا

بے حس پڑے سوتے ہیں جو یہ خفتگانِ خاک
ان کو یہ کس کے طرز تغافل نے غش کیا

کس پر ہے یہ تروار بندھی پھر کے تو دیکھو
کس پر ہے یہ ابرو کی کجی، پھر کے تو دیکھو

وا رفتہ ہو کیا آئینۂ حسن پہ اپنے
یاں جان ہی جاتی ہے چلی، پھر کے تو دیکھو

دم ہونٹوں پہ آیا ہے مرا آپ کی خاطر
تم اس کو سمجھتے ہو ہنسی، پھر کے تو دیکھو

تجھ سے گر وہ دلا! نہیں ملتا
زہر بھی تجھ کو کیا نہیں ملتا

جدھر دیکھو ادھر چاہے ان ہنگامہ سازوں کا
چلے فتنے کی یاں کیا، دور ہے دامن درازوں کا

آج کیا جانے مری کون نظر سے گزرا
آہ کا تیر جو یکبار جگر سے گزرا

پیچ وتاب کمر و زلف سے گھبرا کے وہ شوخ
اب یہ کہتا ہے کہ میں زلف و کمر سے گزرا

بدنام کیا میں نے عبث نامِ محبت
مجھ سے نہ ہوا کچھ بھی سر انجام محبت

رخ سے برقعے کو مری جاں نہ اتارا آخر
کام در پردہ کیا تم نے ہمارا آخر

آگیا خط، پہ سرِ مو نہ گیا ناز ہنوز
ہے اسی ڈھب پہ نگاہِ غلط انداز ہنوز

کیوں نہ اب زلف پھبے اس ترے رخسار کے پاس
ہے طرحدار ہی زیبندہ طرحدار کے پاس

آکر ہماری خاک پہ اس نے چڑھائے گل
آخر کو جذبِ عشق نے یاں بھی کھلائے گل

آنسوؤں سے بس کہ یاں رہتا ہے کارِ آتشیں
سلکِ گوہر ہو گیا ہے تارِ تارِ آتشیں

یادِ فندق میں شب اس دل نے جو بیتابی کی
ہم نے رو رو کے لہو ہر مژہ عنابی کی

ہوئے شعلے جو میری آہِ آتشناک سے پیدا
تو ہوویں گے شرارے گنبدِ افلاک سے پیدا

یک چند اس طرف جو میں جانے سے رہ گیا
رُک رُک کے وہ بھی کچھ ادھر آنے سے رہ گیا

ہم کو ناکامیِ طالع نے رکھا کام کے بیچ
عمر آخر ہوئی بس نامۂ و پیغام کے بیچ

شب کہ تا صبح ہم آغوش سفر تھا وہ صنم
کشمکش زور رہی بوسہ و دشنام کے بیچ

سینے سے جلوہ گر ہے ترے ابتدائے صبح
گل کھائے ہے بیاضِ گلو پر صفائے صبح

آئنے کو ہے ترے حسن کی خدمت شاید
شانہ رکھتا ہے خمِ زلف سے بیعت شاید

مجھ کو اس بت سے ملا دے تو سرِ راہ کہیں
سن لے میری بھی شتابی مرے اللہ کہیں

روز کی خارا تراشی سخت مجبوری ہے یہ
عاشقی کا ہیکو ہے، فرہاد! مزدوری ہے یہ

گر ابر گھرا ہوا کھڑا ہے
آنسو بھی تُلا ہوا کھڑا ہے

زلفِ مشکیں ہو جہاں سنبل کی بو کیا چیز ہے
گل کو کہتا ہے ترا عارض کہ تو کیا چیز ہے

پیری میں بھی ہم الفتِ طفلاں سے نہ چھوٹے
لکھ پڑھ چکے اس پر بھی دبستاں سے نہ چھوٹے

ادائے لغزشِ پا اس کی جب لکھنے کو بیٹھے ہیں
قلم گر گر پڑے ہے ہاتھ سے بہزاد و مانی کے

گلشن کی آرزو نہ چمن کی ہوا مجھے ❉
میں خاکِ رہ ہوں چھیڑ نہ بادِ صبا مجھے

کشتہ ہوں اس کے دستِ حنائی کا، کیجیو
مدفون زیرِ سایۂ نخلِ حنا مجھے

اس راہِ ہولناک میں میرا ہوا گزر
جس راہ میں کہیں نہ ملا نقشِ پا مجھے

آپھی کمان و تیر ہوں، آپھی نشاط ہوں
کس نے کیا نشانۂ تیرِ بلا مجھے

کہاں طاقت بیاں جو کرسکیں رازِ نہانی ہم
برنگ شمع رکھتے ہیں زبانِ بے زبانی ہم

❉ یہاں سے 'نوشعر' سے اضافہ۔

آتی ہے بیقرار صبا کوے یار سے	کیا جانے کیا بنے مرے مشتِ غبار سے
لوگ کہتے ہیں محبت میں اثر ہوتا ہے	کون سے شہر میں ہوتا ہے، کدھر ہوتا ہے
شاید کہ دلِ خستہ شبِ ہجر میں مرجائے	یہ رات نہیں وہ کہ کہانی میں گزر جائے
یاقوت کوئی اس کو کہے ہے کوئی گلبرگ	ٹک ہونٹ ہلا تو بھی، کہ اک بات ٹھہر جائے

محفوظؔ، محفوظ علی خاں

منشی میر محفوظ علی خاں صاحب المتخلص بہ محفوظؔ متوطن خیر آباد۔ سید صحیح النسب۔ عالی نژاد والا نہاد است۔ ہمراہِ رکاب فیض انتساب نصیر الدولہ وفادار خاں کرنیل واوَ داختر لونی صاحب بہادر دام اقبالہٗ صاحب ریذیڈنٹ ضلع دہلی بمختاری منشی گیری[1] در شاہجہاں آباد رونق افزا شدہ۔ با یگانہ و بیگانہ طریقِ سلوک وسلامت روی پیمود و بقدر مقدور بہ انجاح کارِ خیر مصروف ماندومی باشد۔ بسیار قابل و دانائے زمانہ و معاملہ فہم و جنر رس و خلیق و صاحبِ توفیق و پر مروت و باحیا حاتم دل، اربابِ[2] سخا معلوم شد۔ بگفتن شعر ہندی کہ ادنیٰ درجہ می داند، کمتر مصروفیت دارد۔ بر سبیل مذکور بطورِ تفننِ طبع گاہ گاہے دُررِ غیر ریختہ از طبعِ دریا بارش می ریزد۔ فی الجملہ بنظرِ مبصرانِ[3] جوہرایں فن آب وتابِ[4] بے نظیر دارد:

بس کہ زلفوں میں اس کی رات کی رات	کر گیا کوچ قافلہ دل کا
بے رکے تربت سے میرے دل نے پیدا راہ کی	رہ گئی تھی اس کو شاید اک تمنا آہ کی
جہاں تو دیکھے، ترا نقشِ پا ہے، یار بنا	مروں تو دیجیو میرا وہیں مزار بنا

مضطرؔ، شیخ حسن

شیخ حسن مضطرؔ ساکن لکھنؤ از تلامذۂ میر نظام الدین مضمونؔ سلمہٗ۔ نو مشق دریافت شد۔ ایں شعر از وست:

---

1 ل: خدمت گیری۔ 2 اصل۔ اضافۂ مولف ''ارباب'' 3 اصل۔ اضافۂ مولف ''جوہراین فن''۔
4 اصل۔ اضافۂ مولف ''بے نظیر''۔

یار اغیار کا بنا[1] ہے وہ کیا گلہ کیجے یار کا اپنے[2]

مضطرؔ، کنورسین

لالہ کنورسین مضطرؔ[3] قوم کا یتھ اصلش دہلی و مولد آں لکھنو۔ نیا کانش خیلے عمدہ معاش بودند۔ خودش نیز بہ آسودگی و رفاہیت حال می گذراند۔ مرد باتمکین و شاعر خوش فکر و ذہین محقق گشت۔ غزلِ خود را بہ نظر میاں غلام ہمدانی مصحفیؔ درآوردہ۔ ایں[4] ابیات آزمودۂ طبعِ رنگینِ او تحریر یافتہ:

سیکھ کر باغ میں قد سے ترے رعنائی کو
کام فرمانے لگا سرو بھی مرزائی کو

دشمن اپنا ہمیں سمجھو ہو اور غیر کو دوست
ہم نے بس دیکھ لیا آپ کی دانائی کو

اس کے خال تۂ ابرو پہ مجھے آوے ہے رشک
لیے بیٹھا ہے وہ کیا گوشۂ تنہائی کو

جب سے اس شوخ کا عاشق میں ہوا ہوں مضطرؔ
ہر کوئی دیکھ ہنسے ہے مری رسوائی کو

جو سُن کے خفا ہو نام میرا
کس طرح وہ لے سلام میرا

مکھڑا مۂ چاردہ سا دکھلا
کام اس نے کیا تمام میرا

جس[5] دم سے جانِ من تو مرا ہم نشیں نہیں
ہے جو نفس، بجز نفس واپسیں نہیں

پوچھی جو اُن سے چال کی تعریف تو کہا
بندہ تو کچھ تمھاری طرح نکتہ چیں نہیں

ساکنِ دیر بنے، دین سے بے دین ہوئے
پر یہ بُت رام نہ اپنے کسی آئین ہوئے

رخنہ اندازِ وفا کون سے غماز ہوئے
کہ جوابِ خط مضطرؔ قلم انداز ہوئے

انکار و عار گرچہ اسے لاکھ بھانت ہے
اپنا پر اُن لبوں پہ کئی دن سے دانت ہے

---

1 اصل/ق: ہوا۔ 2 اصل/ق: یارو۔ 3 مصحفیؔ (ہندی) کرپا دیال عرف لالہ کنورسین مضطرؔ (تخلص خلف دیوان دیبی پرشاد قوم کایستھ سکسینہ، برادرِ عم زادہ لالہ درگا پرشاد مضطرؔ۔ از چندے بہ سبب دوستی کہ از میاں عیسیٰ تنہا داشت بہ حلقۂ شاگردانِ مولف درآمدہ۔ 4 ل: درآوردہ۔ 5 اصل (حاشیہ مولف) اشعار ایں دیگر ہم دریں تذکرہ نوشتہ اند بروقتِ صاف نمودن تذکرہ جاے خالی باید داشت۔ (اس کے بعد یہ چھ شعر)۔

جو پڑا سینے پہ میرے گھاؤ سو کاری پڑا ‏ دوش پر اُن کے دوپٹہ دیکھ زنگاری پڑا
اس [1] شمع رو کے دل میں جب تک ہوراہ پیدا ‏ ہونے لگا جگر سے یاں دودِ آہ پیدا
تاریکیِ شبِ غم جی روندتی ہے میرا ‏ ہوتا نہیں نشانِ روزِ سیاہ پیدا
رستہ یہ میرے گھر کا بھولے جو آپ صاحب ‏ فرمایئے کہ کس سے کی تازہ راہ پیدا
کھینچی شبیہ کس نے صورت جو اس حزیں کی ‏ تھا اس کے بھی لبوں سے اندازِ آہ پیدا
جلوہ فرما ہے وہ مہرو مرے گھر آج کی رات ‏ اے فلک کیا ہو بڑھادے تو اگر آج کی رات
دشنہ کاری نہیں کرتی جو کسی کی مژگاں ‏ منہ کو آتا ہے چلا کیوں یہ جگر آج کی رات

مہدؔی

مہدؔی تخلص شخصی ساکنِ مرادآباد است طبعِ ذہین دارد۔ ایں اشعارِ خوش گفتار از موزونیِ کلامِ اوست:

جو کوئی کہ بارِ غمِ ہجران اٹھائے ‏ کیوں مرگ کا وہ جان پہ احسان اٹھائے
ہو دورِ سیہ بختیِ عشاق، وہ کافر ‏ چہرے سے اگر زلفِ پریشان اٹھائے
بیٹھی ہیں مرے جی میں جو اس چاہ کی باتیں ‏ سب نازِ تمھارے بدل و جان اٹھائے
پھر خندۂ بے جا نہ کرے رو برو اس کے ‏ گلشن میں اگر گل کے صبا کان اٹھائے

مضطرؔب، محمد حاجی

محمد [2] حاجی مضطرؔب تخلص۔ اصلش خطۂ کشمیر جنت نظیر و مولدش دہلی۔ شاگرد میر نظام الدین ممنوؔن پسر قاضی خیراتی سلمہٗ [3] خلیے یار باش، دوست آشناست۔ حافظۂ خوب دارد:

باغ تھا، گل تھا، چمن تھا سیر تھی لیکن یہ دل ‏ تیرے ہی کوچے میں رہ کر تجھ پہ مائل رہ گیا
وادیِ ہستی سے جب گزرا تو ہے ملکِ عدم ‏ چل یہاں سے مضطرؔب گھر ایک منزل رہ گیا

1۔ تتمہ۔ اشعار کنور سین مضطر کم بود لہٰذا دریں مقام شعرش نوشتہ شد۔ 2۔ اصل/ ق: میاں حاجی مضطرؔب۔
3۔ اصل/ ق: پسر رشید قاضی خیراتی مدظلہٗ؛ ل: خیراتی سلمہٗ اللہ۔

آ دیکھ روئے زرد پہ یہ اشکِ لالہ گوں ‎ ‎ دیکھا جو ارغواں سے اگا ارغواں نہیں
کٹتی کسی طرح بھی نہیں یہ شبِ فراق ‎ ‎ شاید کہ گردش آج تجھے آسماں نہیں
پھر فلک ہجر کی ایذا جو دکھائی مجھ کو ‎ ‎ وصل کے روز ہی کیوں موت نہ آئی مجھ کو
ہائے رے بخت کہ جب بے خبری آ پہنچی ‎ ‎ آمدِ یار کی تب یاں خبر آئی مجھ کو

مضطربؔ، درگا پرشاد

لالہ درگا پرشاد مضطربؔ قوم کایتھ ساکن لکھنؤ شاگردِ محمد عیسیٰؔ تنہا کہ از تلامذۂ میاں غلام ہمدانی مصحفی است۔ تلاشِ تازہ دارد:

بہت بے اختیاری کر چکے ہم ‎ ‎ نہایت آہ و زاری کر چکے ہم
ترے وعدے پہ ہے اب دم شماری ‎ ‎ بس اب اختر شماری کر چکے ہم
اگر یاری یہی ہوتی ہے صاحب ‎ ‎ تو بس آگے کو یاری کر چکے ہم
نہ آیا مضطربؔ وہ رشکِ گل ہائے ‎ ‎ لہو آنکھوں سے جاری کر چکے ہم

مضمونؔ، شرف الدین

شیخ شرف الدین مضمونؔ متوطن قصبۂ جاجیو متصل اکبر آباد۔ از اولاد حضرت شیخ فرید الدین شکر گنج شکر بار از ضلع مستقر الخلافہ اکبر آباد[1] بدہلی آمدہ بود۔ مردِ سپاہی پیشہ، بہ اندیشہ، صاحبِ دیوان، در شاعرانِ معاصرِ خود خیلے خوش فکر و اہل تلاش بودہ است۔ روزے بر سبیلِ مذکور حسب و نسب خود در مجمعِ یاراں بیتے تالیف ساختہ[2]۔

کریں کیوں نہ شکر لباں کو مرید ‎ ‎ کہ دادا ہمارا ہے بابا فرید
ہنسی تیری پیارے پھلجھڑی ہے ‎ ‎ یہی غنچے کے دل میں گلجھڑی ہے

از دیوانِ مختصرش عاصی ذکاؔ چند اشعارے مے طرازد:

ہم نے کیا کیا نہ ترے ہجر میں محبوب کیا ‎ ‎ صبرِ ایوب کیا، گریۂ یعقوب کیا
کرے ہے دار بھی کامل کو سرتاج ‎ ‎ ہوا منصور سے نکتہ یہ حل آج

---

1 سرور: نزد زینت المساجد قیام دارد۔ 2 ل: اب پر۔

خط آچکا ہے اس کے، مرنے ہے سفید ریش
کرتا ہے اب تلک بھی وہ ملنے میں شام وصبح

چلا کشتی میں آگے سے جو وہ محبوب جاتا ہے
کبھو آنکھیں بھر آتی ہیں، کبھو دل ڈوب جاتا ہے

ہمارا اشک قاصد کی طرح جو تھم نہیں سکتا
کسی بیتاب کا شاید لیے مکتوب جاتا ہے

میکدے میں گر سراسر فعل نامعقول ہے
مدرسہ دیکھا تو واں بھی فاعل ومفعول ہے

جو دو پیالے سحر کو بھر کے اور دو شام کو لے گا
وہ تحت اپنے میں جوں خورشید چاروں جام کو لے گا

ناحق ستم کسی پر وہ شوخ کب کرے ہے
دیتا ہے ٹانگ اس کو جو فعل بد کرے ہے

میرا پیغامِ وصل اے قاصد!
کہیو سب سے اُسے جدا کر کے

اگر پاؤں تو مضموںؔ کو رکھوں باندھ
کروں کیا جو نہیں لگتا مرے ہاتھ

نہیں ہیں ہونٹ تیرے پان سے سرخ
ہوا ہے خون میرا آ کے لبریز[۳]

مضموںؔ تو شکر کر کہ ترا ہم سخن رقیب
غصے سے بھوت ہوگیا لیکن جلا تو ہے

آنسو پینے سے اگھاتے ہی نہیں مردمِ چشم
تشنگی کیونکہ مجھے پانی جو ہووے کھارا

خط دھواں سا جو ترے مکھ کے اُپر آیا ہے
کیا سخن لاد چلا حسن کا اب بنجارا

نہ تنہا مجھ سے ہی مل کر ہوا گستاخ یہ لڑکا
کیا ہے شوخ سب جگ نے چڑھا کر سر پہ بالوں کو

چھوڑ دے گا آخر اپنی مان وہ
کیا نہیں ڈرتا ہے میری آہ سے

دراز اس زلف کی ہو عمر یارب
کبھی اس کا نہ ہووے بال بانکا

توڑا از بس اس شوخ نے لے سنگِ جفا دل
ہر چند کہ پھر لاکھ لگایا، نہ لگا دل

ان بتوں کو ہم گداؤں سے کہو کیا کام ہے
یے تو طالب زر کے ہیں اور یاں خدا کا نام ہے

نہ یہی خوب قد و قامت ہے
ہنس کے پھر دیکھنا قیامت ہے

مفتوںؔ، موتی رام پنڈت

موتی رام پنڈت، مفتوںؔ تخلص شخصے قوم کھتری از شاگردان میر قمرالدین منت است۔ بعد انتقالِ آں[1] مرحوم از میر نظام الدین ممنونؔ خلف الصدق او توسّل جست۔ از چندے قوتِ سامعہ

1 اصل/ق: میر ممدوح۔

زائل گشتہ ہر دو گوشش از طاقتِ شنوائی مبرّا است بتلاش می گفت:[1]

ازل کے دن جو صانع نے طلسمِ آسماں باندھا
غزلخوانی کو مُندرے پر ہمارے آستاں باندھا

نہ میں سمجھا تھا یہ آشفتگی ہووے گی آخر کو
جو میں دل کو تمھاری زلف میں اے گلرخاں باندھا

ارادہ ہے مگر تاراجِ ملکِ جان ویراں کا
کہ زینِ ناز پر زیں تم نے اے غارت گراں باندھا

وہ یارِ بے وفا آوے گا یا میری تسلی کو
دروغِ مصلحت آمیز تم نے قاصداں باندھا

اگر[2] نقاش بزمِ ساقیانِ ماہ رو کھینچے
کہو اس تشنہ لب مخمور کو بھی دو بدو کھینچے

نہیں وہ زخمِ دل اور چاک پہلو ہم غریبوں کا
جو بارِ مرہم کافور اور تارِ رفو کھینچے

ابھی یخ بستہ ہو خورشید کا یہ چشمۂ آتش
جو زاہد ایک ایسی ٹھنڈی ٹھنڈی اور ہو کھینچے

مظہرؔ، مرزا جانِ جاں

مرزا جانِ جاں مظہرؔ[3] اسمِ شریفش مرزا جان[4] ولدِ بزگوارش از فرط[5] مہرِ پدری جانِ جاں می گفت۔ ازیں جہت ہمیں لقب[6] موسوم گردید۔ مردے خدا دوست، نیک طینت خوش تقریر صاحب خلق و در دہلی زمشائخی[7] کامل بودہ است۔ درحین حیاتش عالمے دست بیع شدہ۔ اکثر مریداں[8] وشاگردانش درصوبۂ شاہجہاں آباد نامے پیدا کردند وخود در سخنوری علم استادی کشیدہ۔ سخن را بپایہ رسانید۔ شاعرِ پُر زورِ فارسی بود۔ گاہگاہے ہمت گرامی بہ تصنیف بعضی غزلیات ہندوی ہم مصروف می فرمود۔ غرض کہ مرزا عجب شخص بودہ است۔ حق تعالیٰ مغفرتش بخیر نماید[9] ایں ابیات دل نشیں واشعارِ رنگیں ازاں مرحوم یادگار ماندہ:

ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار
ہائے بس چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار

لالہ و گل نے ہماری خاک پر ڈالا ہے شور
کیا قیامت ہے موؤں کو بھی ستاتی ہے بہار

---

1. سرور: از ہندوانِ کشمیر۔ 2. اصل (برحاشیہ) تمہ اشعار موتی رام پنڈت مفتوںؔ (اور یہ تین اشعار پیچھے خالی جگہ پر غالباً یہاں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے لکھے گئے۔مرتب)۔ 3. اصل/خ: در دہلی۔ 4. اصل/خ: مگر اینکہ۔ 5. اصل/خ: از بس۔ 6. اصل/ق: اسم۔ 7. اصل/ق: مریدانش وشاگردانِ او؛ ل: اکثر مرید وشاگردانش...... پیدا کردہ۔ 8. ل: ایں ابیات از و یادگار ماندہ۔ 9. کذا است دراصل۔

یہ دل کب عشق کے قابل رہا ہے   کہاں اس کو دماغ و دل رہا ہے

نہیں تکیے پہ چین آتا ہے اس کو   یہ سر پاؤں سے تیرے ہل رہا ہے

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹو کو   یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے

چلی بلبل جلا کر گل کے ہاتھوں آشیاں اپنا   نہ چھوڑا حیف ہے ان نے چمن میں کچھ نشاں اپنا

یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کرتے   اگر ہوتا چمن اپنا، گل اپنا، باغباں اپنا

کوئی آزردہ کرتا ہے صنم اپنے کو اے ظالم!   یہ دولت خواہ اپنا، مظہر اپنا، جانِ جاں اپنا

اس گل کا پہنچتا ہے مجھے خط صبا کے ہاتھ   اس واسطے بکا ہوں چمن کی ہوا کے ساتھ

برگِ حنا پہ کھیو [1] رقم حالِ دل مرا   شاید کہ جا لگے وہ کسی دل ربا کے ہاتھ

مرتا ہوں میرزائیِ گل دیکھ ہر سحر   سورج کے ہاتھ چوری ہے، پنکھا ہوا کے ہاتھ

گرچہ الطاف کے قابل یہ دلِ زار نہ تھا   لیکن اس جور و جفا کے بھی سزاوار نہ تھا

لوگ کہتے ہیں مُوا مظہرؔ بیکس افسوس   کیا ہوا اس کو وہ اتنا بھی تو بیمار نہ تھا

توفیق دے کہ شور سے اک دم تو چپ رہے   آخر مرا یہ دل ہے الٰہی جرس نہیں

اگر ملیے تو خفت ہے وگر دوری قیامت ہے   غرض نازک دماغوں کو محبت سخت آفت ہے

جواں مارا گیا خوباں کے اوپر میرزا مظہرؔ   بھلا تھا یا بُرا تھا زور تھا کچھ خوب کام آیا

کسی کے خون کا پیاسا کسی کی جان کا دشمن   نہایت منہ لگایا ہے سجن نے بیڑۂ پاں کو

آتش کہو، شرارہ کہو، کوئلہ، کہو   مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

گر گل کو گل کہوں تو ترے رو کو کیا کہوں   بولوں نگہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہوں

کبھو اس دل نے آزادی نہ جانی   یہ بلبل تھا قفس کا آشیانی

خدا کو اب تجھے سونپا ارے دل   یہیں تک تھی ہماری زندگانی

قاتل کو دیکھ پھیر گلی کچھ سمٹ گئی   یہ راہ چھاتیوں کے کواڑوں سے بٹ گئی

---

1. اصل/ق: لکھ دو یہ احوال۔

منتظر، گنا بیگم

گنا بیگم منتظر تخلص صبیۂ نواب علی قلی خاں شش انگشتی محلِ خاص عماد الملک نواب غازی الدین خاں بہادر[1] بود، از جودتِ طبع بسخن آشنا و بتلاشِ معنیِ رنگیں فکرِ رسا داشت[2]۔ کلامش مقبولِ خاص و عام وشعرش منظورِ انام[3]:

آیا نہ کبھی خواب میں بھی وصل میسّر — کیا جانیے کس ساعتِ بد آنکھ لگی تھی

نیم بسمل نہ چھوڑ جانا تھا — زخم اک اور بھی لگانا تھا

یا الٰہی یہ کس سے کام پڑا — دل تڑپتا ہے صبح و شام، پڑا

شمع کو چہرۂ دلدار سے کیا ہے نسبت — کیونکہ ہے یہ رخِ خنداں، وہ ہے روتی صورت

شب کو میاں طلب میں تری ہم بھٹک بھٹک — جوں حلقہ در پہ رہ گئے سر کو پٹک پٹک

میری بھی مشتِ خاک کا ٹک پاس ہے ضرور — اے جامہ زیب چلیو نہ دامن جھٹک جھٹک

عشق میں خواب کا خیال کہاں — نہ لگی آنکھ، جب سے آنکھ لگی

ابر چھایا ہے، مینہ برستا ہے — جلد آ جا کہ جی ترستا ہے

جس طرح لگی دل کو مرے چاہ کسو کی — اس طرح نہ لگیو مرے اللہ کسو کی

اس زلفِ دراز اپنی کو ظالم نہ گرہ دے — کیا فائدہ جو عمر ہو کوتاہ کسو کی

نے نامہ، نہ پیغامِ زبانی، نہ نشانی — حالت سے کوئی کیونکہ ہو آگا کسو کی

عندلیبوں کو وہ گلزارِ مبارک ہووے — ہم کو یہ سایۂ دیوار مبارک ہو وے

---

1 ل: وزیرِ ہند از جودت۔ 2 ل: شگفتہ جبیں۔ نہایت حسیں بغایت ظریف، سراپا لطیف۔ نکتہ رس معنی یاب: ذکی الطبع: حاضر جواب۔ متانت شعر و سخن بدرجۂ اتم داشت۔ نظر توجہ بقدر سخن شناسی سخنوراں می گماشت۔ کلامش مقبولِ خاص و عام وشعرش منظور انام۔ سخنِ خود را بسمع مرزا رفیع السودا می رساند۔ ابیاتِ ایں طبع زادِ آں نادرۂ زماں است۔ 3 اصل (حاشیۂ مولف) گنا بیگم منتظر تخلص بود۔ اشعارِ ایں در ردیف میم نوشتن باید۔ در ردیف کاف الفارسی از غلطی نوشتہ است۔ اشعار ہر دو مقام یکجا کردہ۔ در ردیف میم بنویسند (ذکا)۔

رات دن جس لیے روتی ہو سو اللہ کرے — انکھڑیوں تم کو وہ دیدار مبارک ہووے
جھوٹ کہتا ہے تو قاصد یہ زبانی پیغام — مجھ کو باور نہیں جب تک نہ نشانی آوے
مجھ سے کرتی ہے تری زلف کجی کیا کچھ — دل مرا لے کے یہ کہتی ہے نہ جی، کیا کچھ
جی تک بھی اگر چاہو تو وسواس نہیں ہے — کچھ اور جو ڈھونڈو تو مرے پاس نہیں ہے
کی جس سے محبت وہ ہوا دشمنِ جانی — کچھ جی کا لگانا ہی مجھے راس نہیں ہے
اب خواب ہی میں وصل ترا ہووے سو ہووے — ظاہر میں تو ملنے کی ہمیں آس نہیں ہے

یار پردے میں ہے اور عیش سے مایوسی ہے
نقشِ پا تک بھی مرے در پےِ سالوسی ہے

مظفؔر، مظفر علی خاں

میر مظفر علی خاں مظفؔر ساکن دہلی خلف الصدق سید قلندر علی خاں بہادر برادر نواب مکرم الدولہ سید اکبر علی خاں۔ جوان شایستہ و ہوشیار و صاحب تلاش شعر ریختہ است۔ اصلاح سخن از میر نظام الدین ممنوؔن یافتہ اکثر اوقات بہ تالیف غزلِ طرحی مشاعرہ فکر بکار می[1] برد۔ ایں اشعارِ آبدار ازوست:

کب سوے چشم دل سے اپنے لہو نہ آیا — پرواہ نہیں جو مے کا جام و سبو نہ آیا
گردن میں کس کی خم ہے وہ سیم فام ساعد — یاں طوقِ آہنی سے باہر گلو نہ آیا
اے قدسیو، بجا ہے تب تک یہ لافِ تقویٰ — جب تک وہ دشمنِ دیں ٹک روبرو نہ آیا
تجھ کو ہی پوچھتا تھا تا نزع کل مظفؔر — آیا بہت ہی رونا ہم کو جو تو نہ آیا[2]

معیؔن، غلام معین الدین خاں

غلام معین الدین خاں معیؔن شاعرِ قدیم است۔ مدتے می گذرد کہ از دہلی بہ عظیم آباد رفتہ۔

---

1 ل: می کند (اور آگے کی کل عبارت محذوف)۔ 2 اصل (اس کے بعد مندرجہ ذیل شعر لکھا اور ''لا'' لکھ کر خارج کردیا:۔ کیا سرکشی تھی میری آتش دلوں میں جوں شمع — گردن کٹی ولیکن ٹک سرخرو نہ آیا۔

آنجا[1] بفراغت اوقات گذار یہا می[2] نماید۔ نسبتِ شاگردی بمرزا محمد رفیع سودا دارد۔ خیلے فصیح و طرفہ گو واقع شدہ۔ من کلامہ:

یہ جان تاب و تبِ عشق سے جلی افسوس
کسی نے آن کے اک دم خبر نہ لی افسوس

اے باد صبا! باغ میں مت جائیو تڑکے
سوتا ہے وہ گل برگ، مبادا کہیں کھڑ کے

جوں پشم کی تختی اگر اس راحتِ جاں کو
چھاتی سے لگا رکھیے تو دل کا ہے کو دھڑ کے

آتے ہی نہیں گر کے سوے چشم، پھر آنسو
اس گھر سے مگر روٹھ کے نکلے ہیں، یہ لڑ کے

اے ابرِ بہاری! شبِ ہجراں میں خبردار
دامن ترا اس آہ کے شعلے سے نہ بھڑ کے

قمری ہے فدا باغ میں شمشاد کی دھج پر
ہم صدقے ہیں، اے سرو رواں! تیری اکڑ کے

قصہ ہی کرو مختصر اب جانے دو یارو!
کیا لینا ہے تم کو مرے قاتل سے جھگڑ کے

سر رشتہ رہِ عشق کا ہرگز نہ کروں گم
سو ٹکڑے اگر سبحہ نمط ہوں مرے دھڑ کے

ہوں میں وہ دوانا کہ بہار آنے سے پہلے
زنجیر میں رکھا ہے معیّن مجھ کو جکڑ کے

معروفؔ، نواب الٰہی بخش خاں

نواب الٰہی بخش خاں بہادر[3] سلمہٗ المتخلص بہ معروفؔ از روٴسائے حضرت دہلی۔ شاگردِ رشید میر نصیر الدین نصیرؔ خلف والاقدر عارف خاں و برادر زادۂ اشرف الدولہ نواب قاسم جان بہادر سہراب جنگ۔ والد بزرگوارش در ایام کامرانی وعہدِ دولت نواب ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خاں بہادر مرحوم خیلے کامران و قیصر ساں بودہ است۔ در ہچشماں چشمِ بلند داشت بل علمِ نام آوری می افراشت۔ خودش نیز[4] بہ فراغ بالی می گذراند و مردِ خلیق و اہلِ توفیق و قدر شناس است۔ علم خوب دارد و طبع مرغوب۔ دیوانے شایان مملوے اقسام سخن و انواع کلام ترتیب دادہ۔ تلاش کامل دارد۔ وبالخصوص[5] غزلیات شاذ از و بخوبی وجودت تمام اسلوب[6] می پذیرد۔

---

1 اصل/ق: در آنجا۔ 2 ل: می ماند۔ 3 اصل/ق: سلمہ اللہ تعالیٰ دہلوی معروف شاگرد...... 4 اصل/خ: سلمہ۔ 5 اصل/ق: وخصوص بجائے وبالخصوص۔ 6 اصل/ق: پذیرفتہ می پذیرد وایں مشکل تر است زیرا کہ ہر کدام سخن طراز بایں خوبی وفصاحت وبسہولت انسرام (انصرام؟) آں کردن نمی تواند از جملہ مغتنمات است۔

قطع[1] نظر بسیار خلیق و سر گروہ اہلِ توفیق قانع رضا و بتوکل آشناست۔ عنصر لطیفش نورس زمانہ است۔ برخی از اشعارِ دل نشین و ابیاتِ رنگینِ آن[2] والا جاہ بزبان خامۂ نیاز در[3] دادہ:

بناؤں[4] زلفِ لیلیٰ سے اگر زنجیر مجنوں کی
سوادِ چشم آہو سے لکھوں تصویرِ مجنوں کی

جو اٹھا تا قتل کو تھا عاشقِ بے دل کے ہاتھ
رنگ ہے تجھ کو، حنا باندھے ہے اس قاتل کے ہاتھ

جوابِ خط تجھے کب اے دلِ بیتاب! لکھتا ہے
''عزیز القدر من'' یوسف کو جو القاب لکھتا ہے

ہر گھڑی پاؤں سے تو مجھ کو نہ ٹھکرا، بس جا
خیر ہم دیکھ چکے فندقِ پا اچھی ہے

بولے وہ اپنی شکل کو کل آئنے میں دیکھ
دریا کے پار اور گلستاں ہے دوسرا

یارب نہ ہووے کوئی گرفتارِ عشق آہ
گھر بھی شبِ فراق میں زنداں ہے دوسرا

سوزِ جگر کا حرف جو آیا زبان پر
بس پڑ گیا ہماری پھپھولا زبان پر

کہتے ہو کچھ زباں سے نکلتا ہے اور کچھ
قابو نہیں نشے میں تمھارا زبان پر

دیکھ آئنہ مت دیدۂ تر ہی تو ہے آخر
ڈر ہے نہ کرے کام نظر ہی تو ہے آخر

دل اس کو نہ دینا تھا بجا کہتے ہو ناصح
یہ چوک بھی جاتا ہے بشر ہی تو ہے آخر

مژگاں پہ میں دیکھوں ہوں لختِ جگر اپنے
کب تک یہ ثمر لائے شجر ہی تو ہے آخر

گھبراؤ نہ یارو مری اس آہ و فغاں سے
انصاف کرو زخمِ جگر ہی تو ہے آخر

ہر چند کہ اک دم میں پہنچتے ہیں عدم کو
سب جان چھپاتے ہیں سفر ہی تو ہے آخر

ساقیا! دیکھے ہے کیا تارِ رگ ابر سیہ
ہر مژہ کرتی ہے یاں کارِ رگِ ابر سیہ

محبت کی ہے خاصیت کہ سودا ہووے ہی ہووے
یہ وہ سودا ہے ایسا جس میں رسوا ہووے ہی ہووے

یہ غمِ فرقت سے آہِ پُر اثر میں درد ہے
جو مرے پہلو میں ہے اس کے جگر میں درد ہے

جان کر شیشۂ دلِ پُر درد پر رکھا تھا ہاتھ
یہ اثر دیکھو کہ دستِ شیشہ گر میں درد ہے

شب جو پہنچا تھا تصور یہ نزاکت دیکھنا
صبح اٹھتے ہی وہ کہتے ہیں کمر میں درد ہے

ہاتھ گلچیں نے مبادا گل پہ ڈالا ہو کہیں
آج پھر کچھ نالۂ مرغِ سحر میں درد ہے

1۔ اصل: قطع نظر۔تا۔ زمانہ است''۔ اضافہ مولف۔ پہلے تھا ''از بس جملہ مغتنمات است۔ 2۔ اصل۔ اضافۂ مولف ''آں والا جاہ''۔ 3۔ اصل/ق: نیاز آگیں، 4۔ اصل/ق: بن آدے۔

ناز سے ماری تھی ٹھوکر دستۂ گل پر سحر
جب سے اب تک ناخنِ رشکِ قمر میں درد ہے

ہے کئی دن سے ہمیں اب رات کا سونا حرام
جھونک سے جھمکوں کی گوشِ سیمبر میں درد ہے

ق
لب میں جس کے پاس جاتا ہوں عجب ہوتی ہے سیر
بس کہ اے معروفؔ میرے شعرِ تر میں درد ہے

دور ہی سے دیکھ کر کہتا ہے بھائی اب تو جا
تو رُلاوے گا مجھے، آگے ہی سر میں درد ہے

❖
کوچۂ قاتل میں جو جائے ہے ڈرتا جائے ہے
آفریں قاصد کو میرا دل تو پرچا جائے ہے

سیرِ اقلیمِ عدم کو چاہتا ہے کس کا دل
ہے تو یوں دنیا بھی کوئی کیا تماشا جائے ہے

دشت میں بانگِ درائے محمل لیلیٰ کو سن
قیس مانندِ ہوا ہر سمت دوڑا جائے ہے

ہے کشاکش دل کو اس کی زلف میں شانے کے ساتھ
آج کل میں اس کو سن لینا یہ مارا جائے ہے

تو کسی صورت سے یاں تک اس کو لا اے ہم نشیں!
کیا کروں میں دل مرا قابو سے نکلا جائے ہے

اس کی جب زلفِ پریشاں واں سنوارے ہے کوئی
بدگمانی سے یہاں دل اپنا بکھرا جائے ہے

وقتِ آخر چاہیے کیا سبحہ اس کی یاد میں
خود بخود منکا مری گردن کا ڈھلکا جائے ہے

یاد اسے ساقی! کیا کس نے کہ جوں مینائے مے
ہچکیاں لیتے ہی لیتے دم تو الٹا جائے ہے

اس دلِ پُر داغ بن رکھے خیال زلف کون
سانپ طاؤسِ چمن ہے کس سے نگلا جائے ہے

کیا رکھے آتش رخوں کا یہ دلِ مضطر خیال
سچ ہے کب سیماب کو آتش پہ ٹھہرا جائے ہے

جام بھر بھر کے جو ساقی تو پلاتا ہے مجھے
گردشِ چشمِ بتاں یاد دلاتا ہے مجھے

کیا چھٹی اس کی تمامی کی وہ انگیا ہات سے
ہات ملتا ہوں گئی سونے کی چڑیا ہات سے

یہ ہی صیاد اگر پیشۂ صیادی ہے
تو ہمیں کنجِ قفس بیضۂ فولادی ہے

صبح لے جائے ہے گلشن سے زرِ گل کو صبا
باغباں! باندھ اسے چور یہ اک بادی ہے

تیری تصویر کو کیا منہ ہے جو کھینچے نقاش
دستِ قدرت ہی کی یہ صنعت استادی ہے

بحر الفت میں جو دیکھا تو ہے گہرا پانی
کیوں نہ غواص خرد کا ہووے زہرا پانی

گویند کہ جائے بسمع سرود مصروفیت[1] مزاجِ عالی داشت۔ دراں حین ایں مطلع برجستۂ ازو سر زدہ:

---

1. اصل/ق: ''وملاحظہ رقص اشتغال داشت۔ اتفاقاً طوایفاں راگ دیس سر کردند'' بجائے ''مصروفیت مزاجِ عالی داشت''۔ ❖ یہاں سے گیارہ اشعار ''ل'' سے اضافہ۔

عزیزو! جب کوئی آگے ہمارے دیس گاتا ہے — تو ہم پردیسیوں کو یاد اپنا دیس آتا ہے
ثنا خواں ہوں میں اک شیریں دہاں کا — قیامت ہوں میں چٹورا زباں کا
غضب ہے جس کی خاطر ہم ہوئے بدنام سو سو کوس — ہمارے نام سے بھاگے ہے وہ خودکام سو سو کوس
کہاں ہم محوِ یادِ ابروے خمدار سوتے ہیں — سپاہی ہیں زبس باندھے ہوئے تلوار سوتے ہیں
ان کے گھر ہم خوف سے غیروں کے جا سکتے نہیں — جی تو چلتا ہے بہت پر دل چلا سکتے نہیں
واں کوئی نہیں جاتا ہم سب کے پڑے پاؤں — آ تو ہی یہاں ہو جا اک دم کو کھڑے پاؤں
عزیزو! گھر تو گھر باہر بھی میرا دل نہیں لگتا — لگا ہے دل کچھ ایسی جا، کسی جا دل نہیں لگتا
ملاپ اس سے گر اب، کسی طور ٹھہرے — یہ لکھ دوں جو پھر واں کوئی اور ٹھہرے
کہنے کو یوں تو ہم بھی ہزاروں کے یار ہیں — پر دوستوں کے دوست ہیں، یاروں کے یار ہیں
مے کے پینے سے تو ہاں ہم نے نباہی توبہ — پر مغاں سے یہ خجل ہیں کہ الٰہی توبہ
غافل کو اس کے جلوۂ رخ کی نہیں ہے تاب — ❖ خفاش آنکھ مہر سے کیونکر ملا سکے
سمجھیں نہ کیونکہ قدر مرے دل کی اہلِ ظرف — کوزہ یہ وہ ہے جس میں کہ دریا سما سکے
اس صفحۂ جہاں پہ ہوں نقشِ دلِ نگیں — حرفِ غلط نہیں ہوں جو کوئی مٹا سکے
واں لے گیا مجھے یہ خیالِ کمر ترا — عنقاے وہم بھی نہ جہاں پر ہلا سکے
یارب ترقی اور تنزّل ہے تیرے ہات — کس کو کوئی بڑھائے، کسے یاں گھٹا سکے
تیری طرح سے، نکہتِ گل اس چمن میں ہم — خود رفتگی سے آپ میں ہرگز نہ آ سکے

مغلؔ، مغل علی

مرزا مغل علی مغلؔ تخلص[1]، [illegible] خواجہ عسکری۔ اصلش خطۂ کشمیر و مولدش[2] شاہجہاں آباد۔

---

1 اصل/ق: خواجہ ہنگا۔ فرزند ارجمند خواجہ ہنگا۔ 2 اصل/ق: حدیقہ سہارنپور۔ مولدش دارالخلافہ شاہجہاں آباد۔ والد ماجدش بضلع پورب بہ تجارت و نیز از طرفِ صاحبان فرنگ بعہدہ وخدماتِ شایاں باقتدار واستعداد بسرمی برد وخودش در دہلی است۔ گاہ گاہ بشغل شعر گوئی اوقات عزیز را خوش می دارد۔ جوان شایستہ است۔ ❖ یہ چھ شعر ل سے اضافہ۔

جوانِ شایستہ وسلیم الطبع است۔ گاہ گاہے بشغل شعر گوئی اوقات عزیز را خوش می دارد۔ بیتے از و بقلمِ نیاز رقم سپردہ:

خورشید جو نکلا ہے اس وقت یہ لرزاں ہو کوٹھے پہ کھڑا شاید وہ ماہ لقا ہوگا

مفتوںؔ، عبدالرحیم

شیخ عبدالرحیم مفتوںؔ اصلش [1] از عرب است وخود در لکھنؤ تولد یافتہ۔ از شاگردان میر نظام الدین ممنون است۔ مخلص را اتفاقِ ملاقات نیفتادہ۔ مگر یک شعر او بہم رساندہ درین جا می نگارد [2] بمنزلۂ غزل است:

اس درد سے آگاہ ہوں، بے رخصت بلبل لے کر نہ کوئی پھول مری خاک پر آوے

مفتوںؔ، بدرالدین

میاں بدرالدین مفتوںؔ۔ اصل وے پنجاب ومسکن وی [3] حضرت دہلی، پیشۂ بزازی می کند و شوق [4] اکسیر سازی دارد۔ در فارسی وہندی شاگردِ میر فرزند علی موزوںؔ است۔ ایں شعر او گفتہ:

سرخ جوڑا جو پہن کل تو گلستاں میں گیا شاخِ گل کو بھی لگی رشک سے یکبار آتش

مفتوںؔ

مفتوںؔ تخلص او از شاعرانِ الہ آباد است۔ غزلیاتش بہم نہ رسید مگر چند رباعیات [5] کہ بدست آمدہ بود، شمۂ ازاں انتخاب نمودہ می نگارد۔ اکثر [6] از کلامش بوے درد البتہ [7] می آید:

رباعی

جوں آئینہ چشم دل سے کرتا ہوں جو غور بے وجہ ہے ان پری رخوں کا کچھ طور

---

1 اصل/ق: ساکن لکھنؤ۔ 2 اصل/خ: ہمیں یک مطلع بیت دل نشیں بعقل ناقص من...... 3 اصل/ق: مسکنِ وے۔ 4 اصل۔ اضافۂ مولف ''وشوق سازی دارد'' (ل میں محذوف) 5 اصل/ق: رباعیاتِ او۔ 6؛7 اصل: اضافۂ مولف۔

کیا خاک ملیں[1] ہم ایسے بیدردوں سے   منہ پر کچھ اور، پیٹھ پیچھے کچھ اور

ارکانِ زمانہ مختلف سب ہیں دلا   ان کی ترکیب سے عبث ہے یہ گلا
سارے عالم کی خاک چھانی تو بھی   اک اپنے مزاج کے موافق نہ ملا

کچھ بھی گر مہربان پاؤں تجھ کو   تو جی میں جو دکھ ہے کہہ سناؤں تجھ کو
میں ہجر میں تیرے اب تلک جیتا ہوں   اپنا کیا، آہ منہ دکھاؤں تجھ کو

ڈوبا دن، وائے اضطرابی آئی   مفتوںؔ کیا شامِ غم شتابی آئی
جوں توں یہ پہاڑ سا تو کاٹا تھا دن   پھر رات ہوئی بڑی خرابی آئی

مقبولؔ، مقبول نبی

میاں مقبول نبی مقبولؔ ساکنِ دہلی[2] از شاگردانِ ثناء اللہ خاں فراقؔ پسر انعام اللہ خاں یقیںؔ کہ شاگردِ رشید مرزا جانجاں مظہرؔ بود۔ پیرانہ سر اشہبِ سخن را بمید انِ فصاحت جواں می دہد۔ آشنائے بامزہ عالم آشنا است۔ قریب پنجاہ ہزار بیت از تصنیف سخندانان سلف و حال فراہم آوردہ۔ بسببِ درستیِ حافظہ ہزاراں اشعار از بر دارد۔ مردِ عجیب وغریب و سلیم الطبع واقع شدہ۔ بایں مورِ ضعیف ہم آشناست۔ خداش بقیدِ حیات خوش وخرم دارد۔ از وست:

جلوہ ہمیں سو بار دکھاوے شبِ مہتاب   بن یار آنکھوں میں خوش آوے شبِ مہتاب
پوچھا میں اس سے رات کہاں مہ جبیں رہا   بولا کہ شوق دل کا، تجھے کیا؟ کہیں رہا
دل گرفتاری کو اس زلف کی کب چاہے تھا   عشق نے ڈالی ہے یہ پاؤں میں زنجیر بزور
ان نے تو قتل ہی کا حکم کیا تھا مقبولؔ   عفو کروائی ہے ہم نے تری تقصیر بزور
بوسۂ چاہِ زنخداں کی جسے چاٹ لگے   اس کی پھر کشتیِ دل دیکھیے کس گھاٹ لگے

---

[1] اصل/ ق: ملیں ہم یہ ایسے ہیں بے رحم۔ [2] اضافۂ مولف۔ اصل/ ق: از شاگردان۔

مملو، ایسری پرشاد

لالہ ایسری پرشاد مملو تخلص، قوم کائتھ سری باستب (سری واستو) ساکن لکھنؤ، متصدی پیشہ، شاعر فارسی و ہندی، مردِ سیاح، وارستہ مزاج است۔ خود را از شاگردانِ قتیل استادِ فارسی سازد۔ در 1231ھ یکہزار و دو صد و سی و یک ہجری بطریقِ سیر واردِ شاہجہاں آباد شدہ بود۔ بندۂ ذکا را ازو اتفاقِ ملاقات افتاد۔ بعضی از اشعارِ خودش کہ بمن نوشتہ دادہ ازان این ابیات می نویسد:

سرو سا قد، گل سا چہرہ جب دکھایا آپ نے
قمری و بلبل کو آپس میں لڑایا آپ نے

مصحفِ رخسار پر رکھے قدم یہ بار بار
زلف کافر کو عبث سر پر چڑھایا آپ نے

لختِ دل آ چشم میں، کلفت کے مارے رہ گئے
یہ مسافر رات دریا کے کنارے رہ گئے

جانبر نہیں غمزے سے کوئی روئے زمیں پر
ہے مجھ کو مسیحا کا خطر چرخِ بریں پر

ترے غم میں روئے ہم اس قدر کہ نہ چشم بیچ تری رہی
نہ جگر میں قطرۂ خوں رہا جو رہی تو بے جگری رہی

مقتول، ابراہیم بیگ

مرزا ابراہیم بیگ مقتول[1] اصلش اصفہان و مولد او دہلی است۔ اصلاحِ[2] سخن از میاں غلام ہمدانی مصحفی گرفتہ۔ سلیقہ شعر فہمی و انشا پردازی[3] درست دارد۔ کلامش خیلے مربوط و مرغوب طبع است:

مطلب رہا نہ کچھ ہمیں دیر و حرم کے ساتھ
اٹکا ہے دل اک ایسے ہی کافر صنم کے ساتھ

بتاں جبکہ زلفِ دوتا باندھتے ہیں
گرہ میں دلِ مبتلا باندھتے ہیں

میں یاں خون روتا ہوں ہاتھوں سے ان کے
جو پاؤں میں تیرے حنا باندھتے ہیں

میاں حالِ مقتول دیکھا نہیں کیا
کمر آپ کس پر بھلا باندھتے ہیں

رنگ شفق کی خاک میں مل جائے سب بہار
جس دم وہ کھولے اپنے حنا بستہ ہاتھ کو

1۔ مصحفی (ہندی) ولد مرزا محمود علی (نسخہ رامپور: محمد علی)...... سلیقۂ نوشتنِ انشاءِ نثر بسیار درستی دارد۔ عمرش از سی متجاوز خواہد بود۔ 2۔ ل: اصلاح از...... کلامش مربوط است:۔ 3۔ اصل/ق: خوب۔

کل گھر سے جو وے سادی پوشاک پہن نکلے　　　سو طرح کے اس میں سے بے ساختہ پن نکلے

مقصود، محمد مقصود

شیخ محمد [1] مقصود مقصود شخصے است سقا۔ در بلدۂ لکھنؤ از بس کہ مناسب طبع دارد۔ اکثر اشعار برروے کاری آرد و در [2] ہمچشمانِ خود باستادی مشہور است:

عشق کیا جانے کدھر تھا مجھے معلوم نہ تھا　　　عشق کا دل ہی میں گھر تھا مجھے معلوم نہ تھا

بوسہ لینے سے خفا ہوتے ہو کیوں مشفقِ من　　　بوسہ وہ شے ہے کہ دونوں کو مزا دیتا ہے

مکھو، شیخ

شیخ مکھو۔ اصلش دہلی و مولدش فرخ آباد۔ بعضی اشعار متفرقہ دارد و تخلص ہیچ نمی کند از وست:

مصحفِ رخ کی قسم ہے مجھ کو درکار چمن　　　میں برنگ شمع ہوں پروانہ زارِ [3] چمن

ملولؔ، شاہ شرف الدین

شاہ شرف [4] الدین ملولؔ۔ درویشے است صاحب علم سراپا حلم۔ در فارسی الہامؔ و در ہندی ملولؔ تخلص می [5] سازد۔ چند غزلیات و اشعارِ متفرقہ معرفت شخصی دوستدار بمن رسید از اں ایں مطلع پسند ناقص [6] درآمدست:

جدائی نے تری یاں تک ہمیں ملول کیا　　　کہ زندگی کے عوض مرگ کو قبول کیا

ممتازؔ، نور احمد

مولوی نور احمد ممتازؔ تخلص مردے بزرگ بود۔ عالم و فاضل۔ خیالِ دنیا [7] کمتری داشت و

---

1 اصل/ق: مکھو۔ 2 ل میں محذوف۔ 3 ل: رازِ چمن۔ 4 ل: معروف۔ 5 ل: می کند۔ 6 اصل/ق: بہ پسند ناقص افتاد۔ 7 اصل/ق: دنیاداری۔

اوقاتِ نفیسِ خود را بیادِ الٰہی بسری برد۔ بعضے از اہلِ دول کہ التجاے کار بدو می برو ند[1] بیمنِ توجہ و دعاے خیر او غنچۂ مقصود آنہا رو بہ شگفتگی می آورد۔ چوں لاطمعِ محض بود بسبب استغناے مزاج کہ ستودۂ اطوار درویشاں آگاہ دل و پسندیدہ کردار عارفانِ کامل است کہ کسے بطریق تحائف وغیرہ انچہ بہ نذر گذرانید[2] اصلا قبول نمی کرد۔ بہر حال از مغتنمات زمانہ بود[3] اکثر فکر فارسی و ہندی[4] می نمود۔ ایں اشعار معجزہ کردار از وست:

ہر چند بھرے دیکھتے بازار محبت ۔ لیکن نہ ملا کوئی خریدار محبت
درکار صراحی نہ ہمیں جام ہے ساقی ۔ اک عمر سے ہیں کیفی سر شار محبت
ازبس کہ مریضوں میں ہوں ممتاز میں سب سے ۔ بھاوے ہے مجھے دل سے یہ آزارِ محبت
صاف آئینے سے ہوا روشن ۔ منہ ہی دیکھے کی جگ میں الفت ہے
زلف مہ رو میں یہ دل جب سے گرفتار ہوا ۔ مو بمو نامِ خدا محرمِ اسرار ہوا
دل کا آئینہ صاف کر کر دیکھ ۔ اپنی ہی دید کے ہیں عاشق سب

رباعی

یوں ہی ہر دم جو اشکباری ہوگی ۔ تس پر دل کی یہ بیقراری ہوگی
تو ہی بے رحم کر ٹک اس کا انصاف ۔ کس طور سے زندگی ہماری ہوگی

ممنونؔ، میر امانت علی

میر امانت علی ممنونؔ سید زادہ ایست متوطن پورب۔ بندہ تعارف ندارد مگر احوالش چناں بہ تحقیق پیوست کہ جہت تحصیل علم از عظیم آباد[5] بدہلی آمدہ بود[6] وشعر ہندوی خود را بنظر میر فرزند علی موزوں گذرانیدہ[7]۔ ایں شعر از ریختۂ طبع خوب اوست:

اے واے کہ تیرے لیے اس خاک نشیں کو ۔ جوں باد لیے پھرتی ہے گھر گھر طپشِ دل

---

1 اصل/ق: می آوردند 2 اصل/ق: خاطرش اصلا۔ 3 اصل/ق: مغتنماتِ بزرگاں۔ 4 ل: می گفت۔ 5 اصل/خ: برخاستہ۔ 6 اصل/ق: حالا از احوالش کماہی اطلاع نیست۔ 7 ل: گزرانید۔

منّت، میر قمر الدین

میر قمر الدین منّت والد ماجد میر نظام الدین ممنونؔ از سیادات قصبہ سونی پت مرید[1] جناب مخدومی مولوی محمد ابراہیم قدس[2] اللہ سرہٗ چند نسخہ نظم و نثر دیوانِ فارسی بکمال جودت و متانت سرانجام دادہ و صنایع و بدایع پیش از اندازۂ قیاس بکار بردہ۔ در فارسی شاگردِ میر شمس الدین فقیرؔ و در ہندی نسبت تلمذ بہ قیام الدین علی قائمؔ داشت۔ استاد فارسی بود۔ اکثر اشعار رنگینش بسمع ایں بندہ[3] ذکا رسیدہ۔ چیزے بمدحتِ مشیر الملک نواب نظام علی خاں بہادر گفتہ ہفت ہزار روپیہ صلہ یافت۔ حاصل ایں کہ از مغتنمات بود[4] در سنہ 1208 یکہزار و دوصد و ہشت ہجری ہمرکاب راجا ٹکیت راے بہادر بکلکتہ رسیدہ راہیِ شہر آخرت گردید و بمقامے متصل کربلاے معلّٰی بمقتضاے خوش نیتیِ خود مدفن یافت۔ ایں اشعار ریختہ از تصنیفِ شریفش مسموع می شود[5]:

مدعی اس سے سخن ساز بہ سالوسی ہے
پھر تمنا کو یہاں مژدۂ مایوسی ہے

میری ہی طرح جگر خوں ہے ترا مدّت سے
اے حنا! کس کی تجھے خواہش پابوسی ہے

آہ اے کثرتِ داغِ غمِ جاناں کہ تمام
صفحۂ سینہ پُراز جلوۂ طاؤسی ہے

تہمتِ عشق عبث کرتے ہیں مجھ کو منّت
ہاں یہ سچ ملنے کی خوباں سے تو اک خوسی ہے

ہم سے وہ جوشش وہ الفت دور کی
آپ کو سوجھی نہایت دور کی

گر اُس لبِ جاں بخش کی میں بات سناؤں
عیسیٰ بھی جو کچھ بولے تو صلوٰت سناؤں

قدم رکھ گیا کوئی سینے پہ میرے
گلِ داغ میں آج مہندی کی بو ہے

سمندِ ناز کو ٹک دی تھی رخصتِ جولاں
پھرے ہے جب سے بھٹکتا مرا غبار ہنوز

1۔ اضافۂ مولف۔ 2۔ اصل/ق: علیہ الرحمۃ۔ 3۔ اضافۂ مولف۔ 4۔ اضافۂ مولف؛ ل میں یہ عبارت۔ ''در سنہ تا یافت'' قدس سرہ ''العزیز'' کے بعد۔ ق بہچمداں۔ اصل و ل: نظر؛ متن اصلاح قیاسی۔ 5۔ ل: بسمِ ایں بندۂ ذکا رسیدہ۔ چیزے بمدحتِ مشیر الملک نظام علی خاں بہادر گفتہ۔ ہفت ہزار روپیہ صلہ یافت۔

منتظر، نورالاسلام

نورالاسلام منتظر[1] از شاعرانِ لکھنؤ بطورِ نیاکان و بحسبِ رویۂ بزرگان خود بہ لباسِ زہد و تقوی ملبّس و از علومِ رسمیۂ متعارفہ بہرہ اندوز است۔ مدتے بشاگردی میاں غلام ہمدانی مصحفی صرف نمودہ۔ شعر گرم می گوید:

دکھایا صاف تن تن تن کے اندر
جھمکڑا زور تھا چلمن کے اندر

ہوئی تھی جامۂ یوسف کی بو کم
سو پائی تیرے پیراہن کے اندر

ہمارے جی میں یہ تھا زہر کھا کے سو رہیے
و لے یہ ڈر ہے نہ تہمت ہو یار اپنے پر

نہیں یہ بھی چاہتا جی کہ ترا گلہ کروں میں
جو کروں تو کیا کروں میں، نہ کروں تو کیا کروں میں

جسے میں نے ڈر ڈرایا اسے تم نے منہ لگایا
یہ کبھی نہ جی میں آیا اسے کیا خفا کروں میں

ترے دم سے مجھ میں دم ہے یہ دلا بڑا ستم ہے
تو اسیرِ درد و غم ہے تری کیا دوا کروں میں

وہ کرے ہے کج ادائی یہ دنوں کی ہے برائی
کبھی ایسی شب نہ آئی کہ دراز پا کروں میں

اجی واسطے خدا کے میاں منتظر یہ کہیے
وہ بدی کرے ہے مجھ سے، کہو کیا بھلا کروں میں

صدمہ جو شبِ ہجر کا یاد آئے ہے ہم کو
اک ڈونہی پھریری سی کچھ آجائے ہے ہم کو

پیدا ہوئی کچھ مجھ کو نئی طرح کی وحشت
نے شہر، نہ صحرا، نہ چمن بھائے ہے ہم کو

طرفِ چمن نہ جا، نہ سوے لالہ زار دیکھ
تو آپ باغِ حسن ہے اپنی بہار دیکھ

سرو زمیں میں گڑ گیا، غنچے نے سر جھکا دیا
خندۂ گل جو یار نے دیکھ کے مسکرایا

خلق دیکھے ہے مہِ عید تمام آج کی رات
تو بھی اے ماہ جھلک جا لبِ بام آج کی رات

اک ذرا بے ادبی ہوتی ہے تقصیر معاف
پائینتی رہے کہیے تو غلام آج کی رات

کیوں گردشِ دوراں کا نہ کیجے گلہ ہر روز
پڑتا ہے نیا پاؤں میں اک آبلہ ہر روز

ہر گز نہ ہوا طے یہ بیابانِ محبت
در پیش رہا مجھ کو نیا مرحلہ ہر روز

ہے جی میں کروں طے سفرِ ملکِ عدم کو
یاروں کا اُدھر جائے ہے اک قافلہ ہر روز

---

1. مصحفی (ہندی) میاں نورالاسلام منتظر تخلص ولد شاہ فیض علی عرف پیر غلام، برادر بزرگ شاہ بدر علی ابن شاہ محمد جلیل ...... از دوازدہ سالگی طبع موزوں داشت ۔۔۔ عمرش تا امروز بست و پنج سالہ باشد۔

وحشت نے یہ گھیرا ہے کہ دیوانے کے تیرے ۔۔۔ پڑتا ہے نیا پاؤں میں اک سلسلہ ہر روز

منتظر ہے یہ شبِ ہجر کہ اک روزِ سیاہ ۔۔۔ نہ تو شیشہ ہے نہ ساقی ہے، نہ جام آج کی رات

تم پیار کرو گر نہ صنم اور کسی کو ۔۔۔ لو ہم سے قسم چاہیں جو ہم اور کسی کو

میں نے جو کہا گھر مرے چلیے کوئی دم آپ ۔۔۔ تو ہنس کے کہا دیجے یہ دم اور کسی کو

کیا ہجر میں بسر یونہی اوقات ہوئے گی ۔۔۔ یارب کبھی تو اس سے ملاقات ہوئے گی

تب جانیں گے کہ آج ہمارے بھی دن پھرے ۔۔۔ ہمدم! نصیب وصل کی جب رات ہوئے گی

کہتا تھا ایک بات یہ میں تجھ سے ہوں خفا ۔۔۔ دھڑکے ہے دل مرا کہ وہ کیا بات ہوئے گی

گماں نہ کیونکہ کروں تجھ پہ دل چرانے کا ۔۔۔ جھکا کے آنکھ سبب کیا ہے مسکرانے کا

کسی کے ہونٹ کے ہلتے ہی بس تمام ہوئے ۔۔۔ مزہ ملا. نہ ہمیں گالیاں بھی کھانے کا

بس ہے یہ لطفِ صبا بہرِ گرفتارِ قفس ۔۔۔ راہِ بوئے گل کرے سوراخ دیوارِ قفس

گہہ پردہ فاش نالے نے، نے آہ نے کیا ۔۔۔ رسوائے خلق ہم کو تری چاہ نے کیا

یوں لے گئی دل زلفِ سیہ فام لگا کر ۔۔۔ جوں صید کو کھینچے ہے کوئی دام لگا کر

کچھ نہ پایا جب نیازِ عید قرباں کے لیے ۔۔۔ لے چلے تب جاں بکف ہم نذرِ جاناں کے لیے

ہم اسیروں کو رہائی کی توقع کیا کہ جب[1] ۔۔۔ قفل تو تیار ہوں در ہائے زنداں کے لیے

غصے میں اس جبیں پہ پڑے جب شکن کئی ۔۔۔ دریائے قہر ان سے ہوئے موجزن کئی

کیوں سیرِ لالہ زار کو اس بن گیا میں ہائے ۔۔۔ جو تازہ ہوگئے مرے زخمِ کہن کئی

امید ہے کہ مجھ کو خدا آدمی کرے ۔۔۔ پر آدمی کرے تو بھلا آدمی کرے

مارا ہے کوہکن نے سر اپنے پہ تیشہ ہائے ۔۔۔ دل کو لگی ہو چوٹ تو کیا آدمی کرے

ممنونؔ، میر نظام الدین

فخر الشعرا[2] میر نظام الدین ممنونؔ[3] اصلش[4] از قصبۂ سونی پت مضاف صوبۂ دار الخلافہ

---

1 اصل/ خ: ہر عید کو۔ 2 اصل: اضافۂ مولف "فخر الشعرا" 3 ل: سلّمہٗ۔ 4 اصل/ اضافۂ مولف "اصلش...... آباد"۔

شاہجہاں آباد خلف الصدق میر قمر الدین منت، دریں ولا از لکھنؤ وارد شاہجہاں آباد شدہ۔ ایں زلہ ربائے خوانِ سخن بندۂ[1] ذکا بچاشنی مواجہہ و مکالمہ اش آشنا گشت۔ خلقے حسین دارد و کلامے متین، شاعرِ پر زور فارسی و ہندی قصائد و رباعی و غزلیات و صنائع و بدائع ہمہ خوب می گوید بالفعل در بلدۂ لکھنؤ است[2] اکثرے از شاگرداں را بہ فیضِ اصلاحِ خود بہرۂ وافی بخشیدہ۔ از حضور اشرف الدین اعلیٰ[3] بخطاب فخر الشعرائی معزز گشت۔ عذوبتِ سخنش از لبِ کلامش ہویدا و آشکارا ست۔ اشعارے چند[4] از تصنیف آں استادِ[5] زماں در ینجا نگاشتہ می آید:

کھولا جو پیچ طرۂ عنبر شمیم کا
مُشکِ ختن سے بھر گیا دامن نسیم کا

شب ہم کو کشت و خون رہا فوجِ غم کے ساتھ
سو حسرتیں شہید ہوئیں اپنے دم کے ساتھ

حاجت ہی کب جو خاک پہ اپنی وہ لائے گل
ہیں اس کے نقش پائے نگاریں بجائے گل

نکہت تو تجھ سے لے ہے صبا اور صبا سے ہم
لے عطر تیرے تن سے قبا، اور قبا سے ہم

داماں بھر کے لیتے ہیں نکہت سے ہر سحر
گل سے چمن، چمن سے ہوا اور ہوا سے ہم

یہ چشمِ خونفشاں سے شغل ہاتھ اپنے لگا رنگیں
اِدھر دھویا گریباں کو، اُدھر دامن ہوا رنگیں

وقتِ نظارہ اک نگہ آرزو نہیں
جس سے کہ حسرتوں کا ٹپکتا لہو نہیں

جانِ عزیز! یاس کی ہم کو قسم کہ یاں
سینے میں خوں نکشتہ کوئی آرزو نہیں

مرتے ہیں ہم کہ وصل میں ہے طرفہ اختلاط
اک بات پر وہاں ہے کبھو ہاں کبھو نہیں

تھا کیا یہ باغ مشہدِ غم کشتگاں کبھی
بوئے چراغِ کشتہ ہے، یاں گل کی بو نہیں

تا عدم ہے شور اپنی آہِ پُر تاثیر کا
ہے سویدائے دلِ عنقا ہدف اس تیر کا

کل جو خلوت میں وہ بت محوِ خود آرائی تھا
آئنہ پشت بدیوار تماشائی تھا

ہاتھ میں جنبش محمل کی عناں ہے اپنے
ورنہ یاں کس کو سرِ آبلہ فرسائی تھا

تیرے قامت نے کیا خوب ہی سیدھا اس کو
سروِ گلشن کو بہت دعویٰ رعنائی تھا

---

1 اصل اضافۂ مولف ''بندۂ ذکا''۔ 2 اصل/ خ: شہرۂ او بسیار است و در دہلی عدیل او شاعر کمیاب است بسیاری از...... 3 اضافۂ مولف ''از حضور...... گشت''۔ خ: کلام او با طراف انتشار و اشتہار یافتہ۔
4 اصل/ ق: ادیں۔ 5 اصل/ ق: اشعار چند از آن استادِ وقت عاصی ذکا دریں جامی نگارد۔

دورِ فلک میں کس کو نہیں ہے کشی کا ذوق
رکھتا ہے ماہ ہاتھ میں ساغر بلور کا

ممنوں برنگِ مصرعِ سودا جو دیکھیے
ہر سنگ میں شرار ہے اس کے ظہور کا

بس کہ وقتِ گریہ پیش چشم وہ مہ پارہ تھا
بہ چلا جو اشک، سویاں اختر سیارہ تھا

اپنی راحت گاہ نت آغوشِ بیتابی رہی
کب نہیں طفلی میں میل جنبش گہوارہ تھا

یاں ذوقِ زخمِ خنجرِ قاتل نہیں رہا
دل چاہے ہے تڑپنے کو سو وہ دل نہیں رہا

رات تم بن نہ ٹک آسودہ یہ مہجور رہا
رشتۂ بسترِ راحت دمِ ساطور رہا

چاندنی مار گئی اس دلِ زخمی کو رات
پرتو انداز یہ کس کا رخِ پر نور رہا

نام جانے کا نہ لے یار کہ مرجاؤں گا
سنتے ہی نامِ سفر جی سے گذر جاؤں گا

ہے یہی گریۂ بے صرفہ تو اس محفل سے
ہو کے آخر ہی میں جوں شمعِ سحر جاؤں گا

تیغ بے صرفہ نکالو کہ اگر محشر میں
مجھ سے پوچھیں گے ترا نام مکر جاؤں گا

خوب اس کشورِ ہستی میں غریبانہ پھرا
اب ہے ٹک قصدِ عدم یعنی کہ گھر جاؤں گا

کوئی کہہ دے تیز رو ناقہ نشیں سے یوں پکار
گر کے اب اک ناتواں دنبالِ محمل رہ گیا

دیکھ اٹھکھیلی کہ سو سو بار بوسے کے لیے
لا کے وہ منہ کو مرے منہ کے مقابل رہ گیا

عرض بیتابیِ دل میں نے جو کی چھاتی سے لگ
وے لگے کہنے کہ لے اب تو ترا دل رہ گیا

ہم رہے اے موج خیز فتنہ اس گرداب میں
کشتیِ امید ٹوٹی دور ساحل رہ گیا

چل بسا سر لشکر اہل جنوں ممنوں کہاں
آج اس وادی میں کچھ شورِ سلاسل رہ گیا

وہ تشنہ جگر ہوں کہ دمِ ذبح سے اب تک
ہے گرم مرے خنجر برّان کا لوہا

بل بے دمِ گرم اپنے کی سوزش کہ ہوا جذب
بن قطرۂ آب آپ کے پیکان کا لوہا

جگر کے دود سے رنگیں نشان آہ گئے
دلِ شہید کے غم میں علم سیاہ گئے

غلط کہ صرفِ خرابی ہے گردش شب و روز ❖
کہ گھر کے گھر تری آنکھوں نے ہیں تباہ کیے

قتل کر بیتاب کو اپنے کہ یہ ہے کیمیا
یعنی گر سیماب ہو کشتہ تو پھر اکسیر ہے

پاؤں مجنوں نے نکالے ہیں بہت دیکھو تو
ہیں بھی اس شہر میں زنجیر بنانے والے

❖ ل میں نہیں ہے۔

رندوں سے ملے آن کے تا ساقیِ بے رحم — چلا کوئی جا کر شجر تاک سے باندھے

رباعی

کس سے کہوں تنہائی و بد روزی کو — جز داغ کوئی نہیں جگر سوزی کو
کوئی غمخوار گاہ گاہے جوں تیر — پہلو میں جو بیٹھے ہے تو دل دوزی کو

شبِ انتظار تھی کس کی کل کہ خیال جانبِ در رہا — سرِ شب سے لے کے کھلا ہوا در دیدہ تا بسحر رہا
لبِ جامِ جم، دمِ تیغِ غم، سرِ خنجرِ ستم و الم — کوئی وقفِ جاں، کوئی نذرِ دل، کوئی صرفِ زخمِ جگر رہا

کھا کے کل سوچ و تاب اٹھا جو دل سے نالہ تھا[1] — جا کے گردوں پر چمکتا شعلۂ جوالہ تھا
تھا روز کون سا کہ یہاں غم نہیں رہا — پڑھ پڑھ کے دل کا مرثیہ ماتم نہیں رہا
اب جز خدنگ اور دمِ تیغِ یار بن — پہلو نشیں نہیں کوئی ہمدم نہیں رہا
گماں نہ کیونکہ کروں تجھ پہ دل چرانے کا — ❖ جھکا کے آنکھ سبب کیا ہے مسکرانے کا
کسی کے ہونٹ کے ملتے ہی بس تمام ہوئے — ❖ ملا مزہ نہ ہمیں کہربا ہے کھانے کا
بس ہے یہ لطفِ صبا بہرِ گرفتارِ قفس — ❖ راہ بوئے گل کرے سوراخِ دیوارِ قفس
ہے سایہ فگن زلفِ سیہ فام زمیں پر — ❖ تا صبح قیامت کی ہے یہ شام زمیں پر
تہی اس حسنِ مطلق سے ہے کب آئینہ اعیاں کا — دلِ ہر ذرہ ہے خلوت کدہ خورشید تاباں کا
بندہ ہوں حسنِ صورت و عشقِ مجاز کا — ہر آئینے میں جلوہ ہے اس جلوہ ساز کا
اے آہِ بے ادب نہ اسے آگ دے کہ ہے — دل جلوہ گاہ پردہ نشینان راز کا
قدم رکھا یہاں کس نے کہ کل تصویر قالی کا — رکھے ہے رنگ اس پائے حنا بستہ کی لالی کا
دعائیں زیرِ لب آہستہ آہستہ اسے دوں ہوں — جو یاد آئے ہے لب تک آ کے رُک جانا وہ گالی کا
لکھا جو شعر تعریفِ جمالِ یار میں ممنوںؔ — وہ حسنِ نظم میں ہمسر ہے اشعارِ جمالیؔ کا
کرنے نپائے نیم تبسم کہ بس چلے — جوں غنچہ رنگ گلشن ہستی پہ ہنس چلے

---

[1] اصل میں یہاں سے حاشیے پر۔ ❖ ل میں محذوف۔

ہے زور رنگ تیرے کشتوں کی گفتگو کا[1] بسمل ہے دل سے لب تک ہر حرف آرزو کا
مشہد پہ اس کے لانا ہے شمعِ سبز لازم جو بے گنہ ہو کشتہ اس سرو شعلہ خو کا
طوفاں اٹھا رہا ہے اب طفلِ اشک ممنوں لڑکا ہے یہ تو اپنی آنکھوں کے روبرو کا
دھویا ہے کس نے منہ کہ یہ ہے لطف آب کا لبریز رنگ گل سے ہے ساغر حباب کا
رکھے ہے رنگ کچھ ساقی شرابِ ناب آتش کا مقطر کیا کیا لے کر گلِ شاداب آتش کا
ڈراتا ہے عبث ممنوں کو دوزخ سے تو اے واعظ دکھاؤں داغِ دل تو ہووے زہرا آب آتش کا
دھویا ہے چشمِ مست کو دریا میں کس نے صبح گرداب ہوگیا ہے پیالہ شراب کا
کنجِ تنہائی میں یہ شغل ہے اب ممنوں کو طرف داماں ہے اور دیدۂ تر ہے اس کا
کوئی ہمدرد، نہ ہمدم، نہ یگانا اپنا رو بروکس کے کہیں ہم یہ فسانا اپنا
نہ کسی جیب کے ہیں پھول نہ داماں کے خار کس لیے تھا چمن دہر میں آنا اپنا
فائدہ کیا جو ہوئے شمع حرم راہبِ دیر نہ ہوا دل میں کسی کے جو ٹھکانا اپنا
ہیں رواں ناقے کے دنبال ہزاروں بیتاب دیکھیو پردۂ محمل نہ اٹھانا اپنا
وقفِ دنداں تھا لبِ حسرت ہر اک غمخوار کا کنجِ غم میں شب یہ عالم تھا ترے بیمار کا
گرمِ رفتار بیابانِ عدم کو چاہیے ☆ کوئی دم آرام کو سایہ تری دیوار کا
عینِ راحت ہے جو کچھ ہم پہ ستم کیجیے گا سر جھکا دیویں اگر تیغ علم کیجیے گا
دیکھ کر مجھ کو یہ کہتے ہیں بتانِ خوش خط ایک دن سر کو ترے تن سے قلم کیجیے گا

مکند سنگھ

مکند سنگھ ساکن شاہجہاں آباد قوم برہمن[2] نومشق است۔ گاہگاہے[3] غزل سرامی گردد:

کہوں[4] کیا زلف کی اس کے درازی کہ چھوٹی رات اور قصہ بڑا ہے
ساقی سے نہ مطلب، نہ رہی جام سے الفت اس چشم کی مستی سے جو سرشار ہوئے ہم[5]

---

1 ل میں مصرعے منقلب۔ 2 اصل/ خ: والانہاد۔ 3 اصل/ خ: بطور خود۔ 4 اضافۂ مولف۔
5 اصل: تین شعر خارج۔

منصفؔ، منصف علی خاں

منصف علی خاں منصفؔ قومِ[1] افغان متوطن عظیم آباد، از مدتے در شاہجہان آباد وارد گشتہ۔ شوق ے نوشی بسیار دارد۔ بالفعل بسبب کساد[2] بازاری پیشہ معلّمی[3] اختیار کردہ بحلیۂ علم وفضیلت آراستہ و بزیورِ حیاو مروّت پیراستہ است[4]۔ بعضی کتبِ فارسی ورسائل عربی از بر دارد و تحصیلِ عروض وقوافی نیز بوجہِ احسن نمودہ۔ بہر دو زبان آشنا است۔ در فارسی شاگردِ نظام خان معجزؔ و شعر ہندی بطورِ خود می فرماید[5]۔ ایں اشعار از زادۂ طبع آں شیریں کلام مرقوم[6] می گردد:

گر عشق مرا دست بدامان رہے گا ——— دامان تلک چاک گریبان رہے گا
یعقوبِ تنگ حوصلہ مت جانیو مجھ کو ——— تا حشر مرے اشک کا طوفان رہے گا
گر عشق ترا یہ ہے تو پھر دستِ جنوں سے ——— دامان رہے گا، نہ گریبان رہے گا
ہے عید کا دن اب تو گلے چاؤ سے لگ جا ——— کب تک تو خفا مجھ سے مری جان رہے گا
خیال جاوے ترا کیونکہ میرے سینے سے ——— جدا ہوا ہے کہیں نقش بھی نگینے سے
برنگِ شیشۂ ساعت رہا مکدّر ہی ——— ہوا نہ صاف دل اس کا ہمارے کینے سے
بتوں سے دل کو ہے امید دوستی بے جا ——— ہوا ہے ربط کہیں سنگ و آبگینے سے
قسمت میں خدا جانیے کس کی ہے شہادت ——— پھرتا ہے وہ کافر لیے تلوار بغل میں
یکبار تو دل کھول کے آ یار بغل میں ——— کافر ہو جو لے جاوے تجھے مار بغل میں
غلطاں ہیں مرے دیدۂ گریان کے موتی ——— لے جائے جسے چاہیے پہچان کے موتی
مکھڑا ترا خورشید ہے اور ابرسیہ زلف ——— ہے اختر تابندہ ترے کان کے موتی
بتوں کو دل جو اپنا پوجتا ہے ——— مگر کعبے سے یہ کافر پھرا ہے
اگر پاؤں پڑوں بولے جھک کر ——— پرے ہو دور ہو کیوں سر چڑھا ہے

---

1 ل: کسادِ روزگار۔ 2 اصل/ق: معلّمی پیشہ است: خلل جوہر (؟)۔ 3 اضافۂ مولف۔ 4 ل: می گوید۔ 5 اصل/ق: ثبت۔

قطعہ

اکیلا پا کے اس ہندو صنم کو ۔۔۔ کہا میں نے کہ مجھ سے کیوں خفا ہے
لگا کہنے مجھے دیتے ہیں طعنہ ❊ مسلمانوں سے کافر آشنا ہے

قطعہ

جی دھڑکتا ہے، ہائے قاصد نے ۔۔۔ نامہ جب اس کے تئیں دیا ہوگا
پڑھ کے احوالِ زار منصفؔ کا ۔۔۔ در جواب اس نے کیا کہا ہوگا
ہوا جو یار بتوں کا خدا شناس ہوا ❊ کہ پہنچا بام پہ بے شک گیا جو زینے سے
نہ رکھتا چرخ سے منصفؔ کبھی امیدِ وفا ❊ کسی کو فائدہ پہنچا نہیں کمینے سے
زمیں پر خط کو میں پھینکا جو کر بند ❊ تو یوں تڑپا کیا جوں مرغِ پر بند

منیرؔ، میر آفتاب علی

میر آفتاب علی منیرؔ شخصے است صیقل گر از خاندانِ سیادت و شرافت، چند مدت شاگردیِ شیخ ظہور الدین حاتمؔ نمودہ۔ شعرش بسا کیفیت دارد و خالی از تلاش و رنگینی نیست:

چاہیے اول کفن اے شمع، سر سے باندھنا ۔۔۔ رشتۂ الفت نہیں آساں جگر سے باندھنا
کار دنیا ہیچ اور اسبابِ دنیا بے ثبات ۔۔۔ ہے عبث یاں اپنے دل کو سیم و زر سے باندھنا
اس کی زلفوں میں پھنسانا دل بھلا کیا ہے ضرور ۔۔۔ اور اک کالی بلا ناحق کی سر سے باندھنا
تم جو کہتے ہو کہ عاشق ہے منیرؔ اب اور پر ۔۔۔ یہ بنا کر باندھنو سیکھے کدھر سے باندھنا
یارو اس کی اس نگہ کو کیا نظر بندی ہے یاد ۔۔۔ جو کوئی دیکھے اُسے تارِ نظر سے باندھنا
آگے پروانے کے ہے آسان جل مرنا و لے ۔۔۔ نامہ میرے شوق کا مشکل ہے پر سے باندھنا
باغباں! بٹ کر بنا تارِ رگ گل کی کمند ۔۔۔ چور باری ہے صبا شاخِ شجر سے باندھنا

❊ ل سے اضافہ

شبِ فراق میں ہے کون یار عاشق کا — نہیں ہے غم کے سوا کوئی یار عاشق کا
تری گلی میں ہمیشہ پھرے ہے اڑتا ہائے — طرح بگولے کی مشتِ غبار عاشق کا
ہمیشہ تیغ لیے اپنے دست رنگیں میں — پھرے ہے تشنۂ خوں وہ نگار عاشق کا

غزل

کہاں دماغ جو دیکھے وہ حال عاشق کا — بلا کر اُس کی پڑا ہے ملال عاشق کا
زکاتِ حسن ہی دے ڈال عاشق کا — نہ کر تو رد یہ پیارے سوال عاشق کا
بتاں کے عشق میں پروانہ وار جل بجھنا — یہی بڑا ہے منیرؔ اب کمال عاشق کا

کیا ہے آگے دلِ سوزاں کے شرر آتش کا — یاں ہر اک داغِ جگر میں ہے اثر آتش کا
عشق یوں چاہیے ہو دل میں ہر اک انساں کے — جیسے ہر سنگ میں اے یار ہے گھر آتش کا
آبلے پڑتے ہیں جس جاگہ گرے ہے قطرہ — ہے مرے اشک کے پانی میں اثر آتش کا
یارو ٹک دیکھیو سینے میں کہاں آگ لگی — دوڑیو دود یہ اٹھتا ہے کدھر آتش کا
یار کچھ میرے تبِ دل کی حقیقت مت پوچھ — ہے کباب آگے مرے دل کے جگر آتش کا
منیرؔ اس واسطے کرتا ہے سیر باغ اے یارو — مگر شاید محبت کی کسی گل میں سے بو آوے

رباعی

دنیا داری ہمیشہ دل ریشی ہے — پابندِ عیال و مال اور خویشی ہے
آزادہ و وارستہ و فرد و فارغ — دیکھا تو یہاں عالمِ درویشی ہے

منیرؔ، آفتاب خاں

خواجہ آفتاب خاں منیرؔ خواجہ زادہ ایست۔ مسکنِ آن در شہر خجستہ بنیاد شاہجہاں آباد واقع شدہ۔ شاگردیِ سعادت یار خاں رنگیںؔ نمودہ۔ انسانِ خوب است۔ ایں[1] ابیات از تالیف اوست:

---

1. ل میں ''ایں'' محذوف۔

جی چاہتا ہے زلف کا تیری بیاں کریں
شانے[1] کے دانت توڑ کے اپنی زباں کریں
مکتب میں تجھے دیکھ، کسے شوقِ سبق ہے
ہر طفل کے یاں[2] اشک سے آلودہ ورق ہے

مضطر، میر حسن علی

میر حسن علی مضطر[3] سیدزادۂ باتمکین، خوش فکر شاعر رنگیں۔ ایں مطلع از و نوشتہ شدہ:

جانکاہ ہے اے جان سراسر تپش دل
کیا کیجیے ہو رفع یہ کیونکر طپش دل

مؔنیر، نظام الدین

میر نظام الدین مؔنیر خلف شاہ ببر علی مولد[4] و منشاے او دہلی۔ شاگرد میاں نصؔیر۔ جوانِ سلیم است و براہِ دوستی مستقیم۔ مرات سخنش بسیمابِ توجہ استاد آب و تابے دارد و عکسِ تلاشش از صفحۂ بیانش پیشِ چشم جلوہ گر است:

تجھ بن شبِ فراق ہمیں یوں بسر ہوئی
روتے ہی روتے شام سے آخر سحر ہوئی
آیا سمندِ ناز پہ جس دم وہ شہسوار
کاوش ہمارے دل کو بنوعِ دگر ہوئی
خانہ خراب دل! کہیں عاشق ہوا ہے کیا
جاری جو آج پھر یہ مری چشمِ تر ہوئی
اوقات اپنے عاشقِ فرقت زدہ کی آہ
پوچھا نہ ایک دن بھی کہ کیونکر بسر ہوئی
کہتے ہیں آج وہ ترا بیمار مرگیا
تجھ کو بھی اس کے حال سے ظالم! خبر ہوئی؟
دم کر شتاب، سورۂ جن پڑھ کر اے مؔنیر
تجھ کو کسی پری کی ہے شاید نظر ہوئی
یوں تو خط اس کو میں اے پیکِ صبا لکھوں گا
لیکن احوال جدائی کا جدا لکھوں گا

قطعہ

تنہا یہ کٹے گی کیونکہ منزل
اب پاؤں میں پڑ گئے ہیں چھالے
کہہ دیجو سلام رفتگاں سے
او ملکِ عدم کے جانے والے

---

1 اصل/ق: کنگھی۔ 2 اصل/ق: کاواں۔ 3 اصل/ق: مظفر۔ 4 اصل/ق: باشندۂ دہلی۔

محقق

محقق[1] تخلص۔ غزلیاتے کہ در ابتدای شوق سخن گوئی از و انصرام یافتہ بود بعاصی ذکا بہم رسید۔ بیتے از جملۂ آن بہ تحریری در آرد:

تم ہر کسی سے وعدۂ دیدار مت کرو　　اپنی زباں سے جھوٹ کا اقرار مت کرو

منجھو خاں

منجھو خاں سلمہٗ ساکن دہلی خلف حکیم[2] عسکری خاں برادر صغیر حکیم بوعلی خاں۔ گاہ گاہے بفکرِ شعری دارد:

اس لبِ لعل سے اب لاگ لگی ہے دل کو　　چشمۂ خضر سے یہ آگ لگی ہے دل کو

منوّر، میر منور علی

میر منور علی منوّر برادر[3] میر حاجی شایقؔ۔ مسکنش بلدۂ جنت نہاد شاہجہاں آباد۔ جوانِ خوش خلق و یار باش و کشادہ رو صاحبِ شعور واقع شدہ۔ تازہ گو است۔ گاہ گاہے بقدرِ استعداد فکری کند از وست:

بس کہ عالم ہے ناتوانی کا　　عیش جاتا رہا جوانی کا

مبتلا، غلام محی الدین

غلام محی الدین مبتلاؔ۔ وے ساکن میرٹھ از شعرای قدیم است۔ اکثرِ اشعارش کہ بسمع رسید جوہر استعدادِ باطنی آں بر مرآتِ ضمیر نیاز پذیر عکس انداز گشت اگر چہ ایں نحیف بہرہ از ملاقات فرحت سماتش نہ برداشتہ و ہنوز مشتاق است الا ایں افراد از تصنیفش بہم[4] رسانده بر نگاشتہ:

---

1 میر حسن: محق (صریحاً سہو کاتب)۔ 2 ل: ''حکیم'' محذوف۔ 3 اصل۔ اضافۂ مولف۔ ''برادر میر حاجی شایق''۔ 4 ل: بہمر سانیدہ۔

منھدی کسی پا کے ہیں نہ صندل کسی سر کے | ہم عشق کے رگڑے میں ادھر کے نہ اُدھر کے
ماہ لقا شب اپنے گھر میں ہم کو عزمِ خواب ہوا | شمع صفت تن بہ بہ اپنا آتشِ غم سے آب ہوا
برقِ تبسم اس کے لب کی کیا ہمسمت کرے ہے دل کو | لعل کی آگ سے کشتہ دیکھو کیسا یہ سیماب ہوا
دیکھ صنم کی ٹیڑھی بھنویں زاہد بھی کل مسجد میں | سر اپنا دیوار سے پٹکا، قد کو جھکا محراب ہوا

مدحت

مدحت تخلص از ساکنیں لکھنو، شاگرد میر جعفر علی حسرت۔ ایں ابیات از تصنیفِ اوست:

لے گیا ہجر ترا گور میں یار آخر کار | روز فرقت نے دکھائی شبِ تار آخر کار
خاکساری کی، یہاں تک کہ گلی میں اس کی | خاک ہو، اڑنے لگا اپنا غبار آخر کار

متشی، میر محمد حسین

میر محمد حسین متشی تخلص [1] قوم سید خلف [2] ارجمند میر [3] ابوالحسن عرف میر کلو ☆ خوش نویس۔ وے مشہدی الاصل و مولد او دہلی ست۔ جد بزرگوارش خطِ نستعلیق و ثلث و شکستہ خوب می نویسد و بعلاقۂ منشی گری شاہزادۂ جم [4] جاہ مرزا سلیمان شکوہ بہادر عزت و امتیاز اندوختہ و بہ اشارتِ جناب [5] آں عالی ہمت فیض بہمت شغل شعر گوئی اختیار نمودہ۔ ایں اشعارِ بدیع از تصنیف اوست:

مالوف طبع اس کی، ہے جور و ستم کے ساتھ | پھر ہم کو ربط کیوں نہ ہو اندوہ و غم کے ساتھ
صبح شبِ وصال ذرا ٹھہر کر نکل | ورنہ یہ جی ہوا ہے مرا تیرے دم کے ساتھ
متشی رقم کروں ہوں جب اپنا میں سوزِ دل | نکلے ہے دودِ آہ صریرِ قلم کے ساتھ
نہ پوچھو اس پری کے حسن کا عالم کچھ آفت ہے | بلا، شوخی، غضب رفتار، قامت اک قیامت ہے
دیا آئینہ میرے ہاتھ میں جب اس پریرو نے | تو کیا معنی کہ یعنی صاف اب رفعِ کدورت ہے

---

1. مصحفی (ہندی) از ساداتِ رضویہ ابن میر ابوالحسن عرف میر کلن، ☆ خوشنویس...... عمرش تخمیناً بست و ہفت سالہ خواہد بود۔ 2. اصل/ق: فرزند ارجمند۔ 3. اصل۔ اضافہ مولف "میر ابوالحسن"۔ 4. اصل/ق: سلیمان جاہ۔ 5. ل: خیال (؟)۔

جو پوچھا ان سے لوگوں نے کہ منشی کون ہے بولے
مجھے کچھ یوں ہی اس سے دور کی صاحب سلامت ہے

گھر سے جو نکلے ہو میاں آج تم اس تراش سے
آپ کو کچھ خبر بھی ہے دل کی مرے خراش سے

کوچۂ یار کا پتہ جب نہ ملا تو مرگئے
خوب ہوا کہ مرگئے روز کی ہم تلاش سے

منشی خستہ دل کو ہے عشق میں اس پری کے اب
فکر نہ کچھ معاد کی، کچھ نہ خبر معاش سے

نہ رکھیے دیر سے مطلب، نہ اب طوقِ حرم کیجے
بتنگ آیا ہے جی ہستی سے ٹک سیرِ عدم کیجے

قطعہ

اگر خط بھیجیے اس کو تو پھر حضرت سلیماں[1] کا
یہ مصرع کر کے تضمیں ایک شعر اب یوں رقم کیجے

سوا احوال اپنے کے اگر منشی نے کچھ تم کو
لکھا ہو حرف شکوے کا تو ہاتھوں کو قلم کیجے

منشی، مول چند

لالہ مول چند المتخلص بہ منشی قوم کایتھ ماتھر، ساکنِ دہلی۔ شخصے نجومی است۔ موصوف بتلاشِ سخن مصروف۔ بہرہ از فیضِ صحبت میاں نصیر برداشتہ۔ در رمل ہم مہارتے دارد۔ صاحبِ دیوانِ ریختہ است۔ کلامے رنگین و پُر رعایت از وسرانجام می پذیرد۔ ایں اشعارِ دل نشین و ابیاتِ متین از تالیفِ خوب یا و عاصی ذکا دریں مقام می نگارد:

آہ قمری کو جو اے سرو! ستایا تو نے
راستی یوں ہے کہ کچھ پھل بھی نہ پایا تو نے

درجِ معنی، دہن ہمارا ہے
سلکِ گوہر، سخن ہمارا ہے

وقتِ رخصت کیا بیاں کیجے جو کچھ حالت ہوئی
تم ادھر رخصت ہوئے اور جاں اُدھر رخصت ہوئی

دل تجھ کو دیجے زلفِ گرہ گیر کس لیے
ہاتھ اپنے کھینچے پاؤں میں زنجیر کس لیے

روک مژگاں سے نہ دل، دیدۂ تر کا پانی
پینا نقصاں رکھے ہے، شام و سحر کا پانی

اس رشکِ گل کے عارضِ رنگیں کے عکس سے
آئینہ خانہ تختۂ گلزار بن گیا

محبت کے دریا میں جو بہ گیا دل
کبھو پھر وہ لگتا کنارے نہ دیکھا

---

1. ل: مہر سلیماں۔

بہار آہ لالے کی دیکھا کیا تو
کبھو داغِ دل کو ہمارے نہ دیکھا

سب نے جانا کہ شفق چیر کے نکلا خورشید
صبحدم اوڑھ جو وہ سرخ دو شالا نکلا

جامِ جمشید کہاں، کاسۂ فغفور کہاں
میکشاں! جانیے کل دور یہاں کس کا ہے

مرغِ بسمل کیا دلِ افگار و مضطر بن گیا
مردماں ہر اشک یاں لوٹن کبوتر بن گیا

پڑھ نماز آکر، جو ڈر ہے کچھ خدائے پاک کا
ہے جنازہ تیرے ہی یہ عاشقِ غمناک کا

کروٹیں بدلے تھا جس جا کل تزارنجور، ہائے
اس مکاں پر آج جا کر ڈھیر دیکھا خاک کا

یہ کہہ دوان سے کہ مصحف کی کھاتے قسمیں ہیں
تمھارے روئے کتابی کی ہم ہوس میں ہیں

مطلع ثانی

کبھی نہ یاں سے ہوں آزاد، اس ہوس میں ہیں
تمھارے پاس تو ہیں، گرچہ ہم قفس میں ہیں

بے طرح اپنے مقابل ابر دریا بار ہے
ہم کو چشمِ مردمی اب تجھ سے چشمِ زار ہے

مطلع ثانی

آئینے میں یہ ترا عکسِ رخِ گلنار ہے
یا لگی پانی میں آگ اے غیرتِ گلزار ہے

گلشن میں آپ جب کہ لبِ جو کھڑے ہوئے
پانی میں دیکھے سرو و صنوبر پڑے ہوئے

زخم ہنستا ہے تیرے بسمل کا
کہ تری تیغ کارگر نہ ہوئی

کہاں نالہ جرس آسا دلِ نخچیر سے اٹھا
کماں ابرو نہ تیرا صید زخمِ تیر سے اٹھا

قیامت وادیِ مجنوں میں اک برپا کریں گے ہم
ہمارا پاؤں جس دن خانۂ زنجیر سے اٹھا

دوپٹے کی نظر اس سنگدل کے جب کہ گوٹ آوے
تو در پردہ دلِ نازک پہ اپنے ایک چوٹ آوے

منعم

منعم تخلص شخصے بود درویش در قصبۂ پلول بر زنکۂ[1] رقاص عاشق بود۔ پیش از مرگ دیوانے

---

1. اصل/ق: زنِ رقاص۔

مختصر تالیفِ[1] خود را بار حوالہ ساخت و گفت کہ باجتماع ایں اجزاے چند مدتے صرف کردہ ام بہ احتیاط نگہ دارد۔ زنکہٗ مذکور[2] وصیتش بجا آورد و تا الیوم دیوانِ مسطور را چنیں نزدِ خود موجود دارد و براے تشہیر اسم درویش فرخندہ کیش ہر کسے کہ سائلِ آن نسخہ می گردد بلا توقف و اہمال می دہد و اکثر اشعارش بیاد آوردہ جہاں جہاں سرشک از دیدۂ ستم رسیدہ می چکاند۔ نسبتِ تلمذ بہ مرزا جان جاں مظہر داشت۔ اشعار[3] کہ بوے نسبت دارند بقلم دادہ شد:

چھوٹیں نہ عشق سے ہم، جب تک ہے جی سلامت — ناصح تو کیوں کرے ہے ہم کو عبث ملامت

کریں احوال اپنا تجھ سے ہم اظہار، کیا طاقت — لگادیں ہاتھ دامن کو ترے اے یار، کیا طاقت

زاہد کو باغ اور گلِ گلزار ہے بہشت — ہم کو بس اس کا سایۂ دیوار ہے بہشت

عاشق کو کب خیال ہے باغ و بہار کا — مجنوں کو اپنا دامنِ کہسار ہے بہشت

کیوں نہ ہو اب جگ میں اس کی آبرو — جائے گا موتی تمھارے کان آج

جاکے الجھا ہے یہ دل اس زلف سے شانے کی طرح — دیکھیے ہووے گی کیا اب ایسے دیوانے کی طرح

ہوتی شیریں لبوں میں گر الفت — مرتا کاہے کو سر پٹک فرہاد

طریقِ عشق میں کہتے ہیں سخت خطرہ ہے — رکھا ہے اب تو قدم ہم نے، ہر چہ بادا باد

موسمِ گل میں عبث، مت قید اے صیاد کر — مارنا ہو مار چک، ورنہ کہیں آزاد کر

کوہکن ووں مر گیا، مجنوں کی وہ صورت ہوئی — گر طلب شہرت ہے ایدل تب بھی کچھ ایجاد کر

جب نفاق آیا دلوں میں پھر کہاں منعم مزا — کب گرہ میں نیشکر کی دیکھ لے ہوتا ہے رس

منعم، موہن لعل

لالہ موہن لعل منعم تخلص خلف[4] لالہ گردھاری لعل عرف چنی لعل۔ قوم کایتھ ماتھر، ساکن حضرتِ دہلی۔ در ہندی شاگرد میر نصیر الدین نصیر است[5]۔ رقعات و مثنوی فارسی بطرزِ[6] قدما خوب

1 اصل/ق: تصنیف کردہ۔ 2 اصل/ق: زنکہ آں۔ 3 یہ فقرہ ''ل'' میں محذوف۔ 4 اصل: اضافۂ مولف ''خلف...... چنی لعل''۔ 5 اصل/خ: و آشنا بہ ایں حقیر بلکہ سلسلۂ اتحاد دلی و یگانگت و موانست قلبی درمیان است۔ 6 اصل/ اضافۂ موف'' (بطرزِ قدما''۔

گفته و در فنون حکمت مہارتے و برجستگی از علمِ عربی ہم برداشته۔ سواے [1] پیشۂ متصدی گری در انشا پردازی و نستعلیق [2] نویسی دسترس بواقعی دارد و خط شکسته ہم درست می نویسد۔ حالا بضلع اکبرآباد بخوبی و حرمت می [3] گذراند۔ آدم مستشنا ست۔ طبع موزون و فکر بسیار عالی دارد۔ بہر دو زباں سخن پیراست۔ خوشہ چیں بندۂ ذکا چند ابیات از تالیف [4] برجسته اش برزبانِ خامۂ عجز نگاری سپارد:

چمن میں کس کی یہ آنکھوں نے جال مارا ہے | ہر ایک دشتۂ نرگس ہرن منارا ہے

غرق کیا چاہِ زقن میں یہ دل بیتاب ہے | زلف ہے اس کی رسن، دل صورت دولاب ہے

بحرِ الفت میں قدم آگے نہ رکھ طفلِ شرسک ہے | یاں تلک پایاب تھا اور آگے اب غرقاب ہے

یہی ہے کام آنکھوں کا پھڑکنا اور رو لینا | غضب ہے ناچتے بھی جانا اور موتی پرو لینا

گر مری یہ خبرِ آبلہ پائی اڑتی | منہ پہ ہر خارِ بیاباں کے ہوائی اڑتی

شعلہ ہو کر جو اُڑا رات یہ دل آہ کے ساتھ | چنگ اک روے ہوا پر نظر آئی اڑتی

کہیں آیا ہے دلا آج قدِ یار نظر | کچھ قیامت کے سے آتے ہیں جو آثار نظر

چھوڑ دے تارِ کمر پر جو وہ تارِ کاکل | سارا قد لچکے اٹھاتے ہوئے بارِ کاکل

جبکہ گلشن میں وہ گل کر کے نظر پھرتا ہے | چشمِ بلبل پہ خزاں کا سا اثر پھرتا ہے

شکوہ کچھ جور زمانہ کا نہ کر اے منعم | مثل پھرکی کے سدا دور قمر پھرتا ہے

شوقِ پیک یار نے سب سے کیا تنہا مجھے | ہوگیا بالِ کبوتر اب پر عنقا مجھے

نہ کیونکر صید ہو مرغِ دلِ عشاق اے ہمدم | پتنگ اڑتے نظر آتے ہیں بام یار پر نکلے

آسماں پر آج ہے رتبہ زمیں کے پھول کا | اس کی پگڑی میں ہے طرّہ یاسمیں کے پھول کا

پھونک دے ایسا نہ ہو یہ خانۂ افلاک کو | مجھ کو اندیشہ ہے آہِ آتشیں کے پھول کا

سرنوشت اپنی میں کیا جانے لکھا ہے منعم | نہ کھلا ہم پہ یہ مضموں خطِ پیشانی کا

---

1 اصل/ق: سواے پیشہ ذاتی است۔ 2 اصل/خ: اگر چندے بشاگردی محمد نصیر الدین نصیر تن وہی نمود و زمانہ قرمتش می داد یقین کہ تربیتش بہ استادی رسید و ملکہ ازاں درجہ ہم می گزشت در معدودی ایام ایں قدر عذوبت و پختگی کلام بہم رسانید کہ بیان نمی آید۔ 3 اصل/خ: بحرمت و عزت و رفاہیت بسر می برد حاصل اینکہ۔ 4 اصل/ق: تالیف شریفش بجاے تالیف برجسته اش۔

مستِ ناز تو ہے واں، غم ہے یار جانی یاں — وہاں ہے بادۂ گلرنگ، اشکِ ارغوانی یاں
سلطنت جنوں کی یہ جب سے ہاتھ آئی ہے — گرد بادِ صحرا ہے چترِ خسروانی یاں
واں اشارۂ ابرو مطلعِ ہلالی ہے — ہے یہ آہ کا مصرع مقطعِ فغانی یاں

موزوںؔ

موزوںؔ تخلص شخصے سید بود کہ در دہلی قیام داشت و اشعار بحسب رواج آن وقت می گفت۔ ایں دو بیت از ارشادِ آں بزرگ یاد خاطر است:

زرد ہوتے بن نہ دیکھا ہم نے کچھ روئے بہی — پھل یہی پایا جہاں میں تجھ زنخ کو سیو کر
اگرچہ خوش کمر موزوں بہت ہیں — فدا ہے جی مرا اس مومیاں پر

موزوںؔ، میر فرزند علی

میر فرزند علی موزوںؔ متوطن سامانہ[1] شاگرد میر شمس الدین فقیر۔ از دہلی بہ کشش آب و دانہ در لکھنؤ رسیدہ، اکثر مردم را اصلاحِ سخن می کند۔ شاعر صاحبِ تلاش فارسی و ہندوی۔ اہلِ دیوان، قصائد، رباعی وغیرہ در دیوانِ او خوب یافتہ شد[2] شیریں زبانیست موزوں طبع و موزوں طبعی است شیریں زبان۔ چاشنیِ معانی از مایدۂ کلامش می جوشد۔ بعضے افرادِ دل نشیں از تصنیفِ آں والا نہاد ایں مسکینِ اضعف العباد ذکاؔ دریں محل می نگارد[3]:

نرگس کا پھول بھیجوں میں نامے میں یار کو — معلوم تا کرے وہ مرے انتظار کو
میں لگایا جو اس کی زلف کو ہاتھ — کہنے لاگا کہ مار کھائے گا
کیا خاک دل لگاؤں آئینہ طلعتوں سے — حاصل کدورتیں ہیں مٹی کی مورتوں سے
ابرو کی کروں یا صف مژگاں کی میں فریاد — بلوے میں ہوں مارا گیا، قاتل نہیں معلوم
جب کبوتر نہ پھرا یار کا لے کر نامہ — اشک خونیں کے مری چشم سے سرخاب اڑے
کیا دل جو گزک ہووے اس رند شرابی کی — لٹ جائے جہاں پل میں دوکان کبابی کی

---

1. اصل۔ اضافۂ مولف ''شاگرد..... فقیر''۔ 2. اصل/ ق: دیدہ شد۔ 3. اصل/ خ: فن کلامہ۔

جلد آ کہ یہ نکلے ترے بیمار کی حسرت — آنکھوں میں ہے جی اور ہے دیدار کی حسرت
وعدہ ہو شام کا تو ملے ہے سحر کے وقت — ملنے کے مختلف ہیں مرے حیلہ گر کے وقت
عشق کے افراسیاب دل نے آئین مانیاں ☆ رستموں کی خاک میں مل گئیں جولانیاں
بہ کے میری چشم سے جس دم گیا دریائے خوں — چڑھ کے سو نیزے فلک پر تھم گیا دریائے خوں
ایک مرض ہووے تو کچھ علاج — عشق میں ہیں سیکڑوں بیماریاں
دے کے دل بھر عمر پچھتاتے رہے — ہم نہ سمجھے، یار سمجھاتے رہے
گزری نہ ہوگی شب یہ کسی سوگوار پر — تجھ بن کٹی جو رات دلِ بیقرار پر [1]
دل تو کھنچا نہ اس کا، دامن ہزار کھینچا — دستِ طلب ہی ہم نے پایان کار کھینچا
اپنا وا بندِ قبا کیجیے گا — دل کا عقدہ مرے وا کیجیے گا
شمع ہر بزم نہ ہونا ہرگز — دل جلوں کا بھی کہا کیجیے گا
شاد رہیو تو کہ یاں سے ہم چلے — ساتھ اپنے لے کے تیرا غم چلے
دل پھنسا زلف میں جا، سخت پریشانی ہے — مختصر یہ کہ بہت قصۂ طولانی ہے
تیغ کھینچے مرے سر پر وہ ستمگر آیا — آبرو آج سرِ نو سے ہمیں پانی ہے
مے پیے آج تجمل سے اڑا جاتا ہوں — اس کے کوچے کی ہوا تختِ سلیمانی ہے
پھول جھڑتے ہیں ترے منہ سے مری آنکھوں سے — حسن اور عشق کی کیا خوب گل افشانی ہے
آگے تقدیر کے تدبیر کرے کیا پس و پیش — بات پیشانی کی لکھی ہے سو پیش آنی ہے
اشک آنکھوں سے نکلتے ہیں مری سرخ و سپید — کوئی قزلباش ہے ان میں، کوئی دُرّانی ہے
بس کہ پھوٹا ہے وہ سر تیر نگہ تا پیکاں — زخم جو دل کا ہے سو لالۂ پیکانی ہے
دل دیا جب سے ہے اس آئنہ رو کو موزوں — صورتِ حال مرا عالمِ حیرانی ہے
جب آپ سے ہوا گم تب تجھ تلک میں پہنچا — کھویا نشان اپنا، پایا نشان تیرا
آؤ خوش چشمو! کہ ہم بندے ہیں اس تاثیر کے — اپنی مجلس میں ابھی مذکور تھا بادام کا

---

1. اصل: حاشیے پر "ایں شعر از میراست" لکھ کر اصل سے خارج:۔ نقاش دیکھ میں نے کیا نقشِ یار کھینچا
اس شوخ کم نما کا نت انتظار کھینچا۔

تیغِ ابرو سے کبھو منہ کو نہ موڑا ہرگز
عشقبازوں میں یہ دل صاحبِ جوہر نکلا

کیا بلا فتنہ گری میں ہے سر آمد وہ زلف
شانہ ہی ایک مگر اس سے تو سر بر نکلا

دل سے بتاں کے اپنے خود دل کو جوڑتے ہیں
دے لعلِ بے بہا کو پتھر سے پھوڑتے ہیں

دیتا ہے عشق برہم دل کے حواس آرے
منصوبہ باز پہلے لشکر کو پھوڑتے ہیں

کھانے سے گُل کے تازہ ہوا، اپنا باغِ دل
یعنی شگفتہ آگ سے ہوتا ہے داغِ دل

بیٹھ پہلو میں مرے اے بتِ غارت گر ہوش
کہ ترے شوق میں یہ دل ہے سراپا آغوش

خط سے کم ہو نہ ترے حسن کی گرمی ہرگز
آگ تو اور بھڑکتی ہے جو کچھ خس پوش

اے دل! آہِ سحری کے تئیں تاثیر ہے شرط
جو ہدف پر لگے، اے جان! وہی تیر ہے شرط

دیکھ کر منہ کو ترے لوں ہوں خدا کا میں نام
یعنی کعبے کے تو احرام میں تکبیر ہے شرط

لختِ دل یوں جلوہ گر ہیں دیدۂ گریاں کے بیچ
برگِ گل بہتے پھریں جوں بحرِ بے پایاں کے بیچ

کیا تجھ سے کہوں چرخ کے نیرنگِ حوادث
دکھلائے ہے اک آن میں سو رنگ حوادث

بہر خرابہ گردی کیا کیا شتابیاں ہیں
یہ عشق گھر بسے کی خانہ خرابیاں ہیں

اس سے کہنے بھی نہ پایا مرا پیغام تمام
کی نگہ ایسی کہ قاصد کا ہوا کام تمام

میں تو خورشیدِ لبِ بام ہوں بس دیر نہ کر
جلد آ ورنہ مرا کام ہے تا شام تمام

کشتۂ چشم سرمہ سا ہیں ہم
چپ بھلی ہے نہ پوچھ کیا ہیں ہم

ہم پر یہ اعتراض ہیں غیروں پہ یہ کرم ہیں
بس ہم نے زندگی کی، گر یہ ترے ستم ہیں

مشہور ہے ہماری آہوں کی نیزہ بازی
تیرے ستم کشوں کے ہم فوج میں علم ہیں

کل ناز میں آ حسن میں آج اپنے ہنسا خوب
اس ہستیِ موہوم پہ یہ ناز ہے کیا خوب

پابندیِ سرو آج یہ کہتی تھی چمن میں
آزاد ہے عالم سے گرفتارِ محبت

مانگوں نہ دعا کیونکہ ہے تاثیر سرِ دست
ہے پاس مرے ایک یہی تیر سرِ دست

ہاتھ اس کے لگا پاؤں کو لے جاؤں گھر اپنے
سوجھے ہے مجھے آج یہ تدبیر سرِ دست

یار ہے چت چڑھا ہوا بیٹھے ہیں ہم اداس سے
ذکر کر اس کا ہم نشیں! اٹھ نہ ہمارے پاس سے

حسن گرم اس کے کا شب مجلس میں کچھ مذکور تھا
شمع کا جلوہ خنک خجلت سے جوں کافور تھا

ہے محو آئنہ ساں سارا جہان تیرا — منہ دیکھے کیوں نہ ہر اک، اے میری جان! تیرا
نالے سے تیرے اے دل چکر میں آسماں ہے — کس شور سے فلک پر پہنچا ہے بان تیرا
سیر کو تو جو سحر جانبِ گلشن نکلا — گل ترا داغ لیے چاک بدامن نکلا
دیکھیو رفعِ کدورت سے صفائی دل کی — گرد جھاڑے سے یہ کیا آئینہ روشن نکلا
کیا ذکر بیاں کیجے اس کے قد و قامت کا — چربہ ہے قیامت کا، ٹکڑا ہے یہ آفت کا
سر پر مرے سو آفت وہ زلفِ سیہ لائی — بس حال نہ پوچھو کچھ ایام کی شامت کا
صد خرمنِ ایماں پر گویا کہ پڑی بجلی — مذکور کہیں نکلا تیری جو شرارت کا
محو آئنۂ دل کا بے وجہ ہوا کب میں — اس گھر میں تو دیکھا ہے جلوہ تری صورت کا
کس پاس میں دل بیچوں کو جوش خریداری — کیا سرد ہوا یارب بازار محبت کا
پوشاک وہ پہنا کر، جس میں کہ پھبن نکلے — معلوم ہو چھب تختی زیبائش تن نکلے
وابستہ محبت تھی پیمان کے ڈر سے، پر — دل ٹوٹ گیا میرا تم وعدہ شکن نکلے
موزوںؔ میں حسینی ہوں دل اپنا اسی کو دوں — مکھڑے کی ادا جس کے بر وجہ حسن نکلے
داغ جب آتشِ غم سے دلِ مایوس ہوا — رشکِ گلزار ہوا غیرتِ طاؤس ہوا
عاشقوں کے تئیں کیا ننگ سے اور نام سے کام — دوست جو اس کا ہوا دشمنِ ناموس ہوا
اس کے دستار و قبا شام و سحر جھڑتے ہیں — ہم غبارِ سرِ رہ آٹھ پہر جھڑتے ہیں
سینۂ دل کو کدورت سے میں کرتا ہوں صاف — کس کی آمد ہے بتاؤ تو کہ یہ گھر جھڑتے ہیں
اشک سے آج سراپا ہوں جواہر میں غرق — راہ چلتا ہوں تو دامن سے گہر جھڑتے ہیں
آگ دی دل کو مرے عشق نے موزوںؔ یعنی — شعلے آہوں کے نکلتے ہیں، شرر جھڑتے ہیں

موزوںؔ، نہال چند

لالہ نہال چند موزوںؔ شخصے مہاجن متصدی پیشہ، درسرکار مودی[1] حضوروالا رائے رام رتن نوکر بود۔ اکثر خیالِ[2] سخن گوئی داشت۔ مدتے شد کہ راہی آخرت گردید۔ اشعارش دستیاب نہ

---

1 ل: رائے رتن سنگھ مودیِ حضوروالا۔ 2 ل: چناں۔

شد۔ ہمیں یک بیت عرضا[1] گفتہ گذرانیدہ بود۔ از و یادِ خاطر ماندہ:

غیر از قسم کے موزوںؔ پہ کھانے کو کچھ نہیں — ٹک واسطے خدا کے مرا حال دیکھنا

موزوںؔ، چھتر سنگھ

لالہ چھتر سنگھ موزوںؔ ساکنِ دہلی از نبیسہ ہاے راے مادھو رام منشی، قوم کایتھ سکسینہ کہ رقعاتش مشہور است۔ چندے بعلاقۂ دیوانی نواب معتمد الدولہ یعقوب علی خاں بہادر بر فاہیتِ حال بسر می برد۔ مردِ فہمیدہ و سنجیدہ و دانائے دوران و صاحبِ مروت و پر فتوت و مرتض و متعبد و راست کردار و خجستہ[2] دثار بنظر آمد از بدو شعور ورق گردان تلاشِ سخن است۔ دریں مدت از فارسی و ہندی سخن بسیار گفتہ۔ اکثر دواوین و چند کتاب نسخۂ نثر و[3] نظم جمع کردہ بر باد داد۔ حالا ہم ذخیرہ باقیست و قوتِ طبعش از کلامش ہویدا است:

بیتِ ابرو کو ترے دیکھ کر، اے مطلعِ حسن! — جو ترے کوچے سے نکلا سو غزلخواں نکلا

دوستی سادہ رو کی آئنہ وار — آبرو خاک میں ملاتی ہے

نہ پوچھو زردیِ رخسار کا سبب یارو! — یہ رنگ نکھرا ہے خونِ جگر کے پینے سے

منہ مل کے آئینے کا دیکھیں گے عکس تیرا — پھر خاک سے ہماری ظالم! گلا نہ رکھیو

جوں دودِ آہ تا بہ فلک راست چاہیے — کب سنگِ راہ ہوتا ہے کوے جریدہ کو

بلبل! چمن میں آج جو بادِ سحر گئی — کچھ کان گل کے تیرے ہی شکوے سے بھر گئی

موزوںؔ سے یار نے کبھی پوچھا نہ حالِ دل — یارو! جہاں سے مہر و وفا اس قدر گئی

گلی میں اک پری رو کی بنا کر اک مکاں اپنا — چلے ہیں اس جہاں میں چھوڑ ہم بھی یہ نشاں اپنا

پڑیں اس رونے پہ پتھر کہ نہ تھا ایک سرشک — کوئی یاقوت نکلتا تھا کوئی گوہر تھا

موزوںؔ اس کے تئیں سو بار اُٹھایا پٹکا — یہ ترا شیشۂ دل تھا کہ کوئی پتھر تھا

جس نے دیکھا ہے تری زلفِ گرہ گیر کا خم — کب خوش آتا ہے اسے حلقۂ زنجیر کا خم

1۔ اصل/خ: کہ اوقاتِ مفلسی خود گفتہ ــــ بنظرِ رضی مذکور؛ ل: مدتے سپری شد کہ...... گفتہ بنظرِ راے معزالیہ گزرانیدہ بود از و یادمی ماندہ۔ 2۔ ل: خجستہ آمد از و۔ 3۔ اصل و ل: نسر۔

نقشِ دیوار ہوں موزوں بمقامِ حیرت کیونکہ نکلے، کہو شاخِ گلِ تاثیر کا خم

مہجور، محمد صدرالدین

محمد صدرالدین مہجور اصلش از خطۂ کشمیر جنت نظیر است خاندانش[1] بشرافت وقابلیت مشہور، سخن خودرا بہ سمعِ میر نظام الدین ممنون رسانیدہ۔ فصاحتِ کلامش از طرز اشعار آبدارش[2] اظہر وگرمیِ شعرش از خوبیِ بیانِ آں جلوۂ ظہور دارد:

ٹک تبسم پر چلکے تھا یاں ہمارا خونبہا عزم خوں ریزی کا کر کر کیوں تو قاتل رہ گیا
تو اگر اے شانے پہنچے تو ذرا کچھ سراغ دل ربا کے کاکلِ پُر پیچ میں دل رہ گیا
کس طرح مہجور[3] تجھ سے ہوگی راہِ عشق طے پہلی ہی منزل میں تو تو پائے درِ گل رہ گیا
لگی ہے متصل ہچکی لبوں پر، جان رکھتے ہیں پر اب بھی تیرے ہی آنے کا ہم ارمان رکھتے ہیں
خراشیدہ رخ و ژولیدہ مو، تن گرد آلودہ بیاباں گردِ وحشت بھی، عجب ہی شان رکھتے ہیں

مہلت، مرزا علی

مرزا علی مہلت ساکن لکھنؤ است[4] از شاگردانِ میاں قلندر بخش جرات۔ جوانِ خوش گفتار ودرست کردار، ستودہ سیر، نیک محضر دریافت شد۔ ایں[5] اشعار کہ بوے منسوب است کمترین ذکا درینجا می نویسد:

گر یادِ گل رخوں کی تہِ خاک کیجیے تو قبر میں بھی تن پہ کفن چاک کیجیے
مرنے کے بعد بھی نہ گئی دل کی یہ طپش آرام زیرِ خاک بھی اب[6] خاک کیجیے

---

1 اصل: اضافۂ مولف ''خاندانش۔۔۔ مشہور۔ 2 ل: آبدارش پیداست۔ 3 ل: ہوگی تجھ سے۔
4 مصحفی (ہندی): چند سال گزشتہ اند کہ اورا پیش ازیں بہ علی نقی محشر مناظرہ درمیاں آمدہ بود۔ آخر ہردو بریں قرار دادند کہ از گومتی عبور کردہ آنروے آب بہ تیغ جنگ کنند آخر ہمیں کردند کہ مشارٌ الیہ چوں زخمی شدہ بخانہ رسید۔ وارثانش ہرچند پرسیدند از متہارب خودنشان نداد ودر عرصۂ قلیل از ہماں زخم جانستاں زندگانی را جواب داد۔ 5 ل: ایں اشعار بوے نسبت دارند۔ 6 اصل/ق: کیا۔

مہاراؔج، راجہ ہلاس رائے

راجہ ہلاس رائے مہاراؔج تخلص، قوم کا۔تھ از عمدہ معاشان بریلی۔ دیوانِ حافظ الملک حافظ رحمت خاں بہادر، بسیار اہل دول و صاحبِ اقتدار و معزز و مکرم بود و از بس کہ جوہر قابلیت داشت، بتواضع و مدارات اہل استعداد و خدمت فضلا و حکماء آں دیار و اطراف قرار واقعی می پرداخت و بحسنِ سلوک و مروت و اہلیت بہر کس و ناکس می ساخت۔ دیوانِ ہندی از طبع زاد آں خوش کردار شیریں گفتار بر صفحۂ گیتی پایدار است۔ منجملۂ آں ایں غزل وے انتخاب نمودہ شد:

آرام کا ہے کون سا اسباب فلک پر ‎ ‏عیسیٰ کو بھی آئے نہ کبھو خواب فلک پر
مکھڑے کو جو دیکھا ہے کبھو رات کو تیرے ‎ ‏رہتا ہے کھلا دیدۂ مہتاب فلک پر
سجدہ کرے عاشق جو مہ نو کو، بجا ہے ‎ ‏معشوق کے ابرو کی ہے محراب فلک پر
گو خوشۂ پرویں کو ہے انگور سے نسبت ‎ ‏لیکن نہ ہوا گل کے یہ[1] دو شاب فلک پر
ساقی تو نہایت ہی خفا ہم سے ہے اے ابر ‎ ‏برسا تو اگر ہووے مے ناب، فلک پر
دیکھے سے ترے یار کے مکھڑے کو مہاراؔج ‎ ‏رہتا ہے یہ خورشید بھی بیتاب فلک پر

میرؔ، محمد تقی

میر محمد تقی سلمہ اللہ تعالی المتخلص بہ میرؔ، شاعریست عزا، زاد و بومش خطۂ اکبر آباد۔ وے سر[2] آمدِ شعرائے ہند است۔ غلغلۂ سخن در چار دانگ ہندوستان جنت نشان انداختہ و کلامش مدارجِ بہم رسانیدہ۔ چند دیوان و مثنویات و یک نسخۂ تذکرۂ مختصر[3] و قصاید و رباعیات و مخمس و مسدس و ہجو و مدح و[4] دیگر تصانیفِ بے شمار از و بروے کار آمدہ۔ در لکھنؤ بصیغۂ استادی در سرکار فیض آثار نواب وزیر الملک آصف الدولہ یحییٰ خاں بہادر ہزبر جنگ بمواجب دو صد روپیہ شرفِ اختصاص دارد۔ الیوم در نواح بعقلِ ناقصِ ایں بندۂ ذکاؔ عدیل او شاعرِ زبردست و سیر مشق و بسیار گو و خوش گو و شیریں بیان خوش زبان، برنخاستہ۔ غرضکہ در تالیف فارسی و علی الخصوص در ریختہ گوئی بالفعل لا ثانی است۔

---

1 ل: وہ۔ 2 اصل/ق: سردفتر۔ 3 اصل/ق: تذکرہ وغیرہ۔ 4 اصل/ق: ایں کمترین ہجواو۔

بندہ چشم آشنا نیست۔ الاسخن آشنا است از تصنیفات پاکیزہ تلاش اوقریب یکہزار بیت انتخابی قابلِ نوشتنِ تذکرہ بود۔ ازانجا کہ مختصر [1] نویسی شعارِ تذکرہ ساز یست۔ لہذا عمداً بطوالت کلام نہ پرداخت وبہمیں قدر راختصار نمودہ۔ ایں گوہر ہاے اشعارِ آبدار ازاں استادِ زمانِ دریا دل کاملِ فن آشنائے بحرِ مواج معانی وسخن در سلکِ تسطیر درشتۂ تحریر کشید:

دیوانہ پن ہمارا آخر یہ رنگ لایا
جو دیکھنے کو آیا ہاتھوں میں سنگ لایا

جدا جو پہلو سے وہ دلبر یگانہ ہوا
طپش کی دل نے یہاں تک کہ دردِ شانہ ہوا

جہاں کو فتنے سے خالی کبھو نہیں پایا
ہمارے وقت میں تو آفتِ زمانہ ہوا

کھلا نشے میں جو پگڑی کا پیچ اس کی میر
سمندِ ناز کو اک اور تازیانہ ہوا

خلش نہیں کسو خواہش کی رات سے شاید
سرشکِ یاس کے پردے میں دل روانہ ہوا

مغاں مجھ مست بن پھر خندۂ قلقل نہ ہووے گا
مےِ گلگلوں کا شیشہ ہچکیاں لے لے کے رووے گا

کفِ پاسے ترے سرخی مرے خوں کی نہ چھوٹے گی
اگر قاتل تو اپنے پاؤں سو پانی سے دھووے گا

شتابی خط مرا نو خط کو دے گو اس میں حرف آوے
لکھا مٹتا نہیں قاصد جو ہوتا ہے سو ہووے گا

صحرا میں سیلِ اشک مرا جا بجا پھرا
مجنوں بھی اس کی موج میں برسوں بہا پھرا

جو گل نے دعویِ رخ کا ترے خیال کیا
صبا نے مارے طمانچوں کے منہ کو لال کیا

بہارِ رفتہ پھر آئی ترے تماشے کو
چمن کو یمن قدم نے ترے نہال کیا

میرے لوحِ مزار پر فرہاد
رکھ کے تیشہ کہے ہے 'یا استاد'

سمجھے تھے میر ہم کہ یہ ناسور کم ہوا
پھر ان دنوں یہ دیدۂ خونبار نم ہوا

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا
دَم کے جانے کا نہایت غم رہا

سنتے ہیں لیلیٰ کے خیمے کو سیاہ
اس میں مجنوں کا مگر ماتم رہا

الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا، نے کام کیا
آخر اس بیماریٔ دل نے اپنا کام تمام کیا

الم سے یاں تئیں میں مشقِ ناتوانی کی
کہ میری جان نے تن پر مرے گرانی کی

کھائے تھے جس کے ہجر میں گل جسمِ زار پر
دو پھول بھی وہ لے کے نہ آیا مزار پر

---

[1] اصل/ق: بمختصر نویسی شعاری دارم۔ دیدہ ودانستہ......

برقعے کو اٹھا چہرے سے وہ بت اگر آوے
اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آوے

اے ناقۂ لیلیٰ دو قدم راہ غلط کر
مجنونِ زخود رفتہ کبھو راہ پر آوے

زاہد نہیں کیفیتِ میخانہ سے آگاہ
یک جرعہ بدل ورنہ یہ مندیل دھر آوے

جنوں میرے کی باتیں دشت اور گلشن میں جب چلیاں
نہ چوبِ گل نے دم مارا نہ چھڑیاں بید کی ہلیاں

یوں ہی حیران و خفا جوں غنچۂ تصویر ہوں
عمر گزری پر نہ جانا یہ کہ کیوں دلگیر ہوں

دن نہیں، رات نہیں، صبح نہیں، شام نہیں
وقت ملنے کا مگر داخلِ ایام نہیں

تری زلفِ سیہ کی یاد میں آنسو ٹپکتے ہیں
اندھیری رات ہے، برسات ہے، جگنو چمکتے ہیں

کیا موافق ہو دوا عشق کے بیمار کے ساتھ
جی ہی جاتے نظر آتے ہیں اس آزار کے ساتھ

رات مجلس میں تری ہم بھی کھڑے تھے چپکے
جیسے تصویر لگا دے کوئی دیوار کے ساتھ

سال آئندہ تک رہے گا گلا
ہو چکی عید تو گلے نہ ملا

دل پرخوں ہے یہاں تجھ کو گماں ہے شیشہ
شیخ کیوں مست ہوا ہے تو، کہاں ہے شیشہ

یہ چشم آئنہ دار، رو تھی کسو کی
نظر اس طرف بھی کبھو تھی کسو کی

دمِ مرگ دشوار دی جان اس نے
مگر میرؔ کو آرزو تھی کسو کی

برنگِ بوئے گل اس باغ کے ہم آشنا ہوتے
کہ ہمراہِ صبا ٹک سیر کرتے اور ہوا ہوتے

کاش کہ دل دو تو ہوتے عشق میں
ایک رکھتے ایک کھوتے عشق میں

دم کی آمد شد نے جب تاخیر کی
ہمدموں نے اور ہی تدبیر کی

شب گئے جو باغ میں ہجراں کے ہم مارے ہوئے
جان کو اپنی گلِ مہتاب انگارے ہوئے

لیتے کروٹ ہل گئے جو کان کے موتی ترے
شرم سے سر در گریباں صبح کے تارے ہوئے

تیرے کوچے سے جو اٹھ اہلِ وفا جاتے ہیں
تا نظر کام کرے رو بقفا جاتے ہیں

چاک پر چاک ہوا جوں جوں سلایا ہم نے
اس گریبان ہی سے ہاتھ اٹھایا ہم نے

کچھ موجِ ہوا پیچاں، اے میرؔ نظر آئی
شاید کہ بہار آئی، زنجیر نظر آئی

دلّی[1] کا ہر اک کوچہ اوراقِ مصور تھا
جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی

---

1 م: دلی کے نہ تھے کوچے اوراقِ مصور تھے۔

جواے قاصد وہ پوچھے میرؔ بھی ادھر کو چلتا تھا / تو کہیو جب چلا ہوں میں تو اس کا جی نکلتا تھا

مے گلگلوں کی بو سے بس کہ میخانہ مہکتا تھا / لبِ ساغر پہ منہ رکھ رکھ ہر اک شیشہ بہکتا تھا

اٹھوں نہ خاک سے میں کشتہ کم نگاہی کا / دماغِ کس کو ہے محشر کی داد خواہی کا

خواب میں شب پاؤں اپنے دوست کے ملتا تھا میں / آنکھ دشمن کھل گئی سو ہاتھ ملتا رہ گیا

کسی وقت پاتے نہیں ہم اسے / بہت میرؔ نے آپ کو گم کیا

شرمندہ ترے رخ سے ہے رخسار پری کا / چلتا نہیں کچھ آگے ترے کبکِ دری کا

ہر زخمِ جگر داورِ محشر ہے ہمارا / انصاف طلب ہے تری بیداد گری کا

ٹک میرِؔ جگر سوختہ کی جلد خبر لے / کیا یار بھروسا ہے چراغِ سحری کا

شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہے / دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

ہمارے آگے ترا جب کسی[1] نے نام لیا / دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

خراب رہتے تھے مسجد کے آگے میخانے / نگاہِ مست نے ساقی کی انتقام لیا

کیونکہ نقاشِ ازل نے نقش ابرو کا کیا / کام ہے اک اک کے منہ پر کھینچنا شمشیر کا

واں تو وہ اپنے گھر سے پی کر شراب نکلا / یاں شرم سے عرق میں ڈوب آفتاب نکلا

مطلق نہ اعتنا کی احوال پر ہمارے / نامے کا نامے ہی میں سب پیچ و تاب نکلا

شانِ تغافل اپنے نو خط کی کیا کہیں ہم / قاصد مرا تب اس کے منہ سے جواب نکلا

روے عرق فشاں کو بس پونچھ گرم مت ہو / اس گل میں کیا رہے ہے جس کا گلاب نکلا

لے گئی صبح کے نزدیک مجھے خواب اے واے / آنکھ اس وقت کھلی قافلہ جب دور گیا

گل میں اس کی سی جو بو آئی تو آیا نہ گیا / ہم کو بن دوش ہوا باغ سے لایا نہ گیا

دیکھ آرسی کو یار ہوا محو ناز کا / خانہ خراب ہوجیو آئینہ ساز کا

قیامت تھا سماں اس خشمگیں پر / کہ تلواریں چلیں ابرو کی چیں پر

چاکِ دل پر ہیں چشمِ صد خوباں / کیا کروں اک انار و صد بیمار

ہم بھی آئے ہیں اک حشم لے کر / دستۂ داغ و فوجِ غم لے کر

---

1. م: کسو۔

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

ضعف یاں تک کھنچا کہ صورت گر
رہ گئے ہاتھ میں قلم لے کر

چلّو میں اس کے میرا لہو تھا سو پی چکا
اڑتا نہیں ہے طائر رنگِ حنا ہنوز

گوش کو ہوش کے ٹک کھول کے سن شور جہاں
سب کی آواز کے پردے میں سخن ساز ہے ایک

نقدِ دل چھوڑتے نہیں خوباں
اس پہ گویا کہ قرض کھاتے ہیں

نکلے ہے جنسِ حسن کسی کاروان میں
یہ وہ نہیں متاع کہ ہو ہر دکان میں

پھاڑا ہزار جائے گریبانِ صبر میؔر
کیا کہہ گئی نسیمِ سحر گل کے کان میں

بارہا وعدوں کی راتیں آئیاں
طالعوں نے صبح کر دکھلائیاں

گذر جان سے اور ڈر کچھ نہیں
رہ عشق میں پھر خطر کچھ نہیں

نسیم مصر کب آئی سواد شہر کنعاں کو
کہ بھر جھولی نہ یاں سے لے گئی گلہائے حرماں کو

نہیں یہ بید مجنوں گردشِ گردونِ گرداں نے
بنایا ہے شجر کیا جانے کس موے پریشاں کو

صدائے آہ جیسے تیر جی کے پار ہوتی ہے
کسی بے درد نے کھینچا کسو کے دل کے پیکاں کو

اچھی لگے ہے پیارے گلگشتِ باغ کس کو
صحبت رکھے گلوں سے، اتنا دماغ کس کو

دل صاف ہو تو جلوہ گہِ یار کیوں نہ ہو
آئینہ ہو تو قابلِ دیدار کیوں نہ ہو

ہر دم وہ شوخ دست بہ شمشیر کیوں نہ ہو
کچھ ہم نے کی ہے ایسی ہی تقصیر کیوں نہ ہو

اس کی طرزِ نگاہ مت پوچھو
جی ہی جانے ہے، آہ، مت پوچھو

کلی کہتی تھی تیرا سا دہن ہے
سنا کر بیٹھا، یہ بھی اک سخن ہے

فلک اے کاش ہم کو خاک ہی رکھتا تو بہتر تھا
غبارِ راہ ہوتے یا کسو کی خاکِ پا ہوتے

وصل کے دن کی آرزو ہی رہی
شب نہ آخر ہوئی جدائی کی

عاقبت فرہاد مر کر کام اپنا کر گیا
آدمی ہو وے کسی پیشے کا، جرات چاہیے

آہ میری زبان پر آئی
پھر بلا آسمان پر آئی

طاقتِ دل برنگ نکہتِ گل
پھر نہ اپنے مکان پر آئی

حسن کو بھی عشق نے آخر کیا حلقہ بگوش
رفتہ رفتہ دلبروں کے کان میں بالی پڑی

سرمے سے ایسی آنکھیں تمھاری لگی نہیں
احوال پر ہمارے تمھیں کب نگاہ ہے

خبر نہ تھی تجھے کیا میرے دل کی طاقت کی
نگاہِ خشم ادھر تو نے کی قیامت کی

کس پاس جا کے بیٹھوں خرابے میں ہائے میں
مجنوں کو موت کیسی شتابی سے آ گئی

جب کہ پہلو سے یار اٹھتا ہے
درد بے اختیار اٹھتا ہے

اب تلک بھی غبارِ مجنوں سے
ناتواں سا غبار اٹھتا ہے

تا چند ترے غم میں یوں زار رہا کیجیے
امیدِ عیادت پر بیمار رہا کیجیے

نالے کا آج دل سے پھر لب تلک گزر ہے
ٹک گوش رکھیو ایدھر ساتھ اس کے کچھ خبر ہے

ہاتھ کیا آوے وہ کمر ہے ہیچ
یوں کوئی جی میں کچھ خیال رکھے [1]

زخموں پہ زخم جھیلے، داغوں پہ داغ کھائے
اک قطرہ خونِ دل نے کیا کیا ستم اٹھائے

یاقوت کوئی ان کو کہے ہے، کوئی گل برگ
ٹک تو بھی ہلا ہونٹ کہ اک بات ٹھہر جائے

پھر طرح جو کچھ اس نے دعوے کی سی ڈالی ہے
کیا تازہ کوئی گل نے اب شاخ نکالی ہے

دو گام کے چلنے میں پامال ہوا عالم
کچھ ساری خدائی سے یہ چال نرالی ہے

نازِ چمن وہی ہے بلبل سے، گو خزاں ہے
ٹہنی جو زرد بھی ہے سو شاخِ زعفراں ہے

باغ و بہار ہے وہ، میں کشتِ زعفراں ہوں
جو لطف اک اُدھر ہے تو یاں بھی اک سماں ہے

از خویش رفتہ اس بن رہتا ہے میر اکثر
کرتے ہو بات کس سے وہ آپ میں کہاں ہے

آتش کے شعلے سر سے ہمارے گذر گئے
بس اے تپِ فراق کہ گرمی سے مر گئے

بیکلی مارے ڈالتی ہے نسیم
دیکھیے اب کے سال کیا ہووے

نہیں وسواس جی گنوانے کا
ہائے رے شوق دل لگانے کا

بس کہ تیرا ہوا بلا گرداں
سر کو میرے دوار رہتا ہے

منع گریہ نہ کر، تو اے ناصح!
اس میں بے اختیار ہیں ہم بھی

آہ ان خوش قامتوں کو کیونکہ بر میں لائیے
جن کے ہاتھوں سے قیامت پر بھی عرصہ تنگ ہے

کیا خط لکھوں میں رونے سے فرصت نہیں رہی
لکھتا ہوں تو پھرے ہے کتابت بھی بہی

1۔ اصل/ ق: دلی کے جو کوچے تھے اوراق مرقع تھے ...... (یہ ادنیٰ تغیر پیچھے گزرا)۔

کلاہِ کج سے ہر غنچے کے پیدا ہے گلستاں میں
کہ کیا کیا اس چمن میں دلبرانِ لا اُبالی تھے

کیا گردنِ ہلال ابھی سے ڈھلک گئی
ابرو تو اک طرف، پلک اس کی نہیں ہلی

مصرعِ زلف کا نہ نکلا پیچ
شاعروں نے بھی فکر کر دیکھا

چلی جاتی ہے نکلی جان ہی تدبیر کیا کیجے
مداوا سے مرض گزرا کہو اب میرؔ کیا کیجے

تربتِ میرؔ پر ہیں اہلِ سخن
(ق) ہر طرف حرف ہے، حکایت ہے

تو بھی تقریبِ فاتحہ سے چل
بخدا واجب الزیارت ہے

ساقی نشے میں تجھ سے لڑھا شیشۂ شراب
چل اب کہ دخترِ تاک کا جوبن تو ڈھل گیا

کن کن مصیبتوں سے ہوئی صبح شامِ ہجر
سو زلفیں ہی بناتے اسے رات ہوگئی

اپنے تو ہونٹ بھی نہ ہلے اس کے روبرو
رنجش کی وجہ میرؔ وہ کیا بات ہوگئی

برقع اٹھاتے رخ سے مرے بدگمان کا
دیکھا تو رنگ اور ہے سارے جہاں کا

خوبی کو اس کے حسن کی کیا پہنچے آفتاب
ہے اِس میں اُس میں فرق زمین آسمان کا

درد و اندوہ میں ٹھہرا جو رہا، میں ہی ہوں
رنگ رو جس کے کبھی منہ، چڑھا نہ میں ہی ہوں

یہ رات ہجر کی یاں تک تو دکھ دکھاتی ہے
کہ صبح شکل مری سب کو بھول جاتی ہے

غافل میں رہا تجھ سے نپٹ تا بجوانی
اے عمر گذشتہ! میں تری قدر نہ جانی

بیتابیوں سے تنگ ہم آئے ہیں جان سے
وقتِ شکیب خوش کہ گیا درمیان سے

مہیا جس کنے اسباب سب، ملکی و مالی تھے
وہ اسکندر چلا یاں سے، تو دونوں ہاتھ خالی تھے

ایک کو چھوڑا نہ ان نے بے سبب پکڑے گئے
یہ دو سالہ دخترِ رز کس قدر شتاہ ہے

دل گیا رسوا ہوئے آخر کو سودا ہوگیا
اس دو روزہ زیست میں ہم پر بھی کیا کیا ہوگیا

نہ رہ دنیا میں دل جمعی سے، اے انساں جو، داناہے
سفر کا بھی رہے خطرہ کہ اس منزل سے جانا ہے

دل ہے، مجروح ما جرا ہے یہ
وہ نمک چھڑکیں ہیں، مزا ہے یہ

میر کو کیوں نہ مغتنم جانیں
اگلے لوگوں میں اک رہا ہے یہ

دیر و حرم میں کیونکہ قدم رکھ سکوں میں میرؔ
ایدھر تو مجھ سے بت پھرے، اُودھر خدا پھرا

عرق فشاں ہے تری زلف ہی بشان بد — بھلا نہیں ہے بہت ٹوٹنا ستاروں کا
اٹھے ہے گرد کی جا نالہ، گور سے اس کی — غبارِ میرؔ بھی عاشق ہے نے سواروں کا
علاج کرتے ہیں سودائے عشق کا میرے — خلل پذیر ہوا ہے دماغ یاروں کا
خوب تھے وے دن کہ ہم اس کے گرفتاروں میں تھے — غم زدوں، اندوہگینوں، ظلم کے ماروں میں تھے
مت تبختر سے گزر قمری، ہماری خاک پر — ہم بھی اک سروِ رواں کے ناز برداروں میں تھے
اک رہا مژگاں کی صف پر ایک ٹکڑے ہوگیا — دل جگر جو میرؔ دونوں اپنے غمخوارں میں تھے
یار کا پھینٹا کسے دکھلایئے — کیا سجا ہے، اس کے بل بل جایئے
رضائی میں عطر کی باس آئی — تو سچ ہے گھر بسے کس نے بسائی
دوں سونپ دودِ دل کو مجھ بعد یہ نشاں ہے — ہوں میں چراغِ کشتہ بادِ سحر کہاں ہے
تری زلفِ سیہ کی یاد میں آنسو ٹپکتے ہیں — اندھیری رات ہے برسات کے جگنو چمکتے ہیں
کیا کیا عزیز کھیلتے جاتے ہیں جان پر — اطفالِ شہر لاتے ہیں آفت جہان پر
زلف کو کہنا پریشاں، عقل کی دوری ہے یہ — ہر گرہ میں دل ہے اس کی، گانٹھ کی پوری ہے یہ
ان بتوں کو ہم فقیروں سے کہو کیا کام ہے — یہ تو طالب زر کے ہیں اور یاں خدا کا نام ہے
معلوم نہیں کیا ہے لبِ سرخِ بتاں میں — اس آتش خاموش کا ہے سوز جہاں میں
اعجاز منہ تکے ہے ترے لب کے کام کا — کیا ذکر یاں مسیح علیہ السلام کا
سر پہ عاشق کے نہ یہ روزِ سیہ لایا کرو — جی الجھتا ہے بہت مت بال سلجھایا کرو
تابِ مہ کی تاب کب ہے نازکی سے یار کو — چاندنی میں آفتابی کا مگر سایا کرو
رونے سے میرے دہر کا ہنگامہ سرد ہے — آنکھیں اگر یہی ہیں تو دریا بھی گرد ہے
آتے ہی آتے تیرے یہ ناکام ہوچکا — واں کام ہی رہا تجھے، یاں کام ہوچکا
آگے جمال یار کے معذور ہوگیا — گل اک چمن میں دیدۂ بے نور ہوگیا
اس ماہِ چار دہ کا چھپے کیونکہ عشق آج — اب تو تمام شہر میں مشہور ہوگیا
کل شب ہجراں تھی لب پر نالہ بیمارانہ تھا — شام سے تا صبح سر بالیں پہ بیتابانہ تھا
شہرۂ عالم اسے یمن محبت نے کیا — ورنہ مجنوں ایک خاک افتادۂ ویرانہ تھا

میرؔ دریا ہے سنے شعر زبانی اس کی　　اللہ اللہ رے طبیعت کی روانی اس کی

وا ہوئے ہے دل صحبت رندانِ جہاں ہو　　میں خوش ہوں اسی شہر میں، میخانہ جہاں ہو

ہو خشک تو بہتر ہے وہ ہاتھ بہاراں میں　　مانند نے نرگس جو جام نہیں رکھتا

نقاش دیکھ میں نے کیا نقش یار کھینچا　　اس شوخ کم نگہ کا نت انتظار کھینچا

تھا بدشراب ساقی کیسا کہ رات مے سے　　میں نے جو ہاتھ کھینچا اس نے کٹار کھینچا

تیرا رخِ مخطط قرآن ہے ہمارا　　بوسہ بھی لیں تو کیا ہے ایمان ہے ہمارا

نظم[1]

بے زری کا گلہ نہ کر غافل　　رہ تسلی کہ یوں مقدر تھا

اتنے منعم جہان میں گزرے　　وقتِ رحلت کسی کنے زر تھا

صاحبِ جاہ و شوکت و اقبال　　اک ازاں جملہ اب سکندر تھا

تھی سبھی کائنات زیرِ نگیں　　ساتھ مور و ملخ کا لشکر تھا

لعل و یاقوت اور زر و گوہر　　چاہیے جس قدر، میسر تھا

آخرِ کار جب جہاں سے چلا　　ہاتھ خالی کفن سے باہر تھا

رباعی

ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہم نے　　خونابہ کشی مدام کی ہے ہم نے

یہ مہلتِ کم کہ جس کو کہتے ہیں عمر　　مر مر کے غرض تمام کی ہے ہم نے

رباعی

کی حسن نے تجھ سے بے وفائی آخر　　خوبی نہ رہی نہ میرزائی آخر

رونق نہ رہی غبار خط سے منہ پر　　اس سبز قدم نے خاک اڑائی آخر

---

[1] کذا۔

رباعی

کیا میرؔ ہوئی ہے جان تم کو بھاری جو اس بتِ سنگدل سے کی ہے یاری
بیمار بھلا کوئی بھی ہو وے اس کا پرہیز کرے جس سے خدائی ساری

رباعی

تسبیح کو مدتوں سنبھالا ہم نے خرقہ برسوں گلے میں ڈالا ہم نے
اب آخر عمر میرؔ ے کی خاطر سجادہ گرو رکھنے کو نکالا ہم نے

رباعی

ہر روز نیا ایک تماشا دیکھا ہر کوچے میں سو جوانِ رعنا دیکھا
دلّی تھی طلسمات کہ ہر جاگہ میرؔ ان آنکھوں سے آہ ہم نے کیا کیا دیکھا

رباعی

تا چند تلف میرؔ حیا سے ہوگا شایستۂ صد ظلم وفا سے ہوگا
کر ترک ملاقات بتاں کعبے کو چل ان سے ہوگا سو اب خدا سے ہوگا

رباعی

مسجد میں تو شیخ کو خروشاں دیکھا میخانے میں جوشِ بادہ نوشاں دیکھا
اک گوشۂ عافیت جہاں میں ہم نے دیکھا تو محلّۂ خموشاں دیکھا

رباعی

بس حرص و ہوا سے میرؔ اب تم بھاگو غفلت کب تک کہے ہماری لاگو
چلتے سے خبر دے ہے سفیدی مو کی ہونے آئی ہے صبح اب تو جاگو

رباعی

یک مرتبہ دل پہ اضطرابی آئی یعنی کہ اجل میری شتابی آئی
بکھرا جاتا ہے ناتوانی سے جی عاشق نہ ہوئے کہ اک خرابی آئی

رباعی

ممکن ہی نہیں کہ ہم نے شادی کی ہو یا سیرِ بہار و باغ و وادی کی ہو

پژمردہ کلی کی طرح اس گلشن میں غالب ہے یہی کہ نامرادی کی ہو

قطعہ میر[1]

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا یکسر وہ استخوان شکستہ سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر میں بھی کبھو کسو کا سرِ پُر غرور تھا

سر جور فلک بھی دیکھوں اپنے روبرو ٹوٹا کہ سنگِ محتسب سے پائے خم دستِ سبو ٹوٹا
کہاں آئی میسر تجھ سے مجھ کو خود نما اتنی ہوا یوں اتفاق آئینہ میرے رو برو ٹوٹا

کام پل میں مرا تمام کیا غرض اس شوخ نے بھی [illegible] کیا
یا پہلی وے نگاہیں جس سے کہ کام نکلے یا اب کی یہ ادائیں جو دل سے [illegible] نکلے
عنایتِ ازلی ہے جو دل ملا مجھ کو مقامِ شکر ہے آتا نہیں گلا مجھ کو
نیاز ناتواں کیا یار سرو قد سے بر آوے مثل مشہور ہے عالم میں دستِ زور نیلا ہے
آرسی کے بھی گھر میں شرم سے میر نہیں وہ بے مثال آتا ہے
ابھرائے نقش شیریں بے ستوں میں اک تماشا کر کہ کارستانیاں تیرے لیے فرہاد کرتا ہے
کیا خط لکھوں کہ اشک سے فرصت نہیں رہی لکھتا ہوں تو پھرے ہے کتابت بہی بہی
میدانِ غم میں قتل ہوئی آروزے وصل رکھتے تھے خاندانِ تمنا میں اک یہی
یعقوب کے نہ کلبۂ احزاں تلک گئے سو کاروان مصر سے کنعاں تلک گئے
کچھ آبلے دیے تھے رہ آوردِ عشق نے سو رفتہ رفتہ خارِ مغیلاں تلک گئے
اب[1] تو جاتے ہیں میکدے سے میر پھر ملیں [illegible] گے اگر خدا لایا
تھی لاگ اس کی تیغ سے ہم کو سو عشق نے دونوں کو معرکے میں گلے سے ملا دیا
مہر کی تجھ سے توقع تھی ستم گر نکلا موم سمجھے تھے ترے دل کو سو پتھر نکلا

---

1. یہ شعر میر کا نہیں امیر کا ہے۔

جی میں ہے یادِ رخ و زلف سیہ فام بہت
گریہ آتا ہے مجھے ہر سحر و شام بہت

تھی موج جہاں دامنِ مژگاں کی کمی کی
دیکھا تو وہاں پاٹ نے دریا کے کمی کی

دل لیا بوسۂ رخسارِ مخطط دے کر
عاقبت زہر دیا اس نے ہمیں پان کے بیچ

نہ ہو ہرزہ درا اتنا خموشی اے جرس بہتر
نہیں اس قافلے میں اہل دل ضبطِ نفس بہتر

قطعہ

جگر میں اپنے باقی روتے روتے
اگرچہ کچھ نہیں ہے، ہم نشیں! پر

کبھو جو آنکھ سے چلتے ہیں آنسو
تو بھر جاتا ہے پانی سب زمیں پر

کیا کہوں رکھتے تھے تجھ سے کیا ترے بیمار چشم
تجھ کو بالیں پر نہ دیکھا کھولی سو سو بار چشم

حذر کہ آہِ جگر تفتگاں بلا ہے گرم
ہمیشہ آگ ہی برسے ہے یاں ہوا ہے گرم

چلی جاتی ہے نکلی جان اب تدبیر کیا کیجے
نہ دارو سے مرض ٹوٹا کہو اب میر کیا کیجے

دل کی معموری کی مت کر فکر فرصت چاہیے
ایسے ویرانے کو اب بسنے کو مدت چاہیے

عشق و میخواری نبھی ہے کوئی درویشی کے بیچ
اس طرح کے خرچ لا طائل کو دولت چاہیے

ایسے ہنس مکھ کو شمع سے تشبیہ
شمع مجلس تو روتی صورت ہے

کہیو قاصد جو وہ پوچھے ہمیں کیا کرتے ہیں
جان و ایمان و محبت کو دعا کرتے ہیں

عشق آتش بھی جو دیوے تو نہ دم ماریں ہم
شمعِ تصویر ہیں، خاموش جلا کرتے ہیں

بکمالِ حسن جو عید کو سرِ راہ وے نظر آ گئے
ہوئے ہم خوشی کہ گلے ملیں، سو وہ آنکھ بھی نہ ملا گئے

درد و اندوہ میں ٹھہرا جو رہا میں ہی ہوں
رنگ و رو جس کے کبھی منہ نہ چڑھا میں ہی ہوں

عشق کرنے کو جگر چاہیے آسان نہیں
سب کو دعویٰ ہے و لے ایک میں یہ جان نہیں

کوئی نہیں جہاں میں جو اندوہگیں نہیں
اس غمکدے میں ایک دلِ خوش، کہیں نہیں

کیا میں نے رو کر فشارِ گریباں
رگِ ابر ہے تار تارِ گریباں

دیکھیں تو تیری کب تک یہ کج ادائیاں ہیں
اب ہم نے بھی کسی سے آنکھیں لڑائیاں ہیں

یوں عرق جلوہ گر ہے اس منہ پر
جس طرح اوس پھول پر دیکھو

موسم ابر ہے سبو بھی ہو — گل ہو گلشن ہو لیک[1] تو بھی ہو

اس کی طرزِ نگاہ مت پوچھو — جی ہی جانے ہے آہ مت پوچھو

جو ہوشیار ہو سو آج ہو شراب زدہ — زمینِ میکدہ یکدست مہکے آب زدہ

جدا ہو رخ سے تری زلف میں نہ کیوں دل جائے — پناہ لیتے ہیں سائے کی آفتاب زدہ

شرطِ سلیقہ ہے ہر اک امر میں — عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے

شمع صفت جب کبھی مرجائیں گے — ساتھ لیے داغِ جگر جائیں گے

کھل گئے رخسار اگر یار کے — شمس و قمر جی سے اتر جائیں گے

میری پرسش پہ تری طبع اگر آوے گی — صورتِ حال تجھے آپ نظر آوے گی

ابر، مت گورِ غریباں پہ برس، غافل آہ — ان دل آزردوں کے جی میں یہی بھر آوے گی

خانقہ کا تو نہ کر قصد تک اک خانہ خراب — رہ گئی ہے یہی اک بستی مسلمانوں کی

کیونکہ کہیے کہ اثر گریۂ مجنوں میں نہ تھا — گرد نمناک ہے اب تک بھی بیابانوں کی

دل و دیں ہوش و صبر سب ہی گئے — آگے آگے تمھارے آنے کے

اس کدورت کو ہم سمجھتے ہیں — ڈھب ہیں یہ خاک میں ملانے کے

شب تو سویا تھا میرے گھر آکر ❖ جاگے طالع غریب خانے کے

جب دردِ دل کا کہنا میں اس سے ٹھانتا ہوں — کہتا ہے بن سنے ہی میں خوب جانتا ہوں

دل لے کے کیسے کیسے جھگڑے مجادلے ہیں — بد وضع یاں کے لڑکے کیا خوش معاملے ہیں

سوزِ دروں سے کیونکر میں آگ پر نہ لوٹوں — جوں شیشۂ حبابی سب دل پہ آبلے ہیں

خوب رو سب کی جان ہوتے ہیں — آرزوے جہان ہوتے ہیں

ایک پرواز کی بھی رخصتِ صیاد نہیں ☆ ورنہ یہ کنجِ قفس پردۂ فولاد نہیں

کہے ہے کوہکن کو فکر میری خستہ حالی میں ☆ الٰہی شکر کرتا ہوں تری درگاہِ عالی میں

آہ اور اشک ہی سدا ہے یہاں — روز برسات کی ہوا ہے یہاں

بات شکوے کی ہم نے گاہ نہ کی — بلکہ دی جان اور آہ نہ کی

---

1 ل: ایک۔ ❖ ل سے اضافہ۔ ☆ ل میں ندارد۔

کچھ نہیں خورشیدِ صفت سرکشی
سایۂ دیوار ہوا چاہیے

☆ تن ہجر میں اس یار کے رنجور ہوا ہے
بے طاقتیِ دل کو بھی مقدور ہوا ہے

☆ جانگداز اتنی کہاں آوازِ عود و چنگ ہے
دل کے نالوں کا ہمارے اور ہی آہنگ ہے

مرگیا کوہکن اسی غم میں
آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

اب دل سے آہ اٹھنے جو صبح و مسا لگی
ہو مژدہ اس کلی کو بھی شاید ہوا لگی

عمر بھر ہم رہے شرابی سے
دل پُر خوں کی اک گلابی سے

اگر ہنستا اسے صحن چمن میں اب کے پاؤں گا
تو بلبل آشیاں تیرا بھی میں پھولوں سے چھاؤں گا

پہلو سے اٹھ گیا ہے وہ نازنیں ہمارا
جز دردِ دل نہیں ہے پہلو نشیں ہمارا

گل گل شگفتہ مے سے ہوا ہے وہ یار دیکھ
اک جرعہ ہمدم اور پلا پھر بہار دیکھ

حسن کی وے جو دکاں اپنی لگا بیٹھے ہیں
عزلتی شہر کے بازار میں آ بیٹھے ہیں

عالم عالم عشق وجنوں ہے دنیا دنیا تہمت ہے
دریا دریا روتا ہوں میں، صحرا صحرا وحشت ہے

حال یہ کیا ہے کہ اس طرف گزارا نہ کیا
دور ہی دور پھرے پاس ہمارا نہ کیا

میرا جو مقلدِ عمل تھا
مجنوں کے دماغ میں خلل تھا

چمکنا برق کا کرتا ہے کارِ تیغ ہجراں میں
برستا ابر کا داخل ہے اس بن تیر باراں میں

سر کاٹ کے پھنکوا دیے، انداز تو دیکھو
مائل ہے بہت خلق خدا، ناز تو دیکھو

ہے تمنائے وصال اس کامری جان کے ساتھ
جان ہی جائے گی آخر کو اس ارمان کے ساتھ

کب تک رہیں گے یارب ہم ہردم آبدیدہ
ضائع ہے جیب و دامن جیوں جنس آبدیدہ

کرتے نہیں ہیں ترک نیا طرز جفا کا
دکھلائیں گے شاید ہمیں دیدار خدا کا

دل فرطِ اضطراب سے سیماب سا ہوا
چہرہ تمام زرد مےِ ناب سا ہوا

اس کام جان و دل نے عالم کا جان مارا
زلفوں کی درہمی سے باہم جہان مارا

سینے میں شوق میر کے سب درد ہوگیا
رکھا جو دل پہ ہاتھ تو منہ زرد ہوگیا

ربطِ دل زلف سے اس کی جو نہ چسپاں ہوتا
اس قدر حال ہمارا نہ پریشاں ہوتا

☆ ل میں ندارد۔

ہوتی ہے گرچہ کہنے سے یارو پرائی بات / پر ہم سے تو تھمی نہ کبھو منہ پر آئی بات

دل کھو گیا ہوں میں کہیں دیوانہ پن کے بیچ / تم بھی تو دیکھو زلفِ شکن در شکن کے بیچ

دورِ گردوں سے ہوئی کچھ اور میخانے کی طرح / بھر نہ آویں کیونکہ آنکھیں تیری پیمانے کی طرح

رہیے بغیر تیرے اے رشک ماہ تا چند / آنکھوں میں ہو ہماری عالم سیاہ تا چند

چمکی ہے جب سے برقِ جہاں گلستاں کی سمت / جی لگ رہا ہے خار و خس آشیاں کی سمت

ہے یاد کس کو یار فراموش کار دل / یاں جی پہ آبنی ہے رہا در کنار دل

دوریِ یار میں ہے حالِ دل ابتر اپنا / ہم کو سو کوس سے آتا ہے نظر گھر اپنا

کیا میرؔ دل شکستہ بھی وحشی مثال تھا / دنبالہ گردِ چشم سیاہِ غزال تھا

اب نہیں سینے میں میرے جاے داغ / سوزِ دل سے داغ ہے بالاے داغ

قتل گہ میں دست بوس اس کا کریں فی الفور لوگ / ہم کھڑے تلواریں کھائیں نفس ماریں اور لوگ

رفتگاں میں جہاں کے ہم بھی ہیں / ساتھ اس کارواں کے ہم بھی ہیں

بدزباں ہو، جیسے خوش اسلوب ہو / کیا کہیں جو کچھ کہ ہو تم خوب ہو

کعبے میں جاں بلب تھے ہم دوریِ بتاں سے / آئے ہیں پھر کے یارو اب کے خدا کے ہاں سے

دیوانگی کی ہے وہی زور آوری ہنوز / ہر دم نئی ہے میری گریباں دری ہنوز

مطلق نہیں ادھر کو اس دلربا کی خواہش / کیا جانیے کہ یارو کیا ہے خدا کی خواہش

رہتے تھے بہت دل کے ہم آزار سے ناخوش / بستر پہ گرے رہتے ہیں بیمار سے ناخوش

حال زخم جگر سے ہے درہم / کاش رہتے کسو طرف مر، ہم

بے رنگ بے ثباتی یہ گلستاں بنایا / بلبل نے کیا سمجھ کر یاں آشیاں بنایا

آ، دل عشق نے انگشت نما مجھ کو کہا / یہ نہ سمجھا کہ یہ نو خیز شجر جلتا ہے

فرہاد! ہاتھ شیشے پہ ٹک رُک کے ڈالنا ❖ پتھر تلے کا ہاتھ ہے اپنا نکالنا

کتنے روزوں سے نہ سونے کے ہیں نے کھانے کے ❖ دل جو یہ ہے تو ہم آرام نہیں پانے کے

ایک عالم ہے کشتہ اُس لب کا ❖ الغرض اس پہ دانت ہے سب کا

❖ ل سے اضافہ۔

مت ہو دشمن اے فلک اس پائمال راہ کا ❖ خاک افتادہ ہوں میں بھی اک فقیراللہ کا
قتل کیے پر غصہ کیا ہے، لاش مری اٹھوانے دو ☆ ہم تو گئے ہیں جان سے اپنی، آؤ تم بھی جانے دو

میرنؔ، میر جہاں

میر جہاں میرنؔ درویشے روشن دل جامعِ علوم بود۔ از مدتے ترک طمع وآزنمودہ، پائے توکل بگوشۂ قناعت کشیدہ، بہر دو زباں سخن سرا بود۔ بیشتر اشعار صوفیانہ و دردمندانہ از و سرانجام می پذیرفت۔ بطریق تبرک شعرے از تصنیف آں دل آگاہ کہ بحسبِ محاورۂ زبانِ اوست، اندراج یافتہ:

لے عرش سے ثُرا تک از پائے دل پھرا میں ❖ جو آپ میں دکھا تھا سب میں وہی دکھا[1] میں

میرنؔ، میر عسکری

میر عسکری میرنؔ تخلص، ساکن شاہجہاں آباد۔ بسیار سلیم الطبع وشایستہ ومردِ غریب است۔ از حکیم[2] ثناءاللہ فراقؔ اصلاح یافتہ[3] وظاہر حال سخن را بصلاح آراستہ۔ ایں ابیات از ریختۂ اوست:

نہ آیا نظر وہ پیارا ہمیں ❖ ستانے لگا دل ہمارا ہمیں
نہ آرام شب کو نہ دن کو قرار ❖ غرض تیری فرقت نے مارا ہمیں
دیکھ میری نبض کو رو کے یہ بولا طبیب ❖ گھیر لیا ہے اسے عشق کے آزار نے
جالی کی انگیا تری دیکھ کے رشکِ پری ❖ ہاتھ ملے بے طرح محرمِ اسرار نے
چرخ تو میرے ترے درپے آزار تھا ❖ تجھ کو بچایا بہت حیدرِ کرار نے
کرتے ہو ہم سے ملنے میں جو سات[4] پانچ تم ❖ شاید کہ آج میلا ہے بارہ وفات کا

محبؔ، میر محمد علی

میر محمد علی محبؔ مرد سید یست از چند سال بطرفِ دکن رفتہ۔ مرثیہ گوست۔ گاہگاہے غزل ہم

---

1 ل: کہا۔ 2 ل "حکیم" محذوف۔ 3 ل میں اس کے بعد کی عبارت محذوف۔ 4 اصل ول: ساتھ۔

ازوسرمی زند۔ جودتِ طبعش ازفصاحت کلامش اظہرودرستیِ طبع اوازخوبیِ سخن انور:

اس کے عارض یوں عرق سے تھے سحر بھیگے ہوئے جس طرح شبنم سے دوگلبرگِ تر بھیگے ہوئے

ہے مژہ نم اشک سے پہنچے گی کب مجھ تک نگاہ مانعِ پرواز ہیں طائر کے پر بھیگے ہوئے

خواب ان خانہ خراب آنکھوں میں کیونکہ ہومحبّ جن کے بن برسات ہی رہتے ہوں گھر بھیگے ہوئے

منوّر

منوّر تخلص، اوشاعرانِ قدیم مسموع می شود۔ اکثر اشعارش کہ شہرۂ آفاق است وناخن بدل می زنداین خوشہ چیں بندۂ [1] ذکا بقلمِ [2] نیاز رقم درآوردہ:

اے میاں! دل مرا بیزار نہ زنہار کرو غم کا مارا ہوں محبت سے ذرا پیار کرو

کل کا وعدہ نہ کرو، کل کہاں مجھ بیکل میں آج فرصت سے ملو، کل کا نہ اقرار کرو

جب سے دیکھا ہے ترے چہرۂ نورانی کو جا بجا نور ترا مجھ کو نظر آتا ہے

میں جو کہتا تھا منوّر نہ جا زلفوں کے قریب جا پھنسا دل ترا، اب ڈر مجھے آتا ہے

مجنوںؔ

مجنوںؔ تخلص شخصے ساکنِ عظیم [3] آباداز تلامذۂ میر ضیاء الدین ضیاؔ۔ ایں [4] دوشعراز وست:

دن میں سو سو بار اس کے روبرو جانا مجھے اس میں سودائی کہے یا کوئی دیوانا مجھے

کرتا ہوا میں ایک زمیں آسماں رہوں مانندِ ریگِ شیشۂ ساعت جہاں رہوں

ممتازؔ

ممتازؔ سخندانے برجستہ گو پاکیزہ تلاش، معنی جو فہم نیاز رسید۔ ایں [5] سہ فرداز وست:

گریہ تر رکھیو میری آنکھوں کو یار [illegible] کا آبدار خانا ہے

---

[1] اصل۔ اضافۂ مولف ''بندۂ ذکا''۔ [2] ل: میں بقلم واد۔ [3] اصل/ ق: لکھنؤ۔ [4] اصل۔ اضافۂ مولف ''دو''۔ [5] ل میں یہ جملہ محذوف۔

غم کو فرہاد، عیش کو پرویز — یہ خدائی کا کار خانا ہے
ہم ہیں مشتاقِ جواب اور گذری اک مدت مدید — نقدِ دل گر تم کو پہنچا ہے تو بھجوادو رسید

موزوںؔ

موزوںؔ مصنفِ دیوانے مختصر و چند مخمس و رباعیات۔ بہر حال زبانِ درست دارد:

رات کب گذرے گی ساقی جو بے خوشبو نہ ہو — نیند کب آوے مجھے جب تک بغل میں تو نہ ہو
سب سے موزوں خوب ہے صاحب سلامت دور کی — دل تو کیا دیجے اسے جو آشنا یکسو نہ ہو

متینؔ

متینؔ تخلص شاعرِ مشہور قدیم۔ بحسب رویہ وقتِ خود چنیں کلام گفتہ:

عرس کو مجنوںؔ کے ہرنوں نے کیا ہے اتفاق — وحشیو! لازم ہے تم کو اپنے ساماں سے چلو
فصلِ گل کی پھر خبر ہے کہہ دوانوں سے متینؔ — مل کے گلگشتِ گلستاں کو بیاباں سے چلو

مہمانؔ

مہمانؔ تخلص بعضے از غزلیاتش کہ بمن رسید، ہم ردیف و قافیۂ او درست نیافتم مگر ایں[1] مصرع برجستۂ او شاید بہ غلطیِ کاتباں واقع نوشتہ شد۔ بہ سلک تحریر کشید:

(مصرع) — گوہر اس تن کے صدف میں ہم نے اک پایا ہے دل

مشرقیؔ، سیل چند

لالہ سیل چند مشرقیؔ قوم کایتھ از چندے شہر دہلی را گذاشتہ در قصبۂ ڈاسنہ طرحِ[2] اقامت انداختہ[3] بود۔ شعر[4] فارسی و ہندی می گفت۔ از[5] زبانش کلامِ فصیح می برآید لمولفہ:

---

1 اصل/ق: مگر ایں مصرعہ کہ بمنزلۂ چند اشعار است واقع بودہ باشد؛ ل: مگر ایں مصرع برجستہ او بسلک تحریر کشید۔ 2 ل میں ''طرح'' ندارد۔ 3 اصل ''انداختہ''۔ قلم زد کر کے افگندہ۔ 4 اصل/ق: شاعر فارسی و ہندی بودہ است۔ 5 ل: محذوف۔

شمع رخ تیرے سے کیا نسبت ہے پروانے کے تئیں
گرد پھرتے ہیں ملایک تجھ پہ جل جانے کے تئیں

ہیں ہزاروں دل گرفتار اس خمِ ابرو کے بیچ
جانِ من! آہستہ کرنا زلف میں شانے کے تئیں

ہے نہیں برداشت غم کی کر[1] تا ہوں میں اختیار
راہ صحرا کی لگا کر آگ کا شانے کے تئیں

شیخ واعظ کی نصیحت کچھ نہیں کرتی اثر
کیا کروں لاؤں کسے اس دل کے سمجھانے کے تئیں

عشق میں جو دم ہے باقی صرف کرائے بوالہوس
آیا ہے آخر تو دنیا بیچ مرجانے کے تئیں

میں ہوں اور دلبر ہو یا شیشہ ہو یا جام شراب
یار کی خلوت میں کیا مقدور بیگانے کے تئیں

مشرقیؔ کے حال پر ظالم کبھی تو رحم کر
مارنا لازم نہیں ہے اپنے دیوانے کے تئیں

جب[2] چہرے پر کشادہ ہوئی زلف یار کی
دونوں طرف سے آئی صدا مار مار کی

میرؔ، حکیم میر علی

حکیم میرؔ علی از سادات و ساکنین ضلع سہارنپور بسبب موافقتِ مرجع کاروانِ سرکار امیر الامرا نواب نجیب الدولہ بہادر خدمت بعضے پرگناتِ آن نواح اکثر بہ او مقرر و مفوض می شد و نیز در سرکار نواب نجف[3] قلی خاں مرحوم بعلاقۂ طبابت نوکر بود۔ خیلے عزت داشت۔ ناظم و ناثر و شاعر فارسی و ہندی بود۔ گویند کہ اشعارِ خود را بہ نظر کسے استاد نگذرانیدہ و بطورِ خود گفتہ:

گل اگر ذرا دیکھے میرے چاک داماں کو
تار تار کر ڈالے اپنے بھی گریباں کو

گرد باد کے مانند دم کا آشنا تھا دل
اڑگیا خدا جانے کون سے بیاباں کو

اب تو شبنم کی طرح کیجے گزر آخر شب
لیجیے گل سے ٹک اک بوسۂ تر آخر شب

محوؔ، میر حسین

میر[4] حسین علی خاں محوؔ متوطن مستقر الخلافہ اکبرآباد[5] برادر کہین واجد علی خاں۔ آں دیار بذاتِ مبارکش متعلق است۔ [6] وخود بعلاقۂ منشی گری یکے از صاحبان فرنگ بہادر امتیاز دارد۔ شعر

1۔ ل: اب کروں گا اختیار۔ 2۔ ل: چہرہ جب کشادہ ہوئی۔ 3۔ ل: نجف قلی۔ 4۔ اصل میں یہاں سے حاشیے پر۔ 5۔ اصل: اضافہ مولف۔ ''برادر...... خاں'' ل: خاں کہ ارشا...... 6۔ اصل۔ اضافۂ مولف ''وخود...... دارد''۔

برجستہ ازطبعِ وقادراوسرمی زند۔از[1] اشعارے کہ از تصانیفِ شریفش بعاصی ذکؔا دست داد بنگارشِ سہ بیت خامۂ نیازی رسانم:

دل مرایوں صفِ مژگاں کی طرف جاتا ہے
جس طرح شیر نیستاں کی طرف جاتا ہے

سنگ پھینکے ہے مری قبر پہ گل کے بدلے
گالیاں دے ہے پس مرگ وہ قل کے بدلے

زری کے تاروں کا موباف اس کی چوٹی پر
اندھیری رات کے پیچھے کرن ہے سورج کی

مغمومؔ، منت علی

میر منت علی مغموم ساکن دارالخلافہ شاگردِ حافظ میر عزت اللہ عشقؔ۔ از وست:

خیالِ چشم میگوں میں قدم مستانہ رکھتے ہیں
دیوانے ہیں، ہمارا نام جو دیوانہ رکھتے ہیں

مضطرؔ، آغا خاں

مرزا[2] خسرو شکوہ بہادر المعروف بمرزا آغا جان دام اقبالہٗ متخلص بہ مضطرؔ فرزندِ رشید مرشد زادۂ عالمیاں مرزا سلیمان شکوہ بہادر مدظلہٗ بسیار صاحبِ علم وقدر شناس حاتم زماں سخاوت اساس مسند آرائے تمکنت ووقار۔ فخر افزائے انجمن روزگار۔ از قلم نیاز[3] رقم ہر چہ کہ در مدح وتوصیفش برنگارد، زیادہ ازاں ست۔ بعضی اشعار برجستہ ومتیں کہ از زبانِ مبارکش ارشاد شدہ ایں خاکپاے ذکؔا بترقیم آں زیبِ ایں نسخہ می افزاید:

مبارک ہو دلا پہلے ہی کھانا تیر فرقت کا
پھراب روتا ہے کیوں، خوش ہو ملا پھل نخلِ الفت کا

کیا قابلِ قتل اپنے گنہگار کو دیکھا
جو میری طرف دیکھ کے تلوار کو دیکھا

ہم ان گلیوں میں گھبرائے نہ دانائی سے پھرتے ہیں
تمھاری زلف کے سودے میں سودائی سے پھرتے ہیں

داغوں سے اگر خوب ہے رنگِ پر طاؤس
میں آپ سراپا ہوں برنگِ پر طاؤس

بھیج تو یا کہ جواب اے بتِ خود کام نہ بھیج
پر نہ کہہ مجھ کو کہ مضطرؔ مجھے پیغام نہ بھیج

---

1. اصل/ق: یک مطلع از......وادترقیم آں بیت ترمیم می دید؛ ل: می نگاشت۔ 2. اصل/ق: مرشد زادۂ عالمیاں۔ 3. اصل/ق: واز زبان۔

مجیدؔ، مجید الدین خاں

مجید الدین خاں مجیدؔ اصلش [1] از کشمیر و متولد در [2] دہلی۔ فرزند ارجمند مفتی معین الدین خاں۔ جوانے ذہین و مودب [3]۔ صاحب طبع است اشعارش بقلم داد [4]:

والہ اس کی تھی کہیں بلبل، کہیں پروانہ تھا کیا چمن، کیا انجمن، جلوہ کہاں اس کا نہ تھا
چھوڑ عیش و غم مجیدؔ اب یار آگے چل بسے یہ جہاں عشرت کدہ تھا یا کہ ماتم خانہ تھا

محسنیؔ، محمد بخش

حکیم محمد بخش محسنیؔ ساکن اطرافِ سہارنپور۔ مردِ طبیب است۔ شوق سخن گوئی دامن گیر حالش گشتہ گاہِ گاہے متوجہ آں می گردد۔ کلامش مطبوع و دلچسپ است:

محسنی تیز پری محفلِ جاناں میں نہ کر جسمِ بے جاں کو اڑاتے نہیں تصویر کے پر

منعمؔ، محمد منعم

قاضی محمد منعم خاں منعمؔ مردے عالم و فاضل بود۔ در قصبۂ تھانہ متعلقہ سرکارِ سہارنپور خدمتِ قضائے آنجا بذاتِ مبارک او متعلق بود۔ در قصبۂ مذکور [5] بہ استادی مشہور۔ دیوانِ فارسی و یک دیوانِ ریختہ بیادگار گذاشت۔ بندۂ ذکاؔ ایں اشعار از نتائج طبعش بہم رسانیدہ:

جور تیرے ہی نے اے چرخ! کیا یار جدا ورنہ ہوتا تھا کہاں ہم سے وہ دلدار جُدا
مجھ سے ہرگز نہ سُنی جائے اسیروں کی فغاں کیجیو مجھ کو تو صیاد! گرفتار جُدا

منتظرؔ، امام الدین

شیخ امام الدین منتظرؔ۔ شخصے ست روشنائی ساز۔ در اکبر آبادی باشد۔ شوقِ شعر گوئی در گوشۂ

---

1 اصل۔ اضافۂ مولف ''اصلش...... دہلی''۔ 2 ل: او۔ 3 ل: مودب است۔ اشعارش بقلم دادہ۔
4 اصل/ق: می دہد۔ 5 اصل/ق: کہ یک گونہ طور شہریت دارد باستادی تا نزد بود۔

خاطرش متمکن گشتہ۔فکرِ تازہ دارد و شعر بہار یہ می گوید۔از وست:

جس گھڑی یار گلستاں کی طرف جاتا ہے　　ہاتھ ہر گل کا گریباں کی طرف جاتا ہے
اس دیدۂ خونبا سے اب ہجر میں تیرے　　کچھ گل سے کھلے گوشۂ دامان میں میرے

مرزا

مرزا تخلص باشندۂ دارالخلافہ۔ ہمشیرزادۂ مرزا محمد خاں۔ شاگردِ رستم بیگ شاکر۔ از چندے [1] شعر گوئی اختیار ساختہ۔ایں بیت از وست:

اگر زلفِ دراز یار میں ہیں صد گرہ مرزا　　دلِ صد چاک یاں ہم بھی بسانِ شانہ رکھتے ہیں

ماہ، محمد علی خاں

ماہ تخلص میر محمد علی خاں است۔ انسانِ ستودہ صفات پاکیزہ نہاد واقع شدہ در بلدۂ حیدر آباد سکونت دارد۔ ایں فدوی خاکپاے سخنوراں [2] ذکار اتفاق ملاقات نیفتادہ مگر ایں دو بیت رباعی کہ در تہنیتِ عید و نوروز بہ نواب آصف جاہ بہادر گذرانیدہ بود بخامۂ نیاز سپردہ:

نو روز ہے اور عید ہے اے آصف جاہ　　ہوں تجھ کو مبارک یہ [3] بحسب دلخواہ
ہو حکم ترا ماہ سے لے ماہی تک　　از یُمنِ طفیل [4] نبی و فضل اللہ

محشر، بدایونی

محشر تخلص [5] از قصبۂ بداؤں۔ آنجا بالفعل بشاعری نامزد و خیلے طباع و صاحب تلاش معلوم شد۔ دم باستادی می زند۔ و بعضے از نومشقاں [6] را اصلاحِ سخن از وی می رسد۔ ایں اشعار اوست، بہر کیف خوب گفتہ:

تھمے ہے یار اگر یک نفس زباں میری　　بہے ہے پھوٹ یہ چشمِ خونفشاں میری

1۔ اصل/ق: ذوقِ شعر گوئی دامن گیر حلل او گشتہ۔ 2۔ اصل/ق: سخنوراں جہاں۔ 3۔ اصل/ق: اب۔
4۔ اصل/ق: دورِ فلک نظام۔ 5۔ ل: اکرام اللہ خاں محشر در قصبۂ بداؤں۔ 6۔ ل: برقرار۔

جدھر کو لے اڑے دل کی طپش کروں[1] پرواز — نہیں ہے برق صفت ہاتھ میں عناں میری
بیاں[2] میں زلف کے از بس کہا کیا محشر — قلم کی طرح سیہ ہوگئی زباں میری

مدہوشؔ

مدہوشؔ۔ از تلامذۂ استاد فیض نہاد میر سوزؔ ایں مطلع از[3] وے دست دادہ:

مرا جس ناز سے تو نے لیا دل — خدا جانے ہے اس کو یاد مرا دل

مسرورؔ، اصغر علی بیگ

میر اصغر علی بیگ المعروف بمرزا سنگی بیگ مسرورؔ عزیزے از ساکنین[4] شاہجہاں آباد۔ یار باش، خوش معاش، صاحبِ حلم و حیا، سراسر مہر و وفا بہ پیشۂ سپاہگری بسر می کند[5]۔ از علومِ رسمیہ فارسی بہرہ اندوز است۔ ایں اشعار آبدار از تصنیف اوست:

سدا اس چشمِ میگوں سے یہ دل مستانہ رکھتے ہیں — صراحی کی ہوس نے خواہش پروانہ رکھتے ہیں
خدا کی کیا پرستش ہو بتوں کا دھیان ہے دل میں — بغل میں ہم بجائے کعبہ اک بتخانہ رکھتے ہیں
زلف و رخ کی گر بہم تصویر کھینچا چاہیے — گرد مہ کے حلقۂ زنجیر کھینچا چاہیے
ولہری وحشت کہ ہم سے لڑکے یوں کہتے ہیں چھیڑ — اس دوانے کی ذرا زنجیر کھینچا چاہیے
پائے رنگیں کا نہیں میں نے لیا ہے بوسہ — مجھ پہ طوفاں یہ عبث وزدِ حنا باندھے ہے
مرغِ دل کو مرے کر صید سنا اے مسرورؔ — (ق) لے کے فتراک سے وہ گرمِ جفا باندھے ہے
ہو کباب آپ یہ کہتا ہے رقیبِ کم بخت — پھینک دے اس کو پرے تیری بلا باندھے ہے

مشہورؔ

مشہورؔ تخلص۔ ایں کمترین بندۂ[6] ذکاؔ را باوا اتفاقِ ملاقات نیفتادہ و ہم از احوالش خوب اطلاع

---

1 اصل/ق: ثنا میں زلف کی گردش کی کیا کیا محشر۔ 2 ل: از وست۔ 3 ل: ساکن۔ 4 ل میں اس کے بعد کی عبارت محذوف۔ 5 ل: مشہور تخلص، قوم کایستھ، ساکن بریلی۔ کمترین ذکاؔ کا اتفاق ملاقاتش نیفتادہ۔
6 اصل/ق: بملاقات او ذخائر اندوز نشاط فراوان و انبساط بیکراں نگشتہ۔

ندارد مگر ایں اشعار[1] ہایش مشہور:

ترے گورے سے منہ پر داغ چیچک یوں چمکتے ہیں
کہ جیسے چاندنی میں، مہ جبیں تارے جھمکتے ہیں

خوشی سے کیوں نہ اے مشہور اب بغلیں بجاویں ہم
ملے گا یار ہم سے آج پھر بازو پھڑکتے ہیں

نہ لچکے کس روش موجِ صبا سے صحنِ گلشن میں
رگِ گل سے بھی نازک تر ہے اس گل کی کمر دیکھو

یوں چمکے ہے اس شوخ کے بالے میں ستارا * آجائے نظر جیسے کہ ہالے میں ستارا

ساقی ترے چہرے کے پسینے سے جو قطرا * ٹپکے تو نمایاں ہو پیالے میں ستارا

ہر لحظہ ہوا گیر ہو مانندِ ہوائی
چمکے ہے مرے داغ سے نالے میں ستارا

مشتاق، ثناء اللہ

شیخ ثناء اللہ مشتاق۔ عزیزیست ساکن قصبۂ فتح پور۔ وی مکانیست متصل اکبر آباد کہ در[2] انجا مزار متبرکہ حضرت سلیم چشتی قدس[3] اللہ سرہٗ واقع شدہ وقصبۂ مذکور مضاف صوبہ مستقر[4] الخلافہ است۔[5] ایں کس گاہ گاہے بفکر سخن مشغول می باشد بہ نسبت طرز گفتار دیگر مرد ماں بیرونجات بہر حال بہ می گوید وفکرِ تازہ دارد:

اس چاند سے مکھڑے پر ابرو بھی ہلالی ہے
مہرو کی مرے یارو سج دھج ہی نرالی ہے

دل کو لے، دینے لگے آزار یوں ہی چاہیے
واہ واہ شاباش اے دلدار، یوں ہی چاہیے

نظروں سے نہاں پیارے جس دم تو ذرا ہوگا
ہم دم سے جدا ہوں گے، دم ہم سے جدا ہوگا

مغموم، اسحاق بیگ

مرزا اسحاق بیگ مغموم ساکن بلدۂ جنت[6] نہاد دار[7] الخلافہ شاہجہاں آباد۔ نیا کانش بہ ثروت واقتدار گذرانیدہ اندو بکامِ دل ایامِ حیاتِ مستعار بسر بردند بعد نظر کساد روزگاری وبوقلمونیِ

---

1 اصل/ق: شعرش۔ 2 ل: دریں جا۔ 3 ل: قدس اللہ سرہٗ ''محذوف۔ 4 اصل/ق: ایں مرد۔ 5 ل: اکبر آباد است۔ ایں کس۔ 6 اصل/ق: مرحبا۔ 7 اصل/ق: مبارک بنیاد۔ * ل سے اضافہ۔ کذا: اگر چہ درست ہیں کہ بعضی اور متعددی میں سے ایک کافی ہے۔

زمانۂ ناہنجار بہ وجہِ معینہ کہ از قدیم درشاگرد پیشہ حضور اقدس اعلیٰ مقرر است، اوقات بسر می نماید۔ انسانِ زیرک واہل تفرس[1] وخوش خلق کشادہ جبیں، نیک ذات، پاکیزہ آئیں۔ خیلے اہلِ مروت و باسخا، سراپا حکم یکسر وفا معلوم شد۔ بہ تحصیلِ علومِ رسمیہ ومشقِ انشا پردازی ہمت می گمارد۔ ایں اشعار تصنیف کردۂ آں عزیز پرتمیز[2] است:

آگے ہی یہ گریباں ہے تار تار اپنا — کیا حال اب بناوے دیکھیں بہار اپنا

خط آتے ہی ہم سمجھے کہ خط آپ کا آیا — سبزے کی ہوئی سیر جو تحریر کو دیکھا

رنگ آزادی نہ دیکھا ہم نے اس گلشن میں آ — گل ہے مانندِ چمن بلبل گرفتار قفس

ذکرِ ملیح آپ کا جس جگہ اے یار ہو — شاہدِ مصری کی سرد گرمیِ بازار ہو

مایوس پھیرے نہ اس امیدوار کو — پورا ہی آج کیجیے قول و قرار کو

تھی صبا تیز روی پر بہت اپنی مغرور — اڑ گئے ہوش ترے توسنِ چالاک کو دیکھ

ممتاز

ممتاز وے عزیزے ساکنِ بلدۂ فیض آباد از شاگردانِ مرزا محمد رفیع سودا است۔ فکرِ سخن درست دارد۔ شعرش خالی از تلاش نیست۔ ایں مطلع عالی از تصنیفِ او بمن رسیدہ:

ہمارے رونے سے دل کا بخار اٹھتا ہے — کہ جیسے پانی کے چھڑ کے غبار اٹھتا ہے

منعم، سید راحت علی

سید راحت علی منعم۔ سیدزادہ ایست ساکن فرخ آباد۔ اکثر بتلاشِ سخن مصروف ومشغول می باشد۔ ایں شعرِ او[3] بنیازمند دست دادہ:

نے ترے کوچے سے جاسکتے ہیں، نے ہلتے کہیں — وہ مثل ہے آگیا ہے ہاتھ پتھر کے تلے

منعم، محمد منعم

شیخ محمد منعم منعم او مردے بزرگ از قاضی زادہ ہائے ضلع شرقیہ است۔ از علومِ متعارفہ بہرۂ

---

1 اصل/ق: صاحبِ فراست۔ 2 اصل۔ اضافۂ مولف ''پرتمیز''؛ ل: از دست۔ 3 ل: از و بمن رسید۔

وافی دارد۔ بہ محاصل املاک دایمہ اوقاتِ زندگانی بہ شگفتہ پیشانی بسرمی برداز مصاحبانِ[1] ہمراز راجا ئکیت رائے بہادر است۔ [2] روزے از طرفِ خود خطے بروجہِ خود بعبارتِ منظومہ نوشتہ بہ نظر راجا موصوف گذرانیدہ و بقدر رخصت بدست آوردہ بکام دل فائز شد۔ از مکتوب منظومہ ایں دو شعر کہ یاحقر العبادذ کا دست دادہ در ینجا مثبت گردانیدہ:[3]

مکارم

مکارم تخلص شخصے صاحب ثروت از منصب دارانِ حضور والا بود در دہلی بعد چندے از گردشِ ایام نافرجام نوبت بہ تکلیف رسید[4] بحدیکہ[5] غزل تصنیف خود را بہ قیمت یک تنکہ می فروخت واز اں بسر بر اوقات می نمود چوں صاحبِ دیوان بود چند مدت بہماں طور بسر بُرد و بعد از اں وفات یافت[6]:

یاں تو آکر نام رکھوایا مکارم خلق میں　　واں گئے پر دیکھیے کیا نام رکھواویں گے ہم

محسن، میر محسن خاں

میر محسن[7] خاں بہادر محسن تخلص۔ خلف والا قدر نواب سید الدولہ میر معصوم خاں بہادر فتح جنگ کہ دراز منہ ثروت نواب ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خاں بہادر مرحوم و رفاقت دیگر رؤسا ے وقت بسیار معزز و محترم و صاحبِ حشمت ماندہ۔ بہر حال بہ ایں ہم اوقاتِ خود را بہ[8] عیاشی و تمکنت گذرانیدہ[9]۔ از سرکارِ جرنیل سرون صاحب بہادر در رسالہ داری نوکر است و شجاعت و سخاوت اشتہار دارد گاہ گاہے بطریقِ تفریح[10] طبع بتصانیف بعضی[11] اشعارِ متفرقہ بذلِ عاطفت می فرماید:

1۔ اصل۔ اضافۂ مولف ''از مصاحبانِ ہمراز''۔ 2۔ اصل رق: بر وجہ کلی مید اشتند کہ مفارقت یک سانحہ گوارا نبود۔ 3۔ اصل میں شعر ندارد۔ شاید جگہ نہ ہونے کی وجہ سے نہیں لکھے جا سکے ''ل'' میں منعم کا ترجمہ موجود نہیں۔ اصل میں اضافۂ مولف ''روزی.....گردانیدہ''۔ 4۔ ل: بتکالیف بسر می برد اوقات می نمود۔ 5۔ اصل/ق: وقت شام بمکانے علیحدہ استقامت داشتہ۔ 6۔ اصل/خ: ایں شعر از وست۔ 7۔ ل: میر حسن۔ 8۔ ل: بہ استغنا و عیاشی می گزارد؛ اصل/ق استغنا۔ 9۔ اصل/ق: و جمعیت و حشمت گزرانیدہ۔ 10۔ اصل/ق: فرحت۔ 11۔ اصل/ق: غزلیات۔

اپنے تئیں بھی خاک میں ایسا ملایئے ڈھونڈے کوئی غبار تو ڈھونڈا نہ پایئے
دل اس قدر خفا ہے جفائے بتاں سے اب بت خانہ چھوڑ دیجیے، کعبے کو جایئے

موتی رآم

لالہ موتی رآم قوم کا۔تھ بھٹنا گر ساکن قصبۂ ہاپوڑ۔ ایام فرجام بحاصل وجہ قانون گوئی قصبۂ مذکور بسری بُرد صاحب خلق، ستودہ اطوار واقع شدہ۔ ایں فرداز گفتۂ حسب حالِ اوست:

گردش گردونِ دوں اس دور میں بے طور ہے قدرِ اجلف ہے بہت اشراف پر صد جور ہے

مقتوؔل، مرزا ابراہیم بیگ

مرزا ابراہیم بیگ مقتوؔل[1] اصل او از صفاہان و خودش در دارالخلافہ شاہجہاں آباد تولد ونشو ونما یافتہ۔ شاگرد میاں غلام ہمدانی مصحفی است۔ سلیقۂ شعر گوئی وفہمیدن درست دارد و در انشا پردازی ہم مہارتے بہم رسانده۔ شعر با صفامی گوید:

مطلب رہا نہ کچھ ہمیں دیر و حرم کے ساتھ اٹکا ہے دل اک ایسے ہی کافر صنم کے ساتھ
کل گھر سے جو وے سادی پوشاک پہن نکلے سو طرح کے اس میں بھی بے ساختہ پن نکلے
رنگِ شفق کی خاک میں مل جائے سب بہار جس دم وہ کھولے اپنے حنا بستہ ہات کو
بتاں جب کہ زلفِ دوتا باندھتے ہیں گرہ میں دلِ مبتلا باندھتے ہیں
میاں حالِ مقتوؔل دیکھا نہیں کیا کمر آپ کس پر بھلا باندھتے ہیں

مشتاؔق، قربان علی بیگ

قربان[2] علی بیگ مشتاؔق از سکنۂ دہلی۔ شاگردِ مرزا رستم بیگ شاکر است۔ جوانے سپاہی وضع، ظریف طبع است۔ ذہنِ تیز دارد:

---

1. مصحفی (ہندی) ولد مرزا محمود علی (نسخۂ رامپور۔ محمد علی) عمرش از سی متجاوز خواہد بود۔ 2. اصل میں حاشیے پر یہاں سے آخر تک۔

جانِ من شوق سے تو اپنے ہر ایک یار سے مل | پر کبھی اپنے بھی اس طالب دیدار سے مل
ایک دن جان تری جائے گی سن لے مشتاق | آ، کہا مان، نہ اب ایسے ستمگار سے مل

مبارزؔ، مبارز خاں

مبارز خاں مبارزؔ۔ از سکنۂ دہلی است۔ بارہا در مشاعرہ دیدہ شد۔ غزلِ طرحی بقدرِ استعداد و فکرِ خود سرانجام می دہد۔ نو مشق معلوم می شود۔ از گفتۂ اوست:

وہ[1] رشکِ گل ہمارا سیر کو جس وقت بن نکلے | تو ہر ہر رنگ میں کیفیتِ سیرِ چمن نکلے

مستؔ، فضل علی

میر فضل علی مستؔ تخلص۔ شاگردِ میر امانی اسدؔ۔ شعر دردمندانہ می گفت۔ ایں بیت ازو بتلاش بہم رسید:

یار سے کہیو یہ قاصد کہ جو آتا ہے تو آ | ہم نہ جائیں چلے دنیا سے یہ ارمان لیے

محزوںؔ

محزوںؔ تخلص۔ از دہلی است۔ مشق تازہ دارد و اکثر غزلِ طرحی مشاعرہ گفتہ می خواند۔ بہر حال بہتر می گوید:

اس قدر کیوں ہرزہ پھرتا ہے اب اے مجنوں بتا | کس طرف تیرا قدم گم کردہ منزل اٹھ گیا

مفتوںؔ، مرزا کریم بخش

مرزا کریم بخش بہادر مدظلہٗ مفتوںؔ تخلص سلاطینِ نامدار عالی وقار است۔ خاطر معنی یاب طبع بلاغت مآب دارد۔ مقطع غزلش بسمع نیاز رسید۔ بقلم عجز رقم سپرد:

مفتوں خمارِ بادۂ شب ہے تو پھر پیو | اک جام جا کے ساقی پیماں شکن کے پاس

---

[1] اصل/ق: وہ رشکِ گل مرا یارو اگر سوے چمن نکلے | تو اک عالم کے دل سے حسرتِ سیرِ چمن نکلے

مہر، مرزا رجب بیگ

مرزا رجب بیگ مہر برادر مرزا محمود بیگ زور جواں سپاہی وضع آراستہ طبع است۔ ایں مطلعِ دلچسپ از وست:

میں جاں بلب ہوں رونے دے اے نکتہ چیں مجھے　　آتا ہے یاد خالِ لب نازنیں مجھے

محزوں، غلام شاہ

غلام شاہ محزوں شخصے پیرزادہ ساکن قصبہ امروہہ۔ آنجا باستادی شہرت داشت۔ از چندے راہی ملک بقا گردید۔ بہرحال بفکرِ درست خود بتلاش و برجستگی می گفت:

اہلِ دنیا تو نہیں دیتے ہیں محزوں غم کی داد　　کوہکن کو خوابِ شیریں سے جگاؤں تو سہی

اسیر مرتے ہیں حسرت میں قتل کی سچ کہہ　　خدا کے واسطے کس دن عتاب ہووے گا

بے محابا چاک کرتا ہے گریباں کے تئیں　　کس کے آنے سے چمن میں گل کو سودا ہو گیا

ماہر، فخر الدین

○ فخر الدین خاں ماہر ساکن لکھنؤ خلف الصدق اشرف علی خاں فغاں شاگرد مرزا محمد رفیع سودا۔ بزرگانش باعزاز و اقتدار بسر بردہ اند۔ خودش در لکھنؤ بعزت و توقیری گذراند۔ کلامش برجستہ و پختہ است:

جو اس کے در پہ بیٹھے ہیں سمجھتے ہیں وہ در کس کا　　ہوئے جو اس کے آوارے سو کہتے ہیں کہ گھر کس کا

ملی اتنی نہ فرصت بھی کہ اٹھ کر مانگتے پانی　　ہوا تیرِ نگہ یوں آہ دل میں کارگر کس کا

مبتلا

مبتلا تخلص شاعرے از طبقۂ سابقین بود[1]۔ کلام بحسب رویۂ آں وقت در زبانِ خود می گفت:

خاک سر پر ڈال کر جاتا ہے صحرا کی طرف　　اے پری ٹک دیکھ آ کر اپنے دیوانے کو آج

---

1. اصل/ق: است۔ ○ اصل میں حاشیے پر۔

مائلؔ، کاظم علی

سید کاظم علی مائلؔ متوطن خیر آباد جوانے قابل و خوش نویس و خیلے مؤدب و مہذب بود۔ در عینِ شباب ازیں جہان فانی جدا گشتہ بمنزل جاودانی پیوستہ۔ شعرش ناخن بدل می زند:

شبِ ہجراں کی آہ ایک طرف　　لاکھ ابرِ سیاہ ایک طرف

مکارمؔ، مرزا مکارم

مرزا مکارم مکارمؔ از باشندۂ دارالخلافہ شخصے موزوں طبع بود۔ اشعارش بہ کلام پیشینیا مطابق است۔ این [1] مطلع او کہ البتہ ربط بزبانِ حال دارد مندرج گشت:

ادا بھائی ہمیں یہ اک تری ساری اداؤں میں　　جھجک کر، مسکرا کر، دیکھ کر مجھ کو لپٹ جانا

ملالؔ، محمد زماں

مرزا محمد زماں ملالؔ شخصے ذی اعتبار باوقار است۔ کلامِ باصفائش دردے دارد۔ ایں دو بیت از جملہ تصانیف اوست:

سحر شامِ ہجراں نہ کر جائیں گے ہم　　اگر ہے یہی غم تو مر جائیں گے ہم
بعد مرنے کے بھی دل کو مرے مضطر نہ کرے　　جب کہ مر جاؤں یہ کہدو کہ مژہ تر نہ کرے

محمودؔ

محمودؔ تخلص۔ [2] از قدما بزبان خود انچہ گفتن توانست تالیف ساختہ۔ چند غزلیاتش بمن درخورد ازاں یک بیت بقلم گذاشتہ بروزن رفع

لوگاں کہیں پتھر سے کچھ سخت نہیں ولیکن　　جو کوئی پیا سے بچھڑا وہ سخت ہی پتھر ہے

---

[1] ل: ایں مطلع مطابق حال اوست۔ [2] اصل/خ: شخص پنجابی۔

ملکؔ

ملکؔ از سخنورانِ قدیم بود۔ وضع درویشی داشت۔ بزبان پنجاب وبحسب رواج آن ضلع آنچہ موزوں دانست گفتہ:

تن من فدا کروں اس ہشیار ساقی اوپر — یک قطرہ مے چکھا کر جن بے خبر کیا ہے

موزوںؔ، خواجم قلی خاں

نواب خواجم قلی خاں بہادر موزوںؔ تخلص مردے ہفت ہزاری۔ برادر نواب بیگلر بیگی خاں مرحوم کہ ناظم صوبۂ برہان پور بود۔ از امراے عظام آصف جاہی بسیار صاحبِ شوکت وذی عزت۔ گاہ[1] گاہے بحینِ فراغِ کار متوجہ ریختہ گوئی می شد:

موزوںؔ نے راہِ عشق میں اب پھر رکھا قدم — ہے مصلحت سے دور نہ جانے کرے گا کیا

مخلصؔ، محمد حسین

مرزا محمد حسین مخلصؔ از باشندگان خطۂ پاک دہلی یار باش نیک قماش، پاکیزہ اطوار، خجستہ کردار تلاشی تازہ داشت وکلام بحسب رویۂ وقتِ خود می گفت۔ فدوی[2] ذکا ایں شعر رنگیں از تقریر دلپذیرش بہم رسانیدہ:

سرخ چیرا ہے نہیں خون کسی کا یارو — باندھنو باندھ مرے لال پہ بہتاں نہ کرو

منعمؔ، قاضی نورالحق

قاضی نورالحق منعمؔ ساکن سرکار[3] بریلی۔ خدمتِ قضاے آں[4] دیار بذاتِ ستودہ صفاتش متعلق است۔ مردے عالم وفاضل ومتشرع ومتبرک[5] وسید صحیح النسب۔ تصانیفش زیادہ از سہ

1۔ ل: گاہ گاہے ریختہ می گوید۔ 2۔ ل: ایں شعر از وست۔ 3، 4، 5۔ اصل۔ اضافۂ مولف۔ ’’سرکار‘‘ ’’آن دیار‘‘ ’’متبرک‘‘ ’’نمی اعزاز‘‘ ’’کلّی‘‘ بالترتیب۔

لکھ بیت است تفسیر تمام کلام اللہ مع شانِ نزول بمتانت وفصاحت از وموزوں یافتہ۔ ورائے آں قصایدِ عربی وفارسی وچند مثنویات وسہ دیوانِ غزلیات فارسی بکمال جودتِ طبع ترتیب دادہ واشعار مصنوعہ وغیر مصنوعہ ورباعیات ومخمسات از ذہن صافش سرانجام پذیرفتہ۔ دربدیہہ گوئی ہم یدطولیٰ دارد وبحسب اتفاق درسنہ 13 ہجری وارد دارالخلافہ گشتہ۔ بایمائے راجا پیارے لال مختار سرکار نواب ناظم الدولہ ارچیلڈ مشیر سیہن صاحب بہادر از حضورِ والا بعطائے خلعت و خطابِ عمدۃ الشعرائی [1] اعزاز وامتیاز کلی [2] بہم رسانید۔ بایں اوصاف مشروحہ باہر یک پرفق وعاطفت وخوش خلقی و گرم اختلاطی پیش می آمد بعد چندے باز بہ بریلی تشریف برد۔ چونکہ [3] بمکان راجا موصوف فروکش بود، وعاصی ذکا ہم [4] بسبب احدیت ہا اکثر بخدمت راجا موصوف مشرف می گشت آں زماں اتفاقِ دیدنش افتادہ بود۔ بہر حال شخصے بزرگ مستغنی الاوصاف بنظر آمدند۔ حکم کبریت احمر دارد وبہ ریختہ گوئی کہ درحقیقت ادنیٰ مرتبہ اوست گاہے متوجہ نمی شود۔ علی الرغم بعضے احباب بسبیلِ تذکرہ روزے ایں مطلع ارشاد فرمودہ۔ ازطبع وقاد راوست:

وہ نوک مژہ جب سے مرے دل میں گڑی ہے ایسی تو کھٹکتی ہے کہ جینے کی پڑی ہے

مہر، لالہ مہر چند

لالہ مہر چند مہر تخلص قوم کھتری متوطن ہندی آباد متعلقہ صوبۂ گجرات۔ دیوانِ ریختہ طبعزادِ خود مرتب ساختہ۔ ایں دو ابیات از افکار ندرت کردار اوست:

رقیبوں پر کرم، اشفاق ولطف ومہربانی ہے ہمارے نام سے اس سنگدل کو سرگرانی ہے
تری صورت کو یوسف سے جو دیں تشبیہ کیا نسبت وہ اول نقش تھا نقاش کا تو نقشِ ثانی ہے

منیر، میر وجیہ الدین

میر [5] وجیہ الدین منیر خلفِ والاقدر میر نصیر الدین نصیر جوان شایستہ وسلیم الطبع، لیاقت

1، 2 اصل۔ اضافۂ مولف۔ ''سرکار'' ''آن دیار'' ''متبرک'' ''نمی اعزاز'' ''کلّی'' بالترتیب۔
3 اصل/ق: درڈیرہ۔ 4 اصل۔ اضافۂ مولف ''ذکا''۔ 5 ل سے اضافہ۔

شعار، مروت وثار، حلیم الوضع است۔ اشعارِ خوش گفتارِ خود را بہ نظرِ فیض اثر والدِ بزرگوار خود می گذراند:

نکالو دل کو پیکانِ خدنگِ موجِ پُر کیں سے
چھڑاؤ اس کبوتر کو کوئی منقارِ شاہیں سے

وہ آوے کیونکہ یاں اے دیدۂ تر دل ترستا ہے
صفِ مژگاں پہ آنسو ہیں کہ چھاجوں مینہ برستا ہے

اٹھے دمِ خمیازہ کیا ہات وہ قامت پر
اک فتنہ سا ٹل بیٹھا میزانِ قیامت پر

خون کی دھاریں چھٹیں دل سے دل افگاروں کے
رونگٹے سن کے کھڑے ہو گئے خونخواروں کے

لکھ کے خوبیِ دہن غنچہ کا دم بند کیا
چشم کے وصف میں نرگس کو قلم بند کیا

کروں سیر چمن کیا نیش غم میں دل کھٹکتا ہے
کہ تجھ بن یک قلم نرگس کا دستۂ بھڑ کا چھتا ہے

تماشا دیکھ تو ہر لختِ دل سے چشم گدلی؟ کا
کہ سو ٹکڑے شفق کے ہیں اور اک عالم ہے بدلی کا

وہ شبیہ چشم عین اشکوں کی طغیانی میں کھینچ
دیکھ اے مانی یہ کشتی ہے، اسے پانی میں کھینچ

بل بے ظالم کہ بندھی خونِ دل افگار کی دھار
قتل سے تو نہ پھرا، پھر گئی تلوار کی دھار

وہ زخمی کیوں نہ چکر کھا کے قاتل خاک ہو جاوے
کہ جس کا سینہ شق ٹکڑے جگر، دل چاک ہو جاوے

ترے دنداں کے آگے کون ہے جو شان پکڑے ہے
کہ گوہر بھی صدف میں نام سن کر کان پکڑے ہے

بٹھاؤں کون سے تجھ کو بتِ بے پیر پہلو میں
ادھر خنجر ہے پہلو میں، ادھر ہے تیر پہلو میں

زیست عالم کی اے صنم ہے تو
لاکھ قالب میں ایک دم ہے تو

پھیر مت خنجر گلو پر تھام کر
دیکھتا کیا منہ ہے، اپنا کام کر

بن اس کے نہ کچھ سیر چمن بھی نظر آئی
اللہ رے طبیعت جدھر آئی اُدھر آئی

بھلا ہوا کہ نہ خواہانِ عز وشان ہوئے
جگر چھدا جو گہر کا تو ہم کو کان ہوئے

لیا، کر کے خوں کیا بتِ پُر جفا نے
کہ جاں ہم نے دی، ہاتھ رنگے قضا نے

قصیدہ مسمی بہ سراپا بہ قیدِ دو مطلع مداحی ہر واحد بہ تعداد پنجاہ و یک بیت تالیف نمودہ۔ بعضی اشعار ازاں می نگارد:

وہ ہمسر کیا ہی جوڑا مانگ سے ہے اک بلا سر پر
کہ زنگی لوٹتا مٹھی میں ہے برچھی اٹھا سر پر

جبینِ شوخ پر موتی کا ٹیکا کیا ہی موزوں ہے
کہ ہمسر ہے قمر سے آفتاب اک تازہ مضموں ہے

سرین دو ابرو دیکھ زاہد تمام سری کو | کہ دو چڑیاں عصائے نور بریں دستگیری کو
وہ ابرو ہیں کہاں ہے درد جو اس کی نزاکت سے | تو مو سے جھاڑتا ہے سرد و انگشتِ کرامت سے
پھڑکتا ابروے پیوستہ کیا ہے اس کی انکھڑی پر | کہ پر مارے ہے گر کر مرغِ ماہی گیر مچھلی پر
کہاں سرمے کا دنبالہ قریب چشم گلرو ہے | زباں باہر نکالے حسن کی گرمی سے ابرو ہے
تماشا ہے بہم پردے سے میں نے اس لب تر پر | کہ کنڈی باندھ کر بجری گرے ہے کیا کبوتر پر
وہ کانوں میں نقیس پہنے پری پیکر دکھاتا ہے | کہ بازو اپنے کھولے مرغِ زریں پر دکھاتا ہے
عجب رنگت سے پھرتی ہے زباں دندانِ دلبر میں | کہ مضطر ماہی رنگیں ہے گویا آبِ گوہر میں
کریں کیا ناف اور اس موکمر کا وصف ہم پیدا | کہ ہے نقشِ سمِ آہو سرِ راہِ عدم پیدا
وہ نافِ حلقہ زن دیکھی تو مضمونِ کمر پایا | لگی عینک جو یک چشمی نظر تاریک حرف آیا
کہاں سے ناف اس کی آنکھ اتنی لڑ گئی دیکھو | کہ بل کھا کر گرہ موے کمر میں پڑ گئی دیکھو

محمود

محمود[1] تخلص برادر زادۂ نواب اعظم الدولہ میر محمد خاں سرور عزیزے مؤدب و مہذب و مستعد ست اشعار خوش گفتار بہ نظر عموی بزرگواری گذراند چندے تلاشِ سخن می نماید و فکرِ تازہ دارد:

نہ دکھا زلف مار ڈال ہمیں | تن پر اپنے ہے سر وبال ہمیں
غم ہجراں میں اس کے مر ہی گئے | کیا میسر ہوا وصال نہیں
سرد مہری سے اس کی روتے ہیں | ہے زمستاں میں برشگال ہمیں
محتسب جو کہے ہے مے کو حرام | خون اس کا ہوا حلال ہمیں
ابروؤں کا کسی کی اے محمود | ہر گھڑی ہے زبس خیال ہمیں
چرخ پر بھی بصورتِ احول | نظر آتے ہیں دو ہلال ہمیں

مروت، میر محمد علی

میر محمد[2] علی مروت خلف میر بہادر علی محبؔ، ساکن شاہجہاں پور است۔ از چندے نو وارد.

1، 2 ل سے اضافہ۔

مشاعرہ گردید۔ غزلے طرحی سرانجام می دہد:

اپنے جانے کی نہ کچھ تو اشارت تو ابھی — جان تم کو نہیں ہونے کی (ہے) رخصت تو ابھی
منزلِ عشق نہ طے ہووے گی تجھ بن اپنی — چھوڑ مت جانِ حزیں تن کی اقامت تو ابھی

معظم، محمد معظم

مولوی [1] محمد معظم، معظم تخلص۔ ساکنِ مرادآباد۔ بسیار مستعد و مربوط گو و شاعرِ خوبِ فارسی و ریختہ۔ ایں اشعار از وست:

زلفوں سے گروہ کھولے تاتار و چین دونوں — یکدست مشکبو ہوں تاتار و چین دونوں
کہتے ہیں سب کہ بہتر اس تل سے ہے سویدا — پوچھے جو کوئی مجھ سے ہیں دل نشین دونوں
بامِ فلک سے تجھ کو دیکھیں ہیں چاند سورج — دن رات آنکھوں آگے رکھ دور بین دونوں

محمد شاہ خاں

محمد [2] شاہ خاں ساکن قصبۂ ہاپوڑ۔ گاہ گاہے بہ سخن طرازی مائل:

از بس کہ بس رہا ہے ظالم خیال تیرا — ہر جا پہ دیکھتا ہے مجھ کو جمال تیرا

میر باقر

میر [3] باقر تخلص از سیاداتِ اکبرآباد بودہ است۔ در عصرِ احمد شاہ بادشاہ بعلاقۂ روزگار بہ دہلی خوش می گذرانید:

میں تو بندہ ہوں ترے جور و جفا کا لیکن — سخت دھڑکا ہے مجھے اس دل سودائی کا
چاہ میں آئنے کی ہائے نہ ڈوبوں کیونکر — آب سر تک ہے چڑھا ناب کی رعنائی کا

ممتاز، شیخ احسان اللہ

مولوی [4] شیخ احسان اللہ ممتاز تخلص متوطن قصبۂ ادنام واقع ضلع پورب۔ استادِ فارسی است

---

1 تا 4: ل سے اضافہ۔

ہم ہندوی گواست:

بیجا ہے بہت جو تجھ کو ممتاز اندیشۂ صحتِ بدن ہو
مرغانِ اسیر کی خوشی ہے پنجرہ جو شکستہ و کہن ہو

مشتاق، تاج الدین

حافظ [1] تاج الدین مشتاق متوطن قصبۂ میرٹھ قوم بنی اسرائیل نبیسۂ مولوی غلام احمد میرٹھی۔ درایامِ طفولیت بعارضۂ چچک نابینا گشتہ۔ شروع شباب بہ سخن گوئی شد:

کوہکن و پرویز کو قصے اپنے سنانے دو — ہیں یہ دو ہی فسانے شیریں، ایک پری دیوانے دو
جو مصحف میں کل جستجو تھی کسی کی — سو وہ صورتِ خوبرو تھی کسی کی
پھولی بہار، تازہ ہوئے پھر یہ باغ و گل — لیکن ہماری چشموں میں اس بن ہیں داغ گل
شبِ فراق کی وحشت سے خواب بھاگے ہے — پلنگ پلنگ ہے اور بان بان لاگے ہے

---

1. ل سے اضافہ۔

ردیف النون

نظآم، نواب غازی الدین خاں

عماد الملک نواب غازی الدین خاں بہادر تزاید حشمۂ متخلص بہ نظآم، استعفای وزارت ہندوستان جہت نشان کردہ بسیر گلزمین دکن پرداختہ از ان جا متوجہ بولایت شدہ، عنصر لطیفش جامع علوم[1] در عہد ثروت و حشمت آں والا جاہ عالمی برفاہیت و آسودگی حال پرورش یافتہ[2]۔ فیاضی و نیکنامی باکناف جہاں رسیدہ کہ منحصر بہ بیان این ذکای ہیچمدان ندارد[3]۔ قادر زبان عربی و فارسی و ترکی است۔ اکثر اوقات بہ جودت طبع میل بہ تصانیف اشعار فارسی و ہندی و پہیلی و راگ ہامی فرماید۔ اشعاریکہ بسمع این خاکپای رسید بقلم در[4] آوردہ:

زلف کا کھولنا بہانا تھا ۔۔۔ مدعا ہم سے منہ چھپانا تھا

دل گرمی نگاہ سے بیتاب ہوگیا ۔۔۔ جب تک میں اس کو تھاموں، جگر آب ہوگیا

اللہ رے تیری گرمیِ طینت کہ وہ سرشک ۔۔۔ پہلی طپش میں روکشِ سیماب ہوگیا

نظر کا اپنی سر رہگذار باندہ دیا ۔۔۔ ترے تو رونے نے اے دیدہ تار، باندہ دیا

کمر تو ایک سر مو نہیں جو آئے نظر ۔۔۔ سخنوروں نے یہ مضموں ہزار باندہ دیا

دل اس طرح سے تری زلف میں ہے آویزاں ۔۔۔ شکار بند سے جیسے شکار باندہ دیا

کہیں ہے لختِ جگر ہے مرا گلِ دستار ۔۔۔ یہ باندھنو ترے سرکن نے یار باندھ دیا

بے مہر سے چاہ پوچھنا کیا ۔۔۔ گمراہ سے راہ، پوچھنا کیا

نگہ اس شوخ کی گر بحر میں ہوشست انداز ۔۔۔ حلق ماہی میں تیقُن ہے کہ جوں تیر ہو آب

ے تو یکطرف ہے ساقی تری فرقت میں جو ہم ۔۔۔ چاہیں ٹک حلق کریں تر، تو گلوگیر ہو آب

---

1 اصل/خ: دوجود شریفش منبع فضائل۔ 2 اصل/ق: وجہت حسن/ داری بجائے ''فیاضی''۔ 3 اصل۔ اضافۂ مولف ''قادر...... است۔ 4 ل: رسیدہ۔

مستقل سینہ میں آگ ہی جلتی ہے دیکھ — طپش دل سے مری جان نکلتی ہے دیکھ
میں تو بدلا نہیں، دل شرط وفا سے ہرگز — نگہ یار تو کیوں رنگ بدلتی ہے دیکھ
گرچہ ہے عمر کے خورشید کا پر تو روشن — آہ یہ دھوپ کوئی گھڑیوں میں ٹلتی ہے دیکھ
مرا سن گرغم دل، راہ میں سے تیر پھر جاوے — کماں ہو از سر نو حلقہ اور رہگیر پھر جاوے
قصور بخت ہے یہ تا کہ گردش ہے زمانے کی — کہ تو یکبارگی یوں ہم سے بے تقصیر پھر جاوے
ترے مہر و محبت کا بھروسہ ہے ہمیں پیارے — پھرے ہرگز نہ تو ہم سے، مگر تقدیر پھر جاوے
ہوا ہے اے ستمگر اسقدر تو مجھ سے روگرداں — کہ ہو کر سامنے میرے، تری تصویر پھر جاوے
ہمارے جامۂ کہنہ سے مے کی بو نہ گئی — سیاہی مو کی گئی، دل کی آرزو نہ گئی
وہ نگاہِ کرم چشمِ نیم خواب نرگس — دلکو نت دکھتی ہے بچشم کباب نرگس
بس اب اس سے مت زیادہ ہمیں دادخواہ کچھ — تمھیں اپنی ہی قسم ہے، ٹک ادھر نگاہ کچھ
صبح بہار ہوتی ہے جس طرح دلکشا — یوں میکشوں کے چاک گریباں پہ ہے بہار
گر شمع صفت آہ کرے مشتعل آتش — جوں پھلجھڑی اشکوں میں گرے ہو کے دل آتش
تجھ بن آرام یار ہے کس کو — تاب و صبر و قرار ہے کس کو
میں نہ کہتا تھا، آ شراب نہ پی — اب یہ رنجِ خمار ہے کس کو
دل تڑپے ہے اور دیدہ تکے راہ کسو کی — یارب نہ کسو جی سے لگے چاہ کسو کی
کہاں طاقت جو اک دم یاد سے دلکو جدا کیجے — کہاں خلوت کہ اپنا رازِ دل اس سے کہا کیجے
پھر چمن میں کون اس خوبی سے مست ناز ہے — جلوۂ گل جس کے آگے، فرش پا انداز ہے
ناز و ادا سے ان نے جب تیوری چڑھائی — سجدے کو آسماں نے گردن وہیں جھکائی
آپ ہی سب میں جلوہ پیرا ہے — خواہ مجنوں ہے، خواہ لیلیٰ ہے
بے[1] چین جو رکھے ہے تمھیں چاہ کسو کی — شاید کہ ہوئی کارگر اب آہ کسو کی
پونچھے نہ کبھو اشک وہ مغرور کسو کے — ہو جائیں اگر چشم[2] میں ناسور کسو کے[3]

---

1. اصل: برحاشیہ ہر دو اشعار۔ 2. اصل/ق: آنکھ۔ 3. اصل/ق مندرجہ ذیل شعر لکھ کر خارج کر دیا۔

آیا نہ کبھو خواب میں بھی وصل میسر — کیا جانیے کس ساعتِ بد آنکھ لگی تھی

نواب، بہو بیگم

نواب، بہو دام ظلہا کہ مشہور است ہمیں نام، صبیۂ نواب خانخاناں مرحوم، محل خاص وزیر الممالک نواب آصف الدولہ بہادر است۔ اکثر اشعار پر مضمونش[1] بسمع ذکا[2] رسیدہ۔ چونکہ علم خوب وطبع مرغوب وارد، در تلاش معنی رنگین ومضامین دلنشیں گوی فصاحت از میدان سخن می رباید۔ این اشعار از تالیفش مسموع می شود:

دل لگانے کا مزہ کچھ بھی نہ پایا ہم نے
شمع ساں داغ دل اپنے کا دکھایا ہم نے

بید مجنوں کی طرح آہ نہ پھولے نہ پھلے
باغِ دنیا سے ثمر کچھ بھی نہ پایا ہم نے

جا پھنسا دل زلف میں، چل سویئے
شام کے مردے کو کب تک رویئے

گل مقصود سے سب پھرتے ہیں دامان بھرے
ہم ہی اس باغ سے اک جاتے ہیں ارمان بھرے

نسیم، راجہ کدار ناتھ

راجہ کدار ناتھ بہادر نسیم تخلص، پسر اصغر[3] گوپال ناتھ بہادر[4] ونبیرۂ راجہ رام ناتھ[5] بہادر ذرہ، ساکن دار الخلافت شاہجہاں آباد از جملہ ارکانِ سلطنت ارثاً از آبا و اجداد مرزا[6] بر علاقہ پیشکاری نظارت عز اختصاص وشرف افتخار دارد۔ بسیار دانا وفہمیدہ وسنجیدہ وصاحب مروت وبا تمکنت وخوش خلق، شگفتہ جبیں، چسپاں اختلاط، مودت آگین، گاہگاہی بجہت تفنن مزاج مایل بہ ریختہ گوئی می شود وغزل[7] خود را بسمع محمد نصیر الدین نصیر میر ساند وتلاش تازہ دارد:

قتل ہاتھوں سے ترے یہ دلِ رنجور ہوا
دردِ سرزور کا تھا خوب ہوا دور ہوا

کب اشک مری چشم سے ابلتے ہیں
یہ ہم رقیب کی چھاتی پہ مونگ دلتے ہیں

وے جو بازارِ محبت میں دکاں رکھتے ہیں
دلمیں کب وسوسۂ سودوزیاں رکھتے ہیں

---

1 ل: مضمون آن۔ 2 اصل/ق: این ذرہ بے مقدار بجائے "ذکا"۔ 3 اصل/ق: کنور۔ 4 اصل/خ کہ غلام تخلص می بودند۔ 5 ل سے محذوف "بہادر ذرہ"۔ 6 ل: "مرزا" محذوف۔ 7 از شاگردانِ نصیر است۔

برق لے کیونکہ نہ تعلیم شرارت ہردم
گرمی حسن غضب شعلہ رخاں رکھتے ہیں

گھٹا کیونکر نہ اب اس دیدۂ گریاں سے گھر آئے
وہ برسے ایک دن یہ رات دن دریا سا برسائے

یہی ہے آرزو میرے خدا کاش اس کو بر لائے
کہ جیتے جی جدائی کا تری پھر دن نہ دکھلائے

قرار اب آج کل آنے کا کرتے ہو، میں بیکل ہوں
مجھے تم بن کہو پیارے، بھلا کس طرح کل آئے

شب اپنی بزم میں وہ مختلط غیروں سے بیٹھے تھے
یکا یک مجھکو واں وارد جو دیکھا وہیں بھرّائے[1]

کہا میں نے کہ بس صاحب کے بھی قول و قسم دیکھے
یہ سن کر چپ ہوئے اور سوچکر کچھ دیر شرمائے

نصیر، میر نصیر الدین

میر نصیر الدین دہلوی عرف کلو متخلص بہ نصیر سلمہ[2] الرحمٰن ابداً خلف ارجمند درویش صاحب کمال شاہ غریب آگاہ دل روشن احوال کہ نہایت نیک طینت و بزہد و تقویٰ آراستہ و باصلاح حال پیراستہ بود از شعرای اخص[3] پایہ تخت بادشاہ جم جاہ و مصلح اشعار اکثر شاہزادہ ہائے گیتی پناہ، بالفعل در بلدۂ خلد بنیاد شاہ جہاں آباد ہمچو او بباندانی خوش تقریر و سخنگوی دلپذیر[4] بسیار گو و خوشگو[5] بہم نمی رسد۔ شعرای[6] ہند بر شاعری او قائل ہستند و کلامِ او را معتبر و سند مکمل می شناسند[7] و دست آویز باطن می دانند و خلقی کثیر از انفاس متبرکہ اش بہرہ یاب و جمی غفیر از فیض بے منتہایش کامل نصاب۔ بیشتری شاگردانش بدرجۂ رشید فایز شدہ باستادی نام بر آوردند۔ بندہ ذکاؔ نیز خوشہ چیں خرمن سخن و غزلہ برخوان کلام اوست از زبان گوہر بیان خود شاگرد رشید لقبم فرمودہ[8]۔ در واقفیت محاورۂ اردوی معلّٰی و خیال بندی و تلاش معنی رنگین و استخواں بندی الفاظ و برجستگی و متانت کلام[9] ید طولیٰ دارد۔ چند نسخہ و دواوین از وسرانجام یافت و از استغنای مزاجش[10] بر باد رفت۔ حالا ہم بسیار ذخیرہ موجود

---

1. ل سخت گھبرائے۔ 2. ل: سلمۂ اللہ تعالیٰ۔ 3. اصل/ق: مخصوص۔ 4. اصل/خ: کہ باوصاف طرازی و مدح پردازیش زبانِ خامہ مصطوع اللسان بعجز و قصوری گرداند بہم نمی رسد۔ 5. اصل/خ: عدیلش دست ندہد۔ بسبب سیر مشق و زور استعداد صدہا غزلیات را بطرفۃ العین زینت اصلاح بخوبی می چنید۔ 6. ل: شاعرے استادی او۔ 7. شمارند۔ 8. اصل/خ: بلکہ ہمیں لقب مشہور ساختہ الاٰمّن آنم کہ من دانم۔ 9. اصل/ق: عدیل خود کمتر دارد۔ 10. ل: مزاج۔

وقصائد ومخمس ورباعی وغیرہ وغزلیات شاذ وآسان ہمہ خوب می گوید۔ علامہ ایست در عرصۂ سخن طرازی ویگانہ ایست در عالم معنی پردازی، بقالب الفاظ جان معنی می دہد ومعانیش چوں ابروی شاہداں بادائی می خمد۔ شعرش بادشاہ پسند وفکرش الوند اگر بدیں سرمایہ کوس ملک الشعرائی زند بجاست ہمواگرلمن الملکی نواز دسزا است[1] بخیال شاگردی ومظنۂ خاطر حاسداں دراوصاف نویسی او طول نکردہ ام بلکہ بہ قیاس واقفین وعاقلان اہل یقین بہ اختصارش پرداختہ ام۔ جملہ اشعار منتخب اورا اگر دریں نسخہ می نگاشت، کار بطوالت می کشید لہٰذا از آں درگذشتہ بہ ترقیم برخی از اشعار آبدار آں استاد خوش کلام خوبی التیام زبان کلک نیاز سلک راسواد پذیر میگرداند:

پہلو میں رکھ اس تیر کے پیکانِ کا لوہا — اے دل وہ نگہبان ہے تری جان کا لوہا
نکلتی تھی دم تیشہ زنی کوہ سے آواز — فرہاد یہ دشمن ہے تری جان کا لوہا
جنگجو، رکھا نہ کر تو تیر سیدھے ہات میں — دستِ چپ میں رکھ سپر، شمشیر سیدھے ہات میں
قدم نہ رکھ مری چشم پُر آب کے گھر میں — بھرا ہے نوح کا طوفان، حباب کے گھر میں
کہے ہے دیکھ کے وہ عکس رخ بساغر مے — نزولِ ماہ ہوا آفتاب کے گھر میں
مدام رند کریں کیوں نہ آستاں بوسی — حرم ہے شیخ مشیخت مآب کے گھر میں
ہمارے دل میں کہاں آبلے ہیں اے ساقی — چُنے ہوئے ہیں یہ شیشے شراب کے گھر میں
تڑپ کو دیکھ مرے دل کی برق آتشباز — خجل ہو چھپ گئی آخر سحاب کے گھر میں
دلا نہ کیونکہ کروں اختلاط کی باتیں — حجاب کیا ہے اب اس بے حجاب کے گھر میں
نصیؔر دیکھ تو کیا جلوۂ خدائی ہے — ہمارے اس بتِ خانہ خراب کے گھر میں
ندونسبت صفا کیشو، گہر کو میرے آنسو سے — کہ وہ ہے آب نیساں سے بنا، یہ دل کے لوہو سے
کب اس میں طفل اشک کو رہنا قبول ہے — گھر چشم کا جو ہے سو مکان نزول ہے
پھریں گے گردش کے دن جو دلبر ادھر ہمارے ادھر تمہارے — لگا ہی منہ سے رہے گا ساغر ادھر ہمارے ادھر تمہارے
علاج اپنا کر ہاتھ ملتی ہے کیا — حنا تجھ کو خونی بواسیر ہے
خوف زلف یار جھٹ مانا ہے کنکارات نے — کہکشاں سے لے لیا دانتوں میں تنکا رات نے

---

1 اصل/ق: بسبب شاگردی دراوصاف؛ ل: بزبان گوہر فشانِ خود شاگرد خواندہ، چند نسخہ۔

چڑھائی چادر مہتاب شب میں کتنے جیحوں پر
کٹورا صبح دوڑانے لگا، خورشید گردوں پر

گرمی بازار آہ دیکھ دلا اور ہے
کل کی ہوا اور تھی، آج ہوا اور ہے

سب سے ہلاؤ ابرو ہم سے نفاق رکھو
اس دوستی کو اپنی بالائے طاق رکھو

سحر جو تو، لیے جام شراب ہوتا ہے
غریق خوں شفق آفتاب ہوتا ہے

قبا دیکھی ہے پھلکاری کی شب کس ماہ پارے کی
فلک جو کاڑھنے سیکھا ہے بوٹے چاند تارے کی

خال رخ ان نے دکھایا نہ دو بارا اپنا
چندے اک اور ہے گردش میں ستارا اپنا

دہن کو دیکھ ترے ہے یہ رنگ غنچے کا
کہ قافیا ہے گلستاں میں تنگ غنچے کا

قیامت آپ کا قد اس کے دلپذیر ہوا
چھڑی لے سرو چمن بینوا فقیر ہوا

کمان وتیر نمط ربط تھا بہم اس سے
جب ان نے آپ کو کھینچا، میں گوشہ گیر ہوا

لگا کیا عکس ابرو دیکھنے دلدار پانی میں
بہم ہر موج سے چلنے لگی تلوار پانی میں

مدام دستۂ نرگس سر مزار رہا
کہ بعدِ مرگ بھی تیرا ہی انتظار رہا

رات اس بت کا ہوا بوسۂ رخسار نصیب
جھوٹ بولوں تو خدا کا نہو دیدار نصیب

آپ کا خط منہ پہ کہدو، آنے اب آویں نہیں
ہم سیہ بختوں کو باغِ سبز دکھلاویں نہیں

مت لپیٹو زلف کو، دل کو مرے آرام دو
برسرِ گور غریباں پھولنے تک شام دو

ہوا ہے تیرے ہاتھوں سے جنوں فاش اس قدر پردا
کہ دامن میں ہے کچھ باقی نہ آتا ہے نظر پردا

دل میں ہے کیا جانیے کس کا خیالِ نقش پا
لگ گئیں آنکھیں زمیں سے جو مثالِ نقش پا

پشت لب پر ہے ترے یہ خط ریحاں ایسا
منہ تو دیکھو، لگے یاقوت رقم خاں ایسا

مکیں پر نام تیرا جلوہ گر ہے
مٹے کیونکر یہ نقش کالحجر ہے

میں نے بٹھلا کے جو پاس اسکو کھلایا بیڑا
قتل پر میرے رقیبوں نے اٹھایا بیڑا

یوں دل صد چاک کو مت دیدۂ تر بیچنا
یہ گل پژمردہ ہے اسکو چھڑک کر بیچنا

اس مہروش سے کہیو تیغا سنبھال باندھے
خورشید آفتابی پھرتا ہے ڈھال باندھے [1]

کہہ کے اس شوخ نے یہ کھول دیے ہات شتاب
طایرِ رنگ حنا اڑ گیا ہیہات شتاب

---

1. اصل/خ: کیا عجب گر چشمِ تر سے خون ٹپک کر رہ گیا / بادۂ گلگوں کا ساغر تھا، چھلک کر رہ گیا

نہیں اودی تری بسمہ کی رضائی سر پر ‌ ‌ ‌ مہ جبیں رات ہے تاروں بھری آئی سر پر

آبلا اور داغ ہے سینہ میں فانوس اور چراغ ‌ ‌ ‌ جلوہ گر ہے دل کے آئینے میں فانوس اور چراغ

کروں جوڑے کا تصور کہ خیال سے گردن ‌ ‌ ‌ زندگی ہوگئی اے جان وبالِ گردن

ہوا سے زلف یکسو ہو تو خالِ[1] رخ دمکتے ہیں ‌ ‌ ‌ کبھو بدلی گھر آتی ہے کبھو تارے چمکتے ہیں

گہر کنپھول کے کانوں میں کیا تیرے چمکتے ہیں ‌ ‌ ‌ یہ باغ حسن میں انگور کے خوشے لٹکتے ہیں

نصیرؔان جامہ زیبوں کے گریباں گیر ہم ہونگے ‌ ‌ ‌ سر لوح مزار عاشقاق دامن جھٹکتے ہیں

بیادِ خال بتاں اشک کیا نکلتے ہیں ‌ ‌ ‌ مسافر آج یہ تاروں کی چھاؤں چلتے ہیں

بہت ہے گرمی بازار آہ طفل سر شک ‌ ‌ ‌ نکل نہ گھر سے کہیں، دن یہ جلتے بلتے ہیں

عجب پھری ہے زمانے کی کچھ ہوا یارو ‌ ‌ ‌ جو غیر ہیں انھیں پنکھا خوش ہو کے جھلتے ہیں

اور ایک ہم جو ہوا خواہ ہیں، سو دھوپ میں آہ ‌ ‌ ‌ کھڑے ہوئے پس دیوار کب سے جلتے ہیں

مت ستا اے زلف آغا عاشق دلگیر کو ‌ ‌ ‌ سرکشی کو چھوڑ کافر مان اپنے پیر کو

سر مژگاں سے وقت نالہ آنسو کو ترستے ہیں ‌ ‌ ‌ یہ سچ ہے جو گرجتے ہیں وہ بادل کم برستے ہیں

نکلنا آنسوؤں کا یہ نہیں بے وجہ اے ظالم ‌ ‌ ‌ سمجھنا اور مت جی میں کہ یوں ہی مجھ سے ہنستے ہیں

ترے کوچے میں ماتم برپا کریں گے دیکھنا طوفاں ‌ ‌ ‌ جلو میں آج اپنے فوجِ ورّانی کے دستے ہیں

روز کہتے ہو یہی آج کی شب ٹھہرے گی ‌ ‌ ‌ دیکھیے تم سے ملاقات کی کب ٹھہرے گی

چندے اس زلف سے قطرے جو جھڑے پانی کے ‌ ‌ ‌ پڑ گئے سنبل پیچاں پہ گھڑے پانی کے

باغ میں کس کے شہیدوں کی یہ ہے نذر سبیل ‌ ‌ ‌ بھرے شبنم سے جو غنچوں نے گھڑے پانی میں

ٹھہر جانا مژہ پر اس دل سوزاں کا آفت ہے ‌ ‌ ‌ کہ خورشید ایک نیزہ پر جب آیا پھر قیامت ہے

شبدیز ناقہ پر جو چڑھا وہ کٹار بند ‌ ‌ ‌ تارِ نظر سے ہم نے بنائے شکار بند

کس کی نگہ نے جلوۂ برق اب دکھا دیا ‌ ‌ ‌ آنکھیں جو اپنی ہوگئیں بے اختیار بند

ہیں لختِ دل کے سخت[2] تواڑے چھٹے ہوئے ‌ ‌ ‌ آنے سے کب ہے قافلۂ اشک یار بند

دریائے چشم پر ہے گذارا لگا ہوا ‌ ‌ ‌ ہوتا نہیں ہے گھاٹ یہ لیل و نہار بند

---

1 ل: خال و رُخ۔ 2 ل: سرخ نواری۔

تیرے آنے کی خبر گر گل شاداب، اڑے
بیضۂ غنچہ سے اک بلبل بیتاب اُڑے

میری تربت پر چڑھانا ڈھونڈتا ہے کس کے پھول
تیری آنکھوں کا ہوں کشتہ، رکھ دے دو نرگس کے پھول

کر کے آزاد ہر آں شہپر بلبل کترا
آج صیاد نے اک اور نیا گل کترا

کہے ہے سایۂ مژگان کو دیکھ قاصدِ اشک
کہ چھپ گیا مجھے دریا ہی کے کنارے دن

کہے ہے شمع یہ محفل میں پروانے سے رو رو کر
چلا آتا ہے اے دلسوز سر پر وقت رخصت کا

جو روشن دل ہیں ان کو زندگی و مرگ یکساں ہے
مگر اتنا تفاوت ہے کہ یاں سے واں سرک بیٹھے

یار کی گلی میں تو جا کے بیٹھ مت رہنا
حال پر مرے رکھنا چشم مہربانی یاں

قاصدِ سرکش اتنی تجھ سے عرض ہے اپنی
کھائے گر وہاں رانا، آکے پیجو پانی یاں

مردماں کیا دیکھتے ہو یہ نہیں لخت جگر
کچھ مرے ہمراہ اشک دیدۂ نمناک سرخ

دل نے فوج عشق سے اس کی جو پائی ہے شکست
لیچلے ہیں تھیلے اب، ہرکارہ ہائے ڈاک سرخ

بچاک قفس کیا یہ صیاد نے اب
رکھی توڑ کر شاخ خمدار گل ہے

تری خوش نصیبی یہ مرتا ہوں بلبل
میسر قفس میں بھی دیدار گل ہے

کوئی نہیں کہتا یہ نے قلیان کو
فریاد و فغاں میں دیکھ، سرگرم نہو

دم عشق کا کیا بھرے ہے اے سوختہ جاں
آتی ہے ترے منہ سے ابھی دودھ کی بو

برقعہ میں نہیں ہے اس کے جالی
ٹک دیدۂ غور سے تو جھانکو

کھینچے ہے وہ شوخ جنتری میں
تار رگ جان عاشقاں کو

دیجیے دل میں جگہ کیوں آہِ بے تاثیر کو
جس میں پیکاں ہی نہ ہو، رکھنا ہے کیا اس تیر کو

گل تو ترے چہرے کے برابر جو نہ پایا
غنچہ نے بھی ہنسکر اسے چٹکی میں اڑایا

بندھا ہے یار کے لب کا تصور عہد پیری میں
بجا ہے مجھ کو رکھنی ہاتھ میں عناب کی لکڑی

مضموں سے یہ فیضیاب معنی تو ہے
ہر نقطہ کا اک کتاب معنی تو ہے

کہتے ہیں جسے صحیفۂ عشق نصیر
وہ نسخۂ انتخاب معنی تو ہے [1]

---

1 اس کے بعد ''مخمسات در مدح راجہ پیارے لال گفتہ معرفت ایں عاصی انواع المعاصی ملاقی گشت راجہ موصوف بدرجۂ کمال از و محظوظ شد و سر ملاقات ہمچو کسِ عدیم النظیر را بسبب اینکہ خود قدر (بقیہ صفحہ آئندہ)

قصیدہ در تعریف باغ گفتہ بشاہ نظام الدین احمد قادری ناظم صوبہ دار الخلافت شاہ جہاں آباد گذرانیدہ صلہ جائز یافتند[1] بیتے ازاں می نویسد:

ہوا پہ چھوڑ کے چمن کو تار بارش سے ۔ جو دیکھا حضرت باری بھی دیکھتے تھے بہار[2]

دل کا کیا مول بھلا زلف چلیپا ٹھہرے ۔ تری کچھ گانٹھ گرہ میں ہو تو سودا ٹھہرے

قد ترا نے سرو، نے شمشاد ہے ۔ مصرعِ بر جستۂ استاد ہے

فلک پہ دیکھ مرے دود آہ کا ٹکڑا ۔ گھٹا ہے شرم سے ابر سیاہ کا ٹکڑا

میں کشتہ اس کے خط سبز کا ہوں، رکھ دینا ۔ مرے مزار پہ اک برگ کاہ کا ٹکڑا

اسقدر بوقلموں ہے یہ ترے تیر کا پر ۔ کیجے قربان ہر اک مرغ ہوا گیر کے پر

بے وجہ یہ دل، زلفِ گرہ گیر میں الجھا ۔ دیوانہ شامت زدہ، زنجیر میں الجھا

ڈھونڈتا پھرتا ہے جو اس مہر عالمتاب کو ۔ ہو گیا شاید رتوندا دیدۂ مہتاب کو

کہاں سے خو یہ الجھنے کی نازنیں پکڑی ۔ خطا ہوئی جو تری زلف عنبریں پکڑی

دل جلوہ گاہ صورتِ جانانہ ہوگیا ۔ شیشہ یہ ایک دم میں پری خانہ ہوگیا

شیشے دھرے ہیں واں مرے دلبر کے آس پاس ۔ یاں آبلے ہیں اس دلِ مضطر کے آس پاس

سر اپنا خاک سے محشر کو جب بلبل نکالے گی ۔ بجائے نامۂ اعمال برگِ گل نکالے گی

مرقدِ فرہاد پر کیا چاہیے ہے قبر پوش ۔ حشر تک کافی اسے یہ دامن کہسار ہے

تیر[3] پیکاں سے نہ چھوڑا ایک بھی آفاق میں ۔ روز و شب ترکش ہی باندھے ترکِ چشم یار ہے

نہ اس وجہ آئینہ ہر آن دیکھو ۔ یہ ڈر ہے نہ ہو جاؤ حیران دیکھو

کس گنہگار کے نامے کا ہے دلبر کاغذ ۔ تو جو قینچی پہ چڑھاتا ہے یہ لے کر کاغذ

(باقی صفحہ گذشتہ کا) شناس بود از قبلہ عنایات الٰہی دانست فی الواقع خوب گفتہ''۔ لیکن حاشیہ پر یہ عبارت لکھ کر یہ مخمس خارج کر دیا ''مخمسات ہذا از تذکرہ حذف کردہ شد۔ باشتباہ ایں کہ شاید میاں نصیر بنام کسے دیگر گفتہ باشد۔ فقط ذکا''۔

1 اصل/ق: منجملہ اش ایں ابیات در ینجا ثبت افتادہ؛ ل: بیتے از وست۔ 2 اصل/خ۔

وہ خوب ہے دلِ آتش پرست میں تیرا ۔ برنگ شمع جلاتا ہے رشتۂ زنار۔ 3 ل: تیر مژگاں۔

کس دوانے کی ہوئی محوِ تماشا زنجیر
صورتِ چشم بنی ہے جو سراپا زنجیر

تیری آنکھوں کو ہے کیا سرمے کی تحریر سے کام
پاؤں میں رکھتے نہیں آہوے صحرا زنجیر

پاؤں کیونکر ترے کوچے سے اٹھاؤں اپنا
ہاتھ سے ضعف کے ہے ہر رگِ اعضا زنجیر

اگر ملے وہ کبھو مہربان دریا پر
خضر! چڑھائیں گے ہم پھول پان دریا پر

تنک آبرو یہ اشک کی اے دیدہ! دیکھنا
ہوگا یہ طفل شوخ جہاندیدہ دیکھنا

رکھ آئنہ نہ میرے رخِ زرد کے حضور
بن جائے گا یہ برگ خزاں دیدہ دیکھنا

گر اس کے انتظار میں مرجاؤں گا نصیر
نرگس مرے مزار پہ روئیدہ دیکھنا

غنچوں کی کھولے ناخنِ موجِ صبا گرہ
ہیہات میرے دل کی نہ ہو تجھ سے وا گرہ

رکھتے نہیں ہیں بحرِ جہاں میں حباب دار
دل میں کسی کے ساتھ یہ اہلِ فنا گرہ

برق چشمک جو کبھو جانب گلشن مارے
اخگر گل پہ صبا گوشۂ دامن مارے

ناز بو گل کی جگہ اس کے اُگے مرقد پر
خنجر ناز سے تیرا جسے جوبن مارے

جلوۂ قامت نہ دکھلا یار کا اے چشم تر
عالمِ بالا پہ دل کے دیکھ مت تنخواہ کر

اٹھ کہیں بیدار ہو کس نیند سوتا ہے نصیر
ہے سفر در پیشِ غافل، فکرِ زادِ راہ کر

قامت موزوں پہ اس گلبدن کے رونگٹے
ہوگئے یکسر کھڑے سروِ چمن کے رونگٹے

عشق میں کب پاؤں دیکھ رکھنے سے زوالِ شمع ہے
کٹ کے سر پھر تن سے نکلے ہے کمالِ شمع ہے

مو بمو دیکھے جو زلفِ بتِ مغرور دراز
رشتۂ عمر ہو تیرا دلِ رنجور دراز

واں تو دامن ہے ترا اے بتِ مغرور دراز
یاں ہے دستِ ہوس عاشق مہجور دراز

اے مسیحائے زماں، آ، سرِ بالیں کہ ترا
پاؤں، رنجور کرے ہے طرفِ گور دراز

ہم نے جوں نقش قدم وادیِ الفت میں نصیر
بیٹھے بیٹھے ہی کیا طے، سفرِ دور دراز

ناوکِ آہ دلِ گوشہ نشیناں سے بھی ڈر ❖
کھینچ مانند کماں آپ کو مت دور دراز

❖ل سے اضافہ۔

نعیم، شیخ محمد نعیم

شیخ محمد نعیم متخلص بہ نعیم مردے سپاہی وضع ساکن دارالخلافہ شاہجہاں آباد[1]۔ از چندے بہ دارالبقا شتافتہ۔ وے از سخن گویانِ قدیم معاصرِ مرزا محمد رفیع سودا بود۔ اشعارِ خود را بہ نظرِ شیخ ظہور الدین حاتم گذرانیدہ۔ کلامش خالی از لطف نیست:

پایا جو دل نے زلف میں آرام، رہ گیا
جس جا ہوئی غریب کے تئیں شام، رہ گیا

کرنے لگے جہان میں ہم آ کے کچھ کا کچھ
آئے تھے جس کے واسطے وہ کام، رہ گیا

گر پردہ اٹھا دیجیے اس پردہ نشیں کا
کھل جائے والسمات ابھی چرخ و زمیں کا

کوچۂ یار سے دل، ہم سے اٹھایا نہ گیا
مل گیا خاک میں اس طرح، کہ پایا نہ گیا

خط یار کل جو پڑھا میں بس، گلہ شکوہ اس میں ہزار تھا
نہ سلام تھا نہ پیام تھا نہ وہ عہد تھا، نہ قرار تھا

ہمیں یہ امید نہ تھی، صبا کہ یہ خاک یوں اڑے جا بجا
ترے در بدر کے اڑانے کو، بھلا کیا مرا ہی غبار تھا

آفت کی نشانی ہے رہے ہم تو زمیں پر
جو سنگِ بلا چرخ سے آیا، سو ہمیں پر

آنکھوں میں تجھ بغیر اب اے خوبیِ بہار
یہ سبزہ نو دمیدہ تجھے نوکِ خار ہے

بن دیکھے اس کے جان نہ دوں گا میں اے اجل
مدت سے مجھ میں اس میں ہوا یہ قرار ہے

یار تو کل ہم سے ملا تھا نعیم
لیک حجاب آہ، دغا کر گیا

کچھ تو اُدھر شرم سے بولا نہ وہ[2]
کچھ میں ادھر آپ حیا کر گیا

نثار، محمد امان

محمد امان نثار پسر سعادت اللہ صابر کہ بزرگانش در علمِ ریاضی و ہندسہ کمال[3] داشتند و در[4]

---

1. اصل/خ: بود۔ 2. ل: معمار۔ 3. ل: کمالیت۔ 4. اصل/ق: درفنِ معماری دستی دارد و در زمرۂ ہم پیشگاں پیش دستی می نماید۔ بزرگانش دریں فن کامل بوداند۔ جامع مسجد شاہجہاں آباد کہ بالفعل بر روے زمین ہیچ او مکانے دیگر نیست، گویند کہ بتدبیر بزرگان وے ساختہ شدہ و بر آنند کہ قلعہ مبارک و جامع مسجد تعمیر کردۂ مسمی ہیرا معمار است کہ اہم شخصے بود و بنگاہ ملکہ پسند خاطر ارفع اقدس اعلیٰ گردید (بقیہ صفحہ آئندہ)

فن معماری کامل بودہ اند۔ جامع مسجد شاہجہاں آباد کہ برروے زمیں مکانے[1] عدیم النظیر است، گویند کہ بید کاملۂ بزرگان وے ساختہ شدہ وبعضے برآنند کہ قلعۂ مبارک وجامع مسجد معمرۂ[2] مسمی ہیرا معمار است کہ او ہم[3] شخصے کامل بودہ درخوبی ولطافت دریں فن صناعت عمدہ سرانجام داد مخلص[4] را از واتفاقِ درخوری نیفتادہ بکلامش آشنائی[5] دارد۔ اول درسرکار نواب مجد الدولہ بہادر بصیغۂ معماری نوکر بود۔ ازاں بعد درسرکار امیر الامراء نواب ضابطہ خاں بہادر وپس[6] ازاں درلکھنؤ بسرکار راجہ ٹکیت راے بہادر بصیغۂ معماری ملازم شدہ۔ درلکھنؤ ایام[7] بکامِ دل بسر می برد۔ شاگرد شیخ ظہور الدین حاتم است۔ بیشتر اشعارش بہ استخواں بندی وپختگی وخوبیِ تلاش وفصاحت الفاظ[8] لاثانی است ایں اشعارِ رنگین کہ از طبعزادِ آں خوش فکر فصیح[9] البیان شیریں زبان است، مرقوم خامہ العبادی گردد[10]۔

بوسے سے لعلِ لب کے محروم ہی رہا دل ٭ گلقندِ آفتابی بیمار تک نہ پہنچا

بخش دو خون دل اپنے شہیدانِ وفا ٭ تا کہ شرمندہ نہ قاتل ہو مکافات کے وقت

(باقی صفحہ گذشتہ) زیرِ خطیر درجلدوی حسین تدبیر نمایاں وساختگی عماراتِ عدم النظیر ہیرا معمار شایان انعام شد۔ معمار مذکور، تمامی برادران ہم پیشہ خود را از دور ونزدیک فراہم آوردہ ضیافت عمدہ سرانجام داد ودرہم چشمانِ خود نامے پیدا کرد ومصدر تحسین وآفرین گردید۔ برسبیل مذکور ہمگی برادرانش از نزاکت وصفائی عمارت وحسن تدبیرات دی سخن می راندند کہ دریں اثنا شخصے ازاں فریقِ ثانی منافی ایں کار سرگروہ جملہ ہا بودو ہمہ با استادِ خود دانستہ برگفتہ اش اعتبار کلی می داشتند، ملا محاسی گفت کہ تو ہمہ خوب ساختی ودر فراست عقل و فراخی حوصلہ واستادی تو شکن نیست۔ الا در جامع مسجد قباحتی عظیم واقع شدہ کہ خدانخواستہ اگر مخالفے توپ را بر بروج آن چسپانید منجنیقی بجانب قلعہ مبارک سرکند می تواند شد واللہ اعلم۔ بحقیقت حال۔ القصہ تخلص را با محمد امان خاں نثار اتفاق درفوری............۔

1 ل: مکانے مستغنی الاوصاف وعدیم النظیر۔ 2 معمر۔ 3 ل: او ہم دریں فن شخصے کامل بودہ۔ 4 اصل/خ: القصہ۔ 5 آشناست۔ 6 ل: بعد ازاں۔ 7 ل: آرام بخوبی برد۔ 8 اصل/ق: عدیم النظیر است۔ 9 ل: فصیح البیان است۔ 10 باقی اشعار حاشیے پر؛ اصل: می گزرد کہ واضحا اشتباہ است متن تصحیح قیاسی۔

دل پر خیالِ زلفِ ستمگار کی نشست — یوں ہے کہ جیسے گنج پہ ہو مار کی نشست

رستہ تمام بند کھڑا ہے نظر تو کر — لائی ہے کیا غضب تری بازار کی نشست

سرمے کا چشم مست میں ہے خال عارضی — یا میکدے میں ہے کسی میخوار کی نشست

پیارے اٹھادوں صفحۂ مجلس سے یک قلم — حرف غلط کی طرح سے اغیار کی نشست

آج اس قدِ رعنا کی ادھر آمدنی ہے — اب سروِ قیامت ترے سر آن بنی ہے

ہم جن بتوں کی خاطر زنار باندھ بیٹھے — وے قتل پر ہمارے تلوار باندھتے ہیں

دن وصل کے رہتا ہے مجھے ہجر کا دھڑکا — عالم میں بقا کے مجھے آتی ہے فنا یاد

رات بہکی جو زباں یار کی مے نوشی میں — جو نہ کہتا تھا کہا عالمِ بے ہوشی میں

اب تو ملنے کی نہیں تم سے ہماری آنکھیں — وہ نہیں، ہم سے رہیں جان! تمھاری آنکھیں

واللہ بہار ہوگی نثار اس کے جلو میں — جس راہ سے اس بت کا گذر عید کے دن ہو

کیا بلا زلفِ گرہگیر ہے سبحان اللہ — ہائے کس وحشی کی زنجیر ہے سبحان اللہ

غلخال کی آواز ہے اعجازِ مسیحا — تھے خوابِ عدم میں، سو وہ ہشیار ہوئے ہیں

جانے کا اپنے نام نہ لو تم زبان سے — تم شہر سے گئے تو گئے ہم جہان سے

چہرے سے مت نقاب اٹھا تو کہ آفتاب — بیتاب ہو کے گر نہ پڑے آسمان سے

کل عید کو بھی ہم سے نہ اس کو ملا دیا — اتنا بھی ہو سکا نہ کسی مہربان سے

جوں گردِ کوے یاراں آنکھوں میں آکے بیٹھ — جوں سرمہ اس مکان میں ٹک دل لگا کے بیٹھ

اس کے ہاتھوں سے لگی رہتی ہے دن رات حنا — خوب دنیا میں بسر کرتی ہے اوقاتِ حنا

دسترس ہم کو نہیں جن کے قدم تک ان کے — تو پڑی ہاتھوں میں کھیلے، تری کیا بات حنا

گذرا مرے غبار سے دامن سنبھالتا — کیا خاک اپنے دل کی میں حسرت نکالتا

دل دے کے تجھے، عشق کا آزار خریدا — غنچے کے عوض ہم نے عجب خار خریدا

کیا جامۂ پھلکاری اس بر میں پھبن کا تھا — جو تختۂ دامن تھا، سو تختہ چمن کا تھا

ہم آگے ہی سمجھے تھے تم گھر کو سدھارو گے — جس وقت گجر باجا، ماتھا وہیں ٹھنکا تھا

مٹھی میں، کہہ تو کیا ہے تری، اے نگار بند — ہے طائرِ حنا، کہ دلِ بیقرار بند

اے محتسب نظر کی تو نے اگر سبو پر
سنتا ہے مر مٹیں گے ہم اپنی آبرو پر

ہاتھ پھیرا جو میں اس شوخ کے رخساروں پر
دیکھ کر غیر لگا لوٹنے انگاروں پر

یاں گریۂ خونیں سے ہے یہ رنگ، مژہ پر
ہر اشک ہے گویا گلِ اورنگ، مژہ پر

شیشۂ مے رات کو لائے دوشالے میں چھپا
ہے نیا مضموں یہ پشمینے میں فانوس و چراغ

ہم سے ہو زر و سیم کی تدبیر سو کیا خاک
دنیا میں بڑی چیز ہے اکسیر، سو کیا خاک

گزرتا ہی نہیں اس کے مزاجِ لا ابالی میں
کہ بیٹھوں اپنے عاشق کے کبھو آغوشِ خالی میں

کچھ مجھے اب زندگی اپنی نظر آتی نہیں
ہم نشیں مدت ہوئی اس کی خبر آتی نہیں

اسے خدا نے بنایا ہے ناز کرنے کو
ہمیں دیا ہے دل اس کی، نیاز کرنے کو

خیالِ گل رخاں دل میں جگہ پاوے تو پانے دو
یہ دولت خانہ اس کا ہے اگر آوے تو آنے دو

اس آئنہ طلعت کی اب مجھ سے یہ صورت ہے
ظاہر میں صفائی ہے باطن میں کدورت ہے

اس دل کو نہ چھوڑا ترے کاکل کی بلا نے
ہر چند ہوئے جمع زمانے کے سیانے

زخمی کو محبت کے ہر طرح سے راحت ہے
گرنون بھی تو چھڑکے تو سنگِ جراحت ہے

خداوندا بھلا کیونکر مجھے یوں صبر و تاب آوے
نہ آپ آوے، نہ خط بھیجے، نہ نامے کا جواب آوے

مجھ میں اور اس میں غرض کیا، کہ لڑائی ہوگی
یہ ادائی [1] کسو دشمن نے اڑائی ہوگی

دنبالہ دار سرمۂ چشم بتاں مجھے
کھینچے ہے ہند سے طرفِ اصفہاں مجھے

خنجر نہ کمر میں نہ وہ تلوار رکھے ہے
آنکھوں ہی میں چاہے ہے جسے مار رکھے ہے

خط کے آنے سے نہ کچھ چل سکی تدبیر اپنی
بوسہ بازی کی لگی خالصہ جاگیر اپنی

اپنے گھر میں جو یہ ہے رخنۂ دیوار بنا
اپنی غفلت پہ ہنسا کرتی ہے تعمیر اپنی

گردش کا اس نگاہ کی اب طور اور ہے
اے ساکنانِ میکدہ یہ دور اور ہے

صورت موافقت کی کوئی سوجھتی نہیں
صاحب کی وضع اور، مرا طور اور ہے

بندہ ہوں جاں نثار ہوں اس کا میں اے نثار
آخر جو میں ہوں اور، نہیں اور، اور ہے

وہ رشکِ ماہ لے جو چلا دل کو لوٹ کر
آنکھوں سے اشک گر پڑے تارے سے ٹوٹ کر

1۔ اصل اور ل دونوں میں ''ادائی''۔ ممکن ہے ''ہوائی'' ہو۔

یاں گریۂ خونیں سے ہے یہ رنگ مژہ پر
ہر اشک ہے گویا گلِ اورنگ مژہ پر

اے گل اندام! چمن میں نہ تو ٹل برسرِ گل
ڈھیر ہوتے ہیں ابھی ٹوٹ کے گل، برسرِ گل

خونی ہیں ترے حسن کے کچھ حرف تو کب ہے
لیکن یہ ذرا خط ہے سو اصلاح طلب ہے

دل تو شیشے سے بھی نازک ہے سنبھالو اس کو
گیند کی طرح نہ ہاتھوں میں اچھالو اس کو

رنگ دکھایا جو زرد عاشقِ رنجور نے
خوف سے تنکا لیا دانتوں میں کافور نے

چھوڑ کے تنہا مجھے جبکہ وہ گھر جائے گا
جان ادھر جائے گی، یار اُدھر جائے گا

ہاتھ سے ان جامہ زیبوں کے نکل جاویں گے ہم
یہ گریباں دامنِ صحرا کو دکھلاویں گے ہم

جو اس سے لگ چلے ہیں یوں ان کو ٹال دے ہے[1]
کوئی دودھ میں سے جیسے مکھی نکال دے ہے

ہے جی کی تو یہ خواہش یکدم نہ جدا رکھیے
اے جان! تجھے اپنی چھاتی سے لگا رکھیے

عارض پہ نمودار نہیں اس کے ہوا خط
طوفِ حرم حسن کو آیا ہے یہ حاجی

یہ وقت غنیمت ہے نہ جا پاس سے میرے
پھر کوئی گھڑی پل میں خدا جانے کہ کیا ہے

مہر کے مانند کھاتا چرخ پھرتا ہوں خراب
صبح سے، اے مہ جبیں! تا شام تیرے واسطے

اب تو ملو گلو سے مری جان، عید ہے
رہ جائے میرے دل میں نہ ارمان، عید ہے

ایک مصرع جو پڑھا وصفِ قدِ جاناں میں
سرو کے سر پہ گلستاں میں قیامت گزری

کیا فسوں تو نے خدا جانیے ہم پر مارا
تجھ سے پھرتا نہیں دل، ہم نے بہت سر مارا

دل کو لے پنجۂ مژگاں میں ہوا ایسا خوش
جیسے اپنے کسی صیدی کا کبوتر مارا

باندھا اے شوخ ستم گر کہ نپٹ ہی رنگیں
خوب مضموں یہ ترے ہاتھ لگا منہدی کا

عبث گھر سے نکلتے ہو کہ تم پر خون ہوتے ہیں
ہزاروں آدمی آپس میں لڑ کر جان کھوتے ہیں

وہ صورت، دیکھ کر جس کو ٹھٹک رہ جائے ہے دریا
دکھائی جب نہیں دیتے تو اشک آنکھوں سے بہتے ہیں

نرگس کی کہیں تجھ سے مگر آنکھ لڑی تھی
گلشن میں جو دیکھا تو وہ بیمار کھڑی تھی

زخمی ہوئے، مارے گئے رستے میں ہزاروں
کل اس کے نکلنے میں غضب دھوم پڑی تھی

کیا کعبہ و کیا دیر، جدھر ہم نے نظر کی
آنکھوں کے مقابل وہی تصویر کھڑی تھی

1۔ اصل میں یہاں سے حاشیے پر۔

لائی تھی اسے کھینچ کے یاں اپنے اثر سے — یہ آہِ دلِ سوختہ حاکم کی چھڑی تھی

جس انجمن میں تو ہو تلوار کیوں نہ نکلے — دو چار کا جنازہ اے یار! کیوں نہ نکلے

پھسلا صفائی دیکھ کے گل اس کے گال پر — اٹکا جو آ کے جی تو کہاں، لب کے خال پر

نہیں ملنے کو جی مجھ سے میاں تیرا جو کل دیکھا — ☆ کئی باری گلی کوچے میں تنہا تجھ سے مل دیکھا

ہمیں چاہے نہ تو پیارے تو ہم چاہیں تجھے کیونکر — ☆ محبت کا جو ناتا ہے سو ہم نے دل بدل دیکھا

یوں آج ملا گویا واقف ہی نہ تھا ہم سے — طوطے کی طرح آنکھیں کیا پھیر گیا ہم سے

پھر بزمِ بتاں میں وہ، آتا نظر آتا ہے — دل ہاتھ سے پھر اپنا، جاتا نظر آتا ہے

اس کو سوتا دیکھ میں بوسے کی خاطر جا لگا — یہ مثل مشہور ہے چوری کا گڑ میٹھا لگا

دلدار تھا ستم جو کیا تو نے اختیار — ☆ اس عیب میں ہنر وہ ترا یار چھپ گیا

ٹک تو اے اشک، مژہ سے نہ ٹپک سونے دے — آنکھ لگ جانے دے پانی نہ چھڑک سونے دے

آج اک عمر میں جھپکی ہے کہیں چشمِ نثار — مت سنا یار تو پایل کی جھنک سونے دے

نثار، میر عبدالرسول اکبر آبادی

میر عبدالرسول اکبر آبادی نثار از یاران میر تقی میر، جوان اقبال مند سعادت نشان پاکیزہ خصلت، ستودہ عنوان مسموع شد۔ علاوہ بران بسیار فہمیدہ وسنجیدہ مروت کردار سخاوت آثار است۔ ایں اشعار باو نسبت دارد[1]:

جو ہے یعقوب! یوسف دیکھنا منظور آنکھوں سے — تو اتنا پھوٹ کر مت رو کہ جاوے نور آنکھوں سے

ماہ رو[2] کی جو مہربانی ہے — یہ مدد ہم پہ آسمانی ہے

اسکے رخسار دیکھ جیتا ہوں — عارضی میری زندگانی ہے

اُس بلبل اسیر کو کیا گل سے راہ و رسم — جو زیر دام منت صیاد ہی رہی

---

1. مصحفی (ہندی) فقیر او را در ابتدائے شاعری در قصبۂ امروہہ دیدہ بود و اکثر بعد ہفتہ وعشرہ ملاقات می شد و در تذکرہ شعر بمیاں می آمد...... عمرش تخمیناً قریب شصت خواہد بود۔ حالا معلوم نیست کہ زندہ است یا مردہ۔

2. اصل میں دو شعر حاشیے پر۔ ☆ یہ اشعار 'ل' میں نہیں۔

ٹک دیکھ تو چمن کا کیا ڈھنگ ہوا ہے تجھ بن
منہ سے اڑا ہے گل [1] کے گلشن میں رنگ تجھ بن

ہر سمت صد تمنا تڑپے ہیں خاک وخوں میں
ہے صحن خانہ میرا میدان جنگ تجھ بن

یاں گل رکھے پھرے ہے دستار پر تو اپنے
واں عاشقوں کے سر پر پڑتے ہیں سنگ تجھ بن

اکثر ہیں دل فگار و لیکن نہ اسقدر
کتنے ہیں بیقرار ولیکن نہ اس قدر

گھر بار جان و مال، میں اُسپر لٹا دیا
کرتے تو ہیں نثار و لیکن نہ اس قدر

ہاتھ سے ان جامۂ زیبوں کے نکل جاوینگے ہم
یہ گریباں دامنِ صحرا کو دکھلاویں گے ہم

طوفان اشک ہوئے ہے اشک ستمزدہ
ایسا نہوتے یار کہ میں آبدیدہ ہوں

نیاز

نیاز تخلص شخصیت از قاضی زادہ ہائے بلند شہر۔ بریلی وارد شدہ چند روز ریختہ گوئی نمودہ و اشعار [2] خودرا بنظر سخنگوی بے نظیر محمد نصیرالدین نصیر گذرانیدہ۔ بابندہ تعارف ہمزبانی دارد:

ہے شب تاریک اے دل خضر کو آگاہ کر
مانگ اسکی ایک سیدھی راہ ہے ظلمات کی

نامی، مرزا رجب علی بیگ

مرزا رجب علی بیگ نامی در لکھنؤ برادر زادۂ امیر الدولہ حیدر بیگ خان بہادر بسر کار فیض آثار نواب وزیر الملک آصف الدولہ یحیٰی خان بہادر ہزبر جنگ دام اقبالہ اختیار کلی دارد وایام زندگانی بکمال ترفیہ وشادمانی بسری برد۔ وحسب الارشاد نواب وزیر المالک بہادر اکثر غزل [3] طرحی مشاعرہ وغیرہ سرانجام دہد۔ فکر خوب دارد:

بسکہ مدت سے ہے راہ انتظار یار [4] پر
چھاگئی آخر سفیدی دیدۂ خونبار پر

نظیر، ولی محمد خاں

ولی محمد خاں نظیر شخصی است معلم ساکن مستقر الخلافہ اکبر آباد مشاق قدیم است خط نستعلیق

---

1 ل: گل کا رنگ۔ 2 ل: اصلاح از نظر الدین نظر گرفتہ۔ 3 ل: غزل می گوید۔ 4 ل: ''یار'' محذوف۔

درست می نویسد وطبع رسا دارد، ودراں [1]ضلع کوس استادی می زند و اکثر نومشقاں وتازہ گویاں را اصلاح سخن می فرماید۔ درآندیار فرحت آثار در زمرۂ سخن گویان حال ہمچو او استاد قابل سخن طراز کامل تا حال [2]تحریر پیدا نشدہ۔ از مغتنمات است:

چاند اپنا تو کسی اور کا بالا کھلا
ہم نے سمجھا تھا جسے گل، سو وہ لالا نکلا

تھا ارادہ تیری فریاد کروں حاکم سے
وہ بھی کمبخت ترا چاہنے والا نکلا

مٹ گئے شور وفغاں جی کے نکلتے ہی نظیر
پھر نہ سینے سے اٹھی آہ، نہ نالا نکلا

سر چشمۂ بقا سے ہر گز نہ آب لاؤ
حضرت خضر کہیں سے جا کر شراب لاؤ

دل غش میں آگیا ہے دیکھ حسن اس پری کا
کیا دیکھتے ہو اسکو، دوڑو، گلاب لاؤ

سبھوں کو مے، ہمیں خوناب دل پلانا تھا
فلک ہمیں پہ تجھے کیا یہ زہر کھانا تھا

ساقی ظہور صبح ترشح ہے نور کا
لا بھی تو مے، کہ وقت ہے نور وظہور کا

وہ رشک مہر صبح کو جو بے نقاب تھا
دیکھ اسکے رخ کو رو بز میں [3]آفتاب تھا

دام زلف اور جہاں خال کا دانا ہوگا
پھنس ہی جاوے گا غرض کیسا ہی دانا ہوگا

عشق پھر رنگ وہ لایا ہے کہ جی جانے ہے
دل کا یہ رنگ بنایا ہے کہ جی جانے ہے

میں دست وگریباں ہوں دم بازپسیں سے
ہمدم اُسے لانا ہے تو لا جلد کہیں سے

کچھ نہ دیکھا ہمنے جز بیداد تیرے ہاتھ سے
اے میرے بیداد گر، فریاد تیرے ہاتھ سے

رکھی ہرگز نہ ترے رخ نے رخ بدر کی قدر
کھوئی کاکل نے بھی آخر کو شب قدر کی قدر

قتل پر باندھ چکا وہ بت گمراہ میاں
دیکھیں اب حق میں مرے کیا کریں اللہ میاں

زلفیں یہ دبا نہیں رخ دلبر کے آس پاس
ابر سیہ ہے مہر منور کے آس پاس

عشق میں ایک لحظہ ہم آرام سے واقف نہیں
دل دیا اسکو کہ جس کے نام سے واقف نہیں

ترے بیمار کو تجھ بن شفا ممکن نہ تھی ہونی
فلاطوں کیا اگر خود عیسی گردوں نشیں آتا

عجب احوال ہے کچھ اضطراب دل سے کیا کہیے
غرض ایکدم قرار اُس بن نہیں آتا نہیں آتا

میری بیتابیوں کی اب تک اسکو بدگمانی ہے
اگر وہ بھی کہیں پھنستا تو اس کو بھی یقیں، آتا

---

1 ل: بہ آں ضلع۔ 2 تا حال پیدا شدہ۔ 3 ل: محروم۔ ☆ل سے اضافہ۔

مجھے یاں تک خوشی تھی اُسکے آنیکی کہ میں خوش تھا ۔۔۔ اگر وہ قتل کو میرے چڑھا کر آستیں آتا
بڑے حظ لوٹتے گر اس شب مہتاب میں یارو ۔۔۔ ادھر ساقی، ادھر مطرب، ادھر وہ مہ جبیں آتا

میں اس پر مبتلا وہ غیر مذہب شوخ ابتر سا ۔۔۔ قیامت ہے مسلماں عاشق اور معشوق ہے ترسا
ہوا بیمار تیرے عشق میں جو چرخ چارم پر ۔۔۔ مسیحا پڑ رہا ہے کچھ بچھا کر اپنا بستر سا

دیتے ہوں جان حور و ملک جس کی آن پر ۔۔۔ کیونکر نہو پھر اسکا دماغ آسمان پر
سبزا پڑا ہے کان میں اس سبزہ رنگ کے ۔۔۔ سر سبزیاں ہے ابتو زمرد کے کان پر
جگنو یہ جان تڑپے ہے چنپا کلی پہ دل ۔۔۔ اور روح لوٹتی ہے تیرے عطر دان پر
کوچے میں اس کے جائے تھے سینا سپر کیے ۔۔۔ کل تو میاں نظیر بھی کھیلے تھے جان پر

اسکے بن دیکھے جو مر جاؤں میں آنکھیں پھیر کر ۔۔۔ ڈر خدا سے اے فلک اتنا تو مت اندھیر کر
داغ مرنیکا وہی مرحوم[1] جانے جس کو آہ ۔۔۔ موت آ پہنچی شتاب اور یار آیا دیر کر

وہ چاندنی میں جو ٹک سیر کو نکلتے ہیں ۔۔۔ تو مہ کے طشت میں گھی کے چراغ جلتے ہیں

ہزاروں پھرتے ہیں یاں غنچہ لب، نہ ایک نہ دو ۔۔۔ رکھے ہے پر کوئی تیری سی چھب، نہ ایک نہ دو
کہا جو ایک لے بوسہ میں دو لگا، لینے ۔۔۔ ✤ تو ہنس کے کہنے لگے، چل سبے اب، نہ ایک نہ دو

اے چشم زار اسدم رونا سنبھل سنبھل کر ۔۔۔ ایسا نہ ہو کہ تجھ پر ابر بہار ہنس دے

قہر جگنو کی چمک تس پہ غضب بالا ہے ۔۔۔ اب کوئی آن میں سب خلق، تہ و بالا ہے
خال چہرے پہ نہیں اسکے یہ اللہ نے واہ ۔۔۔ حسن کے خوان میں کیا خوب نمک ڈالا ہے

کمر تک اس نے دو زلفوں کو جو بل دیکے چھوڑا ہے ۔۔۔ یہ دو زلفیں نہیں ہیں کافر اک ناگن کا جوڑا ہے
دیا اس سنگدل کے ہاتھ اپنے شیشۂ دل کو ۔۔۔ جو سچ پوچھو تو میں نے لعل کو پتھر سے پھوڑا ہے
یہی ہے دھوم کل سے وہ مرے ملنے کو آتا ہے ۔۔۔ گلے میں ہار ہے اور تن میں نافرمانی کا جوڑا ہے
غرض میں تو نظیر اس سے سمجھتا ہوں کہیں شاید ۔۔۔ کسی کا نیل بگڑا ہے جو یہ طوفان جوڑا ہے

ہم کل اک ایسے پری رو کے نظر بند ہوئے ۔۔۔ جسکا منہ دیکھ کے پریوں کے بھی پر بند ہوئے
ایسے کمبخت ہوئے بات ہمارے ہیہات ۔۔۔ ایکدن اس کی کمر کے نہ کمر بند ہوئے

✤ ل سے اضافہ۔

حور پہنچے نہ پری جس کی نزاکت کو نظیر　　ایسے کچھ حضرت آدم کے جگر بند ہوئے

موسم ہولی کہ تفریح بخش خاطر اخوان و باعث شگفتگی طبع پیر و جوان است چند قطعہ مخمسات در رنگش چنیں گفتہ از دست وزیبایش[1] خوب گفتہ۔ بندہ ذکا بخیال طوالت یکی[2] از جملہ آن نگارد:

صنم تو ہم سے نہ رکھ کچھ غبار ہولی میں　　کہ روٹھے ملتے ہیں آپس میں یار ہولی میں
مچی ہے رنگ کی کیسی پکار ہولی میں　　ہوا ہے زور چمن آشکار ہولی میں
عجب ہی ہند کی دیکھی بہار ہولی میں[3]

نزہت، مرزا ارجمند

مرزا ارجمند نزہت[4] در رمل و نجوم مہارت کلی دارد و خط نستعلیق و شکستہ وغیرہ خوب می نویسد۔ ورای آں در فن قندیل تراشی و پتنگ سازی و آتشبازی و ساخت آرائش و دیگر فنون غرایب و علوم عجائب وحید العصر و لا ثانی است۔ در فن شریف طبابت دستگاہی بہمر ساندہ بمداوای[5] ساکنین[6] آن نواح بنظر تدقیق و سایل بدل و جان می کوشد۔ جامع علوم و آدم مستثنیٰ است۔ عمری بعہدۂ میر منشی گری سرکار نواب عماد الملک غازی الدین خاں بہادر اوقات بخوبی بسر بردہ۔ حالا از ناتواں بینی روزگار در قصبۂ اجراڑہ روز گذارا ست۔ عنصر شریفش از بس مغتنمات زمانہ است۔ حکم اکسیر[7] دارد شعر فارسی را بپایہ رسانیدہ۔ کم کم فکر ہندی می کند:

چاک کر پھینک دیا ہاتھ کا الجھاؤ گیا　　ایک قضیہ تھا گریبان کے سلوانے کا

---

1 اصل/ ق: وزیبایش گفتہ۔ عاصی ذکا...... 2 اصل: یک مخمس آں می نگارد۔ 3 اس کے بعد مخمس کے نو بند اور تھے جنھیں مولف نے ''لا'' لکھ کر خارج کر دیا۔ 4 اصل/ ق: در رمل مہارت کلی دارد و در قندیل تراشی و پتنگ سازی و آتش بازی دسترس کماہی دارد و آتشبازی ہم خوب می سازد۔ دسترس کماہی دارد .... در طبابت ہم ماہر؛ ل میں محذوف۔ ''در اصل...... می کوشد''۔ 5 اصل/ ق: وبمعالجہ ساکنین آں دیار۔ 6 ل: در فنون عجائب و غرائب وحید العصر و لا ثانی است۔ از فن شریف طبابت نیز بسیار باخبر بہ معالجہ و مداوای ساکناں آن نواح بدل و جاں می کوشد۔ عنصر لطیفش از بس مغتنمات زمانہ است۔ شعر فارسی را بپایہ رساندہ فکر ہندی دارد۔ 7 اصل: اکثر متن تصحیح قیاسی۔

جب سے دیکھی ہے جھلک پانی میں ڈوبی رہتی ہے پلک پانی میں

نگراںؔ، میر بندہ علی

میر بندہ علی نگراںؔ[1] از خانوادۂ جناب پاک حضرت خواجہ[2] شمس الدین قدس اللہ سرہٗ ساکن قصبہ اجراڑہ از شاگردان مرزا ازجمند نزہت عاشقؔ نگراں تخلص می کند چوں تخلص بعلت طولانی در ہر زمین شعر گنجائش ندارد جایی عاشق و جایی نگراں می نویسد از علم[3] طبابت ہم بہرہ در است، اکثر بمعالجہ پردازی سکنہ[4] آنجا مصروف می باشد بہر حال بودن[5] او در قصبۂ مذکور غنیمت[6]:

جو چاہے آپ کو تو اُسے یوں نہ چاہیے وہ چاہ گر نہ چاہے، اُسے، یوں نہ چاہیے

نظیر بنارسیؔ

نظیرؔ تخلص شخصی در بنارس است خود را از شاگردان مرزا محمد رفیع سوداؔ مشہور می سازد و شعر[7] بتلاش میگوید:

جب ترے کوچے سے ہم اٹھ کے چلے جاتے ہیں شعلۂ آہ کی گرمی سے چلے جاتے ہیں

ہوں تیرے تصور میں مری جاں ہمہ تن چشم دل ہے مرا جوں آئینہ حیراں، ہمہ تن چشم

تا ایک نظر دیکھے تجھے اے مہ تاباں رہتا ہے سدا مہر درخشاں ہمہ تن چشم

آنکھوں کو ملے تا کہ ترے پاؤں کے نیچے ہر نقش قدم سے ہے بیاباں ہمہ تن چشم

ناجیؔ محمد شاکر

محمد شاکر ناجیؔ[8] مخلص سید بود سپاہی پیشہ از ساکنین دہلی چندی در سرکار نواب عمدۃ الملک

---

1 اصل رخ: پیرزادہ ایست۔ 2 ل: ''خواجہ'' اضافہ مولف؛ ل میں خواجہ محذوف۔ 3 اصل: اکثر۔؛ متن تصحیح قیاسی۔ 4 اصل/ق: چوں از؛ ل: از علم طبابت باخبر است۔ 5 اصل/ق: ساکناں۔ 6 اصل/ق: در قصبۂ مذکور بہتر و غنیمت است۔ 7 ل میں محذوف۔ 8 سال وفات بقول دتا سی 1168ھ لیکن نکات الشعراء، تالیف (1165ھ) سے قبل وفات پائی؛ 1194ھ میں دیوان مرتب ہوا (گلشن سخن)۔

نواب امیر خان بہادر بعزت و اعزاز بسر بردہ سودای تماشای سادہ رویان در سر داشت و ضحک را فخر می انگاشت۔ طبعش بہ ایہام گوئی و مضحکات[1] بیشتر مایل بود۔ از بعض اشعارش بوی رندی می آید بندۂ ذکا چند شعر بوضع خود انتخاب نوشتہ بلسان قلم[2] نیاز رقم حوالہ ساختہ:

ماہ رو جب سفید پوش ہوا — ہر طرف چاندنی کا جوش ہوا
موتی آکر لگا تھا کان اس کے — دُر دُر اس کو کہے سے ہوش ہوا
بوسۂ خال رخ میں کیا ہے مزہ — عارضی تل ہے کچھ سواد نہیں
نہ ٹو کو یار کے خط کو کہ رکھتا یا منڈاتا ہے — مرے نشہ کی خاطر لطف سے سبزی بناتا ہے
وہ عزت اب نہیں ہے گو صفائے خط نکال آیا — خریداری کہاں رہتی ہے جب چینی میں بال آیا
غم نہیں گر دلبری سے دل کو جاتا ہے وہ — پاس میرے جب تو آتا ہے جو دل پاتا ہے وہ
نظر کر اپنے آب و گل میں کیا سرّ نہانی ہے — صفائی سے یہ صورت آئینہ میں دل کے پانی ہے
طبیب عشق سے پوچھا زلیخا نے علاج اپنا — کہا تجھ پر بھلا ہے سورۃ یوسف کا دم کرنا
لیا میں بھول کر اس شوخ گندم رنگ کا بوسہ — خطا کرنے میں کوئی خالی نہیں فرزند آدم کا
پری رو نے کہا اکدم اگر چاہو تو حاضر ہوں — نظر بھر دیکھ لینا جی بھروسہ کچھ نہیں دم کا
ترے رخسار کے پرتو سے اے شوخ — پری خانا ہوا گھر آرسی کا
ظلم کی مشق کب تلک پیارے — مو قلم کرکے خط کا صاف کرو
شمع کافوری ہے واقف اس دل مشتاق سے — رات ہمزانو، تھا میں اس شوخ سیمیں ساق سے
دل مرا ٹکڑے ہوا، ابرو تری کج دیکھ کر — حیف کیا شیشا بھرا ٹوٹا[3] ہے گر کر طاق سے
ڈوب گئے سب ملک جب کھولی دریا پہ زلف — ہائے ناجی کو نہ پوچھا، کس لہر میں بہ گیا
کفن ہے سبز ترے گیسوؤں کے ماروں کا — مکان غم ہے ترے در کے بیقراروں کا
تری نگاہ کی کثرت سے اے کماں ابرو — ہمارے سینہ میں تودا ہوا ہے تیروں کا
جھڑے[4] ہیں پھول ہنستے وقت تیرے آتشیں لب سے — بنائیں یہ تماشا دیکھ کر لڑکوں نے پھلجھڑیاں

---

1. اصل/ ق: مخلص۔ 2. اصل/ ق بلسان قلم دارد؛ ل میں ''می آید'' کے بعد محذوف۔ 3. ل: پھوٹا۔
4. اصل: یہاں سے چھ شعر حاشیے پر۔

چمن میں قمری و بلبل کا تجھ سے ہے سخن بالا
خدا تیرا کرے اے سرو قد، منصب ہزارے کا

مت کر آزاد دام زلف سے دل
بال باندھا غلام ہے تیرا

خط سے تجھ لعل کے نگینہ کا
رنگ نکلا ہے سبز مینے کا

گر سلیماں کا تخت دیں، مت لے
کہ سب آخر کو جائیگا برباد

دیکھ دلبری تری کمر کی طرف
پھر گیا پانی اپنے گھر کی طرف

دیکھ ہم صحبت کی دولت سے نہ رکھ چشم کرم
لب صدف کے تر نہیں ہر چند ہے گوہر میں آب

بہا سستا ہو یا مہنگا نہیں موقوف غلّہ پر
یہ سب خرمن اُسی کے ہیں خدا ہو جس کے پلّہ پر

اس رخ روشن کی جو کوئی یاد میں مشغول ہے
مہر اسکے رو برو سورج مکھی کا پھول ہے

روا کب ہے مجھ اوپر تیغ کو ہر دم علم کرنا
مری تقصیر بھی کچھ کی ہے ثابت یا، ستم کرنا

بلند آواز سے گھڑیال کہتا ہے کہ اے غافل
گھٹی یہ ہے گھڑی تجھ عمر سے، اور تو نہیں چیتا

پیالا پیوے ہے سو نہوڑوں سے
کھوئے ہے لب ہزار زوروں سے

کرے کرم اے مہرباں پھر تم کہاں اور ہم کہاں
نہیں دیکھ سکتا آسماں پھر تم کہاں اور ہم کہاں

عید ہوتی جو کوئی افطار کرتا جس کے گھر
اب بتاویں طے کا روزہ دیکھکر مہمان کو

ہوا جب آئینہ میں جلوہ گر تب میں لیا بوسا
جو آیا اپنے قابو میں تو پھر منہ دیکھنا کیا ہے

نرگس کے تئیں میں ہرگز لایا نہیں نظر میں
دیکھی ہیں میںنے آخر پیارے تمھاری آنکھیں

کیا فردا کا وعدہ سرو قد نے
قیامت کا جو دن سنتے تھے، کل ہے

چاہیے اشراف کو مفلس ہو مجلس میں نہ جائے
گو کہ وہ دبلا نہو پر بوجھتے ہیں سب حقیر

جہاں دل بند ہو ناجی کا واں آوے خلل کرنے
رقیب لاولد ناصح گویا لڑکوں کا باوا ہے

جو کوئی کچھ کہے پگھل جاوے[1]
شمرو ہے ہمارا موم کی ناک

ہوا بازار گل، کا دیکھ تجھ رخسار کا مندا
جو دیکھے تجھ قد آزاد کو طوبیٰ تو، ہو بندا

نہ پوچھو خود بخود ہے عارضی خورشید کی خوبی
لیا ہے ذرہ ذرہ حسن مہرویوں سے کر، چندا

یہ داد کھا بدل کا لگتا ہے لاچی سا
حمامیوں سے ململ اٹکل رہا ہے کھیسا

1۔ اصل: یہاں سے آخر تک حاشیے پر۔

سجن یہ باغ ہے ٹک لب کو کھولو
اگر ہم سے نہیں پھولوں سے بولو

شہرا گھٹا ہے بدر کا تجھ رخ کی تاب دیکھ
بدلی میں جا چھپا ہے تجھے آفتاب دیکھ

مت کر اتنا جور اسیر جان آخر دل ہے یہ
ٹک پھڑک لینے دے اسکو چھیڑ مت بسمل ہے یہ

چراغ و شمع کی پروانہ رکھ یہ تجھکو بالا ہے
نظر کر دل کی آنکھوں سے اندھیرا ابھی اجالا ہے

سمجھتے سبھی بنت العنب کو باکرہ[1] یارو
سنو یہ بات بدمستی میں ایکدن ہم سے پھوٹی ہے

اس کے رخسار دیکھ جیتا ہوں
عارضی میری زندگانی ہے

مرے دل تو زخمی کر چکے تم
اگر سر[2] چاہیے تو یہ جدا ہے

تبسم یہ رقیبوں سے خلل ہے
تری بھاویں ہنسی میری اجل ہے

لب جاں بخش آگے تیرے صنم[3]
جو مسیحا کا نام لے خر ہے

نشاط، لالہ ایشری سنگھ عرف بسنت سنگھ

لالہ ایشری سنگھ عرف بسنت سنگھ متخلص بہ نشاط بمسلمہ، ساکن شاہجہاں آباد قوم کا۔تھ سری باستب، پسر لالہ سندر سنگھ منشی خالصہ شریفہ شاگرد میر انشاء اللہ خاں انشاء و سخن سنج بے نظیر محمد نصیر الدین نصیر اخلاقش معطر ساز مشام جانہا و نسیم اشفاقش مفتح غنچگی دلہا۔ چندی بتفرج بہارستان سخن پرداختہ، باندیشہ اینکہ بہار و خزاں دست و گریباں است، دامن از گلچین کلام افشاندہ ہر قدر کہ موزوں شدہ شمہ از دیوانش بقید قلم می آرد:

ترے کوچے میں آکر ہاتھ دل سے دھو بیٹھے
رفیق اپنا جو رکھتے تھے سو اپنے ہاتھ کھو بیٹھے

نتھ کے حلقے کا دیکھکر عالم
ناک میں آرہا ہے اپنا دم

جسے چاہے ہے دل اپنا قیامت خوبصورت ہے
پری ہے، حور ہے، تصویر ہے، محبوب صورت ہے

یار کے اٹھتے ہی کچھ دل پر اداسی آگئی
بیخودی سی چھا گئی اور بے حواسی آگئی

دے اجازت تو ذرا لیجیے، دم سایہ میں
تیری دیوار کے آپہنچے ہیں، ہم سایہ میں

سرو آزاد جو بے پر ہے، کہے ہے قمری
اسکے، بیٹھا ہے کوئی سبز قدم، سایہ میں

1 ل: پاکیزہ۔ 2 ل: چاہتے ہو تو۔ 3 ل: سجن۔

کوئی تڑپے ہے مارا چشم کا اور کوئی قیامت کا
ترے کوچے میں ہے گرم آج ہنگامہ قیامت کا

یاد دنداں میں نہ تیرے، دل ہی شور انگیز ہے
دیدۂ تر بھی ہمارا بے بہا، درریز ہے

زلف رسا تو، دیکھو کافر ادا تو دیکھو
یہ دست و پا تو دیکھو رنگ حنا تو دیکھو

تڑپوں ہوں دیکھنے کو ہے وقت آخری یہ
آوے وہ یا نہ آوے، یارو بُلا تو دیکھو

جی چاہے ہے جسکو اب تک اُس کے
کچھ وصل کی بن نہ آئی تدبیر

بیکل ہے بہت نشاؔط دلبر
اب دیکھیے کیا دیکھائے تقدیر

دل نے ایسی جگہ پھنسایا ہے
جس سے میں ہو الگ نہیں سکتا

پاؤں تک دسترس کہاں ہے نشاؔط
ہاتھ سے ہاتھ لگ نہیں سکتا

ناؔمی، لالہ مٹھن لعل

لالہ مٹھن لعل ناؔمی، قوم کایتھ ماتھر، مسکن و مولدش دہلی است۔ اشعار خود را بسمع میر انشاء اللہ خاں انشاؔء رسانیدہ و چندی بہ محمد نصیر الدین نصیؔر ہم توسل جستہ، انسان گرم[1] ارتباط، چسپاں اختلاط و یار باش و شگفتہ پیشانی، خوش معاش، نیک زندگانی واقع شدہ از ہم چشماں بہ نیکنامی گوی بردہ[2] وگاہی قدم بمنشأ بدنامی نسپردہ۔ طبع خوب وارد و وضعی مرغوب۔ این ابیات از وست:

دامن سے اس نے جھاڑی جو پی کر شراب، گرد
پھیلی یہ بو کہ ہوگئی بوی گلاب، گرد

ہوگئی لال زباں، حرف نہ نکلا منہ سے
کیا دیا پڑھ کے فسوں تو نے مجھے پان کے بیچ

نوؔا، شیخ محمد ظہور اللہ

شیخ محمد ظہور اللہ خاں نوؔا تخلص باشندۂ لکھنؤ متوطن قصبۂ بداؤں شاگرد بقاء اللہ خاں بقاؔ۔ از حضور مرشد زادۂ آفاق مرزا جہاندار شاہ مرحوم خطاب خوش فکر خاں یافتہ۔ بسیار خوش فکر و شیریں کلام است و اکثر قصاید بسیار بمتانت و پختگی گفتہ۔ در غزلیات ہم داد شاعری دادہ۔ درستگی کلامش از اشعارش پیدا و قوت طبعش از کلامش ہویدا است۔ این بندۂ ذکاؔ از کلام خوش التیامش چند ابیات بر

---

1 ل: گرم اختلاط چسپاں ارتباط۔ 2 اصل: گرد؛ متن تصحیح قیاسی۔

جستہ جستہ بخامۂ سحرنگار می سپارد:

اب اشک تو کہاں ہیں جو چاہوں، ٹپک پڑے
آنکھوں سے وقتِ گریہ مگر خوں ٹپک پڑے

طغیانی سرشک یہاں تک ہے چشم سے
اک قطرہ آب چاہوں تو جیجوں ٹپک پڑے

ڈوبا ہے بحر شعر میں ایسا توٗا کہ اب
دے طبع کو فشار تو مضموں ٹپک پڑے

نہ گنے زخم کسی نے ترے نخچیر کے پر
دشت میں لاکھوں ہی دیکھے شفقی تیر کے پر

ہے دل یار تجلی کدۂ برق غضب
بس بس اے نالہ یہاں جلتے ہیں تاثیر کے پر

ہمارا نامہ لیکر دے ہے وہ دشنام قاصد کو
جز اس کے کچھ نہیں ملتا ہے واں انعام قاصد کو

اس اوج تک تو سیل سرشک اپنا جا پڑا
جس میں کہ ابر جوں کف دریا بہا پڑا

اٹھانے کو کسی نے پھر نہ میری آستیں پکڑی
بہ رنگ نقش پا اس در پہ جب میں نے زمیں پکڑی

خط آنا اک طرف، اب جائے ہے پیغام بر ثانی
کہ جا کر دے میری جانب سے یہ پیغام قاصد کو

تو لیکر خط کو یاں آیا تھا یا صورت پرستی کو
چل اپنے کام لگ اس کام سے کیا کام قاصد کو

توٗا قاصد کو اپنے پر وہ مفتوں آپ کرتے ہیں
وہ آپھی خوب ہیں کیا دیجیے الزام قاصد کو

نصیؔر، میر نصیر الدین

میر نصیر الدین نصیؔر باشندۂ دہلی از اقربایان خواجہ میر دردؔ صاحب قدس اللہ سرہ۔ مرد خوب است بسبب خوش خلقی دردل دوست و بیگانہ، جا کردہ و بہ مرنیک ذاتی باہمہ ہا بخوبی پیش آمدہ، سخنش مرغوب طبع خاص وعام وکلامش ناخن بدل است:

زندگی تلخ و ناگوار ہوئی
آنکھ سے آنکھ جب دوچار ہوئی

تیرے بن جب تک کہ اپنا دم رہا
آہ اور نالا ہی بس ہمدم رہا

رباعی

تم غیر کے ساتھ خرم و شاد رہے
ہم خانہ خراب اور تم آباد رہے

پرواہ تمھیں ہماری کیا ہے لیکن
یوں بھولنا اسقدر، بھلا یاد رہے

نظیر، لالہ گنپت رائے

لالہ گنپت رائے نظیر ساکن دہلی قوم کاتھ سری باستب، از تلامذۂ [1] محمد نصیر الدین نصیر۔ با بندہ ہم آشنا است در سیاق دانی و شکستہ نویسی و متصدی گری دستی دارد۔ ایں [2] بندہ ذکا دو شعرش دریں جانگاشتہ:

کیا زرد ہوئیں عشق کے آزار سے آنکھیں ہم چشم ہیں اب نرگس بیمار سے آنکھیں
ہے جو غنچہ کو تصور دہن جانی کا دلمیں ہے عزم مگر چاک گریبانی کا

نادر، میر محمد علی

میر محمد علی نادر، اصلش کشمیر و مولد او دہلی رونمودہ۔ بعض بمیر [3] جاگن ہم نامزد کردہ اند فکر سخن بطور خود می سازد، ندرت [4] کلامش از بیانش پیدا است:

ناخن مشکل کشا بن کیونکہ ہو یہ وا، گرہ دل نہیں پہلو میں میرے، غم کی ہے گویا گرہ
سو طرح سے بات اگر کہیے تو کھلتا ہی نہیں مجھ میں اور تجھ میں نہ جانے پڑ گئی ہے کیا گرہ [5]

نامی، حسام الدین حیدر

مبارز الدولہ میر حسام الدین حیدر موسوی سلمہ المتخلص بہ نامی خلف الرشید [6] نواب سراج الدولہ مرزا غیاث الدین محمد خان بہادر دام ظلہٗ [7] کہ نسبت خویشی دارد بہ نواب امیر الامراء اصلش از نجف اشرف و نسب آں از خاندان [8] شرافت و نجابت۔ بعض از بزرگانش بصدارت آن مکان

---

1 اصل/ق: سخن بے نظیر۔ 2 ل: ایں بندۂ ذکا۔ 3 ل: میر جگن۔ 4 ل: محذوف۔ 5 اصل/ق: ایک شعر لکھ کر خارج کیا اور حاشیے پر یہ عبارت لکھی ہے ''ایں شعر در تذکرہ سرور بنام ہمیں شخص نوشتہ اند مگر میدانم کہ بنام شخصے دیگر نوشتہ اند، تحقیق باید کرد (ذکا)۔ 6 اصل/ق: فرزند ارجمند۔ 7 اصل/ق: نبیسۂ نواب امیر الامرا ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خاں بہادر رحمت اللہ علیہ؛ ل: کہ نسبتِ خویشی با نواب امیر الامرا۔ 8 اصل: اضافۂ مولف۔ ''خاندان''۔

فردوس نشان نیر عزت ووقار بہ کیوان می افراشتند و برخی از آناں کہ رونق افزای بلدۂ خلد بنیاد شاہجہاں آباد شدند، بخدمات عظمیٰ وعلایق کبریٰ ثروت وحشمت مالا کلام بہمر سانیدند۔ والد ماجدش در[1] انشا پردازی و فارسی گوئی استاد دوراں[2] و یگانۂ زمان است و خط شکستہ ونستعلیق درست می نویسد۔ ایں والانژاد و نیک نہاد ہم بسیار معزز و مکرم صدر نشین چار بالش اعزاز قدر شناس مرو سخن طراز و بدیہہ[3] گو شاگرد میر مستحسن خلیق لکھنوی است و بہ کلام پردازی انواع صنایع و بدایع برروی کار می آرد۔ شعری کہ از دریای طبع دُر بارش می تراود، لعل بے بہاست وگلی کہ از چمنستان طبع معنی زایش رنگ ظہور می گیرد۔ باعث ہزاراں تفریح[4] و شگفتگی قلوب است، این ہیچمدان بتحریر برخی از اشعار رنگینش اوراق ایں نگاریں نامہ فرحت[5] شمامہ را رشک ریاض رضوان می گرداند:

اٹھتے ہی ترے یہ دل بیتاب نہ ٹھہرا
میں گرچہ بغل میں بھی رہا، داب نہ ٹھہرا

مرات حقیقت ہے تو کیا خاک ہے وہ دل
جو آئینۂ خاطر احباب نہ ٹھہرا

میرا دلِ صد پارہ ہے اور آتش فرقت
کہتے ہیں غلط آگ پہ سیماب نہ ٹھہرا

کیا پھیر ستارے کا، منجم، ہے وہ بے مہر
اکدن بھی مرے گھر شب مہتاب نہ ٹھہرا

طوفاں ہے کہ پانی میں بہی جاتی ہے اک خلق
رونا تو یہ اے دیدۂ پُر آب نہ ٹھہرا

خفا ہوتا ہے وہ جو کوئی اب لیتا ہے نام اپنا
بگاڑا خواہش دل نے ہزار افسوس کام اپنا

تڑپنا ہم صفیرو، اب ندیکھو زیر دام اپنا
مبارک ہو، تمھیں سیر چمن آخر ہے کام اپنا

چھپا بیٹھا نہیں بالوں سے وہ بے مہر مکھڑے کو
تہ ابر آگیا ہے ہم نشیں ماہ تمام اپنا

گل وسنبل کی بو، اب طبع کو آشفتہ کرتی ہے
شمیم زلف سے کسکی معطر ہے، مشام اپنا

ے گلگوں کی خواہش تھی ہمیں اس دور میں لیکن
فلک نے بھر دیا مانند خور، آتش سے جام اپنا

نہ دی چھونے کبھو زلف ان نے مجھ خاطر پریشاں کو
رہا ابتر، سدا اس دل کے الجھیڑے میں، کام اپنا

بہت رویا کیے مجلس میں اہل درد سن سن کر
پڑھا تھا کچھ حسام الدین حیدر نے کلام اپنا

کسکے سینہ کی صباحت میں ہے اندازۂ صبح
لگ کے جھانکے جو ہے خورشید بدروازۂ صبح

---

1. اصل/خ: زادمدارجہ۔ 2. اصل/ق: دوراں۔ 3. ل/ق: سخن طراز و ریختہ گوے شاگرد میر مستحسن خلیق۔ 4. اصل/ق: خندیدگی۔ 5. ل میں محذوف۔

وہ سیہ بخت تو ہم ہیں کہ کبھی دوراں نے
چہرۂ شب کو ہمارے نہ ملا غازۂ صبح

تابش خور سے وہ کس طرح نہ مرجھا جاوے
عارض یار ہے ہمرنگ گلِ تازۂ صبح

تھک گئے ہم تو شب ہجر میں نالے کرتے
کیوں سناتا نہیں مرغ سحر، آوازۂ صبح

توبہ! شب کیسی تھی تو آج جو گھر سے ناؔمی
سوئے میخانہ چلا دیکھ کے خمیازۂ صبح

موئے سیہ سفید ہوئے روز گار حیف
دیکھی نہ ہم نے صبحِ شب ہجر یار حیف

روتا ہوں ایک عمر سے میں زار زار آہ
دھویا گیا نہ دل سے ترے پر، غبار حیف

وہ تو گلے ملا نہ، تہ خاک لے چلے
ہم دل کے ساتھ حسرت بوس و کنار حیف

گو میں موا بحال تبہ ہجر میں پہ شکر
نکلا زبان یار سے بے اختیار حیف

اسکی گلی میں آمد و رفت صبا نے آہ
ناؔمی بباد دی مری مشت غبار حیف

بعینہ ہر گھڑی، ہر وقت، جوں یعقوب روئے ہم
غرض اے رشک یوسف، غم میں تیرے، خوب روئے ہم

آتش رخوں کی قیمت عالم کو آنکتے ہیں
بازار حسن والے کیا خاک پھانکتے ہیں

نہیں کہتا اُسے یارو نہ تم آٹھوں پہر دیکھو
و لے ٹک شکل اسکی میری صورت دیکھکر دیکھو

مقابل دونوں ان پلکوں کے ہیں جو غور کر دیکھو
جگر کا میرے دل دیکھو، میرے دل کا جگر دیکھو

تہ ہر یک مژۂ خوابیدہ صد طوفاں ہیں اے مردم
سمندر کو نہ دیکھا ہو تو سیر چشم تر دیکھو

بنا ہوں طایر تصویر گلشن کے تصور میں
قفس میں ہمصفیرو رنگ میرا آنکر دیکھو

دم آخر کرومت چشم پوشی اپنے عاشق سے
کوئی دم کو ہوا جاتا ہے قصہ مختصر دیکھو

جنھوں کے حسن سے بزم جہاں روشن تھی اب کوئی
چراغ و گل نہیں لاتا انھوں کی گور پر دیکھو

کبھو رنگ حنا آگے نہ اسکے رنگ پکڑیگا
نہ باور ہو تو اپنے ہاتھ، میرے خوں میں بھر دیکھو

سحر ہے کوچ شاید کاروان گل کا اے ناؔمی
کسا ہے، اپنا ہر غنچہ نے اسباب سفر دیکھو

ہزار حیف کہ راہ چمن کو میں بھولا
قفس سے چھوٹ کے آیا، جو اضطراب زدہ

ادھر سے آنکھیں تو موندیں ہیں پر دکھاویں گے
کبھی ہمارے بھی چونکے جو بخت خواب زدہ

وفور گریہ سے کیا قدر و منزلت دل کی
کسے دکھاؤں میں جاکر یہ جنس آب زدہ

بحال غش سے میں آیا تو ہنس کے یوں بولے
بھلا لگے ہے بہت منہ ترا گلاب زدہ

کرینگے سایہ جنت پہ طعن چن چن کر — گئے جو واں ترے کوچہ کے آفتاب زدہ

زمیں پہ ضعف سے کیونکر گروں نہ پیری میں — ہوئی ہے خیمۂ تن کی ہر اک طناب، زدہ

کام اسکو نہیں کچھ رخ نیکو سے کسی کے — وابستہ ہے جو حلقۂ گیسو سے کسی کے

دیوار سے یا سنگ سے ٹپکوں تو بجا ہے — اس سر کو کبھو ربط تھا زانو سے کسی کے

کسطرح مجھے کل پڑے بستر پہ کہ کل رات — ہم پہلو تھا پہلو مرا پہلو سے کسی کے

مت غیر سے باتوں میں ہو سرگرم کہ جوں شمع — سر کھینچے ہے آتش بن ہر مو سے کسی کے

کب اتنی معطر تھی صبا آج تو شاید — لگ آئی ہے گیسوئے سمن بو سے کسی کے

کس طرح مہ عید کو رو رو کے نہ دیکھوں — مانا ہے ہلال خم ابرو سے کسی کے

ہیں دل پہ گھاؤ زخم ہوں جیسے کٹار کے — یہ پھل ملا خیال میں مژگان یار کے

خون آج کیا کسکا، دامن کی جو زِہ تر، ہے — اب گھر میں مرے چھپ رہ، ظالم یہی بہتر ہے

کثرت داغ عشق، بدن پر اپنے نہیں کل پرسوں سے — ان پھولوں کی منڈی میں ہم بسے ہوئے ہیں برسوں سے

جنبش یاد سے شاخ گل تر لچکے ہے — یا دم سرد سے میرے وہ کمر لچکے ہے

دل سے لڑتا ہے غم عشق کا لشکر ساقی[1] — دارو شیشہ کی تک اسوقت مدد کر ساقی

سنا کرتے ہو جیسے شور اے مردم، سمندر کا — بعینہ ہے وہی عالم ہمارے دیدۂ تر کا

نہ میں ہی بے برگ و بینوا کچھ غریب اپنے وطن سے نکلا — گل تمنا بجیب و دامن نسیم کیوں اس چمن سے نکلا

ربط محبت جو باہم تھا، ہم میں انمیں، چھوٹ گیا — دونوں طرف سے تھا جو کشیدہ رشتۂ الفت ٹوٹ گیا

وعدہ کے دن بھی ہاتھ سے چھوڑا نہ آئینہ — ہم محو انتظار رہے اور وہ آئے نہ

زبس ہے عشق کی گرمی سے دل جوں اخگر آتش — بنا ہے شیشۂ صد چاک رشک مجمر آتش

مریدو پیر مغاں پیر خانقاہ گئے — یہ بے طریق گئے ہم سے رو براہ گئے

کیا دیکھیں مرغ دل کا ہوا انجام زیر دام — بجھتا ہے زلف و خط سے وہاں دام زیر دام

مت خزاں میں پوچھ بلبل سے چمن کی سرگذشت — کیا کہے پروانہ شمع انجمن کی سرگذشت

بے ستوں میں آکے شیریں دیکھ، ہر یک سنگ پر — خون سے تیشہ نے لکھی ہے کوہکن کی سرگذشت

---

1. اصل میں حاشیے پر: ل میں دو کے بعد اشعار ندارد۔

قتل کے دم بھی نہ کچھ ناؔمی نے قاتل سے کہا — کیا بیاں تم سے کروں اس کم سخن کی سرگذشت

نالاںؔ، مرزا عسکری

مرزا عسکری[1] نالاںؔ تخلص، وی از ساکنین شاہجہاں آباد قوم[2] مغل خوشگو و کم گو، اصلاح[3] سخن از غلام مصطفیٰ خاں یکرنگ میگرفت، از چندی بشاگردی میاں غلام ہمدانی مصحفی در پیوستہ۔ حالا بمعلمی میگذراند، این اشعار آبدار تصنیف ساختہٴ آں بزرگ ایں احقر العباد ذکاؔ بسلک تحریر منظم میگرداند[4]:

روز محشر میں ساقیِ کوثر — تو ہی پشت و پناہ ہے میرا

عشق میں تا زیست یہ کیا کیا نہ دکھ پاتا رہا — اس دوانہ دل کو میں کیا کیا نہ سمجھاتا رہا

قاصد نہ کہا تو نے یہ پیغام ہمارا — اب دیکھیے کیا ہوتا ہے انجام ہمارا

شب اُسے قصہ غم آہ سنانے نہ دیا — طپش دل نے مجھے ہوش میں آنے نہ دیا

نی خواہش چمن ہے نہ گلزار کی ہوس — رکھتا ہوں ایک میں ترے دیدار کی ہوس

کتاب حسن پر پرکار کا خط — نہ دیکھا ہو تو دیکھو یار کا خط

کانوں پہ جب دکھتا ہے گل اک اِسطرف اک اُسطرف — شمس و قمر رہتے ہیں تُل اک اِسطرف اک اُسطرف

دل مرا اضطراب کرتا ہے — مجھکو ناحق خراب کرتا ہے

اسکا ہر موئے زلف دیکھو تو — مجھ سے کیا پیچ و تاب کرتا ہے

یہ نگر اور یہ جو کٹہرا ہے — زندگانی کا سب بکھیڑا ہے

درد پہلوئے جاں سے اٹھتا ہے — کس لیے، کیوں؟ کہاں سے؟ اٹھتا ہے

---

1 ابراہیم، عشقی، حیدری نے محمد عسکری خاں۔ 2 اصل اضافہ الف: ''قوم مغل'' اور ''اصلاح سخن از غلام مصطفیٰ خاں یکرنگ می گرفت'' اور حالا بمعلمی می گزراند''۔ 3 قاسم نے لکھا ہے پہلے مصحفی کے شاگرد تھے بعد کو ثناء اللہ فراقؔ کے شاگرد ہوئے؛ میر حسن، ابراہیم، عشقی نے ''شاگرد حاتم'' لکھا ہے مصحفی کا بیان ہے۔ اول کسے کہ در شاہجہاں آباد بہ حلقہٴ شاگردی فقیر در آمد نیست ایں است۔ میر حسن صاحب او را در تذکرہٴ خود شاگرد حاتم نوشتہ اند محض غلط''۔ 4 اصل/ق: تصنیف کردہ؛ ل: می نگارد۔

نادرؔ، گنگا سنگھ

گنگا سنگھ نادرؔ شخصی است ساکن لکھنؤ، شاگرد میر حسنؔ مصنف [1] مثنوی بدر منیر۔ عاصی راز تالیف او، این مطلع دست داده:

قاصد تو اس فریب سے اُس پاس جائیو کسکا یہ خط ہے؟ اسکو مجھے پڑھ سنائیو

نجابتؔ، میر زین العابدین

میر زین العابدین نجابتؔ سیدزادۂ ساکن دارالسرور سہارنپور، شاگرد شخصی ولایت زاست، شعر فارسی بتلاش می گوید۔ گاہگاہی برای فرحت طبع، ریختہ ہم از زبانش می ریزد:

یاں تلک سر تو پٹک ہجر میں توڑے پتھر کہ نہیں دامن کہسار میں چھوڑے پتھر
آنکھیں پتھرا گئیں تسپر بھی ٹپکتے آنسو بل بے ہجراں تری قدرت، کہ نہ چھوڑے پتھر

ندیمؔ، میر علی قلی

میر علی قلی ندیمؔ مردی ہندوستان زابود، سپاہی [2] پیشہ، معاصر مرزا محمد رفیع سوداؔ و میر محمد تقی میرؔ۔ فکر رسا داشت۔ واقعہ اش در حضرت دہلی رونمود خدا بآمرزش خود مقرون گرداند:

جدائی میں تری ہم کیا کہیں کسطرح جلتے ہیں بجائے مے بدن سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں

ندیمؔ، محمد قائم

محمد قائم [3] ندیم، ساکن دارالخلافت شاگرد حکیم ثناء اللہ خاں فراقؔ، خیلی یار باش و گرم ارتباط است۔ از چندی شغل ریختہ [4] گوئی اختیار کردہ این مطلع اوست:

عکس اُس فندق پا کا پڑے گر پانی میں جھاڑ گل منھدی کا آجائے نظر پانی میں

---

1 اصل/ق: حسن صاحب مثنوی عاصی را......: ل میں محذوف۔ 2 اصل/ق: اضافۂ مولف ''سپاہی پیشہ''۔ 3 اصل/ق: قاسم۔ 4 ل: ریختہ دارد۔

نصؔیر، سید نصیر الدین

سید نصیر الدین ساکن جلیسر از اولاد امجاد حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ بسیار نیک دین وصاحب یقین معتقد جناب کبریا، آگاہ دل حق[1] آشنا، خوش خلق، درست کردار پاکیزہ وضع شیریں گفتار، اکثری باشندگان آں ضلع رادست بیع خود ساختہ ہادی راہ ہدایت لم یزلی گشتہ۔ برخی از اشعار متفرقہ اش کہ گاہگاہی از وسرمی زند رقم پذیر کلک نیاز رقم میگردد:

کس تجمل سے مرے گھر آج آئی ہے بسنت — حضرت گل کا مجھے پیغام لائی ہے بسنت

ماہرو پھولوں کی چھڑیوں سے کریں ہیں اہتمام — حاکم فصل بہار اب ہو کے آئی ہے بسنت

اُس رنگیلے کو میرے، مجھ سے ملا دے حق نصؔیر — پیار سے اسکو گلے میرے لگائی ہے بسنت

نصرؔت، لالہ گوبند رائے

لالہ گوبند رائے نصرؔت قوم کایتہ سکسینہ[2]، ساکن دہلی شاگرد استاد بے نظیر محمد نصیر الدین نصؔیر خیلی خوش تقریر وبحسن سیرت آراستہ و پیراستہ است۔ درفن سیاق وحساب دانی وغیرہ فنون شریف متصدی گری مہارتی دارد[3]۔ انسان ذی عزت وقابل وبرادر پرست متحقق شد۔ ایں اشعار نسبت بوی دارد:

ساقی تو بھر کے دے مجھے پیالا شراب کا — خطرا نہیں ہے حشر کے دن کے عذاب کا

کمر کا خیال اس کی جب آگیا — تو سب نے کہا یہ عدم کو چلا

دامن جلا دیا ہے فلک کا اس آہ نے — جلوہ شفق کے رنگ کا اے مہوشاں نہیں

دیکھکر رخ یہ ترے آج عرق کے قطرے — اختر صبح انھیں پیر و جواں کہتے ہیں

چرخ پر ابر سیہ یہ نہیں اے برق وشاں — اسکو میرے دل سوزاں کا دھواں کہتے ہیں

قہر، انداز، ستم، ناز، غضب ہے غمزا — اس لیے تجھکو غرض آفت جاں کہتے ہیں

---

1 اصل/ق: خدا۔ل میں محذوف۔ 2 اصل: اضافۂ مولف۔ 3 اصل: اضافہ مولف۔؛ل: عاقل و برادر پرست محقق سر......اردست۔

تا کتا ہے تو عبث چھپ چھپ کے اے زاہد، اسے | دخت رز تیری طرف کو دیکھنے والی نہیں
قصد اگر کیجے تو اے صیاد لے اُڑیے قفس | مانع پرواز کچھ یہ بے پرو بالی نہیں
ڈر نہ تو گردش افلاک سے نصرت ہر دم | کہ مدد کو تری یاں حیدر کرار بھی ہیں
کسکو دل و دماغ ہے گل گشت باغ کا | تجھ بن لگے ہے ہر رگ گل نیشتر مجھے
نصرتؔ غلام ہوں میں شہ بو تُراب کا | لگتا نہیں ہے روز قیامت سے ڈر مجھے
قتل کو میرے یہ کافی ابروئے خمدار ہے | کھینچنا تلوار کا خونخوار، کیا درکار ہے
کیا عجب ہے ہاتھ میں گر یہ عصائے آہ کا | دل تمھاری نرگس مخمور کا بیمار ہے
زلف سے نسبت نہ کیوں ہو خال عارض کو ترے | اب یہ زنگی بادشاہ کشور تاتار ہے
عاشقوں میں کوہکن سا بھی نہ ہوگا سردوش | وصف جسکا یاں زباں تیشہ پر ہربار ہے

نظامیؔ، سید شاہ نظام الدین

سید شاہ نظام الدین احمد قادری زاد اللہ اقبالہ و شوکتہ نظامیؔ تخلص، نبیرۂ محبوب سبحانی حضرت غوث صمدانی، و نبیسۂ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ اسرار ہما۔ نظامت صوبہ دار الخلافت شاہجہاں آباد چند مرتبہ بذات ستودہ صفات صاحب اقتدار متعلق شدہ در عہد ثروت و تمکنت او اعلیٰ و ادنیٰ استراحت کلی یافتہ اند و خلقی بر[1] بستر رفاہ و آسایش آرمیدہ حظی وافی برداشتہ۔ متصل شہر پناہ باغی عمدہ بکمال ترکیب ساماں و عمارات نمایاں، کہ بالفعل در بلدۂ نزہت آگیں دار الخلافت شاہجہاں آباد ہمچو او عدیلے نیست، بتجویز عالی خود تعمیر فرمودہ۔ انواع اقسام میوہ جات کہ از اشجار پر بارش گل میکند خلقے ازاں فایدہ[2] یاب و فیض بردار است۔ اکثری از سخن سنجان دہلی قصاید در مدح باغ گفتہ اند چنانچہ استاد بے نظیر محمد نصیر الدین نصیرؔ ہم قصیدہ پر زور و کلاں بکمال جودت و فصاحت طرح کردہ بنظر گذرانیدند و بعطای انعام بایستہ مشمول عواطف گشتند بیتی ازاں[3] بجای اشعارشاں نگاشتہ شد مختصر کلام[4] اینکہ وی رئیس وقت ہندوستان زائیست صاحب کرم و مرد بزرگیست اہل نعم کہ باوصف

---

1 اول: نشاط۔ 2 ل: فائدہ بردار ق فیضیاب۔ 3 اصل/ق: چنانچہ چند بیت بمقام اشعارشاں نگاشتہ شد۔ 4 اصل/ق: حاصل کلام۔

عمدیت وکثرت شواغل امور نظامت[1] از اوراد و وظایف معہودہ غافل ومعذور نماندہ بسر اوقات عمر گرامی خود را بیاد پروردگار پاک بسر می برد۔ بعض از راگ ہا کہ از وتصنیف یافتہ، اکثر سرد وسرایان خوش الحان برزبان دارند و بمجالس ہا می سرایند۔ از تالیف شریف آں والا جاہ[2] شعری بخاکسار ذکا دست داد:

آہو نظر سے شوخ نے دیکھا تو کیا ہوا ۔۔۔ مت خوف کر نظامیؔ کہ اب اسمیں رم نہیں

نیازؔ، میر محمد سعید اکبر آبادی

میر محمد سعید اکبر آبادی نیازؔ تخلص۔ وی شخصیت معلم صاحب علم اہل قلم بنظر اکثری از دولتمندان آن نواح معزز وممتاز ماندہ، نہایت باشعور سراسر سرور، ظریف الطبع، خوش وضع، شگفتہ پیشانی، نیک زندگانی دریافت شد۔ اشعاری چند از طبع زاد آن سخندان دانشور، بحر ذخارِ فضل وہنر در ینجا مثبت افتادہ:

خیال اس قد موزوں کا جب دو چار ہوا ۔۔۔ سرشک آنکھوں میں آ سرو جوئبار ہوا
ہمارے اشک سے گوہر کو یار کیا نسبت ۔۔۔ زمیں پہ جب وہ بہا بحر بے کنار ہوا
زلفوں سے منہ چھپا نہ تو اے بت خدا سے، ڈر ۔۔۔ کیا اعتبار گردش لیل و نہار کا
شاد اس کے آنے سے دل ناشاد ہوگیا ۔۔۔ ویراں یہ گھر پڑا تھا، سو آباد ہوگیا
جب اس طرف سے وہ ستم ایجاد ہوگیا ۔۔۔ عالم تمام محشر فریاد ہوگیا
کہاں ہے دسترس اپنی کہ پہنچے تیرے داماں تک ۔۔۔ نہ پہنچا ناتوانی سے یہ ہاتھ اپنا گریباں تک
نوک نشتر ہو، رگ ابر ہو، تار دامن ۔۔۔ اشک گلرنگ جو ہو، جوش بہار دامن
جا نہ مرقد سے شہیدوں کے تو مانند نسیم ۔۔۔ خاک نمناک کبھو ہو نہ غبار دامن

نیازؔ، میاں نثار احمد

میاں نثار احمد نیازؔ تخلص مولدش قصبۂ سرہند ودر شاہجہاں آباد نشو ونما یافتہ از خدمت مولوی خواجہ احمد خاں صاحب استفادہ بوی رسیدہ، وتحصیل علوم متعارفہ خوب نمودہ، از چند مدت رحل

1۔ اصل/ق: امور دنیوی۔ 2۔ اصل/ق: ہمیں اشعار بایں بندۂ خاکسار ذکا رسید۔

اقامت بضلع شرقیہ کشیدہ۔ حالا در بریلی است آنجا بدرویشی ایام اوقات فرحت اثاث بسر می برد۔ گا[1] ہگاہ شعر فارسی و ہندی می گوید:

تو نے اپنا جلوا دکھانے کو جو نقاب منہ سے اٹھادیا	وہیں محو حیرت و بے خودی ہمیں آئینہ ساں بنادیا
وہ جو نقش پا کی طرح رہی تھی نمود اپنے وجود کی	سو کشش نے دامن یار کی اسے بھی زمیں سے مٹادیا
جبھی جا کے مکتب عشق میں سبق مقام فنا لیا	جو لکھا پڑھا تھا نیازؔ نے سبھی ایک پل میں بھلادیا

نوازشؔ، مرزا خانی

مرزا[2] خانی المتخلص بہ نوازشؔ ساکن لکھنؤ، شاگرد میرؔ سوز۔ شعر بتلاش و متانت میگوید۔ موزونی طبعش از موزونی اشعارش لائح، وقوت شاعری او از زور کلامش واضح۔ ایں[3] اشعار آبدار از وی است:

آگے چشموں کے مری شورش دریا کیا ہے	وحشت دل کے قریں وسعت صحرا کیا ہے
ہوگیا آگ میں یکبار پتنگا بھسمنت	جلگئی شمع نے اتنا بھی نہ پوچھا کیا ہے
قیس کے نام پہ لیلیٰ نہ نوازشؔ تھی فدا	ان نے بھی مجھ کو جو چاہا تو اچنبھا کیا ہے
کیسے تمکو بتاؤں جو میرے عالی جاہ کی صورت ہے	اس سے اسکو نسبت کیا دوں، داغی ماہ کی صورت ہے
زلف کا اُسکی رنگ نپوچھو مجھ سے، کیا بتلاؤں تمھیں	بس چڑھتا ہے کہتے ہوئے وہ مار سیاہ کی صورت ہے

نحیفؔ، لالہ لکھپت رائے

لالہ لکھپت رائے متخلص بہ نحیفؔ خلف منشی مول چند قوم کھتری جوان وکالت پیشہ یار باش نیک اختلاط، شگفتہ جبیں، مودت ارتباط، بضلع بریلی وغیرہ معاش بسر می کرد۔ در ہنگامی کہ بدہلی آمدہ مسکنت گزید و عاصی از ملاقاتش استفادہ[4] خورسندی برداشت، ایں ابیات از تالیفش بدست آوردہ حوالہ کلک نیاز سلک گردانید:[5]

---

1 ل میں محذوف۔ 2 ل: نوازش خاں معروف بہ مرزا جانی المتخلص بہ نوازشؔ نبیرۂ نواب ناصر خاں بہادر شاگرد پسر سوز (کذا)۔ 3 ل میں محذوف۔ 4 ل: استفادہ برداشت...... ایں ابیات از و بدست آمد۔ 5 اصل/خ: دو شعر ل میں محذوف۔

خار جفا جو آبلۂ دل پہ لگ گیا ‌ ‌ گل کی طرح سے چاک گریبان ہوگیا
مت کہہ اے راحت جاں تو کہ میں گھر جاؤنگا ‌ ‌ تیرا کیا جائیگا، میں مفت میں مر جاؤنگا
ابتو بیٹھا ہوں ترے سایۂ دیوار تلے ‌ ‌ مثل نقش قدم اے یار کدھر جاؤنگا
آبرو خاک رہیگی میری ہمچشموں میں ‌ ‌ تیری محفل سے جو با دیدۂ تر جاؤنگا
کیوں جھگڑتے ہوتم اب شیخ و برہمن مجھ سے ‌ ‌ جلوۂ نور اسی کا ہے جدھر جاؤنگا

نامیؔ، شیخ نظام الدین

شیخ نظام الدین نامیؔ تخلص ساکن [1] شاہجہاں آباد، اصلش از اہل پیشہ۔ بخیال لیاقت [2] قابلیت وسخندانی ترک پیشہ موروثی نمودہ روزگار تھانہ داری ومنشی گری سرکار [3] صاحبان انگریز بہادر اختیار کرد ودر اقران عزت واعتبار بہمرساند۔ شاعر نامی گشت انسان ذکی الطبع است ایں اشعار از دست:

ٹکڑے دامن کے کیے چاک گریبان کیا ‌ ‌ تیری وحشت نے کچھ اب اور ہی سامان کیا
پھر کسو سے چشم اُسکی نہو آہ دُچار ‌ ‌ چشم تیری کو اگر نرگس شہلا دیکھے
سرو گر جان ترا یہ قد رعنا دیکھے [4] ‌ ‌ سر اٹھا پھر نہ کبھو عالم بالا دیکھے
ایک نامیؔ نہیں کچھ تجھ پہ یہ غش کرتا ہے ‌ ‌ دیکھتا جو کوئی تجھکو ہے، غشش کرتا ہے
لڑیاں ہیں کان میں یہ اے جان، موتیوں کی ‌ ‌ یا کان میں ہے تیرے یہ کھان موتیوں کی
کی قتل کو عاشق سے تدبیر بہت خاصی ‌ ‌ لے ہاتھ میں جو نکلے شمشیر بہت خاصی
آتش عشق سے نامیؔ کا جگر جلتا ہے ‌ ‌ آپ ہنس ہنس کے یہ کہتے ہیں کوئی آ دیکھے
واہ کیا خوب مثل ٹھیک بندھی ہے اسدم ‌ ‌ گھر کسو کا جلے اور کوئی تماشا دیکھے
طبیب اسکو کس امید پر دوا دیوے ‌ ‌ ترے مریض کو پیارے خدا شفا دیوے
مجنوں کے جنوں کا بزم میں کل ‌ ‌ ہوتا تھا کچھ اسکے [5] آگے اذکار

---

1 اصل/خ از شعرائے لکھنؤ بسیار خوش گو وشگفتہ رو مرد قابل وہوشیار و ذکی الطبع پاکیزہ وضع مسموعہ شد۔ شعرش نامی است۔ 2 ل: لیاقت وسخندانی۔ 3 ل: سرکار انگریزی اختیار کردہ۔ 4 اصل میں یہاں سے حاشیے پر۔ 5 اصل/ق ایک ذکر وافکار۔

وحشت کا مری جو ذکر نکلا تو سن کے لگا یہ کہنے دلدار
ناآمی کا فریب میں ہی سمجھوں مجذوب، نہ مست اور نہ میخوار
یہ اسکی مثل ہے جو سنے تو دیوانہ بکار خویش ہشیار

نالاںؔ

نالاںؔ تخلص[1] بعض اشعار دلنشیں او بتلاش شایاں بہمر[2] سانده دریں مقام می نگارد از آں جملہ است:

اپنے تئیں جہاں میں بدنام ہمکو کرنا جسمیں خوشی ہو تیری وہ کام ہمکو کرنا
تو آوے یا نہ آوے پر تیری آرزو میں گھر کا چراغ روشن ہر شام ہمکو کرنا
کچھ ان دنوں میں تم نے یہ زور خو نکالی ملنا کسو سے جا، جا، بدنام ہمکو کرنا

نالاںؔ، شیخ عبدالقادر

شیخ عبدالقادر فتح آبادی نالاںؔ تخلص۔ از اولاد پاک حضرت شیخ عبدالحق قدس سرهٗ، شاعر فارسی و ہندی بوده است۔ دو دیوان مروف بہر دو زبان تصنیف نموده یادگار گذاشتہ و بقدر استعداد تلاش شایاں بکار برده:

دل ہمارے کو، کیا کس کس بہانے سے جدا ہاتھ مشاطہ کا یارب ہووے شانے سے جدا
نالاں ہے دل ہمارا اکثر اسی ہوس میں دیکھوں کسیطرح میں دلبر کو اپنے بس میں
جی میں آتا ہے کہ ہم تم آج گلبازی کریں بیٹھ یکجا برلب جو، اب سخن سازی کریں

---

1 اصل/ خ ساکن عظیم آباد۔ اکثرے از بزرگان ایں نحیف کہ درآں دیار فرخندہ آثار از مدت دراز تشریف شریف ارزانی دارند خاطر نیاز بامر تمنای قدم بوسی است۔ جامع المحقر قیں اگر آشنائی می سازد و بہ نیل مقاصد دلی کامیاب می گردد با شعرائے آں دیار نیز ملاقی بوده حظی ذاتی خواہد برداشت و تاالیوم بسبب محبت بزرگان و خورداں حسرت آں گل زمیں مینو تزئیں باقی است۔ بہر حال از ایں کسی مطلع نیستم مگر...... (یہ عبارت ل میں موجود ہے)۔ 2 ل: بہم رسید۔

نجف

نجف تخلص دی عزیزی از خاندان نجابت و دودمان شرافت، گویند کہ خیلی مستور و عالی طبع است۔ ذہن [1] تیز دارد و فکر رسا۔ ایں اشعار دلپذیر از و اسلوب یافتہ: [2]

کس طرح ربط نہو زلف سے دیوانوں کو	انس ہوتا ہے پریشاں سے پریشانوں کو
مجھکو بتلا تو صبا باغ میں تونے آکر	کس لیے ٹکڑے کیا گل کے گریبانوں کو
دلکو کہتا ہوں شاید اب ٭ سمجھے	پر یہ خانہ خراب، کب سمجھے

نادر

نادر [3] از شعرای قدیم معروف و مشہور است بروبۂ وقت سخن می سرائید۔ بہرحال تلاش داشت۔ از گفتہ اش عاصی دو اشعار بہم سانید:

دلبر کہیں ہو چشم سے عاشق کی دور کیا [4]	دل مل رہے ہیں، جسم کا ملنا ضرور کیا
لپٹے ہی جا ہے مکھڑے سے خورشید رو کی زلف	اتنی بڑی ہوئی ہے پر اسکو شعور کیا

ندا

ندا تخلص سخن گوئی از اضلاع دکن است۔ دو بیت از قصیدہ [5] اش کہ بمن دست داد، بزبان قلم حوالہ کرد:

صبح ہاتف نے ہمارے دلکے کانوں میں پکار	یوں کہا دیوانے! کیا سوتا ہے اٹھ، ہو، ہوشیار
واشد دل مدعا ہے گر، تو کر سیر چمن	دیکھ آنکھیں کھول کیسی دھوم والی ہے بہار

نصیر

نصیر تخلص۔ او از شعرای جنوبیہ است طرز کلام درست دارد۔ غزلی [6] کہ زبانی شخصی ثقات

---

1 ل میں یہاں سے آخر تک ندارد۔ 2 اصل/خ از مجمل۔ 3 اصل میں حاشیے پر۔ 4 اصل/ق: نہیں۔ 5 ل: قصیدہ اوست۔ 6 اصل/ق: یک غزلش کہ زبانی شخصے دوستدار مسموع شد۔

مسموع شد، از آں ایں ابیات بقید[1] نظری در آرد:

دے اب کے سال گر مجھے سیر بہار دست | بے جام ایکدم نہ رکھوں لالہ وار دست
پامال کردے گو کہ مرا مزرعۂ امید | اس سے نہ پھر اٹھاؤں کبھو زینہار دست
جوں غنچہ آنکھ ڈھانپ قیامت[2] پہ رکھ نظر | آگے ہراک کے گل کی طرح مت پسار دست

نوید

نوید تخلص، مردی نیک معاش فرخندہ قماش است[3]۔ اوقات برفاہیت میگذارد۔ ایں غزلی از و بعاصی ذکا در خوردہ۔ مربوط[4] گو معلوم می شود:

ہوا آہنگ برپا جس گھڑی مجھ سے خوش الحاں کا | چھپا پردے میں جاکر زمزمہ ہراک غزالخوں کا
یہ خط سبز یوں نشو و نما ہے لعل خوباں پر | لب جو پر ہو جیسے جلوہ گر سبزا گلستاں کا
کیا کس بادہ کش نے جلوہ گلشن میں، کہ دیکھوں ہوں | گل و غنچہ کو جوں مینا و ساغر مے پرستاں کا
چمن میں، وہ، سنا ہے جس گھڑی گذرا، ہوا، ظاہر | دل بلبل سے یارو یہ جو تھا مضموں افغاں کا
خزاں نے تیغ پکڑی ناز سے آیا کوئی کہدو | کہ ہے عاشق کا تیرے آج دن سا عید قرباں کا
لب یاقوت جیسے اُس مسیحا کے ہویدا ہیں | نہ پاوے[5] جاکے، چھانے کوئی گر، معدن بدخشاں کا

نوا، ظہور اللہ

ظہور اللہ خاں نوا شاعری[6] فصیح زبان خوبی بیاں است۔ ایں مطلع دل نشیں از و بمن رسیدہ:

تیر پہ تیر یار کا دل پہ میرے گذار تھا | زخم پہ زخم ہر خدنگ دیدۂ انتظار تھا

نیاز

نیاز تخلص سخنوری از دیار جنوبیہ است فی الجملہ مناسبتی از شعر و سخن دارد، بہر حال بہ می گوید

1 ل میں ندارد۔ 2 ل: قناعت۔ 3 اصل: اضافہ مولف "است"۔ 4 اضافہ مولف؛ ل: از دست۔
5 اصل/ق: نہ پاوے گا اگر چھانے کوئی معدن۔ 6 ل: شاعر شیریں فصیح زبان است۔ از دست۔

گویند کہ شخصی عمدہ زادہ از[1] اسپ افتادہ بود و بر دست راست او ضرب سخت رسید کہ از حس و حرکت باز ماند۔ بعد چندی باستعمال قد ہن و دیگر معالجات بفضل شافی مطلق بحالت اصلی گرائید و غسل صحت ساختہ[2]۔ آنگاہ در مبارکباد[3] غسل وصحت۔ دست ایں قطعہ دلپذیر از و سرانجام یافتہ:

حق سے مانگوں ہوں ہمیشہ یہی اے والا دست — عافیت سے ہی رہے ذات تری دست بدست
دست بستہ رہے حاضر تری خدمت میں نیاز — فضل حق سے ہو مبارک تجھے یہ صحت دست

نیاز

نیاز از تلامذۂ میر محمد تقی میرؔ۔ ایں[4] مطلع بایں راقم رسیدہ۔ از وست:

کیا ہوا ہم ہی جو اس[5] دہر میں ناشاد رہے — تو سلامت رہے اور تیرا یہ بیداد رہے

نالاں

نالاں[6] شاعرِ مشہور و معروف، سخن دلپذیری گوید۔ از چندی اشعارش کہ بمن رسیدہ بود ایں شعر بخاطر گذشت:

نہ مروت نہ وفا اور نہ محبت نہ سلوک — چشم بد دور، عجب آنکھ پھرا بیٹھا ہے

نیاز، شاہ نیاز علی

شاہ[7] نیاز علی نیازؔ درویشی است در دہلی ساکن کھاری باؤلی متصل لاہوری دروازہ در خوشنویسی دسترس دارد بتاریخ دوازدہم ہر ماہ مجلس مشائخاں بخانہ[8] خود منعقد میگرداند و سماع[9] سرود و وجدی نماید۔ طبعش[10] بدرد آشناست۔ ایں ابیات از طبع حق شناس اوست:

عشق میں تیرے کوہ غم سر پہ لیا جو ہو سو ہو — عیش و نشاط زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

1 ل: از آسیب۔ 2 ل: ساخت۔ 3 ل: مبارک۔ 4 ل: ایں مطلع از وست۔ 5 اصل/ق: جو دنیا میں ہیں ناشاد رہے۔ 6 ل میں ندارد۔ 7 اصل میں یہاں سے حاشیے پر۔ 8 اصل/خ: بلاناغہ۔ 9 اصل/ق: اکثر سرور پردازاں۔ 10 ل میں صرف از وست۔

عقل کے مدرسہ سے اٹھ، عشق کے میکدے میں آ   جام فنا و بیخودی، ابتو پیا جو ہو سو ہو

نعمت

نعمت تخلص معاصر میر و مرزا است۔ سخن بحسب فکر خود بہ میگوید۔ از وست:

رہتا مدام غیر سے وہ ہمکنار ہے   پر ہم سے اب تلک وہی دار و مدار ہے

نظیر

نظیر تخلص شخص باشندۂ متھرا است۔ اکثر بسخن سازی می پردازد[1] عاصی ذکار ا از طبعزادش یک رباعی دست داد:

کیا لطف ہے، ملکے پھر جدائی کیجیے   دل لیجیے، لیکے، بیوفائی کیجیے
اے جان گر نباہ نہووے منظور   کاہے کو کسی سے آشنائی کیجیے

نشاط

الٰہی[2] بخش نشاط ساکن قصبہ کاندہلہ، سخن[3] بتلاش می گوید۔ اکثر اشعار اوناخن بدل[4] می زند:

سینہ صافوں کو نہو قید تعلق مانع   بحر اڑتا ہے لگا موج کی زنجیر کے پر

نجم، قاضی نجم الدین

قاضی نجم الدین نجم، ساکن موضع کاکوری کہ قصبہ معروف است از مضافات پورب۔ شخصی عالم و فاضل و از مشاہیر آں ضلع واقع شدہ[5]۔ سبب شہرت کمالات ظاہری و باطنی بمقتضای قدر شناسی صاحبان[6] عالیشان صدر دام اقبالہٗ خدمت قضای دار الامارت کلکتہ بنام[7] نامی او مقرر فرمودہ اند

---

1 ل: از وست۔ 2 مولوی الٰہی بخش نشاط مردے فاضل ساکن قصبہ کاندھلہ سخن بتلاش می گوید۔ 3 اصل/ق: بہر حال شعر بتلاش می گوید' اکثر اشعار او' محذوف۔ 4 اصل/ق: بدل است۔ 5 ل: شدہ است۔ 6 اصل/ق: از حضور صاحبانِ صدر قدمت قضائے کلکتہ۔ 7 ل: کمالاتِ او صاحبان عالی شان صدر خدمت قضائے دار الامارت کلکتہ بنام او مقرر کردہ اند۔ اکثر شریک جلسۂ کونسل می باشد۔ ایں رباعی از وست۔

اکثر شریک جلسہ کونسل می باشد، از تصانیف[1] عالیش ہمیں یک رباعی بہ ایں خیر خواہ خلایق بہم رسید:

مت پوچھ کہ رات کیونکہ بارے گذری — میں کیا کہوں جسطرح سے پیارے گذری
اے صبح امید آرزو میں تیری — گنتے ہی تمام رات تارے گذری

ناسخ، میر امام بخش

میر (کذا[2]) امام بخش ناسخ قوم سید باشندۂ لکھنؤ طرز کلام گوئی او بسیار مرغوب و مطبوع و زیباست۔ ایں اشعار تالیف[3] آں استاد وقت نگارش میرود:

یہ آدمی ہے کہ جسکا جمال رہتا ہے — وگرنہ چاند کا اک شب کمال رہتا ہے
اسقدر آنکھیں مری محو تجلّی ہوگئیں — پتلیاں پتھرا کے آخر، سنگ موسیٰ ہوگئیں
باد کے مانند ساقی سے اڑا پانی مجھے — کشتی مے ہوگئی تخت سلیمانی مجھے
اس ابر میں ہم سے وہ جدا ہے — بجلی سا یہ دل تڑپھ رہا ہے
مرتبہ کم، حرص رفعت سے ہمارا ہوگیا — آفتاب اتنا چڑھا اونچا، کہ تارا ہوگیا
مرغ جاں کوچۂ سفاک کو گلشن سمجھا — تیغ کو طائر جاں، شاخ نشیمن سمجھا
آفتاب کا کہنا، ہے شراب کو زیبا — اس لیے کہ شیشے کا رنگ آسمانی ہے
بے سبب نہیں ہنستا آج خود بخود اپنا — شاید اس کے چہرے کا رنگ زعفرانی ہے
عمر خضر تک ناسخ ہی ثبات ہم نہیں — گوہر سخن اپنا آب زندگانی ہے

نادر، شیخ غلام رسول

شیخ غلام رسول نادر تخلص عمدہ معاش از رؤسائی بلدۂ گوالیار است۔ باہر یک بتواضع وخوبیہا پیش می آید۔ تلاش پاکیزہ دارد۔ ایں مطلع از فکر خوشش اندراج یافت:

صیاد نے جالی کا کیا کام قفس پر — پیچیدہ کیا یا کہ دلا، دام قفس پر

---

[1] از تصانیفش سوائے یک رباعی بہ ایں خیر خواہ خلایق دست داد۔ (کذا)۔ [2] ل: شیخ امام بخش۔
[3] اصل/ق: از گفتہاے خوب او؛ ایں اشعار از تالیف اوست۔

نادر

نادر معروف ومشہور از شعرائے قدیم است:

دلبر کہیں ہو، چشم سے عاشق کی دور کیا   دل مل رہے ہیں، جسم کا ملنا ضرور کیا
لپٹی ہی جا ہے مکھڑے سے خورشید رو کی زلف   اتنی بڑی ہوئی ہے پر اس کو شعور کیا

نعمی، شیخ نعمت اللہ

شیخ نعمت اللہ المعروف بہ حضرت نعمی، بالتیام سجع نگین شیخ نعمت اللہ حی امان اللہ دوی مردے بزرگ ساکن قصبۂ میرٹھ والد ماجد شیخ غلام محی الدین مبتلا خیلے مرتض ومتعبد است۔ اوقات شبا روزے بہ عبادت وطاعت بسر می برد۔ دیوانے ضخیم در فارسی از تالیف شریف خود دارد۔ واکثرے را از شاگردی مستفیض ساختہ۔ سرہندی گاہ گاہ می داشت۔ در اوقات جنگ وجدل کہ جواہر سنگھ راجا پسر سورج مل بھرت پور والہ مغلوب شد ونواب نجف الدولہ بر وغالب آمد وجنگ فتح گرداند، آنگاہ تاریخ کہ از دسر زدہ بندۂ ذکا نوشت:

فوجیں بہت بلائیں پیسہ بہت لٹایا   ہر چند سر کو پٹکا کافر نے کچھ نہ پایا
تاریخ اسی کی میں نے پوچھی جو دل سے اپنے   ہاتف پکار بولا اسلام غالب آیا

نعمت اللہ

نعمت اللہ سکندر آبادی۔ در عین شباب ترک تعلقات نمودہ دل با خدا بست وحیات مستعار را باوراد ووظائف وطاعت وریاضت بسر برد وباحدے سروکار نداشت وپائے تجرد بگوشۂ انزوا کشیدہ۔ دست تناسخ بر رشتۂ طمع زد:

آنا عدم سے ہم کو تو کاہے کو زیب تھا   اے ہستئ خراب یہ تیرا فریب تھا
شام سے آج بیقراری ہے   اور ابھی باقی رات ساری ہے
نقد انفاس کھو کے خالی ہات   واں چلے، سخت شرمساری ہے

غیروں کے ساتھ وہ کچھ تعظیم اور مدارا　　اور ہم سے یہ رکھائی، یہ عار، یہ کنارا

نحیفؔ

نحیفؔ تخلص از علوم متعارفہ بہرور۔ اکثر در تلاش سخن معروف است:

ترا ثانی کوئی گر دوسرا پیدا ہوتا　　تو جہاں میں ترے کب حسن کا شہرا ہوتا
بسمل کا تیرے جب تنِ عریاں لرز گیا　　لرزہ سے اس کے گنبد دوراں لرز گیا
شب بیقراری دیکھ کے تیرے نحیف کی　　دل برق کا بھی اے مہٗ تاباں لرز گیا
تن ہے تنکا مرا تو کاہ ربا ہے بھر آہ　　دیکھ کر کاہ ربا کیونکہ نہ تنکا اٹھے
جوں نقشِ قدم یار کے کوچے میں نحیفؔ　　نہیں ممکن جو قدم یاں سے ہمارا اٹھے

ردیف الواو

ولی، محمد ولی

محمد ولی ولی تخلص، شخصی بود درد یاری از اضلاع دکن، از مریدان و شاگردان شاہ سعد اللہ گلشن علیہ الرحمہ والغفران، گویند کہ موجد زبان ریختہ شدہ۔ الا چوں بتحقیق رسید حضرت امیر خسرو دہلوی و حضرت شیخ سعدی شیرازی [1] رحمتہ اللہ علیہ و ہمچنیں اکثر [2] اساتذان سلف نیز میل تصانیف ریختہ فرمودہ اند۔ از آنجا کہ گفتگوی شاں از زبان اردوی معلیٰ و سخن [3] گویان حال مطابق نبود، اشعار آنہا کمتر نوشتم [4] و بعض را مرفوع القلم ساختہ و دریں تذکرہ درج نہ نمودم۔ اگر چہ ولی ہم اکثر اشعار بطور قدما گفتہ، لیکن بسیاری [5] کلامش بزبان سخند انان ایں عصر ہم مناسبت دارد، لہذا بقدر استعداد وضع خود از دیوانش انتخاب نمودہ اشعاری [6] چند باحاطہ تحریری در آورد:

نشہ بخش عاشقاں وہ ساقی گلفام ہے — جس کی آنکھوں کا تصور بے خودی کا جام ہے
گلر خاں کیوں نہ کہیں تجھکو سکندر طالع — جلوہ گر سر میں تیرے جامۂ دارائی ہے
سن ولی رہنے کو دنیا میں مقام عاشق — کوچۂ زلف ہے یا گوشۂ تنہائی ہے
آغوش میں آنیکی کہاں تاب ہے اسکو — کرتی ہے نگہ جس قد نازک یہ گرانی
آویگا جب سخن میں وہ مایۂ لطافت — شرمندہ اسکے آگے آب زلال ہوگا
تری وہ طبع ہے ہموار ہے رشک مہ کنعاں — کہ جس میں مو برابر نہیں اثر بے اعتدالی کا
بدخشاں میں پڑا ہے شور تیرے لعل رنگیں کا — ہوا ہے چین میں شہرا تری اس زلف پر چیں کا
پھر میری خبر لینے وہ صیاد نہ آیا — شاید کہ مرا حال اسے یاد نہ آیا

---

1 یہ سعدی دکن تھے جن کو بعض تذکرہ نگاروں نے غلطی سے سعدی شیرازی سمجھ لیا۔ 2 اصل/ق: استادانِ بزرگاں۔ 3 ل: وسخن گوئی سخن گویاں۔ 4 اصل: اضافۂ مولف ''و بعضے......نمودم''۔ 5 اصل/ق: اکثر اشعارش؛ ل: و بعضی ہارا۔ 6 ل سے محذوف۔

پوچھو عشق میں جوش وخروش دل کی ماہیت
برنگ ابر دریا بار ہے رومال عاشق کا

نہ تخت جس بے خانماں کا دشت ویرانی ہوا
سر اوپر اس کے بگولا تاج سلطانی ہوا

میکشی کے حال میں اک آن، میں تنہا نہیں
غم ترا سینے میں میرے ہمدم جانی ہوا

تجھ حسن عالمتاب کا جو عاشق شیدا ہوا
ہر خوبرو کے حسن کے جلوے سے بے پرواہوا

اسے ولؔی گلبدن کو باغ میں دیکھ
دل صد چاک باغ باغ ہوا

جلوہ گر جب سے وہ جمال ہوا
نور خورشید پایمال ہوا

جسوقت سے سریجن تو بے حجاب ہوگا
ہر ذرہ تجھ جھلک سے جوں آفتاب ہوگا

خدا نے رخ پہ ترے باب حسن باز کیا
قد بلند کو تیرے تمام ناز کیا

مثال زلف پڑی دل کی فوج بیچ شکست
تری نگاہ نے جب آگے ترکتاز کیا

دیکھنا ہر صبح تجھ رخسار کا
ہے مطالع مطلع الانوار کا

آئینہ تجھ سے ہو کے ہم زانو
غیرت افزا ہوا ہے گلشن کا

تجھ نگہ سے نشانی شان عسکل
دل ہوا گھر ہزار روزن کا

موج رفتار نے تجھ قد کی صنم
سرو آزاد کو زنجیر کیا

مثل یاقوت خط میں ہے شاگرد
ساغر مے مدام تجھ لب کا

شغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی و کیا مجازی کا

آج ابرو نے تیرے مسجد میں
ہوش کھویا ہے ہر نمازی کا

اے ولی سرو قد کو دیکھوںگا
وقت آتا ہے سرفرازی کا

صحن گلشن میں جب خرام کیا
سرو آزاد کو غلام کیا

طالب نہیں مہرو مشتری کا
دیوانہ ہوا جو تجھ پری کا

تو سر سے قدم تلک جھلک میں
گویا ہے قصیدہ انوری کا

عیاں ہے ہر طرف عالم میں حسن بے حجاب اُسکا
بغیر از دیدۂ حیراں نہیں جگ میں نقاب اُسکا

کیا اک بات نے واقف مجھے راز نہانی کا
لکھوں غنچہ اُپر حرف اُس دہن کی نکتہ دانی کا

دؔلی جن نے نہ باندھا دلکوا پنے نونہالاں سے
نپایا ان سے پھل ہرگز جہاں میں زندگانی کا

بسے فرہاد کی مانند کوہ بے ستوں میں جا — اگر قصہ سنے خسرو تری شیریں کلامی کا

جوں لالہ بجز آتش خاموش لب یار — مرہم نہیں عالم میں ولی داغ جگر کا

کشور دل کو ترے ناز نے تسخیر کیا — فوج مجنوں کو تری زلف نے زنجیر کیا

موسیٰ اگر جو دیکھے تجھ نور کا تماشا — اسکو بہار ہووے پھر طور کا تماشا

بے رحم نہو، غصہ نہ کر، بات مری سن — ڈرتا نہیں اک بات کی سو بات سنا جا[1]

نہیں کوئی سنے تا، حال میری آہ و زاری کا — کہوں کس سے، گریباں چاک کر، دکھ بے قراری کا

وہ صنم جب سے بسا دیدۂ حیران میں آ — آتشِ عشق پڑی عقل کے سامان میں آ

ناز دیتا نہیں گر رخصت گلگشت چمن — اے چمن زار حیا، دل کے گلستان میں آ

حسن تھا پردۂ تجدید میں سب سے آزاد — طالب عشق ہوا صورت انسان میں آ

بس کہ مجھ حال سے ہمسر ہے پریشانی میں — درد کہتی ہے تری زلف ترے کان میں آ

نہ جاؤں صحن گلشن میں کہ خوش آتا نہیں مجھکو — بغیر از ماہرو ہرگز، تماشا ماہتابی کا

نپوچھو اب ہوا ہے کم سخن وہ دلبر رنگیں — لب تصویر پر ہے رنگ دایم لاجوابی کا

ہوا ہے سیر کا مشتاق بیتابی سے من میرا — چمن میں آج آیا ہے مگر، گل پیرہن میرا

گر نہیں ہے خنجر بیداد خوباں کا شہید — دامن صد چاک گل کس واسطے پُرخوں ہوا

آرزوئے چشمۂ کوثر نہیں — تشنہ لب ہوں شربت دیدار کا

مسندِ گل منزلِ شبنم ہوئی — دیکھ رتبہ دیدۂ بیدار کا[2]

ترے جلوہ سے اے ماہ جہاں تاب — ہوا دل سر بسر دریائے سیماب

ملا ہو گلبدن جس کو، اُسے گلشن سے کیا مطلب — جو پایا وصل یوسف اُسکو پیراہن سے کیا مطلب

ولی جنت میں رہنا کچھ نہیں درکار عاشق کو — جو طالب لامکاں کا ہے اُسے مسکن سے کیا مطلب

بجا ہے گر شہید سرو قد کا — بناویں چوب سے طوبیٰ کی تابوت

برنگ صافی دل کیوں نہو صفائے قدح — کہ دست آئنہ رو ہے مدام جائے قدح

---

1 اصل میں یہاں نشان (TW) دے کر حاشیے پر ایک غزل لکھی ہے جسے ہم نے بعد میں شامل کر دیا ہے۔

2 اصل/خ دیکھ احوال مرا ناصح مشفق نے ولی — ہاتھ سے ہاتھ، ملا درد سے سینہ کوٹا۔

زہے طرب کہ ہوا بزم عیش میں دمساز
صنم کے لعل سے یاقوت بے بہائے قدح

اگر اشارۂ ابرو کرے وہ ماہ تمام
ہلال بزم میں ہو چرخ زن بجائے قدح

خمار حشر سے کیا غم ہے مے پرستوں کو
لکھیں جو قبر کے تعویز پر دعائے قدح

کتاب عشق پہ شنگرف، اشک خونیں سے
پلک کی کر کے قلم کھینچتا ہوں جدول سرخ

کیا ہے دفع مرے درد سر کو رونے نے
ہوا ہے حق میں مرے خون دیدہ صندل سرخ

شفق نہ پوچھ کہ مجھ آہ آتشیں نے ولؔی
فلک کو جا کے کیا ہے برنگ منقل سرخ

سوزن سے تجھ پلک کی اے نور جان و دیدہ
ہر استخوان میں روزن، ہے بانسلی کے مانند

اب جدائی نہ کر، خدا سے ڈر
بے وفائی نہ کر، خدا سے ڈر

اے سرو خراماں تو نہ جا باغ میں چل کر
مت قمری دشمشاد کے سودے میں خلل کر

نجانوں خط ترا کس بے خطا پر
چلا ہے آج فوج شام لیکر

جنون عشق ہوا اسقدر زمیں میں محیط
کہ پارسا کو ہوئی موج بوریا زنجیر

سات پردوں میں رکھوں اسکو چھپا
آوے گر آنکھوں میں وہ نور نظر

بلبل شیراز کو کرتا ہوں یاد
حسن کو تیرے گلستاں بوجھ کر

زلف تیری کیوں نہ کھاوے پیچ و تاب
حال مجھ دل کا پریشاں بوجھ کر

رحم کر اُسپر کہ آیا ہے ولؔی
درد دل کا تجھکو درماں بوجھ کر

معشوق کو ضرر نہیں عاشق کی آہ سے
بجھتا نہیں ہے باد صبا سے چراغ گل

آوے اگر وہ شوخ ستمگر عتاب میں
جرات جواب کی نہ رہے آفتاب میں

اے دل شتاب چل کہ تماشے کی گھات ہے
بیٹھا ہے آفتاب نکل ماہتاب میں

ایسے نصیب میرے کہاں ہیں ولؔی کہ آج
اُس گلبدن کو اپنے گلے ہار کر رکھوں

اسکے دہن تنگ کی تعریف کا نکتہ
صنعت سے ولؔی دیدۂ عنقا پہ لکھاؤں

جب تک نہ دیکھا تھا تجھے دل بند تھا اوراق میں
ابرو کو تیرے دیکھکر جز دان چھوڑا طاق میں

خوبی اعجاز حسنِ یار اگر انشا کروں
بے تکلف صفحۂ کاغذ ید بیضا کروں

ہندوئے زلف پریرو ہے پریشانی فروش
بیچ دیوے مجھکو سودے میں اگر سودا کروں

آرزو دلمیں یہی ہے وقت مرنے کے وؔلی
سرو قد کو دیکھ، سیر عالم بالا کروں

فدائے دلبر رنگیں ادا ہوں
شہید شاہد گلگوں قبا ہوں

مجھکو تجھ بن کسو سے کام نہیں
فکر ناموس و ننگ و نام نہیں

زندگی جام عیش ہے لیکن
فایدہ کیا اگر مدام نہیں

ہر شعر سے وؔلی کے عزیزو بیاض میں
مسطر کے خط کو رشتۂ سلک گہر کرو

صحبت غیر میں جایا نہ کرو
اپنے عاشق کو کڑھایا نہ کرو

عجیب کچھ لطف رکھتا ہے شب خلوت میں گلرو سے
خطاب آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

ہوا ظاہر خط روئے نگار آہستہ آہستہ
کہ جوں گلشن میں آتی ہے بہار آہستہ آہستہ

گریاں ہے ابر چشم مری اشکبار دیکھ
ہے برق بیقرار مجھے بیقرار دیکھ

لالۂ خونی کفن کے حال سے ظاہر ہوا
بستگی ہے خال سے خوباں کے داغ زندگی

قلم نرگس کی جب لیکر لکھوں تجھ چشم کی خوبی
ہزاروں آفریں کرتا مرے گھر عبہری آوے

کہاں ہے آج یارب جلوۂ مستانۂ ساقی
کہ دل سے تاب، جی سے صبر، سر سے ہوش، لیجاوے

تیغ ابرو نے مجھکو قتل کیا
کیا بلا اسمیں آبداری ہے

کہو زاہد سے، جاوے اس گلی میں
اگر مشتاق فردوس بریں ہے

مرے حق میں عنایت نامۂ یار
مثال شہپر روح الامیں ہے

ترا رخ مشرقیؔ، حسن انوریؔ، جلوا جمالیؔ ہے
نین جامیؔ، جبیں فردوسیؔ و ابرو ہلالیؔ ہے

ریاض فہم، وگلشن طبع، و دانا دل، علی فطرت
زباں تیری فصیحیؔ و سخن تیرا زلالیؔ ہے

جو تیرے خال کی گردش کو دیکھے
اُسے گرداب گرداں یاد آوے

نہو ناصح کی سختی سے مکدر اے دل شیدا
سدا نقد محبت کا محک سنگِ ملامت ہے

جسے عشق کا تیر کاری لگے
اسے زندگی اپنی بھاری لگے

تجھ لب و زلف کے تماشے کو
چل کے آئے ہیں مصری و شامی

گر تجھکو ہے عزم سیر گلشن ‏ دروازۂ آرسی کھلا ہے
صنم مجھ دیدۂ و دل میں گذر کر ‏ ہوا ہے، باغ ہے، آب رواں ہے
غنیمت بوجھ ملنے کو ولی کے ‏ نگاہ پاکبازاں، کیمیا ہے
عشق میں شمعرو کے جلتا ہوں ‏ حال میرا سبھوں پہ روشن ہے
دیکھ اُسکی کلاہ بارانی ‏ چاند پر آج ابر آیا ہے
ساقی و مطرب آج ہے ہمرنگ ‏ نشۂ بے خودی دو بالا ہے
آتش شوق زلف سے تیری ‏ دل عاشق کباب شامی ہے
زخم دل تھا گرچہ کاری لیکن اس سے غم نہیں ‏ سبزۂ خطِ دل آرا مرہم زنگار ہے
پہنچتا ہے دلوں کو، ہر جاگہ ‏ غم ترا روزیِ مقدر ہے
نجانوں کیا بلا لاویگی اس کے کان سے لگ کر ‏ بلائے جان مشتاقاں کہ اسکا نام بالی ہے
عیاں ہے شان بیت عبہری تجھ چشم جادو سے ‏ کرشمہ تجھ بھواں میں معنی بیت ہلالی ہے
آشنا نونہال سے ہونا ‏ ثمرۂ گلشن جوانی ہے
ہے بجا عشاق کی خاطر اگر نا شاد ہے ‏ غمزۂ خونخوار ظالم بر سر بیداد ہے
مہر سحر تجھ نعمت دیدار کی ‏ آرسی کو اشتہائے صاف ہے

نکال خاطر فاطر سے جام جم کا خیال ‏ صفا کر آرسی دل، کی سکندری یہ ہے
غرور حسن نے تجھکو کیا ہے اسقدر سرکش ‏ کہ خاطر میں نہ لاوے تو اگر تجھ گھر ولی آوے
خبرداری سے اس معشوق کے کوچے میں جا اے دل ‏ کہ اطراف حرم میں ہے ہمیشہ ڈر حرامی کا
اُسکے قدم کی خاک میں صد حشر ہے نجات ‏ عشاق کے کفن میں رکھو اس عبیر کو
دل چھوڑ کے یار کیونکر جاوے [1] ‏ زخمی ہو شکار کیونکر جاوے
جب تک نہ ملے شراب دیدار ‏ آنکھوں سے خمار کیونکر جاوے
ہے حسن ترا ہمیشہ یکساں ‏ جنت سے بہار کیونکر جاوے

---

1. اصل میں حاشیے پر، پیچھے نوٹ دیا جا چکا۔

اشکوں کی اگر مدد نہووے — مجھ دل کا غبار کیونکر جاوے
ممکن نہیں اب ولی کا جانا — ہے عاشق زار، کیونکر جاوے

دیکھکر تجھ نگاہ کی شوخی — ہوش عاشق رم غزال ہوا
اور مجھ پاس کیا ہے دینے کو — دیکھ کر تجھکو رو ہی دیتا ہوں

کیا غم ہے اسکو گرمی خورشید حشر سے — بخت سیاہ جس کے سر اوپر ہو سائباں
دشمن دیں کا دین دشمن ہے — راہزن کا چراغ رہ زن ہے

جلد جل، ٹک عشق کی رہ میں، کہ تا پہنچیں کہیں — کاہلی کو رہ ندے، سالک، کہ منزل دور ہے
کیونکہ سیری ہو حسن سے تیرے — دھوپ کھانے سے پیٹ بھرتا ہے

یکبار میری بات اگر گوش کرے تو — ملنے کو رقیباں کے فراموش کرے تو
اے جان ولی وعدۂ دیدار کو اپنے — ڈرتا ہوں مبادا کہ فراموش کرے تو

گناہوں کے سیہ نامہ سے کیا غم اس پریشاں کو — جسے وہ زلف، دست آویز ہو روز قیامت میں
ہر چند کہ اس آہوے وحشی میں پھڑک ہے — بیتاب کے دل لینے کو لیکن نہ دھڑک ہے

ہمکو شفیع محشر، وہ دیں پناہ، بس ہے — شرمندگی ہماری عذر گناہ، بس ہے
جو صاف دل ہیں ان کو درکار کیا ہے زینت — جوں آرسی نمد کی سر پر کلاہ بس ہے
درکار نہیں ہے مسجد، سجدوں کو عاشقوں کے — محراب تجھ بھنوؤں کی اے قبلہ گاہ بس ہے
بیجا ہے بادشاہی ہر خوبرو کو دینا — خوبی کے تخت اوپر اک بادشاہ بس ہے
دل لے گیا ہمارا جادو سے وہ پری رو — دیوانگی ہماری اسپر گواہ بس ہے
اسباب جنگ رکھنا درکار کیا ہے ہمکو — دشمن کے مارنے کو اک تیر آہ بس ہے

صنم کے لعل بر وقت تکلم — رگ یاقوت ہے موج تبسم
خوبرو خوب کام کرتے ہیں — اک نگاہ میں غلام کرتے ہیں

ولی اس گوہر کان حیا کی کیا کہوں خوبی — میرے گھر اس طرح آتا ہے جوں سینے میں راز آوے
جاگیر ساتھ کب دل وحشی کو کام ہے — تجھ زلف کا خیال مجھے لاکھ دام ہے

واقفؔ، شاہ واقف

شاہ واقف واقفؔ تخلص[1]، مردی بود در لکھنؤ، درویش سیَر، نیک محضر، شیریں کلام، خوبی التیام، دران نواح باستادی شہرہ می داشت واز معاصران خویش سبقت ربودہ۔ بسبب مناسبت طبعی دیوان ومثنوی وقصائد ورباعیات ہمہ خوب می گفت واز بسکہ طبع عالی داشت، دراداۓ کلام تلاشی بکاری برد، فی الجملہ مرد مرتاض واز بس مغتنمات زمانہ بود۔ ایں اشعار آبدار ازاں غفار بحر رحمت ایزدی است:

ہوا ہے عشق سے آکر مقابلہ دل کا
بھڑا پہاڑ سے جا، بل بے حوصلا دل کا

سرشک وآہ ہے، شور جنوں ہے، وحشت ہے
عجب شکوہ سے جاتا ہے قافلا دل کا

کہاں ہے شیشۂ مے، محتسب خدا سے تو ڈر
مری بغل میں جھلکتا ہے آبلا دل کا

خیال وعدہ سے از بسکہ تو نظر میں رہا
تمام رات مرا جی صداۓ درمیں رہا

ان رقیبوں سے گئے گذرے ہیں کیا اے یار ہم
وہ شریک بزم ہوویں اور نہ پاویں بار، ہم

نہ یہ شعاع سے ہیکل کے نگ دمکتے ہیں
یہ لخت دل ہیں ہمارے کہ یا چمکتے ہیں

تو مثل برق ابھی یاں تھا، جا کے واں چمکا
ہم اس جھلک سے، پلک، اتنلک جھپکتے ہیں

ایک ہووے داغ اس دل کا تو کوئی دھو سکے
روز وشب کی شست وشواۓ چشم کس سے ہو سکے

جاگتے ہی جاگتے آنکھوں میں کٹ جاتی ہے رات
آہ جسکو درد ہو ایسا وہ کیونکر سو سکے

صبح تک مہمان ہیں ہم اور بھی اس بزم میں
رولے، بالیں پر مری، اے شمع جتنا رو سکے

رہ نورد بے خودی گر کچھ نہو، ہم سا تو ہو
گو سراغ اسکا نہ پاوے آپ کو تو کھو سکے

1۔ ان کا نام صرف مبتلا نے بتایا ہے کہ میاں عاشوری تھا۔ میر حسن دوست مصنف تذکرہ حسینی سے انھوں نے علوم رسمیہ حاصل کیے۔ (گلشن سخن) الہ باد (مسرت افزا) اور فیض آباد میں مقیم رہے۔ بعد کو لکھنؤ چلے گئے جہاں وہ کم از کم 1194ھ تک ضرور مقیم تھے (گلزار) میر ناصر علی اور جلال امیر کے متبع تھے۔ مصحفی کے تذکرہ ہندی کے وقت وفات پا چکے تھے۔ قاسم 1221ھ کے لگ بھگ لکھتے ہیں کہ ان کی وفات کو مدت ہوئی (مجموعۂ نغز) مختار الدین احمد۔

کون پہنچاوے مرا پیغام واں تک اے صبا | کام واقف کار کا ہے، تجھ سے ہو تو ہو سکے
اے وائے ہمرہوں نے راہ اپنی اپنی ہاں کی[1] | ہم رہگئے بھٹکتے جوں گرد کارواں کی
سرد[2] ہے بازار خوباں، گرم بازاری نہیں | کتنے یوسف دیکھتا ہوں، کچھ خریداری نہیں
خوبرو ہو کے با وفا ہووے | میں نہ مانوں اگر خدا ہووے
سیکھا ہے مجھ سے یارو ابر بہار رونا | دامن کو اپنے منہ پر رکھ، زار زار رونا
جب کہ پردے سے یار نکلے ہے | آہ بے اختیار نکلے ہے
عشق میں کیا فضل و ہنر چاہیے | آہ میں تھوڑا سا اثر چاہیے
واقفؔ شراب معلوم اس دور آخریں میں | ناچار کیا کریں ہم افیون گھولتے ہیں

قطعہ

یاران و ہم نشین و رفیقاں و دوستدار | سب آشنا ہیں زندگی مستعار کے
جب آنکھ مندگئی تو پھر اے دوست، بعد مرگ | پھٹکے ہے کون پاس، کسو کے مزار کے

وجیہؔ، وجیہ الدین خاں

نواب[3] وجیہ الدولہ وجیہ الدین خاں بہادر مبارز جنگ المتخلص بہ وجیہؔ سلمہ[4] اللہ تعالیٰ ابداً برادر صفیر مختار الملک نواب حسام الدین خاں بہادر مبارک جنگ، شاگرد رشید مرزا محمد فاخر مکینؔ[5] استاد پر زور فارسی، مثنوی چند ہزار بیت بزبان ریختہ مشتمل بر صنایع[6] و بدایع بیشمار منظوم ساختہ۔ در عروض و قافیہ کمال مہارت دارد۔ بہ فارسی بریںؔ و بہندی وجیہ تخلص می فرماید۔ خوش فکر و بسیار گو چوں سہ خاو زیکہ تازِ دمیدان اسپ کلامش بمتانت آشنا و شعرش گلدستۂ سراپا گوشۂ چشمی بحال[7] ایں بندہ ذکاؔ ہم دارد:

1۔ ل: رہرواں نے راہ اپنی ہاں لی۔ 2۔ اصل میں یہ اشعار حاشیے پر۔ 3۔ ل: وجیہ الدولہ نواب۔ 4۔ ل سلمہٗ ندارد۔ 5۔ اصل/ق: کہ استاد پُر زورِ فارسی بودہ است۔ 6۔ اصل صناعات۔ 7۔ اصل/خ: عاصی۔

گرمی غیر جو ہم تک بھی گوارا کرتے — سرد آہوں سے نہ اوقات گذارا کرتے
ادب سے اسکا قدم بوس کیجیو قاصد — جو ڈھب بنے تو بلائیں بھی لیجیو قاصد
ہے عکس حقیقت رخ نیکوئی محبت — محراب طریقت خمِ ابروئے محبت
گو قتل سے میرے تجھے کچھ ہاتھ نہ آیا — سرخ، آگے وفا کا تو ہوا روئے محبت
آ دیکھ بہار چمن دیدہ و دل کو — کیا خوب کھلے ہیں گل خود روئے محبت
خون دل بسکہ رہا آن کے جم چشموں میں — پانی پانی ہوا خجلت سے میں، ہم چشموں میں
لخت دل جیسے مرے چشمۂ حیواں سے بہے — مچھلیاں دیکھیں ہیں اس رنگ سے کم، چشموں میں
تسکین، درد دلکو، نے آج ہو نہ کل ہو — بے یار بے کلی ہے، وہی آ ملے تو کل ہو
مسیح دم مری بالیں پہ کون آتا ہے — کہ مجھ سے مردے کو پھر گور سے جلاتا ہے
سر بالیں جو دم نزع وہ آیا میری — کیا دکھائی بت کافر نے خدائی مجھکو

ولا، مظہر علی خاں

مرزا مظہر علیخاں عرف مرزا لطف علی[1] متخلص بہ ولا، پسر سلیمان علی خاں وداد کہ شاعر پُر زور فارسی بود۔ بحسب[2] اتفاق دریں ولا از لکھنؤ بہ کلکتہ رفتہ نوکر شدہ آنجا بعزت و وقار میگذراند و ایام زندگانی بترفیہ[3] حال وکشادہ پیشانی بسر می برد۔ ایں اشعار از موزونی آں صاحب تصنیف خوش کلام دریں مقام مندرج گشتہ:

ہستی کو خوب دیکھا جاتے ہیں اب عدم کو — درپیش ان دنوں میں یاں عزم ہے وطن کا
طعنہ بت دے تو مجھے بادیہ پیمائی کا — پوچھ مجنوں سے مزا آبلہ فرسائی کا
ترک غمزہ کو بھلا کب پہ ہے قصد یغما — ہوچکا کام یہاں صبر و شکیبائی کا
ہاتھ اسکے تو یہ نسخہ بہ از اکسیر لگا — خاک دان جہاں کو کرنے جو تسخیر لگا
مرغ دل تڑپے ہے جوں طایر ناوک خوردہ — کسکی مژگاں کا مرے سینہ میں یہ تیر لگا

---

1 اصل: اضافہ مولف "علی"۔ 2 ل میں یہ جملہ محذوف۔ 3 اصل یہاں سے اخیر تک اضافہ۔ مولف ل میں اس کی بجائے صرف از دست۔

فوج اشک و لشکر داغ و علم ہے آہ کا | دھوم سے آنا ہوا ہے عشق عالی جاہ کا

یوں[1] ہی گر گر کرتے رہے ہم اشک سے تر آستیں | آپ بھی روئینگے اکدن منہ پہ دھر کر آستیں

نے غنچہ کا، ہوں عاشق، نے ہوں گل چمن کا | دلدادہ ہوں کسی کے، رخسار اور دہن کا

کیسے پہاڑ ان نے اندوہ کے اٹھائے | پتھر کی سل تھی یارب یا سینہ کوہکن کا

کروں کیا وصف میں اس خوبرد کا | نہیں یارا مجھے کچھ گفتگو کا

دیا ہے یار کو رتبہ یہ خود نمائی کا | ہر ایک بت کو یہاں لاف ہے خدائی کا

مسکن اپنا نہ کبھی یہ دل ناشاد کیا | تمنے اس خانۂ ویراں کو نہ آباد کیا

یوسف کا جو نقشا درو دیوار پہ کھینچا | کیوں تونے زلیخا نہ دل زار پہ کھینچا

سینہ سے مرے جب ترے پیکاں کو نکالا | پیکاں کو نہیں، بلکہ مری جاں کو نکالا

ایک سے ایک جہاں میں ہے صنم خوب سے خوب | نظر آیا کوئی اک اپنے، نہ محبوب سے خوب

قطرۂ اشک رہے یوں سر مژگاں سے لپٹ | جس طرح اوس رہے خار مغیلاں سے لپٹ

یاد میں اس قد موزوں کے گلستاں میں ولاؔ | روتا پھرتا ہوں ہر ایک سرو[2] گلستاں سے لپٹ

ایک دریا ہے کہ پلکوں سے بہا آتا ہے | کیا بلا ہے یہ مرے دیدۂ گریان کے بیچ

قطعہ

مرتے ہی مرے آہ عزیزوں کا خدا یا | کسو اسطے جوں سنگ ہوا دل نہیں معلوم

جو برگ گل اس سینہ پر سمجھتے تھے گراں، وے | چھاتی پہ مری دھر گئے کیوں سل، نہیں معلوم

وصالؔ، نصر اللہ

نصر[3] اللہ خاں وصالؔ، بود و باش وے در دہلی خلف حکیم ثناء اللہ خاں فراقؔ، جوان سعادت مند باادب[4] و شائستہ معلوم شد۔ بتحصیل علوم متعارفہ مصروف است از چندی بامتحاں طبع موزوں

---

1 یہاں سے آٹھ شعر حاشیے پر پھر دو شعر چھوڑ کر ایک شعر "یاد" حاشیے پر اور اس کے متوازی ذکا کے دستخط۔

2 خار مغیلاں۔ 3 ل: حکیم نصیر اللہ خاں۔ 4 اصل/ق: و مہذب۔

پرداختہ[1] شوق ریختہ گوئی بہم رسانیدہ وغزل خود را بسمع شریف والد بزرگوار خود رسانیدہ۔ گاہگاہی درمشاعرہ غزل طرحی گفتہ وارد وقت می شود:[2]

آئنہ، گھورنے کو سب سے نرالا نکلا — منہ تو دیکھو یہ بڑا چاہنے والا نکلا
گرمی عشق کا کیا کیجیے بیاں تجھ سے وصالؔ — دل جلا، جسم جلا، جیب میں چھالا نکلا

وفاؔ، عبدالعلی

مولوی عبدالعلی وفاؔ شخص معلمی پیشہ ساکن دہلی واصلش[3] خطہ کشمیر، مرد باوفا است از گلستاں اخلاقش بوی وفا بمشام جاں می رسد۔ درنستعلیق نویسی ید طولیٰ دارد۔ از شاگرداں میاں نصیرؔ[4] است باستخوان بندی معنی خیلی خوش تدبیر و بتلاش سخن بے نظیر:

وا لب زخم جگر ہے عاشق دلگیر کا — جسمیں جوں انگشت حسرت[5] ہے یہ پیکاں تیر کا
آپ رنجھا ہے بناکر تجھکو نقاش ازل — یکقلم نقشا کھنچے کس سے تری تصویر کا
وقت رخصت اسقدر سے نالہ وزاری ہوئی — اشک کے نالہ بہےاور جوئے خوں جاری ہوئی
کشتۂ چشم مفتن ایک عاشق ہی نہیں — دیکھکر نرگس کو بھی یرقاں کی بیماری ہوئی
ہاتھ پر دستار کو رکھلر عبث نکلا ہے مہر — دستگرداں چیز کی کب یاں خریداری ہوئی
شکر ہے، صد شکر ہے، صد شکر ہے — عشق خوباں میں وفا، تجھ سے وفاداری ہوئی
وعدہ تو کیا کرتے ہو دن رات مری جان — معلوم نہیں روزِ ملاقات وہ کب ہے

وارثؔ، شاہ وارث الدین

شاہ وارث الدین متخلص بہ وارثؔ مرد بزرگی[6] است ہفت قلم مخاطب بہ زمرد رقم شہر استاد

---

1 ل: وغزلِ خود را بہ نظر والد خود می گذارد۔ 2 ل۔ برحاشیہ دریں زماں مطابق 1266ھ وغیرہ درقصبہ جھجر بخدمت طبابت بمشاہرہ ایک سو پچاس روپیہ ملازم است۔ (اغلباً اضافہ کاتب۔ کیول رام)۔ 3 اصل اضافہ مولف ''واصلا خط کشمیر'' و ''درنستعلیق نویسی ید طولیٰ دارد''۔ 4 ل: نصیر دہلوی۔ 5 اصل / ق حیرت۔ ☆ ل سے اضافہ۔ 6 منبت قلم است۔

است ومشایخی است از مشایخان شاہجہاں آباد کہ بتاریخ چہارم ہر ماہ مجلس حضرت شیخ فرید شکر گنج شکر بار بخانہ او مقرر است واکثر سرود سرایاں[1] جمع می آیند وسامعین جہت[2] عظمت نفس وقوت روح ذخایر اندوز سرور موفور میشوند۔ عاصی ذکا چندی باصلاح خط وہم بمطالعہ کتب شاگردی او نمودہ۔ گاہگاہی شعر فارسی وریختہ از طبعش میریزد گفتنش از بینای شعرش ہویدا است مصرع می تراود ز درون آنچہ درآوند دل است۔[3]

خورشید روکا میرے جلوا جہاں تہاں ہے	ہر ذرہ میں جو دیکھو اُسکی جھلک وہاں ہے
کون سی جائے تم سے ہے خالی	چشم و گوش و زبان میں تم ہو

والہ، مرحمت خاں

مرحمت خاں والہ و واصل از کشمیر و مسقط الراس آں خطۂ فردوس نہاد شاہجہاں آباد۔ بزرگانش از طرف یکی از رؤسای قدر شناس خطۂ فرنگ بعلاقۂ وقایع نگاری دہلی مشرف امتیاز می داشتند وبخوبی تمام اوقات عزیز[4] خود ہابسر بردند مرد خلیق وصاحب سلوک بود بانجاح امور خیر ہر کس می پرداخت وبا اعلیٰ وادنیٰ می ساخت، خط[5] ثلث درست می نوشت بہر دو زبان سخن سرا بود در فارسی ثاقب وبہندی والہ تخلص میکرد وکلام برجستہ می گفت:

گنے جو بندوں میں اپنے تو ایکبار مجھے	تو خلق میں ہو خدائی کا اعتبار مجھے
بے طرح پھر گیا ہے کچھ اب مزاج دلکا	یارب میں کس سے پوچھوں جاکر علاج دلکا
وہ کوئی تجھ سے آشنا ہوگا	پہلے جو آپ سے جدا ہوگا
کیا کہوں اس خوش ادانے کام کچھ ایسا کیا	لیگیا دل ہنستے ہنستے اور میں دیکھا کیا
باد صبا اُڑادے مشت غبار میرا	ہووے نہ اس پری کی خاطر پہ بار میرا
از بسکہ دل ہے آئینہ دار اس جمال کا	پرتو کو اس کے خوف نہیں ہے زوال کا

---

1 اصل/ح: ''وطوائف''۔ ''ل میں ندارد۔ 2 ل بہ غلط۔ 3 ل: ذکا ہم بشاگردی مشرف است۔ اشعارش ایں اند با اصل/ح ایں ابیات از ارشاد آں بزرگ بریں ذکا ایں ہیچمداں می نگارد۔ 4 اصل/ق بخوبی اوقات عمر شریف۔ 5 اضافہ مولف۔

تو ایسی ادا سے جدھر جائیگا
خدا جانے کیا قہر کر جائیگا

دم مارے غم دل ہے مرے ہم نفسی کا
اے ہمنفساں وقت ہے فریاد رسی کا

گلشن میں مرے دل کے کوئی آن بسا ہے
اس باغ کی کچھ اور ہی اب آب و ہوا

نہیں ہے اُسکی جو مرضی ادھر کے آنے کی
ہر ایکدم میں نئی بات ہے بہانے کی

میں نے تو پنہاں کیا تھا پاس نام و ننگ سے
حال دل ظاہر ہوا لیکن شکست رنگ سے

ہے عیاں جلوہ ترا انسان کی تصویر سے
صورت معنی ہو ظاہر لفظ کی تحریر سے

چشم سے کچھ جو مدعا ہے مجھے
محض تیرا ہی دیکھنا ہے مجھے

طور اس شوخ کا بے طور نظر آتا ہے
آگے کچھ اور تھا اب اور نظر آتا ہے

ہے کس متاع کی یارب دکان زمیں کے تلے
چلا ہے جس لیے یہ کارواں زمیں کے تلے

والہؔ، محمد اکبر

محمد اکبر والہؔ تخلص شخصی بود در دہلی بعہد آسودہ مہد حضرت فردوس آرام گاہ، شعر بحسب رویہ آں وقت می گفت۔ ایں شعر از گفتۂ آں مرحوم یادگار است:

منہ تمھارا درمیاں ہیگا وگرنہ مجھ سے اب
آرسی کیا جان رکھتی ہے جو ہم چشمی کرے

واصلؔ، واصل مان

میاں واصل مان[1] واصلؔ، بود و باش وے در دہلی، از نبیرہ ہائے رای مان کہ سر[2] منشان دربان دربار حضرت اقدس اعلی بود، گاہگاہی ریختہ از وسرمی کشد:

سرگرم کیوں نہووے وہ رشک آفتاب
عالم میں اُسکے حسن کا بازار گرم ہے

وحشتؔ

وحشتؔ تخلص عزیزی در لکھنؤ بود و باش دارد۔ سخن خود را بسمع میر جعفر علی حسرتؔ رسانیدہ[3] از

---

1 ل: واصل خاں۔ 2 اصل/ق سرگروہ۔ 3 اصل/ق از گفتہائیش بندۂ ذکا پنج / ہفت ابیات دریں جامی طراز د؛ ل ایں اشعار از وست۔

گفتهایش بندہ ذکا این ابیات می طرازد:

آہ آگے تو نکلتی تھی جگر سے باہر
اب جگر نکلے ہے خود دیدۂ تر سے باہر

کیوں کہ تم گھر سے نہ نکلو گے میاں دیکھینگے
ہم نکالینگے تمھیں لاکھ ہنر سے باہر

مرے سامنے گر وہ اک آن ٹھہرے
تو آنکھوں میں آکر مری جان ٹھہرے

تری عقل ناصح بتا کیوں گئی ہے
بھلا ہمتو دل دے کے نادان ٹھہرے

عجب یہ جنوں ہے کہ ہاتھوں سے جسکے
نہ دامن رہے نہ گریبان ٹھہرے

قطعہ

کہا میں کہ رونے سے وحشت ندیکھا
جو اکدم تری چشم گریان ٹھہرے

لگا کہنے میں ضبط کرتا ہوں لیکن
کہاں سے جگر میں یہ طوفان ٹھہرے

ولایت، ولایت شاہ

ولایت شاہ ولایت تخلص درویش بود سابق در دہلی قیام داشت از چند سال مرحل اقامت بدیار شرقیہ کشیدہ۔ بعضی[1] گویند کہ تکیہ داراست وحالا در فرخ آباد درویشانہ بسر می برد۔ ایں غزل ازوست:

نہ تنہا یہ تن بلکہ جاں بیچتاہوں
میں ہستی کی ساری دُکاں بیچتا ہوں

یہ دل مول کرتا ہوں سنیو عزیزو
جہاں اہل دل ہوں میں، واں[2] بیچتا ہوں

خبر جاکرو کوئی ان عارفوں کو
میں یہ گنج پنہاں عیاں بیچتا ہوں

زمیں آسماں تک ہے سب جنس ارزاں ☆
مگر ایک دل کو گراں بیچتا ہوں

ولایت مجھے کون تجھ بن خریدے ☆
ولے[3] میں بھی تجھ بن کہاں بیچتا ہوں

وہم، میر محمد علی

میر محمد علی وہم نبیرۂ میر محمد تقی شاعر فارسی گو کہ خیال تخلص می کند باشندۂ لکھنؤ است[4] درسرکار

---

1 ل میں 'بعضے' محذوف۔ 2 ل؛ وہاں۔ 3 اصل/ق، پ۔ 4 ل: ایں مطلع ازوست (باقی عبارت محذوف)۔ ☆ل میں نہیں۔

فیض آثار نواب وزیر الممالک بہادر درسلک ملازمان امتیاز وارد۔ ایں مطلع از فکر موزوں اوست:

گر فکر تیرے دل کی طرف[1] سو لگی رہے　　پر وہم شرط یہ ہے کہ وہ لو لگی رہے

وداد، مرزا داؤد

مرزا داؤد وداد انسان ذی شعور و بالیاقت اہل تفرس پُر ظرافت سامعہ[2] افروز گردیدہ خاکپای شعرای جہاں بندہ ذکا ہیچمنداں ایں شعرش بتلاش کثیر بہمرسانید:

زلف دلبر سے مجھکو سودا ہے　　خلق کہتی ہے تجھکو سودا ہے

واجد

واجد[3] تخلص مردی دانا درویش وضع، حلیم الطبع، اکثر اشعار تصوفانہ از وبروی کار آمدہ۔ کلامش خالی از مناسبت نیست:

عشق میں راحت ہو یا آزار ہو نا ہو، سو ہو　　کیا کریں اب ہم بھی ہیں لاچار، ہونا ہو سو ہو

عشق کے دریا میں ڈوبے ہم تو یاروں جان بوجھ　　موج ہوں اب غرق ہو یا پار، ہونا ہو سو ہو

کر گریباں چاک واجد چل بیاباں کی طرف　　دیکھ لیں یہ بھی مزا یکبار، ہونا ہو سو ہو

تجھ سا ظالم ہو اگر اور بھی خونخوار کوئی　　تو میاں کاہیکو دنیا میں کرے یار کوئی

مفت رسوا ہوا واجد تو بتاں سے مل کر　　آپ کو کرتا ہے ایسا بھی بھلا خوار کوئی

واصف، احسن بخش

مرزا[4] احسن بخش خاں واصف خلف[5] تربیت خاں ساکن دہلی مرد نیک ذات ستودہ صفات است بہ پیشۂ معما[6] استادی بعضی شاہزادہ ہائے والا اقتدار[7] خوش میگذراند مسدسات و

---

1 ل: کے تئیں۔ 2 ل: سامعہ پیرا گردیدہ۔ خاکپاے شعرا بندۂ ذکا شعر ہذا از و نگاشت۔ 3، 4 اصل میں حاشیے پر۔ 5 اصل اضافۂ مولف ''خلف تربیت خاں''۔ 6 ل میں ''معما'' ندارد۔ 7 اصل/ق: بہر حال اوقاتِ خود خوشی می گزارد، مخمسات کہ درلعریف...... بود دریں محل مثبت افتاد، کہ در مدح مرزا خسرو شکوہ گفتہ طرح از اں بقلم بردیم۔

مخمسات کہ در مدح شاہزادہ والا جاہ تالیف ساختۂ مرزا خسرو شکوہ بہادر دام اقبالہ بقلم عجز رقم درداده:

گوہر تاج شہاں فخر زمین و زماں — کان حیا بحر حلم قبلۂ آگہ دلاں
باعث امن واماں خسرو سلطاں نشاں — تیرے کوئی کر سکے وصف، یہ طاقت کہاں
اس ترے اوصاف کا ہو سکے کسی سے بیاں — چشمۂ خورشید سے تر کرے کیونکہ زباں

مس کو طلا کر سکے کوئی مہوس اگر — تیری نگاہ کرم پر وہ ہے اکسیر اثر
آنکھ اٹھا کر ذرا مہر سے دیکھے جدھر — خاک بھی ہووے تو اک آن میں ہو جاوے زر
اس تیرے اوصاف کا ہو سکے کس سے بیاں — چشمۂ خورشید سے تر کرے کیونکر زباں

خلق کا تیرے جو ذکر ہوتا نہ ہر سو بسو ☆ مشک میں ہر گز کہیں ہوتی نہ یہ بو کبھو
در تہ دامن جو ہے بحر کے اے نیک خو ☆ شرم سے ہوتا ہے غرق دیکھ ترا آبرو
اس ترے اوصاف کا ہو سکے کس سے بیاں — چشمۂ خورشید سے تر کرے کیونکر زباں

دست سخاوت ترا جب سے در افشاں ہوا — منفعل اس روز سے دیکھ کے نیسان ہوا
دُر و جواہر سے پُر دامن عماں ہوا — لعل سے رشک سپہر کان بدخشاں ہوا
اس ترے اوصاف کا ہو سکے کس سے بیاں — چشمۂ خورشید سے تر کرے کیونکر زباں

کاسۂ خورشید کو لیکے فلک در بدر ☆ بہر گدائی بنے شہر میں دریوزہ گر
ہووے جو مصروف ٹک تیری توجہ ادھر — کاسۂ گردوں دوں ہو وہیں لبریز زر
اس ترے اوصاف کا ہو سکے کس سے بیاں — چشمہ خورشید سے تر کرے کیونکر زباں

واصفؔ، حسن بخش خاں

حسن بخش خاں واصفؔ از ابنای عمام است بتحصیل علوم متعارفہ مصروف است طبعش بشعر

☆ ل میں نہیں۔

گوئی ہم مایل ومتوجہ می باشد این ابیات از افکار پاکیزہ گفتار اوست:

ووداع ہو کے مرے گھر سے کل جو یار چلا — تو ساتھ اسکے وہیں صبر و اختیار چلا

فصل گل آئی کہو دیوانو کیا تدبیر ہے — سبز ہے صحرا جنوں ہر آن دامنگیر ہے

آتا ہے دلمیں چاک گریبان کیجیے — صحرا کے آج چلنے کا سامان کیجیے

بات نہیں کرتے ہو مجھ سے جو تم رات سے — کہیے خفا میری جاں ہو گئے کس بات سے

وحشت، میر ابوالحسن

میر ابوالحسن وحشت[1] طرز کلامش بمتانت و رنگینی آشنا و وضع گفتگویش قیل وقال استادانہ دارد۔ پارۂ از تلاشش این است:

جوں مہر تیرے حسن کا گر نام ہو چکا — میرا بھی عشق، طشت لب بام ہو چکا

میں تو شروع نزع میں کی تھی تجھے خبر — پہنچا تو اس گھڑی کہ مرا کام ہو چکا

ولی، ولی محمد

شیخ ولی محمد ولی مرد طبیب ساکن موضع نانوتہ[2] معمولۂ سہارنپور من مضافات صوبہ شاہجہاں آباد است۔ مردی قابل و بسیار ذی ہوش و موزوں طبع دریافت شد۔ گاہگاہی متوجہ بریختہ[3] گوئی گردو۔ بیتی از موزونی طبع آن بحر سخندانی تنظیم می کند:

شمشیر اس ابرو کی ایسا ہی جو خم رکھے — طاقت ہے کسے آگے جرات سے قدم رکھے

والہ

والہ تخلص شخصے از ساکن ضلع لکھنؤ است۔ در سنہ ایک ہزار دو صد سی و نہ ہجری جہت تحصیل علم

---

*: حاشیۂ مولف: از میر محمد خاں سرور دریافت نمایند کہ ایشان دو کس مستند یکے است ثانی الحال معلوم شد ہا ہمیں یک شخص مدس و اشعار ہمیں بود۔ 1 ل:۔ وحشت دہلوی۔ 2 اصل: صوبہ؛ متن مطابق ل۔
3 ل: ریختہ می گردہ۔

دردہلی وارد گشتہ:

تیغ کھینچی ہے یہاں کیوں تو ہمارے واسطے | بس ہے تیری جنبش ابرو ہمارے واسطے
ہوگئے ہیں اس قدر لاغر ہم اے واؔلہ کہ اب | ہے وبالِ تن یہاں ہر مو ہمارے واسطے

واصؔل، محمد واصل

محمد واصؔل متوطن بلدۂ بداؤں۔ فکر درست دارد وکلام بہ فصاحت می گوید:

ہمارے کام پہ ہر چند آسمان پھرے | تجھے قسم ہے جو تو اس طرف کو آن پھرے
چلا تھا لشکرِ غم چڑھ کے گھر پہ مجنوں کے | مجھے جو دیکھا تو ووں ہی ادھر نشان پھرے
لبوں پہ آئی مری جان تیرے جانے سے | جو تو ادھر کو پھر آوے تو میری جان پھرے

وزؔیر

نواب وزؔیر علی خاں بہادر خلف وزیر الممالک نواب یحییٰ خاں آصف الدولہ بہادر ہژبر جنگ وزیر ہند روزے بدر بار از جری صاحب فرنگی رزیڈنٹ ضلع لکھنؤ مجادلہ پیش آمد و صاحب ممدوح را با چندکس رفقایش بجاں کشت افواج قاہرہ از چھاؤنی آمدہ بجنگ و جدل در پیوست و ہنگامۂ عظیم بر پا گشت آخر کار تابِ جنگ نیاوردہ نواب موصوف بہ پشت گرمی راجہ چتوڑ درشہرش وارد گردید وچندے محفوظ ماند۔ سرداران فرنگ مستعد پرخاش باراجا مذکور گشتہ پیغام فرستادند کہ نواب رابمایاں حوالہ سازند۔ راجا بزمانہ سازی وانطفای نایرۂ رزم سازی اورا بہ انگریزان حوالہ نمود درقلعۂ دارالامارت کلکتہ بردہ محصور ساختند۔ دراں ہنگام ایں مطلع حسب حال اوچکیدہ:

اُٹھ گئے محفل سے سارے یار اور ہل چل پڑی | اے خلل انداز گردوں اب تو تجھ کو کل پڑی

وسعؔت، مستقیم خاں

مستقیم خاں وسعؔت قوم افغان ساکن رام پور از شاگردان مولوی قدرت اللہ شوق۔ بہر حال فکر خوش دارد:

تب غم سے ترے سال و برائی بار اڑتا ہوں بسان طائر رنگ رخ بیمار اڑتا ہوں
واے قسمت ایک گالی کی ہوئیں دو تین، چار وقت گفتن جب زبان پر اس کی لکنت آ گئی

وفاؔ، نول رائے

نول رائے وفاؔ قوم کایتھ ساکن مرادآباد برادر زادۂ راجہ گلاب رائے، دیوان سرکار فیض آثار امیر الامرا نواب نجیب الدولہ بہادر شاگرد محمد قائم چاند پوری در صحن حویلی نواب امیر الدولہ بہادر روزے گل بکثرت بود۔ شاعر مذکور کہ پایش بلغزید قصیدۂ آں طرح داد و دو بیت از قلم می آید:

کیا کہوں میں کہ کس قدر دلدل ہے درون حویلی سرکار
کہ وفاؔ، واں پڑے جو سایۂ مرغ پشتِ ماہی پہ جا کے پائے قرار
عارض پہ تمھارے یہ پسینہ ہیرے کا ہے لعل پر نگینہ
حسن عمل پہ اپنے نہ بھول اس قدر، کہ شیخ واں کے معاملے سے کسی کو خبر نہیں

ردیف الہا

ہدایت، ہدایت اللہ خاں

ہدایت اللہ خاں ہدایت[1] قوم افغان، ساکن شاہجہاں آباد، بزرگیست شہر استاد جید کہ در معاصرانِ خود عدیلے کمتر دارد۔ نہایت عالی طبع وخوش گو وصاحب خلق و درویش وضع، نیک سیر، پاکیزہ محضر، روزمرۂ اردوی معلّٰی رابسیار آب وتاب دادہ وبفصاحت ہر چہ تمامتر ادائے کلام می نماید۔ اکثرے ازسخن گویانِ شاہجہاں آباد بشاگردیِ اوفیضیاب شدہ اند۔ تازہ گویاں راہدایت بہ اصلاحِ سخن می کند وخود ہم دریں راہ پیش پیش می رود۔ رسالہ موسوم بہ چراغِ[2] ہدایت وچند مثنویاتِ دیگر خوب گفتہ ودیوانِ نُہ ہزار بیت از تصنیف آن عالی فکر، بلاغت نشان برصفحۂ گیتی مثبت افتادہ است شعرش مستغنی از تکلف است وخالی از کیفیت نہ۔ چہار ہزار بیت انتخابی از دیوانِ وے بر آمدہ بود۔ چوں ایں اضعف العباد بمختصر نویسی شعار دارد، بنابرآں ہمیں قدر اشعارِ برجستہ کہ بہ نگاہِ مبصرانِ باریک بیں، ہریک ازاں بمنزلۂ مروارید قیمتی است، بہ سلک تحریر منسلک می گرداند بہ در[3] سنہ یکہزار ودوصد ونوزدہ ہجریہ مقدسہ، رختِ حیات بعالمِ جاودانی بربست[4] ونام نامیِ خود را بکلامِ دل پذیر آویزۂ گوش روزگار ساختہ۔ حلاوتِ زندگانیِ جاوید بشائقانِ ایں فن باقی گذاشت۔

از وست:

آئنہ ساں ہے منہ ترا روشن چشم بد دور چشمِ ما روشن

---

1. کریم الدین (طبقات الشعرائے ہند) اشعار میں شاگرد میر درد کا تھا؛ سرور: مرید خواجہ میر درد۔ 2. ل: چراغ الہداء وہدایت۔ 3. اصل میں اضافہ برحاشیہ "درسنہ...... گذاشت"۔ 4. سرور: درسنہ یک ہزار ودو صد ونوزدہ ازیں دار فانی بہ عالم جاودانی انتقال نمودہ؛ شیفتہ: سال وفات۔ 1215؛ مصحفی تذکرۂ ہندی کی تالیف (1209ھ) کے وقت ان کی عمر "از شصت سال متجاوز" (تخمیناً) لکھتے ہیں؛ کریم الدین: درمیان 1215ھ کے فوت ہوا۔

نخچیر تری چشم کا، آہوے ختن ہے
مارا ہوا چھب کا تری، طاؤس چمن ہے

خاک اپنا منزلِ دنیا میں کاشانہ بنا
عاقبت خانہ ہی اپنا عافیت خانہ بنا

ابرو و چشم بتاں کو بھی ہدایتؔ عشق ہے
جس جگہ مسجد بنی، پاس اس کے بت خانہ بنا

تجھ بن اے خونخوار ہر دم یاں دمِ شمشیر ہے
سانس جب پلٹے ہے، گویا باز گشتی تیر ہے

دشت سے قیس گیا، کوہ سے فرہاد گیا
کار خانہ ہی وہ سب عشق کا برباد گیا

رات دن گزرے ہے ہم کو طپش و زاری میں
آہ کیا کیا ہے مزہ دل کی گرفتاری میں

شب جو اہل بزم سوزِ دل مرا سننے لگے
شمع بھی رونے لگی شعلے بھی سر دھننے لگے

کیا ہے خون جو مستوں نے آبگینے کا
ہوا ہے بزم میں کیا خوب کام مینے کا

آنکھوں میں ہے تری، وہ نشہ جلوہ گری کا
شیشے سے جھمکتا ہے گویا رنگ پری کا

کیا کہیے بیان اس لبِ شیریں کی حلاوت
ہے خال سے بوسے میں مزہ تل شکری کا

پیری میں کروں سیر جوانی تو بجا ہے
دن ڈھلتے ہی ہوتا ہے تماشا گزری کا

اے ہدایتؔ ہو بتوں سے کس طرح صحبت برار
ان کا عالم اور ہے اور اپنا عالم اور ہے

نہ رحم اس کے ہے جی میں، نہ دل میں اپنے صبر
ہماری گذرے گی کیونکر، الٰہی کیا ہوگا

چمن میں گل کو تو ہم نے بھی ہنستے دیکھا ہے
کسی کے دل کا بھی غنچہ کبھو کھلا ہوگا

بھلا بتاؤ مری جان کچھ ہدایتؔ نے
تمھارے جور سے شکوہ کبھو کیا ہوگا

مگر یہی نہ کہ بے اختیار ہو کے کبھو
کچھ اور بس نہ چلا ہوگا، رو دیا ہوگا

بیدار اس نے خواب عدم سے کیا مجھے
یارب برا ہو ہستیِ خانہ خراب کا

حیرت میں ہوں کہ تیرے تئیں اے شب فراق
ظاہر میں دیکھتا ہوں کہ عالم ہے خواب کا

جسے کہ زلف سیہ نے تیری ڈسا ہوگا
غرض وہ مر ہی گیا ہوگا، کیا جیا ہوگا

گر عشق کی آتش ہے، تو گل زار کی مانند
گھر اپنا جلا، دیکھ مری جان، تماشا

نہ پیوے خضر، پلاوے اگرچہ آب حیات
مزا پڑا ہو جسے خون دل کے پینے کا

بتاں سے فائدہ کیا آہ دل لگانے کا
خدا سے کوئی کسی کو نہیں ملانے کا

کجی کو چھوڑ سر زلف، راز کہہ مجھ سے
یہ کچھ سبب ہے بھلا پیچ و تاب کھانے کا

وصال دل کو، ہدایت، فراق آنکھوں کو
نہیں شریک کسی کے کوئی نصیبوں کا

یہ تیر عشق دل کے مرے پار ہوچکا
ہونا جو کچھ کہ تھا سو مرے یار، ہوچکا

رہا مرتے مرتے مجھے غم اسی کا
نہیں بعد میرے کوئی بیکسی کا

کیا حسن سے ان نے آگاہ اس کو
الٰہی ہو خانہ خراب آرسی کا

کیا تیغ قاتل نے جب کام اپنا
میں منہ دیکھتا رہ گیا بے بسی کا

آتش سے داغ دل کی سراپا تو جل گیا
گل زار پھولے کیا، کہ بدن سارا پھل گیا

اللہ رے انکھڑیاں کہ جنھیں دیکھ بزم میں
شیشے کا پاؤں شیشے سے اکثر نکل گیا

زلفوں کو چھوڑ اُسکی جاویں کدھر ہدایت
آئی ہے شام سر پر گھر دور ہے ہمارا

کر جاویں اب تو مار سیہ کو بھی زہر مار
زلف سیہ نے ہم کو بلا نوش کردیا

مجلس میں اُسکی رات ہدایت میں سوز دل
یاں تک کیا کہ شمع کو خاموش کردیا

نے جم رہا زمانہ میں، نے جام رہ گیا
مردوں کا ایک جہاں میں مگر نام رہ گیا

کوئی پھرا نہ ملک عدم سیتے اب تلک
پایا جہاں کسو نے کچھ آرام، رہ گیا

ہیں پختہ مغز سنگ حوادث سے پائمال
آفت سے بچ گیا جو ثمر، خام رہ گیا

ہوادل پہ اپنے جو منکشف تو چراغ کشتہ سے یہ سخن
دیا ان نے اپنے تئیں مٹا کہ خدا نے جسکو بڑا کیا

کوئی بھی چشم ہدایت ہے اشک سے خالی
بھرا ہوا ہے یہ ہر اک حباب میں دریا

اس ماہرو کو دیکھنے پایا نہ ایک دم
قسمت الٹ گئی کہ مرا دم الٹ گیا

ٹکڑے پڑے ہیں گل کے، جگر کے ہزارہا
شبنم نے ظاہرا اُسے ہیرا کھلا دیا

چشم الفت تھی مجھے تم سے تو اے طفل سرشک
ہائے دنیا سے تو لڑ کے یوں ہی ناشاد گیا

یاد کر سبزۂ خط اشک جگر سے نکلا
روٹھ کر گھر سے یہ لڑکا خضرآباد گیا

یہ ہدایت سے، بنا ریختہ کی تھی قایم
حیف صد حیف کہ دنیا سے وہ استاد گیا

دیتے ہیں کسکو بھر کے یہاں خون دل سے جام
قسمت سے اپنی دیدۂ خوں بار مل گیا

دل سے آہستہ گذر تو تو ذرا آہ جگر
زخم سینہ کا کہیں ٹوٹ نہ جاوے ٹانکا

موجب اس دلکی پریشانی کا بخت شوم تھا
زلف کے یوں پیچ میں پڑنا، کسے معلوم تھا

خط کو دیکھا آئینہ میں تو نے کچھ خانہ خراب
حال میرے دل کی بیتابی کا سب مرقوم تھا

چشم سے گرتے ہی ناپیدا ہوا طفل سرشک
کچھ نہ دیکھا اس نے دنیا کا، عجب معصوم تھا

انتہا ہی نہیں کچھ طرزِ جفا کاری کا
یہ بھی شیوا ہے میاں کوئی دل آزاری کا

سر مینائی کی ہے دختر رز تجھکو قسم
کوئی دیکھا ہے جواں اس کی طرحداری کا

سخن سخت سے آتی ہے مرے دل پہ شکست
کتنا نازک ہے کہ ٹوٹے ہے صدا سے شیشا

بادۂ عشق سے معمور سدا رکھ دل کو
خالی رہتا ہے تو بھرتا ہے ہوا سے شیشا

خط سے عارض کو سیہ فام کیا
کسو کی آہ نے کیا کام کیا

قصۂ غم تو میں چھیڑا ہی نہیں
ابھی سے آپ نے آرام کیا

یہی صورت ہے گر تیری پیارے
ایک عالم فقیر ہوویگا

خاک پر لوٹتا ہے طفل سر شک
یہ بھی لڑکا شریر ہوویگا

آغاز ہی میں خط کے ہوا کام ہمارا
کیا جانیے کیا ہوویگا انجام ہمارا

رکھ شیشۂ دل کو تو ہدایتؔ تو سنبھالے
اے یار کسی کو کہیں الزام نہ دینا

جیوں رنگ پریدہ ترے منہ پر
رنگ شب ماہتاب دیکھا

اے گریۂ چشم، ترے ہاتھوں
نت خانۂ دل، خراب دیکھا

درد تہِ جام مے سے ہم نے
ہر ذرہ میں آفتاب دیکھا

آنکھوں ہے میری وہ بسا جلوہ گری کا
شیشہ میں جھمکتا ہے گویا رنگ پری کا

کیا کیجیے میاں اس لب شیریں کی حلاوت
ہے خال سے بوسہ میں مزا تل شکری کا

ہوا کیا ہمکو اس ہستی سے جوں نقش نگیں حاصل
وجود ناقص اپنے کو مگر اب نام دھرنا تھا

ہدایتؔ کی میں سیر قطب اشک وچشم ومژگاں سے
ادھر امرائیاں تھی اور اُدھر تالاب وجھرنا تھا

دل تو اپنی بیکسی پر ہر گھڑی روتا ہے کیا
یاد مولیٰ کر دوانے دیکھ تو ہوتا ہے کیا

اے ہدایتؔ کچھ بھی رکھتا ہے اگر عقل وشعور
مل کے ان یاروں سے تو اوقات یوں کھوتا ہے کیا

منہ جو پھیرے آشنا سے، اسکو انساں مت سمجھ
رخ کو ٹک معکوس کر کر دیکھ لے ہوتا ہے کیا

جب ہی زباں پہ یار ترا نام آگیا
کچھ دل کو چین، جان کو آرام آگیا

اشک بیتاب نہیں، دیدۂ تر سے نکلا ‌ ‌ کوئی لڑکا ہے کہ وہ روٹھ کے، گھر سے نکلا
سمجھیو لال مرے اسکو نہ تو لعل و گہر ‌ ‌ یہ وہ آنسو ہے کہ صد خون جگر سے نکلا
شعلۂ آتشِ دل آہ بجھایا نہ گیا ‌ ‌ راز دل گو کہ چھپایا، پہ چھپایا نہ گیا
ایکدن میں نے کہا، مکھڑا ذرا مجھکو دکھا ‌ ‌ دل مرا مدت سے ہے مشتاق تیری دید کا
کہنے لگا وہ اے ہدایت تو دیوانا ہے مگر ‌ ‌ آنکھ کے حق میں برا ہے دیکھنا خورشید کا
نہیں تم سے تو کچھ پروا، بتاں آئینۂ دل میں ‌ ‌ کرم کرے تو ہر صورت سے یہ تو آپکا گھر ہے
اس بت کافر نے بھی کیا کیا مجھے حیراں کیا ‌ ‌ غارت دل، غارت جاں، غارت ایماں کیا
ایک عالم کو ڈبویا آہ اشک چشم نے ‌ ‌ کام اس لڑکے نے بھی دیکھو تو کیا طوفاں کیا
زخم دل پر کیا ہے چھڑکا خندۂ لب سے نمک ‌ ‌ خوب میرے درد کا تم نے غرض درماں کیا
نوبہار آئی مبارک ساقیا مُل کی ہوا ‌ ‌ بخت غنچوں کے کھلے اور پھر بندھی گل کی ہوا
شاخ گل پر بیٹھتی ہے کس طرح سے پھول پھول ‌ ‌ آج دیکھا چاہیے گلشن میں بلبل کی ہوا
آہ کے شعلے سے اٹھتا ہے ہدایت درد دل ‌ ‌ کسقدر دل میں بھری ہے زلف و کاکل کی ہوا
مثل حنا گلوں کا یکدست اڑگیا رنگ ‌ ‌ انداز تو نے دیکھا بلبل، مری فغاں کا
رہتا ہے ذکر ہر دم نام خدا زباں پر ‌ ‌ تجھکو بھی اے ہدایت کچھ عشق ہے بتاں کا
ہمارے آہ و نالے میں اگر کچھ بھی اثر ہوتا ‌ ‌ تو اتنا کیوں ہمارے حال سے وہ بے خبر ہوتا
فلک کرتا ہے تو جو فخر اپنی ذات قدسی پر ‌ ‌ حقیقت بندگی کی جانتا گر، تو بشر ہوتا
وصل کی اے ہدایت اب کسکو رہی ہے آرزو ‌ ‌ حالت ہجر میں ہی یاں اپنا وصال ہوگیا
فریاد دل سے اشک رواں ہیں گجر کے وقت ‌ ‌ چل نکلے ہیں غریب مسافر، سحر کے وقت
تیری زلفوں کی کچھ چلی تھی بات ‌ ‌ روتے ہی روتے گذری ساری رات
درد دل کہنا تو تجھ سے یار جانی ہے عبث ‌ ‌ جو نہ سمجھے اس کے آگے شعر خوانی ہے عبث
گر نہ ہو دل میں ہدایت عشق سے جوش و خروش ‌ ‌ بندگانی محض لا حاصل، جوانی ہے عبث
اس بے وفا کی شان میں ہے گفتگو عبث ‌ ‌ محنت عبث، تلاش عبث، جستجو عبث
مجھکو تو ہے جنوں، اسے سودا ہوا ہے کیا ‌ ‌ ناصح کرے ہے جیب کو میری رفو عبث

شربت دینار دیجیے یا اسے مغز فلوس
ہو سکے تو کیجیے دنیا میں مفلس کا علاج

کس کے دہن کا وصف کیا تھا کہ اب تلک
آتی ہے بو گلاب کی میرے دہن کے بیچ

چشم انجم سے رو گئی صبح
کلفت دل شب دھو گئی صبح

تار رگ گل میں شبنم زار
موتی سے گویا پرو گئی صبح

مانے ہے مرا کہا، تو اب مان
کیا فائدہ جبکہ ہو گئی صبح

کٹتی ہی نہیں یہ ہجر کی شب
یارب کیا آج سو گئی صبح

جل گیا اور دم نہ مارا شمع مجلس کے حضور
جی سے خوش آئی ہمیں یارو یہ پروانے کی طرح

غیر جاں فرسودگی آسودگی جگ میں کہاں
کیوں ہدایتؔ چلیے اب بس دیکھی آنے کی طرح

کب وصل کی دل سے جائے امید
آخر دنیا ہے جائے امید

چھاتی کے تیری کھل گئے جب میری جان بند
آئینہ ساز کر گئے اپنی دوکان بند

دہن یار ہی کا دھیان سدا رہتا ہے
کس قدر اپنی طبیعت بھی ہے دشوار پسند

بوسہ لبوں سے لیجیے پھر آنکھوں کو چومیے
شیریں کے بعد ہے نمکین بیشتر لذیذ

یاد آتی ہے زلف کی ہے قہر
پھر گئی دل پہ سانپ کی سی لہر

فوج غم اُمڈے ہے یوں دل پر کہ جوں کالی گھٹا
ساقی ایسے وقت میں ٹک جام داری ہے ضرور

گر مے نہیں خون دل پیا کر
بیکار مباش کچھ کیا کر

کر شبنم و گل سے کسب غیرت
گر کوئی ہنسے تو رو دیا کر

خورشید بہت اپنے تئیں کھینچتا ہے دور
ہو کر ذرا نمود تو آ پشت بام پر

گل رو مرا وہ مجھ سے ہدایتؔ اگر ملے
چادر چڑھاؤں پھولوں کی تیرے مزار پر

خواہ ناخواہ میں کچھ بول اٹھوں گا منہ سے
مثل طنبور تو ہر وقت مجھے یار، نہ چھیڑ

گلزار جہاں بھی کوئی طرفہ ہے تماشا
جلوہ یہ سب اس کا ہے کہیں، سرخ کہیں سبز

مرحبا ہے جو کوئی کھائے افسوس
احوال مرا ہے جائے افسوس

ہم مرگئے پر ہدایتؔ اس نے
اتنا نہ کہا کہ "ہائے افسوس"

تیرے قدم ہیں، سر پہ مرے، گر کرے کرم
پشمینہ نے مے کیا ہے بالائے بام فرش

اٹھے ہے دل سے فغاں، چشم سے ہے اشک رواں
جرس اگرچہ ہے نالاں پہ کارواں خاموش

متصل ابر مژہ سے ہوئے قطرات شروع
بے طرح اب کے ہوا موسم برسات شروع

کیا سرکشی کرے کوئی یاں اپنی زیست پر
ہوتے سحر کے مٹ ہی گیا سب غرور شمع

برجا ہے، مجھکو سرو چراغاں اگر کہیں
سوز جگر سے ہے مری ہر موئے تن چراغ

آیا تھا کون بزم میں سب جس کے روبرو
خاموش شمع بزم تھی، پنبہ دہن چراغ

چشمک زدن میں ہوگئی آخر بہار حیف
نے گل رہا چمن میں نہ بلبل، ہزار حیف

اشک گلگوں جیب و دامن پر مرے غلطاں ہیں
اس زمانہ کے تو لڑکے بھی کوئی طوفاں ہیں

دل فگار اتنا ہے کیوں تو شانۂ گیسوئے یار
مرے دل کی سی طرح تو بھی ہے کیا نخچیر زلف

اے ہدایت صبح تک یک لخت میں روتا رہا
رات کو کچھ آ گئی تھی درمیاں تقریر زلف

بجا ہے گر ہووے سرمۂ چشم اہل بینش غبار عاشق
کہ طور موسیٰ سے کچھ نہیں کم یہ سنگ لوح مزار عاشق

نہیں کچھ کام اس کو جنت سے
جو ہے دیدار یار کا مشتاق

عجب نہیں کہ مری خاک پر نسیم بہار
گذر کرے تو کرے وہ بھی اک بار عرق

جوں شمع نہ پوچھ حال دل کا
پہنچی ہے کارد استخوان تک

جو اہل زر ہیں ان کی بھی خاطر نہیں ہے جمع
اوراق گل بھی دیکھے پریشان آج کل

صبح دم باغ میں جاکر یہ پکاری بلبل
اے مرے گل تو کہاں ہے، تیرے واری بلبل

شاہدان چمن حسن اسے کچھ نہ کہو
آفت عشق کی ماری ہے بچاری بلبل

صحن گلشن کو جو دیکھا تو پڑا ہے سُونا
باغ جنت کو مگر آج سدھاری بلبل

نالہ ہے، درد ہے، فریاد و فغاں زاری ہے
تیرا منصب ہے مگر پنج ہزاری بلبل

عاشق زار کے ہیں ہم تو ہدایت عاشق
طائر روح سے ہے ہم کو پیاری بلبل

یہ تو ہم ہی جانتے ہیں سب سے تو بیگانہ ہے
باوجود اس کے تجھی کو آشنا رکھتے ہیں ہم

کشتۂ غمزۂ صد نرگس عیار تھے ہم
شوخی و ناز کے شوخی سے خریدار تھے ہم

اک طرف ہم بھی پڑے رہتے چمن میں جوں خار
باغباں کو ترے اتنے بھی نہ درکار تھے ہم

تم نے گر قتل کیا ہم کو، بہت خوب کیا
ہاں میاں سچ ہے کہ ایسے ہی گنہگار تھے ہم

شب کو کہتے ہیں ہوگیا یار — یہ بھی قسمت کہ سوگئے ہم

روئے گل کی کچھ فقط بلبل نہیں نظارہ باز — رکھتی ہے گلشن میں ہر ایک رخنۂ دیوار چشم

آرسی سا ہے مکھ ترا روشن — چشم بد دور، چشم ما روشن

اے ہدایت شب جوانی کا — کچھ ہوا تجھ پہ ماجرا روشن

صبح تیری ہوئی نمود آخر — چل مسافر کہ دن ہوا روشن

خورشید رو نے جس گھڑی آنکھیں دکھائیاں — مہتاب کے بھی پھر گئیں منہ پر ہوائیاں

ہم یہاں باندھتے ہیں اپنے ہی نزدیک خیال — اور وہاں اسکی خدا جانے کمر ہے کہ نہیں

ایسے ظالم سے جو ملتا ہے ہدایت سنیو — اپنی کچھ جان کا بھی تجھکو خطر ہے کہ نہیں

ہیں خط تقدیر سے تحریر سب پیشانیاں — پیش آتی ہیں وہی باتیں، جو ہیں پیش آنیاں

گاہ گریاں، گاہ نالاں، گاہ خنداں، گہ خموش — ہم دوانوں کی بھی ہیں باتیں سبھی دیوانیاں

میرے ہے سر کی قسم تجھکو ہدایت سچ بتا — کس سے سیکھی چشم تیری یہ گہر افشانیاں

اب کوئی جتیا رہیگا سو وہ کھیلے گولیاں — جو جفائیں یار کی ہوئی تھیں ہم پر، ہولیاں

ہوا ریش دراز شیخ سے معلوم یوں ہمیں — کہ یہ زاہد بھی اک پوے تلے گذران کرتے ہیں

سنگ دیر وکعبہ میں پاتا ہوں اپنے لعل کو — کچھ تو ہے بارے جواہر کی نظر میرے تئیں

کیا کہوں تجھ سے حقیقت سب کی میں اے ہم نشیں — بے دماغی نے لیا تھا کس قدر میرے تئیں

برگ گل پر جارہا تھا خواب میں پائے خیال — اب تلک برتے سے ہے اک دردسر میرے تئیں

کچھ تو بھی بول، غنچہ وگل عندلیب سے — کیوں میرے لعل کیا تیرے منہ میں زباں نہیں

آئینہ میں فہم کے موجود ہوں میں اس طرح — جس طرح یار کا میرے دہن ہے اور نہیں

ٹھہر چکی تھی جی میں یہ جاؤں نہ کوئے یار میں — آہ پر اسکو کیا کروں دل نہیں اختیار میں

وحدت وکثرت ایک ہے نقطہ کا ہی ہے اسمیں فرق — ورنہ الف تو ہے وہی سو میں ہو یا ہزار میں

اشک سے ہے مناسبت تب یہ ہے قدر وقیمت آہ — ورنہ ہنر ہے کون سا گوہر آبدار میں

ہوگیا بدحال زاہد دیکھ تیری چشم مست — جو کوئی صوفی ہو، کافی ہیں اسے دو پیالیاں

درد دل اپنا جو کل اسکو سنایا ہم نے — آپ بھی روئے اور اسکو بھی رلایا ہم نے

کوئی کانوں سنی کہتا ہے،ہم نے آنکھوں دیکھی ہیں
ہدایت اب نہ دکھلاوے کسی کو ہجر کی راتیں

ہم بھی جام شراب رکھتے ہیں
یعنی چشم پُر آب رکھتے ہیں

آپ اپنی بغل میں ہم دشمن
دل خانہ خراب رکھتے ہیں

کہنے کو دل ہے پاس مرے پر کہاں ہے دل
یک قطرہ خوں رہا ہے سو وہ کس حساب میں

درد رہتا ہے کبھو دل میں ہمارے، کبھو غم
کونسا دن ہے کہ یاں ایک دو مہمان نہیں

کس طرح اس سے ملوں یارب، بھلا میں کیا کروں
اس کو پاتا ہوں تو پھر میں آپ کو پاتا نہیں

نہ کنج عزلت میں ہے فراغت، نہ سیر گلشن میں ہے حلاوت
جہاں میں گر لطف زندگی ہے، تو ہے ملاقات دوست میں یاں

لے چکیے دل کو جان مری ورنہ آجکل
خواہندہ ایسی جنس کا عالم بہت ہے یاں

عمر دراز جگ میں ہو یارب نصیب خضر
خوش گذرے زندگی کا جو اک دم، بہت ہے یاں

امید خدا سے تو ہے یوں، عشق بتاں سے
دل ہاریں تو ہاریں بھی پہ ہمت تو نہ ہاریں

افلاک بھی دیکھا تو ہنڈولے سے نہیں کم
جتنا یہ چڑھاویں اُسے اتنا ہی اُتاریں

کیا ستم ہے کہ با ایں درد و غم جیتے رہیں
اے دل مرحوم تو مرجائے، ہم جیتے رہیں

دل تو مردہ ہوگئے زندہ ہیں پر حرص وہوا
دوست مرجاویں یہ دشمن ہے ستم جیتے رہیں

اپنی بیدردی پہ آتا ہے ہدایت ہمکو حیف
درد دنیا سے سدھاریں اور ہم جیتے رہیں

گالیاں کیا بلکہ مارے کھائیاں
عشق میں کیا کیا سہیں رسوائیاں

دل کو میرے دکھ دیا تھا، عاقبت
انکھڑیاں تیری بھی دکھنے آئیاں

لو بہار آئی ہے جوں عہد شباب
چھاتیاں کلیوں کی ہیں گدرائیاں

دل فسردہ کہاں اور سیر باغ کہاں
رکھوں گلوں سے میں صحبت دلے دماغ کہاں

ہدایت اپنی خاکستر میں لخت دل ہیں یوں روشن
کہ جیسے راکھ کی ڈھیری میں انگارے چمکتے ہیں

کس نے پایا ہے اس دہن کا نشاں
کہنے سُننے ہی کی یہ باتیں ہیں

مرے گل رو کا جس دم بلبلیں مذکور لے چلیاں
چمن میں گل نے گل کھائے، ہوئیں کلیوں کی ہے کلیاں

بہار آئی ہے تمکو بلبلو یہ دل مبارک ہو
چمن میں آجکل کرلو، گلوں کے ساتھ رنگ رلیاں

تیرے دنداں لب خنداں میں پیارے یوں نمایاں ہیں
کھلے ہیں باغ میں جوں موتیا، رابیل کی کلیاں

نہیں ہے پاس جز خونِ دل ولختِ جگر پیارے
مثل ہے یہ کہ ناپا شوربا ہے اور گنی ڈلیاں

تری شوخی کے آگے برق بھی ہے گرد اے ظالم
ارے کافرصنم، اللہ رے یہ تیری اچپلیاں

ہدایت یاد، ان کی سانپ کی سی لہر ہے دل پر
کہ تھیں جوں کوچۂ زلف بتاں جو رام کی گلیاں

سرشک چشم سے طوفان اک برپا کیا ہم نے
غرض کیا کہیے، اب اپنے تئیں رسوا کیا ہم نے

دل و دین ایسے ظالم کو یُہیں بس مفت دے بیٹھے
یہی افسوس آتا ہے ہدایت کیا کیا ہم نے

ستم گر دیکھکر حال دل افگار ہنستے ہیں
کہ جوں جوں زخم روتے ہیں، لب سوفار ہنستے ہیں

بسان خندۂ گل گریہ ہائے زار شبنم پر
جو ہیں نادار، ان کے حال پر زردار ہنستے ہیں

برنگ شیشہ و ساغر عجب صورت ہے مجلس کی
کہیں دوچار روتے ہیں، کہیں دوچار ہنستے ہیں

ہے مثل مشہور یہ "رنگش بہ بیں حالش مپرس"
درد دل اپنے کو ہم تجھ سے چھپا سکتے نہیں

عندلیب طبع بھی اپنی ہے وہ نغمہ سرا
روبرو جس کے کہ ہمت خاں بھی گا سکتے نہیں

اے ہدایت اپنی باتوں میں ہے وہ درد واثر
نورخاں بھی سن کے بین اپنی بجا سکتے نہیں

یارانِ رفتہ خوش اور محظوظ ہیں عدم میں
پر تجھکو اے ہدایت سب یاد کر رہے ہیں

اے ہدایت جو سخن فہم ہیں ان کے نزدیک
میر و مرزا کا جہاں ذکر ہے واں ہم بھی ہیں

کیا در سوا تمھارے کہیں ہم کو جا نہیں
ایسے بھی تو کسو کے بتاں تم خدا نہیں

تم نہ فریاد کسی کی نہ فغاں سنتے ہو
اپنے مطلب ہی کی سنتے ہو جہاں سنتے ہو

تجھ بن تو چاہتا نہیں جی سیر باغ کو
لگتی ہے تھیں نکہت گل سے دماغ کو

نہ بولو کوئی اس سے گر لہو پیوے تو پینے دو
خدا کے واسطے یارو کوئی دن ہم کو جینے دو

نہیں ہیں چشم سرخ اسکی نمایاں طاق ابرو میں
رکھے ہیں بادۂ گلگوں سے بھر کر آئینے دو

نہیں ہے ساون اور بھادوں سے کم کچھ چشم تر اپنی
کہ عین شدت برسات کے ہیں یہ مہینے، دو

لبوں کو تیرے کوئی لعل اور یاقوت پہنچے ہے
تلاشوں سے لگے ہیں ہاتھ اپنے یہ نگینے دو

ہماری چشم تر نے غرق بحر خوں کیا ہم کو
وگرنہ ڈوبتے ہیں کم جو ہوں باہم سفینے دو

تمھاری ایک خاطر ہے کہ باتیں سب کی سہتے ہیں
میاں ہم چُپ رہے دیں گالیاں بھی گر کسی نے دو

دیوانہ ہوگیا ہے کیا، گئی ہے عقل ناصح کی
ہدایت سے یہی کہتا ہے مجھکو جیب سینے دو

لازم ہے دستگیریِ اُفتادگاں نسیم
لے پہنچ اس گلی کے تئیں میرے غبار کو

اللہ رے کارخانۂ تقدیر ذوالجلال
یہ اعتبار ہستی بے اعتبار کو

گر دل ہو صاف، آئینہ روئے یار ہے
نقاش پر شرف ہے یہاں سادہ کار کو

عزیزو میرا کوئی ماتم نہ کیجو
خوشی میری کرنی ہو تو غم نہ کیجو

غم دلدار کو یارو نہ کوئی ہوجیو مانع
ہمارا دل گھر اس کا ہے، اگر آوے تو آنے دو

ہمارا دل خدا کا گھر ہے بس اتنا اسے کہدو
وہ کافر کیش اس پر بھی جو آب ڈھاوے تو ڈھانے دو

ہمیں تو یوں نظر آتا ہے، داغ دل نہ جاویگا
بھلا یہ چشم تر اس کو جو دھووے ہے تو دھونے دو

کہو کچھ مت ہدایتؔ کو عزیزو وہ دوانہ ہے
جو ہنستا ہے تو ہنسنے دو، جو روتا ہے تو رونے دو

مانند چشمہ، چشم کو دھو آب اشک سے
کن چشموں میں وہ چشم ہے جو چشم نم نہ ہو

زاہد ادھر تو چشم تامل سے دیکھیو
داغ جگر ہے یہ گل باغ ارم نہ ہو

نشو و نما کو قطع تعلق ضرور ہے
پھیلے ہے شاخ گل کوئی جب تک، قلم نہ ہو

کسے میں خواب میں دیکھا ہے شب ہدایتؔ آہ
کہ چاہتا نہیں دل چشم باز کرنے کو

کوئی بجائے بھلا ایک ہاتھ سے تالی
میاں جو ایک طرف سے ہو چاہ، کیونکر ہو

میں دیکھوں اپنی آنکھوں شیفتہ اور مبتلا، تجھکو
کہیں تو بھی ہو عاشق، اور تو دوں کیا دعا، تجھکو

گردش نصیب و بخت سیہ ہیں ازل سے ہم
تقصیر چشم کی ہے نہ کچھ زلف کا گناہ

ذرۂ مہر ہے دردِ تہ مینائے شراب
باوجود اس کے مکدر ہے صفائے شیشہ

وابستگی ہے دل کو مرے درد و غم کے ساتھ
یہ ہی تو دو رفیق ہیں اک اپنے دم کے ساتھ

اشک نے میرے تو عالم کو ڈبویا یارو
کوئی لڑکا ہے غضب قہر ہے طوفان ہے یہ

موج بحر جاں شکن ہے چین پیشانی یار
کیا قیامت ہے کہ ہے چیں بر جبین آئینہ

دیکھیے کیونکر رہے گی آبروئے آئینہ
دیکھتا ہے شوخ کچھ بے وجہ سوئے آئینہ

دیکھ مکھڑے پر ترے گرد سوائے سادہ رو
مل گئی سب خاک میں آخر بہار آئینہ

قدر عاشق نہیں معشوق کو ہرگز ورنہ
حرز جاں شمع کرے بال و پر پروانہ

کسو کے عیب پہ کوئی اگر نگاہ کرے
تو پہلے مثل محک اپنا رو سیاہ کرے

ہدایت آن کر دیکھے ہماری شکل وصورت کو
نہ دیکھی ہو کسی نے گر کبھو تصویر مجنوں کی

اس عارض گل گوں کی کچھ ہم سے نہ پوچھو تم
شعلہ ہے، شرارہ ہے، اخگر ہے، بھبھوکا ہے

کسی کا دل جو لیتے ہو تو پھر لیکر نہیں دیتے
بتاں کیا آجکل گھر میں تمھارے ہی خدائی ہے

نہیں ہوتے ہیں روشن دل مکدر فقر و فاقہ سے
ہمیشہ آئینہ کے گھر میں دیکھا تو صفائی ہے

نہ پوچھو اس بت شریں کے ہم سے حسن وخوبی کو
سراپا عشق ہے، ناز و ادا ہے، دلربائی ہے

کتنا میں ناتواں ہوں ہدایت کہ ضعف سے
بار گراں ہوا ہے یہ تار نفس مجھے

ذرا تو جاگیے اتنی بھی نیند کیا ہے میاں
ابھی تو غم کی مرے داستان باقی ہے

کعبہ کو دیر سے اب جاتا تو ہوں ہدایت
یہ بھی بھلا میں دیکھوں، اللہ کیا کرے ہے

سرشک چشم کی بھی آبداری کا میں کشتہ ہوں
نہیں کچھ کم مرے آنسو بھی بوندی کی کٹاری سے

خفا ہوں سخت میں داغ جگر کی آتش سے
کہ ایسی گرمی میں خوش آئے ہے چراغ کسے

سایۂ ماہتاب منہ پہ تیرے
عرق آفتاب کھینچے ہے

اس کے کوچہ میں ہر گھڑی جاتے
جی تو اپنا حجاب کھینچے ہے

پر ہدایت میں کیا کروں کہ مجھے
دل خانہ خراب کھینچے ہے

کاٹی شب فراق کہ تا ہووے صبح وصل
تکلیف کھینچتے ہیں تو آرام کے لیے

داغ الفت نے مرے دل پہ وہ گل کاری کی
کہ تماشے کے لیے حسن نے تیاری کی

کوئی آزاد بھلا مجھ سا جہاں میں ہوگا
دل، قسم ہے تجھے اپنی ہی گرفتاری کی

دید عالم کی دم بدم کیجیے
کس کی شادی و کس کس کا غم کیجیے

دیدہ و دل تو گھر تمھارا ہے
آئیے بیٹھیے کرم کیجیے

شب ہجراں میں تری صبح کے ہوتے ہوتے
استخوان شمع صفت بہ گئی روتے روتے

کب تلک آوے نہ تجھکو رحم رونے پر میرے
طفل اشک آخر بغل پروردۂ تاثیر ہے

عصا لے ہاتھ تو بھی سن تجھے مجلس میں آئی ہے
یہ نرگس باوجود اس کے کہ ہے معذور آنکھوں سے

کیا کہوں تجھ سے ہدایت کہ مری شام وسحر
یاد میں زلف و رخ یار کی کیونکر گذری

دن جو گذرا تو مجھے روز قیامت سے دراز
رات گذری تو شب مرگ سے بدتر گذری

تو اس غنچہ دہن آگے تو اے گل خوار وخستا ہے
گریباں میں منہ اپنا ڈال، کیا منہ لے کے ہنستا ہے

تیری دوری سے دل بیتاب ہے اور چشم گریاں ہے
اُدھر بجلی چمکتی ہے اور ایدھر مینہ برستا ہے

شہید تیغ ابرو ہے، اسیر دام گیسو ہے
ہدایت بھی تو کوئی زور ہے شہدا شکستا ہے

پختہ مغزان جنوں سے ہر کسی کو جنگ ہے
جو ثمر پکا سو پامال جفائے سنگ ہے

غنچۂ دل کو نہیں جائے شگفتن زخم وار
عرصۂ گل زار دوراں مجھ پہ اتنا تنگ ہے

مردم چشم سے بھاگے ہے نپٹ طفل سرشک
جانتا ہے کہ میرے واسطے یہ افیون ہے

ہر دم کنار چشم سے نکلا پڑے ہے اشک
لڑکا مچل گیا ہو تو کیونکر سنبھل سکے

بس ہے یہ نوش چند ہی غصہ نہ کیجیے
جو گڑ دیے مرے اسے کیوں زہر دیجیے

جاتے ہیں اب گلی سے تیری اور یہی ہے دھن
قبلہ ہو اس طرف تو کبھو منہ نہ کیجیے

گم کی تھی راہ زلف کے کوچہ میں ہم نے رات
اب کے جو چلیے، ساتھ ہدایت کو لیجیے

وفا کرتی ہے جمعیت کوئی نازک مزاجوں سے
پریشاں ہوگئے اوراق سب ایک آن میں گل کے

جب اپنے روبرو سے وہ بسنتی پوش آتا ہے
اُڑا جاتا ہے رنگ اور جی میں کیا کیا جوش آتا ہے

صراحی کے گلے لگنے کا کتنا شوق ہے اسکو
کہ ساغر بزم میں کھولے ہوئے آغوش آتا ہے

زندگی بھی ہے کوئی آن گذر جاوے گی
جس طرح ہوگا مری جان، گذر جاوے گی

کیونکر نہ گرہ در گرہ ہوں کام سب اپنے
ابرو میں تیری چین ہے زلفوں مین شکن ہے

طبیب کون رہا جس کی اب دوا کیجیے
کہوں میں حضرت دل سے کہ کچھ دعا کیجیے

میں کیا کہوں کہ تماشائے روئے یار ہے مفت
مثال آئینہ گر چشم دل کو وا کیجیے

سینہ سے بے قرار ہو، نکلا پڑے ہے دل
اے ہم نشین، ہاتھ سے ٹک اسکو داب لے

ابرو اس قاتل کی گر شمشیر خون آشام ہے
ہم بھی حاضر ہیں کہ، مرجانا ہمارا کام ہے

خال پر دوڑا تھا لیکن زلف میں جا پھنس گیا
مرغ دل کیا جانتا تھا دانہ زیر دام ہے

صفحۂ دل ہے عبارت نقش اسم یار سے
ورنہ دیکھا تو نگیں بھی ایک برائے نام ہے

زلف کج، منہ اوپر جو چھوڑی ہے
کیا یہ سیدھی نگاہ تھوڑی ہے

دل کے ٹکڑے پڑے ہیں یاں افسوس
کیا گلابی کسو نے پھوڑی ہے

راہ میں اس کی روز و شب ہیں رواں
اشک بھی قاصدوں کی جوڑی ہے

جوں شمع تمام بہ گئے عضو
کہنے کو تو ہے زبان باقی

دل تو کیا چیز ہے میں جان تلک حاضر ہوں
یہ بھی کوئی بات ہے اب آپ کے فرمانے کی

خندۂ لب کو تیرے پہنچے کوئی سو معلوم
یوں تو غنچہ کو بھی کہتے ہیں، دہن رکھتا ہے

اے ہدایت نہیں کچھ اسکو سخن سے بہرا
شعر پہ میرے جو کوئی کہ سخن رکھتا ہے

لب و لہجہ کو پہنچتا ہے کوئی بلبل کے
کہ منقار ہر ایک زاغ و زغن رکھتا ہے

رات اس شمع رو کے پاس گئے
ہم بھی کچھ لیکے التماس گئے

جوں ہی وہ شعلہ خو نظر آیا
ہوش جاتے رہے، حواس گئے

جدھر کو نگاہ یار گذری
برچھی تھی کہ دل کے پار گذری

ساقی اب ہمکو کہاں فرصت مے نوشی ہے
بادۂ چشم بتاں داروے بے ہوشی ہے

یاں تلک گوشۂ خاطر سے تیرے محو ہوں میں
کہ میری یاد بھی از جملہ فراموشی ہے

سخن راز کو اظہار نہ کر مجلس میں
شیشۂ مے کو بھی یاں جام سے سرگوشی ہے

رتبۂ عشق بھی دیکھا تو نہیں حسن سے کم
نالۂ شب کو سر زلف سے ہم دوشی ہے

کس طرح آپ سے جانوں میں جدا دلبر کو
کہ شب و روز مجھے دل سے ہم آغوشی ہے

سبزۂ خط سے ہوئی آتش حسن اور بلند
بادہ کش سرکشی شعلہ کو خس پوشی ہے

اے ہدایت کوئی دم جگ میں اگر ہے آرام
عالم خواب ہے یا عالم خاموشی ہے

موجب صد عیش و عشرت ہمکو تیرا دید ہے
لگ گئے جس دن گلے تیرے، اسی دن عید ہے

دل مرا کیونکر ہو غافل گور سے
گھر نظر آتا ہے اپنا دور سے

چمن میں تم متبسم جو میری جان ہوئے
کلی کی کھل گئیں آنکھیں، گلوں کے کان ہوئے

ہنسو گے کیوں نہ میرے ضعف اور پیری پر
کہ خیریت سے میری جان تم، جوان ہوئے

خدا جانے صنم آوے نہ آوے
بھروسہ کیا ہے، دم آوے نہ آوے

ہوا معلوم مجھکو صورت دریائے ایواں سے
کہ نت اپنی خرابی پر ہر ایک تعمیر ہنستی ہے

ہدایت قدر ہو گر اپنی مشت خاک کی ہم کو
وجود اپنا طلا ہے بلکہ خوں اکسیر ہنستی ہے

استنے جو بولتے ہیں تیرے دم سے جان من
فوارہ چھوٹتا ہے تو پانی کے زور سے

لالہ و ہزارہ یہ افیون جو کھا بیٹھے
دیکھا ہے کسو کے سر گیا چڑھا خشخاشی

ہے شدت گرمی سے جوش خفقاں مجھکو
ہاں باد صبا اس دم پنکھا ہووے فراشی

عقل کے ہاتھ سے بجاں ہوں میں
اے جنوں وقت دستگیری ہے

دل اس کی انکھڑیوں کا آخر خمار کھینچا
کہتا نہ تھا میں تجھکو مت مل شرابیوں سے

گو کہ ابتر ہے اشک لڑکا ہے
میری آنکھیں ہیں اور کلیجا ہے

ایک بھی نیم نگہ پر ہیں یہاں سو سو ناز
دل جو پائے ہیں میاں آپ نے سستے سستے

کارواں بیچ ہدایت جو کبھو احیاناً
دیر بھی ہوگئی ہے یار کی کستے کستے

شاہ راہ عدم ایسا نہیں کچھ تجھ پہ چھپا
پوچھتا کیا ہے چلا جا سر رستے رستے

دور سیاہ خط سے لگا داغ حسن کو
کس دل جلے کی ہائے تجھے بد دعا لگی

شانہ تیری زلفوں سے کہتا ہے یہ مکھڑے پر
دل لوٹیں اگر کتنے تب ایک شکن نکلے

اگر منزل کو پہنچے ہم وگر دو گام پر بیٹھے
اٹھے منکر ہی جوں نقش قدم جس گام پر بیٹھے

کوئی مہر وکرے ادھر کو اپنا رخ تو میں جانوں
اگر وہ ماہ آکر اپنے پشت بام پر بیٹھے

برنگ دستۂ گل صحبت باہم غنیمت ہے
خوشی سے کوئی دم گذرے تو یارو دم غنیمت ہے

دل تو اپنا ہوا ہے بیگانہ
پھر بھی دیکھا تو آشنا ہے یہ

اللہ رے ناز کی کہ بوقت خرام ناز
مانند شاخ گل کمر اس کی لچک گئی

دامن کو میں نے ہاتھ لگایا تھا پر وہ شوخ
ایسا ہی کسمسایا کہ چولی مسک گئی

مکھڑا چھپا کے زلف میں جب ان سے ہنس دیا
جیسے اندھیری رات میں بجلی چمک گئی

کتنا ہوں ناقبول کہ بادصبا بھی آج
دامن سے اپنے خاک کو میری جھٹک گئی

ہے خال سیہ کافر اس زلف کے حلقہ میں
دل اس سے حذر کرنا گولا ہے یہ زنجیری

تپ فراق سے اے دل نہ اس قدر گھبرا
فقیر بھی تیری خاطر دعائے خیر میں ہے

اب تو ہم چاہتے ہیں تم کو بتاں
دیکھیے کیا خدا نے چاہا ہے

اس شعلہ رو سے جب سے ایک لاگ لگ رہی ہے
جوں شمع میرے دل میں کیا آگ لگ رہی ہے

میرا دل بُرا مجھ سے گو سر بسر ہے — نہیں غیر، آخر یہ اپنا جگر ہے
ہدایت اس کی کیفیت حلاوت ہم سے کوئی پوچھے — کہ خال لعل لب اس شوخ کا افیون مصری ہے
اک عمر اگر پیر فلک کھووے گا — لوح امکان لکھے گا اور دھووے گا
احمد پہ ہوا عجب خدائی کا ظہور — ایسا نہ کوئی ہوا ہے نہ ہووے گا

یاں بہتوں نے جمع زر کیا ہووے گا — ساتھ اپنے نہ کوئی لے گیا ہووے گا
ہاں لے بھی گیا تو ایک قاروں لیکن — جس طرح سے لے گیا، سنا ہووے گا

کیا وقت کا بادشاہ اور کیا درویش — اس مرگ کے ہاتھ سے سبھی ہیں دل ریش
کوئی آگے سدھارے خواہ کوئی پیچھے — آخر یہی راہ ہے سبھوں کو درپیش

اے وہ کہ تجھے ہے بادشاہی کا دماغ — دیکھا نہیں تونے یاں گدائی کا دماغ
تو اپنی لیے پھرے ہے شاہی اے یار — یاں اپنے تئیں نہیں خدائی کا دماغ

الحق یہ دعویٰ بجا ہے یا شاہ — یعنی کہ وہ میں ہوں نقطۂ بسم اللہ
وہ نقطہ کہ جس کی شرح قرآں شریف — پتلی میری آنکھوں کی ہے وہ خال سیاہ

دنیا سے اخیر عمر بے زار ہوئے — جب آگئی سر پہ مرگ، ہشیار ہوئے
اس عقل و شعور پر ہدایت افسوس — سونے کے وقت آپ بیدار ہوئے

گو آپ فریدوں ہوئے ضحاک ہوئے — رکھ تاج شہی کو سر پہ افلاک ہوئے
بس اہل جہاں کو بھی ہدایت دیکھا — مرنا ہی ہوا تو پھر یہ کیا خاک ہوئے

اس بزم جہاں میں دور جب چلتا ہے — ہردم دل آگاہ کا جی جلتا ہے
مجلس کا رنگ دیکھ روتی ہے شمع — شعلہ کف افسوس پڑا ملتا ہے

کوچہ میں ترے جو آن کر بیٹھ گئے — اتنا روئے کہ چشم تر بیٹھ گئے
جس سمت کو تونے آنکھ اٹھا کر دیکھا — مانند حباب گھر کے گھر بیٹھ گئے

کعبہ تو گیا میں اٹھ بتاں کے در سے — پر کھا گئی تب غم جگر اندر سے
تھی کسی کو ہدایتؔ آس جینے کی مرے — اے یار پھرا ہوں میں خدا کے گھر سے

کہتے ہیں کہ ہے علم حجاب الاکبر — پڑھیے بھی تو نام حق کریما پڑھیے
کیا ''حاشیہ میر'' و ''شرح ملا'' پڑھیے — ہو جس میں شہود حق، کچھ ایسا پڑھیے

سنّی ہو خواہ کوئی شیعہ ہووے — اُبجے گا وہی جو تخم دلمیں بووے
وہ شخص ہے جنتی ہدایتؔ بے شک — غم میں حسنین کے جو کوئی رووے

یہ جسم طلسم ہے کوئی یا نیرنگ —— کرٹک تو نگاہ
اور روح گرفتار بایں قید فرنگ —— با حال تباہ
گر چشم بصیرت ہے تو کر سیر اسے —— جوں لالہ و گل
اس گلشن ہستی کے بھی ہیں کیا کیا رنگ —— اللہ اللہ

یاد آتی ہی زلف کی ہے قہر — پھر گئی جی پہ سانپ کی سی لہر
اتنا نہ ستم کسو پر کریے — کچھ بھی تو بتاں خدا سے ڈریے
یارب میں شمعِ کشتہ ہوں، یا اب چراغِ مردہ ہوں — حیراں ہوں میں اس بزم میں کس کا دل افسردہ ہوں

جوشِ شکایت نے مرے ہر چند دل پُر خوں کیا　　پر غنچہ ساں با صد زباں حرفے بلب ناوردہ ہوں

صدقے ترے گُل عذار جی سے　　اک جی سے کیا، ہزار جی سے

مرے احوال کا ساقی کے گھر یوں ذکر ہوتا تھا　　کہ شیشہ تک بھی پیالے کے گلے لگ لگ کے روتا تھا

میں تو کبھو نہ آپ سے تجھ کو جدا کروں　　قسمت ہی گر بُری ہو تو پیارے میں کیا کروں

کیا کہوں میں کہ ترے ہجر میں کیونکر گذری　　وہ ہی جانے ہے مری جان کہ جس پر گذری

دیدہ و دل میں گھر تمھارا ہے　　آیئے بیٹھیے، کرم کیجے

نامے کا میرے لے کر اس سے جواب پھریو　　پر واسطے خدا کے قاصد شتاب پھریو

ہادی، میر جواد علی

میر جواد علی خاں عرف میر ہادی متخلص بہ ہادی[1] وے مردے بزرگ[2] سید صحیح النسب است، از باشندگانِ قدیم شاہجہاں آباد۔ در عہدِ ثروت و حشمت نواب وزیر الممالک غازی الدین خاں بہادر ایامِ زندگانی بسرور و شادمانی بسر می بُرد و بر عہدۂ خدمت کوتوالی بازار عساکر ظفر پیکر مامور بود۔ در عروض و قافیہ واقفیت دارد بلکہ بعضے کسان بمطالعۂ آن شاگردی او نمودہ اند۔ ورائے آں تحصیل علم صرف و نحو بواقعی ساختہ، دیوانِ مردف مشعر اقسام سخن از و یادگار افتادہ۔ خصوصاً دو دیوان خورد بقیدِ منقوط و غیر منقوط بکمالِ فصاحت و جودتِ طبع تصنیف کردہ[3]۔ کلامش خالی از صنائع نیست و سخنش تہی از بدائع نہ۔ کہنہ مشقے است۔ بہ پیرانہ سالی ہم شوق تازہ دارد (مصرع) پیرے کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است، مصداقِ حالِ اوست از راہِ وفور[4] بندہ نوازی اکثر بہ غریب خانہ ایں بندۂ ذکا قدم رنجہ می فرمایند:

---

1 مصحفی (ہندی) در ابتدا بہ رفاقت نواب عماد الملک عز و امتیاز داشت و بہ سبب موزونیِ طبع یکدیگر صحبتِ طرفین از مدت دراز ترک روزگار کردہ بتوکل می گزرانیدہ۔ تا بندہ در شاہجہاں آباد بود اکثر بر مکانِ فقیر تشریف می آورد؛ مختار الدین احمد (حیدری) میر محمد جواد نام۔ سر سید احمد خاں کے دادا تھے؛ سرور؛ کریم الدین، شیفتہ: سال وفات 1215ھ۔ 2 اصل/ق: بزرگ است از۔ 3 ل: کلامِ دلپذیرش خالی از صنائع نیست و سخن بنظرش تہی از بدائع نہ۔ کہنہ مشق است۔ 4 اصل: یہ جملہ اضافۂ مولف۔

بس کہ شب دل کے مقابل پیچ و تابِ نالہ تھا
جو نفس آیا لبوں پر، شعلۂ جوالہ تھا

اس نگاہِ گرم کی تاثیر سے گلشن میں صبح
قطرۂ شبنم لبِ گل کے لیے تبخالہ تھا

کیا خنک باتیں تھیں منعِ گریہ کی، ناصح کہ شب
دامنِ مژگانِ گوہر بار ابر ژالہ تھا

رات ساقی نے وہ آتش کی تھی پیمانے میں حل
جس سے ہر لختِ جگر ہم بزم داغ و لالہ تھا

طرفہ عالم سوز آتش تھی ترے گھر پر محیط
کہہ تو ہادؔی برق تھی یا ترکتاز نالہ تھا

وہ اشکِ گرم ہے دمساز دیدۂ تر کا
کہ باندھے ہر مژہ پر آشیان سمندر کا

برس کہ کھل گئے بادل، اُتر چلے دریا
ولے گھٹا نہ کبھو زور دیدۂ تر کا

وہ دل نہ تھا جو کبھو بادِ گرم سے واقف
بنا ہے بزم میں تیری سپند مجمر کا

چمن میں ہادؔیِ نازک مزاج جب آیا
لیا جنوں نے رگِ گل سے کام نشتر کا

نامے کو تولے گیا ہے قاصد [1]
دل دھڑکے ہے، کیا جواب آوے

صدقے ترے ہو کے مرگئے ہم
کرنا تھا جو کچھ سو کر گئے ہم

خنداں خنداں پھرا جدھر تو
گریاں گریاں ادھر گئے ہم

کہتے ہیں مسیح جس کے لب کو
ہادؔی اسے دیکھ مر گئے ہم

کارِ دیں اس بت کے ہاتھوں ہائے ابتر ہوگیا
جس مسلماں نے اسے دیکھا سو کافر ہوگیا

ہادی پہ نہ کی تونے کبھو بندہ نوازی
کیا تیری خدائی کو صنم یاد کرے گا

اے دل اب دیتا نہیں وہ داد یہ کیا ہوگیا
آج کچھ سنتا نہیں فریاد یہ کیا ہوگیا

لگے تھے تیرنگہ بس کہ ہائے اس دل پر
رہا نہ نام و نشاں مطلق اس نشانی کا

اس زلف پر سمجھ کر کیجو دراز دستی
اے شانہ اس میں دل ہے حسرت کشیدگاں کا

مت پوچھ فربندہ تری زلف ہے، یا خط
اک آفت نو زلف ہے، اک تازہ بلا خط

ماہ کہاں، وہ رو کہاں، غنچہ کہاں، دہاں کہاں
مشک کہاں کہاں وہ زلف، سنبل گلستاں کہاں

تو ان لوگوں سے ملتا ہے کہ جن سے مجھ کو عار آوے
مری اور تیری دیکھیں کس طرح صحبت برار آوے

کچھ فرق نہیں کعبہ و بتخانے میں ہادؔی
اک منزل مقصود کوئی راہ کسو کی

---

1. اصل میں حاشیے پر۔

آ، زلفِ دراز اپنی کو ظالم نہ گرہ دے　　کیا فائدہ جو عمر ہو کوتاہ کسو کی
ہے دردِ لادوا غمِ عشق اس حبیب کا　　بے فائدہ علاج ہے کرنا طبیب کا
ساقی کی چشمِ مست نے بیخود کیا مجھے　　لو جلد میرے ہاتھ سے ساغر شراب کا
ہادؔی ڈھونڈے ہے تجھ کو دریا دریا　　ملاح پسر کہاں ہے گھر، یا دریا

ہوشؔ، شمس الدین

میر شمس الدین ہوشؔ [1] از باشندہ ہاے لکھنؤ است۔ شاگردِ میر محمود سوزؔ باہمہ بشگفتہ پیشانی وخوش خلقی پیش می آید۔ مردِ خوب است۔ شعرش طرزے دارد: [2]

یار ہنستا ہے چشمِ تر کو دیکھ　　گریہ ٹک اپنے تو اثر کو دیکھ
دست و پا گم کریں ہیں مو کمراں　　نازنین! تیری اس کمر کو دیکھ

ہرچندؔ، ہرچند کشور

ہرچند کشور متخلص بہ ہرچندؔ خلف کنور پریم کشور فراقی نبیرۂ راجہ جوگل کشور بادفروش کہ وکیل حضوری ناظم صوبہ مرشداباد بنگالہ بود۔ ہرچند کہ از نسل راجہ مذکور است الا از جورِ زمانہ در شورِ جوانی یار باش، پر تپاک خلیق وشفیق و بسیار گو۔ بہ اعانتِ [3] اصلاح والدِ ماجدِ خود اکثر در مشاعرہ با غزلِ طرحی گفتہ وارد می شود۔ از عہدِ طفولیت بہ ایں بے مایۂ آشنا ست۔ دریں [4] ولا از دہلی بہ بلدۂ [5] بندرابن رفتہ [6] رحل اقامت افگندہ۔ صاحبِ دیوان است۔ ایں اشعار از طبعش ریختہ:

---

[1] اصل اور ''ل'' دونوں میں ہوشؔ، سرور نے ''ہوشؔ'' لکھا ہے اور مصحفی نے بھی تذکرہ ہندی میں۔ مصحفی نے ان دوشعروں کے علاوہ مقطع بھی لکھا ہے جس سے تصدیق ہوتی ہے کہ تخلص ہوشؔ ہی تھا۔ مقطع یہ ہے۔
تیرے خط کا جواب آیا ہے　ہوشؔ کھول آنکھ نامہ بر کو دیکھ
[2] اصل/خ: مرا جس ناز سے تو نے لیا دل --- خدا جانے ہے اس کو یا مرا دل (حاشیہ مولف: ایں شعر از شخصے دیگر بود بجاے او نوشتہ شد) اضافۂ مولف: ''بلدہ'' اور ''رفتہ''۔ [3] اصل/ق: بہ اصلاح جناب والد ماجدِ خود۔ [4] ل: دریں بہ بندرابن رفتہ۔ [5]،[6] اصل: اضافۂ مؤلف ''بلدہ'' اور ''رفتہ''۔

غافل نہ ہوا ے ناداں اس دم کے گزارے پر — کشتی ہے لگی آکر دریا کے کنارے پر
کھینچے ہے کوئی خنجر، تو لے ہے کوئی برچھی — تلوار کی نوبت ہے، اک تیرے نظارے پر
جس گھڑی صہباے الفت کا ہمیں ساغر دیا — ووں ہی میناے دلِ محزوں کو خوں سے بھر دیا
پردۂ ظلمات دل پر سے وہیں سب اٹھ گئے — شمع رونے جب چراغِ بزم کو گل کر دیا
مجھے یقین ہے یہی ایک دن ڈسے کا کہیں — سمن بروں کی محبت میں یاسمیں کا سانپ

ہمزہ، شاہ ہمزہ

شاہ ہمزہ مردِ درویش است۔ مدتے بسر آمد کہ از دہلی رحلِ اقامت کشیدہ بہ بلدۂ عظیم آباد طرح سکونت انداختہ۔ آنجا اکثر کساں را دست بیع خود ساختہ ہادی راہِ صواب گشتہ۔ استادِ کامل است۔ کلام[1] دردِ التیامش سوزے دارد۔ ایں مطلعِ دل نشیں از تلاش رنگینِ او بعاصی ذکا[2] دست دادہ:

ہاے کس کس کے تئیں بیٹھ کے ہم یاد کریں — غم مجنوں کریں یا ماتم فرہاد کریں

ہمت، اخوند

اخوند ہمت وے شخصے معلم ساکن رامپور ہمت[3] تخلص می کند۔ شعرش لذتے دارد:

عجب گردش میں اپنی ان دونوں اوقات کٹتی ہے — برنگ مہر و مہ پھرتے ہی دن اور رات کٹتی ہے
خدا جانے کہاں یہ گردش ایام بھٹکے گی — غنیمت ہے کوئی ساعت جو تیرے سات کٹتی ہے
بھلا میں کس کے منہ پیغام کہہ بھیجوں کہ واں اب تو — زبانِ نامہ بر کہتے ہوئے اک بات کٹتی ہے

ہاشمی

ہاشمی[4] اصل او از شاہجہاں آباد، پاکیزہ اعتقاد، درست نہاد، خوش فکر، صاحب تلاش بود۔

1۔ ل میں یہاں سے محذوف۔ 2۔ اصل: اضافۂ مولف ذکا۔ 3۔ ل میں محذوف ''ہمت...... کند''۔
4۔ اصل/ ق: ہاشمی جہاں آبادی ساکن شاہجہاں آباد بود۔

مدت [1] سپری شد کہ از دہلی بطرفے برخاستہ رفتہ۔ ایں اشعار از ریختۂ طبع آن۔ شیریں زبان، فصاحت [2] اقراں بقلم خاکسار رقم دادہ:

نشے نے میکشوں کے کیا فلک سر پر اٹھایا ہے | کہ مست [3] ابر سیہ ہو کر چمن میں جھوم آیا ہے
مجھے تھا دھیان زلفوں کا کہ وہ خورشید رو آیا | خدا نے غم کی راتوں میں خوشی کا دن دکھایا ہے

ہاشمی، ہاشم علی

میر ہاشم علی لکھنوی ہاشمی تخلص از شاگردان مرزا محمد رفیع سودا مغفور۔ دیوانے [4] مختصر از تصنیف آں موجود است۔ از فحواے کلامش جودتِ طبع و متانتِ کلام بدریافت می رسید ایں اشعار [5] ازو نسبت دارند:

مرا سو بار اس تک نالۂ پُر آرزو پہنچا | ادھر سے، پر جواب صاف پہنچا جب کبھو پہنچا
دماغ آشفتہ ہوتا ہے صبا سنبل کی نکہت سے | مشامِ آرزو میں تو کسی کاکل کی بو پہنچا
یہ دعوے سب کے باطل محکمے میں ہاشمی ہوں گے | اگر حاکم تلک وہ شوخ باروی نکو پہنچا
آہ و نالے کے دو مصرعے جو کیے ہیں موزوں | (ق) صاحب درد اسے شعر فغانی سمجھا
وہ برہمن بچہ افسوس کہ اے ہم نفساں | قصۂ درد مرا رام کہانی سمجھا

ہاتف، مرزا محمد

مرزا محمد نام ہاتف تخلص، وے مردِ خوش فرجام خوبی [6] التیام، نیک زندگانی، کشادہ پیشانی وضع درویشی داشت [7]۔ از بودن دہلی بطرفے از اطراف برخاستہ رفت احوال مفصل دریافت نیست کہ حالا کدام جاست و چگونہ می گذارد۔ ایں شعر او خوب است:

خط آئے پہ یہ حسن نہ یہ مان رہے گا | ایسے میں اگر ملیے تو احسان رہے گا

1۔ اصل/ق: از چندے......احوالش بعلمِ راقم نیست۔ 2۔ اصل/ق: اقران است۔ 3۔ اصل/ق: کہ بادل ہو سیہ مست اب۔ 4۔ ل: دیوانِ مختصر از تالیف آں موجود است۔ من کلامہ۔ 5۔ اصل/ق: او گفتہ۔ 6۔ ل میں محذوف۔ 7۔ ل: از بودنِ دہلی رنجیدہ۔ معلوم نیست کہ کجا برخاستہ رفت۔

ہمرنگ، عزیز الدین

میر عزیز الدین اورنگ آبادی ہمرنگ تخلص، مردے سید درویش نہاد، درست اعتقاد، طالب علم، سراپا حلم۔ بہر دو زباں آشناست۔ سخن خود را بہ اصلاح مولوی غلام کبریائی غلیل مرشد آبادی کہ از جملہ صوفیان کامل آں نواح است رسانیدہ، دیوانے مختصر از اشعار ہندی تدوین نمودہ و بہ اشارتِ استادِ فیض نہادِ خود[1] دیباچۂ آن بعبارت فارسی نوشتہ:

قیامت ہم پہ گذرے ہے ترے قامت کے دیکھے سے
پر آنکھوں کی نہیں تقصیر، دل کم بخت مائل تھا

کوئی روز میں یہ کعبۂ دل نقش بتاں سے
معلوم یہ ہوتا ہے کہ بت خانہ بنے گا

دنیا میں میں تو آکے گنہگار ہوگیا
اس فاحشہ کا ہاے گرفتار ہوگیا

رقیبوں سے بہت خلطا ہے تیرا
کروں کیا بس نہیں چلتا ہے میرا

دن میں کرتا ہوں ترے چہرۂ گلنار کو یاد
رات کرتا ہوں تری زلف سیہ تار کو یاد

کٹ گئی غفلت میں ساری عمر بے حاصل دریغ
مفت کھویا ہم نے ایسا جو ہر قابل دریغ

مرجائے جو عاشق تو جلاتا ہے سخن میں
ہے خضر یہاں آب بقا اس کے دہن میں

اگر اک نعرہ ماریں وادی وحشت کے دیوانے
تو سن کر کوہ لرزیں، آسماں یکبار ہل جاویں

اے ہمرنگ دیکھیں گے بیت الحرم بھی
بھلا اب تو بیت الصنم دیکھتے ہیں

گر ادھر کو ترا گذارا ہو
تو مجھے زندگی دوبارا ہو

میری آنکھیں ہیں تری خاکِ قدم سے روشن
سرمۂ طور ہے یا خاک شفا ہے، کیا ہے

زاہد کو وصل حور ہے عاشق کو وصل یار
بتلا تو سچ کہ کون بھلا نیک بخت ہے

ہمرنگ اپنے دل کو دیا پھر بتوں کے ہاتھ
تونے مزاج اس کا نہ جانا کر خت ہے

ہے تری یاد ہی سے زندگی میری ورنہ
بے خودی دن کو ہے اور رات کو بے خوابی ہے

---

1. ل: دیوانے مختصر در ہندوی و دیباچۂ آں فارسی دارد۔

ہنر، محمد داؤد

محمد داؤد حیدر آبادی ہنر تخلص۔ عزیزے تیز ذہن و خوش کلام است۔ در حیدر آباد سکونت[1] دارد۔ رباعی دعائیہ کہ بنظر آقاے خود گذرانیدہ بود بہ اضعف العباد[2] ذکا بہم رسید و دیگر اشعارش باوصفیکہ در شہر دہلی و دیگر تلاش بکار رفت و بہ تفحص آں سعی و تگاپو بعمل آمد، دست نداد:

رباعی

رکھ فضل و کرم سے اپنے رب العزت　　آقا کو مرے بعز و جاہ و حشمت

رخشاں ہیں فلک پہ جب تلک یہ انجم　　روشن رہے اس کے گھر چراغِ دولت

ہوس، مرزا تقی

مرزا[3] تقی خاں[4] ہوس خلف مرزا علی خاں بہادر[5] از میر زادہ ہاے لکھنؤ۔ مرد مستعد و صاحبِ تلاش، شیریں[6] زبان، اہل دیوان است۔ در فرقۂ سخنورانِ بلدۂ پاک لکھنؤ شاعر نامی است۔ ایں دو ابیات بہ فدوی رسیدہ:

شاید کوئی جواب دے، ہمت نہ ہاریے　　آسودگان خاک کو جا کر پکاریے

زاہد کا دل، نہ خاطرِ مے خوار، توڑیے　　سو بار توبہ کیجیے، سو بار توڑیے

ہادی

ہادی تخلص از شعراے سمتِ جنوب است۔ غزلیاتِ وے بدیدن[7] نیامدہ الا دو قطعہ کہ در مدحِ سخاوتِ ناظمِ آں ضلع گفتہ بود بمن در خورد:

1۔ ل۔ محذوف ''سکونت دارد''۔ 2۔ اصل/ق: بدیں ضعف لعباد۔ 3۔ کریم الدین: ...... بیٹا نواب، مرزا علی خاں کا درمیان 1814ھ کے لکھنؤ میں رہتا تھا۔ 4، 5۔ اصل۔ اضافۂ مولف ''خاں'' اور بہادر...... لکھنؤ۔ 6۔ شیریں زبان در زمرۂ شاعرانِ لکھنؤ نامی است۔ 7۔ ل: بدیدن و شنیدن خود نیامدہ۔ الا قطعۂ کہ در مدح ناظم آں ضلع گفتہ۔

قطعہ

ذات عالی ہے تری واسطۂ رونق دہر　　فیض تیرے سے جہاں میں نہیں کوئی بے بہر
ہے ترا جود و کرم خلق پہ جوں ابر بہار　　ہے تری موج[1] کرم جیسے سمندر کی لہر

قطعہ

بھر دیے دامن سائل میں زر و لعل و گہر　　تھے جو وہ کیسۂ مفلس ہوئے سب معدن و بحر
خرم و شاد رہیں دوست ترے تادمِ زیست　　جو کہ اعدا ہوں ترے ان پہ خدا کا ہو قہر

ہمت

ہمت شاعریست بضلع دکن، قصیدہ پرزور[2] کہ در توصیفِ یکے از امرایان آنجا از وتالیف یافتہ منجملہ آں دو ابیات برشتۂ تحریر درکشیدہ:

جلو میں تہنیت گویاں ظفر ہمت نمایاں ہو　　جناب اعظم الامرا کو جس دم عزم میداں ہو
خدا محفوظ رکھے[3] اس کو چشمِ زخمِ اعدا سے　　بہ بزم و رزم تائیداتِ غیبی فضلِ یزداں ہو

ہوش

ہوش[4] تخلص شخصیت تازہ مشق۔ از ساکنان شاہجہاں آباد جنت نہاد محمد نصیرالدین نصیر سلمہ مصلح اشعار آں[5] غلام مرتضیٰ عزیز با اصلاح است۔ اکثر در مجمعِ سخنوراں غزل طرحی گفتہ وارد می شود:

خوبیِ قسمت تو دیکھو دست گل خوردہ مرا　　کیا گلے میں یار کے بن کر حمائل رہ گیا
خاک اپنی زندگی اس نے بسرائے ہوش کی　　یادِ حق سے جو کوئی دنیا میں غافل رہ گیا
تونے رعنائی قامت جو دکھائی مجھ کو　　روشِ سرو چمن پھر نہ خوش آئی مجھ کو

---

1 اصل/ق: موج سخا۔ 2 اصل/ق: پر مضمون۔ 3 اصل/ق: تجھ کو۔ 4 ل: غلام مرتضیٰ ہوش شخصے تازہ مشق از ساکنانِ شاہجہاں آباد محمد نصیرالدین نصیر مصلح اشعار اوست۔ 5 اصل: اضافۂ مؤلف بر حاشیہ۔

دل مرا سینے میں جوں برق ہے شب سے بیتاب — کس نے یاد اس کے تبسم کی دلائی مجھ کو
جان گر تن سے جدا ہو تو جدا ہو لیکن — جان منظور نہیں تیری جدائی مجھ کو
باغِ ہستی کی وہیں سوجھ گئی کیفیت [1] — ہے گُل رنگ جو ساقی نے پلائی مجھ کو
بیٹھ کر کیا مرے پہلو سے گیا اٹھ وہ شوخ — فتنہ برپا ہوا، آفت نظر آئی مجھ کو

ہاشم

میر ہاشم علی، شاعرے بدیہہ گو صاحب تلاش چند غزلیات از گفتہ اش بہ ایں نحیف ذکا رسیدہ ازاں ایں ابیات می طرازد:

داغ کے داغ ہیں سینے پہ مرے، دام کے دام — کشورِ عشق میں چلتے ہیں مرے چام کے دام
میرے اک طائرِ دل کے لیے کیوں اے صیاد — لیے پھرتا ہے تو کیوں زلفِ سیہ فام کے دام
گردشِ چشم ہے تیری تو وہ آشوبِ جہاں — جن نے نظروں میں کیے گردشِ ایام کے دام

ہمرنگ، دلاور خاں

دلاور خاں ہمرنگ برادر مصطفیٰ خاں یک رنگ، اکثر اوقات مزاجش بطرف سخن سازی راغب بود۔ شعر بتلاش می گفت۔ چوں انساں زندہ دل بود، وقت راخوش می داشت:

بہر صورت خدا کو دیکھنا عنوان ہے میرا — یہی توحید میں مصرع سرِ دیوان ہے میرا
یار کا جب خیال آتا ہے — ہوش میرا تمام جاتا ہے
دل کو تجھ عشق سے قرار نہیں — اب تلک تجھ کو اعتبار نہیں
نہیں مطلب مجھے کچھ باغباں سے — دوانا ہوں میں گُل کے رنگ و بو کا
سدا بیدار رہ، غفلت سے ہو ترش — مثل مشہور ہے سویا سو چوکا
خط مرا اس نگار نے نہ پڑھا — کیا لکھا تھا کہ یار نے نہ پڑھا
ہے ہاتھ تیرا خوں سے عاشق کے گر آلودہ — مہندی سے صنم مت کر بارِ دگر آلودہ

---

[1] اصل: یہ دونوں شعر حاشیے پر

مفلس کی خبر کب ہے اے سیم بدن تجھ کو   افشاں سے ترا ماتھا رہتا ہے در آلودہ
فرہاد کو محنت کی تلخی نہ کبھو ہوتی   شیریں کا جو اک بوسہ ملتا شکر آلودہ

ہاتفؔی

ہاتفؔی شاعر قدیم ہمعصر ولؔی شاعر، کمترین ذکاؔ بیتے از گفتہ اش بہم رسانید و دریں مقام نوشت دیگر از تصانیفش دست نداد:

تیری چشم و زلف سے، کافر ہوا سارا جہاں   اسلام اور تقویٰ کہاں زہد اور مسلمانی کدھر

ہدایتؔ، ہدایت علی

ہدایت علی ہدایتؔ شاگردِ ولی محمد خاں نظیرؔ اکبرآبادی و خود ہم سکنۂ آنجاست شخصے دوستدار۔ بعضے اشعارش جہت او حالِ تذکرہ بمن نوشتہ دادہ بود۔ از اں ایں شعر نوشت:

زلفوں میں چھپا چہرۂ پُر نور کسی نے   کیا دن کو دکھائی شبِ دیجور کسی نے

ردیف الیاء التحتانی

یقیںؔ، انعام اللہ خاں

انعام[1] اللہ خاں یقیںؔ، اومردے بود شیخ زادہ نبیرۂ حمید الدین خاں۔ جد بزرگوارش بہ نظر کیمیا اثر حضرت خلد آرام گاہ انار اللہ برہانہ نہایت قرب واعزاز داشت تا بحدیکہ اکثر اوقات بدستخط خاص فیض اختصاص، شقہ جات کرامت سمات بنام نامی او شرف اصداری یافت و والدِ ماجدش بہ ہمدمی حضرت فردوس آرامگاہ از جملہ مکرمان ومعززان پیش گاہِ خلافت بود وتقرب تمام داشت خودش نیز درعہد نواب وزیرالممالک عماد الملک غازی الدین خاں بہادر بہ فراغ بالی بسر بردہ۔ از تلمیذان رشید مرزا جان جاں مظہرؔ[2] شہید کہ دیوانش مشہور است، بودہ است[3] سخنش از پایہ درگذشتہ در حلقہ دشوار پسنداں مذکور وبچشم طبع آزمایاں منظور بشرافت معروف وبحسنِ معاشرت مصروف ماند:

نہ تھا یہ وادی ایمن یہ کوہ طور نہ تھا	ترا تو ہی تھا تجلی نہ تھی ظہور نہ تھا
اگر تجھ کو زلیخا دیکھتی سب کچھ بسر جاتی	تماشا ماہ کنعانی کا اس کو خواب ہوجاتا
کیوں نہ ہو تر دامنوں کو شست وشو کی آرزو	مے کشاں پر آیۂ رحمت ہے باراں کی ہوا
یہ کوہِ طور سرمہ ہوگیا سارا ہی کیا کہیے	کوئی پتھر اگر بچتا تو دیوانے کے کام آتا
مجھے گر حق تعالیٰ کار فرمائے جہاں کرتا	بتوں کو میں بزور، ان بیکسوں پر مہرباں کرتا
شب ہجراں میں پیش از صبح کام اس کا ہوا آخر	یقیںؔ کے داغ پر یہ مرہم کافور کیا کرتا

---

1. مصحفی (ہندی): پسر اظہر الدین خاں...... در دورۂ ایہام گویاں اول کسے کہ ریختہ راشستہ ورفتہ گفتہ۔ ایں جوان بود بعد از اں تبعش بدیگراں رسیدہ...... عمرش زیادہ بر بست وپنج نہ خواہد بود کہ پدرش اوراکشتہ در دیگ مدفون ساختہ؛ (سالِ وفات 1169ھ بحوالہ مختار الدین احمد/101)؛ شورش: قبولیت کلام بحدے رسید کہ درکلام ہندوستان دیوانِ اشعارِ ایشاں خانہ بخانہ موجود است۔ 2. اصل: اضافۂ مولف: شہید...... است"۔ 3. ل "بودہ است"۔

کسی کا تو کبھی رکھا کرو دل تم کو لازم ہے
وگر نہ دلرباؤں کا لقب دلدار کیوں ہوتا

دل میں زاہد کے جو جنت کی ہوا کی ہے ہوس
کوچۂ یار میں کیا سایۂ دیوار نہ تھا

گرا میں آنکھ سے تیری، جہاں کے ہاتھ کیا آیا
مجھے پٹکا، زمیں پر، آسماں کے ہاتھ کیا آیا

تری زلفوں سے دل شیون میں ہے ایسا کہ گر سنتا
صدا اس چمپئی مودار کی فغفور رو دیتا

اس کم نگہی سے کب بجھتی ہے طپش دل کی
ساقی مجھے اتنی سی مے پینے سے کیا ہوگا

آپ سے واقف نہ تھا جب تک کہاں تھے یہ شکوہ
آئنے میں دیکھتے ہی منہ سکندر ہوگیا

آنکھ سے نکلے پہ آنسو کا خدا حافظ یقیں
گھر سے جو باہر گیا لڑکا، سو ابتر ہوگیا

سریرِ سلطنت سے آشیانِ یار بہتر ہے
ہمیں ظلِ ہما سے سایۂ دیوار بہتر ہے[1]

جو کچھ کہیں یہ تجھ کو یقیں، ہے تری سزا
بندہ جو تو بتاں کا ہوا، کیا خدا نہ تھا

کیا گرادی ایک تیشے سے بنا فرہاد کی
کردیا کس گھر بسے نے خانۂ شیریں خراب

جیے یہ، ہجر میں وہ وصل میں بھی جی نہیں سکتا
تکلف برطرف بلبل کو پروانے سے کیا نسبت

ہمارا شور سن مجنوں کی بھولی طرز نالے کی
کوئی شیروں کے منہ پر نے بجا سکتا ہے، کیا قدرت

تصور کر کے لیتا ہوں مزا میں اس کی باتوں کا
مرے اس چپکے رہنے کا ہے وہ شیریں دہن باعث

رنگِ گل کی آگ پر دامن نہ مارا اے بادِ صبح
کیا کریں گی بلبلیں پھر آشیانے کا علاج

زخمِ دل ہونے دے ناسور نہ کر اس کا علاج
جو مزہ درد میں ہے سو نہیں درمان کے بیچ

سو جگہ سے دل گریباں پھاڑ دیوانے کی طرح
زلف کی زنجیر میں آخر پھنسا شانے کی طرح

پھوڑ ڈالا کوہکن سا لعل یوں پتھر سے ہائے
کس سے سیکھی تھی یہ شیریں کام فرمانے کی طرح

عاشق اور معشوق عالم کے سند کرتے ہیں سب
تجھ سے خوں خورے کے طرز اور مجھ سے غم کھانے کی طرح

بولنے سے تیرے جی اٹھتے ہیں جن میں جی نہیں
پھر مروّج ہو چلا دینِ مسیحا بے طرح

رنگ سے مہندی کے ہوجاتے ہیں آنسو لعل تر
رکھ کے ان پانووں پہ سر کوئی اٹھاوے کس طرح

کیا کروں مژگانِ تر کے ابر نے ڈالا ہے شور
آج بادل بے طرح اُلڈے ہیں یہ برسیں گے زور

خال گورے مکھ کا لیتا ہے مرے دل کو چرا
اس نگر میں چاندنی راتوں کو بھی پڑتے ہیں چور

1۔ اصل/ق: نیز "ل" "تھا" بجائے "ہے"۔

گریباں پھاڑتے ہیں دیکھ خوبانِ چمن کیونکر
نہ کیجیے چاک ناصح اس ہوا میں پیرہن کیونکر

بہار آخر ہوئی ہے اب تو سینے دے گریباں کو
یقیںؔ کرتا ہے کوئی اس قدر دیوانہ پن، بس کر

پروا نہیں ہے ابر کی اس مشتِ خاک کو
کرلیں گے اشکِ سرخ ہمارا مزار سبز

نزع میں دیکھ مجھے یار جھجھک کر بولا
کیا بُری طرح سے مرتا ہے یہ بیمار کہ بس

کچھ پر و بال میں طاقت نہ رہی تب چھوٹے
ہم ہوئے ایسے برے وقت میں آزاد کہ بس

تو نہ تھا ہائے یقیںؔ ورنہ دوانا ہوتا
آج اس طرح کا دیکھا ہے پری زاد کہ بس

وصل میں بھی دردمندوں کو نہیں راحت نصیب
دیکھ لیجے شمع کے ملنے سے پروانے کا حظ

رشک تیری دلربائی کا زبس کھاتی ہے شمع
دیکھ تیرے حسن کے شعلے کو جل جاتی ہے شمع

دن جنوں کے آن پہنچے ہوشیاراں الوداع
فصل گل نزدیک آئی اے گریباں الوداع

ہے نگاہِ گرم رہتا ہے مرا باطن سیاہ
حسن کا شعلہ ہے میرے دل کی خلوت کا چراغ

چمن میں مجھ سے دیوانے کے لے جانے کا کیا حاصل
دکھا کر گل جنوں کو شور پر لانے کا کیا حاصل

تیری آنکھوں میں نشے نے اس طرح مارا ہے جوش
ڈالتے ہیں جس طرح بدمست میخانے میں دھوم

کروں میں کیونکہ قیدِ زلف سے چھٹنے کی تدبیریں
پڑی ہیں میری ہر انگشت میں جوں شانہ زنجیریں

چمن کے بیچ کلیاتی ہے جیسے شاخ سنبل کی
ہوئے ہیں اس قدر دل جمع اس زلف پریشاں میں

کرتا ہے کوئی یارو اس وقت میں تدبیریں
مرتا ہے یہ دیوانہ اب کھول دو زنجیریں

ہجر میں جینے سے بہتر ہے ہلاک روزِ وصل
یہ طرح کیا خوب راس آئی ہے پروانے کے تئیں

اٹھ گیا کہتے ہیں دیوانہ یقیںؔ عالم سے ہائے
ان نے کیا آباد کر رکھا تھا ویرانے کے تئیں

نہ گذرا ہوگا کوئی مجھ سا رنگیں باولے پن میں
گریباں آ پڑا ہے پھٹ کے گل کی طرح دامن میں

پڑی کہتی تھی یہ بلبل بہار آوے بہار آوے
پڑا چین، اب لگی، جب رنگ گل سے آگ گلشن میں

یقیںؔ سے جلتے ملتے کی خبر کیا پوچھ کر لوگے
پڑا ہوگا دوانہ سوختہ سا کنج گلخن میں

ہم گئے کام سے مرغانِ چمن سے کہیو
فرض کیجے کہ چھٹے طاقت پرواز کہاں

جب دیکھتا ہوں تنہا پھرتے تجھے چمن میں
کس کس طرح کی باتیں آتی ہیں میرے من میں

مجنوں کی خوش نصیبی کرتی ہے داغ مجھ کو
کیا عیش کر گیا ہے ظالم دوانہ پن میں

کعبے بھی ہم گئے نہ چھٹا ان بتوں کا عشق
اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں

یہ سینہ عشق میں محرومِ درد و داغ نہیں
ہزار شکر کہ یہ ملک بے چراغ نہیں

کوئی بھی دیتا ہے لڑکوں کے ہاتھ شیشۂ دل
یقیںؔ میں غور سے دیکھا تو کچھ شعور نہیں

. اک نے راہ میں اس کی کیا ہے چشم کو جاری
کرے کس آبجو پر رحم وہ سرورواں دیکھیں

گالی بھی سہ گئے ہیں، ماریں بھی کھائیاں ہیں
کیا کیا تیری جفائیں ہم نے اٹھائیاں ہیں

خسرو کے منہ پہ چڑھنا اور بے ستوں سے بھڑنا
کچھ عاشقی نہیں ہے زور آزمائیاں ہیں

کوئی دن چلنے پھرنے دیں، عبث تدبیر کرتے ہیں
دوانا مجھ سا کب جیتا ہے، کیوں زنجیر کرتے ہیں

نگہ کرنے میں ان کے کام ہوتا ہے تمام اس کا
یقیںؔ کے حق میں یہ خوباں بہت تقصیر کرتے ہیں

دوبارہ زندگی کرنا، مصیبت اس کو کہتے ہیں
پھر اٹھنا بے دماغوں کا، قیامت اس کو کہتے ہیں

یقیںؔ مارا گیا جرمِ محبت پر، زہے طالع
شہادت اس کو کہتے ہیں، سعادت اس کو کہتے ہیں

ے گل رنگ جوں شیشے میں جھلکے معنی شوخی
نمایاں ہے تری صورت سے، صورت اس کو کہتے ہیں

چمن میں شاخ ہل جاتی ہے جیسے گل کے کھلنے سے
لہک جاتا ہے دم لیتے، نزاکت اس کو کہتے ہیں

عمر آخر ہے، جنوں کرلو بہاراں پھر کہاں
ہاتھ مت پکڑو مرا تارو، گریباں پھر کہاں

چشمِ تر پر گر نہیں کرتا، ہوا پر رحم کر
دے لے ساقی ہم کو مے، ابرِ بہاراں پھر کہاں

جو کرنی ہے تو اپنی فکر کر لے نو بہار آئی
خدا کے واسطے یہ بات دیوانے سے کہہ دیجو

اسیرانِ قفس کی نا امیدی پر نظر کیجو
بہار آوے تو اے صیاد مت ہم کو خبر کیجو

نہ کر شوخی مبادا تاب کھا جاوے کمر تیری
ٹک اس قد کی نزاکت پر نظر اے مو کمر کیجو

کھڑا ہے سرو نپٹ بن بنا، کے رعنا ہو
جو یار پردے سے نکلے تو کیا تماشا ہو

جی نکل جائے گا عشاق کا بلبل کی طرح
گلرخاں جامۂ رنگیں کو معطر نہ کرو

حنا کی طرح میں اپنا بحل کیا ہے خوں
بتاں! شہید کرو، خواہ دستگیر کرو

گرہ کھولو یہ زلفِ یار کے شانے کو مت چھیڑو
چھوڑو مت دل کی زنجیر، ایسے دیوانے کو مت چھیڑو

یہ محرابِ نمازِ بیخودی ہے زاہدو سمجھو
خدا کے واسطے مستوں کے پیمانے کو مت چھیڑو

میں پوچھا، اے صنم ہم بھی کبھی کچھ یاد آتے ہیں
کہا اس شوخ نے ہنس ہنس کہ "اکثر عید قرباں کو"

بہاراں میں ہمیں کیا حکم ہے اے باغباں سچ کہہ
چمن میں رہنے پاوے گا ہمارا آشیاں، سچ کہہ

نمک ڈالا ہے مجھ میں اے ہما شورِ محبت نے
کبھو کھائی ہے تو نے اس مزے کی استخواں سچ کہہ

ہزاروں آب جو آنسو کے تیرے ساتھ پھرتے ہیں
تو کس گلزار کا ہے سروِ رعنا، اے جواں سچ کہہ

کہاں تاثیر ہے نالوں میں اے مرغِ قفس، چپ رہ
عبث صیاد کو آزردہ کیوں کرتا ہے، بس چپ رہ

منہ اپنا نہ دیکھا کر، ہوجائے گا دیوانہ
آئینے کو کہتے ہیں اے شوخ پری خانہ

کچھ عمر نہیں باقی ساقی تو شتاب آ جا
ڈرتا ہوں چھلک جاوے لبریز ہے پیمانہ

اس بسنتی پوش سے آغوش رنگیں کیجیے
جی میں ہے اس مصرعِ موزوں کو تضمیں کیجیے

بہار آئی ہے اور ہم گلستاں میں جا نہیں سکتے
خدا کے واسطے تو ہی کہہ اے صیاد کیا کیجیے

یقیں کے واقعے کی سن خبر وہ بدگماں بولا
یہ دیوانہ کچھ ایسا تو نہ تھا بیمار کیا کیجیے

گلا تو پھٹ گیا نے کی طرح فریاد سے میرا
قیامت دور ہے کس دن ملے گی داد کیا کیجیے

ہمیں کانٹا قفس کا شاخِ گل سا جی میں چبھتا ہے
اسیری کے مزے کو بلبل آزاد کیا جانے

درختوں سے نہ دے تشبیہ اس قد کو یقیں ہرگز
اس اٹھکھیلی کے چلنے کی طرح شمشاد کیا جانے

خطا ہے آپ مر کر یار کو دیجے رقیبوں کو
ہماری ہم سے پوچھو، کوہکن کی کوہکن جانے

جدا ہم سے ہوا تھا ایک دل نام اپنے یاروں میں
خبر اس کی نہ پائی کیا ہوا اس کو خدا جانے

مرے آنسو بھی مارے ضعف کے اب چل نہیں سکتے
کیا اے عشق، مجھ کو ہائے ایسا ناتواں تو نے

نہیں جوں پنجۂ گل، ہائے ان ہاتھوں میں گیرائی
وگرنہ یہ گریباں نذرِ خوبانِ چمن کرتے

گنہگاروں کو ہے امید یہ اشکِ ندامت سے
کہ دامن شاید اس آبِ رواں سے پاک ہوجاوے

نہ جا گلشن میں، بلبل کو خجل مت کر کہ ڈرتا ہوں
یہ دامن دیکھ کر گل کا گریباں چاک ہوجاوے

دعا مستوں کی کہتے ہیں یقیں تاثیر رکھتی ہے
الٰہی سبزہ جتنا ہے جہاں میں تاک ہوجاوے

دیارِ حسن تو ہے خوش ہوا، پر یہ بڑی مشکل
کہ لٹ جاتا ہے یاں جو کارواں جنسِ وفا لاوے

یقیں زنجیر میں ہے تب، تو عالم میں نہیں چھلیں
جو ٹک چھوٹے یہ دیوانہ تو کیا دھومیں مچادیوے

خوش آئی ہے مجھے یہ بات اک مجنونِ عریاں سے
کیا کچھ کہاں تک چاک، ہم گزرے گریباں سے

بتاں کی سج نے دیوانہ کیا ہے ہم کو محشر میں
گریباں کا ہم اپنے خون لیں گے ان کے داماں سے

یقیںؔ کچھ دام میں پھنسنے کا اندیشہ نہیں ہم کو
پر اتنا ہے کہ ٹک آباد تھا یہ گلستاں ہم سے

گزر جا وصل سے، گر ہجر میں دیکھے رضا اس کی
محبت میں یقیںؔ لیتا ہے نامِ مدعا کوئی

نگاہِ یار کی کوئی زبان اب تک نہیں سمجھا
یہ وہ باتیں ہیں نازک جس میں آئینہ بھی حیراں ہے

اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے
مزا برا نہیں یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے

(یقیںؔ) اس اشک سے سودا بگڑ نہ جائے کہیں
یہ دل کچھ آب رسیدہ ہے کچھ جلا بھی ہے

یہ کوئی ڈھب ہے سجن خاک میں ملانے کا
کسو کا دل کبھی پاؤں تلے ملا بھی ہے

یہ آرزو ہے کہ اس بے وفا سے میں پوچھوں
کہ میرے بے مزہ رکھنے میں کچھ مزا بھی ہے

یقیںؔ کا شور جنوں سن کے یار نے پوچھا
کوئی قبیلۂ مجنوں میں کیا رہا بھی ہے

اب تو ناصح کو بھلا سینے دو میرا چاک جیب
تار تار اس ضد سے کر ڈالوں گریباں تو سہی

اپنے بندوں کو جلا کر داغ کرتے ہیں یقیںؔ
ان بتوں کی ضد سے ہو جاؤں مسلماں تو سہی

مفت کب آزاد کرتی ہے گرفتاری مجھے
جی ہی آخر لے کے چھوڑے گی یہ بیماری مجھے

میں جو بن غمخوار ہرگز جی نہ سکتا تھا کبھو
ان دنوں کرنی پڑے ہے دل کی غمخواری مجھے

کم نہیں جوہر فولاد جواہر سے یقیںؔ
ہے بہ از سلک گہر، عشق میں زنجیر مجھے

یار آیا یہ مجھے ہوش نہ تھا کیا کہیے
نہ کیا اس دلِ دشمن نے خبر دار مجھے

یقیںؔ جاتا ہے گر بلبلوں کے ساتھ جانے دے
کوئی اس بے مروت دل کو اپنے پاس کیا رکھے

زنجیر میں بالوں کی پھنس جانے کو کیا کہیے
کیا کام کیا دل نے، دیوانے کو کیا کہیے

دل چھوڑ گیا ہم کو دلبر سے توقع کیا
اپنے نے کیا یہ کچھ، بیگانے کو کیا کہیے

حق مجھے باطل آشنا نہ کرے
میں بتوں سے پھروں، خدا نہ کرے

دوستی بد بلا ہے اس میں خدا
کسی دشمن کو مبتلا نہ کرے

رو مرے کو خدا قیامت تک
پشتِ پا سے تیری جدا نہ کرے

وصل کی گرمی سے مجھ کو ضعف آتا ہے یقیںؔ
دیکھیے مجھ سا یہ خوباں کی جدائی کیا کرے

قیامت آپ پہ اس قد سے لا چکے ہم تو
کہاں تلک کوئی محشر کا انتظار کرے

نہ دی فرصت کہ ان ہاتھوں سے کچھ کام اور بھی نکلے
ہم آخر ہوں گے دامن گیر اس چاک گریباں کے

جو مجنوں آہوان دشت سے خوش تھا تو وہ جانے
بہار آئی بجاؤ عندلیبو ساز عشرت کے
ہمیں مار سیاہ زلف کے کاٹے سے کیا ہووے
بتاں کی بادشاہی کے سپہ سالار عاشق ہیں
مواجاتا ہوں، مت اتنا بھی کس کر باندھ بالوں کو
نہیں کوئی کہ اخبار اس کے ہم تک بادعا، لاوے
مے ہوئی آخر، رہی تدبیر غم کی ناتمام
پاؤں سے سر تک پہنچتے مست ہوتی ہے نگاہ
کیا بدن ہوگا کہ جس کا کھولتے جامے کا بند
آپ سے واقف نہ تھا جب تک کہاں تھے یہ شکوہ
دلبروں کے نقشِ پا میں ہے صدف کا سا اثر
کون جانے بن تری آنکھوں کے چشم تر کی قدر
اب جو اڑ بیٹھیں قفس کے بام پر، مقدور کیا
یقیں اس کے دُرِ دنداں کی باتیں جو کیا چاہے
کہتے ہیں کہ تسخیریں آئینے کو آتی ہیں
نہ دیتا عیش کی خسرو کو فرصت قصرِ شیریں میں
لاچار لے دل اپنا گیا گور میں یقیں
دل نہیں کھنچتا ہے بن مجنوں بیاباں کی طرف
اس ہوا میں رحم کر ساقی کہ بے جامِ شراب
ہمارے درد کی دارو اگر کچھ ہے، تو دارو ہے
وہ ناخن ابروے خوباں سے خوشنما تر ہے
خواب میں کس طرح دیکھوں تجھ کو بے خوابی کے ساتھ
مفت ممکیں لیتے وفا کو شہر خوباں میں یقیں

یقیں ہم تو دوانے ہیں، انھیں شہری غزالاں کے
کئی حسرت کی وے راتیں، گئے وے دن مصیبت کے
کہ ہم اک عمر کے عادی ہیں خال لب کی افیوں کے
بٹھائے بے ستوں میں کوہکن نے نقش شیریں کے
ٹک اک ڈھیلی تو کرائے جان زنجیر اس دوانے کی
گیا ہے دل سو اس کو دیکھیے کب تک خدا لاوے
کس سے دل خالی کریں اب ہو چکا مینا تمام
ہے عروج نشہ کو وہ قد بھی اور بالا تمام
برگ گل کی طرح ہر ناخن معطر ہوگیا
آئنے میں دیکھتے ہی منہ سکندر ہوگیا
جو مرا آنسو گرا اس میں سو گوہر ہوگیا
بوجھتے ہیں مردم بینا ہی اس گوہر کی قدر
حیف، ہم پہلے نہ پوچھی اپنے بال و پر کی قدر
صدف کی طرح دھولے آب کوثر سے دہن اپنا
دل سے نہ ہوا جو کام آئینے سے کیا ہوگا
جو میں ہوتا تو جائے شیر جوے خوں رواں کرتا
اس جنس کا جہاں میں کوئی قدر داں نہ تھا
خوش نہیں آتا نظر کرنا غزالاں کی طرف
دیکھ کر چھاتی بھری آتی ہے باراں کی طرف
یہ سب کچھ سن کے ساقی، بات پی جانے کا کیا حاصل
کسو کے کام کی جس سے کوئی گرہ وا ہو
جمع آسایش کہاں ہوتی ہے بیتابی کے ساتھ
کس قدر بے قدر ہے یہ جنس نایابی کے ساتھ

نہ دے برباد خارِ آشیاں کو عندلیباں کے
صبا یہ بھی ہوا خواہوں میں ہے آخر گلستاں کے

ٹک اک انصاف کر، کرتا ہے اتنا بھی ستم[1] کوئی
☆ کرے گا بعد میرے کس توقع پر وفا کوئی

نہ نکلا کام کچھ اس صبر سے اب نالہ کرتا ہوں
مری فریاد ہی شاید مری فریاد کو پہنچے

دوانا ہوں میں جی دینے میں مجنوں کے سلیقے کا
مزہ لے لے کے مرنے کی طرح فرہاد کیا جانے

اجل[2] نے کوہکن کی، خوب رکھ لی شرم خسرو کی
وگرنہ اس کے سنگِ زور کو یہ کب اٹھا سکتا

یکرنگ، غلام مصطفیٰ خاں

غلام مصطفیٰ خاں یکرنگ۔ ساکنِ[3] دہلی از تلامذۂ مرزا جانِ[4] جاں مظہر شہید علیہ الرحمۃ و ہم عصر[5] میاں نجم الدین آبرو۔ شاعرے زبردست و صاحبِ تلاش بودہ است۔ ریختہ بخوبی می گفت۔ دیوانے مختصر از و یادگار[6] ماندہ۔ خاکسارزِ کا ایں اشعا بہم رسانیدہ می نگارد:

جو کوئی توڑتا ہے غنچۂ گل
دل بلبل شکستہ کرتا ہے

نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے
میرا صبر و قرار جاتا ہے

گر خبر لینی ہے تو لے صیاد
ہاتھ سے یہ شکار جاتا ہے

لگے ہے خوب کانوں میں بتوں کے
سخن یکرنگ کا گویا گہر ہے

نہ تو ملنے کے اب قابل رہا ہے
نہ مجھ کو وہ دماغ و دل رہا ہے

کیا جانیے وصال ہو تیرا کسے نصیب
ہم تو ترے فراق میں اے یار مر گئے

زبان شکوہ ہے منہدی کا ہر پات
کہ خوباں نے لگائے ہیں مجھے ہات

اس زلف کا یہ دل ہے گرفتار بال بال
یکرنگ کے سخن میں خلاف ایک مو نہیں

---

1 ن: جفا۔ 2 اصل میں برحاشیہ۔ 3 اصل۔ اضافۂ مولف ''ساکن دہلی''۔ 4 مصحفی (ہندی) بقولے شاگردِ خانِ آرزو و بقولے میاں آبرو از، فحوائے کلامش چنیں می تر اود کہ شاگرد مرزا مظہر خواہد بود؛ (حیدری) نام مصطفیٰ قلی خاں۔ دتاسی نے بھی یہی نام لکھا ہے مگر صحیح نام غلام مصطفیٰ خاں ہی ہے۔ دیباچۂ دیوان زادہ حاتم سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ (بحوالہ مختار الدین احمد)۔ 5 ل: معاصر۔ 6 ل: یادگار گذاشت۔ ☆ ل میں یہ شعر نہیں ہے۔

یکرنگ نے تلاش کیا ہے بہت و لے مظہرؔ سا اس جہاں میں کوئی میرزا نہیں
پارسائی اور جوانی کیونکہ ہو ایک جاگہ آگ پانی کیونکہ ہو
جس کے دردِ دل میں کچھ تاثیر ہے گرجواں ہے وہ تو میرا پیر ہے
اس کو مت سمجھو بتوں تم آپ سا مصطفیٰ خاں آشنا یکرنگؔ ہے
برگِ حنا اوپر لکھو احوالِ دل مرا شاید کبھو تو جا لگے اس دلربا کے ہاتھ
ہوا نہ راحتِ جاں مہربان حیف مری محنت گئی سب رایگاں حیف
پھر گیا ہائے ہم سے وہ مہ رو سرد مہری ستی ہوا کی طرح
یاد آتی ہے تازگی کی بہار دیکھ ہر خشک خار کی صورت
سچ کہے جو کوئی سو مارا جائے راستی ہیگی دار کی صورت
مسخر حسن کے شاہ و گدا ہیں رکھیں ہیں خوب رو ظاہر کرامات
خیالِ چشم و ابرو کر کے تیرا کوئی مسجد گیا، کوئی خرابات
نہ کر گوہر ستی ہر گز برابر اگر معلوم ہے رتبہ سخن کا
خون دل کا مجھے شراب ہوا جگر سوختہ کباب ہوا
ترک عاشق نے نیک نام کیا کام اپنا جو تھا تمام کیا
لب شیریں سے بے زبانوں کو بولنا تلخ کام ہے تیرا
ہاتھ اٹھا جور اور خفا سے تو یہی گویا سلام ہے تیرا
سرکشی کیا کرے ہے وہ تجھ سے سرو باغی غلام ہے تیرا

یکرنگؔ، بشن داس

بشن[1] داس یکرنگؔ شخصے ست قومِ[2] کایتھ ساکن سہارنپوراست[3]۔ رطب و یابس بقدرِ استعدادمی گوید۔ یک غزلش کہ بمن رسیدہ بود ازاں ایں شعر بطور منتخب برنگاشتہ:

سخت مشکل ہے لکھوں صاف تو ہوتے ہو خفا اور جاتے ہو سمجھ تک بھی جو ایہام لکھوں

1۔ اصل۔ اضافۂ مولف ''بشن داس''۔ 2۔ اصل/ق: قوم زرگر۔ 3۔ کذا۔

یادؔ، میر غلام حسین

میر غلام حسین یادؔ تخلص مولدش قصبۂ سونی پت از مریدان مولانا محمد فخر الدین و اقربایانِ[1] مولانائے لاثانی شاہ عبد العزیز است۔ اشعار خود را باصلاح حکیم ثناء اللہ فراقؔ رونق دادہ۔ ایں[2] ابیات از یادگارِ اوست:

نہ لے گا نام کبھی پھر وہ آشنائی کا
فلک نے جس کو دکھایا ہے دن جدائی کا

پھنسا جو زلف میں شانہ تو چھوٹ نہیں سکتا
خدا کسی کو نہ دے پیچ مبتلائی کا

ہے کون جو ہو ابروے خمدار کے آگے
رستم بھی نہ ٹھہرے تری تلوار کے آگے

یحییٰؔ، منشی یحییٰ خاں

منشی یحییٰ خاں یحییٰؔ از مقربانِ دربار معلیٰ بود۔ در ہنگامِ برہمی نظم و نسق امور سلطنت دہلی، رختِ سفر بستہ در بلدۂ بھرت پور مسکن[3] گزید و بمصاحبت راجا سورج مل بہادر معزز گشت و تمام عمر بفراغت و آسودگی حال بسر برد۔ خیلے دقیقہ رس، نکتہ یاب و معنی فہم، بلاغت انتساب بود۔ اگرچہ بہ اسباب ظاہر تعلقات جہاں را خیر باد گفتہ، الا ہمچو کلام محبت التیام خود مدام[4] زندہ و یحییٰ است۔ ایں اشعار از تالیف کردۂ آں مغفور، ایں ذکاے ہیچمداں و بے شعور[5] دریں جا ثبت می گرداند:

رقیبوں کی رکھتے ہو تم چاہ دل سے
بھلایا ہمیں واہ جی واہ، دل سے

خوشی کا سخن مجھ سے کیا پوچھتے ہو
کہ مدت ہوئی غم کو ہے راہ دل سے

یہ یحییٰ ہے بندہ ترا اور تجھ کو
گرانا اسے خواہ نا خواہ دل سے

یعقوبؔ، میر یعقوب علی

میر یعقوب علی یعقوبؔ، عزیزے بود ساکن دہلی۔ از رفیقانِ مولانا محمد فخر الدین بود۔ گاہ

---

1 اصل/ق: و با مولوی عبد العزیز صاحب قرابتِ قریبہ داشت۔ 2 ل: ایں ابیات از وست۔ 3 ل: مسکنت۔ 4 ل: بدام زندہ۔ 5 ل: آں مغفوری مکارم۔

گاہے فکر ریختہ می نمود۔ اگر چہ سخن خود را بنظر کسے از استادِ وقت نہ گذرانیدہ، الا ایں مطلع کہ از طبعش چکیدہ موزوں است:

شیشہ ہمارے ہاتھ سے لے یار دیکھنا ✩ دل ہے، پٹک نہ دیجو، خبردار[1]، دیکھنا

ہم تو آتے ہیں ترے کوچے میں اے یار کبھو ✩ پر یہ خطرہ ہے کہ چل جائے نہ تلوار کبھو

یوسفؔ، میر یوسف علی

میر یوسف علی یوسفؔ شاگرد میر عزت اللہ عشق، باشندۂ دار الخلافۂ شاہجہاں آباد از خاندان شرافت و نجابت است۔ نسبتِ مریدی بخدمتِ سراپا برکت سید فتح علی خاں حسینی دام ظلہٗ کہ مشائخ کامل و شہرۂ آفاق و اقسام اوصاف و انواع خوبی ہاے است:

تجھے کاہے کو دل دیتا مصیبت مول کیوں لیتا ✩ اگر ہوتی خبر پہلے سے تیری بے وفائی کی

نہ آیا میری بالیں پر کبھو وہ مہ جبیں ہرگز ✩ عزیزو بارہا اپنی سی طالع آزمائی کی

نہ جاسکتے ہیں اس تک ہم نہ قاصد پہنچ سکتا ہے ✩ صبا تو ہی خبر لے جا ہماری نارسائی کی

نہ کی بے درد کے دل میں ذرا تاثیر، اے یوسفؔ ✩ ہوا کیا عرش نے گر عرش اعظم تک رسائی کی

غلط فہمی ہے یہ کہنا کوئی اس کو کہاں دیکھے ✩ اگر چشم بصیرت ہو جہاں چاہے وہاں دیکھے

نہ دیکھے آنکھ اُٹھا کر پھر کبھو محرابِ کعبہ کو ✩ اگر تو یک نظر اے شیخ وہ ابرو کماں دیکھے

وہ سرخ شال اوڑھے ہوئے مستِ خواب ہے ✩ یا یہ شفق کے بیچ چھپا آفتاب ہے

یکروؔ

یکروؔ تخلص از شعراے قدیم بود۔ در عہد حضرت فردوس آرامگاہ طاب اللہ ثراہ از طبع زاد آں مرحوم ایں دو بیت بعاصی دست دادہ:

لے گئے بے رحم، و بے کس کر گئے ✩ ایک تھا عاشق کے غمخواروں میں، دل

اب[2] تو یکروؔ جیتا رہنے کا نہیں ✩ جا پڑا ہے سخت خونخواروں میں دل

---

1 ل: زنہار۔ 2 اصل/ق: اب تو اے یکروؔ یہ جینے کا نہیں۔ متن تصحیح قیاسی

یار

یار تخلص، سخن گوے تازہ مشق بضلع شرقیہ[1] شنیدہ می شود۔ فی الجملہ سلیقۂ سخن پردازی دارد از اوست[2]:

کیا چل سکے علاج حکیم فرنگ کا　　کشتہ ہوں میں تو کافر اہل تلنگ کا

یکسو، فتح چند

لالہ فتح چند یکسو قوم کایتھ ایتھانی ساکن مغل پورہ دہلی۔ ہمراہ خواجہ طالب علی خان بود۔ علاقۂ[3] وکالت سرخ پلٹن داشت۔ مردِ معقول فہمیدہ وسنجیدہ صاحبِ عزت بود۔ اکثر ریختہ طرح می داد:

یار کی ہاے ملاقات نہ ہونے پائی　　جی کی جی ہی میں رہی، بات نہ ہونے پائی

مطلع ثانی

جلد اٹھ جاتا رہا رات نہ ہونے پائی　　مجھ کو وہ سیر طلسمات نہ ہونے پائی

یوسف، یوسف شاہ

یوسف شاہ یوسف از پیرزادہ ہاے کٹھور است[4] مردے سیاح وارستہ مزاج عاشق سیرت درویش صورت واقع شدہ بسیارے از اشعار اساتذہ ہا کہ یادِ خاطر واز بر دارد، بزورِ آں بعضی اشعار موزوں می کند۔ ریختی[5] یعنی اداے کلام بزبان نسواں کہ دریں ولا اکثر جاہا وخصوص در لکھنو مروج[6] شدہ از تالیف اوست:

ریختی

نئی اک دھج تو ظالم نے نکالی　　اکڑتی پھرتی ہے سب سے نرالی

---

1 اصل/ق: مسموعہ بجاے "شنیدہ"۔ 2 ل: ایں شعر از وثبت افتادہ است 3 ل: بعلاقۂ وکالت پلٹن سرخ نوکر بودہ۔ مردے ذی عزت وفہمیدہ وسنجیدہ نے نکالی نیکی اشتہار داشت۔ اکثر ریختہ طرح می داد۔ از وست۔

4 اصل/خ: اگر چہ از علوم متعارفہ چنداں بہرہ ور نیست لاً۔ 5 ل: ریختی کہ۔ 6 اصل/ق: بسیار۔

پریشاں کردیا ہر ایک کا دل بلا ناگن تھی اس کی زلف کالی
پھرے ہے کس لیے یوسف دوانا نہیں کیا ہم سی کوئی چاہ والی

یکرو

یکرو تخلص شاگردِ میاں آبرو۔ چند بار غزلیات منتخب خود فراہم آوردہ دیوانے مختصر ترتیب داد وبرباد رفت، چوں تدبیر موافق تقدیر ندید، شاعر موصوف از سخن گوئی درگذشت:

دل پر مرے ہیں داغ ترے ہجر کے کئی گنتی میں جن کی عمر مری سب گذر گئی

یکدل، عزت اللہ

میر عزت اللہ یکدل، شخصے بود، سید در زمان محمد شاہ بادشاہ۔ غزلیات نمی گفت، صرف مناقب گو بود، ایں منقبت از تالیف شریف او فدوی ذکا تحقیق کردہ می نگارد:

مخمسات (کذا)

نوگلِ باغ انما کی قسم سروِ گلزارِ ہل اتی کی قسم
میر میدانِ لافتا کی قسم میں تو عاشق ہوں مرتضیٰ کی قسم
دل فدا ہے مجھے خدا کی قسم

یونس، حکیم یونس

حکیم یونس از شاعرانِ قدیمِ فارسی گو۔ گاہ گاہے سر ریختہ گوئی ہم می داشت۔ ایں ابیات ازوست:

صبح جب گلشن سے وہ گلرو گیا باغ سے باہر نکل گلرو گیا
ہے معطر اب تلک صحرا تمام اس زمیں اوپر کوئی گل بو گیا
سو گیا جن نے جگایا تھا مجھے بخت میرا جاگ اٹھا تھا، سوگیا

متفرقات

برضمیر دانش دوران نکتہ یاب وخرد مندان فضیلت مآب پوشیدہ مباد کہ چند ہزار اشعار رنگین ودل نشیں[1] بسبب کثرت مشاغل شعر گوئی وسیر دیوان ہر یک کس برائے انتخاب تذکرہ و صحبت شاعران سخن گزار بایں اضعف العباد[2] یاد خاطر واز بر بود، ودر مجالس احبا شعر ہر قسم کہ کسے پیش من می خواند، در جوابش بہماں مضمون بہتر وغالب ازاں می خواندم وسوائے اشعارے دیوان خود از تالیف دیگراں قریب دہ ہزار شعر منتخب وچیدہ تر یاد خاطر می داشتم۔ منجملہ است۔ اکثرے ازآں در دواوینِ شاعراں کہ یافتم بجائے مناسب بہ[3] مقام اشعار ہر کدام نوشتہ وبعضے کہ بدیو انہا نیافتم وبا آنکہ صحتِ آنہا ونام مصنف کماحقہ[4] بہ تحقیق نہ پیوست[5]، بے ثبوت در تذکرہ نوشتن مناسب[6] محض نہ انگاشتہ وآن را متفرقات قرار وادم۔ زیرا کہ اگر ہمچنین نمی بود بجائے ہر کدام نوشتہ می شد واگر چہ[7] یقیں قوی است کہ ایں اشعار متفرقات نیز اکثر ازہمیں شاعران مندرجہ تذکرۂ ہذا[8] خواہند بود لیکن چونکہ اشتباہ خاطر باقی ماندہ، لہٰذا در متفرقات درج ساختہ کہ اشعار برجستہ[9] ومنتخب[10] از تذکرہ خارج نہ شوند وسخن فہماں بحظیت وارسیدہ بداد وہی محنت ایں خاکسار توجہ موجہ مبذول فرمایند:

شفق اور شام میں گویا ستارے سے جھمکتے ہیں	مسی اور پان سے کیا شوخ کے دنداں چمکتے ہیں
کہیں بیکل نہ ہو جاوے، مری چھاتی دھڑکتی ہے ⊙	کمر اس نازنیں کی بارِ ہیکل سے لچکتی ہے

---

1 ل: دل نشیں متفرقہ جمع کردہ بودم چوں نامِ مصنفانِ اشعار مذکور تحقیق نشدہ بود و اشعارِ مذکور خاطر پسند و بسیار دل پسند بودند، دریں تذکرہ بطور متفرقات می نگاشتم۔ 2 اصل/ق: اضعف العباد کا۔ 3 اصل/ق: بذیل اشعار۔ 4 اصل۔ اضافۂ مولف: کماحقہ۔ 5 اصل/ق: چوں۔ 6 اصل/ق: نامناسب۔ 7 اصل/ق: ظن غالب۔ 8، 9 اصل۔ اضافۂ مولف: "ہذا" 10 اصل/ق: منتخب ورنگیں رایگاں نہ رود۔ ⊙ داخل تذکرہ۔

رشتۂ جاں بھی اگر تیرا ہو تارِ دامن
آہ تس پر بھی سمجھتا ہے تو بارِ دامن

شاخِ گل کی سی طرح یہ تن نازک تیرا
کیا لچکتا ہے اٹھاتے ہوئے تارِ دامن

دور سے سمجھے تھے ہم سنجاف کی تحریر ہے
پاس آ دیکھا کسی کا خون دامن گیر ہے

رسم کرتی کی یہ محبوبوں سے بے وجہ نہیں
بس کہ نازک ہیں اٹھاتے نہیں بارِ دامن

کہاں جاتے ہواے صاحب خدا کو بیچ دے ضامن
قیامت کو ارے ظالم مرا ہاتھ اور ترا دامن

دامن سے ترے گوٹے کو کیا لاگ لگی ہے
دل جائے کدھر؟ چاروں طرف آگ لگی ہے

دامن فشاں زمیں پہ وہ ٹھوکر لگا چلے
جس جا ہماری خاک تھی، دامن اٹھا چلے

وصل کی شب مدت میں آئی چرخ تو اتنی بات تو کر
آٹھ برس کے بعد ملی ہے، آٹھ پہر کی رات تو کر

وعدۂ وصل ہے خورشید شتابی چھپ جا
رات ہونے دے نہ کر خانہ خرابی چھپ جا

وصل سے ازبس کہ رہتے ہیں سدا مغرور ہم
اس کا خمیازہ یہی تھا اس قدر ہوں دور ہم

آنکھ اپنی روتے روتے نہ شب تا سحر لگی
کیا جانے وصل یار میں کس کی نظر لگی

سفر کے وقت میں نے دلربا کو
نہ سونپا بدگمانی سے خدا کو

⊙

سفر کے چلنے کا جب دل نے اضطراب کیا
نکل کے آنکھ سے آنسو نے پاتراب کیا

گر عزم تیرے چلنے کا یاں سے شتاب ہے
اے جان! اپنی جان بھی پا در رکاب ہے

اب ہم کو سفر دور کا در پیش ہے جانی
دے ہاتھ کا چھلاّ تو مجھے اپنی نشانی

زلف ہے چہرے پہ یا جنجال ہے
جنبش ابرو ہے یا بھونچال ہے

جاگیر ساتھ کیا دل وحشی کو کام ہے
تجھ زلف کا خیال مجھے لاکھ دام ہے

زلف میں اے دل، ترا بسرام ہے
بیٹھ رہے مت جا مسافر! شام ہے

⊙

دل پا کے تیری زلف میں آرام رہ گیا
درویش جس جگہ کہ ہوئی شام، رہ گیا

زلف سیہ فام کو منہ سے اُدھر کیجیے
شام غریبوں کے تئیں ٹک تو سحر کیجیے

چھوڑتی نئ ہے سجن زلف تیری اپنے زور
باوجود یکہ کمال اس کو پریشانی ہے

تمھاری زلفوں کا شب کو پیارے جو دل میں ٹک ہم خیال لائے
نہ پوچھ اس دم کی کچھ حقیقت ہم اپنے سر پر وبال لائے

کہے کوئی سپاہی زادہ ترکش بند سے جا کر
کماں ابرو کو ٹک کھینچو تو جی قربان ہو جاوے

دو ماہِ نو کسی نے نہیں دیکھے ایک جا — پیارے کی ابروؤں سے نیا اخترا[1] ہوا

کیا جور و جفا کا ستم ایجاد کو ڈھب ہے — ابرو کا اشارہ ہے گہے جنبش لب ہے

رکھتا ہوں ترے یہ مکان چشم — اور تیرے پاسباں ہیں مرے مردمانِ چشم

آویں اگر پسند تری یہ مکان چشم — ووں ہی نکل کھڑے ہوں مرے مردمانِ چشم

روتے روتے نہ رہا نام کو نم، چشموں میں — آبرو کیونکہ رہے گی مری، ہم چشموں میں

نہ رو رو کے ہم نے یہ ترکی ہیں آنکھیں — یہ دھو دھا کے تیری نذر[2] کی ہیں آنکھیں

عشق آسان سمجھ، سب نے اُڑائیں آنکھیں — ہجر! شاباش تجھے خوب دکھائیں آنکھیں

چاکِ در سے نہیں یہ اس نے دکھائیں آنکھیں — صفِ عشاق سے در پردہ لڑائیں آنکھیں

ہم نے رو رو کے ترے ہجر میں اے خانہ خراب — صورتِ حلقۂ گرداب بنائیں آنکھیں

کوٹھے سے اتر کر تم ہم پاس کب آتے ہو — تاروں کی طرح آنکھیں دوری سے لڑاتے ہو

بندے نے کسو سیتی کب آنکھ لڑائی ہے — صاحب کا گماں یہ ہے ناحق کی لڑائی ہے

بحرِ الفت میں جو دیکھا تو ہے گہرا پانی — آشنا کوئی نہیں اور ہے زہرا پانی

دیکھ کر بحر گنہ کیوں نہ ہو زہرا پانی — آشنا کوئی نہیں اور ہے گہرا پانی

ہمدرد کون تھا جو اشکوں کو میرے رو کے — کوچے میں خوبرو کے آئے ہیں خوب رو کے

کل جو ہم صحرا میں لے یہ دیدۂ پُرنم گئے — ابر گھبرا کر جھجک کر برسنے سے تھم گئے

چور زخمی ہو کے دل نے اور ہی مطلع پڑھا — وہ نہ آئے لے کے مرہم، مفت میں مر، ہم گئے

پھڑکنا آنکھ کا دیکھیں تو ہم کیا دکھاتا ہے — ملے گا شوخ یا تازہ کوئی طوفان لاتا ہے

رباعی

گلشن میں کہاں یار جسے دیکھیں گے — بن اس کے تو ہرگز نہ اسے دیکھیں گے

قاصد نے تو ملنے کی توقع کھودی — کیوں پھڑکے ہے اے آنکھ، کسے دیکھیں گے

ٹھہری نظروں سے جب اشارت کی — صف کی صف عاشقوں نے غارت کی

---

1. اخترا: اختراع (عین اختراع ساقط الوزن است — کیول رام)۔ 2. اصل دل — نظر۔

نگاہِ مست سے جب چشم نے اس کی اشارت کی
حلاوت مے کی اور مینا و میخانے کی غارت کی

⊙ نزاکت کیا کہوں اس ماہ رو کی کل، شب مہ میں
گیا تھا سایہ سایہ باغ تک تس پر حرارت کی

تیر نگہ جگر کے مرے پار پھر ہوا
چھاتی پہ زخمِ تازہ نمودار پھر ہوا

جو کوئی اس نگہ کے ڈھب چڑھا ہے
وہ پھر جیتا بچے، امکان کیا ہے

☆ تعریف کیا کروں تری چشمِ سیاہ کی
اک صف کی صف الٹ گئی، جیدھر نگاہ کی

⊙ اک عمر ہم نے کوے بتاں سجدہ گاہ کی
تب رفتہ رفتہ اس بتِ کافر نے راہ کی

ظالم نے جاتے جاتے جو پھر کر نگاہ کی
تاثیر کچھ نہ کچھ تو ہوئی میری آہ کی

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے
نگہ سے چشم سے ناز و ادا سے

جفا سے جور سے مہر و وفا سے
نہ دیکھا تو نے ظالم ڈر خدا سے

اشکو ذرا تم ٹھہرو پھر خواہ چلے جانا
یہ جی بھی نکلتا ہے ہمراہ چلے جانا

اشک آنکھ سے برسایا اور چشم گلابی کی
اس دل کے اٹکنے نے کیا جانے خرابی کی

اشک اُمڈا ہوا پھر ضبط سے کم رکتا ہے
ناصحا! اٹھ مری بالیں سے، کہ دم رکتا ہے

جس گھڑی سینے میں آ کر مرے دم رکتا ہے
محرم اس بات کا اللہ ہے، کہ دم رکتا ہے

صنم جس وقت کہہ کر ہم سے بسم اللہ چل نکلے
ہمارے اشک ووں ہی آپ کے ہمراہ چل نکلے

میں نہیں چھوڑا تجھے تنہا، خدا آگاہ ہے
کاروانِ اشک و لختِ دل مرے ہمراہ ہے

شعلۂ آہ نے دی آگ، جگر جلتا ہے
اشک جلدی سے خبر لیجیو، گھر جلتا ہے

چشم پُر آب ہے اور تشنہ جگر جلتا ہے
یہ تماشا ہے کہ برسات میں گھر جلتا ہے

قطرۂ اشک جو نکلا سو وہ گوہر نکلا
بعد مدت کے مری چشم کا جوہر نکلا

اشک بھی آنے سے اب تو تھم گئے
قطرۂ خوں تھے مژہ پر جم گئے

نامے کی سطر کون سی اشکوں سے تر نہیں
اپنا تو حال یہ ہے تمھاری خبر نہیں

بری نظر سے جو تیری طرف نگاہ کرے
برنگ سرمہ خدا اس کا روسیاہ کرے

کہے دیکھ اس کی بنی مردِ آگاہ
کہ انگشتِ نبی نے شق[1] کیا ماہ

---

1. ل: حق کیا ماہ ⊙ داخلِ تذکرہ۔

سننے پائے نہ دہن اس کے سے، دشنام تمام
جنبش لب ہی نے، اپنا تو کیا کام تمام

تبسم رنگ پاں سے، قاتل وخونخوار ہو جاوے
دھڑی لو ہو بھری تروار کی سی دھار ہو جاوے

مت لب کو ہلا ظالم بس جان نکلتی ہے
پیارے ترے ہنسنے میں اک آن نکلتی ہے

لب نہ ہلا سیکڑوں مرجائیں گے
لاکھوں کے ان باتوں میں گھر جائیں گے

مسّی کی دھڑی اوپر کیا پان کی لالی ہے
شبخون کے کرنے کی یہ طرح نرالی ہے

چبا کر پان اور مسّی ملی ہے
دہن گویا کہ لالے کی کلی ہے

مسی پر سُرخی پاں دیکھ میری عقل بھولی ہے
کہ ہے خورشید تاباں، تس پہ ایسی شام پھولی ہے

شفق اور شام کا جلوہ مسی اور پان میں دیکھا
عجب شامِ غریباں ہے کہ جب تو مسکراتا ہے

چمکتے دانت دیکھے یار کے مسی لگانے میں ⊙
جڑی ہیں قطبیاں الماس کی، نیلم کے خانے میں

ترے لب کی لالی خوشنما، مسی تس پہ ایسی نپٹ بلا
جیسی ہو شفق ویسی ہو گھٹا اہاہاہا اہو ہو ہو

پاؤں لگنے سے ترے بھاگ لگے منہدی کو
رشک سے ہم تو جلے، آگ لگے منہدی کو

دل ہو خوں اور حنا کو بھاگ لگے ⊙
اس تری منصفی کو آگ لگے

نہیں حنا سے کفِ پا کو ان نے لال کیا
کسی کا خون ہے ظالم نے پائمال کیا

دست و پا کو جو لگاتا ہے وہ محبوب حنا
کیا مرے خون سے کچھ رنگ میں ہے خوب حنا

اک آہِ سرد بھرنی اور دل کو تھام لینا
ہوتا ہے گاہِ گاہے یوں تیرا نام لینا

دل اپنا ان دنوں کچھ سخت بے آرام رہتا ہے
اسی حالت میں لے کر صبح سے تا شام رہتا ہے

عاشق تو ہوئے آپ اور ہم کھینچیں کسالا
اے حضرت دل! تم نے بلا میں مجھے ڈالا

پھنسا دے ہے جنجال میں جان بوجھ
نہیں دل، اسے دشمنِ جان بوجھ

سرو نے قدِ یار کے آگے
سر کشی کر کے پھل نہیں پایا

خریداروں کو ہنستا ہے مرا دل
جو تو لیوے تو سستا ہے مرا دل

ہاتھ پر لایا ہوں اپنے دل کو، ارزاں چیز ہے ⊙
مفت ہی، وارے سے ہے اور دست گرداں چیز ہے

زانو پہ ترے سر ہو اور جان نکل جاوے
تب دل سے محبت کا ارمان نکل جاوے

یہ دل کب عشق کے قابل رہا ہے ⊙
کہاں اس کو دماغ و دل رہا ہے

کسی تکیے پہ نیند آتی نہیں ہے — یہ سر پاؤں سے تیرے ہل رہا ہے

ہوا ہے عشق سے آکر مقابلہ دل کا ⊙ بھڑا پہاڑ سے جا، بل بے حوصلہ دل کا
بہا ہے پھوٹ کے آنکھوں سے آبلہ دل کا — تری کی راہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا
کروں میں کس سے بھلا جاکے اب گلہ دل کا — یہ چشمِ تر نے ڈبویا ہے معاملہ دل کا

کیا کام کیا ہم نے یوں دل نہ لگانا تھا — اس وقت میں اس جی کی جوکھوں کو بچانا تھا

یہ گم ہوا مرا دل ہاتھ آوے کاش کہیں — کسی سے ہوسکے تو کیجیو تلاش کہیں

دل اشک سے کہتا ہے میں پلکوں میں پھنسا ہوں — اے قافلے والو! ذرا ٹھہرو میں تھکا ہوں

دل ہاتھ سے کھو بیٹھے اور مفت میں غم کھایا — جیسا تھا کیا ہم نے، ویسا ہی مزہ پایا

طاقت نہیں ہے جی میں، نے دل بجا رہا ہے — کیوں ظلم کر رہے ہو اب ہم میں کیا رہا ہے
طاقت نہیں ہے جی میں، نے اب جگر رہا ہے ☆ اور دل ستم رسیدہ اک ظلم کر رہا ہے

رباعی

بوٹا ساقد اور قہر چھب تختی ہے ⊙ سینے کے سوا کہیں نہیں سختی ہے
جو بات ہے اس میں سو بہت خوب، پہ وہ — جس کو نظر آوے، اس کی کم بختی ہے

خوش نہ آئی یہ تیری چال ہمیں ⊙ یوں نہ کرنا تھا پائمال ہمیں

پھبے کیونکر نہ ان کو ننگے اب پنجوں کے بل چلنا — کہ گدرایا ہوا جوبن ہے اور اٹھتی جوانی ہے

برنگ نقش پا، کوچے میں ہے اس کے مکاں اپنا — عزیزو! پوچھتے کیا خاک ہو، نام ونشاں اپنا

قدم میں، ناتواں جب اس کے کوچے سے اٹھاتا ہوں ⊙ مثال نقش پا ہر ہر قدم پر بیٹھ جاتا ہوں

رہنے دے زمیں پر مجھے آرام یہی ہے ⊙ میں نقش کف پا ہوں مرا کام یہی ہے
نے منھ سے لگا بھیجیے انعام یہی ہے — اے صاحب من بوسہ بہ پیغام یہی ہے

بس اپنا کچھ نہیں! اے آہ چلتا — کہ دل کو لے گیا اک راہ چلتا

تیرا دامن میں نہ چھوڑوں گا دہائی تیری — مت چھڑا زور سے، نازک ہے کلائی تیری

سرخ سنجاف نہیں اس کے کنارِ دامن — خون عاشق کا ہوا ہیگا نثار دامن

شب کو بالیں سے مری اُٹھ جو وہ محبوب گیا — آنکھیں پتھرا گئیں، غش آگیا، دل ڈوب گیا

مجھ پہ ایام جدائی پھیر سخت آنے لگا
مرے پہلو سے جس دم آہ وہ دلبر سرکتا ہے
پہلو سے جس دم وہ نگار اٹھ گیا
نہ آکے داغ مٹایا کبھی جدائی کا
ہائے جس روز سے جدا ہیں ہم
جس روز سے تو جدا ہوا ہے
آہ ملتے ہی، پھر جدائی کی
یا وصل صنم تھا پھر جدائی دیکھی
کس سے کہوں میں آہ برائی نصیب کی
جدا کسی سے کسی کا غرض حبیب نہ ہو
جدا تیرے ہونے کا غم کیا کریں
جی ہی لے جاوے گی جب میرا جدائی آپ کی
مت اچھالو پھول تم، کچھ دشمنوں کو ہو نہ جائے
شتاب آ، کہ مجھے تاب انتظار نہیں
صبح پر وصل یار کی ٹھہری
ہزار حیف ہے اب انتظار میں مریئے
اک دم نہیں قرار مرے جی کو رات سے
صبح ہو جاتی ہے لیکن آنکھ لگ جاتی نہیں
ترے بن کس طرح پیارے مری اوقات گذرے گی
بے کلی ایسی گیا ہے سونپ وہ گلرو مجھے ⊙
زخم اک شمشیر کا سا دل پہ لگ جاتا ہے آہ ⊙
شب کو نیند آئی نہ تجھ بن، دل یہ دکھ دیتا رہا
شب کے تئیں میں زیست سے کچھ ایسا تنگ تھا

یار گھر جانے لگا، اے وائے گھر جانے لگا
قیامت اس گھڑی ہوتی ہے، پہروں دل دھڑکتا ہے
دل سے مرے صبر و قرار اٹھ گیا
نباہ خوب کیا تم نے آشنائی کا
زندگی سے بہت خفا ہیں ہم
کیا جانیے دل کو کیا ہوا ہے
واہ کیا خوب آشنائی کی
بس ہم نے خدا تیری خدائی دیکھی
دل لگتے ہی فلک نے جدائی نصیب کی
یہ درد وہ ہے کہ دشمن کے بھی نصیب نہ ہو
خدا یوں ہی چاہے، تو ہم کیا کریں
کام کیا آوے گی صاحب آشنائی آپ کی
میرا جی ڈرتا ہے نازک ہے کلائی آپ کی
کسی طرح سے مرے دل کو اب قرار نہیں
آہ پھر انتظار کی ٹھہری
خدا خزاں نہ دکھاوے، بہار میں مریئے
واقف نہیں ہے حیف تو اس واردات سے
دل کی بیتابی سے ساری رات نیند آتی نہیں
ابھی سے دل کو بیتابی ہے، کیونکر رات گذرے گی
کل نہیں پڑتی کسی کروٹ کسی پہلو مجھے
یاد آجاتی ہے جب وہ جنبش ابرو مجھے
بیکلی سے صبح تک میں کروٹیں لیتا رہا
گہ سنگ پر یہ سر تھا گہے سر پہ سنگ تھا

عجب یہ حالت ہوئی ہے اپنی نہ پاس جب تک وہ یار آوے
نہ چین آوے نہ صبر آوے نہ دل کو اپنے قرار آوے

عزیزو! وصل میں بھی ہم تو رو رو کر نہ سوتے تھے
جو اندیشہ تھا روزِ ہجر کا اس دن کو روتے تھے

عین راحت میں کٹیں ہجر کی راتیں مجھ کو
یاد آئیں جو تری وصل کی باتیں مجھ کو

بھلا لگ اب تو گلے آ کے تو شتابی سے
کہ رات ہجر کی کاٹی ہے کس خرابی سے

آنکھوں کی سیاہی بھی سفیدی کی نذر[1] کی
رو رو کے ترے ہجر میں یوں شام و سحر کی

دل کے تئیں آتشِ ہجراں سے بچایا نہ گیا
گھر جلا سامنے اور ہم سے بجھایا نہ گیا

ہجر سے ہے جاں بلب کاش کہ مر جائیے
وہ تو نہ گزرا ادھر آپ گزر جائیے

آتی ہے آفت نظر آہ جدھر جائیے
ہاتھ سے اس عشق کے یارو کدھر جائیے

آہ جاں سوز کر ہم مطلع دیوان کیا
عشق میں دیکھتے ہو پہلے ہی طوفان کیا

آہ کے ساتھ جی نکل جاوے
کہیں جھگڑا، مٹے خلل جاوے

بس اب تیری تاثیر اے آہ دیکھی
نہ آیا وہ کافر، بہت راہ دیکھی

کیا مری آہ، کیا بتوں کی نگاہ
ایک ترکش کے تیر ہیں واللہ

آہ صد افسوس، کس کافر کے ہم پالے پڑے
دل تو آگے دے چکے، اب جان کے لالے پڑے

آہ جس کے واسطے آرام سے واقف نہیں
کیا غضب ہے وہ ہمارے نام سے واقف نہیں

کس ستمگر سے مجھے آہ، پڑا ہے پالا
دل تو دے بیٹھے اسے جس کو نہ دیکھا بھالا

دیکھ کر اس کو جو آئے، اور حالت ہوگئی
چاہ ثابت ہوگئی یہ کیا قیامت ہوگئی

چاہ کر دل نے اسے آہ یہ کیا کام کیا
آپ بدنام ہوا، مجھ کو بھی بدنام کیا

نہ تھا جو دل میں ارادہ نباہ کرنے کا
تو نام لیتے تھے کس منہ سے چاہ کرنے کا

دیکھ لی ہم نے تمھارے دل کی چاہ
واہ وا، مشفق ہمارے، واہ واہ

گالیاں دینے لگے نام مرا لے کے تم ⊙
کچھ مری چاہ کے کھل جاتے ہی کھل کھیلے تم

ہے یہی کافی جو وہ مجھ سے سلوک اتنا کرے
مجھ کو اپنے چاہنے والوں ہی میں سمجھا کرے

میں تجھے دیکھا کروں اور تو مجھے دیکھا کرے
چاہنے تو بھی لگے مجھ کو، خدا ایسا کرے

---

1. اصل: ل: نظر۔

سوا تمھارے کسی کی نہ ہم تو چاہ کریں
قسم لو ہم سے اگر اور پر نگاہ کریں

جو لالچی ہو سچ ہے بے زر کبھی نہ چاہے
پر دل ملے تو آپ ہی سو سو طرح نباہے

کوئی ہزار ملے تم سے اور چاہ کرے
یہ کیا حساب کہ ہم چھٹ کوئی نباہ کرے

فغاں ہے، گریہ ہے، سوز والم ہے، اضطرابی ہے
شبِ فرقت میں بھی اے ہمنشیں کیا کیا خرابی ہے

گذری شب فرقت تو نپٹ درد والم سے
پر دیکھیے دن کیونکہ کٹے گا ترے غم سے

ایک دن آگے ہی دنیا سے اٹھانا ہم کو
شب فرقت تو الٰہی نہ دکھانا ہم کو

رنج فراق کھینچے، سینے پہ داغ کھائے
فرقت میں تیری ہم نے کیا کیا ستم اٹھائے

فرقت میں جن کی ہم نے لاکھوں ستم اٹھائے
آخر کو مر چلے ہم، وے اب تلک نہ آئے

شبِ فراق کی دہشت سے جان جاتی ہے
سحر سنی یہی دھڑکا ہے رات آتی ہے

مجھے تو اے شب ہجراں! یہ کیا دھراتی ہے
یہی نہ صبح تلک سنگ اور چھاتی ہے

ہمارے بولنے سے کیا تمھاری شان جاتی ہے
تمھیں اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں، اپنی جان جاتی ہے

وہ اپنے حسن پر نازاں، وہاں باتیں بناتا ہے
غم فرقت سے جی اپنا یہاں نکلا ہی جاتا ہے

گھڑی بھر بیٹھ کر قاتل تڑپتا چھوڑ جاتا ہے
نہ پاسِ دوستی اس کو، نہ مجھ پر رحم کھاتا ہے

طپش یہ دل کی ترے پاس بن ستاتی ہے
پلنگ پہ لوٹتے بیکل کو رات جاتی ہے

چاندنی راتیں کب اس شوخ بن اب بھاتی ہیں
یہ بہاریں شبِ فرقت میں چلی جاتی ہیں

سحر جو ہوتی ہے رو رو کے شام کرتے ہیں
شبِ فراق یہ سب؟ کر تمام کرتے ہیں

مٹاؤ دل پر سے داغ فرقت نہ یوں کروگے تو کیا کروگے
غرض کر اے کشتگانِ الفت نہ یوں کروگے تو کیا کروگے

الم سے یاں تئیں میں مشق ناتوانی کی
کہ میرے تن پہ مری جان نے گرانی کی

ہوا کی یک تہی نے جسم پر گرانی کی
سبک کیا مجھے، ہت تیری ناتوانی کی

برنگ آبلہ کیا ہم نے زندگانی کی
کہ جس کے پاؤں پڑے، ان نے سرگرانی کی

نہ بندگی نہ غلامی نہ جانفشانی کی
فقط نصیب تھی جو، تم نے مہربانی کی

یاں تک تو تیرے غم نے کیا ناتواں مجھے
مژگاں مری کا سایہ ہوا ہے گراں مجھے

اب ایسا ناتواں یہ دل ہوا ہے
کہ اٹھنا بیٹھنا مشکل ہوا ہے

ترا ناتواں یہ توانا ہوا ہے
کہ مشکل اٹھانا بٹھانا ہوا ہے

جفائیں دیکھ لیاں، بے وفائیاں دیکھیں
⊙ بھلا ہوا کہ تری سب برائیاں دیکھیں

ہوا ہے سیر، اب یاں تک بتوں کی بے وفائی سے
کہ لاکھوں کوس بھاگے ہے مرا دل، آشنائی سے

اپنی قسمت سے ملے ہیں ہم کو کیا کیا آشنا
آشنا دو چار دن دو چار دن، نا آشنا

گر تجھے منظور تھا غیروں سے ہونا آشنا
تو عبث ظالم ہمارا کیوں ہوا تھا آشنا

کروں میں شکوہ اگر تیری بے وفائی کا
جہاں میں کوئی نہ لے نام آشنائی کا

جو آشنا وفا نہ کرے اور جفا کرے
یارب جلوں میں جس طرح، وہ بھی جلا کرے

روا جو اہل وفا پر رکھی جفا کے تئیں
بتو دکھاؤ گے کیا منہ بھلا خدا کے تئیں

جفا تو چاہیے اے شوخ مجھ پہ یاں تک کر
کہ سب کہیں مجھے رحمت تری وفا کے تئیں

جو کوئی آپ سے وفا نہ کرے
دوستی اس ستی بلا نہ کرے

ساقی تو بعد میرے اتنا تو کام کیجو
جب مے کا جام چھلکے، تب میرا نام لیجو

دور سے آئے تھے ساقی سن کے میخانے کو ہم
پر ترستے ہی چلے افسوس پیمانے کو ہم

جوں جوں گھٹائیں آ کر ساقی برستیاں ہیں
ساغر کشوں کی روحیں مے کو ترستیاں ہیں

او میاں، او جانے والے، کہیو اس میخوار سے
سر پٹکتا ہے کوئی باہر کھڑا دیوار سے

آرزو ہے یہ مری عالم مے نوشی میں
یار کے پاؤں پہ سر ہو مرا بیہوشی میں

جی تو یہ چاہے ہے جب مے پی کے تو مخمور ہو
میں ترے قربان ہوں اور تو کہے چل دور ہو

کہتے ہو تم جو رات کو مے ہم نے پی نہیں
مجھ کو یقین آپ کے کہنے سے جی نہیں

ہو گیا ہے نشہ کمال ہمیں
ساقیا وقت ہے سنبھال ہمیں

نشے میں تھام جو لیتے مجھے تو کیا ہوتا
خبر بھی تم نے نہ لی، واہ میں گرا ہوتا

برق چشمک زن ہے ساقی، ابر ہے چھایا ہوا
جامِ مے دے، تو کدھر جاتا ہے مچلایا ہوا

یاد میں مرتے ہیں تیری جان! ہم میں دم نہیں
گر ذرا آنے میں تم نے دیر کی تو ہم نہیں

ترے بن بسترِ اندوہ پر کچھ یاد میں کر کے
پڑا روتا ہوں پہروں یار منہ پر آستیں دھر کے

کچھ یاد آ گیا جونہی بن دیکھے یار کے
تھرّا اٹھا میں ہاتھ کو زانو پہ مار کرے

اس تری یاد فراموش نے بیہوش کیا — غیر سے یاد بدی ہم کو فراموش کیا

یاد جس وقت تری دل میں مرے آتی ہے — تیری الفت کی قسم، جان نکل جاتی ہے

جس وقت تری یاد مرے دل کو دلا دی — باروت کے تو دے میں گویا آگ لگا دی

خاطر سے تری یاد نہ برباد کریں گے — جس حال میں ہم ہوں گے تجھے یاد کریں گے

یاد میں تیری ہیں اور تجھ کو دعا کرتے ہیں — آشنائی کا جو حق ہے، سو ادا کرتے ہیں

قدم جب عشق میں رکھتے ہیں بسم اللہ کرتے ہیں — متاعِ دل کو اپنی فی سبیل اللہ کرتے ہیں

اس قدر بھی دل کو مت فولاد کر — بھولے چوکے ٹک کبھی تو یاد کر

بلائیں ہاتھوں نے میرے جو لیں تمھاری، رات ⊙ بلائیں ہاتھوں کی لیتا رہا میں ساری رات

بلائیں خواب میں ہم نے جو لیں تمھاری رات — کھلی جو آنکھ تو تڑپا کیا میں ساری رات

تجھ کو روزی ہو مری جان، بلائیں لینا — مجھ کو ہر شب ترے مکھڑے کی بلائیں لینا

یاد آتی ہیں مجھے جب وہ ادائیں تیری — دونوں ہاتھوں سے میں لیتا ہوں بلائیں تیری

قاصد! اس شوخ کے جھوٹے بھی پیغام ہوئے — وصل اک دم نہ ہوا، مفت میں بدنام ہوئے

قاصد گئے ہوئے نہ پھرے کوئے یار کے — پھنکوا دیا انھیں کہیں ظالم نے مار کے

قاصد تو نا اُمید پھرا کوئے یار سے — خفت ہوئی ہمیں دلِ اُمید وار سے

جلدی سے جا کے قاصد میرا پیام کہنا — اس دل کی بیقراری اس سے تمام کہنا

آنا یہ ہچکیوں کا مجھے بے سبب نہیں — بھولے سے ان نے یاد کیا ہو، عجب نہیں

جب کہ ہنس بولنا اس شوخ کا یاد آوے ہے — بس وہ نہی دو دو پہر ہچکی سی لگ جاوے ہے

کوئی بیدرد شاید آج ہم کو یاد کرتا ہے — لگی ہیں ہچکیاں دل کو جگر فریاد کرتا ہے

ہم نے دوری میں تری اس طرح دل شاد کیا — ہچکی آئی تو یہ سمجھے کہ ہمیں یاد کیا

اے پری رو! آہ تیرا جب سے دیوانہ ہوا — خلق نے مجنوں کہا اپنوں سے بیگانہ ہوا

شہر میں کیا کام ہے آنے سے دیوانے کے تئیں — دامنِ صحرا بہت ہے پاؤں پھیلانے کے تئیں

اے خرد مندو! مبارک ہو تمھیں فرزانگی — ہم ہیں اور صحرا ہے اور حسرت ہے اور دیوانگی

نبض نہ دیکھ اے طبیب! ہاتھ لگا اور موا — اپنی تو یہ شکل ہے آہ چھوا اور موا

جس دن سے مائل اس پہ طبیبو! یہ دل ہوا
قیس صحرا میں جو پھرتا تھا، وہ دیوانا تھا
اسے سیر باغ نصیب ہو جسے کچھ خوشی و فراغ ہے
آئینہ جبکہ یار مرا روبرو رکھے
ہزار عشق سے گذرے، تلاش باقی ہے
پھول کے منہ پر ستم سے مارمت دم اے سموم
محشر میں میکشوں کا ہم نام کر اٹھیں گے
قصور پاتے ہیں ملنے میں آپ کے اب کے
اگرچہ آوے مرا ان دنوں گلابی پوش
آیا ہے موسمِ گل، گلشن میں کیا ہنسی ہے
حسن سب جاتا رہا اک آن باقی رہ گئی
مردمِ چشم سدا رہتے ہیں تر پانی میں
تو نادر شاہ ہے ملک پری رویاں کا اے ظالم
مسّی لگاؤنے کا مت فکر ہر گھڑی کر
کیدھر ہے کہاں ہے خوش دلی تو
تھا چھپا مدت ستے ہر خوبرو کے دل کا بھید
بولتا تھا ہم سے لے کے بہشتی؟ کے سے دم
صفت حبشی بچے کی اس سے اور زیادہ فضولی ہے
پھیلا ہے کفریاں تک، کافر ترے سبب سے
معما اس دہن کا اب کھلا ہم پر تبسم سے
کون سا بت ہے، نہیں جس میں تجلی حق کی
اس مسی زیب کی ترش گوئی
یہ صف مژگاں نہیں ہے مست چشم یار پر

اس دن سے ہوتے ہوتے مجھے ہول دل ہوا
اس کو لیلیٰ ہی کے دروازے پہ مرجانا تھا
اسے لالہ زار سے کام کیا جسے اپنے دل ہی میں داغ ہے
آئینہ خاطروں کی خدا آبرو رکھے
جگر سے خار تو نکلا خراش باقی ہے
یہ چراغ خانۂ بلبل ہے، گل ہو جائے گا
ساقی سے مے کا واں بھی پیغام کر اٹھیں گے
کچھ اور ڈھب ہیں سوال و جواب کے اب کے
لٹاؤں تختے میں سارے گلاب کے اب کے
غنچوں کی پنڈلیوں نے گل کی قبا چسی ہے
جنس تھی سو بک گئی دوکان باقی رہ گئی
کیونکہ ڈوبے نہ رہیں، ان کا ہے گھر پانی میں
جدھر بھر کر نظر دیکھے تو قتلِ عام ہو جاوے
مارا ہے عاشقوں کو تو نے دھڑی دھڑی کر
ہم سے بھی کبھو تو آشنا تھی
خط کے آنے میں حقیقت سب کی ظاہر ہو گئی
پھلجھڑی سا ہنس پڑا آخر وہ آتش باز کا
کہ جب گل پوش ہو تب کہیے اس کو شام پھولی ہے
شمعِ حرم بھی دے ہے، ماتھے پہ اپنے ٹیکا
کہ ان میٹھے لبوں میں یہ جگہ بوسے کی خالی ہے
آگ پتھر میں تک اک دیکھ نہاں ہے کہ نہیں
شکریں فالسے کا شربت ہے
فوج شیدی کی چڑھی ہے خانہ خمار پر

چنچل کی دیکھ چھاتی پوچھا میں اس کو کیا ہے
ہنس کر کہا ادا سے تجھے کیا پڑا ہے کچھ ہے

نہ پایا دل، ہوئی روز سیہ سے جی کی حالت پٹ
☆ تری کاکل کو ڈھونڈا مو بمو اور زلف کو لٹ لٹ

سر پر بسنتی چیرا اور سبز خط عیاں ہے
کیونکر ہنسے کہ سب کو یہ شاخ زعفراں ہے

آج تیرے سفید چیرے نے
نور مہتاب پائمال کیا

بہت[1] دیکھے جہاں میں گلبدن اور خوبرو ہم نے
نہ دیکھی پر تمھاری سی کسی میں رنگ و بو ہم نے

کیا مصیبت زدوں کا جینا ہے
سیکڑوں داغ، ایک سینا ہے

قدر کچھ تو نے نہ جانی گو بُرے یا نیک تھے
ناز برداروں میں پیارے، ہم بھی تیرے ایک تھے

جلا جلا کے مجھے خاک میں ملا دے گا
تو روز حشر میں ظالم جواب کیا دے گا

شب فراق کا مجھ کو قلق ابھی سے ہے
اگرچہ دن ہے، مرا رنگ فق ابھی سے ہے

جاتے رہے دغا سے مجھے کچھ نہ کہہ گئے
سو سو طرح کے چاؤ مرے دل میں رہ گئے

نہ درد، دل سے مٹے ہے نہ آہ، سینے سے
قسم ہے عشق کی، گذرے ہم ایسے جینے سے

چڑھیو ذرا کوٹھے پہ تو اے جان سمجھ کر
⊙ پریاں نہ اتر آویں پرستان سمجھ کر

یار[2] اس شان سے ہے بزم طرحداروں میں
جس طرح ماہِ شب چار دہم، تاروں میں

جی دھڑکتا ہے کہ وہ شوخ گیا ہے بازار
آج بگڑے نہ کہیں اس کے خریداروں میں

زلف و رخسار و خط و خال میں کر تو تحقیق
دل ہمارا ہے کسی پاس، انھیں چاروں میں

بھولتا مجھ کو نہیں اس لبِ شیریں کا مزہ
اس کے بوسے کو میں گنتا ہوں شکر پاروں میں

کر تو گیا ہے وعدہ شب مجھ سے ماہ پارہ
مرتے ہیں اب تو ان کی جب راہ دیکھتے ہیں

عشق کی خلقت سے آگے میں ترا دیوانہ تھا
سنگ میں آتش تھی جب تو شمع، میں، پروانہ تھا

جز و کل میں فرق اتنا ہے، فقط ہے اعتماد
ورنہ جس خرمن کو دیکھو در حقیقت، دانہ تھا

کس کس طرح کی دیکھیں اس باغ کی فضائیں
کیدھر گئے وہ ساقی، وہ ابر اور ہوائیں

لپٹ کے سویا ہے اے یار کس کے سینے سے
کہ چولی تر ہے تری اب تلک پسینے سے

---

1. اصل میں حاشیے پر ل میں ندارد۔ 2. یہاں سے آخر تک ل سے اضافہ اصل ناقص الآخر ہے۔ ☆ ل میں نہیں۔ ⊙ داخل تذکرہ۔

باغ و بہار جس کی نظر میں خزاں لگے ‏— تو ہی بتا کہ وہ دل وحشی کہاں لگے

نسترن ہے، گل ہے، سوسن ہے، گل اور رنگ ہے ‏— اے بہارِ باغ نیرنگی، یہ کیا کیا رنگ ہے

تم نے کھولی زلف، چمکے داغ میرے دل کے سب ‏— کیوں نہ تارے چمکیں مہرو، وقت آیا شام کا

نہیں دنداں سفید اور ریخیں مسی کی نہیں اودی ‏— کھلا ہے موتیا گویا کہ نافرماں کی کیاری میں

سیر کو کیا جانیے کس باغ میں جاتا ہے دل ‏— یہ گل اشعار کس گلشن ستی لاتا ہے دل

الٰہی صبح ہو جلدی یہی حسرت سے کہتا ہے ‏— شب، اس ماتم سرا میں جو مسافر آ کے رہتا ہے

نہایت شوخ دیدہ ہے کہ مجلس بیچ لوگوں سے ‏— یہ طفل اشک میرا راز دیکھو منہ پہ کہتا ہے

تو دیکھ کے آئینہ کیوں عکس سے شرمایا ‏— کیا یاں بھی میں اے ظالم! نظروں میں تری آیا

نہیں تجھ سے جدا اک دم، قدموں کی ترے سوگند ‏— تو سرو ہے اے پیارے اور میں ہوں ترا سایا

مستزاد

جینے کا نہیں ہے کچھ بھروسہ اے یار — تحقیق تو جان

غفلت میں نہ کھو، عمر کے تئیں رہ ہشیار — ہر دم ہر آن

کیا جانیے کس گھڑی نکل جاوے گا دم — جینے پہ نہ بھول

اک آن نہ رہ یاد سے حق کی بیکار — گر ہے انسان

عاشقوں کے رخوں کے رنگ اڑے ‏— زور شیرازیوں کی ٹکڑی ہے

گورے مکھڑے پہ زلف کے یہ تار ‏— ق ‏— دیکھ کے لوگ آہیں بھرتے ہیں

باد کے رخ پہ اے صنم گویا ‏— کالے شیرازی پیچ کرتے ہیں

کیوں نہ اے شعلہ رو ترے رخ پر ‏— ق ‏— رہے موتی بلاق کا بیتاب

آیا ہے تجربے میں آتش پر ‏— نہیں ٹھہرے ہے قطرۂ سیماب

شوق قاتل کی زلف کا یارو ‏— ق ‏— جس گھڑی دل میں میرے آیا خیال

یوں دھڑکنے لگا یہ دل مجھ پاس ‏— جیسے بجتا ہے شام کو گھڑیال

میں یہ کیا جانتا تھا دل مرا یوں لاگ جاوے گا
قرار و صبر اور آرام دل سے بھاگ جاوے گا

مجھے اس بے وفا لڑکے نے اے یارو اٹھایا ہے
قدمبوسی نہ کرنے دی، دیکھو کیا سر اٹھایا ہے

یوں تیرے دہن بیچ یہ پانوں کی دھڑی ہے
جدول قلم میں گویا کہ شنگرف بھری ہے

سر کو سونے کے لیے کرتے نہیں ہیں پر تلے
تیغ سے صیاد کی پکڑے ہے بلبل ار تلے

جلوں میں اس کے ہاتھوں سے یہ دیوانہ ہے دل میرا
جہاں کوئی شمع رو دیکھے ہے پروانہ ہے دل میرا

بات کہہ غصے سے وہ پھر ہنس دیا
کیا بجھائی آگ پیارے نے لگا

ہستی سے اپنی بزم میں گریاں ہو مثل شمع
گر سر جدا ہو تن سے تو خنداں ہو مثل شمع

ماہ رو کی مہر پر ہرگز نہ پھول اے بوالہوس
چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیرا پاکھ ہے

سانورا کیونکر برابر ہو سکے گورے کے تئیں
اس میں اور اس میں عزیزو رات دن کا فرق ہے

اب حُسنِ صندلی کو پھر چاہنے لگا ہے
اس بوالہوس کا یارو شاید کہ سر پھرا ہے

گردن کے بیچ حسن کی ترا دستِ ناز ہے
ظاہر میں سرنگوں ہے ولے سرفراز ہے

نہیں معلوم کیا دل میں کماں ابرو کے آیا ہے
کہ اپنے گوشۂ خاطر سے مجھ کو یوں بھلایا ہے

کہے تھے ہجر میں بلبل، یہی قسمت کا تھا باٹنا
کہ خاروں کو وصالِ گل ہو، ہم ہوں سوکھ کر کانٹا

صنم غیروں کے گھر رہتا ہے اور ہم کو جدائی ہے
انھیں آرام، ہم بے چین، یارو کیا خدائی ہے

گلشنِ حسن میں لگا سبزا
یعنی اس شوخ کی مسیں بھیگیں

کرتا ہوں عشقبازی کئی جگ گذر گئے ہیں
پر حیف دلربا نے اب لگ نہ سار جانی

نیپٹ لشکر میں دل بے چین ہوگا یار میرے کا
کہ تنبو میں کہاں آرام ہوگا اس کو ڈیرے کا

قربان کیوں نہ ہو دل زردی لباس پی کا
بھونرے نے پھول یارو دیکھا ہے کیتکی کا

رکھتے ہیں صد چاک دل میرا اسدا ساقی کے ہات
یا الٰہی زلف کو اس کی لگے ہاتھی کا دانت

میں نخل حنا ہوں کہ اگر سر مرا کٹ جائے
خوں دست بدست اپنا حسینوں میں ہی بٹ جائے

خدا جانے صنم آوے نہ آوے
بھروسہ کیا ہے دم آوے نہ آوے

عکس تجھ فندق پا کا پڑے گر پانی میں
جھاڑ گل مہندی کا آجائے نظر پانی میں

ہمیں قتل تم نے کیا، کیا، نہیں کہتے ہم کہ بُرا، کیا
یہ بھلا کہو کہ کہو گے کیا، جو کوئی کہے "کہ یہ کیا، کیا"

خدنگِ آہ واں پہنچے ہمارا
کہ جس جاگہ پرندہ پر نہ مارے
شمع کو جلنا وہ تس پر یہ ستم گلگیر کا
کیا عدالت ہے کہ سر کاٹا ہے بے تقصیر کا
خالِ مشکیں بھی ہو اور زلف سیہ فام بھی ہو
مرغِ دل کیوں نہ پھنسے، دانہ بھی ہو دام بھی ہو
زلف میں، ابرو میں، خط میں، خال میں
پھنس گیا دل ہائے کس جنجال میں
ساقی گھٹا ہے اٹدی، بجلی بھی دیکھ چمکی
دے مے تجھے قسم ہے، اس میری چشمِ نم کی
طلب بوسے کے اوپر زلف بل کھا کر لگی کہنے
ہم ایسی گفتگو سے منہ کے اوپر مار بیٹھے ہیں
وہ سانوری سنارن جب سے نظر چڑھی ہے
دیکھے سے روپ جس کا دل چاہتا ہے سونا
صندلی رنگ کیوں نہ ہو مغرور
جس کے دیکھے سے دردِ سر ہو دور

رباعی

اب گھر سے کب اپنے وہ صنم نکلے ہے
جو نکلے ہے تو بہت ہی کم نکلے ہے
اس کی ہے یہ چال اور اپنا ہے یہ حال
اک دم جو نہ دیکھیے تو دم نکلے ہے

دور سے گر کہیں صحرا میں غبار اٹھتا ہے
'لیلیٰ وہ آئی' یہی قیس پکار اٹھتا ہے
یہ ظلم لگا ہونے ایجاد گلستاں میں
راتوں کو لگا رہنے صیاد گلستاں میں
کس قدر آنکھیں مری محوِ تجلی ہوگئیں
پتلیاں پتھرا کے یکسر سنگِ موسیٰ ہوگئیں
جلا یاں تک تپِ غم سے دلِ غمناک سینے میں
اگر ڈھونڈے کوئی دل کو تو پاوے خاک سینے میں
مانگ اس کی سے مانگتی ہے بھیک
سر کا کاسہ لیے شبِ تاریک

کب رونے سے اشک ہارتا ہے
دریا ہے کہ موج مارتا ہے
آنا ہے تو آکے جلد مل لے
راہی یہ ترا سدھارتا ہے

نام دیکھا جو کسی کا لکھا سرنامے پر
گاہ نامہ رکھا سر پر، گہے سرنامے پر

ٹک اوج دیکھیو مرے بخت سیاہ کا
جا عرش سے لگا ہے دھواں دل کی آہ کا

لی راہ ہمرہوں نے سب اپنے اپنے ہاں کی
ہم رہ گئے بھٹکتے جیوں گرد کارواں کی

جز گریہ، تسلی کبھو اپنی نہیں ہوتی
الفت میں یہ حالت تو کسو کی نہیں ہوتی

برچھی سے عبث دیتے ہیں تشبیہ مژہ کو
ایسی تو نکیلی کوئی برچھی نہیں ہوتی

پس مرگ یہ ہے گرمی سوزش کا مرے حال
تربت پہ مری گھاس کی سبزی نہیں ہوتی

درمناجات وخاتمۂ کتاب

المنت للہ کہ بعون عنایت بی نہایتش گرہ از روی کارہای بستہ وامی گردد و بتائید فضل بی عنایتش دشوارہا آسان تر از تاثیر دعا می شود۔ روزگاری است کہ این ہیچمدان شکستہ زبان بندۂ ذکا خیالِ محال انتظام این نگارستان بشاشت توامان در سر داشت واختتام این از تنگیِ حوصلہ دشوار تر می انگاشت۔ چوں دقتش درر سیدہ وتدبیر وتقدیر موافق افتاد وبعرصۂ معدود گواہر ترکیب وتدوین برشتۂ تحریر وسلک تسطیر درکشید:

ہے زبان زد یہی ہر آن الٰہی صد شکر	میری مشکل ہوئی آسان الٰہی صد شکر
تذکرہ خوب بنا فضل و کرم سے تیرے	سب ہوئے اس کے ثناء خوان، الٰہی صد شکر

اگرچہ دائرۂ گوشِ عالم از زمزمۂ کلامِ سخنوران پر نواست واحاطۂ اسامی سخنوران وافکار وایگان شان آبِ دریا پیمودن وریگ صحرا شمردن است، اما اشعار چیدہ چیدہ وکلام پسندیدہ کہ مطابق گفتگوے زبان دانانِ حال بود، از ہر جا بہم رسانیدہ، بطریقِ یادگار کہ درین دارِ بیمدار پائیدار باشد، ورقی چند سیاہ کرد۔ برینکہ سامعہ افروزِ چاشنی خوران مائدۂ سخندانی ونمک چشانِ خوانِ رمزدانی باشد وبعد تالیف تاریخ نسخۂ ہذا کہ بردیباچہ مرقوم یافت اشعار ہرکدام کہ بہم رسید بقدر خاطر پسند خود بقلم درر وادم پیداست کہ انتخاب اشعار وبہم رسانیدن دواوینِ شاعران سلف وحال از صغار تا کبار وجوانب واطراف واستدراک احوال ہرکدام راچہ قدر عرصہ ومشقت وتلاش می باید وچہ قدر خونِ جگر خوردہ می شود۔ سالی چند بہ تصنیف این نسخہ جگر کاوی کہ نمودہ ام واز امور دینی ودنیوی باز ماندہ، محنتی کہ بکار بردہ ام از فرط وضوح محتاج بگزارش نہ، وزمانۂ ناز قدر روان کہ احدی شیدای وداد رس کلام نیست۔ عمرے بفراہمی وگرد آوری اشعار بسر بردم ورنج لاطائل ومحنت لاحاصل برداشتم ازیں روانفعالِ کلی دامنگیر است کہ اگر تا این عرصۂ سالہا سال ریاضتِ خداے کریم می کردم، ہمانا از پایہ می گذشتم۔ چونکہ خود کردہ را درمان نیست، بلحاظ این معنی کہ (مصرع) آغاز کردہ برسانش بہ

انتہا، مدداز جناب ناصر مطلق خواستہ ہمت باختتام گماشتم۔ بہرحال کسانیکہ سلیقۂ شعرگوئی و بہرۂ سخن فہمی درست ندارند بنظرِ آنہا این خذف ریزہ ایست بیمقدار و بنگاہِ قدر شناسانِ این فن و مبصرانِ جوہرِ سخن تختہ ایست چون گلزار۔ و این کتاب در حقیقت گلدستہ ایست از باغِ سخن رستہ و چمن چمن گلیست دریں شگفتہ۔ شایق را ہر قسم شعر کہ پسند خاطر و مرغوب طبع باشد درین نسخۂ عدیم النظیر موجود است۔ ہر کسیکہ بہرۂ از علم داشتہ باشد قدرِ این بشناسد و منصفی نماید کہ چہ کارے کردہ ام و چہ نسخۂ جانفزا ترتیب دادہ ام چشم از پے بردگان راہ معانی و نشان یافتگان منزل عرفانی اندازد کہ بمطالعۂ این بہارستان ہرگاہ حظے بردارند منِ مستہام را از یاد فرو نگذارند۔ الٰہی تبہ، کارم از تو امید بخشایش دارم۔ الٰہی از لوثِ عصیاں شرمندہ ام۔ تو خداوند و من بندہ ام۔ الٰہی کارِ تو غفاری ست۔ و شعارِ من گنہگاری ست۔ الٰہی از کردۂ خود پشیمانم و چارۂ کارِ خود جز از تو ندانم، الٰہی آن دہ کہ آن

تو آپ واقفِ اسرار ہے، اگر کچھ بھی
سوائے اس کے مجھے آرزوے دیگر ہو
تری جناب میں دن رات بس یہی ہے سوال
الٰہی وہ دے جو حق میں ہمارے بہتر ہو

تمام شد تذکرۂ ھذا

کتابیات

مخطوطات

1	عیارالشعراء	خوب چند ذکا	مخزونہ انجمن ترقی اردو ہند، دہلی، سابق علی گڑھ
2	عیارالشعراء	خوب چند ذکا	مخزونہ انڈیا اوفس لائبریری، لندن مائکروفلم مملوکہ، مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ
3	تذکرۂ بے جگر	خیراتی لال بے جگر	مخزونہ انڈیا اوفس لائبریری، لندن مائکروفلم مملوکہ مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
4	مجمع الانتخاب	شاہ کمال مانکپوری	مخزونہ انجمن ترقی اردو ہند، دہلی
5	خوش معرکۂ زیبا	سعادت خاں ناصر	مخزونہ مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ

مطبوعات

الف۔ تذکرے

1	آزاد، محمد حسین	آب حیات	کلکتہ، عثمانیہ بک ڈپو 1967
2	ابوالحسن، امیر الدین احمد	تذکرہ مسرت افزا مرتبہ قاضی عبدالودود	پٹنہ (مشمولہ رسالہ معاصر) 1954
3	باطن، قطب الدین	گلستان بے خزاں	لکھنؤ، نول کشور پریس 1875
4	حمید اورنگ آبادیؒ خواجہ	گلشن گفتار مرتبہ سید محمد	حیدرآباد۔ 1339

5	حیدری، حیدر بخش	گلشن ہند	
		مرتبہ مختار الدین احمد	دتی، علمی مجلس، 1967
6	سرور، اعظم الدولہ	عمدۂ منتخبہ	
		مرتبہ، پروفیسر خواجہ احمد فاروقی	دہلی، شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی 1961
7	سری رام لالہ	خمخانۂ جاوید جلد اول	لاہور، نول کشور، 1908
8	ایضاً	ایضاً، جلد دوم	دہلی، امپیریل بک ڈپو 1911
9	ایضاً	ایضاً، جلد سوم	دہلی، دلی پرنٹنگ ورکس 1917
10	ایضاً	ایضاً، جلد چہارم	دہلی، ہمدرد پریس، 1926
11	ایضاً	ایضاً، جلد پنجم	
		مرتبہ، برجموہن دتاتریہ کیفی	دہلی، لالہ امیر چند کھنہ، 1940
12	شفیق، لچھمی نرائن	چمنستان شعرا	
		مرتبہ عبدالحق	اورنگ آباد، انجمن ترقی اردو، 1918
13	شورش عظیم آبادی	تذکرۂ شورش	(مشمولہ اردو تذکرے ــــ)
			مرتبہ کلیم الدین احمد پٹنہ، 1959
14	شوق، قدرت اللہ	طبقات الشعرا	
		مرتبہ نثار احمد فاروقی	لاہور، مجلس ترقی ادب، 1968
15	شیفتہ، مصطفیٰ خاں	گلشن بے خار	لکھنؤ، نول کشور، 1910
16	صفا بدایونی، عبدالحی	شمیم سخن	لکھنؤ، نول کشور، 1819
17	طفیل احمد	یادگار شعرا	الہ آباد، ہندوستانی اکیڈمی 1943
18	طوفان، امین اللہ	تذکرہ شعرا	(مرتبہ قاضی عبدالودود)، پٹنہ 1954
19	عشقی عظیم آبادی،	تذکرہ عشقی (مشمولہ دو	
	وجیہ الدین	تذکرے)	
		مرتبہ کلیم الدین احمد	پٹنہ، 1959

20 قاسم، قدرت اللہ — مجموعہ نغز (مرتبہ محمود شیرانی) دہلی نیشنل اکادمی 1973

21 قائم چاندپوری — مخزن نکات (مرتبہ عبدالحق) اورنگ آباد، انجمن ترقی اردو 1929

22 کریم الدین — طبقات الشعرائے ہند (مولفہ کریم الدین وفیلن)

23 گردیزی فتح علی — تذکرۂ گردیزی (مرتبہ عبدالحق) اورنگ آباد، انجمن ترقی اردو، 1933

24 لطف، مرزا علی — گلشن ہند (تصحیح وتحشیہ از شبلی نعمانی و مقدمہ از عبدالحق) لاہور، رفاہ عام پریس، 1906

25 مبتلا، مردان علی خاں — گلشن سخن (مرتبہ مسعود حسن رضوی) علی گڑھ، انجمن ترقی اردو، 1965

26 مصحفی، غلام ہمدانی — تذکرہ ہندی (مرتبہ عبدالحق) اورنگ آباد، انجمن ترقی اردو، 1933

27 میر حسن — تذکرہ شعرائے اردو (مرتبہ قاضی عبدالودود) طبع دوم

28 میر، میر تقی — نکات الشعرا (مرتبہ عبدالحق) اورنگ آباد، انجمن ترقی اردو، 1925

29 نساخ، عبدالغفور خاں — سخن شعرا لکھنؤ، نول کشور، 1874

30 یکتا لکھنوی، احمد علی خاں — دستور الفصاحت (مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی) رامپور، ہندوستانی پریس 1943

ب: کلیات و دواوین

1 آبرو، شاہ مبارک — دیوان آبرو (مرتبہ محمد حسن) علی گڑھ ادارۂ تصنیف

#	شاعر	کتاب	مقام و سال
2	انشاء، سید انشاء اللہ خاں	کلام انشا (مرتبہ محمد عسکری)	الہ آباد، ہندوستانی اکیڈمی، 1952
3	بقا، بقاء اللہ	دیوانِ بقا (مرتبہ خواجہ احمد فاروقی)	دہلی
4	بیدار، میر محمدی	دیوان بیدار (تصحیح جلیل احمد قدوائی)	الہ آباد، ہندوستانی اکیڈمی 1937
5	تاباں، عبدالحی	دیوان تاباں، (مرتبہ عبدالحق)	اورنگ آباد، انجمن ترقی اردو 1915
6	جرات، قلندر بخش	کلیات جرأت (مرتبہ نورالحسن نقوی)	علی گڑھ، 1972
7	جوشش عظیم آبادی	دیوان، جوشش (مرتبہ قاضی عبدالودود)	دہلی، انجمن ترقی اردو 1941
8	حسرت، جعفر علی	کلیات حسرت (مرتبہ نورالحسن ہاشمی)	لکھنؤ، سرفراز قومی پریس، 1966
9	سوز	دیوان سوز (مرتبہ خواجہ احمد فاروقی)	1963
10	غالب، مرزا اسد اللہ خاں	دیوان غالب، مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی	علی گڑھ انجمن ترقی اردو، 1958
11	درد، خواجہ میر	دیوان، درد، مرتبہ ظہیر احمد صدیقی بارسوم	دہلی، مکتبہ شاہراہ 1971
12	مصحفی، غلام ہمدانی	کلیات مصحفی، مرتبہ نورالحسن نقوی	لاہور مجلس اشاعت ادب، 1975,1968
13	میر، میر محمد تقی	کلیات میر، مرتبہ عبادت بریلوی	کراچی، اردو دنیا، 1958
14	ناجی، محمد شاکر	دیوان شاکر ناجی، مرتبہ فضل حق	دہلی، ادارہ صبح ادب، 1968
15	نظیر اکبر آبادی	گلزار نظیر، مرتبہ سلیم جعفر	الہ آباد، ہندوستانی اکیڈمی، 1951
16	یقین، انعام اللہ خاں	دیوان یقین، مرتبہ فرحت اللہ بیگ	علی گڑھ، 1930

ج: دیگر کتب

1	دتاسی، گارساں	خطباتِ گارساں دتاسی	اورنگ آباد، انجمن ترقی اردو، 1935
2	عبداللہ، سید	شعرائے اردو کے تذکرے	لاہور، مکتبہ جدید، 1952
3	عتیق صدیقی	گلکرسٹ اور اس کا عہد	علی گڑھ، انجمن ترقی اردو، 1960
4	علوی، تنویر احمد	ذوق، سوانح اور انتقاد	لاہور، مجلس ترقی ادب، 1963

د: رسائل

1	نگار، ماہنامہ	تذکروں کا تذکرہ
2	معارف ماہنامہ	مختلف شمارے

———oooOooo———

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

تاریخ ادب اُردو (جلد اوّل)

مصنّفین : گیان چند جین
سیّدہ جعفر
صفحات: 462
قیمت: -/545 روپے (سیٹ)

تاریخ ادب اُردو (جلد دوم)
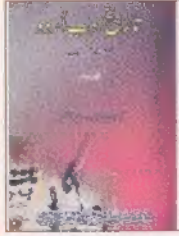
مصنّفین : گیان چند جین
سیّدہ جعفر
صفحات: 527
قیمت: -/545 روپے (سیٹ)

نوسرہار

مرتبہ : سیدہ جعفر
صفحات: 278
قیمت : -/66 روپے

سب رس کی تنقیدی تدوین

مرتبہ : حمیرا جلیلی
صفحات: 640
قیمت : -/156 روپے

اربابِ نثر اُردو

مصنف: سید محمود
صفحات: 236
قیمت : -/77 روپے

دکن میں اردو

مصنف: نصیر الدین ہاشمی
صفحات: 948
قیمت : -/92 روپے

ISBN 978-81-7587-746-7

राष्ट्रीय उर्दू भाषा विकास परिषद्
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
National Council for Promotion of Urdu Language
Farogh-e-Urdu Bhawan, FC- 33/9, Institutional Area,
Jasola, New Delhi-110 025